



تبلیغی جماعت کی دینی جدّوجُہد

خِدمات

- حضرت مولانا محمدّ الیاسؒ
- حضرت مولانا محمدّ یوسفؒ
- حضرت مولانا اِنعام الحسنؒ

ماہ نامہ "الرّشید" لاہور کی خصوصی اِشاعت

تبلیغی جماعت کی دینی جدّو جہد

خدمات

- حضرت مولانا محمّد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ
- حضرت مولانا محمّد یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ
- حضرت مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ

ماہنامہ "الرّشید" لاہور کی خصوصی اشاعت

ماہنامہ

الرشید

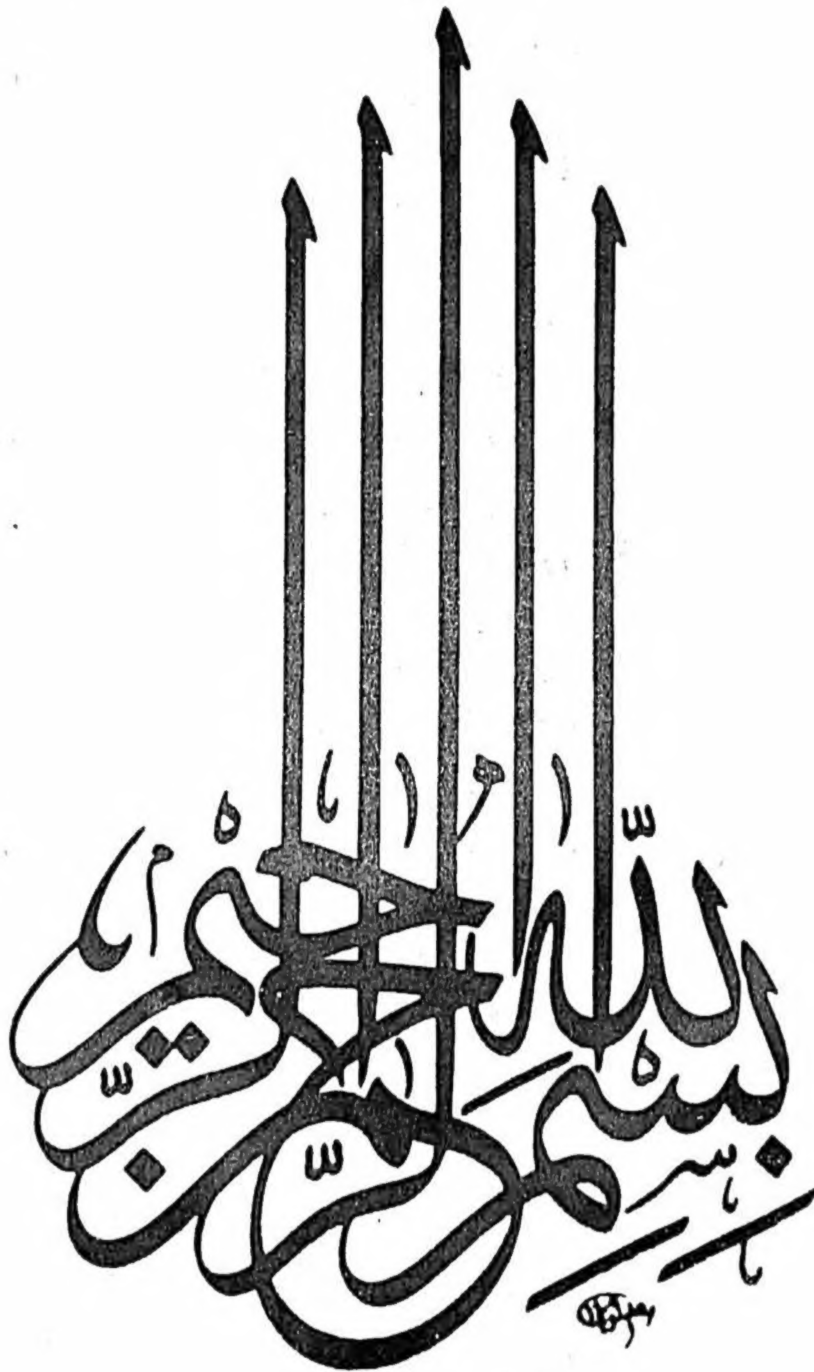
لاہور

مارچ/اپریل 1998ء ذوقعدہ' ذی الحجہ 1418ھ

شمارہ 7-8 جلد 26

۲۵ - لوئر مال ، لاہور

الرشید



مكة : ١٢ شوال المكرم

اجمالی فہرست

زاہد بشیر پرنٹرز - ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور سے طبع ہوا

انتساب

ان لاکھوں افراد کے نام کہ تبلیغی جماعت میں کام کرنے سے جن کی زندگیوں میں خیر کا انقلاب آیا اور اب وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہ صرف خود ــــ اللہ کے راستے پر چل رہے ہیں بلکہ ان کی مساعی لوگوں کو خیر کی طرف بلانے میں صرف ہو رہی ہیں اور اس تبدیلی کا بظاہر سبب حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد یوسف، حضرت مولانا انعام الحسن قدس اللہ اسرارہم کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کی محنت اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ کی کتب ہیں۔

جس کی ابتدا کلمہ طیبہ کی تصحیح اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی قبور کو اپنے نور سے منور رکھے

گزارش احوال

احقر کے "بیس مردان حق" کے پہلے اعلان و اشتہار میں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کا اسم گرامی بھی شامل تھا لیکن آخری وقت میں ان کا تذکرہ "بیس مردان حق" میں نہ کیا کہ کراچی میں ماہ نامہ "البنوریہ" نے موصوف پر ایک جامع اور متنوع نمبر نکال کر یہ حق ادا کر دیا۔ کاندھلہ انڈیا سے محترم مولانا نورالحسن راشد نے سہ ماہی "احوال و آثار" کا حضرت مولاناؒ پر ضخیم نمبر نکالنے کا اعلان کیا اور مختلف ذرائع سے راقم کو یہ پیام ملتا رہا کہ اس نمبر کو پاکستان میں، میں شائع کروں لیکن براہ راست رابطہ نہ ہوا پھر مولانا نے 1997ء میں 750 صفحات پر یہ نمبر شائع کر کے ٹائٹل کے دوسرے صفحہ پر یہ اعلان شائع کر دیا کہ پاکستان میں اس کی اشاعت کے حقوق عبدالرشید ارشد کو دیئے گئے ہیں۔ حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ نے مجھے فون پر مطلع فرمایا کہ نمبر آگیا ہے اور اس میں یہ اعلان ہے معلوم ہوا کہ پانچ نسخے مجھے بھی بھیجے گئے ہیں یا بھیجے جائیں گے لیکن مجھے نہ ملے۔ احقر نے حضرت نفیس الحسینی مدظلہ کے پاس یہ نمبر دیکھا۔ میں نے نفیاً یا اثباتاً پہلے پیامات کا جواب نہ دیا تھا لیکن اب مروت کا تقاضا تھا کہ میں ان کے غائبانہ اس کرم کا خیر مقدم کروں لہٰذا میں نے "الرشید" اخبارات اور جرائد میں اعلان کر دیا لیکن جب نمبر لے کر تفصیلاً اس کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک جلد مزید آئے گی۔ اب میں تذبذب میں پڑ گیا کہ کیا کروں کہ شائع شدہ نمبر بھی اپنی پوری افادیت و اہمیت کے باوجود نامکمل تھا اور میرے ذوق اشاعت کے مطابق بعض معاملات میں تطویل بھی تھی۔ لہٰذا میں نے مناسب جانا کہ بجائے اس کے کہ یہ نمبر بعینہٖ شائع کیا جائے کیوں نہ بانی و امیران جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسن اور "تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد" کے عنوان سے بانی جماعت، ان کی تعلیمات، اسی طرح ان کے لائق فرزند و جانشین حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا انعام الحسن قدس اللہ اسرارہم کی خدمات پر نمبر نکالا جائے اور اس کی ترتیب میں ان سے ملنے والوں کی جمع کردہ چیزوں کو یکجا کر دیا جائے۔ جن حضرات نے حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے شخصی احوال، تعلیم، نسب نامہ وغیرہ کی تفصیلات دیکھنا ہوں وہ سہ ماہی "احوال و آثار" کے نمبر کا مطالعہ کر لیں گے جیسا کہ عرض کیا میرا ایک ذوق ہے اور مولانا نور الحسن کا بھی ایک ذوق ہے انہوں نے اپنے ذوق سے خاندان کی تفصیلات زیادہ دی ہیں اور میں نے امیران جماعت کی تعلیمات پر زیادہ توجہ دینا مناسب سمجھا مسلسل بعض جسمانی و ذہنی اعذار کی بناء پر نمبر کے شائع ہونے میں تاخیر ہو گئی۔ آخر میں ان احباب کا شکریہ ادا کرنا واجب سمجھتا ہوں کہ جنہوں نے نمبر کے لئے اشتہار دیئے ورنہ ادارہ اس قدر مالی بوجھ نہ اٹھا سکتا تھا۔ دیرینہ کرم فرما اور سابقہ دور میں "الرشید کے مدیر معاون محب محترم جناب فاروق قریشی ایم۔اے، ایل ایل ایم کراچی کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس بارے میں خاصی محنت کی۔ اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ عزیزم مولوی عبدالستار نفیسی نے کمپوز شدہ مواد میں پروف ریڈنگ کا کام کیا ان کا بھی ممنون ہوں۔ اگرچہ صفحات اعلان سے زیادہ ہو گئے تاہم "الرشید کے خریداروں سے ڈیڑھ صد ہی لئے جائیں گے اور صفحات میں اضافہ کی وجہ سے عام قیمت میں کچھ اضافہ کر دیا ہے۔

عبدالرشید ارشد

تقدیم

عالم اسلام کی سیکڑوں سالہ تاریخ میں سیکڑوں ہی تحریکوں اور جماعتوں نے جنم لیا جن کا مقصد عام مسلمانوں کی اصلاح اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرے میں رہ کر کرنے کا عزم تھا ان سب کو تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کرلیا ہے۔ ہمیں اس وقت ماضی قریب کی ایک دینی اصلاحی جماعت کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جو حال میں اپنی وسعت کے اعتبار سے عالم اسلام کی سب سے بڑی دینی اصلاحی تحریک ہے گو وہ اب کسی کی تعریف و تنقید سے بہت بالا و بلند ہو کر اقصائے عالم میں پھیل کر شہرت عام اور بقائے دوام کا مقام و مرتبہ حاصل کرچکی ہے اور اس میں کام کرنے والے اس طرح کی باتوں سے دور اور نفور رہتے ہیں لیکن تاریخ کا اپنا ایک ضابطہ اور دستور ہے کہ وہ انفع و اصلح چیزوں کو محفوظ اور باقی رکھتی ہے اور ان کے تذکار میں ہر خاص و عام دلچسپی لیتا ہے۔ جیسا کہ نمبر کے نام سے ظاہر ہے اس میں جس جماعت کا ذکر ہے وہ عام لوگوں میں تبلیغی جماعت کے نام سے مشہور و معروف ہے گو اس کے بانی اور بعد میں آنے والے جانشینوں نے کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ ان کے کام کو کسی نام سے پکارا جائے لیکن عرف عام میں یہ نام اتنا عام ہوچکا ہے کہ جب تبلیغی جماعت کہا جائے تو اس سے مراد وہ دعوتی اور تحریکی جماعت مراد ہوتی ہے جس کو حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے اپنی زندگی کا مقصد وحید قرار دیا تھا۔

عام طور پر کسی تحریک یا جماعت کے قائد میں تین چیزوں کا پایا جانا لازمی اور ضروری ہے۔ (1) ذہانت (2) دیانت (3) استقامت لیکن اسلامی جماعت کے قائد کے لیے پہلی تین شرطوں کے ساتھ عبادت کا پایا جانا بھی ضروری ہے ورنہ وہ اسلامی قیادت جو عبادت سے عاری یا خالی ہو اس کی برپا کردہ تحریک یا جماعت صحیح ثمرات پیدا نہیں کرسکتی اور ناکام رہتی ہے گو بظاہر کامیاب ہوجائے۔ میں کہتا ہوں کہ تحریک پاکستان کا ساتھ اگر ہر مکتبہ فکر کے جید علماء نہ دیتے تو یہ کامیاب نہ ہوتی اور اس تحریک کی کامیابی کا باعث وہی کلمہ طیبہ بنا جس کی تصحیح یہ جماعت کرتی اور اس کے تقاضوں پر عمل کراتی ہے۔ تاہم جو جماعت یا اس کے قائد اسلام کا بول بولا بلند کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہوں اگرچہ بظاہر ناکام رہیں لیکن تاریخ کے اوراق ان کو کامیاب قرار دیتے ہیں۔ مثلاً اسی برصغیر میں ایک تحریک' تحریک بالاکوٹ کے نام سے مشہور ہے گو وہ بظاہر ناکام رہی لیکن تاریخ نے اس کو اوراق میں زندہ رکھا ہے۔ تحریک بالاکوٹ یا حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی تحریک کا یہ طغرائے امتیاز تھا کہ یہ لوگ صحابہ کرامؓ کا عکس نظر آتے تھے اور صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد پوری اسلامی تاریخ میں کسی ایسے گروہ یا جماعت کا پتہ نہیں ملتا جس کے تمام کے تمام افراد ایسے حامل شریعت اور متبع سنت ہوں جیسے کہ اس تحریک کے' بقول مولانا غلام رسول مہر:

> تاریخ ہند و پاک میں جس عہد کو مسلمانوں کا دور زوال کہا جاتا ہے یہ اسی کا ایک باب ہے لیکن کیا کوئی حق پسند اور حق شناس انسان اس اعتراف میں تامل کرے گا کہ مسلمانوں کے عہد عروج و اقبال کا بھی کوئی حصہ اصولا

اس سے زیادہ شاندار یا زیادہ قابل فخر نہیں ہو سکتا ـــــــ حکم و فیصلہ کا انحصار نتائج پر نہیں عزم جہاد' ہمت عمل اور راہ حق میں کمال استقامت پر ہوتا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کمال عزیمت اور کمال ہمت و استقامت کی ایسی مثالیں ہمارے عہد عروج کی داستانوں میں مل سکتی ہیں جن میں مقصود نصب العین دین اور صرف دین رہا ہو؟

(سید احمد شہید صفحہ 16 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

وقت گذرتا رہا اور ایک وقت آیا کہ سلطنت مغلیہ کا ٹمٹاتا ہوا چراغ اپنی آخری لو دکھا کر بجھ گیا اس پر پھر ایک تحریک چلی جس کو 1857ء کی تحریک "جنگ آزادی" کہا جاتا ہے گو یہ بھی ناکام رہی لیکن اس کے قائدین بھی تاریخ میں زندہ جاوید ہو گئے میاں محمد شفیع مرحوم سابق ڈپٹی کمشنر (دسسر سردار محمد چودھری سابق آئی جی پنجاب) نے 1957ء میں ایک کتاب بنام 1857ء لکھی اس میں انہوں نے 1857ء کی تحریک آزادی کو تحریک بالاکوٹ کا تتمہ کہا ہے۔ ـــــــ جیسا کہ گذرا اصل فیصلہ نتائج پر نہیں بلکہ عزم وہمت اور کمال استقامت پر ہوتا ہے۔ ققنس (ایک پرندہ جو جل کر مرجاتا ہے) پھر اپنی ہی راکھ سے پیدا ہو جاتا ہے یہ تحریک پھر تحریک ریشمی رومال یا تحریک شیخ الہندؒ کے نام سے چلی ـــــــ تاریخ کے اوراق میں وہ بھی زندہ و پائندہ ہے۔ تحریکوں پر پچاسوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔

اب ہندوستان میں انگریز کا اقتدار و تسلط مضبوط و مستحکم ہو چکا تھا جو پہلی جنگ عظیم 1914-1918 کے بعد اور زیادہ مضبوط ہو گیا لیکن اس وقت تک عالم اسلام میں خلافت کے نام سے ترکی میں خلیفۃ المسلمین موجود تھا اگرچہ عالم اسلام میں مختلف ممالک میں اسلامی حکومتیں قائم تھیں لیکن ایک مرکز موجود تھا گو وہ کمزور تھا لیکن مرکز تو تھا اور فرنگی استعمار کو اس بیمار مرکز سے بھی خطرہ تھا کہ اس انجم خاکی سے پھر کوئی صلاح الدین اور نور الدین زنگی پیدا ہو کر مد مقابل بن کر ہمارے لیے خطرہ بن سکتا ہے لہٰذا مختلف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے اس مرکز کو ختم کر دیا اور مسلم سلطنت جو باقی تھی اس کے حصے بخرے کر کے اپنے ایجنٹوں کے حوالے کر دیے۔ ہندوستانی مسلمان اسلام کے معاملے میں بڑا زود حس واقع ہوا ہے چنانچہ ہندوستان میں ایک بہت بڑی تحریک "تحریک خلافت" چلی۔ انگریز کو اس سے بھی خطرہ پیدا ہوا اور اس نے اس خلافت کی تحریک کے دوران اپنی دسیسہ کاریوں سے ایک تحریک شدھی چلا دی جس کا مقصد مسلمانوں کو گھٹی دے کر ہندو بنانا تھا ہندو جو کئی صد سال مسلمان حکمرانوں کے تحت رہا تھا اس نے انگڑائی لی۔

یہ تھا وہ پس منظر جس میں یہ جماعت منظر عام پر آئی جس کا مطلوب مسلمانوں کو ان کا مقصد یاد دلانا تھا اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے تجدید و احیائے دین کا کام لینا چاہتا ہے ان کو دردمند دل عطا کر کے اس میں دعوت و اصلاح کا ایسا طریق ڈالتا ہے کہ جس سے کتاب و سنت سے دور عمل سے خالی یا رسم و رواج کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں میں اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی روح بیدار ہو' ایسے ہی مصلح حضرت مولانا محمد الیاسؒ تھے کہ جنہوں نے اپنے والد مرحوم کے محدود کام کو پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا میں عام کرنے کا عزم کیا اور اخلاص و احسان سے اس کام کو وسعت دی۔ ان کے جانشینوں نے واقعتہ اس کو پوری

دنیا میں پھیلا دیا۔ اس کی تفصیل پورے نمبر میں موجود ہے۔ ابتدا میں کچھ اپنی زبان میں عرض کرنا مقصود ہے جس کی کچھ تفصیل 638 سے 654 صفحات پر بھی موجود ہے۔

ابتدائی سطور سے لے کر یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے کچھ اس وقت کے معروضی حالات پر روشنی ضرور پڑ گئی ہوگی لیکن ایک چیز درمیان میں رہ گئی انگریز کے خلاف 1857ء کی مسلح جدوجہد علماء نے بھی کی تھی لہذا انگریزی حکومت نے تمام سابقہ جاگیریں جو مدارس کے ساتھ تھیں ضبط کرلیں۔ مدارس بند کردیئے اور علماء کو سرعام تختہ دار پر لٹکایا گیا اور یوں ہزاروں علماء کو ختم کرکے اس نے اطمینان کا سانس لیا لیکن چند بوریہ نشین علماء نے 1857ء کے بعد بڑی خاموشی سے دینی مدارس کی داغ بیل ڈالی جن میں سے دو دینی ادارے جلد ہی مقبول عام ہو گئے جن کا نام دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے طور پر مشہور ہوا اور ان کی دیکھا دیکھی پورے برصغیر میں آسام سے لے کر کراچی و درہ خیبر تک دینی مدارس کا جال بچھ گیا اور دین کا کام ہونے لگا۔ اول الذکر دونوں مدارس کے بانی اپنے وقت کے بہت صالح، متدین، مخلص اور بہت بڑے عالم تھے اور ان کے تلامذہ نے نہ صرف برصغیر میں شہرت پائی بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی شہرت پہنچی۔ انہی دنوں 1857ء کے ایک مجاہد روپوش ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور انہوں نے عالم اسلام کے قلب مکہ معظمہ میں مدرسہ صولتیہ کے نام سے دینی مدرسہ کا اجراء کیا جبکہ ان دنوں وہاں دینی کام نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس عالم کا نام مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھا کہ جنہوں نے 1857ء سے پہلے عیسائیت کے فروغ کا کام کرنے والے پادریوں کا ناک میں دم کردیا اور آخر میں جہاد کیا۔ آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو آپ روپوش ہو کر بذریعہ بمبئی مکہ معظمہ پہنچ گئے ان کے ساتھی شیخ المشائخ حاجی امداد مہاجر مکی بھی مکہ معظمہ پہنچ گئے اور ان کے ایک مرید مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دیوبند میں اپنے اور احباب کے قائم کردہ مدرسہ عربی کو دارالعلوم بنادیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی عیسائی پادریوں اور پنڈتوں سے مناظرے اور انگریز سے جہاد کیا لیکن شکست ہونے پر دارالعلوم دیوبند کے استقلال کے لیے کام کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان مدارس عربیہ نے برصغیر میں کتاب و سنت کو نہ صرف ختم ہونے سے بچایا بلکہ اس کی اتنی اشاعت کی کہ جس کی مثال عالم اسلام میں ملنا مشکل ہے۔ لیکن یہ مدارس عالم پیدا کرتے تھے وہ عالم یا مدرسہ بناتے یا کہیں خطیب بن جاتے۔ ایک خانہ خالی تھا کہ عوام خاص کر ان پڑھ عوام جو دین سے غافل اور دور ہیں ان تک دین کیسے پہنچایا جائے اور جو پڑھے لکھے کاروبار دنیا یا ملازمتوں میں مصروف ہیں ان میں صحیح دینی روح کیسے پیدا کی جائے۔

دین میں سیاست بھی ہے جہاد بھی اور حکومت کرنا بھی ہے اس کے علاوہ دین کے کئی شعبے ہیں اس کا ایک مرکزی اور بہت بڑا شعبہ یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دین کو حقیقی دین بنائے اور دین کو اپنے آپ پر نافذ کرتا ہوا دوسروں تک اس کو پہنچائے لوگ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن ان کا کلمہ صحیح نہیں۔ مسلمان نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کی نمازیں صحیح نہیں۔ بقول اقبال۔

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

بس اس چیز کی فکر و درد اور صحیح سمت چلنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد الیاس قدس سرہ میں پیدا کیا اور پیدا کیا کیا' آپ اس کے عشق و جنون میں اس قدر مبتلا ہو گئے جس کی تفصیلات آپ آئندہ اوراق میں ان کو دیکھنے والوں کے قلم سے پڑھیں گے۔ حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ صحابہ کیسے تھے؟ حسن بصریؒ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر تم ان کو دیکھتے تو ان کو دیوانہ سمجھتے اور وہ اگر تمہیں دیکھیں تو کہیں کہ تمہیں دین سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے کچھ ایسا ہی معاملہ مولانا محمد الیاس کا تھا کہ ان میں دین کی درد مندی اور اس کی فکر اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ اس کام کے بارے میں ان کی حالت دیوانوں جیسی تھی اور اللہ تعالیٰ نے ساتھ حکمت بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ آدمی دیکھ اور سن کر دنگ رہ جاتا تھا۔ میوات کے علاقے میں ایک آدمی کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنا چاہا تو اس نے اپنی توہین محسوس کی کہ ایک ملا میری ٹھوڑی کو ہاتھ لگاتا ہے درشتی کی تو فوراً بیٹھ کر اس کے پاؤں پکڑ لئے کہ مجھ سے غلطی ہوئی یوں کرنا چاہیے تھا کون ہے جس کا دل نہ پسیج جائے ان کی یہ حالت اور کیفیت تھی اور اس کا نتیجہ آج چار دانگ عالم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ایک بڑا اعتراض اس جماعت پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو تبلیغ کرتی ہے غیر مسلموں کو نہیں اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عالم اسلام میں اور کون سی جماعت ہے جو غیر مسلموں کو تبلیغ کرتی ہے صرف اسی جماعت پر اعتراض کیوں؟ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم آج کل کے مسلمان اپنے کردار کو صحیح اسلامی تعلیم میں ڈھال کر سچے اور پکے مسلمان بن جائیں تو اس کو دیکھ کر غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور الحمدللہ تبلیغی جماعت کے افراد اور ان کے کاموں کو دیکھ کر بہت غیر مسلم اسلام لائے ہیں۔ پہلا کام تو یہی ہے کہ خود مسلمان صحیح مسلمان بن جائیں۔

دوسرا ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ جماعت جہاد یعنی اسلامی قتال کے متعلق اپنے افراد میں تبلیغ نہیں کرتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس جماعت کا ہدف پوری دنیا ہے اگر یہ جماعت، جہاد یعنی قتال کی باتیں شروع کر دے تو اس کا حلقہ محدود ہو جائے اور پھر شاید کوئی اسلامی ملک بھی اس کو برداشت نہ کرے اور دوسری بات یہ ہے کہ جہاد یہی نہیں ہے کہ تلوار یا بم ہاتھ میں پکڑو اور کفار سے لڑائی شروع کر دو ہر وہ کوشش جو اسلام کی اشاعت کے لیے ہو اسے جہاد کہا جائے گا گو اصطلاحی الفاظ میں آج کل جہاد قتال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس جماعت کا مرکز انڈیا میں بستی نظام الدین دہلی میں ہے اگر اصطلاحی جہاد کی جماعت تیاری شروع کر دے تو پھر انڈیا میں اس کو باغی قرار دے کر ختم کر دیا جائے گا۔ پاکستان تو اسلامی ملک ہے اس میں فیصلے غیر اسلامی ہوتے ہیں۔ اور قرآن پاک کا حکم ہے۔

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون

ان آیات کا علی الترتیب ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہیں کرتے وہ کافر ہیں' ظالم ہیں' فاسق ہیں ہمارے ملک میں عائلی قوانین جو ایوب خان کے زمانے میں نافذ ہوئے تھے وہ سراسر قرآن پاک کے خلاف ہیں لیکن پاکستان کی کونسی جماعت ہے جس نے اس کے خلاف جہاد تو کیا' تحریک ہی چلائی ہو؟ جن دنوں یہ احکام یا قوانین نافذ ہوئے تھے تو پاکستان میں تمام دینی جماعتوں کی مشترکہ رائے تھی کہ اس کی بعض شقیں مکمل طور پر قرآن پاک کے خلاف ہیں اس پر ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا جس کے آخر میں لکھا تھا "وما علینا الا البلاغ المبین" اس پر انڈیا کے ایک عالم دین نے تبصرہ کیا تھا کہ کیا اب اس ملک میں جو دین اور کلمہ کے نام پر بنایا گیا اس میں علماء کا یہی فریضہ ہے کہ جب وہ کسی خلاف کتاب و سنت قانون کے نفاذ کو دیکھیں تو ایک رپورٹ شائع کر دیں اور آخر میں لکھ دیں کہ وما علینا الا البلاغ المبین اس سے آگے عزیمت کی کوئی اور راہ نہیں ہے تو عرض یہ ہے کہ تبلیغی جماعت پر یہ اعتراض کیوں؟ دوسری دینی و سیاسی جماعتیں یہ کام کیوں نہیں کرتیں کہ جن کا تعلق اسی ملک اور وطن سے ہے۔ یہ تو ان کا فریضہ ہے ایک بین الاقوامی جماعت تو وہ کام کرے گی جو ساری دنیا میں کیا جا سکتا ہے۔ ہم کسی خاص جماعت کا نام نہیں لینا چاہتے ہمارے ملک کی کئی ایک جماعتیں بیان بازی کی حد تک تو بہت کچھ کرتی ہیں لیکن ملک میں بد نظمی' فحاشی' ڈکیتی' چور بازاری اور ہر طرح کی کرپشن جو ہر جگہ پائی جاتی ہے اس کے خلاف کس جماعت نے مسلح جہاد تو دور کی بات ہے اور وہ کرنا بھی نہیں چاہیے کہ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ جہاد باللسان' جہاد بالقلم اور اس طرح کے کئی دوسرے ذرائع ہیں کہ دینی اور شریف جماعتیں متحد ہو کر کام کر سکتی ہیں کیا انہوں نے اس کا حق ادا کیا سب الگ الگ اپنا کام کر رہی ہیں تو پھر تبلیغی جماعت اپنا میدان چھوڑ کر کیوں ایسا کام کرے کہ جس سے اس کے مثبت کام کرنے میں رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں۔

ایک اعتراض جماعت پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ امر بالمعروف تو کرتی ہے لیکن نہی عن المنکر نہیں کرتی یہ بھی سطحی سا اعتراض ہے نماز نہ پڑھنا' زکوۃ نہ دینا' حج نہ کرنا' حقوق العباد ادا نہ کرنا یہ بھی تو منکرات ہیں ان تمام کاموں کو کرنے پر لگانا اور برے کاموں سے ہٹانا یہ نہی عن المنکر نہیں تو اور کیا ہے اگر ڈنڈا پکڑ کر نہی عن المنکر کرنا کرانا ہے تو یہ حکومت کا کام ہے اگر تبلیغی جماعت یہ نہیں کرتی تو اور کون سی جماعت یہ کام کرتی ہے۔

ایک بات یہ کہی جاتی ہے کہ جماعت میں کام کرنے والے علم دین نہیں رکھتے یا علماء نہیں ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے اگر ہزاروں علماء کام نہیں کرتے تو سیکڑوں تو ضرور کر رہے ہیں اور یہ سیکڑوں بھی ایسے ہیں کہ جنہوں نے ایک ایک دو دو چلے نہیں برس ہا برس جماعت کو دیئے ہیں۔ بیسیوں کو تو یہ راقم جانتا ہے حالانکہ میں الگ تھلگ سی زندگی گزارتا ہوں اور اپنا کام یعنی تصنیف و تالیف کی سعی اپنی حد تک کرتا رہتا ہوں اور ایسے تو ہزاراں ہزار ہیں جو متفق ہیں۔ ایسے بیسیوں علماء ہیں کہ جنہوں نے پوری عمر جماعت کو دے رکھی ہے۔ ویسے یہ بات تو تب بجتی ہے جب سب جماعتوں کے علماء اپنی اپنی جگہ تبلیغ کے کام کو قرآنی حکم ادع الی سبیل ربک با لحکمۃ والموعظۃ وجادلھم بالتی احسن کے مطابق کرتے لیکن ہمارے علماء اکثر و بیشتر الا ماشاء اللہ آیت

کے آخری حصے پر عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی غلط طور پر، امت کو توڑنے کی باتیں ہوتی ہیں جوڑنے کی نہیں۔ ہر مکتبہ فکر کی کئی کئی سیاسی و دینی جماعتیں ہیں ان سب کی توانائیاں ایک دوسرے فریق کے خلاف تو صرف ہوتی ہیں لیکن دینی اور ہر ایک کی اپنی اپنی رائے اور راہ ہے یا اپنی اپنی سیاست ہے اگر کبھی اکٹھے بھی ہوتے ہیں تو قرآن پاک کی آیت کریمہ **تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى** (تو ان کو یکجا محسوس کرے گا حالانکہ ان کے دل جدا جدا ہیں) کے مصداق کوئی وقتی جذبہ بلکہ منفی جذبہ ہوگا کہ فلاں کو گرایا جائے گو اس میں کوئی وقتی مصلحت ہوگی اور وہ اتحاد و یگانگت ضروری ہی سہی لیکن دین کی خاطر یہ بات ہمیشہ ہمیشہ مشترکہ طور پر کیوں نہیں کی جاتی۔

ہم نے کسی جگہ ایک قلم کار کا مضمون پڑھا کہ ایک دفعہ مولانا محمد الیاس کے فوت ہونے کی افواہ اڑ گئی تو مولانا محمد زکریا نے کہا کہ مولانا محمد منظور نعمانی۔ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل" پڑھ کر تقریر کریں یہ تقریر کی گئی اور پھر واقعی جب وفات ہوگئی تو پھر بھی یہی آیت پڑھ کر تقریر کا آغاز کیا گیا۔ ان صاحب نے لکھنے کا مطلب جو واضح کیا ہے وہ یہ ہے کہ گویا مولانا محمد الیاسؒ کی وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یا انتقال ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

بریں عقل و دانش بباید گریست

موصوف نے اپنی طبع رسا یا فتنہ زا سے عجیب نکتہ پیدا فرمایا ہے۔ مولانا محمد الیاسؒ کی ساری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرنے میں گذری۔ یہاں یہ آیت پڑھنے کا تو مطلب و مفہوم یہ تھا کہ اگر باعث کون و مکاں اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اور کون ایسا ہے جو دنیا میں رہے گا۔ مولانا محمد الیاس تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے غلاموں کے غلام تھے۔ بعض دفعہ مخالفت میں انسانی ذہن عجیب باتیں کرتا ہے۔ اور پھر لکھا تھا کہ عالم اسلام کی تاریخ میں کسی عالم یا ولی کی وفات پر یہ آیت نہیں پڑھی گئی گویا پوری تاریخ کھنگال کر اب ان کو ان اولیاء اللہ یا شیوخ کا نام بتایا جائے کہ کب اور کہاں کہاں یہ آیت پڑھی گئی ——— ویسے قارئین کے لیے یہاں اس آیت کا شان نزول اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے پر اس آیت کے پڑھنے کا مقصد عرض کیا جاتا ہے۔

غزوہ احد میں یہ افواہ اڑ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اس پر یہ آیت اتری کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے رسول ہیں اور بے شک آپ سے پہلے بہت رسول گزرے (جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا) اگر آپ دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں یا شہید کردیے جاتے ہیں تو تم ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا" (نہیں پہنچا سکتا) (آل عمران) اس کے بعد مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ بیمار رہ کر واقعی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو کئی ایک صحابہؓ کو خیال ہوا کہ آپ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح کچھ دنوں کے لئے غائب ہو گئے ہیں پھر واپس تشریف لے آئیں گے اور حضرت عمرؓ نے تو تلوار ہاتھ میں پکڑلی اور کہا جو یہ کہے گا آپ کا انتقال ہو گیا تو

میں اس کی گردن اڑا دوں گا کہ حضرت ابوبکرؓ آئے اور آپ نے کہا عمر دتار کو ہاتھ سے نہ دو اور خاموش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ "ایھا الناس من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات و من کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت" اے لوگو سنو جو شخص صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ آپ بے شک انتقال فرما گئے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کو خوش ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی" (ترجمہ) اور پھر یہ آیت پڑھی اور صحابہ کرامؓ نے محسوس کیا کہ یہ آیت آج اتری ہے اور ابوبکرؓ سے سنی ہے اور حضرت عمرؓ کا حال یہ ہوا کہ خود ان کا قول ہے فو اللہ ما ھو الا ان سمعت ابا بکر تلاھا فعقرت حتی وقعت الی الارض ما تحملنی رجلای و عرفت ان رسول اللہ صلی قد مات (روح المعانی پارہ 4) پس اللہ کی قسم جب میں نے حضرت ابوبکر سے اس آیت کی تلاوت سنی تو میں کانپ گیا اور زمین پر گر گیا میرے پاؤں نے میرا ساتھ نہ دیا اور میں نے جان لیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے شک ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔

قرآن پاک میں آتا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اے مسلمانو! بے شک رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔

اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کے لیے معانی کا ایک دریا موجزن ہے کسی کو کوئی کیسی ہی مصیبت یا واقعہ (صدمہ) کا پیش کیوں نہ آئے اگر بغور دیکھا جائے گا تو اس سے زیادہ نبی اکرم اللہ صلی علیہ وسلم کو تکلیف اٹھانا پڑی ہوگی تو مولانا محمد الیاس کی وفات پر اس آیت کا پڑھنا اس بات کو یاد دلانا ہے کہ یہ بات تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آئی تھی گویا اس سے کسی کو مفر نہیں موت تو آنیوالی چیز ہے مولانا محمد الیاس فوت ہو گئے تو کیا ہوا اور ان کے بیٹے مولانا محمد یوسف نے نماز فجر کے بعد اپنے باپ کے مقصد حیات (جو سنتوں کا احیا تھا) پر تقریر شروع کردی اور ایسی تقریر کی کہ لوگ حیران تھے اور محسوس یہ ہوتا تھا کہ مولانا خود صحت کی حالت میں خطاب فرما رہے ہیں۔

شان نزول کے وقت تو صورت حال یہ تھی کہ غزوہ احد میں گھمسان کا رن پڑا تھا گو ابتدا میں مسلمانوں کو فتح ہوئی مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کو وقتی سمجھ کر فتح ہوئی دیکھ کر وہ درہ چھوڑ دیا کہ جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام کی ایک جماعت کو وہاں متعین کر دیا تھا اگرچہ چند صحابہ ڈٹے رہے اور درہ چھوڑنے والوں کو روکا بھی کہ جب تک آپ کی جانب سے دوبارہ حکم نہیں آجاتا ہمیں یہاں پہرہ دینا چاہئے لیکن اکثریت نے جگہ چھوڑ دی قریش (کفار مکہ) کے پاؤں اکھڑ چکے تھے لیکن خالد بن ولید جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) انہوں نے دیکھا کہ بلندی پر یہ جگہ اب تقریباً خالی ہے لہٰذا تیر اندازوں کے ایک دستہ کے ساتھ یہاں سے حملہ کیا اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار دوبارہ جم گئے۔ مسلمانوں کے لئے یہ دوبارہ حملہ اچانک تھا لہٰذا پاؤں جم نہ سکے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر ایک جگہ گر گئے حضرت علی مرتضیٰ

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور ایک محفوظ جگہ پر پہنچا دیا اس پر یہ افواہ اڑ گئی کہ آپ شہید ہو گئے کچھ لوگوں نے کفار کے مجمع میں گھس کر جان دے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرنا ہے۔ کچھ لوگ یہ سن کر بد دل ہو گئے اور ان کے اس رویہ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ یہ وقت تو مقرر ہے لیکن تم دین سے کیوں پھرتے ہو۔ اور یہی آیت مبارکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی وصال پر صحابہ کرامؓ خصوصاً حضرت عمرؓ کی حالت غیر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق نے پڑھی۔ جس کا مقصد و مطلب یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنا مشن پورا کر کے تمہیں شرک و کفر سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے اس قانون و ضابطہ کے مطابق جو تمام رسولوں پر نافذ ہوتا چلا آیا ہے اس دنیا سے چلے گئے کیوں دل گیر و غمگین ہوتے ہو جس اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا تعلق جوڑا ہے وہ تو زندہ ہے آپ نے تو جانا ہی تھا۔ اب تو واضح طور پر وہ واقعہ فاجعہ پیش آ گیا تھا رازدان نبوت حضرت ابوبکر صدیقؓ تو خاصا عرصہ قبل ایک آیت کے نزول اور آپ کے ایک فرمان پر رو پڑے تھے کسی نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک شخص کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات گرامی ہے۔ آپ امت میں سب سے بڑے تھے لہٰذا تحمل سے نصیحت کی اور صحابہؓ کو قرار آ گیا۔

مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی وفات پر اس آیت کا پڑھا جانا لوگوں کو یہ بات سمجھانا ہے کہ اگر یہ دنیا ہمیشہ رہنے کے قابل ہوتی تو رسل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہاں رہتے۔ اصل دارِ قرار تو آخرت ہے۔ یہ امتی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے احیاء کی دعوت دیا کرتا تھا وہ فوت ہو گیا لیکن تم اسی کا کام جاری رکھو۔ تدفین کے بعد اگلے دن فجر کی نماز کے بعد آپ کے بیٹے مولانا محمد یوسف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور ان کی سنتوں پر جان کھپانے اور محنت کرنے کی اس طرح دعوت دے رہے تھے کہ جیسے مولانا کی نسبت ان کی طرف منتقل ہو گئی ہے بس اتنی سی بات کو ایسا بڑھا چڑھا کر بعض قلم کار بیان کرتے ہیں کہ دیکھو جی جو آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے وقت پڑھی گئی وہ یہاں پڑھ دی گئی گویا مولانا محمد الیاسؒ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ دے دیا اس پر گزشتہ سطور میں لکھا گیا کہ

بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ کہنا کہ یہ جماعت مسلمانوں کو کلمہ پڑھاتی ہے کیا کلمہ پڑھانا اور صحیح کرنا غلط بات ہے نکاح ایجاب و قبول کا نام ہے۔ خطبہ بھی سنت ہے ورنہ صرف ایجاب و قبول کرنے سے نکاح قائم ہو جاتا اور مرد عورت میں شوہر و بیوی کا مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے لیکن عام طور پر آج کل اکثر جگہ ایجاب و قبول کرانے سے پہلے نکاح خواں کلمہ پڑھواتا ہے کہ نکاح کی شرط مرد عورت کا مسلمان ہونا ہے اور مرد اگر مسلمان نہ ہو تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہاں عورت اگر اہل کتاب ہو تو نکاح ہو جاتا ہے۔ تو یہ کلمہ اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کو کلمہ صحیح یاد نہیں ہوتا تو اس وقت پڑھانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کم از کم اس وقت تو صحیح کرا دیا جائے

تاکہ شرط پوری ہو جائے کہ مسلمان ہونے کے لئے کلمہ پڑھنا اور صحیح ہونا ضروری ہے۔ عام مسلمان بے عمل تو ہے ہی، بعض دفعہ دانستہ یا نادانستہ کلمہ کفر کہہ جاتا ہے اور یہ توفیق نہیں ہوتی کہ توبہ کرے لہٰذا اس وقت کلمہ پڑھا کر اس کی تلافی اور تجدید کی جاتی ہے اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم قدس سرہ مسترشد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ تو ختم نبوت کا اقرار بھی کرایا کرتے تھے اور دوسرا کلمہ پڑھا کر یا صرف ترجمہ کروا کر اس کے بعد یہ کہلوایا کرتے کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا۔" راقم آثم عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا کا یہ عمل اس لئے تھا کہ کہیں انجانے میں کسی مرزائی کا نکاح نہ پڑھا دیا جائے۔ میں بھی اگر کسی جگہ (ایسی جگہ کہ جس کا مجھے ذاتی طور پر علم نہ ہو) یہ اقرار کرواتا ہوں ——— تو نکاح کے وقت کلمہ پڑھوانا بایں طور ضروری ہے کہ اسلام و ایمان صحیح ہو جائے یا اس کی تجدید ہو جائے۔ اور ویسے بعض جگہ تو دیکھا گیا ہے کہ چار چھ کلمے اور ایمان مجمل و مفصل بھی پڑھاتے ہیں۔ میں اگر کسی بارات میں اپنے کسی عزیز کے نکاح میں شریک ہوتا ہوں تو خود نکاح پڑھاتا ہوں تاکہ نجانے نکاح پڑھانے والے کتنے کلمے پڑھانا شروع کر دیں۔ بظاہر لوگوں کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے لیکن عدالتوں میں گواہوں کے حلف اٹھانے اور صوبائی و قومی اسمبلی اور وزراء و صدور اور اکثر عہدیداروں سے تعیناتی کے وقت حلف لیا جاتا ہے اور عام طور پر ایک لکھی ہوئی عبارت ہوتی ہے جس کو پڑھنا اور بلند آواز سے پڑھا جانا ضروری ہے۔ دنیا کی عدالتیں، اسمبلیاں بنتی ٹوٹتی رہتی ہیں اور حلف کی جو درگت بنتی رہتی ہے وہ ہم روز دیکھتے ہیں۔ تو اس حالت میں اگر کسی دردمند نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے کلمے اور نمازوں کو صحیح کرانے کی تحریک چلا دی جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں اور زندگی پر عمل کرنے کا عمل زندہ کیا جائے تو یہ وقت کی اہم ضرورت تھی جس کو مولانا محمد الیاس نے محسوس کر کے اپنی زندگی کو اس کے لئے وقف کر دیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس میں کامیاب ہوئے کہ کروڑوں افراد حلف (کلمہ) کی حقیقت سمجھ کر اس کے تقاضوں پر عمل کرنے لگے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کلمہ اسلام کی بنیادی شرط ہے ستر اسی سال کا مشرک صرف صدق دل سے کلمہ پڑھ کر ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔ تو اگر ایک کافر اور مشرک کا کلمہ پڑھنا اتنی بڑی کایا پلٹ یا انقلاب کا باعث ہو سکتا ہے تو عام مسلمان جن کے کلمے غلط۔ نماز غلط ہو تو ان کے کلمہ و نماز کا درست کرنا کرانا کتنا بڑا کام ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

بڑے بڑے لیڈروں اور مفکرین کی اولاد کو ہزاروں کے مجمع میں کلمہ غلط پڑھتے دیکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ایک نیک صدر کی تقریر ٹیلی ویژن پر ہوئی تو اس نے کلمہ غلط پڑھا فوج اور پولیس کی ٹریننگ اکثر لوگوں نے دیکھی ہوگی بے شمار لوگوں نے سکولوں میں "پی ٹی" کی ہوگی یہ بظاہر ایک معمولی کام ہے لیکن کتنی سخت نگرانی اور محنت سے کرائی جاتی ہے اور کتنا ہی عرصہ اس پر لگا دیا جاتا ہے اتنی محنت اور توجہ کے بعد بھی اگر کمانڈر یا ایس پی، آئی جی کے سامنے کسی جونیئر یا چھوٹے عہدہ کے افسر کو پیش ہونا پڑے تو پورے آداب و احترام کے ساتھ "اٹن

شن" ہو کر سلیوٹ کیا جاتا ہے ورنہ ایسے ملازم کو سزا دی جاتی اور تنبیہ کی جاتی ہے۔ کلمہ طیبہ کا صحیح پڑھنا اور اس کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل کرنا مسلمان کا فریضہ ہے کلمہ کے بعد سب سے پہلی چیز جو فرض ہوتی ہے وہ پانچ وقت کی نماز پڑھنا ہے جس کا ترک حنفیہ کے نزدیک کبیرہ گناہ اور اس کی سزا اس وقت تک قید ہے جب تک وہ شخص توبہ نہ کرے اور نماز پڑھنے کا عزم کر کے اس کو شروع نہ کر دے جبکہ کئی ائمہ کے نزدیک ترک نماز کفر ہے اور کفر کا معنی بغاوت ہے انکار ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص داخل جہنم ہو گا اور یہ سب کچھ کتاب و سنت سے مستفاد ہے۔ افسوس کہ آج دنیاوی قوانین و احکام کے احترام پر اتنا زور دیا جاتا ہے لیکن جس شخص نے اپنی پوری زندگی اس بات کے لئے تج دی کہ کتاب و سنت کے قوانین پر عمل کیا جائے اور اس کے لئے گھر سے باہر نکل کر اس کی مشق کا طریقہ رائج کیا اس کو اور اس کی تحریک یا جماعت کو سطحی قسم کے اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کیا جاتا ہے۔

عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ بال بچوں اور کاروبار میں پھنسے مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے ان کو دین سکھانے اور سنتوں پر عمل کرانے (فرائض کو ادا کرنا یہ بھی سنتوں پر عمل ہے) کے لئے مولانا محمد الیاس نے یہ تحریک چلائی —— اس بات پر بہت تمسخر کیا جاتا ہے کہ دیکھو جی یہ کلمہ درست کراتے پھرتے تھے۔ جو لوگ مسلمانوں کی دینی جماعتوں کے قیام سے واقف ہیں اور انہوں نے ان کے قیام کی تاریخ پڑھی ہے تو ان کو معلوم ہو گا کہ ہر جماعت سب سے پہلے کلمہ کی تجدید کرتی ہے اور اگلا قدم پھر اٹھاتی ہے۔ جماعت اسلامی کا قیام ۱۹۴۱ء میں لاہور میں عمل میں لایا گیا جس میں مولانا مودودی امیر جماعت قرار پائے اس کی پہلی نشست میں موصوف' مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا سید ابوالحسن ندوی' مولانا عطاء اللہ حنیف جیسے اکابر علماء شریک تھے سب سے پہلے بانی جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اٹھ کر کلمہ پڑھا اور پھر سب حضرات نے باری باری اس عمل کو دہرایا اور یوں جماعت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اکثر دینی جماعتیں جب قائم ہوتی ہیں تو سب سے پہلے کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ گویا حلف کے قائم مقام ہے کہ میں جماعت کا وفادار رہوں گا۔ تصوف کے سلاسل اربعہ میں جب کوئی شیخ کسی شخص کو بیعت کرتا ہے تو پہلے کلمہ طیبہ' کلمہ شہادت پڑھاتا ہے۔ اسی کا عام چلن تبلیغی جماعت نے کیا اور کرتی ہے۔ جو لوگ جماعت میں نکلتے ہیں وہ کسی ایک وقت آپس میں نماز کا مذاکرہ کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی نماز سناؤں اور آپ مجھے سنائیں اس طرح روزانہ کیا جاتا ہے جس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ آئندہ اوراق میں آ رہا ہے۔

راقم آثم نے بھی متعدد مرتبہ گنتی کے دن اس جماعت میں لگائے۔ لیکن میرے والد مرحوم نے برطانیہ میں جماعت کی بہت نصرت کی اور بہت کام کیا۔ میں 1971ء میں برطانیہ گیا تو کئی ایک جگہ لوگ بغور میری طرف دیکھتے اور پھر مجھ سے میرا تعارف پوچھتے' بتانے پر بتاتے کہ ہاں ہم یہی دیکھتے تھے کہ تمہاری شکل ان سے ملتی ہے جماعت کے سیکڑوں پرانے افراد والد مرحوم کو جانتے اور ان کی باتیں مجھ کو بتاتے افسوس کہ میں نکما رہا اور نکما ہوں اللہ تعالیٰ سلامتی ایمان و عمل کے ساتھ رکھیں۔ میں نے والد مرحوم سے مدرسہ عربی رائے پور کے

بانیان اور برطانیہ میں تبلیغی جماعت کے کام کے متعلق کبھی تفصیل معلوم نہ کی ان سے زیادہ شاید کوئی نہ جانتا تھا۔ برطانیہ میں سب سے پہلا نقل و حرکت کا کام 1946ء میں لندن میں ہوا۔ اور اب تو برطانیہ کے ہر شہر میں تبلیغی مراکز بن چکے اور کام ہو رہا ہے۔ بلکہ دنیا کا شاید کوئی ملک ایسا نہ ہو گا کہ جس کے اہم شہروں میں جماعت کا مرکز نہ ہو 1971ء میں عام علماء کا برطانیہ میں آنا جانا نہ تھا کم اور بہت ہی کم علماء کہ شاید ایک ہاتھ کی انگلیوں پر ان کا نام گنا جا سکے برطانیہ گئے تھے اور مساجد بھی کم تھیں۔ لیکن تبلیغی جماعت کے افراد ہی نہیں بلکہ جماعتیں آتی جاتی تھیں اور ان کے کام کی برکت سے بہت افراد کے چہروں پر ایمان کا نور جھلکتا نظر آتا اور برطانیہ ایسے مادی ملک میں جماعت کا خاصا کام تھا۔ اور اب تو برصغیر پاک و ہند بشمول بنگلہ دیش کا شاید ہی کوئی معروف عالم دین ایسا ہو گا کہ جس نے نہ صرف برطانیہ بلکہ دوسرے یورپین ممالک' امریکہ' کینیڈا اور افریقہ کا دورہ نہ کیا ہو لیکن تبلیغی جماعت کی برکت سے سیکڑوں افراد یورپ بلکہ امریکہ تک پچاس کی دہائی میں جا چکے تھے اور وہاں کام زور و شور سے شروع ہو چکا تھا۔

کچھ چند تمہیدی سطور لکھتے لکھتے کئی صفحات پر ہو گئے لیکن ایک بات رہی جا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ شروع میں ذکر کیا کہ کسی بھی قائد میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے اور مسلم قائد میں عبادت کا ہونا بھی لازمی ہے۔ لیکن کسی تحریک یا دعوت کو تمام خواص و عوام تک پہنچانے کے لئے چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی قائد کا ایسی زبان پر قادر ہونا بہت ضروری ہے کہ جس سے وہ اپنی بات یا دعوت کو اس طرح آسان انداز میں پیش کر سکے کہ جس کو تمام لوگ سمجھ سکیں۔ تاریخ میں مسلم تحریکوں کا جائزہ لیں تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے اگر خالص علمی انداز میں بات کی جائے تو اس کو پڑھے لکھے تو سمجھ سکتے ہیں اور متاثر ہو سکتے ہیں لیکن عوام نہیں۔ اپنے ملک کی کسی خاص جماعت یا تحریک کی طرف اشارہ کرنے یا نام لینے کی ضرورت نہیں ہمارے ملک کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ عوام کو دین سے واقف و متاثر کرنے والی کوئی تحریک نہیں چل سکی۔ البتہ ماضی قریب کی دو سیاسی تحریکوں یا جماعتوں کا نام لے کر بات سمجھائی جا سکتی ہے ان میں سے پہلی جماعت مسلم لیگ' تحریک پاکستان ہے' مسلم لیگ 1906ء قائم ہوئی لیکن عوام میں مقبول نہ ہو سکی کہ ایک تو اس کے قائد عوام میں سے نہیں تھے اور دوسرے ان کی باتیں عوام کو فلسفیانہ لگتی تھیں۔ لیکن جب 23 مارچ 1940ء کو ایک قرارداد پاس ہوئی کہ جس میں دو مسلم ریاستیں بنانے کا اظہار کیا گیا تھا تو مسلم ریاستوں کا لفظ عوام کی سمجھ میں آنے لگا اور اس قرارداد کو جب ہندو پریس نے "پاکستان" کا نام دیا کہ اس نام کو برطانیہ میں طالب علموں کے ایک لیڈر چودھری رحمت علی پاکستان کے نام سے متعارف کرا چکے تھے تو پورے ملک میں چند ماہ میں یہ نام بچے بچے کی زبان پر تھا اور اس کے بعد جب یہ نعرہ لگا کہ "پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ" تو اس کو جو پذیرائی ملی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کے بعد ایوب خان مرحوم کے زمانے میں صدارتی الیکشن میں مس فاطمہ جناح' ایوب خاں کے مقابل کھڑی ہوئیں تو پاکستان کے ایک عوامی شاعر نے مس فاطمہ جناح کے جلسوں میں ایک نظم پڑھنا شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا کہ

بیس روپیئے من آٹا اس پر بھی ہے سناٹا

تو یہ شعر ہر خاص و عام کی زبان پر تھا لیکن ووٹ چونکہ پورے ملک میں بی ڈی ممبروں کے تھے جو اسی ہزار تھے ان کو انتظامیہ کے ذریعہ قابو کرنا کوئی مشکل نہ تھا تاہم ایوب خاں بمشکل الیکشن جیت سکے۔ ذوالفقار علی بھٹو اس دور میں ایوب خان کے ساتھ تھے لیکن پھر علیحدہ ہو گئے پہلے تاشقند کا مسئلہ اٹھایا پھر انتخابات آنے پر اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا کر گویا اسی شعر کے مفہوم کے مطابق روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر انتخابات میں کود ے وہ تمام علماء جو تحریک پاکستان کے ہمنوا تھے بشمول جماعت اسلامی سب نے بھٹو پر کفر کا فتویٰ لگایا گو جماعت اسلامی نے اس فتوے پر دستخط نہ کئے لیکن ہمنوا تھی۔ لیکن نعرہ نے عوام کو مسحور کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں ایک نعرہ دیر سے لگ رہا تھا کہ مغربی پاکستان خصوصاً پنجاب ہم پر حکومت کر رہا ہے شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات پیش کر کے اس کو ہوا دی۔ مغربی پاکستان میں وہ دینی جماعتیں جنہوں نے کفر کا نعرہ لگایا تھا بشمول مسلم لیگ چت ہو گئیں اور مشرقی پاکستان میں ننانوے فیصد سیٹیں مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے جیتیں۔ نہ سیاست پر بات کرنا مقصود ہے اور نہ سیاسی بحث مقصود ہے میں نے اپنے موقف پر دو تین دلیلیں پیش کی ہیں۔ روس میں کمیونزم کی مثال بھی ایسی ہے کہ وہ کس طرح دنیا کے آدھے سے زائد رقبہ و آبادی پر پھیل گیا یہ بھی پسے ہوئے عوام کو سرمایہ دار کے خلاف اٹھانا تھا لہٰذا ہر کوئی سمجھتا تھا کو اپنے دعووں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ایسی سب تحریکوں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وقتی طور پر عوام متاثر ہوتے ہیں قیادت مخلص نہ ہو تو جیتی ہوئی بازی ہار جاتی ہے تاہم کافی دیر اثر رہتا ہے۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ میں ذہانت' دیانت' استقامت' عوامی دکھ درد کو سمجھنا اور دین کے لئے محنت کرنے کے لئے اخلاص سے کام کرنا یہ سب شرائط پائی جاتی تھیں لہٰذا اپنی زبان کی لکنت اپنے ضعف اور بیماری کے باوجود مسلمان قوم کی بیماری کی تشخیص اور علاج کی صحیح تجویز کر کے جو محنت کی تو باوجود موانع' مشکلات' مخالفت کے محنت کامیاب ہوئی اور آج یہ دینی دعوت کی تحریک پوری دنیا میں پھیل چکی اور پھیل رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں گو سال کے بعد (اخبارات میں) اجتماع کی کچھ کوریج ہوتی ہے۔ لیکن جو کچھ معاشرے میں بگاڑ کے اسباب ٹی وی ریڈیو ڈرامے اور ڈش انٹینا' وی سی آر اور انٹرنیٹ کے ذریعے ہو رہا ہے اس کے باوجود یہ لوگ اپنا چراغ جلائے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ یہ چراغ جلتا رہے گا۔ دینی دعوت کی یہ گاڑی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے تیار کی اور اس کو چلایا ان کی وفات کے بعد اس جماعت کو جو جانشین اور امیر ملا وہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ تھے اور انہوں نے اپنی عوامی خطابت' اخلاص اور دردوسوز کا ایندھن مہیا کیا کہ یہ گاڑی اتنی تیز رفتاری سے چلی کہ دنیا حیران رہ گئی لیکن اڑتالیس سال کی عمر میں ایک تبلیغی سفر میں لاہور میں انتقال کر گئے۔ تیسرے امیر' حضرت مولانا انعام الحسنؒ جو آپ کے ہم عمر ہم سبق اور اس دعوتی کام میں سب سے بڑے مشیر تھے وہ امیر مقرر ہوئے اور پھر ان کی آہ سحرگاہی سے 10 محرم 1416 بمطابق 10 جولائی 1995ء تک کام ہوتا رہا۔ آج کل اس کی ایک مختصر شوریٰ ہے جو کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ قلم کو روکتے تھامتے غیر ارادی

طور پر یہ تمہیدی سطور طویل ہو گئیں۔

جماعت کا مزاج اور مذاق یہ ہے کہ جماعت کے متعلق کوئی اس طرح کا تحریری کام پسند نہیں کیا جاتا۔ تاہم اچھا خاصا لٹریچر شائع ہو چکا ہے کاش کوئی سب کام یکجا کر دے۔ اس سلسلے میں احقر نے یہ پہلی کوشش کی ہے کہ کچھ مستند لٹریچر جمع کر دیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

عبدالرشید ارشد

2/ ذوالحجہ 1418ء

31/ مارچ 1998ء

جیسا کہ گزارش احوال میں عرض کیا بوجوہ کاند ھلہ والے نمبر کو شائع نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بہت آسان راہ تھی ——— "احوال و آثار" جوں کا توں شائع کرنا حکومت پاکستان سے اجازت پر موقوف تھا جس کے لئے چار نسخوں کی ضرورت تھی وہ میسر نہ ہوئے۔ اور اس کے بعض مضامین شامل اشاعت کرنا مدیر "احوال و آثار" کو منظور نہ ہوا گو میں اس کا پابند نہ تھا لیکن اخلاق نام کی بھی کوئی چیز ہے۔ ان کا مجرد پیام (بذریعہ فیکس) آنے پر جزی جزائی کاپیاں ختم کر دیں جیسا ان کے یہ شائع کرنے پر کہ عبدالرشید ارشد اس کو شائع کر سکتا ہے۔ نمبر تفصیلا دیکھے بغیر شائع کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ اور ماہنامہ "البنوریہ" سے کچھ مضامین کا انتخاب شامل کر لیا۔ تاہم مدیر "احوال و آثار" کا بندہ ممنون ہے کہ ان کے اجازت دینے سے راقم کی توجہ اس ضخیم اور متنوع نمبر کی طرف منتقل ہوئی خیال ہوا کہ ابتدا سے لے کر حضرت مولانا انعام الحسن رحمہ اللہ تک جماعت کی کارگزاری خصوصاً بانی و امیران کی تعلیمات کو یکجا کر دیا جائے۔ اس طرح اب یہ نمبر تاریخی حیثیت کا حامل ہو گیا اور یہی وجہ اس کی تاخیر کی ہوئی کہ خاصا کام نئے سرے سے کمپوز کرانا پڑا اور یہ ہمارے ملک کی رسم بن گئی ہے کہ کام کرنے والے وعدہ کے مطابق کام نہیں کرتے اور اس میں ہم بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا ماہنامہ "البنوریہ" کے کچھ مضامین صفحہ 715 سے آخر تک شامل ہیں۔ انسان کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

کہ وہ "فعال لما یرید" ہے۔ اور اسی کی تفصیل سے یہ نمبر عبارت ہے۔

۸ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ

۴ جون ۱۹۹۸ء

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا سوانحی خاکہ

مولانا غلام رسول

○ مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں ہوئی اختر الیاس تاریخی نام رکھا گیا۔

○ آپ کے والد ماجد مولانا محمد اسماعیل صاحب تھے اور والدہ محترمہ رابعہ سیرت خاتون "بی صفیہ" حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی نواسی تھیں۔

○ ابتدائی تعلیم کاندھلہ اور بستی نظام الدین میں ہوئی۔ قرآن کریم دس سال کی عمر سے پہلے حفظ کیا۔

○ ۱۳۱۴ھ کے آخر یا ۱۳۱۵ھ کے اوائل میں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گنگوہ چلے گئے اور بھائی سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔

○ دوران تعلیم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔

○ ۱۳۲۳ھ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال تھی تقریباً دس سال کا عرصہ گنگوہ میں گزرا۔

○ ۱۳۲۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترمذی و بخاری کا درس لیا۔

○ دیوبند کی تعلیم کے چار سال بعد دورہ حدیث کی تمام کتابیں اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے دوبارہ پڑھیں۔

○ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر حضرت گنگوہی کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے بیعت ہوئے۔

○ شوال ۱۳۲۸ھ سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریس کے فرائض انجام دینا شروع کئے۔

○ ۱۳۳۳ھ میں مولانا محمود حسن صاحب کے ساتھ حج کیلئے روانہ ہوئے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اس سے پہلے والے جہاز سے روانہ ہو چکے تھے ان کی معیت میں حج کیا ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ واپسی ہوئی۔

○ ۱۳۳۶ میں بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کا انتقال ہوا اور بھائی اور والد کے مدرسہ کو سنبھالنے کیلئے بستی نظام الدین منتقل ہو گئے۔

○ شوال ۱۳۴۴ھ میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ساتھ دوسرا حج کیا اسی سفر میں روضہ اقدس پر تبلیغ کے کام کا حکم ہوا۔

○ حج سے واپسی پر تبلیغ کو باقاعدہ کام کی شکل دے کر باقاعدہ گشت شروع کیا، نوح کے ایک اجتماع سے پہلی جماعت نکالی۔

○ ۱۳۵۱ھ میں تیسرا حج کیا واپسی پر ایک بڑی جماعت کے ساتھ جس میں کم سے کم سو افراد ہر وقت ساتھ رہتے تھے۔ میوات کے دو مفصل دورے کئے۔

○ ۱۳۵۶ھ میں آخری حج ادا فرمایا اور حرمین میں دعوت و تبلیغ کے کام کی بنیاد ڈالی۔

○ حج سے واپسی پر کام کو اور زیادہ منظم کیا دہلی میں کام کی ترتیب بنا کر حافظ مقبول حسن کو وہاں کا امیر بنایا۔ دینی مراکز و مدارس کی طرف اور دیگر صوبوں اور شہروں میں جماعتیں روانہ کرنے کا نظم بنایا۔

○ صفر ۱۳۶۲ھ مطابق فروری ۱۹۴۳ء میں کراچی کی طرف پہلی جماعت اور اسی سال اپریل میں دوسری جماعت روانہ کی اور سندھ میں کام کا آغاز ہوا۔

○ نومبر ۱۹۴۳ء میں پیچش شروع ہوئی جو آخر وقت تک اچھی نہیں ہوئی جس سے ضعف بڑھتا رہا۔

○ مارچ ۱۹۴۴ء میں مرض نے شدت اختیار کرلی، اور جماعت میں حاضر ہونے کیلئے آدمیوں کا سہارا لینا پڑا۔

○ اپریل ۱۹۴۴ء میں سندھ کی طرف حافظ مقبول حسن کی امارت میں ساٹھ ستر آدمیوں کی تیسری جماعت روانہ کی۔

○ مرض دن بدن بڑھتا رہا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی مشکل ہو گیا۔ آپ کی حالت دیکھ کر علماء مشائخ کی کثیر تعداد مرکز میں جمع ہو گئی۔

○ ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء بروز جمعرات کو اذان فجر سے قبل داعی اجل کو لبیک کہا۔

○ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

○ بستی نظام الدین میں اپنی مسجد کے جنوبی مشرقی گوشے میں باپ اور بھائی کے پہلو میں تدفین ہوئی۔

بشکریہ ماہنامہ "البنوریہ" کراچی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ایک نظر میں

مولانا غلام رسول

○ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء بروز بدھ کاندھلہ میں پیدا ہوئے۔

○ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد الیاس اور والدہ محترمہ مولانا رؤف الحسن صاحب کی خدیجہ سیرت صاحبزادی تھیں۔

○ دس سال کی عمر میں حافظ امام خان میواتی سے قرآن شریف حفظ کیا۔ قاری معین الدین صاحب سے تجوید سیکھی۔

○ گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں عربی پڑھنی شروع کی۔

○ ۱۳۵۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ہدایہ اولین، میبذی اور دیگر کتب پڑھیں۔

○ مشکوٰۃ اپنے والد صاحب سے اور جلالین مولانا احتشام الحسن صاحب نظام الدین میں پڑھیں۔

○ ۱۳۵۳ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں مگر بیماری کی وجہ سے تکمیل نہ کر سکے اور نظام الدین آکر بقیہ حدیث کی کتابیں مولانا الیاس صاحب سے پڑھ کر مکمل کیں۔

○ ۳ محرم ۱۳۵۴ھ مظاہر العلوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا۔ نکاح شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا۔

○ ایک سال بعد رخصتی ہوئی۔

○ ۱۳۵۶ھ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ پہلا حج کیا۔ اس سفر میں جبل احد پر عربوں کے ایک اجتماع میں عربی زبان میں تقریر کی جو آپ کی عربی زبان میں پہلی دعوتی تقریر تھی۔

○ قصبہ نوح کے ایک اجتماع میں اپنے والد محترم کی موجودگی میں تقریر کی جو اردو میں آپ کی پہلی دعوتی تقریر تھی۔

○ اپنے والد محترم کے حکم پر میوات میں ایک چلہ لگایا جو آپ کا پہلا چلہ تھا۔

○ ۲۰ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء بروز بدھ کو آپ کو خلافت و اجازت کی خلعت سے سرفراز کیا گیا اور جانشینی کیلئے آپ کا انتخاب ہوا۔

○ ۱۳ جولائی کو فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمامہ آپ کے سر پر باندھا گیا اور آپ کی جانشینی عمل میں آئی۔

○ آپ کی امارت میں ۱۳ اگست ۱۹۴۴ء مطابق ۲۲ شعبان ۱۳۶۳ھ بروز اتوار کو قصبہ نوح میں پہلا بڑا اجتماع ہوا۔

○ ۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء ڈاکٹر ذاکر حسین اور راحت رضوی کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع کروایا۔

○ تقسیم ہند کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی کے ایک اجتماع میں شرکت کی۔ یہ تقسیم کے بعد پاکستان کا پہلا اجتماع تھا۔

○ ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ء میں آپ نے دوسرا حج شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں کیا۔

○ ۱۹۵۹ء مطابق ۱۳۷۹ھ میں آپ نے مستقلاً پہلا عمرہ کیا۔ ۱۹۶۱ء میں مستقلاً دوسرا عمرہ ادا کیا۔

○ ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں تیسرا حج حضرت شیخ کی معیت میں کیا یہ آپ کا آخری حج تھا۔

○ ۱۰ شوال ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کو آپ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کا طویل دورہ شروع کیا براستہ لاہور ڈھاکہ پہنچے۔

○ مشرقی پاکستان کا تفصیلی دورہ کر کے ۲ ذیقعدہ کو کراچی پہنچے اور مغربی پاکستان کا مفصل دورہ کیا۔

○ یکم اپریل جمعرات کو لاہور کے مرکز بلال پارک میں بعد نماز مغرب آخری بیان کیا۔

○ ۲ اپریل ۱۹۶۵ء مطابق ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ بروز جمعہ کو بعد نماز جمعہ لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

○ رات کو جنازہ دہلی لایا گیا اور ۳ اپریل بروز ہفتہ کو ۱۱ بجے دن کے قریب اپنے والد محترم کے پہلو میں مغربی جانب مدفون ہوئے۔

○ لاہور میں نماز جنازہ مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور دہلی میں حضرت شیخ نے نماز جنازہ پڑھائی حدیث کی مشہور کتاب شرح معانی الآثار کی بے مثال شرح "امانی الاحبار" کے نام سے اور صحابہ کرام کے حالات "حیاۃ الصحابہ" جیسی عظیم کتاب لکھی بشکریہ ماہنامہ بینات بنوریہ

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی ایک جھلک

مولانا غلام رسول

○ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی ولادت ۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۱۸ بروز بدھ کو کاندھلہ میں ہوئی۔

○ آپ کے والد مولانا اکرام الحسن اور دادا مولانا حکیم رضی الحسن تھے۔

○ قرآن کریم کاندھلہ میں حافظ منگتو صاحب سے حفظ کیا۔

○ ابتدائی فارسی تعلیم اپنے نانا حکیم عبدالحمید صاحب سے حاصل کی۔

○ عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بستی نظام الدین میں حاصل کی۔

○ ۱۳۵۱ھ میں مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ مظاہر العلوم میں داخل ہوئے اور متوسط درجے کی کتابیں پڑھیں۔

○ جلالین، مشکوٰۃ وغیرہ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ بستی نظام الدین میں مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

○ ۱۳۵۴ میں دوبار مدرسہ مظاہر العلوم میں داخلہ لیا اور دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں مگر مولانا محمد یوسف صاحب کی بیماری کی وجہ سے ان کے ساتھ نظام الدین آگئے اور حدیث کی باقی ماندہ کتابیں مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔

○ ۳ محرم ۱۳۵۴ھ کو مظاہر العلوم کے سالانہ جلسے میں حضرت شیخ کی صاحبزادی سے نکاح ہوا نکاح شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پڑھایا ایک سال بعد رخصتی ہوئی۔

○ ۱۳۵۶ میں مولانا محمد الیاس صاحب کے ساتھ پہلا حج کیا۔

○ مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ حضرت شیخ کے حکم پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بیعت ہوئے۔

○ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے دو روز قبل خلافت سے سرفراز فرمایا۔

○ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے امیر بنائے جانے کے بعد ہر وقت سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے اور تقریباً ہر جگہ ان کے ساتھ اجتماعات وغیرہ میں شریک ہوتے رہے۔

○ ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۹۵۵ میں مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں دوسرا حج کیا۔

○ ۱۹۶۱ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ مستقلاً عمرہ کیا۔

○ ۱۹۶۴ء مطابق ۱۳۸۳ھ کو مولانا محمد یوسف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تیسرا حج کیا۔

○ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ بروز پیر کو بستی نظام الدین میں آپ نے بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا جو آخر وقت تک دیتے رہے۔

○ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو میں اپنے دور امارت میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں پہلا حج کیا۔

○ اس کے بعد ایک سال چھوڑ کر ہر دوسرے سال حج کا معمول رہا۔

○ سن ۱۳۸۶ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم کے سرپرست منتخب ہوئے۔

○ سن ۱۹۹۵ء مطابق ۱۴۱۵ھ میں آخری حج کیا۔

○ ۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۹۵ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

○ حیاۃ الصحابہ پر حاشیہ لکھا، بخاری کے ابواب و تراجم پر عرق ریزی سے کام کیا یہ علمی کام مسودات کی شکل میں موجود ہے۔

بشکریہ ماہ نامہ "البنوریہ" کراچی

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ

انسان کی خوبیٔ اسلام یہ ہے کہ غیر ضروری امر کو ترک کر دے!

تاشود در جہانِ علم و عمل　　شاہدِ دینِ تو جمال افزای
زانچہ در خور نباشدت بازیست　　زانچہ لائق نباشدت باز آی

عیاں ہو جائے گا اسلام کی خوبی کا راز اس سے
کہ جو کچھ بے ضرورت ہو بجا ہے اِحتراز اس سے

Hadith

Min ḥusni islāmi'l-mar'i tarku hū mā lā ya'nī hi

Part of someone's being a good Muslim is his leaving alone that which does not concern him.[1]

ماہنامہ "البنوریہ" کراچی

بانی و مہتمم:
الحاج حافظ سید نذر محمد نقوی
تلمیذ:
الاستاذ الشیخ الحافظ رحمت اللہ سہارنپوری



از دفتر:
جامعہ انوار رحمت رجسٹرڈ
پوسٹ بکس: ۱۰۸ ملتان روڈ - ساہیوال
فون: ۷۵۸۹۶

بیاد: حضرۃ الاستاذ الشیخ الحافظ رحمت اللہ سہارنپوری نور اللہ مرقدہ



واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (القرآن)

مدرسہ کا سنگ بنیاد: 27 رمضان 1403ھ مئی 83ء

آغاز تعلیم: 14 محرم الحرام 1404ھ جولائی 83ء حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دامت برکاتہم

سنگ بنیاد مسجد انوار رحمت حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم

☆ جامعہ کا مسلک و مشرب اہل السنت والجماعت حنفی دیوبندی ہے

☆ جامعہ کا اہتمام و انصرام الحاج الحافظ سید نذر محمد شاہ صاحب نقوی کر رہے ہیں

☆ جامعہ طلبہ کی ہمہ وقتی رہائش اور جملہ ضروریات (از قسم طعام و قیام روشنی علاج معالجہ صابن' تعلیم و تدریس اور مصارف امتحانات وغیرہ) کا کفیل ہے۔

☆ جامعہ کی عمارت پل نہر چک نمبر 9/134 ایل کے قریب کھلے ماحول اور کشادہ جگہ پر واقع ہے۔

☆ جامعہ کی انجمن رجسٹرڈ اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق ہے۔

☆ جامعہ خالصتاً" ایک دینی مذہبی خیراتی ادارہ ہے۔ جامعہ کی مستقل آمدنی نہیں اور نہ ہی جامعہ کا کوئی سفیر ہے۔ جملہ اخراجات محض توکل علی اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون از قسم زکوۃ' عشر صدقات و خیرات' چرمہائے قربانی' صدقہ فطر سے پورے ہوتے ہیں حکومتی امداد قبول نہیں کی جاتی۔

☆ جامعہ اپنے حسابات باقاعدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے آڈٹ کراتا ہے۔

☆ جامعہ میں شعبہ پرائمری کا اجرا کیا ہوا ہے جو صرف جامعہ کے شعبہ حفظ کے لئے ہے۔

☆ جامعہ کی ایک شاخ برائے طالبات حفظ و ناظرہ کا اجراء ہوا۔ قریشی آبادی جہاز گراؤنڈ پلاٹ نمبر 73 وقف بذریعہ حافظ سید نذر محمد سرپرست انجمن جامعہ انوار رحمت رجسٹرڈ ملتان روڈ ساہیوال

☆ عنقریب انشاء اللہ مدرسہ میں درجہ کتب اور طالبات کے لئے تعلیم کا اجراء کیا جا رہا ہے۔

مُبلّغِ اسلام حضرت مولانا محمدؐ الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء ○ ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ

اور ان کی

دینی دعوت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

فہرست عنوانات

باب ہفتم

باب ہشتم ۲۸۱

اَلْغِنٰی اَلْیَأْسُ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ

تونگری لوگوں کے مال و دولت سے نا اُمید ہونے کا نام ہے

گر دِلت را تونگری باید — کہ تونگر دِلی نکو ہُنریست
باز کُن دستِ ہمت از چیزے — کہ بدستِ تصرّفِ دِگریست

اگر کرنا ہے نکتہ بے نیازی کا تجھے اَزبر
تو جو کچھ دوسروں کا ہے، نہ رکھ ہرگز نظر اُس پر

Hadith

Al-ghinā al-ya'su mimmā fī aydin-nāsi.

Affluence is to discard all hope of that which is in the possession of the people.[1]

سید حماد اللہ شاہ، محمد ندیم کراچی

پیغام بر قوم اور اُس کے اصولِ دعوت

(از حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

> زیر نظر کتاب (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت) کا جب دوسرا ایڈیشن چھپ کر تیار ہوا تو اس پر مقدمہ لکھنے کے لئے حضرت سید صاحب سے درخواست کی گئی ذیل کا مقالہ اسی درخواست پر کتاب ہٰذا کے مقدمہ ہی کے طور پر لکھا گیا ہے جو افادیت کے اعتبار سے مستقل مقالہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ ہمارے ناظرین بالخصوص دین کی دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والے اگر غور سے پڑھیں گے تو نہایت مفید اور بصیرت افروز ہدایات انہیں اس سے ملیں گی محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ایک پیغام الٰہی اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف نہ صرف عام مسلمان بلکہ مسلمان علماء و مشائخ تک نے اس سے اعراض اور تغافل برتا اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے کو انھیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے جن معنی میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں، ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا اور ان میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں بلکہ مذہب کی بنیاد پر قوم ہے حالانکہ حقیقت اس سے بھی آگے ہے اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا اور اس کو پھیلانا اور اس کی

طرف لوگوں کو دعوت دینا اس کی زندگی کا تنہا فریضہ ہے، اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے جس کے حقوق ہیں اور یہی ان کی قومیت ہے

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت اُس کی بجا آوری، اس کی تعلیم اُس کی دعوت اور اُس کی اشاعت اور اسکے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجالانا ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہی صدی کے اندر اندر اپنے اس فرض کو بھلا دیا۔ ہمارے سلاطین اور بادشاہوں نے ملک گیری اور کشور کشائی پر قناعت کی اور عیش و آرام اور جاگیر و خراج کی دولت کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیا۔ علماء نے درس و تدریس اور فتوؤں سے عزلت نشینی کی زندگی پر کفایت کی، درویشوں اور صوفیوں نے تسبیح و سجادہ کی آرائش پرستی کی اور زندگی کے کاروبار سے اپنے کو الگ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ امت رہبری اور رہنمائی کے بغیر اپنے حال سے غافل ہو کر رہ گئی اور امت مسلمہ کی زندگی کی غرض و غایت اس کے سارے طبقوں کی نگاہوں سے مخفی ہو گئی۔

اُمت مسلمہ کا فریضہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے نصوص سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ اپنے نبی کی تبعیت میں امم عالم کی طرف مبعوث ہے۔ اس اُمت کو باہر ہی اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے جیسا کہ یہ آیت پاک کھلے لفظوں میں ظاہر کر رہی ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت	تم اے مسلمانوں بہتر امت ہو جو لوگوں کیلئے
للناس تامرون بالمعروف	ظاہر کی گئی اچھے کاموں کو بتاتے ہو اور بُرے
وتنھون عن المنکر	کاموں سے روکتے ہو۔

اس آیت نے بتایا کہ امت مسلمہ دنیا کی دوسری امتوں کے لئے باہر لائی گئی ہے اس کی پیدائش کی غرض بھی یہی ہے کہ وہ امم عالم کی خدمت کرے اور ان میں خیر کی دعوت

اور معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کرے ایسی حالت میں اگر یہ امت اپنے اس فرض سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کے پورا کرنے سے عاری ہے۔ اس آیت سے چند آیتیں اوپر یہ تصریح ہے کہ ہر زمانہ میں امت مسلمہ پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کی کچھ جماعت اسی کام میں لگی رہے اور اگر اس سے مسلمانوں کی ہر جماعت نے پہلوتہی کی تو ساری امت مسلمہ گنہگار ٹھہرے گی اور اگر کچھ جماعتوں نے اس فرض کو انجام دیا تو یہ فرض پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے گا، ارشاد ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون۔ (آل عمران ۱۱)

اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی رہے جو لوگوں کو نیکی کی دعوت کرتی رہے اور اچھے کاموں کی تعلیم دیتی رہے اور بری باتوں سے روکتی رہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

پوری امت کی صلاح و فلاح اور دوا و معالجہ کے لئے یہی جماعت ذمہ دار ٹھہرائی گئی اس کے تین فرض قرار دئے گئے، پوری امت بلکہ ساری انسانیت کو خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت جب تک اور جس نسبت سے امت کے اندر اس جماعت کے افراد رہے یہ فریضہ ادا ہوتا رہا اور حدیث خیر القرون کے مطابق جماعت صحابہ، جماعت تابعین جماعت تبع تابعین کے بعد جماعت گھٹ کر افراد رہ گئے۔

دولت و سلطنت مقصود اولین نہیں اس راہ میں سب سے بڑی ضلالت دولت و سلطنت کے منتہائے مقصود سمجھنے سے آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال کہ انی لا اخاف علیکم الفقر ولکن اخاف ان تبسط علیکم الدنیا بالکل درست نکلا۔ دنیا نے جب اپنی وسعتوں، عیش پرستیوں اور دولت مندیوں کے ساتھ مسلمانوں پر سایہ ڈالا تو وہ صرف کشورستانی، ملک گیری اور مال و خراج کو امت مسلمہ کی زندگی کا حاصل سمجھے اور دولت اسلام کے بجائے مسلمانوں کی

سلطنت پر قانع ہو گئے یعنی ایسی سلطنت کو اپنا مقصد سمجھ بیٹھے جس کا حاکم کوئی مسلمان نام ہو حالانکہ مقصد یہ تھا کہ اسلام کی شریعت اور اسلام کی سیاستِ عادلہ کی حکومت قائم کی جائے اور یہ سلطنت و حکومت اس نظام و عدل کے قیام کا سب سے بڑا اور سب سے قوی ذریعہ ہو جیسا کہ اس آیت پاک کا منشا ہے۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض	وہ لوگ جن کو ہم زمین میں طاقت بخشیں
واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	تو نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھی
وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر	بات کا حکم کریں اور بُری بات سے روکیں
وللّٰہ عاقبۃ الامور۔	اور اللہ ہی کے لئے ہے کاموں کا انجام

امتِ مسلمہ جانشین نبی ہے امتِ مسلمہ فرائض نبوت میں سے دعوت خیر اور امر معروف اور نہی منکر میں نبی کی جانشین ہے، اس لئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کارِ نبوت کے جو تین فرض عطا ہوئے ہیں، تلاوت احکام، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ، یہ تینوں فرض امت مسلمہ پر بھی بطور کفایہ عائد ہیں، چنانچہ قرناً بعد قرنٍ اکابر ائمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی اور انہیں کے مجاہدانہ کا نور ہے جس سے کاشانۂ اسلام میں روشنی ہے، نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں۔

رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ	ایک رسول اور انہیں میں سے جو اللہ کی
ویزکیھم ویعلمھم الکتاب	آیتوں کو پڑھ کر سناتا اور اُن کو پاک صاف
والحکمۃ	کرتا اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے

تعلیم اور تزکیہ کی یکجائی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان تینوں فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیا، لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ اپنی صحبت فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک و صاف بھی کیا نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو

دور کر کے اخلاقِ انسانی کو نکھارا اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے چنانچہ صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اسی طرح توام رہے، جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور شیخ تھے وہ استاد تھے وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ تصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے۔ ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

تعلیم اور تزکیہ میں تفریق اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں مسند ظاہر کے درس گو باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی، تا آنکہ علوم ظاہر کے لئے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم و تزکیۂ باطن کے لئے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی اور وہ مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہو گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علماء دین کی جگہ علماء دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار و کمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

فلاح دونوں کی یکجائی میں ہے تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نورِ نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے اور غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے۔ امام غزالی جن سے علم معقول و منقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعہ ظہور پایا، حضرت شیخ ابو النجیب سہروردی ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسۂ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماء ظاہر سمجھا جاتا ہے جیسے حضرات محدثین امام بخاری، ابن حنبل، سفیان ثوری وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ تعالیٰ کو ناواقفِ باطن سے خالی سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان برکات باطنی سے لبریز ہیں، ابن قیم کی "مدارک السالکین"

وغیرہ کتابیں پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے
ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی
تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر
تھے اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصّہ تک پھیلتا چلا گیا۔ آسمانِ دلّی کے مہر و ماہ اور تارے
شاہ عبدالرحیم صاحب سے لے کر شاہ اسمٰعیل تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن
کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی
وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی وہ علوم کی تدریس کے وقت یعلمھم الکتاب والحکمۃ
کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر "یزکیھم" کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔
پھر ان کے بعد ان کے فیوض و برکات کے جو حامل ہوئے جن کی نشان دہی چنداں
ضروری نہیں کہ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود" ان سے دنیا کو جو فیض پہنچا اور
دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر
باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے اور آئندہ بھی سُننِ الٰہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے
پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بنکر
بہیں گی مرج البحرین یلتقیان" آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر
ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے، رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوئے
ہیں، سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعویٰ کا شاہد ہے۔ زبان کی روانی اور
قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں خواہ وہ اس وقت کتنا ہی
تابناک نظر آتا ہو مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے۔

مزاج نبوت قوام ملت ہے | اس کی ایک خاص وجہ ہے اور وہ یہ کہ ہر قوم اور ہر ملت کا ایک مزاج
ہوتا ہے جب تک پیش نظر اصلاح و تجدید کا کام قوم و ملت کے مزاج کے مطابق نہ ہوگا اسکو
کامیابی و سرسبزی حاصل نہ ہوگی۔ اس وقت ملت اسلامیہ کی اصلاح و تجدید کے مدعی مختلف

گروہ میں ایک گروہ نے تو اس کی ضرورت سمجھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا عہد پرانا ہو چکا اب ایک نئی ظلی نبوت و رسالت کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے اس کی دعوت دی اور ناکام رہا اور ملت محمدیہ سے ان کا رشتہ کٹ گیا۔ دوسرے گروہ نے نبوت و رسالت محمدی کو تو قائم رکھا مگر وحی محمدی کی تعبیر کی تغییر و تبدیل کی ضرورت سمجھی، احادیث نبوی سے انکار کیا، قرآن پاک کی تعبیر کے لئے اپنے عقلی قیاسات اور زمانۂ حال کی تاثیرات کو موجب قرار دیا۔ یہ گویا ایک نئے قرآن کا طالب ہے، اس جماعت کا رشتہ بھی ملت محمدیہ سے کمزور پڑ گیا اور اب ان کا ہر مجتہد حسبنا کتاب اللہ کہہ کر کتاب اللہ کی نئی تعبیر کرتا اور نئی نماز، نیا روزہ، نیا طریق حج اور نئی شریعت نکال رہا ہے، تیسری جماعت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کو یاد کرتی ہے مگر ہر آیت و حدیث کو اپنی عقلیت کے معیار پر جانچنا چاہتی ہے اور اسی لئے معجزات کی منکر، جنت و دوزخ کی حقیقت سے منحرف ربا کے جواز کی قائل اور بہت سے ان مسائل کو جن کا زندگی سے تعلق ہے دین و شریعت کے بجائے "عقل" اور "اصول فطرت" سے طے کرنا چاہتی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا شمار دین محمدی کے مؤولین میں، ہوا مومنین و قانتین میں نہیں۔

ایک نیا گروہ ہے جو نئی نبوت نہیں چاہتا، نیا قرآن نہیں مانگتا، نئی نماز اور نئے روزہ کا مبلغ نہیں لیکن وہ ایک امامت کا خواستگار ہے جو اسلام کا نیا نظام مرتب کرے، کفر و ایمان و نفاق اور اطاعت امیر کے نئے نقشے بھرے اور یورپ کی "ازم" والی تحریکوں کی طرح مسلمانوں میں ایک نئی تحریک کا آغاز کرے اور اس "اسلامزم" کو کسی "ازم" والے عزم و جوش و خروش کو جوانوں میں پھیلائے اور مسائل کلامی و فقہی کا فیصلہ ایک نئے مجتہدانہ انداز سے کرے، ممکن ہے کہ یہ گروہ اس موجودہ انقلابی دور میں نوجوانوں کے لئے تسلی و تشفی کا پیغام ثابت ہو اور اقتصادی و سیاسی راہ سے الحاد کا جو سیلاب آرہا ہے اس کے روکنے کا کام کرے لیکن اس کا طریق فکر اور طریق کار امت کے جمیع طبقات

کے مطابق نہیں۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا

حاصل یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریقِ دعوت تینوں چیزیں ٹھیک ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں داعی خود بھی قلباً اور قالباً داعی اوّل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو۔ جس حد تک یہ نسبت قوی ہوگی دعوت میں تاثیر اور کشش پیدا ہوگی پھر ضروری ہے کہ دعوت وہی ہو یعنی خالص اسلام اور ایمان اور عمل صالح کی دعوت ہو پھر دعوت کا طریق بھی وہی اختیار کیا جائے جو داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا تھا۔ جس حد تک ان تینوں امور میں عہد رسالت و نبوت کے ساتھ قرب و مناسبت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ دعوت کی قوت میں تاثیر اور دعوت کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوگی اور راہ کی ضلالت سے حفاظت اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کی طاقت میں اضافہ ہوگا۔ گذشتہ صدیوں کے جن داعیانِ امت کے تجدیدی کارناموں کو امت نے تسلیم کیا ہے ان کی تاریخ سے بھی ان اصولوں کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔

الغرض ضرورت یہ ہے کہ داعی اپنے علم و عمل، فکر و نظر، طریقِ دعوت اور ذوق و حال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہو صحت ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں محبت الٰہی، خشیۃ الٰہی، اخلاص للہ تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو۔ اخلاق و عادات و شمائل میں اتباع سنن نبوی کی کیفیت ہو حب للہ بغض للہ رافت و رحمت بالمسلمین اور شفقت علی الخلق اس کی دعوت کا محرک ہو اور انبیاء علیہم السلام کے بار بار دہرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجر الٰہی کی طلب کے کوئی مقصود نہ ہو ان اجری الا علی اللہ اور اس کی طلب کی ایسی دھن ہو کہ جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت اور نام و نمود اور ذاتی آرام و آسائش کا کوئی خیال راہ میں مانع نہ ہو۔ اس کا بیٹھنا، اٹھنا، بولنا، چالنا، غرض اس کی زندگی

کی ہر جنبش و حرکت اسی ایک سمت میں سمٹ کر رہ جائے۔ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین۔

صاحب سوانح اس معیار سے آئندہ اوراق میں جس داعی حق اور دعوت حق کی تصویر کھینچی گئی ہے، میری آنکھوں نے اس کے چہرے کے ہر خد و خال کا مشاہدہ کیا تھا اس کے ظاہر و غائب کے حالات دیکھتا اور سنتا رہا اور جن کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی ان کو ان اوراق کے پڑھنے سے اس کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی اور اسی ضمن میں اس کے اصول و طریق دعوت اور خود حقیقت دعوت کے سارے حالات واضح ہو جائیں گے۔

سلسلہ ولی اللّٰہی ہندوستان کے آخر عہد میں اللہ تعالیٰ نے خاندان ولی اللّٰہی کو اس ملک کی تطبیب مرحمت فرمائی تھی۔ چنانچہ ہندوستان میں آل تیمور کی غلط سیاست سے دین اسلام کو جو نقصان پہنچے ان کے تدارک اور اصلاح کی خدمت اس خانوادہ کے علماء اور ان کے منتسبین کے سپرد ہوئی اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ قائم ہے۔ اس دعوت کے مورث اول بھی اسی سلسلۃ الذہب سے مربوط ہیں۔

صاحب سوانح کا سلسلہ نسب صاحب سوانح کے پرنانا مولانا مظفر حسین صاحب حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے عزیز شاگرد اور حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب دہلوی کے مجاز تھے۔ اور مولانا مظفر حسین صاحب کے حقیقی چچا مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ممتاز شاگرد اور مرید با اخلاص تھے اور پھر اپنے شیخ کے خلیفہ حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہوئے، یہ دونوں بزرگوار اپنے وقت کے نامور صاحب تدریس و فتویٰ اور صاحب زہد و تقویٰ تھے، جن کے برکات اس خاندان کے اکثر افراد میں پھیلے جس کی تفصیل اصل کتاب سے معلوم ہو گی۔

صاحب سوانح کے والد اور دو بھائی صاحب زہد و ورع اور صاحب ارشاد تھے۔ مولانا کے والد پہلے شخص ہیں جن سے اہل میوات کو خلوص اور محبت پیدا ہوا اور پھر

ان کی وفات پر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ فقر و فاقہ اور زہد و توکل کے ساتھ اس مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور صاحب سوانح مولانا محمد الیاس صاحب اس سلسلہ کے تیسرے بزرگ تھے۔

اس عہد میں تبلیغی ناکامی کے وجوہ

۱۹۲۲ء کی بات ہے کہ ہندوستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل نومسلم دیہاتی علاقوں میں ارتداد کی آگ پھیلی، اس آگ کے بجھانے کے لئے ہر چہار طرف مسلمان کھڑے ہوئے بہت سی تبلیغی انجمنیں بنیں، ہزاروں روپے کے چندے ہوئے۔ مبلغین نوکر رکھے گئے جگہ جگہ پھیلائے گئے، مناظرین اسلام نے بحث و مناظرہ کے میدان گرم کئے، اور کئی سال تک بڑے دھوم دھام سے یہ کام ہوتا رہا، آخر آہستہ آہستہ جوش و خروش کم ہوتا گیا۔ ایک ایک انجمن ٹوٹ گئی، چندوں کی کمی سے مبلغین برطرف ہوتے گئے۔ مناظرین کے بلاوے بھی گھٹنے لگے اور بالآخر سمندر میں بالکل سکون ہو گیا۔

اس ناکامی کے وجوہ کیا تھے؟ یہ سارا تماشا کام کرنے والوں کی دلی لگن کا نتیجہ نہ تھا اور نہ مبلغین و مناظرین و داعیان کے دلوں میں دین کی دھن تھی بلکہ جو کچھ تھا وہ داد و ستد کا مبادلہ اور نفع عاجل کی حرص و طمع تھی، اور دینی دعوت اور باطنی ارشاد و تبلیغ، بازار کی قیمت سے خریدی نہیں جاتی۔

انبیاء کے اصول دعوت

(۱) انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دعوت کی بنیادی چیز یہی ہے کہ وہ اپنے کام کی اجرت و مزدوری کسی مخلوق سے نہیں چاہتے وما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علی رب العالمین ان کا متحدہ و متفقہ فیصلہ ہے انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے کام کی کسی بندہ سے تحسین و آفرین بھی نہیں چاہتے، ان کی دعوت کی کشش اور تاثیر دو قوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے، مخلوق کے ہر اجر سے استغنا و بے نیازی اور ان کی ذاتی پاکیزہ زندگی "سورۂ یٰسین" میں چند داعیان حق کا ذکر ہے جس میں ایک کی تکذیب کے بعد دوسرے رسول کی آمد اور اس کی تائید کا بیان ہے۔ بالآخر اقصائے شہر سے ایک سعید ہستی آتی ہے اور اپنے ہم قوموں

سے خطاب کرکے کہتی ہے ۔

يٰقوم اتبعوا المرسلين اتبعوا من لا يسئلكم اجرًا وهم مهتدون.

اے میرے لوگو! ان پیغمبروں کی پیروی کرو، ان کی پیروی کرو تم سے مزدوری نہیں چاہتے جو راہ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مبلغ کے لئے پاکیزگی اور خلق سے بے نیازی اور اخلاص وللّٰہیت ان کی تاثیر کا اصل سرچشمہ ہے۔

(۲) ان کی تبلیغ ودعوت کا دوسرا محرک بندگان الٰہی پر رحمت وشفقت اور خیر خواہی کا جذبہ ہے۔ بندوں کی اس تباہ حالت کو دیکھ کر ان کا دل جلتا ہے اور خیر خواہی سے ان کا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ان کی حالت سدھر جائے ٹھیک اس طرح جس طرح باپ بیٹے کی اصلاح اور رشد وہدایت کا طالب محض پدرانہ شفقت اور خیر خواہی کی بنا پر ہوتا ہے اسی طرح مبلغ اور داعی کے اندر بھی یہی جذبہ ہو، دینی خیر خواہی اور مسلمانوں پر رحمت وشفقت کی تاثیر اس کے دل کو بے چین رکھے حضرت ہود علیہ السلام اپنی امت کو کہتے ہیں۔

يٰقوم ليس بي سفاهةٌ ولكني رسول من رب العالمين. ابلغكم رسٰلٰت ربي وانا لكم ناصحٌ امينٌ (اعراف ۹)

اے میرے لوگو! میں بیوقوف نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں میں تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر

حضرت صالح علیہ السلام اپنی امت کو خطاب کرکے فرماتے ہیں

يٰقوم لقد ابلغتكم رسٰلٰت ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون النّٰصحين ۔ (اعراف)

اے میرے لوگو! میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم اپنے خیر خواہوں کو نہیں چاہتے۔

حضرت نوح علیہ السلام پر ان کی قوم گمراہی کی تہمت لگاتی ہے اس کے جواب

یں فرماتے ہیں :۔

یٰقوم لیس بی ضلالۃ ولٰکنی	اے میرے لوگو! میں بہکا نہیں ہوں
رسول من رب العٰلمین ابلغکم	لیکن پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں
رسٰلٰت ربی وانصح لکم	تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا
(اعراف ۸)	ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی احوال وکیفیات کا ذکر قرآن پاک میں بار بار ہے اور ہر بار یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کا کتنا غم تھا، ایسا غم جس کے وجہ سے پشت مبارک ٹوٹی جا رہی تھی۔

الم نشرح لک صدرک ۔	کیا ہم نے تمہارے سینہ کو نہیں کھول دیا
ووضعنا عنک وزرک الذی	اور تم سے اس بوجھ کو نہیں اتار لیا جس نے
انقض ظہرک ۔	تمہاری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔

اُمت کے غم سے یہ حال تھا کہ حضور کو اپنا جینا بھی دوبھر معلوم ہوتا تھا اللہ تعالٰی نے تسلی دی اور فرمایا ۔

لعلک باخع نفسک الا	کیا اس بات پر آپ اپنی جان گھونٹ
یکونوا مؤمنین (شعراء ۱)	ڈالیں گے کہ یہ ایمان نہیں لاتے

یہی مفہوم سورۂ کہف کی ایک آیت میں بھی ہے ۔

لعلک باخع نفسک علی اٰثارھم ان لم	تو کیا آپ ان کے پیچھے اگر وہ ایمان لائیں
یؤمنوا بھٰذا الحدیث اسفا (کہف)	اپنی جان افسوس کر کر کے گھونٹ ڈالیں گے

اسی محبت ورحمت کا اقتضا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلمانوں کی ہر تکلیف شاق گذرتی تھی اور چاہتے تھے کہ ہر بھلائی اور خیر کا دروازہ ان پر کھل جائے، ارشاد ہوا۔

لقد جاءکم رسول من	تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا

انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم (توبہ)

جس پر تمہارا تکلیف میں پڑنا شاق ہوتا ہے، تمہاری بھلائی کا حریص ہے اور ایمان والوں پر مہربان اور رحیم ہے۔

(۳) دعوت و تبلیغ کا تیسرا اصول یہ ہے کہ نرمی، سہولت، آہستگی، دانشمندی اور ایسے اسلوب سے گفتگو کی جائے کہ جس سے مخاطب پر داعی کے خلوص و محبت اور شفقت کا اثر پڑے اور بات مخاطب کے دل میں اُتر جائے، فرعون جیسے خدائی کے مدعی کافر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اُولوالعزم نبی بھیجے جاتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے۔

فقولا لہ قولا لینا (طہ) تم دونوں (حضرت موسیٰ و ہارون) فرعون سے نرم گفتگو کرنا

منافقین نے اسلام کو نقصان پہنچانے چاہے اور جس طرح اسلام کی دعوت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ناکام کرنا چاہا، وہ بالکل ظاہر ہے، بایں ہمہ آپ کو یہی حکم دیا جاتا ہے:-

فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولا بلیغا۔

تو آپ ان سے درگزر کیجیے، اور ان کو نصیحت کیجیے، اور ان سے ان کے معاملے میں ایسی بات کہیے، جو ان کے دل میں اتر جائے۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ جب اس نرمی اور سہولت اور دل میں گھر کر لینے والی بات کا طریق منافقوں سے برتنے کا حکم ہوتا ہے تو عام نادان مسلمانوں کو سمجھانے اور بتانے کا کیسا طریقہ ہونا چاہیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دعوت کے اس اصول کو آیت ذیل میں تفصیل سے ظاہر فرما دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (بنی اسرائیل)

آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے دعوت دیں اور بحث و مباحثہ کریں تو وہ بھی خوبی سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی سمت دو صحابیوں کو اسلام کا داعی بنا کر بھیجا تو ان کو چلتے وقت یہ نصیحت فرمائی:۔

یسرا ولا تعسرا وبشرا	تم لوگوں کو آسانی کی راہ بتانا ان کو دقت
ولا تنفرا (صحیح بخاری)	میں نہ ڈالنا، انہیں خوشخبری سنانا اور نفرت دلانا۔

دیکھنے میں تو یہ ارشاد نبوی دو دو لفظ کے دو فقرے ہیں مگر ان میں طریق تبلیغ کا ایک دفتر بند ہے۔ داعی اور مبلغ کو چاہیے جس جماعت کو دعوت دے اس میں آسان سے آسان طریقے سے دین کو پیش کرے اور شروع ہی میں سختی نہ کرے، ان کو خوش خبری اور اعمال کی بشارت اور رحمت و مغفرت الہی کی وسعت کا تذکرہ کرے۔ ان کو دین کا حوصلہ دلائے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقائد اور فرائض میں مداہنت کی جائے، یہ تو کسی حال میں جائز نہیں بلکہ یہ مقصد ہے کہ طریق کار میں سہولت بھی اور نرمی بھی برتی جائے۔ فرائض کے علاوہ دوسرے اعمال جو فرض کفایہ یا مستحبات ہوں یا جن کے سبب سے دین میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو ان میں زیادہ سخت گیری نہ کی جائے یا جن امور میں فقہا و مجتہدین نے مختلف راہیں اختیار کی ہیں ان میں سے کسی ایک ہی راہ کے قبول میں شدت نہ کی جائے یا مسائل کے بیان میں جس حد تک اللہ تعالیٰ نے وسعت پیدا کر رکھی ہے اس میں عزم تقویٰ کے لئے تنگی نہ کی جائے۔

ان امور کی مثالیں سیرت و سنن نبوی میں بکثرت ملتی ہیں چنانچہ عقائد و فرائض میں مداہنت کرنے کی ممانعت قرآن پاک کی کئی آیتوں میں ہے، کفار اسلام کے عقائد میں کچھ نرمی چاہتے ہیں۔

ودوا لو تدھن	کفار چاہتے ہیں کہ آپ کچھ نرمی کریں تو
فیدھنون (قلم)	وہ بھی نرمی کریں۔

مگر اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۴) اس اصول کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ میں الاہم فالاہم کی ترتیب مدنظر رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی تو سب سے پہلا زور صرف توحید اور رسالت پر صرف فرمایا لا الہ الا اللہ یعنی کلمہ اسلام کی دعوت شروع کی۔ قریش پوچھتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ فرمایا فقط ایک کلمہ (بات) اگر تم اس کو مان لوگے تو سارا عرب و عجم تمہارا زیر فرمان ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور رسول کی رسالت حقیقت میں وہ تخم ہے جس کے اندر سے سارے احکام کا برگ و بار نکلتا ہے سب سے پہلے اسی کی تخم ریزی چاہئے اس کے بعد احکام کا دور آتا ہے

قرآن پاک کا طریق نزول خود اس طریق دعوت کی صحیح مثال ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن پاک میں پہلے دلوں کو نرم کرنے والی آیتیں نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے یعنی جن میں ترغیب و ترہیب ہے، پھر جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیتیں نازل ہوئیں، اور اگر پہلے ہی اترتا کہ شراب مت پیو تو کون مانتا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے نزول میں بھی یہ تبلیغی ترتیب ملحوظ رہی ہے۔

طائف کا وفد جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو اس نے اپنے اسلام کی یہ شرط پیش کی کہ ان سے نماز معاف کردی جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو وہ کس کام کا (لاخیر فی دین لارکوع فیہ) پھر انھوں نے یہ شرط پیش کی کہ ان سے عُشر وصول نہ کیا جائے اور نہ مجاہدین کی فوج میں ان کو بھرتی کیا جائے آپ نے یہ دونوں شرطیں قبول کرلیں اور ارشاد فرمایا کہ جب یہ مسلمان ہو جائیں گے تو عشر بھی دیں گے اور جہاد میں بھی شریک ہوں گے۔ محدثین لکھتے ہیں کہ نماز چونکہ فوراً واجب ہوتی ہے اس لئے اس میں نرمی نہیں برتی گئی اور جہاد کی شرکت چونکہ فرض کفایہ ہے اور کسی وقت خاص پر فرض ہوتی ہے اور زکوٰۃ و عشر کے وجوب کے لئے چونکہ ایک

سال کی مدت کی وسعت تھی اور بعد کو بھی وہ بتاخیر ادا ہوسکتی ہے اس لئے ان دونوں باتوں میں نرمی ظاہر فرمائی اس سے تبلیغ کے حکیمانہ اصول پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا

"تم ایسے لوگوں میں جا رہے ہو جہاں اہل کتاب بھی ہیں جب تم وہاں پہنچو تو ان کو سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں جب وہ یہ مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں جب تمہاری یہ بات بھی مان لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو دولت مندوں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے اور جب وہ اس کو مان لیں تو زکوٰۃ میں چن چن کر ان کے اچھے مال چھانٹ کر نہ لو اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔

اس حدیث سے بھی دعوت کی حکیمانہ ترتیب کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵) تبلیغ و دعوت کے ان اصولوں میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں نمایاں معلوم ہوتے ہیں۔ ایک عرض ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتظار نہیں فرماتے تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں خود حاضر ہوں، بلکہ آپ اور آپ کے داعی لوگوں تک خود پہنچتے تھے اور حق کی دعوت دیتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی لوگوں کے گھروں تک خود پہنچ جاتے تھے اور کلمۂ حق کی دعوت پیش فرماتے تھے، مکہ معظمہ سے سفر کرکے طائف تشریف لے گئے اور وہاں عبد یالیل رئیسوں کے گھروں پر جاکر تبلیغ کا فرض ادا فرمایا حج کے موسم میں ایک ایک قبیلہ کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو حق کا پیغام پہنچاتے اور ان کے ترش و تند جوابوں کی پروانہ فرماتے تھے، آخر اسی تلاش میں یثرب کے وہ سعادت مند ملے جن کے ہاتھوں سے ایمان و اسلام کی دولت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو منتقل ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب ملک میں امن و امان و اطمینان ہوا تو اسلام کے سفیر مصر و ایران و حبش کے بادشاہوں اور عمان و بحرین اور یمن اور حدود شام کے رئیسوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر پہنچے اور مختلف صحابہ نے عرب کے مختلف صوبوں اور قبیلوں میں جاکر اسلام کی تبلیغ کی حضرت مصعب بن عمیر مدینہ منورہ گئے۔ حضرت علی اور معاذ بن جبل نے یمن کا رخ کیا۔ یہی حال ہر دور کے علماء حق اور ائمہ دین کا رہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ داعی و مبلغ کا خود فرض ہے کہ وہ لوگوں تک پہنچے اور حق کا پیغام پہنچائے بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصان حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کہاں کے رہنے والے تھے فیض کہاں پایا اور جو پایا اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جاکر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا، ریلوں لاریوں موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامان راحت سے محروم تھی۔ معین الدین چشتی سیستان میں پیدا ہوئے، چشت واقع افغانستان میں دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آکر حق کی روشنی پھیلائی۔ فرید شکر گنج سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ اور پھر ان کے خلفا کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں، کوئی دکن میں ہے، کوئی مالوہ میں ہے، کوئی بنگال میں ہے، کوئی صوبجات متحدہ میں ہے۔

(۲) اسلامی دعوت و تبلیغ کا ایک بڑا اصول نفیر ہے یعنی دین کی طلب اور تبلیغ کے لئے ترک وطن کرکے ایسے مقامات پر جانا جہاں دین حاصل ہوسکے اور پھر وہاں سے لوٹ کر اپنے وطن میں آکر اپنے قبیلوں اور ہم قوموں کو اس فیض سے مستفید کرنا۔ سورۂ نساء کی حسب ذیل آیت اگرچہ اپنے شان نزول کے لحاظ سے جنگ کے موقع کی ہے مگر الفاظ کے عموم کی بنا پر

ہر اُس نفر کو شامل ہے جو کسی کارِ خیر کے لئے کی جائے۔ جیسا کہ قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعاً (نساء)

اے ایمان والو! اپنا بچاؤ کرو اور الگ الگ یا اکٹھا بنا کر گھروں سے نکلو۔

ایک دوسری آیت خاص اسی مفہوم کی سورۂ براءۃ میں ہے۔

وماکان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (براءۃ)

یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سارے مسلمان گھروں سے نکلیں تو کیوں ہر گروہ سے کچھ لوگ اس غرض کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور جب وہ اپنے گھر لوٹ کر آئیں تو اپنے لوگوں کو اللہ سے ڈرائیں تاکہ وہ بھی برائیوں سے بچنے لگیں۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی طرح وفود بنا بنا کر الگ الگ قبیلوں سے لوگ مدینہ منورہ سے آتے اور ہفتہ عشرہ بعض دو عشرے رہ کر دین کا علم اور عمل حاصل کرکے اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور بقیہ لوگوں کو دین سے واقف کرنے کا کام کرتے تھے۔

(۷) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مسجدِ نبوی کے چبوترہ پر اصحابِ صفہ کا حلقہ تھا جن کا کہیں گھر نہ تھا، گذر بسر کی صورت یہ تھی کہ یہ لوگ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتے اور بازار میں بیچتے اور رات کو کسی معلم کے پاس دین کا علم سیکھتے اور ضرورت کے وقت مختلف مقاموں میں بھی مبلغ بنا کر بھیجے جاتے۔ ضروری مشاغل کے علاوہ دین کی تعلیم اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یابی اور عبادت میں انہماک ان کے کام تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایسے گروہ کا انتظام رکھنا بھی نظمِ جماعت سے ہے اور یہ بھی

معلوم ہوا کہ یہ گروہ خاص تربیت کے ماتحت پیدا ہوتا تھا اور صحبتِ نبوی کی برکت سے ظاہری وباطنی فیوض سے مالا مال رہتا تھا اور تبلیغ و دعوت کے کاموں کو انجام دیتا تھا۔

(۸) تعلیم کا طریقہ زیادہ تر فیض صحبت. زبانی تعلیم احکام و مسائل کا ذکر اور مذاکرہ اور ایک دوسرے سے پوچھنا اور سیکھنا اور بتانا تھا۔ ان کی راتیں عبادتوں سے معمور رہتی تھیں اور دن کاروبارِ دین میں مصروف۔

یہ دعوت اصل سے قریب تر ہے اوپر کی سطروں میں تبلیغ و دعوت کے اصول پر جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے تبلیغی اصول اور دعوت کے طریق کیا ہیں اور جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں آئندہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے اور جس دعوت و تبلیغ کے علمی و عملی اصول و آئین کا تذکرہ ہے وہ موجودہ ہندوستان کی تمام دینی تحریکوں میں اصل اول سے زیادہ قریب ہے۔

تبلیغ کی اہمیت حکیمانہ تبلیغ و دعوت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے۔ حق ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن کی یہ ندا۔

یاایھاالذین آمنوا آمنوا — اے مسلمانو! مسلمان ہو

کو پورے زور و شور سے بلند کیا جائے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفاکشی، وہ محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوت و مجاہدہ صرف کی جائے جو دنیا دار لوگ دنیا کے عز و جاہ اور حصول طاقت میں صرف کر رہے ہیں جس میں حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لئے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے، کشش سے، کوشش سے، احان

مال سے، ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین و دنیا کا نہ کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

اس جنون کی اس عہد میں مثالیں آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اصل کتاب کو شروع کریں۔

والسلام
ہیچمداں سید سلیمان ندوی
مئی ۱۹۴۷ء۔ بھوپال

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حدیث میں ہے من لا یرحم لا یرحم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے، اس لئے ان کو اس شخص پر تو رحم آتا ہے جو بھوکا، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا، گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں" فرمایا "ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے، اس لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر مبلغ اس لئے تبلیغ کر رہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دے گا۔ لیکن اگر یہ منشاء نہیں کچھ اور منشاء ہے تو پھر تکبر و عجب میں مبتلا ہوگا جس سے نفع کی امید نہیں، نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا اس میں خلوص بھی ہوگا، اس کی نظر اپنے عیوب پر بھی ہوگی اور دوسروں کے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی اور دوسروں کی عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی۔ تو یہ شخص اپنے نفس کا حامی نہ ہوگا بلکہ شاکی ہوگا، اور اس تبلیغ کا گر یہی ہے کہ حمایت نفس سے الگ ہو کر شکایت نفس کا سبق ہمیشہ پیش نظر رہے۔

مقدمہ

(از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذی قعدہ ۱۳۵۸ھ (دسمبر ۱۹۳۹ء) کا ذکر ہے کہ تین دوست اپنی اپنی جگہ سے چل کر سہارنپور میں جمع ہوئے تاکہ چند دینی مرکزوں کو دیکھیں، اور وہاں جو کچھ دینی و اصلاحی کام ہو رہا ہے اس کو دیکھ کر کچھ اپنے متعلق بھی فیصلہ کریں۔

ان مرکزوں کی مختصر سی فہرست میں ایک نظام الدین کا تبلیغی مرکز بھی تھا، جس کو اس سفر کے آخر میں رکھا گیا تھا۔

دوستوں کے اس مختصر سے قافلے میں (جس کو شاید دینی طلایہ (طلیعہ) کہنا بے محل نہ ہوگا) یہ راقم حروف اس آخری مرکز کے روحِ رواں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا اور یاد آتا ہے کہ رفقا میں مولانا کی اس سیرت کے مؤلف (مولانا سید ابوالحسن علی صاحب) کو اس مرکز میں حاضر ہونے اور مولانا سے ملنے کا ہم میں سب سے زیادہ اشتیاق تھا۔

میری واقفیت کی بنیاد تو یہ تھی کہ اجمالی طور پر اس سلسلے کے تمام اکابر و مشاہیر سے عموماً واقفیت رکھتا ہوں، دیوبند میں طالب علمانہ قیام ہی کے زمانہ سے اس جماعت کے ساتھ جو دینی و فکری رابطہ اور عقیدت و محبت کی جو دولت مجھے نصیب رہی اس کی بنا پر اس حلقہ کی کوئی ممتاز شخصیت میرے لئے بیگانہ نہ تھی، اس کے علاوہ میوات کے ایک تبلیغی جلسہ میں مجھے شرکت اور حاضری کا اتفاق بھی ہو چکا تھا جس میں حضرت مولانا مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس" مولانا محمد یوسف" مولانا انعام الحسن" اور جماعت

لیکن مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ میری واقفیت مولانا سے بالکل سطحی اور سرسری تھی، میں ان کو بس ایک مخلص بزرگ اور حقانی عالم سمجھتا تھا جو اخلاص کے ساتھ تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور اس تبلیغ کا خاکہ میرے ذہن میں بس یہ تھا کہ وہ جاہل و غافل دیہاتی مسلمانوں کو کلمہ سکھاتے اور نماز روزہ پر لگاتے ہیں۔ جزاہ اللہ خیراً

میرا اب خیال ہوتا ہے کہ ایسی ادھوری اور سطحی واقفیت اکثر استفادہ سے مانع اور اچھا خاصا حجاب ثابت ہوتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ میں تو واقف ہوں لیکن اس ادھوری واقفیت اور اس سے پیدا شدہ پست تصور کی وجہ سے اس کے دل میں وہ اشتیاق اور طلب کا وہ جوش پیدا نہیں ہوتا جو اس ناواقف کے دل میں ہوتا ہے جو تحقیق و تلاش کیلئے نکلتا ہے، میرا خیال ہے کہ اپنے زمانہ کے اکابر اور اپنے شہر کی عظیم المرتبت ہستیوں سے اکثر قریب کے لوگوں کی محرومی کا سبب شاید زیادہ تر یہی رہا ہے

ہمارے دوست (مؤلف سوانح) مولانا سے صرف اس تقریب سے واقف تھے کہ والد مغفور کے دوست (منشی محمد خلیل صاحب) نے ایک آدھ بار ان کے سامنے مولانا کا تذکرہ کیا تھا، اور کرنال کے ایک سفر میں (جو مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی ہمراہی میں ہوا تھا) ایک مجلس میں ایک واقف کار نے مولانا کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کیا تھا اسکے بعد انھوں نے مولانا کی دینی دعوت کے متعلق سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا ایک مضمون پڑھا تھا جو موصوف نے میوات کے ایک مختصر سے سفر سے متاثر ہو کر "ایک اہم دینی تحریک" کے عنوان سے اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" (بابت ماہ شعبان ۵۸ھ) میں لکھا تھا۔

وہ مجھ سے مولانا کے متعلق پوچھتے تھے اور میں جتنا کچھ جانتا تھا بتلاتا تھا اور اس خیال سے کہ پہلے سے وہ کوئی ایسا تصور قائم نہ کر لیں جس کو نہ پا کر انھیں مایوسی ہو میں یہ ضرور کہتا تھا کہ مولانا کی زبان میں ایک طرح کی لکنت ہے اور وہ بعض اوقات اپنا مدعا بھی پورے طور پر ظاہر نہیں کر پاتے ہیں۔

خدا کا کرنا دہلی پہنچ کر یہ عاجز ایک شدید ضرورت اور طلبی کی بنا پر اپنے دونوں رفیقوں کو چھوڑ کر بریلی آ گیا اور مولف کتاب اور ان کے بلا واسطہ اور میرے بالواسطہ دوست مولوی عبدالواحد صاحب ایم اے. نظام الدین اور وہاں سے میوات گئے اور وہاں سے واپسی پر مولانا کی ملاقات سے مشرف ہوئے جس کی مفصل روداد مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ہی کے قلم سے ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کے الفرقان میں "ایک ہفتہ چند دینی مرکزوں میں" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔

اس کے بعد مولانا سید ابوالحسن صاحب کے خطوط سے معلوم ہوتا رہا کہ وہ مولانا کے پاس جاتے رہتے ہیں اور ان کا تاثر مولانا کی دعوت سے اور ان کی مناسبت مولانا کے ارشادات سے بڑھ رہی ہے، یہاں تک کہ مجھے بھی ان کی معیت میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے مواقع حاصل ہوئے، اس سلسلہ کے واقعات و تاثرات وقتاً فوقتاً "الفرقان" میں شائع ہوتے رہے ہیں اور اس وقت اُن کی تفصیل مقصود نہیں۔

یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ مولانا کے یہاں جب بار بار حاضری ہوئی اور بعض سفروں میں یکسوئی کے ساتھ حاضر خدمت رہنے اور ان کے ارشادات کو تفصیل سے سننے کا موقع ملا تو قلب و دماغ پر دو اثر ہوئے۔

ایک تو یہ کہ مولانا کی دعوت بڑی عمیق اور اصولی دعوت ہے جو محض غلبہ حال کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق کے ساتھ اصول دین میں بہت گہرے غور و تدبر، قرآن و حدیث کے عمیق مطالعہ و تفکر، دین کے مزاج و طبیعت سے واقفیت اور صحابۂ کرام اور قرن اول کے طرز زندگی کے وسیع اور گہرے علم پر مبنی ہے اور وہ چند منتشر اور غیر مربوط اجزاء کا نام نہیں ہے بلکہ مولانا کے ذہن میں اس کا ایک مرتب خاکہ ہے البتہ اس کے لئے ان کے نزدیک ترتیب و تدریج بہت ضروری ہے۔

اس حقیقت کے انکشاف کے بعد قلب میں شدت کے ساتھ اس کا تقاضا پیدا ہوا کہ یہ چیزیں کاغذ پر بھی مرتب شکل میں آ جائیں اور اس دعوت کے اصول و مبادی اور طریق کار اور اس کی

ذہنی اساس اور دینی بنیاد اہل علم کے لئے اس زمانہ کی زبان اور علمی پیرایہ بیان میں سامنے آجائے رجب ۱۳۶۲ھ میں مولانا لکھنؤ تشریف لے گئے اور خاکسار راقم کو بھی آپ کی معیت میں کئی روز رہنے کی سعادت اور کبھی کبھی ترجمانی کی عزت بھی حاصل ہوئی ہمارے دوست مولف کتابچے ایک مجلس میں مولانا کی ترجمانی کا فرض ادا کیا اور آپ کی اس دینی دعوت کے جن نہایت عمیق اور طاقتور پہلوؤں کو سرسری نظر سے دیکھنے والے نہیں سمجھ سکتے، مولانا ابوالحسن علی نے اپنی اس تقریر میں ان کو ایسی مفکرانہ ترتیب کے ساتھ اس قدر دلنشیں انداز میں اس وقت پیش کیا کہ خود راقم سطور کے لئے بھی اس تحریک کے متعلق علم کا ایک نیا دروازہ کھل گیا چنانچہ خاکسار نے اسی وقت بہ اصرار ان سے کہا کہ آپ تمام کام چھوڑ کر اس تقریر کو قلمبند کرلیں یا اس کو تحریری شکل میں از سر نو مرتب کریں یہ آپ پر اس دعوت کا سب سے بڑا حق اور بڑی ذمہ داری ہے، مولانا نے بھی میری فرمائش کی تائید کی اور غالباً اسی سے متاثر ہو کر مولف کتابچے وہ رسالہ مرتب کیا جو "ایک اہم دینی دعوت یا مسلمانوں کی عمومی تعلیم و تربیت کا نظام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اس کے بعد راقم الحروف نے حضرت مولانا کی علالت کے زمانہ میں حضرت ہی کے ارشادات سے اخذ کرکے "نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش" کے عنوان سے ایک مقالہ مرتب کیا اور اس میں ایک خاص عنوان سے اس دعوت کی ترجمانی اور توضیح کی کوشش کی، اس طرح جہاں تک دعوت کے اصول و اساس کا تعلق ہے، اگرچہ کوئی تحریر کسی انسان کی قائم مقام نہیں ہوسکتی مگر اس سلسلہ میں دل پر اب اتنا بوجھ نہیں رہا۔ اور کسی حد تک اس کا اطمینان ہوگیا ہے کہ دل و دماغ کی امانت کاغذ کے سپرد کردی گئی ہے اور اگرچہ کاغذ بہت ضعیف ہے مگر اس کے امین ہونے میں شک نہیں۔

قلب پر دوسرا اثر مولانا کی شخصیت کا تھا۔ ہماری آمد و رفت، سفر و حضر کی رفاقت اور ذاتی واقفیت جتنی بڑھتی گئی، مولانا کی شخصیت کا اثر بھی ہمارے اوپر بڑھتا گیا، ہم اور

ہمارے بعض دوسرے صاحب بصیرت احباب اس بارے میں ہم خیال و یک زبان تھے کہ اس زمانہ میں ایسی شخصیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک نشانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو دین کے موثر او رزندہ جاوید ہونے کے ثبوت کے طور پر اور صحابہ کرام کے عشق اور خیر القرون کے دینی جنون و بے قراری اور اس دور کی خصوصیات کا ایک اندازہ کرنے کے لئے اس زمانہ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ اس طرح کی کسی غیر معمولی شخصیت کو دیکھتا اور اس سے متاثر ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے دوست احباب بھی دیکھیں اور نعمت و سعادت میں اپنا اپنا حصہ لیں، اس لئے طبعی طور پر ہمارا بھی جی چاہتا تھا کہ ہمارے احباب اور معاصر اس ہستی کو دیکھیں جو قرون اولیٰ کے خزانہ عامرہ کا ایک بچا کھچا موتی ہے لیکن کسی کو کسی پر اختیار نہیں بہت سے احباب جو آسانی پہنچ سکتے تھے اور جن کی نظر دوررس اور حقیقت شناس تھی اور جو اپنی مناسبت اور صلاحیتوں کی بنا پر مولانا کے مورد لطف ہوسکتے تھے اور پھر بے اندازہ روحانی برکتوں اور دینی سعادتوں کے خود سرمایہ دار ہو کر دوسروں میں بھی ان کے پھیلانے کا ذریعہ بن سکتے تھے۔ افسوس وہ اپنے مشاغل کی بنا پر یا کسی دوسری وجہ سے اُن کی زندگی میں نہ آسکے اور ان کو ان کی شخصیت کے مطالعہ اور اُن کی خصوصیات و امتیازات کے ادراک اور ان کی دعوت کو اچھی طرح سمجھ سکنے کا موقع نہ مل سکا۔

ہم آپس میں اکثر تذکرہ کرتے تھے کہ اگر ہم مولانا کے حالات کسی کے سامنے بیان کریں تو وہ مبالغہ پر محمول کرے گا اور دیکھنے والا ہمارے بیان کی تقصیر اور کوتاہی سمجھے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ الفاظ کی بڑی سے بڑی مقدار ذاتی مطالعہ اور عینی مشاہدہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی الفاظ یا تو آگے بڑھ جاتے ہیں یا پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کاغذی لباس جو بھی تیار کیا جائے گا وہ جسم پر پورے طور پر راست نہیں آئے گا یا ڈھیلا رہے گا یا تنگ، اگر کوئی چیز کسی کا کچھ صحیح تصور قائم کرا سکتی ہے اور اس کو کسی حد تک اس کی صحیح شکل میں پیش کر سکتی ہے تو وہ صرف واقعات یا

اس کی اپنی تحریریں (خصوصاً خطوط) اور اس کی روزمرہ کی بے تکلف گفتگو ہے۔

مولانا کے ساتھ رہنے اور اُن کو قریب سے دیکھنے سے ہم پر ایک اہم علمی نکتہ منکشف ہوا کہ بزرگانِ دین اور اکابرِ سلف کے جو حالات کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں ان میں خواہ کتنے ہی استقصا سے کام لیا گیا ہو وہ ان کی شخصیت اور ان کے اصلی کمالات سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور واقعات کا بھی وہ بہت تھوڑا سا حصہ ہوتے ہیں جن میں مؤلف و سوانح نگار کی نظر انتخاب اور اس کے ذوق کو بڑا دخل ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تو جس شخص کی وہ سیرت ہوتی ہے اس سے زائد خود سوانح نگار کی اپنی سوانح اور اس کا ذہنی مرقع ہوتی ہے۔

پھر کیفیات و جذبات اور بہیلوں ادائیں ہیں قلم سے جن کی تصویر کشی محال ہے شاعر نے سچ کہا ہے:۔

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

اور غریب سوانح نگار کرے بھی کیا، بہت سی کیفیات و حقائق کے لئے شاعری کی لطیف اور وسیع زبان میں بھی لفظ نہیں ع بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

ہمیں بعض زندہ ہستیوں کے ساتھ رہنے ہی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ محدثین کرام اور اہلِ سیر سے زیادہ کسی نے امانتِ نقل اور استقصار سے کام نہیں لیا لیکن بہرحال وہ اتنا ہی بیان کر سکے جتنا الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ تاریخ اور کتبِ سوانح نے جو کچھ محفوظ کر دیا اور ہم تک پہنچا دیا حافظے اور زبانی نقل و روایت کے سلسلے اس کا ایک حصہ بھی نہ پہنچا سکتے اور جن لوگوں کے لئے اس کا کوئی اہتمام نہیں ہوا، اکثر ان کے نام کے سوا دنیا میں کچھ باقی نہیں۔

مولانا کی سیرت و سوانح کے سلسلے میں ہم عرصے تک متامل رہے۔ مولانا اس کی ہمیشہ تاکید فرماتے رہے کہ ان کی دعوت کو ان کی شخصیت کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے وہ کسی طرح اس کے روادار نہ تھے کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے اور آخر میں اس کو

بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ دعوت کے تعارف کے سلسلہ میں ان کا نام بھی لیا جائے، یہ احتیاط، تواضع، بے نفسی اور اخلاص کے علاوہ اہم دینی مصالح پر مبنی تھی۔ لیکن اس کام کے داعیوں اور کارکنوں کو (جن میں مؤلف کتاب و مقدمہ نگار بھی ہیں) اس کا اقرار ہے کہ اس میں کامیابی نہ ہو سکی، اکثر دعوت کے مصالح کا اقتضا ہوتا تھا کہ اس کے داعی اول کا ذکر کیا جائے تاکہ ان لوگوں میں جو اس کی شخصیت، اخلاص اور للّٰہیت سے واقف ہیں، اس دعوت کی طرف سے اعتماد اور حسن خیال پیدا ہو، پھر دعوت کے اصول کی تشریح و تفصیل اور اس کے نتائج کے ظہور کے سلسلے میں خود اس کے داعی کے ذاتی تجربات اور اس دعوت کے ان منازل ارتقا کا ذکر کرنا ضروری ہوتا تھا جن سے یہ دعوت گزری ہے اور اس سلسلہ میں مولانا کا نام اور ان کی مساعی کا ذکر بالاضطرار زبان پر آجاتا تھا اور وہ اکثر اوقات مفید ہوتا تھا۔

خاکسار راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور مؤلف کتاب دہلی میں ایک صاحب علم و صاحب قلم دوست سے نظام الدین نہ جانے پر دوستانہ شکایت کر رہے تھے اور اس دعوت کی دینی اہمیت اور عظمت کا اظہار کر کے ان کو اس کی طرف متوجہ کر رہے تھے، اس ضمن میں جب مولانا کی بلند شخصیت، روحانیت اور ان کے متعلق ان کے بعض نامور معاصرین کی رائے سنائی گئی تو ہم نے صاف محسوس کیا کہ دعوت کا وزن ان کی نگاہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور ان کے لئے کوئی چیز اس سے زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئی۔

بعض انہیں تجربات اور دوسرے دینی مصالح کے پیش نظر مولانا کی مایوس کن علالت کے دوران میں اس عاجز کو بار بار خیال ہوا کہ مولانا کی سیرت کی ترتیب اور اس دعوت کی مفصل تاریخ بہت ضروری ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی صاحب کا مولانا کی علالت کے آخر زمانہ میں وہیں قیام تھا۔ میں نے ان سے اپنا خیال ظاہر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خود اس خیال سے فارغ نہیں ہیں اور کچھ چیزیں انھوں نے نوٹ کرنی شروع کر دی ہیں، اسی عرصہ میں مولانا کی وفات کا حادثہ پیش آیا اور اس تجویز میں جان پڑ گئی، مولانا کی آخری

خدمت و زیارت کے لئے تقریباً تمام پرانے کام کرنے والے دیرینہ رفیق، نیز خاندان کے بزرگ اور اعزا جمع تھے اور عنقریب یہ میلا اجڑنے والی تھی اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ "بنات النعش" پھر کہیں ایک جگہ ملیں گے۔ علی صاحب نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا، مولانا کے باخبر اعزہ اور دیرینہ رفقاء سے ضروری معلومات یکجا کیے، جن کے بغیر کوئی سوانح مرتب نہیں ہو سکتی، ان سے سوالات کرکے بہت سی کارآمد باتیں اور جزئیات فراہم کیں، صحیح سنہ معلوم کئے اور دعوت کے مختلف مراحل مدارج کو منضبط کیا۔

اس کے علاوہ پرانے خطوط کا ایک قیمتی ذخیرہ وہ نظام الدین سے اپنے ساتھ لے گئے جن سے سیرت و سوانح کے بعض ضروری خلا پُر کئے۔ دعوت کے مبادی و اصول کے متعلق خطوط کا سب سے بیش قیمت سرمایہ خود ان کے پاس موجود تھا۔ مولانا نے دعوت اور اپنے پیام کی تشریح میں (بہ استثنائے علم بہن) سب سے زیادہ واضح اور مفصل خطوط خود مؤلف کتاب کو لکھے تھے جن سے انھوں نے پورا فائدہ اٹھایا، بعض دوسرے دوستوں نے بھی یہ سن کر کہ وہ مولانا کی سیرت کی تالیف کا کام کر رہے ہیں اپنے خطوط ان کے پاس بھیج دیے جو بہت کارآمد ثابت ہوئے۔

سب سے بڑی اور سب سے قیمتی مدد اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے ملی۔ آپ نے بڑی جانفشانی اور بڑی تحقیق و تلاش سے معلومات فراہم کیے۔ بعض مرتبہ ایک سنہ اور تاریخ کی تحقیق میں کئی کئی دن اور کئی راتیں صرف ہوئیں۔ اپنے روزنامچہ اور پرانے کاغذات اور تحریروں سے یہ کھوئی ہوئی چیزیں برآمد کیں اور اس طرح کتاب کی تکمیل کی۔ آخر میں کتاب کی دوسری طباعت کے وقت، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کا ایک بہت بڑا ذخیرہ آپ کی توجہ اور کرم سے ہاتھ آیا، اس ذخیرہ کے قریباً ۷۰، ۸۰ اقتباسات اس اشاعت کا قیمتی اضافہ ہیں، جس سے کتاب میں نئی روح اور نئی طاقت پیدا ہو گئی ہے۔ اس طرح اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ نے اس کام میں بڑی مدد فرمائی اور ہماری ابتدائی توقع سے بڑھ کر مواد

فراہم ہوگیا۔

مسودہ کی تکمیل کر لینے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا کہ خصوصی واقف کار اور دیرینہ رفیقوں کے سامنے یہ کتاب گزر جائے تاکہ واقعات کی صحت اور بیانات کی پختگی کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۴۴ء میں میوات کے ایک سفر میں کئی مجلسوں میں یہ کتاب سنی گئی اور کتاب کی مزید تنقیح کی گئی۔

ہمارے دوستوں میں مؤلف کتاب کو بزرگوں اور دینی شخصیتوں کی سیرت نگاری اور دینی و اصلاحی تحریکات کی تاریخ نویسی سے خاص مناسبت ہے اور اس کا خاص ذوق اللہ نے ان کو بخشا ہے۔ اس سلسلہ میں مستقل کتاب کی شکل میں "سیرت سید احمد شہید" ان کا پہلا نقش تھا اور مولانا محمد الیاسؒ کی یہ سوانح نقش ثانی ہے۔

اہل دین و اہل علم کی سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی مؤلف کتاب کی آبائی سعادت ہے اور یہ موضوع ان کے لئے بہت سے لوگوں سے زیادہ محبوب و دلچسپ اور سہل ہے مؤلف کتاب کے دادا (مولانا حکیم سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ فارسی کے ایک جلیل القدر مورخ اور ادیب تھے، جن کے رواں اور سیال قلم کی یادگار "مہر جہاں تاب" (قلمی) (فارسی کا انسائیکلوپیڈیا جس کی پہلی جلد فلسکیپ سائز کے تیرہ سو صفحات میں تمام ہوئی ہے) اور "سیرت السادات" اور "تذکرۂ علمیہ" جیسی کتابیں ہیں۔

مؤلف کے والد نامدار مولانا سید عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء، ہندوستان کے ابن خلکان اور ابن الندیم تھے جو "نزہۃ الخواطر" (عربی) کی سی جلیل القدر تصنیف کے مصنف ہیں، جو ہندوستان کے مسلمان مشاہیر داعیان علماء و مشائخ اور اہل علم و تصنیف کا آٹھ جلدوں میں سب سے مبسوط تذکرہ ہے۔

اس آبائی مناسبت اور خود اپنے ستھرے علمی ذوق کے علاوہ انھوں نے امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور (مکتوبات امام ربانی کے سلسلہ میں) حضرت مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت، تعلیم اور اصلاح و تجدید کا گہرا مطالعہ کیا ہے اس لئے اس دعوت کے بہت سے گوشوں اور اس کے بہت سے محاسن و خصوصیات سمجھنے میں ان کو مقابلۃً آسانی ہوئی اور اس سلسلہ میں ان کا اعتراف اہمیت سے خالی نہیں۔

ان خصوصیات کے علاوہ خوش نصیب مؤلف کو اللہ کی بخشی ہوئی کچھ اور خاص صلاحیتیں بھی حاصل ہیں جن کا جوہر تو غالباً ان کی فطرت میں پہلے سے موجود تھا لیکن ان کا نشوونما میرے خیال میں مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آمد و رفت اور ان کے ساتھ قلبی تعلق سے ہی ہوا ہے اور ان ہی اندرونی خصوصیات نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت کی معرفت کو ان کے لئے زیادہ آسان کیا جس کا اندازہ ناظرین کرام انشاء اللہ اس سیرت کے مطالعہ سے کر سکیں گے۔

مقدمہ نگار قارئین سے رخصت ہونے سے پہلے مختصر مختصر چند باتیں اور بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

(الف) مولف کتاب اپنی خاص صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے اگرچہ اپنی اس محنت میں یقیناً بہت زیادہ کامیاب ہوئے ہیں، اور بلاشبہ اگر کوئی دوسرا اس کام کو کرتا تو میرے خیال میں وہ ہرگز اس درجہ میں کامیاب نہ ہو سکتا، تاہم یہ حقیقت ہے کہ جنھوں نے صاحب سوانح رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے اور غور سے نہیں دیکھا وہ اس کتاب سے جو کچھ اندازہ کریں گے وہ اصلیت اور حقیقت سے بہت کم ہوگا۔ خود راقم سطور کو بھی زیادہ قریب سے اور زیادہ غور سے مولانا مرحوم کو دیکھنے کا موقع ان کی آخری علالت ہی میں ملا اور یہ واقعہ ہے کہ ہر اگلے دن یہ محسوس ہوتا تھا کہ کل ہم نے مولانا کے متعلق جو کچھ سمجھا تھا مولانا اس سے بھی بہت بلند ہیں عصر حاضر کے ایک بڑے عارف بلکہ یقین و معرفت کے ایک امام نے حضرت مولانا کی وفات سے تقریباً ساڑھے چار مہینے پہلے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ "یہ (مولانا) آج کل ہزاروں میل روزانہ کی رفتار سے جا رہے ہیں" اس وقت تو میں ان الفاظ کا مطلب کچھ نہیں سمجھ سکا

لیکن بعد میں حضرتؒ کے احوال کے مطالعہ سے کچھ سمجھ میں آیا کہ ان کا اشارہ کس ارتقائی پرواز کی طرف تھا۔

مولانا مرحوم اپنی دعوت و تحریک کے متعلق کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ "یہ قرن اول کا ہیرا ہے" مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی مبالغہ محسوس نہیں ہوتا کہ مولانا خود اس چودھویں صدی میں قرن اول کے خزانہ عامرہ کا ایک موتی تھے بعض سلف کے متعلق بہت سی چیزیں ہم کتابوں میں ایسی پڑھتے ہیں جن کو باور کرنے میں ہماری مادیت سے مغلوب طبیعتوں پر بڑا بوجھ پڑتا ہے لیکن مولانا مرحوم کے اندر اسی قسم کی چیزیں آنکھوں سے دیکھ کر بحمد اللہ ایسا انشراح اور اطمینان نصیب ہوا جو شاید صدہا دلیلوں سے نصیب نہ ہوتا۔ روم کے عارف نے ایسوں ہی کے حق کہا ہے۔

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(ب) مولانا مرحوم یا ان کے بعض اکابر خاندان کے کچھ ایسے احوال بھی اس کتاب میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے جن کو آج کل کی تنگ ذہنیتیں اور کوتاہ نظریں شاید بعید از عقل و قیاس سمجھیں لیکن اس قسم کے جو احوال و واقعات اس کتاب میں مؤلف نے درج کیے ہیں یہ عموماً وہی ہیں جو موجب یقین و اطمینان ذرائع علم سے معلوم ہوئے ہیں۔

(ج) یہ حقیقت بھی ناظرین کرام کے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ مؤلف کتاب کسی قدر تفصیل کے ساتھ مولانا مرحوم کی زندگی کے صرف وہی واقعات و سوانح لکھ سکے ہیں جو کبھی کبھی کسی سفر کی ہمرکابی یا نظام الدین کی حاضری کے موقع پر خود ان کے سامنے پیش آئے، اسی بنیاد پر آخری مرض کے اخیر ایام کے حالات اور سفر لکھنؤ کے واقعات وہ اچھی خاصی تفصیل سے لکھ سکے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ ایسا ہی گزرا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر مؤلف کتاب کو اس پورے زمانہ میں رفاقت حاصل رہی ہوتی تو کتاب کی ضخامت کتنی ہوتی اور اس قسم کے وقائع و معلومات کا کس قدر مفید اور قیمتی مواد اس میں ہوتا، تاہم جو کچھ اس میں آ گیا ہے غور و فکر اور اللہ کی دی ہوئی بصیرت سے کام

لینے والوں کے لئے بہت کچھ ہے۔

(د) جیسا کہ ناظرین کرام کو کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ یہ کتاب صاحب سوانح کی شخصیت کے تعارف سے زیادہ ان کی دعوت کی توضیح اور تاریخ پر مشتمل ہے اور ایسا ہونا بھی ناگزیر تھا کیونکہ جب کسی ایسے شخص کی سوانح لکھی جائے گی جس نے اپنی شخصیت کو اپنی دعوت میں اس طرح فنا کر دیا ہو تو لامحالہ وہ شخصی احوال سے زیادہ دعوت کے متعلقات پر مشتمل ہوگی۔ نیز مولف کا اصلی اور اولین مقصد بھی اس محنت و کاوش سے یہی ہے کہ ہمارے ناظرین کی دنیا مولانا مرحوم کی تجدیدی دعوت اور ان کے حیات بخش پیغام سے آشنا ہو۔

مقدمہ نگار نے ناظرین کا بہت وقت لے لیا، لیکن کتاب و صاحب کتاب کے متعلق یہ چند لفظ ضروری تھے، مقدمہ نگار سامنے سے ہٹا جاتا ہے۔ کتاب آپ کے سامنے ہے، لیکن یہ کتاب صرف پڑھ کر رکھ دینے کی نہیں یہ سراپا دعوت ہے۔ ناظرین اگر سامعین بن جائیں تو سروش غیب کی آواز کانوں میں آئے گی ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند　　کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

یہ خالص دینی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز ہے، کام مدتوں کا چھوٹا ہوا ہے جو لوگ ہمت کر کے آگے بڑھیں گے ان کی سعادت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، صرف وقت اور اللہ کی دی ہوئی قوت کے صرف و استعمال کا سوال ہے اور سودا ایسا ہے کہ جان کی قیمت میں بھی سستا ہے۔ بقول حضرت مفتی صدر الدین خاں آزردہ ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۹ر جمادی الثانیہ ۱۳٦۴ھ
جون ۱۹۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

خاندان، ماحول، نشو ونما، تعلیم وتکمیل

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب آج سے ۸۰۔۔۷۰ برس پہلے کی بات ہے، دہلی کے باہر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد کے قریب جو نسٹھ کھمبے کے نام سے جو تاریخی عمارت ہے، اس کے سرخ پھاٹک پر ایک عمارت میں ایک بزرگ رہا کرتے تھے جن کا نام مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تھا۔

آپ کا قدیم آبائی وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر تھا، لیکن پہلی بیوی کے انتقال کے بعد آپ نے مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے خاندان میں (جو آپ کے یک جدی تھے) عقد ثانی کر لیا تھا جس کی وجہ سے کاندھلہ برابر آمد و رفت رہتی تھی اور وہ بھی وطن کی طرح ہو گیا تھا۔

جھنجھانہ اور کاندھلہ کا یہ خاندان صدیقی شیوخ کا معتبر گھرانہ تھا جس میں علم اور

دین داری پشتہا پشت سے چلی آرہی تھی، اور ان اطراف میں خاص عزت و اعتبار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، چھ پشت اوپر (مولوی محمد شریف پر) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مفتی صاحب کا نسب مل جاتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل بن غلام حسین بن حکیم کریم بخش بن حکیم غلام محی الدین بن مولوی محمد ساجد بن مولوی محمد فیض بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن شیخ جمال محمد شاہ بن شیخ بابن شاہ بن شیخ بہاء الدین شاہ بن مولوی شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن الشیخ قطب شاہ[1]۔

مفتی الٰہی بخش صاحب اور ان کا خاندان

مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے تھے۔ اپنے زمانے کے نامور صاحب فتویٰ و تدریس اور صاحب تصنیف تھے، کامل طبیب تھے اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں اعلیٰ دستگاہ اور عربی و فارسی اور اردو نظم پر استادانہ قدرت رکھتے تھے جس کی شاہد ان کی شرح بانت سعاد ہے جس میں حضرت کعب کے ہر عربی شعر کا ترجمہ عربی فارسی اور اردو شعر میں کیا ہے۔ عربی فارسی کی تقریباً چالیس تصانیف یادگار ہیں، شیم الحبیب اور مثنوی مولانا روم کا تکملہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔

مفتی صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت تھے، اخلاص و للّٰہیت کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ شیخ وقت ہونے کے باوجود ۶۰، ۶۵ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جواں سال خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوئے جو مفتی صاحب سے تقریباً ۲۰ سال چھوٹے تھے اور اس سن و سال اور بزرگی اور شہرت کے باوجود آپ سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کیا[2]۔

---

[1] نسب نامہ خاندانی مرسلہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی۔ [2] مفتی صاحب نے سید صاحبؒ کے طریقہ و اذکار میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "ملہمات احمدیہ" ہے۔

مفتی صاحب کی ولادت ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) میں ہوئی اور ۱۲۴۵ھ (۱۸۳۰ء) میں ۸۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کے صاحبزادے اور پوتے سب ذہین و ذکی، ذی علم و باکمال اور صاحب وجاہت تھے، ذہن و ذکاوت، علم و ادب سے فطری مناسبت اور خدا کی طرف رجوع و انابت اس خاندان کی خصوصیات ہیں۔ مولوی ابوالحسن صاحب جن کی مثنوی گلزار ابراہیم (جو ان کی مشہور تالیف بحرِ حقیقت کا ایک جزء ہے) بڑی عارفانہ مثنوی ہے جو ابھی کچھ مدت پہلے گھر گھر پڑھی جاتی تھی[۵۵]۔ ان کے صاحبزادے مولوی نورالحسن صاحب اور ان کے چاروں صاحبزادے مولوی ضیاء الحسن صاحب، مولوی اکبر صاحب، مولوی سلیمان صاحب، حکیم مولوی ابراہیم صاحب اس خانوادے کے نامور فرزند ہیں۔

مولانا مظفر حسین رحمہ اللہ | مفتی صاحب کے حقیقی بھتیجے مولانا مظفر حسین، جو حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ کے نہایت عزیز شاگرد حضرت شاہ محمد یعقوب کے مجاز اور حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء کے دیکھنے والے تھے، اپنے زمانے کے بڑے صلحا میں سے تھے، تورع و تقویٰ آپ کا خاص جوہر تھا، مشہور و مسلم بات ہے کہ ان کے معدہ نے کبھی کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی، ان کی تواضع، استقامت اور نماز کے واقعات اس جوار و اطراف میں ابھی تک لوگوں کو یاد ہیں اور وہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں[۵۶]۔

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی نواسی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے عقد میں تھیں، یہ آپ کا نکاح ثانی تھا جو ۱۳ رجب ۱۲۸۵ھ (۳۰ اکتوبر ۱۸۶۸ء) کو ہوا تھا۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کی زندگی | مولانا اسمٰعیل صاحب مرزا الٰہی بخش صاحب جو بہادر شاہ کے سمدھی

---

[۵۵] حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اس طریق (معرفت و سلوک) کا شوق اسی مثنوی سے پیدا ہوا۔ (روایت حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

[۵۶] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ارواح ثلٰثہ صفحہ ۱۴۷ - ۱۵۵ و تذکرۃ الخلیل

تھے، انکے بچوں کو پڑھاتے تھے، پھاٹک کے اوپر کے مکان میں رہتے تھے متصل ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کے سامنے مرزا الٰہی بخش صاحب کی نشستگاہ تھی جس پر ٹین پڑا ہوا تھا، اسی بنا پر اس کو بنگلہ والی مسجد کہتے تھے۔

مولانا اپنی زندگی عزلت وگمنامی اور عبادت میں گزار رہے تھے خود مرزا الٰہی بخش صاحب کو ان کے مرتبہ کا احساس اُس وقت ہوا جب مولٰنا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ان کو ذاتی تجربہ ہوا۔

ذکر وعبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید ودین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا، خدمت وتواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر سے آنکلتے اُن کا بوجھ اُتار کر رکھ دیتے، اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر اُن کو پانی پلاتے، پھر دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تونے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی، میں اس قابل نہ تھا، عام اجتماع وہجوم کے زمانہ میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضاءِ الٰہی اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔[۵]

مولانا ہر وقت ذاکر و باخدا رہتے تھے، مختلف اوقات وحالات کے متعلق حدیث میں جو اذکار واوراد آئے ہیں اُن کی پابندی کرتے تھے اور آپ کو اس طرح مرتبۂ احسان حاصل تھا۔[۶]

ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے طریقِ سلوک کے حصول کی خواہش کی، مولانا نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں، جو اس

---

[۵] روایت مولٰنا محمد الیاس صاحبؒ [۶] ارواح ثلٰثہ

طریق اور ان ذکر و اذکار کا مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا اس کو بھی پڑھ لوں۔[1]

مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت اور ورد سے خاص شغف تھا، تمنا تھی کہ بکریاں چراتا رہوں اور قرآن پڑھتا رہوں۔

رات کو...... اس کا خاص اہتمام تھا گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا رہے۔ ۱۲،۱ بجے تک منجھلے صاحب زادے مولانا یحییٰ صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب بیدار ہو جاتے اور مولانا یحییٰ صاحب سو جاتے، پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد صاحب کو بیدار کر دیتے۔

عام مقبولیت | طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی، اب ہمہ ایسے تھے کہ اللہ نے با ہمہ بنا دیا تھا، آپ کی للّٰہیت، خلوص و بے نفسی ایسی آشکارا تھی کہ دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو اس زمانہ میں ایک دوسرے سے سخت متوحش و متنفر تھیں اور اُن میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا اور اُن کے پیشواؤں کو آپ پر یکساں اعتماد، اور آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی۔[2]

میوات سے تعلق کی ابتدا | میوات سے تعلق بھی آپ کی حیات میں شروع ہوا، اس کی تاریخ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ تلاش و فکر میں نکلے کہ کوئی مسلمان آتا جاتا نظر پڑے تو اس کو مسجد میں لے آئیں اور اس کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ لیں۔ چند مسلمان نظر آئے اُن سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ انھوں نے کہا مزدوری کے لئے! کہا کیا مزدوری ملے گی؟ اُنھوں نے بتایا، فرمایا اگر اتنی مزدوری یہیں مل جائے تو پھر جانے کی

[1] روایت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ [2] ایضاً

کیا ضرورت؟ انہوں نے منظور کرلیا، آپ ان کو مسجد میں لے آئے اور نماز سکھانے اور قرآن پڑھانے لگے، یومیہ مزدوری ان کو دیتے اور ان کو پڑھنے اور سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑگئی اور مزدوری چھوٹ گئی، یہ بنگلہ والی مسجد کے مدرسہ کی بنیاد تھی، اور یہ پہلے طالب علم تھے، اس کے بعد ۱۰، ۱۲ میواتی طالب علم برابر مدرسہ میں رہتے، اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا۔[1]

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی وفات اور آپ کی مقبولیت

۴ر شوال ۱۳۱۵ھ (۲۶ر فروری ۱۸۹۸ء) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے انتقال فرمایا، "غفرلہ" تاریخ وفات ہے، آپ نے دہلی شہر میں بہرام کے ترا ہے کی کھجور والی مسجد میں وفات پائی۔ مقبولیت عامہ کا اندازہ اس سے ہوگا کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ساڑھے تین میل ہے) کاندھا دینے کا موقع نہیں ملا۔[2]

جنازہ میں مختلف جماعتوں کے بکثرت لوگ شریک تھے اور مختلف العقیدہ اور مختلف الخیال مسلمان جو کم ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے اس موقع پر مجتمع تھے، مولانا کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب فرماتے تھے کہ میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں اور نماز پڑھانے کے لئے ان کو اشارہ کردیں اور دوسری جماعت کے لوگ اور ان کے پیشوا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب

---

[1] روایت مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی۔ [2] از حضرات نظام الدین۔

صورت پیش آئے اس لئے میں خود آگے بڑھ گیا اور میں نے کہا کہ میں خود نماز پڑھاؤں گا سب نے اطمینان کے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اختلاف و انتشار نہیں پیدا ہوا۔[1]

جنازہ میں اتنا ہجوم اور ایسی کثرت تھی کہ لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے دفن میں کچھ تاخیر ہوئی، اس عرصہ میں ایک صاحب اور ایک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں۔[2]

مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کے تین صاحبزادے تھے۔ پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحبؒ جو سب سے بڑے بھائی تھے اور اپنے والد کے جانشین ہوئے۔ دوسری بیوی سے (جو مولانا مظفر حسین صاحب کی نواسی تھیں اور جن سے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح کیا تھا)، دو صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہم۔

مولانا محمد الیاس صاحب کی ولادت آپ کا خاندانی ماحول اور بچپن مولانا محمد الیاس صاحب کی ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں ہوئی اختر الیاس تاریخی نام ہے۔

آپ کا بچپن اپنے ننہال کاندھلہ اور اپنے والد صاحب مرحوم کے پاس نظام الدین میں گزرا۔ اس وقت کاندھلہ کا یہ خاندان دین داری کا گہوارہ تھا۔ مرد تو مرد عورتوں کی دینداری، عبادت گزاری، شب بیداری، ذکر و تلاوت کے قصّے اور ان کے معمولات اِس زمانے کے پست ہمتوں کے تصوّر سے بلند ہیں۔

---

[1] از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرزند مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

[2] روایت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

گھر میں بیبیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتی تھیں اور عزیز مردوں کے پیچھے تراویح و نوافل میں سنتی تھیں۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کی عجیب بہار رہتی تھی۔ گھروں میں جا بجا قرآن مجید ہوتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا۔[۵]

عورتوں کو اتنا علم اور ذوق تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزہ لیتیں اور نماز کے بعد اپنے مقامات کا ذکر کرتی تھیں، نماز میں ایسی محویت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بیبیوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثہ وغیرہ میں لوگوں کے آنے جانے تک کا احساس نہ ہوتا۔[۵]

قرآن شریف مع ترجمہ واردو تفسیر، مظاہر حق، مشارق الانوار، حصن حصین، یہ عورتوں کا منتہیانہ نصاب تھا جس کا خاندان میں عام رواج تھا۔ اس وقت گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں، ان بزرگوں کے واقعات مردوں اور عورتوں کی زبانوں پر تھے۔ مائیں اور گھر کی بیبیاں بچوں سے طوطے مینا کے قصوں کے بجائے یہی روح پرور واقعات سناتیں، اور یہ کچھ بہت زیادہ پرانی باتیں نہ تھیں۔ مولانا مظفر حسین صاحب کی آنکھوں دیکھی باتیں اور ان کی صاحبزادی اور عزیزوں کی کانوں سنی حکایات تھیں، سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل کی باتیں ہیں۔[۲]

---

[۱] روایت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب۔ [۲] مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا نے ایک روز اس قسم کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا: "وہ گودیں ہیں جن میں ہم نے پرورش پائی، اب وہ گودیں دنیا میں کہاں سے آئیں گی"۔ [۳] مولانا الیاس صاحبؒ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ سید صاحب کے حالات کا علم نہ ہوگا، آپ کی کتاب سیرۃ سید احمد شہیدؒ سے میری معلومات میں اضافہ نہیں ہوا۔

اُمّی بی مولانا کی نانی بی امۃ الرحمٰن جو مولانا مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی تھیں اور جن کو خاندان میں عام طور پر "اُمّی بی" کے نام سے یاد کرتے تھے، ایک رابعہ سیرت بی بی تھیں، اُن کی نماز کا یہ حال تھا کہ مولٰنا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اُمّی بی کی نماز کا نمونہ میں نے مولانا گنگوہی کی نماز میں دیکھا[1] (اور مولٰنا گنگوہی کی نماز اپنے طبقہ میں بھی ممتاز تھی) اخیر زمانہ میں اُن کا یہ حال تھا کہ خود کھانا کبھی طلب نہیں فرماتی تھیں، کسی نے لاکر رکھ دیا تو کھا لیا، گھر بڑا تھا، اگر کام کی کثرت اور زیادتی مشغولیت کی وجہ سے خیال نہ آیا تو بھوکی بیٹھی رہیں، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ ایسے ضعف کی حالت میں کیسے بے کھائے رہتی ہیں؟ فرمایا الحمد للہ میں تسبیحات سے غذا حاصل کر لیتی ہوں[2]!

مولانا کی والدہ ماجدہ مولانا کی والدہ محترمہ بی صفیہ بڑی جید حافظہ تھیں، انھوں نے قرآن مجید شادی کے بعد مولانا یحییٰ صاحبؒ کی شیر خوارگی کے زمانہ میں حفظ کیا تھا اور ایسا اچھا یاد تھا کہ معمولی حافظ اُن کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا، معمول تھا کہ رمضان میں روزانہ پورا قرآن مجید اور دس پارے مزید پڑھ لیا کرتی تھیں اس طرح ہر رمضان میں چالیس قرآن مجید ختم کرتی تھیں[3]، رواں اتنا تھا کہ گھر کے کام کاج اور انتظامات میں فرق نہ آتا، بلکہ اہتمام تھا کہ تلاوت کے وقت ہاتھ سے کچھ نہ کچھ کام کرتی رہتیں، رمضان کے علاوہ امور خانہ داری کے ساتھ روزانہ کے معمولات یہ تھے:۔

درود شریف پانچ ہزار، اسم ذات اللہ پانچ ہزار، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم گیارہ سو، یا مغنی گیارہ سو، لا الٰہ الا اللہ بارہ سو، یا حیّ یا قیوم دو سو، حسبی اللہ ونعم الوکیل پانچ سو، سبحان اللہ دو سو، الحمد للہ دو سو، لا الٰہ الا اللہ دو سو، اللہ اکبر دو سو، استغفار پانچ سو

---

[1] مولانا محمد یوسف صاحب بواسطہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ [2] مولانا محمد الیاس صاحبؒ [3] تذکرۃ الخلیل۔

افوض امری الی اللہ ؔ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل ؔ، رب انی مغلوب فانتصر ؔ، رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ؔ، لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ؔ، اسکے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول[1] تھا۔

مکتبی تعلیم اور بچپن کا رنگ خاندان کے دوسرے عزیز بچوں کی طرح آپ بھی قرآن شریف اور مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے اور خاندانی دستور کے مطابق قرآن شریف حفظ کر لیا، قرآن شریف کے حفظ کا خاندان میں ایسا عام رواج تھا کہ خاندان کی مسجد کی ڈیڑھ صف میں مؤذن کے سوا کوئی غیر حافظ نہ ہوتا۔

امی بی مولانا پر بہت شفیق تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہؓ کی خوشبو آتی ہے، کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں[2]۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ میں ابتدا سے صحابۂ کرام کی والہانہ شان کی ایک ادا اور ان کی دینی بے قراری کی ایک جھلک تھی جس کو دیکھ کر مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الہندؒ) بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں جب مولوی الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہؓ یاد آجاتے ہیں[3]۔

دین کی حمیت (جس نے آگے چل کر منظم شکل اختیار کر لی) آپ کی فطرت میں ودیعت تھی۔ دینی ماحول اور بزرگوں کے واقعات و روایات نے اس چنگاری کو ہوا دی، بچپن ہی میں آپ سے بعض اوقات ایسی چیزوں کا اظہار ہوتا تھا جو عام بچوں کی سطح سے اونچی ہیں۔ آپ کے ہم عمر و ہم مکتب ریاض الاسلام صاحب کاندھلوی

---

[1] تذکرۃ الخلیل بحوالہ مولانا محمد یحییٰ صاحب [2] مولانا محمد الیاس صاحب [3] مولانا محمد الیاس صاحب

بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مکتب میں پڑھتے تھے، ایک دن آپ لکڑی لے کر آئے اور کہا آؤ میاں ریاض الاسلام چلو بے نمازیوں پر جہاد کریں۔

گنگوہ کا قیام | شوال ۱۳۱۴ھ ۱۸۹۶ء میں آپ کے منجھلے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ چلے گئے اور وہیں کا قیام اختیار کیا۔[ا]

مولانا محمد الیاس صاحب اپنے والد ماجد کے پاس نظام الدین اور کبھی کبھی ننہال کاندھلہ میں رہا کرتے تھے۔ نظام الدین میں والد صاحب کی شفقت اور اپنی عبادات میں مشغولی کی کثرت کی وجہ سے تعلیم جیسی ہونی چاہیے تھی نہیں ہو رہی تھی، مولانا محمد یحییٰ صاحب نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی کی تعلیم معقول نہیں ہو رہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں والد صاحب نے اجازت دیدی اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے، اور بھائی سے پڑھنا شروع کردیا۔[۲]

گنگوہ اس وقت صلحاء و فضلا کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا محمد الیاس صاحب کو شب و روز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور

[ا] مولانا گنگوہیؒ نے مولانا خلیل احمد صاحب کی خاص سفارش اور مولانا یحییٰ صاحب کی خاطر سے عرصے کے بعد درس حدیث جاری کیا، یہ مولانا کا آخری درس تھا جس کی رونق اور روح رواں مولوی یحییٰ صاحب ہی تھے، جب تک باہر رہتے درس رکا رہتا، مولانا کا ایسا اعتماد اور دل میں جگہ حاصل کی کہ بیٹا کا رہ گئے تھوڑی دیر کے لئے کہیں جاتے تو مولانا بے چین ہو کر فرماتے کہ مولوی یحییٰ نابینا کی لاٹھی ہیں (ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید و تذکرۃ الخلیل) [۲] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا۔ انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا۔ جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے۔ جب ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گزرا۔[1]

مولانا محمد یحییٰ صاحب کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو۔ مولانا محمد الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو!

مولانا گنگوہیؒ سے بیعت و تعلق

مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی مگر مولانا الیاس صاحب کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش و درخواست پر بیعت کر لیا۔[2]

مولانا کی فطرت میں شرع سے محبت کی چنگاری تھی۔ آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لیے جاتا، زیارت کر کے پھر آ کر سو رہتا حضرت کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی، فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے بھائی سے کہا کہ اگر حضرت اجازت دے دیں تو میں حضرت کے قریب بیٹھ کر مطالعہ

---

[1] شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب [2] روایت شیخ الحدیث۔

کیا کروں، مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت مولانا سے ذکر کیا فرمایا مضائقہ نہیں الیاس کی وجہ سے میری خلوت میں فرق اور طبیعت میں انتشار نہیں پیدا ہوگا۔

مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ حضرت سے کہا تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے بھی شکایت حاجی صاحب سے فرمائی تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کا طرز تعلیم | مولانا محمد یحییٰ صاحب تعلیم میں مجتہدانہ طرز رکھتے تھے، ابتدائی تعلیم میں درسی کتب اکثر نہیں پڑھاتے تھے بلکہ خود اصول و قواعد لکھوا کر سہ حرفی دو حرفی لفظ بتاتے تھے کہ ان کی گردانیں اور تعلیلیں بناؤ، ادب پر ابتداہی سے زور تھا، ابتدا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی چہل حدیث اور پارۂ عم سے کرتے تھے، فرماتے تھے کہ مسلمان بچہ کو پارہ عم تو یاد ہوتا ہی ہے، لفظ یاد کرنے نہ پڑیں گے صرف معنی یاد کرنے ہوں گے فرماتے تھے کہ ویسے بھی قرآن و حدیث کے الفاظ میں برکت ہے۔

استعداد آفرینی اور قوت مطالعہ کی طرف مولانا کی اصل توجہ تھی۔ کتابوں کے اختتام کی بھی پابندی نہ تھی، عموماً بے حاشیہ و شرح کی کتاب طالب علم کو پڑھنے کے لئے دیتے اور درمیان میں سہارا نہ دیتے، جب اس کا اطمینان ہوجاتا کہ طالب علم بے استاد کے ٹوکے کتاب کے کئی صفحے اچھی طرح سمجھ اور سمجھا سکتا ہے تب دوسری کتاب شروع کراتے، عربیت اور استعداد کی پختگی کی طرف خاص توجہ تھی، مولانا کے شاگردوں میں "اتقان" پیدا ہوجایا کرتا تھا۔[۱]

علالت، تعلیم کا انقطاع اور دوبارہ اجرا | آپ ابتدا سے نحیف دلاغر تھے۔ اسی گنگوہ کے قیام

[۱] مرشیخ الحدیث

میں آپ کی صحت خراب ہوگئی، درد سر کا ایک خاص قسم کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے مہینوں سر کا جھکانا حتیٰ کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی ناممکن تھا۔ مولانا گنگوہی کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحب معالج تھے۔ اور ان کا مخصوصی طرز یہ تھا کہ بعض امراض میں پانی بہت دنوں کے لئے چھڑا دیتے۔ بہت کم لوگ اس پرہیز کو برداشت کر سکتے اور زیادہ مدت کے لئے پانی چھوڑ سکتے تھے۔ مگر مولانا نے اپنے مخصوص مزاج (اصول کی پابندی اور اطاعت) کے مطابق معالج کی پوری اطاعت کی اور اپنی خداداد قوت ارادی اور عزیمت سے (جو ان کی پوری زندگی میں جلوہ گر رہی ہے) پانی سے پورا پرہیز کیا اور سات برس کامل پانی نہیں پیا[1]۔ اس کے بعد بھی پانچ برس تک برائے نام پانی پیا۔

اس شدید علالت اور خاص طور پر دماغی کمزوری کی وجہ سے سلسلہ تعلیم منقطع ہو گیا اس کے دوبارہ جاری ہونے کی امید نہ تھی لیکن مولانا کو تعلیم کے نامکمل رہ جانے کا بڑا غم تھا اور اس کی بے کلی رہتی تھی، آپ کا پڑھنے کے لئے اصرار تھا اور ہمدردوں کا مشورہ تھا کہ مسلسل آرام کریں۔ مولانا فرماتے تھے کہ ایک روز بھائی نے کہا کہ آخر پڑھ کر ہی کیا کرو گے ؟ میں نے کہا جی کر کیا کروں گا ! اسی اصرار و طلب کی بنا پر آپ کو پڑھنے کی اجازت ہو گئی، اور سلسلہ تعلیم پھر جاری ہو گیا۔

مولانا گنگوہیؒ کی وفات ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے انتقال فرمایا مولانا محمد الیاس صاحب بالیں پر موجود تھے اور سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے[2]۔ اس حادثہ

---

[1] یہ بات میں نے خود مولانا کی زبان سے سنی ہے اور شیخ الحدیث اور ان کے خاندان کے تمام بزرگوں سے بتواتر سننے میں آیا ہے ۔ [2] مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ۔

کا آپ کے اثر پذیر قلب پر جو اثر ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ فرماتے تھے کہ "دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے، ایک والد کا انتقال، ایک حضرت کی وفات"، اور فرمایا "حضرت ہم تو ساری عمر کا رونا اسی روز رو لئے، جس روز حضرت دنیا سے رخصت ہوئے"۔

حدیث کی تکمیل ۱۳۲۶ھ میں آپ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لئے دیو بند تشریف لے گئے اور ترمذی اور بخاری شریف کی سماعت کی۔[۱]

دیو بند کی شرکتِ درس کے کئی سال بعد چار مہینے میں آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد یحیٰی صاحب سے پھر حدیث کا دورہ کیا۔[۲]

مولانا خلیل احمد صاحب سے رجوع اور تکمیل سلوک حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی وفات کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے درخواست کی، آپ نے

[۱] روایت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (جو مولانا کے رفیق درس ہیں)

[۲] اس کی دل چسپ تاریخ جو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے سنائی، یہ ہے کہ ایک سرحدی عالم مولوی شیر محمد نام مولانا ماجد علی صاحب وغیرہ سے معقولات کی تکمیل کرکے وطن گئے تھے، وہاں عین ان کی شادی کے موقع پر کسی طالب علم نے ان سے ابن ماجہ پڑھنے کی درخواست کی، انہوں نے شرمندگی کے ساتھ کہا کہ بھائی میں نے سارا وقت معقولات کی تحصیل میں صرف کیا اور حدیث کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی، البتہ حدیث کا ایک استاد (مولوی محمد یحیٰی صاحب مراد ہیں) دیکھ کر آیا ہوں اب واپس جا کر ان سے پڑھ کر آؤں تو تم کو پڑھاؤں! بیوی سے انہوں نے چار مہینے کا وعدہ کیا اور گنگوہ روانہ ہوگئے، یہاں آکر انہوں نے مولانا محمد یحیٰی صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔ مولانا محمد الیاس صاحب ان کے رفیق درس تھے، عبارت بھی اکثر مولانا محمد یحیٰی صاحب کو مولانا محمد الیاس صاحب پڑھتے تھے۔ رات بھر درس ہوتا تھا اور حضرات تو دن کو سوتے مگر ولایتی مولوی صاحب کو بہت کم سوتا دیکھا گیا، مطالعہ کے انہماک و استغراق کا حال یہ تھا کہ کھانا لانے والے سے کہدیا تھا کہ روٹی رکھ جایا کرو اور سالن لے جایا کرو، مولوی صاحب کتاب کا مطالعہ کرتے جاتے اور روٹی کا لقمہ توڑ کر منہ میں رکھ لیتے

مولانا خلیل احمد صاحب سے رجوع کا مشورہ دیا[۱]، چنانچہ آپ نے مولانا سہارنپوری سے اپنا تعلق قائم کرلیا اور آپ کی نگرانی و رہنمائی میں منازل سلوک طے کئے۔

عبادت و نوافل کا انہاک گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا، شاید سالے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اسی زمانہ میں ان سے ابتدائی فارسی پڑھتے تھے، ان دنوں ان کا دستور یہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے پیچھے ایک بوریہ پر بالکل خاموش دوزانو بیٹھے رہتے تھے، ہم لوگ حاضر ہوتے اور کتاب ان کے سامنے رکھکر انگلی کے اشارہ سے سبق کی جگہ ان کو بتلا کر سبق شروع کردیتے تھے اور فارسی شعر پڑھتے تھے اور ترجمہ کرتے تھے، جہاں ہم نے غلط پڑھا انگلی کے اشارہ سے انھوں نے کتاب بند کردی اور سبق ختم، اس کا مطلب ہوتا کہ دوبارہ مطالعہ دیکھ کر لاؤ۔

نیز اس زمانہ میں نوافل کا بھی بیحد زور تھا، مغرب کے بعد عشاء سے کچھ پہلے تک نوافل میں مشغول رہتے، اس وقت آپ کی عمر ۲۰-۲۵ سال کے درمیان تھی۔

جذب و شوق کی ایک مثال جذب و شوق مولانا کے خمیر میں تھا اور اس کے بغیر ترقی مشکل ہے۔ اسی جذب و خود فراموشی نے جسم کی لاغری اور قویٰ کی کمزوری کے باوجود اتنا عظیم الشان اور حیرت انگیز کام کرا دیا جو ان کی جسمانی حالت سے ذرا مطابقت نہیں رکھتا۔

---

[۱] مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

ایک مرتبہ آخری علالت میں یہ واقعہ بیان کیا[1] کہ ایک مرتبہ میں ایسا بیمار رہتا اور اتنا کمزور ہو رہا تھا کہ بالاخانہ سے نیچے نہیں اتر سکتا تھا۔ اتنے میں یہ خبر سنی کہ حضرت سہارن پوری دہلی تشریف لائے ہیں، بس بے اختیار اسی وقت دہلی بپیدل روانہ ہوگیا یہ یاد بھی نہیں رہا کہ میں اس قدر بیمار اور کمزور تھا کہ بالاخانہ سے اترنا دشوار تھا۔ دہلی کے راستہ میں مجھے یاد آیا۔

دوسرے مشائخ اور بزرگوں سے تعلق اس عرصہ میں دوسرے مشائخ اور مولانا گنگوہی کے دوسرے خلفاء سے عقیدت مندی اور صحبت و استفادہ کا تعلق برابر قائم رہا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ یہ حضرات میرے جسم و جان میں بسے ہوئے تھے اور ان حضرات کو بھی مولانا کی امتیازی خصوصیات کی وجہ سے خصوصی محبت اور لحاظ تھا۔

مجاہدانہ جذبات ذکر و اشغال نوافل و عبادات کے ساتھ شروع سے مجاہدانہ جذبات سینہ میں موجزن تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جذبہ و شوق اور اس عزم و نیت سے آپ کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔

بزرگوں کی نگاہ میں آپ کی وقعت ابتدا ہی سے خاندان کے بزرگوں اور مشائخ وقت

[1] واقعہ بیان کرنے کی تقریب یہ ہوئی کہ قاری اسحٰق صاحب دہلوی (جو جناب مفتی عزیزالرحمٰن صاحب نقشبندی دیوبندی کے خلیفہ ہیں) مرض وفات میں عیادت کے لئے آئے اور فرمایا کہ میں بالکل آنے کے قابل نہ تھا ایک محبت اور شوق تھا جو یہاں لے آیا۔ فرمایا حضرت جذب و شوق میں بڑی قوت ہے اس پر اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا۔

کی نگاہ میں خاص عزت رکھتے تھے اور کم سنی کے باوجود بڑے بڑے معمر بزرگ آپ کا وقار و لحاظ کرتے تھے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب باپ کی جگہ پر تھے، مگر آپ کا برتاؤ بھی چھوٹے بھائی کے ساتھ ایسا تھا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھا۔

شروع سے چونکہ نحیف و نزار تھے اس لیے جسمانی مشقت کے کاموں میں حصہ نہ لے سکتے تھے اور مطالعہ و ذکر و عبادت ہی میں زیادہ وقت صرف ہوتا تھا مولانا یحییٰ صاحب اس کے برعکس بیحد مشغول و جفاکش تھے، آپ کا تجارتی کتب خانہ تھا جس کے تمام کام بڑی دلچسپی اور انہماک سے انجام دیتے اور یہ ان بھائیوں کا ذریعہ معاش بھی تھا ایک روز کتاب خانہ کے منتظر نے جو مولانا یحییٰ صاحب کے بڑے مخلص اور ہمدرد تھے ازراہِ ہمدردی کہا کہ مولوی الیاس کتب خانہ کے کاموں میں کچھ ہاتھ نہیں بٹاتے، کوئی خدمت ان کے ذمہ بھی کر دینی چاہیے اس لئے کہ یہ بھی اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ مولینا یحییٰ صاحب نے سنا تو بہت تکدر کا اظہار فرمایا اور کہا کہ حدیث میں آتا ہے

ھل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم[1] (تم کو جو رزق ملتا ہے اور تمھاری خدا کی طرف سے جو مدد کی جاتی ہے وہ تمھارے کمزور افراد ہی کی برکت سے تو ہوتی ہے) میرا اعتقاد ہے کہ مجھے اسی بچہ کی برکت سے رزق مل رہا ہے۔ آئندہ اس سے کچھ نہ کہا جائے جو کچھ کہنا ہو مجھ سے کہا جائے۔[2]

شیوخ و اکابر کے حلقہ میں بھی خاص امتیاز و اعزاز کی نظر سے دیکھے جاتے، آپ کا خشوع و تقویٰ سب کو معلوم تھا اس لیے کبھی کبھی اکابر کی موجودگی میں امامت کے لئے آپ ہی کو بڑھایا جاتا۔

---

[1] بخاری (مرسلاً) صحیح حافظ ابوبکر البرقانی (متصلاً) [2] شیخ الحدیث صاحب

ایک مرتبہ کاندھلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی موجود تھے، نماز کا وقت آیا تو امامت کے لئے آپ کو بڑھایا۔ مولوی بدرالحسن صاحب خاندان کے ایک بزرگ موجود تھے انھوں نے ازراہِ ظرافت کہا کہ اتنی بڑی بڑی گاڑیاں اور ایسا ہلکا پھلکا انجن جوڑا۔ حضرات میں سے کسی نے کہا کہ یہ تو انجن کی طاقت پر ہے[1]

مظاہر العلوم میں خدمت تدریس

شوال ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں سہارن پور سے ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا جس میں مدرسہ مظاہر العلوم کے اکثر بڑے بڑے حضرات مدرسین تھے۔ اس موقع پر متعدد نئے اساتذہ کا تقرر ہوا۔ اسی سلسلہ میں مولانا بھی مدرسہ کے نئے مدرسین میں شامل ہوئے اور متوسط کتابیں آپ کو دی گئیں، حضرات حجاج کی واپسی کے بعد دوسرے جدید اساتذہ سبکدوش ہوگئے مگر مولانا بدستور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے[2]

مظاہر العلوم کی تدریس کے زمانے میں اکثر کتابیں ایسی پڑھائیں جو پہلے پڑھی نہیں تھیں۔ اس لئے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب کے درس میں کتابوں کے پورا کرنے کا معمول نہ تھا اور بیماری کی وجہ سے بھی بعض درمیانی کتابیں رہ گئی تھیں[3] لیکن زمانہ تدریس میں آپ نے یہ بے پڑھی کتابیں بھی پڑھائیں[4] لیکن پڑھانے کے زمانہ میں مطالعہ کی طرف

---

[1] روایت مولوی اکرام الحسن صاحب کاندھلوی۔ [2] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

[3] شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب [4] انتقال سے چند سال قبل ایک مرتبہ مولانا ہدایت علی صاحب مہتمم مدرسہ ہدایت المسلمین کرہی (ضلع بستی) مولینا کی خدمت میں دہلی آئے خاکسار بھی ساتھ تھا۔ مولانا ہدایت علی صاحب نے مولانا کو یاد دلایا کہ میں نے اس زمانہ میں مدرسہ کی جماعت میں آپ سے قطبی پڑھی تھی اور کئی بار بڑی سادگی سے کہا حضرت ایسی بلند باتیں تو آپ اس زمانہ میں نہیں کرتے تھے اور ایسے معارف وعلوم نہیں بیان کرتے تھے۔ مولانا نے تبسم فرمایا۔ کسی دوسرے موقع پر مجھ سے فرمایا کہ مولوی ہدایت علی صاحب قطبی پڑھنے کا ذکر کرتے ہیں، میں نے قطبی خود نہیں پڑھی تھی مدرسہ میں پڑھائی ہے ۱۲

بڑی توجہ تھی چنانچہ کنز الدقائق کے لیے بحر الرائق، شامی اور ہدایہ دیکھتے تھے اور نور الانوار کے لیے حسامی کی شروح و توضیح تلویح تک مطالعہ میں رہتی تھیں[۵۱]

نکاح | ۶ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ (۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء) کو جمعہ کے دن بعد نماز عصر آپ کے حقیقی ماموں مولوی رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ مولانا محمد صاحب نے نکاح پڑھایا، مجلس عقد میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی تینوں حضرات موجود تھے، مولانا تھانوی کا مشہور وعظ فوائد الصحبت جو یارہا طبع ہو چکا ہے اسی تقریب میں کاندھلہ تشریف لے جانے پر اسی دن ہوا[۵۲]

پہلا حج | ۱۳۳۳ھ میں مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا محمود حسن صاحب نے حج کا قصد فرمایا۔ مولانا کو جب اس کا علم ہوا تو حج کے لیے بہت بے قرار ہوئے، فرماتے تھے کہ مجھے ان حضرات کے بعد ہندوستان تاریک ہوتا نظر آیا اور یہاں کا رہنا مشکل معلوم ہونے لگا لیکن اجازت کا مرحلہ درپیش تھا، عجیب کش مکش کی حالت تھی، ہمشیرہ (والدہ مولوی اکرام الحسن صاحب) نے یہ بے قراری دیکھی تو کہا کہ میرا زیور لے لو اور چلے جاؤ، امید نہ تھی کہ والدہ صاحبہ آسانی سے اجازت دیں گی اور اتنی طویل مفارقت اور اتنا دور دراز کا سفر گوارا کریں گی مگر الحمد للہ انھوں نے بھی اجازت دیدی۔ دوسرا مرحلہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب کی اجازت کا تھا۔ انھوں نے یہ سمجھ کر کہ والدہ اجازت نہ دیں گی ان کی اجازت پر محمول کیا، وہ اجازت دے چکی تھیں، آخری مرحلہ مولانا خلیل احمد صاحب کی اجازت کا تھا۔ ان کی خدمت میں خط لکھا اور سامانِ سفر کی سب صورتیں لکھدیں کہ ایک صورت یہ

---

۵۱ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب ۵۲ ایضاً

کہ ہمشیرہ کا زیور لے لیا جائے۔ دوسرے قرض۔ تیسرے بعض اعزہ روپیہ دیتے رہے ہیں۔ مولانا نے سفر کی اجازت دی اور آخری صورت کو ترجیح دی۔[۵۱] خلافِ امید مولانا محمود حسن صاحب کی ہمرکابی ہوگئی، مولانا خلیل احمد صاحب پہلے جہاز سے تشریف لے جاچکے تھے، آپ دوسرے جہاز سے شوال ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۰ء) میں مولانا کے ہمراہ روانہ ہوئے اور ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ میں واپس آکر مدرسہ میں فرائض تدریس میں بدستور مشغول ہوگئے۔[۵۲]

مولانا محمد یحیٰی صاحب کی وفات حج کے دوسرے سال ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں مولینا محمد یحیٰے صاحب نے انتقال کیا، یہ سانحہ مولانا کے لئے بڑا صبر آزما تھا، مولینا محمد یحیٰے صاحب مربی بھی تھے، استاد بھی تھے شفیق بھائی بھی تھے، اپنی امتیازی خصوصیات[۵۳] اور محبوبیت و مقبولیت کی وجہ سے پورے حلقۂ احباب کو مولانا کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوا لیکن مولینا محمد الیاس صاحب کے دل پر اس صدمہ کی جو چوٹ لگی اس کا درد آخر تک محسوس ہوتا تھا۔ معمول تھا کہ جب مرحوم بھائی کا

---

[۵۱] از مولوی اکرام الحسن صاحب و مولوی انعام الحسن صاحب [۵۲] شیخ الحدیث، [۵۳] مولانا محمد یحیٰی صاحب عجب باغ و بہار طبیعت لے کر آئے تھے بکاء باللیل بسام بالنہار (رات کو بہت رونے والے دن کو بہت مسکرانے والے) آپ کی صفت تھی۔ ادھر گریہ طاری ہے ادھر دوستوں کو اپنے نکتوں اور بذلہ سنجیوں سے ہنسا رہے ہیں، دیدہ گریاں، زلبئے خنداں اور زبان گل افشاں کا پورا مجموعہ، دل کے سوز و گداز اور راتوں کے راز و نیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی معمولی آدمیوں کی طرح رہتے مدرسہ میں پڑھاتے اور تنخواہ نہ لیتے۔ معاش کے لئے ایک تجارتی کتاب خانہ قائم کر رکھا تھا جس کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ ادب کی کوئی کتاب اپنے حفظ سے پڑھا رہے ہیں۔ اور پارسل بھی بناتے جا رہے ہیں علوم سے اعلیٰ مناسبت رکھتے تھے اور متعفانہ نظر تھی، ادب و حدیث کی کتابیں خاص طور پر مستحضر تھیں مفصل تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الخلیل۔

ذکر کرتے تو ایک محویت سی طاری ہو جاتی اور سب کچھ بھول جاتے، اُن کے اوصاف کمالات اور اُن کے واقعات کا مزہ لے لے کر ذکر کرتے اور فرماتے، حضرت میرے بھائی ایسے تھے، خصوصیت کے ساتھ ان کی جامعیت، مصالحانہ روش، اعتدال طبیعت، مختلف عناصر اور بظاہر اضداد کو جمع کرنے اور جمع رکھنے کی خداداد قابلیت غیر معمولی ذکاوت اور سلامت فہم کے واقعات بڑی تفصیل اور دلچسپی سے سُناتے تھے علوم میں آپ کے بعض تحقیقی کلمات اور کلیات کا حوالہ دیتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"میرے بھائیو اور دوستو! اللہ و رسول ﷺ نے شدت سے ان باتوں کو منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو۔ دو دو چار چار الگ الگ کانا پھوسی کریں اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کر سکتا ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا، اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا ہے۔ انما النجویٰ من الشیطٰن لیحزن الذین امنوا ولیس بضارھم شیئا الا باذن اللہ اسی طرح تحقیر و استہزا اور تمسخر سے منع فرمایا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم' اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کیا جائے اور برائی کسی کی معلوم ہو گئی ہو اور اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا اور غیبت کو حرام کیا گیا۔ غیبت اس کا نام ہے جو واقعی کسی کی برائی کسی کو معلوم ہو اور اس کا ذکر کسی سے کیا جائے۔ ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا' یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت سب وہ چیزیں ہیں جو آپس میں تفرقہ پیدا کر کے امت کی صفت کو توڑتی ہیں۔"

باب دوم

بستی حضرت نظام الدین کا قیام تدریس اور اہتمام

مولانا محمد صاحب کی وفات مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات کے دو سال بعد ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) شب جمعہ کو بڑے بھائی مولانا محمد صاحب نے انتقال کیا۔

مولانا محمد صاحب ایک فرشتہ سیرت انسان تھے، حلم و تواضع، رحمت و شفقت اور خشیت و انابت کی مجسم تصویر او ر عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (آلآیات) کا ایک نمونہ، کم گو، بے آزار، عزلت پسند، اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے، متوکلانہ وزاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا۔ ایک مدرسہ تھا، جو اُن کے والدِ مرحوم کا جاری کیا ہوا تھا جس میں ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے، توکل و قناعت پر مدرسہ کا کام چلتا تھا، دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور دونوں جگہ آپ سے فیض[1] تھا مولانا محمد صاحب کی صورت سے تقویٰ کا سبق ملتا تھا۔ انوار کی چہرہ پر نہایت کثرت تھی، اکثر وعظ بھی فرماتے تھے مگر بیٹھ کر جیسے

---

[1] از حاجی عبدالرحمٰن صاحب (شاگرد مولانا محمد صاحب) وغیرہ

کہ کوئی باتیں کرتا ہو مسلسل تقریر کی صورت نہیں ہوتی تھی، بلکہ اخلاق و زہد کی احادیث سناتے اور ان کا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرما دیتے۔

کسی زمانہ میں آنکھ کے قریب کوئی پھنسی نکلی تھی جس پر یکے بعد دیگرے سات شگاف آئے ڈاکٹروں نے کلورافارم ضروری بتایا، مگر انھوں نے شدت سے انکار کیا اور یونہی بے حس و حرکت لیٹے رہے۔ ڈاکٹر متحیر تھے کہ ہم نے عمر بھر اسکی نظیر نہیں دیکھی۔

مولانا محمد صاحب نہایت ذاکر شاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے، حدیث مولانا گنگوہی سے پڑھی تھی، انتقال سے پہلے ۱۶ سال تک ان کی تہجد فوت نہیں ہوئی۔ آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی، عشا کی نماز کے بعد وتر کے سجدہ میں انتقال ہوا[1]۔

نظام الدین منتقل ہونے کی تجویز مولانا الیاس صاحب، بڑے بھائی صاحب کی تیمارداری کے لیے بیشتر سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ علاج کی غرض سے قصاب پورہ میں نواب والی مسجد میں قیام تھا۔ وہیں مولانا محمد صاحب کا انتقال ہوا جنازہ حسب سابق نظام الدین آیا جنازہ میں بڑا ہجوم تھا۔

دفن کے بعد خاندان کے محبین و معتقدین نے مولانا محمد الیاس صاحب سے اصرار کیا کہ اب یہیں قیام فرمائیں اور والد اور بھائی کی جگہ کو جو ان کی وفات سے خالی ہو گئی ہے آباد کریں۔ حاضرین نے مدرسہ کی اعانت و خدمت کا وعدہ بھی کیا اور مصارف کے لئے کچھ ماہوار رقمیں مقرر کیں جو مولانا نے اپنے اصول اور خاص شرائط (جن کا آخر تک التزام رہا) کے ساتھ منظور کیں[2] لیکن اپنی آمد کو حضرت سہارنپوری کی اجازت پر معلق کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم خود جا کر اجازت لے آئیں، فرمایا

[1] تحریر مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی۔ [2] مولانا محمد الیاس صاحب

کہ اس طرح اجازت نہیں ہوتی میں تنہا اجازت لوں گا۔

بھائی صاحب کی تجہیز و تکفین اور مدرسہ کے عارضی انتظام سے فرصت پاکر آپ سہارنپور آئے اور مولانا سے ساری کیفیت بیان کی۔ اہل تعلق کے پیہم اصرار اور اس چشمۂ فیض کے جاری رہنے کے خیالات جو دونوں قدسی سیرت باپ بیٹے کی ذات نے فیض رساں تھا، مولانا نے نظام الدین منتقل ہونے کی اجازت دے دی اور ازراہِ احتیاط فرمایا کہ فی الحال تجربہ کے لئے مدرسہ سے ایک سال کی رخصت لی جائے اگر وہاں کا قیام راس آئے اور مستقل سکونت کی رائے قرار پاجائے تو مستقل علیحدگی ہر وقت ممکن ہے۔[1]

اس اجازت اور مشورہ کے مطابق آپ نے مہتمم صاحب مدرسہ مظاہر العلوم کی خدمت میں ضابطہ کی درخواست پیش کردی جو بجنسہ درج ذیل ہے۔

بحضرت مہتمم صاحب

بعد سلام مسنون آں کہ سانحۂ انتقال اخوی جناب مولانا مولوی محمد صاحب کی وجہ سے بندہ کو نظام الدین کے مدرسہ کا انتظام و خبر گیری کے واسطے وہاں کچھ قیام کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ اکثر اہل شہر و محبان بندہ و خیر خواہان تم متقاضی ہیں کہ بالفعل بندہ وہاں اقامت کرے اور جو منافع و اشاعتِ علوم حضرت والد صاحبؒ و برادر مرحوم کی سعی و تعلیم سے ان کور دہ اور گنوار لوگوں میں اور علوم سے نہایت بعید اور ناآشنا لوگوں میں ہوئی ہے، اس کو دیکھ کر اپنے دل میں بھی حرص پیدا ہوتی ہے کہ کچھ دنوں وہاں قیام کرکے اس کے اجرا کا بندوبست کرسکوں اور اس دینی حصہ میں بھی کچھ حصہ لے لوں، لہذا عارض

[1] شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب

ہوں کہ ایک سال کے لئے بندہ کی رخصت منظور فرمائی جاوے۔

فقط والسلام، بندہ محمد الیاس اختر عفی عنہ

تشویشناک علالت اور زندگی سے مایوسی

ابھی نظام الدین جانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ یکلخت علیل ہو گئے۔ ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ کو بیماری کی حالت میں سہارنپور سے کاندھلہ پہنچے وہاں جا کر مرض نے شدت اختیار کی اور ذات الجنب کا دورہ شدید ہوا، ایک رات، جو جمعہ کی رات تھی، سب مایوس ہو گئے، نبضیں ساقط ہو گئیں، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے، لوگوں کی زبان پر اناللہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ابھی کام لینا تھا تیمارداروں کی توقع اور ظاہر حالات کے بالکل خلاف طبیعت سنبھلنے لگی، صحت کے آثار شروع ہو گئے اور چند دنوں میں اچھے ہو کر بستر سے اٹھ گئے، گویا زندگی دوبارہ عطا ہوئی۔

نظام الدین منتقلی

کاندھلہ سے تندرست ہو کر آپ نظام الدین آ گئے۔ اس وقت نظام الدین کے اس جانب کوئی آبادی نہ تھی اور مسجد کے قرب و جوار میں جنگل ہی جنگل تھا۔ مولانا احتشام الحسن صاحب جو کچھ مدت کے بعد مولانا کے ساتھ بچپن ہی میں نظام الدین آ گئے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں باہر نکل کر اس شوق میں کھڑا رہتا کہ کسی انسان کی صورت نظر آ جائے، اگر کوئی آدمی نظر آ جاتا تو ایسی خوشی ہوتی جیسے کسی نادر و تحفہ چیز کو دیکھ کر ہو۔

ایک مختصر سی پختہ مسجد اور ایک بنگلہ اور ایک حجرہ اور درگاہ کے جنوب میں درگاہ سے متعلق لوگوں کی آبادی تھی۔ کچھ تھوڑے سے میواتی اور غیر میواتی غریب طالب علم، بس یہ مدرسہ و مسجد اس کی عمارتوں اور اس کی آبادی کی کل کائنات تھی۔

مدرسے کی کوئی ایسی آمدنی نہ تھی جس سے آسانی کے ساتھ اس کے اخراجات

۱؎ شیخ الحدیث و مولوی اکرام الحسن صاحب کاندھلوی

پورے ہوں، توکل علی اللہ قناعت اور راس کے مہتمم کی ہمت عالی اصل سرمایہ تھا بڑی تنگی اور سختی کے ساتھ گزران ہوتی تھی، کبھی کبھی فاقہ کی نوبت آجاتی مگر مولانا کے ابرو پر بل نہ آتا بعض اوقات اعلان فرما دیتے کہ آج کھانے کو نہیں ہے جس کا جی چاہے رہے اور جس کا جی چاہے چلا جائے اور اپنا کہیں اور انتظام کرلے، طلبہ کی بھی ایسی روحانی تربیت ہو رہی تھی کہ کوئی جانے کیلئے تیار نہ ہوتا، بعض اوقات جنگلی پھلوں ڈگولر وغیرہ سے پیٹ بھر لیا جاتا، طلبہ خود جنگل سے لکڑی لاکر روٹی پکاتے اور چٹنی سے کھاتے مولانا اس سختی سے ذرا ہراساں نہ تھے بلکہ اس فارغ البالی اور کشایش سے ڈرتے اور اپنے ساتھیوں کو ڈراتے رہتے تھے جس کی مولانا کو امید تھی اور اللہ کی سنت کے مطابق اس امتحان و آزمائش کے بعد آنے والی تھی[۱]

مولانا کو مدرسہ کی ظاہری حالت اور تعمیر کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ آپ کے رفیق قدیم مدرسہ کے سابق طالب علم حاجی عبدالرحمٰن صاحب[۲] کی سعی پر مولانا کی طبیعت

---

[۱] از حاجی عبدالرحمٰن صاحب [۲] یادش بخیر حاجی عبدالرحمٰن صاحب اٹاوڑ (میوات) کے ایک غیر مسلم بنیا گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن میں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مولانا محمد صاحب کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ نظام الدین کے مدرسہ میں مولانا محمد صاحب سے قرآن اور دین کی تعلیم حاصل کی، مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت کی، مولانا محمد صاحب کے زمانہ میں اُن کے معتمد خاص اور اُن کے دست راست رہے، مولانا محمد الیاس صاحب کے تمام دینی کاموں میں ان کے قدیم ترین رفیق و معاون تھے، مولانا ان کے متعلق نہایت بلند کلمات فرماتے تھے اور اپنی تحریک کا روح رواں سمجھتے تھے آپ میوات کے حکیم و عارف تھے، اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی دولتیں نصیب فرمائی تھیں۔ آپ کا اصلی ذوق غیر مسلموں میں تبلیغ تھا جس میں آپ کو ملکہ خاص تھا۔ ہزاروں آدمی آپ کے ہاتھ پہ مسلمان ہوئے، سنگار میں نومسلموں کا ایک مدرسہ قائم کیا جس سے اولاد کی طرح تعلق تھا۔ میوات کے رسوم کی اصلاح آپ کا کارنامہ ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۵ء) میں انتقال فرمایا۔

کے خلاف دہلی کے بعض حضرات نے کچھ حجرے تعمیر کرادئے۔ مولانا واپس تشریف لائے تو سخت ناراض ہوئے، مدت تک حاجی صاحب سے نہیں بولے اور فرمایا کہ اصل چیز تعلیم ہے...... کے مدرسہ کی عمارت جب سے پکی ہوئی تعلیم کچی ہو گئی۔

ایک مرتبہ دہلی کے ایک بڑے تاجر نے کسی اہم معاملہ میں دعا کی درخواست کی اور ایک معقول رقم نذر کی، آپ نے دعا کا وعدہ کیا اور رقم قبول کرنے سے عذر کیا مگر حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے مدرسہ کی ضرورت کے خیال سے لے لیا۔ آپ برابر بے چین رہے اور بہ اصرار وہ رقم واپس کرائی۔

حاجی صاحب سے فرماتے تھے کہ دین کا کام پیسوں سے نہیں چلتا، اگر دین کا کام پیسوں سے چلتا تو حضورؐ کو بہت کچھ مال و دولت ملتی۔

مجاہدہ وعبادت یہ زمانہ مولانا کے بڑے مجاہدہ و ریاضت کا تھا، یہ ذوق موروثی اور فطری تھا، نظام الدین کے قیام میں اس کا زیادہ ظہور ہوا، خلوت و ریاضت کی طرف اس زمانہ میں خاص میلان تھا، حاجی عبدالرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ عرب سرائے کے پھاٹک حضرت نظام الدین اولیا کی قدیم عبادت گاہ (ہمایوں کے مقبرہ کے شمال میں عبدالرحیم خان خاناں کے مقبرہ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت سید نور محمد بدایونی کے مزار کے قریب) پہروں خلوت میں رہتے، کھانا دوپہر کا عموماً وہاں چلا جاتا، رات کا مکان پر آکر کھاتے، نماز سب وقتوں کی جماعت کے ساتھ پڑھتے، ہم لوگ جماعت کرانے وہیں چلے جاتے، طلبہ سبق پڑھنے کبھی وہیں پہنچ جاتے، کبھی بنگلہ والی مسجد میں آکر پڑھاتے۔

حدیث کا درس دیتے تو پہلے وضو کرتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے کہ

حدیث کا حق تو اس سے زیادہ ہے، یہ اقل درجہ ہے، حدیث پڑھاتے وقت کسی سے بات نہ کرتے، کوئی معزز آدمی آجاتا تو درس چھوڑ کر اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ متعلقین ساتھ تھے کبھی کھانے کے وقت سے بے وقت ہوجانے پر خفا نہ ہوتے کھانے میں کبھی عیب نہ نکالتے۔

درس کا انہماک و محنت مدرسہ کے اسباق اور طلبہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے، بڑی جانکاہی اور جانفشانی کے ساتھ طلبہ کو چھوٹے بڑے سبق پڑھاتے، بعض ایام میں ۸۰،۸۰ طلبہ خود پڑھائے یا طالب علموں سے پڑھوائے، مشغولیت اور انہماک کا اندازہ اس سے ہوگا کہ کسی زمانہ میں مستدرک حاکم کا درس صبح کی نماز سے پہلے ہوتا تھا[1]۔

مولانا طریق تعلیم اور کتب درس میں اپنا مخصوص طرز اور ذاتی رائے رکھتے مطالعہ پر زیادہ زور تھا، چاہتے تھے کہ سبق ایسا تیار کرکے لایا جائے کہ ہوں کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے، عبارت کی صحت، عربیت اور صرف و نحو کے قواعد کے عملی اجراء کی طرف خاص توجہ تھی، کتابوں میں عام مدارس کے نصاب و نظام کی پابندی نہ تھی۔ بہت سی ایسی کتابیں زیر درس تھیں جن کی تعلیم کا مدارس میں رواج نہیں ہے، مسائل کے ذہن نشین اور مستحضر کرنے اور طلبہ میں تفہیم کی قدرت پیدا کرنے کے لئے نئی نئی صورتیں اختیار فرماتے جو بہت موثر اور کارگر ہوتیں۔

---

[1] روایت مولانا سید رضا حسن صاحب

باب سوم

میوات میں اصلاح و تعلیم کے کام کی ابتداء

میوات | دہلی کے جنوب کا وہ علاقہ جس میں قدیم زمانہ سے میو قوم آباد ہے میوات کہلاتا ہے۔ اس علاقہ میں اس وقت گوڑگانوہ (انبالہ کمشنری صوبہ پنجاب) کا انگریزی ضلع، الور اور بھرت پور کی ہندو ریاستیں اور صوبجات متحدہ کے ایک ضلع متھرا کا کچھ حصہ شامل ہے تمام علاقوں کی طرح اس علاقہ کے حدود اور رقبہ میں تغیرات پیش آئے۔ قدیم اور اصلی میوات کا رقبہ موجودہ علاقہ سے ضرور کچھ مختلف تھا۔

ایک انگریز مصنف[1] نے قدیم میوات کی حد بندی اس طرح کی ہے۔

"قدیم علاقہ میوات اندازاً اس منحنی خط کے اندر واقع ہے جو شمالاً ڈیگ سے (جو بھرت پور میں ہے) ریواڑی کے عرض البلد کے کسی قدر اوپر تک پھیلا ہوا ہے غرباً ریواڑی کے نیچے طول البلد کے اس نقطہ تک جو شہر الور کے بیچ میل کے فاصلہ پر مغرب میں، اور الور کے اندر بارہ چشمہ کے جنوب میں واقع ہے

---

[1] MAJOR P. W. POWLETT LATE, SETTLEMENT OFFICER OF ALWER

یہ خط پھر شرقاً گھوم کر ڈیگ سے مل جاتا ہے اور قریب قریب اس خط
کی جنوبی سرحد بناتا ہے۔"

میو قوم انگریز مورخین کا خیال ہے کہ میو آرین نسل کے بجائے ہندوستان کی قدیم غیر آرین نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اس طرح ان کی تاریخ آرین نسل کے راجپوت خاندانوں سے زیادہ قدیم ہے۔ میوات کے خان زادوں کے متعلق ان کا بیان ہے کہ وہ نسلاً راجپوت ہیں، فارسی تاریخوں میں میواتی کا لفظ جہاں آتا ہے اُس سے مراد یہی خان زادے ہیں، آئینِ اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو راجپوت مسلمان ہونے کے بعد میواتی کہلائے۔

تاریخ فیروز شاہی میں میوات کا نام سب سے پہلے شمس الدین التمش کے تذکرہ میں آتا ہے۔ دہلی کی مسلمان سلطنت کے ابتدائی دور میں میواتی بہت ہی تکلیف دہ عنصر بن گئے تھے، بڑے بڑے گھنے جنگلوں کی مدد سے جو دہلی تک چلے گئے تھے، انھوں نے دہلی پر تاخت کرنی شروع کردی تھی، اور ان کے خوف سے دارالسلطنت کے دروازے سرِشام بند ہوجاتے تھے، شام کو شہر پناہ کے کوئی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا، رات کو بھی وہ کسی نہ کسی طرح شہر کے اندر داخل ہوجاتے اور لوٹ کی تلاش وجستجو میں پھرتے رہتے تھے۔ اہل شہر بہت بدامنی محسوس کرتے تھے، غیاث الدین بلبن نے ان کے خلاف ایک بڑی مہم بھیجی، میواتیوں کی ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی، نیز شہر میں افغانوں کی چوکیاں نصب کی گئیں اور دہلی کے آس پاس کا جنگل بھی فوج کے ذریعہ صاف کیا گیا اور زرعی زمین بنا دیا گیا[۵]۔ اس کے بعد تقریباً ایک صدی تک تاریخوں میں میوات کا ذکر نہیں آتا۔

---

[۵] تاریخ فرشتہ

اس وقفہ کے بعد میوات کے جنگجو حوصلہ مند مرکزی سلطنت کو وقتاً فوقتاً پریشان کرتے رہے اور سلطنت کو اُن کے خلاف تادیبی کارروائیاں کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی۔ اس سلسلہ میں بہادر ناہر اور اس کے بعض جانشینوں کا نام تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ آتا ہے، جنھوں نے اپنی دلیری اور قابلیت سے میوات میں حکومت قائم کر لی تھی، جو مرکزی سلطنت کی لشکر کشی کے بعد ایک علاقہ اور جاگیر کی صورت میں رہ گئی۔

خان زادوں میں سے ایک دوسرے نامور لکھن پال کا قبضہ پورے میوات اور مضافات پر تھا، فیروز شاہ کے زمانہ میں اس نے اسلام قبول کیا۔

میو قوم نے اسلام کب قبول کیا اور کون سے واقعات اور اثرات اس کا باعث اور محرک ہوئے۔ پوری قوم یا اس کی اکثریت نے دفعۃً اسلام قبول کیا یا تدریجی طور پر صدیوں میں یہ قوم اسلام کی طرف منتقل ہوئی؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب تعیین اور یقینی طور پر دینا اب ممکن نہیں۔ اِس قوم کی ابتدائی تاریخ اور خصوصاً اُس کے مسلمان ہونے کی تاریخ تاریکی میں ہے۔ سوائے روایات اور بیانات کے (جن میں خود تعارض اور اضطراب ہے) کوئی تاریخی ماخذ نہیں[1]۔

میواتیوں کی دینی [مسلمانوں کی طویل اور مسلسل غفلت] اور اس قوم کی بے توجہی اور جہالت اور اخلاقی حالت [سے میو قوم کی دینی حالت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی جس کے بعد قومی ارتداد

---

[1] لاکھوں کی قوم کا اس طرح کلیۃً مسلمان ہو جانا بہت مہتم بالشان واقعہ تھا جس کا تاریخ میں ذکر نہ ہونا ایک تعجب انگیز امر ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ہماری فارسی اور اردو تاریخیں اور سوانح، یا تو بادشاہوں کی کشورکشائی اور خانہ جنگی کی تاریخیں ہیں یا بزرگوں اور اولیاء اللہ کی کرامات اور واقعات غریبہ کی روداد ہیں، اور یہ واقعہ ان دونوں میں سے کسی موضوع سے تعلق نہیں رکھتا تو تعجب باقی نہیں رہتا۔

کے سوا کوئی درجہ نہ تھا۔ غیر مسلم مورخین کو بھی (جن کی حس اس بارے میں ایک مسلمان کی حس سے یقیناً کم ہونی چاہیئے) میواتیوں کی اسلام سے دوری اور بیگانگی کا احساس ہے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اندازہ ہوگا کہ میو قوم کا دینی تنزل اور اخلاقی انحطاط اور اسلام سے بیگانگی کس حد تک پہنچ گئی تھی۔

میجر پاؤلٹ جو انیسویں صدی کے آخر میں ریاست الور کا افسر بندوبست رہا ہے۔ الور کے گزیٹیر (شائع شدہ ۱۸۷۸ء) میں لکھتا ہے:۔

"میو اب تمامتر مسلمان ہیں لیکن برائے نام ان کے گاؤں کے دیوتا وہی ہیں جو ہندو زمینداروں کے ہیں، وہ ہندوؤں کے کئی ایک تہوار مناتے ہیں، ہولی میواتیوں میں مذاق اور کھیل کھیلنے کا زمانہ ہے اور اتنا ہی اہم اور ضروری تہوار سمجھا جاتا ہے جتنا محرم، عید اور شب برات، اسی طرح وہ جنم اشٹمی، دسہرا اور دوالی بھی مناتے ہیں۔ ان کے یہاں "پیلی چٹھی" لکھنے کے لیئے یا شادی کی تاریخ مقرر کرنے کیلئے برہمن پنڈت بھی ہوتے ہیں، ایک رام کے لفظ کو چھوڑ کر وہ ہندوانہ نام بھی رکھتے ہیں، اگرچہ خان جتنا ان کے ناموں کے اخیر میں ہوتا ہے اتنا نہیں لیکن پھر بھی بکثرت سنگھ انکے ناموں کا اخیر جزو ہوتا ہے۔

اماوس میں میو بھی ہندو اہیروں اور گوجروں کی طرح چھٹی مناتے اور کام کاج بند کر دیتے ہیں، جب وہ نیا کنواں تعمیر کرتے ہیں تو سب سے پہلے برو جی یا ہنومان کے نام کا چبوترہ بناتے ہیں۔ البتہ جب ان کو مالِ غنیمت حاصل کرنا ہوتا ہے تو وہ ہندو استھانوں اور مندروں کی زیادہ تعظیم و تقدیس نہیں کرتے اور جب اس موقع پر ان استھانوں اور مندروں کا تقدس ظاہر کیا جاتا ہے تو

وہ بے تکلف کہہ دیتے ہیں کہ "تم تو دیو، ہم میو" میو اپنے مذہب (اسلام) سے بہت ناواقف ہیں، خال خال کوئی کلمہ جانتا ہے اور پابندی سے نماز پڑھنے والے اس سے بھی کم ہیں اور ان کے اوقات و مسائل سے تو وہ بالکل ہی ناواقف ہیں۔"

یہ سب الور کے میواتیوں کے متعلق کہا گیا ہے، انگریزی علاقہ (ضلع گوڑگانوہ) میں مدرسوں کی وجہ سے مذہبی فرائض کی پابندی کی حالت کچھ بہتر ہے، الور کے بعض مقامات میں بھی جہاں مسجدیں ہیں مذہبی فرائض کی پابندی کچھ زیادہ ہے اور کچھ لوگ کلمہ بھی جانتے ہیں، بعض نماز بھی پڑھتے ہیں اور مدرسہ کا بھی کچھ شوق پایا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے شادی کی ابتدائی رسوم میں برہمن حصہ لیتے ہیں لیکن اصل رسم قاضی انجام دیتے ہیں۔

مرد دھوتی اور کمری پہنتے ہیں، پیجامہ کا رواج نہیں۔ ان کا لباس حقیقتاً ہندوانہ ہے، مرد سونے کے زیور بھی استعمال کرتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر لکھتا ہے :۔

"میو اپنے عادات میں آدھے ہندو ہیں، ان کے گاؤں میں شاذ و نادر ہی مسجدیں ہوتی ہیں، تحصیل تجارہ میں میوؤں کے باون گاؤں میں صرف آٹھ مسجدیں ہیں، البتہ مندروں کو چھوڑ کر میوؤں کی عبادت کی ویسی ہی جگہیں بنی ہوئی ہیں جیسی ان کے ہمسایہ ہندوؤں کے یہاں ہوتی ہیں، مثلاً پانچ پیرا، بھیسا اور چاہنڈ، چاہنڈ یا کھیڑا دیو مہادیوی کے نام ہوتا ہے جس پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں۔

شب برات میں سید سالار مسعود غازی کا جھنڈا بھی ہر میو گاؤں میں پوجا جاتا ہے۔[۵۱]

ضلع گوڑگانوہ کے گزیٹیر (شائع شدہ ۱۹۱۰ء) میں ہے۔

"میو ابھی تک بہت ڈھیلے اور لاپرواہ قسم کے مسلمان رہے ہیں وہ اپنی ہمسایہ قوم کے اکثر رسم و رواج میں شریک ہیں خصوصاً اُن رسوم میں جو ذرا دلچسپ اور پُرلطف ہوتی ہیں، ان کا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی جشن اور تہوار تو دونوں قوموں کے مناؤ اور فرائض اور مذہبی پابندیاں کسی ایک کی بھی پوری نہ کرو۔ کچھ عرصے سے میوات میں کچھ مذہبی معلم پیدا ہوگئے ہیں اور کچھ میو رمضان کے روزے بھی رکھنے لگے ہیں، گاؤں میں مسجدیں بنانے لگے ہیں، نمازیں بھی پڑھنے لگے ہیں، ان کی عورتیں ہندوانہ گھیگروں کی بجائے پجامے بھی پہننے لگی ہیں، یہ سب مذہبی بیداری کی علامات ہیں"

بھرت پور کے گزیٹیر میں ہے:۔

"میوؤں کے رسوم ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسم و رواج کا معجون مرکب ہے، وہ ختنہ کرتے ہیں، نکاح کرتے ہیں اور اپنے مردوں کو دفن کرتے ہیں، سید سالار مسعود غازی کے مزار کی زیارت کے لئے بہرائچ جاتے ہیں اور ان کے جھنڈے کے نیچے جو قسم کھائی جاتی ہے اس کو بہت پکی قسم سمجھتے ہیں اور اس کا پورا کرنا بہت ضروری جانتے ہیں وہ ہندوستان کے دوسرے متبرک مقامات کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں مگر کبھی حج کو نہیں جاتے۔

---

۵۱ GAZETTEIR OF ULWURR 1878 LONDON

ہندوؤں کے رسوم مناتے وہ ہولی اور دوالی مناتے ہیں، ایک گوت میں کبھی شادی نہیں کرتے۔ لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملتا، وہ بچوں کے ملے جلے اسلامی اور ہندوانہ نام رکھتے ہیں۔

وہ تمام تر جاہل اور غیر تعلیم یافتہ ہیں، ان میں بھاٹ اور گوئیے بھی ہوتے ہیں جن کو وہ بڑی بڑی رقمیں اور انعامات دیتے ہیں، دیہاتی زندگی اور کاشتکاری کے موضوع پر بہت سی چوپائی نظمیں بنی ہوئی ہیں، جو وہ مزے لے لے کر پڑھتے ہیں بولی ذرا درشت اور سخت ہے جس میں عورت اور مرد سے یکساں طریقہ پر خطاب ہوتا ہے۔

ان میں محرک اور نشہ آور چیزوں کے استعمال کا بھی رواج ہے، وہ بہت ضعیف الاعتقاد اور وہم پرست واقع ہوئے ہیں، شگون بہت لیتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کا لباس ہندوانہ ہے۔ پہلے زمانہ میں ان میں نوزائیدہ بچوں کے مار ڈالنے کی بھی رسم تھی لیکن یہ رسم اب بالکل جاتی رہی ہے۔ غارت گری اور رہزنی ان کا پیشہ رہ چکا ہے۔ اب اگرچہ ان کی اصلاح اور ترقی ہو گئی ہے، پھر بھی جانور اڑا کر اور گائے بیل کھول کر لے جانے میں اب بھی وہ بہت مشہور ہیں۔"

میواتیوں کی قومی صفات اس دینی انحطاط اور اخلاقی تنزل کے باوجود اس قوم میں بعض اعلیٰ اخلاق وصفات اور شریف قوموں کی نسلی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور جو نقائص اور اخلاقی کمزوریاں اس قوم میں پیدا ہوئیں وہ اسی نوع کی ہیں، جو بے تربیتی جہالت، تمدن و دنیا سے بے تعلقی اور مذہب سے بے خبری کے باعث شریف اور بہادر قوموں میں پیدا ہو جاتی ہیں اور خود زمانہ جاہلیت میں عربوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔

محاسن اور فطری صلاحیتوں کا رخ ماحول کی خرابی سے غلط ہوگیا تھا، قومی دلیری اور بیباکی نے لوٹ مار اور غارت گری کی شکل اختیار کرلی تھی، شجاعت اور فطری بہادری نے کوئی اور مناسب میدان نہ پاکر خانہ جنگی اور خونریزی کو اپنا مظہر بنایا، فطری غیرت اور حمیت کا کوئی جائز استعمال نہ رہا تو حمیت جاہلیت اور فرضی عزت و ناموس اور خود تراشیدہ معیار شرافت کی حفاظت میں صرف ہوئی، عالی حوصلگی اور بلند ہمتی کا کوئی شایانِ شان مصرف نہ رہا تو برادری کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس نے اپنے جوہر دکھلائے، ذہانت چُستی و چالاکی کو شریفانہ مواقع نہ ملے تو مجرمانہ واردات اور خلافِ قانون کاموں میں اس نے ہاتھ کی صفائی اور ہنرمندی دکھائی، غرض محاسن اور فطری صلاحیتوں کا رُخ غلط تھا اور مصرف حقیر تھا مگر قوم فطری جوہر سے محروم نہ تھی۔

سادگی اور جفاکشی، عزم اور قوتِ عمل، پختگی اور صلابت اس قوم کے خاص جوہر تھے جس میں میواتی مسلمانوں کی شہری آبادی سے بہت ممتاز تھے، یہ پختگی اور صلابت اور حمیت ہی کا نتیجہ تھا کہ عملاً اسلام سے اتنے دور ہوجانے کے باوجود اس علاقہ میں انتہائی طغیانی کے زمانہ میں بھی ارتداد کا سیلاب کبھی نہیں آنے پایا اور باوجود اس کے کہ اس کے ہمسایہ ملکانے اس عام سیلاب میں گلے گلے پانی میں تھے مگر میوات اس کی زد سے باہر رہا اور اس وسیع علاقہ میں ارتداد کے واقعات پیش نہیں آئے۔

اس قوم کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے اور گویا بیرونی دنیا سے بے تعلق اور ایک فراموش شدہ قوم رہی ہے! اس حیثیت سے کوئی دوسری قوم جو اتنی بڑی تعداد میں ہو اور سلطنت کے مرکز سے اتنی قریب ہو اور پھر اتنی گمنام اور مہجور رہی ہو، ہندوستان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی ذہنی اور عملی قوت بہت کم ضائع ہوئی۔

اور بہت زیادہ محفوظ رہی اور اس کی روح جس طرح اچھے نقوش سے سادہ رہی اسی طرح ان غلط نقوش سے بھی جو ایک مرتبہ نقش ہو جانے کے بعد مشکل سے مٹتے ہیں اس زمین پر دراصل کوئی کھیتی ہوئی ہی نہیں، غلط رسوم و عادات اور جاہلانہ اوہام و خیالات محض خس و خاشاک تھے جو صدیوں کی اُفتادہ زمین پر اُگ آئے تھے، یہ قوم ہندوستان میں اس چودھویں صدی میں بہت کچھ عرب جاہلیت کا نمونہ تھی۔

وہی اپنی فطرت پہ طبعِ بشر تھی خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی

میوتیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ اوپر گزر چکا ہے کہ میوات سے اصل تعلق مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی حیات میں شروع ہوا۔ یہ محض اتفاقی بات نہ تھی بلکہ ایک غیبی انتظام تھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بستی نظام الدین یعنی میوات کے دہانہ پر ٹھیرایا گیا اور مولانا محمد الیاس صاحب کی آمد سے بہت پہلے میوات کی سرزمین میں اس خاندان کی عقیدت و محبت کا بیج بو دیا گیا اور اس کی آبیاری سے کبھی غفلت نہیں کی گئی۔ میوات کے اس آہوئے وحشی کو جو سلاطین دہلی کی جہانگیری کا بھی کبھی صید نہیں ہوا، دو دو پشتوں کے رشتۂ عقیدت مندی و ارادت سے اس طرح پابند کر دیا کہ وہ مطلوب کے بجائے طالب بن کر آیا۔

میوات میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مولانا محمد صاحب کے مریدین اور مخلصین کو جب معلوم ہوا کہ نظام الدین کی خالی مسند پھر آباد ہے اور دونوں بزرگوں کے صحیح جانشین مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے فرزند اور مولانا محمد صاحب کے بھائی تشریف رکھتے ہیں تو انھوں نے نظام الدین کی آمد و رفت پھر شروع کی اور وہاں حاضر ہو کر درخواست کی کہ قدیم تعلقات کی بنا پر آپ میوات تشریف لے چلیں اور اپنے خاندانی نیازمندوں کو اس کا موقع دیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے صحیح جانشین کی زیارت سے اپنی

آنکھیں روشن کریں اور ارادت و اخلاص کا پُرانا رشتہ پھر مستحکم کریں۔

اصل علاج دینی تعلیم مولانا کے نزدیک میوات کی اصلاح کی تدبیر صرف یہ تھی کہ ان میں دین کا علم پھیلایا جائے، شریعت کے احکام و مسائل سے وہ واقف ہوں اور جہالت و وحشت دور ہو۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے بعد مولانا محمد صاحب نے بھی یہی طریقہ علاج اختیار کیا تھا، میوات کے بچّوں کو انھوں نے اپنے یہاں رکھ کر اور اپنے مدرسہ میں تعلیم دے کر میوات میں اصلاح و ارشاد کے لئے بھیج دیا تھا اور اس ملک میں جو تھوڑی بہت روشنی اور خال خال دین داری تھی وہ انھیں اشخاص کی بدولت تھی جو انھیں دو بزرگوں کے تربیت یافتہ اور ان کے مدرسہ کے فیض یافتہ تھے

مولانا نے اس سلسلہ میں ایک قدم آگے بڑھانا چاہا، آپ نے خود میوات میں دینی مکاتب و مدارس کا قیام ضروری سمجھا تاکہ دین کا حلقہ وسیع ہو اور اس ملک میں ذرا بڑے پیمانے پر اصلاح و تبدیلی پیدا ہو۔

میوات چلنے کی شرط آپ مریدین اور معتقدین کے حلقہ میں کسی شیخ اور اس کے جانشین کے جانے کے وہ معنی بھی سمجھتے تھے جو بلانے اور لے جانے والوں کے ذہن میں عام طور پر ہوتے ہیں اور ان طریقوں اور صورتوں کو بھی جانتے تھے جن میں عام طور پر اہل ارادت اپنے تعلق و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور اس کو کافی سمجھتے ہیں لیکن آپ اس پر قطعاً تیار نہ تھے کہ وہاں جا کر اہل محبت کی پُر خلوص دعوتیں قبول کر کے اور کلمۂ خیر کہہ کر واپس چلے آئیں۔ آپ صرف اُسی صورت میں وہاں جانا چاہتے تھے کہ آپ کے جانے سے وہاں کوئی ایسی پائیدار شکل پیدا ہو جائے جس سے ملک کی اس حالت میں تبدیلی پیدا ہو اور

وہ اسلام سے قریب ہو جائیں اور اس کی شکل اس وقت آپ کے ذہن میں صرف یہی تھی کہ میوات میں دینی مکاتب اور مدارس قائم ہوں اور میوات کی کم سے کم نئی نسل دین سے واقف ہو۔

آپ نے خود بیان کیا کہ جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ سے میوات چلنے کی خواہش کی تو میں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے یہاں مکتب قائم کروگے۔

مکتبوں کو اہل میوات اس وقت اتنا دشوار اور ناقابل عمل سمجھتے تھے کہ ان کے اس شرط سے زیادہ کوئی اور مشکل شرط نہیں تھی، سب سے مشکل بات یہ تھی کہ بچوں کو کام سے ہٹا کر پڑھنے بٹھایا جائے۔ مکتبوں کی شرط سنتے ہی دعوت دینے والوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور ان پر اوس سی پڑ گئی، انھوں نے اس کی ہامی نہیں بھری اور مولانا چلنے پر راضی نہیں ہوئے، دو تین مرتبہ ایسا ہی ہوا، ایک مرتبہ ایک سمجھدار میواتی نے اس بنا پر اس کا وعدہ کر لیا کہ لے تو چلنا چاہیئے پھر وہاں جا کر دیکھا جائے گا۔

مکاتب کا آغاز | مولانا میوات تشریف لے گئے اور آپ نے اپنی شرط کا مطالبہ کیا آپ کے بڑے تقاضے اور اصرار اور لوگوں کی بڑی جد و جہد سے ایک مکتب قائم ہوا اور اس طرح اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مولانا اہل میوات سے فرماتے تھے کہ تم بچے دیدو معلمین کی تنخواہ میں لاؤں گا میواتی جو اکثر کاشتکار ہیں اس کے روادار نہیں تھے کہ ان کے بچے کھیتی باڑی کا کام اور جانور چھوڑ کر کتابیں لے کر بیٹھیں اور ان کے کام سے جائیں، ان میں دین کی نہ طلب تھی نہ قدر کہ وہ اس کے لیے تھوڑی سی بھی تکلیف اور ایثار گوارا کریں، بڑی حکمت اور تالیف قلب

سے ان کو اس پر راضی کیا گیا اور بہت کہہ سن کر اور خوشامد درآمد سے ان کے بچوں کو پڑھنے بٹھایا گیا۔

اس سفر میں دس مکتب قائم ہوئے، بعض مرتبہ ایک ایک دن میں کئی کئی مکتب قائم ہوئے اور پھر بکثرت مکاتب قائم ہونے لگے، یہاں تک کہ کچھ مدت بعد میوات میں کئی سو مکتب قائم ہو گئے جن میں قرآن مجید وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔

مکاتب کے اخراجات مولانا نے دین کی خدمت کو ایک "قومی کام" کی حیثیت سے نہیں شروع کیا تھا، جس کا بار اور جس کی ذمہ داری تنہا قوم پر ہوتی بلکہ اپنا کام سمجھ کر شروع کیا تھا، جس میں اُن کو اپنی کسی چیز کے لگا دینے میں دریغ نہیں تھا، ان کے نزدیک دین کے کام کی حقیقت یہ تھی کہ آدمی بالکل اپنے ذاتی کام کی طرح اس میں اپنا عزیز وقت اور محبوب مال خرچ کرے، وہ اس تقسیم کے قائل نہیں تھے کہ یہ اپنا ہے اور یہ قومی۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ کچھ رقم یہ کہہ کر پیش کی کہ یہ آپ بالکل اپنے کام میں لائیں، مولانا نے فرمایا کہ حضرت! اگر ہم نے اللہ کے کام کو اپنا نہ سمجھا تو ہم اپنے کب ہوئے۔ یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ آہ ہم نے حضور کی قدر نہ کی۔[1]

بس یہی مولانا کا اصول تھا، انھوں نے میوات کے دینی کاموں میں سب سے پہلے اپنا سرمایہ اور اپنا روپیہ (جو آبائی جائداد کی آمدنی یا ہدایا کی شکل میں آتا تھا) لگایا پھر لوگوں کی امداد کو قبول کیا۔

---

[1] از حاجی عبدالرحمٰن صاحب

باب چہارم

میوات میں ایمان اور طلبِ دین کی عمومی تحریک!

مکاتب اور جزئی اصلاح سے نا امیدی مولانا کی زندگی کا اصلی جوہر جس نے ان کو خدمتِ دین کے اس بلند مقام تک پہونچایا، بلند ہمتی ہے، خدمت دین اور اصلاح کی کسی ابتدائی منزل پر مولانا کی بے قرار طبیعت نے قرار نہ پایا۔ جب تک اس کو اپنی اصلی منزل نہ مل گئی اس نے کہیں دم نہ لیا اور کہیں آرام نہ کیا۔

مکاتب کے ذریعہ جو معمولی انفرادی اصلاح اور تعلیم ہو رہی تھی مولانا رفتہ رفتہ اُس سے غیر مطمئن ہوتے گئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی اور ملک کی عمومی جہالت اور ظلمت کا اثر مکاتب پر بھی ہے۔ اول تو طلبہ.........کی پوری اصلاح اور ان کی دینی تربیت نہیں ہونے پاتی، دوسرے جو طلبہ ان مکاتب سے دین کی تعلیم اور تھوڑی بہت اسلامی تربیت حاصل کر کے نکلتے بھی ہیں وہ بھی جہالت اور بے دینی کے اس بحرِ ظلمات میں جو ان کے چاروں طرف سیکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا پتہ نہیں چلتا۔

قوم میں دین کی کوئی طلب نہیں جس سے وہ اپنے بچوں کو شوق سے پڑھنے

بھیجےؒ اور مکتبوں میں بٹھائے، نہ دین کی قدر ہے کہ ان کے پڑھ لینے کے بعد ان کے علم کی عزت اور ان کی بات کی وقعت ہو۔ ایسی حالت میں یہ مکاتب ان کی زندگی پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

تیسرے یہ سارے انتظامات ان کے لئے ہیں جو سرے سے غیر مکلف و نابالغ بچے ہیں اور جو عاقل بالغ احکام الٰہی کے براہ راست مخاطب ہیں اور جو دینی لاعلمی اور بے عملی کی وجہ سے موردِ غضب بن رہے ہیں ان کے لئے اس میں کوئی انتظام نہیں۔

نیز ساری قوم کو ان مکاتب اور مدارس کے ذریعہ (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو) دین کی ضروری تعلیم اور اسلامی تربیت نہیں دی جا سکتی نہ سب ان مکاتب کے طالب علم بن سکتے ہیں، نہ اپنے مشاغل زندگی اور وسائل معاش چھوڑ سکتے ہیں۔

اسی عرصے میں ایک سفر میں مولانا کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان پیش کیا گیا کہ یہ میوات کے فلاں مکتب سے قرآن پڑھ کر نکلے ہیں، مولانا فرماتے تھے کہ اس کی ڈاڑھی مونڈی ہوئی تھی، چہرہ، شکل اور لباس سے بھی کسی قسم کی اسلامیت نہیں ظاہر ہوتی تھی، اس کو دیکھ کر مولانا کی حساس اور غیور طبیعت کو دھکا لگا اور خیال ہوا کہ یہ تو کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مرادف ہے اس واقعہ سے مکاتب کی طرف سے مولانا کا دل پھیکا ہو گیا۔

ؒ ایک عرصے کے بعد مولانا نے ایک گرامی نامے میں اس بارہ میں اپنا جو خیال ظاہر فرمایا۔ اس کو ان الفاظ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ "مکاتب جذبات کی جس مقدار سے چل سکتے ہیں وہ ابھی بہت بعید ہے۔ ابھی ایک طویل مدت صرف تبلیغ پر انحصار کر کے استقامت اور ترقی فرماتے رہیں۔ جب عمومی استعداد پیدا ہو جائے گی، اور اسلام کی رغبت پر کچھ ترقی کرنے لگیں گے تو اللہ چاہے تھوڑی کوشش سے بہت سے مدارس ہو سکیں گے۔"

مکاتب کے علاوہ آپ نے اپنے سفروں میں جابجا نزاعات اور پرانے جھگڑے چکائے جس کا میوات میں بڑا زور رہا کرتا ہے۔ فریقین میں صلح اور تصفیہ کرایا۔ آپ اپنی موقع شناسی، حکمت اور روحانیت سے اس میں بھی بہت کامیاب ہوئے۔ میوات کے لوگ کہتے تھے کہ یہ شخص دیکھنے میں تو ایک مشت استخواں ہے مگر جس معاملہ میں پڑجاتا ہے چٹکیوں میں اس کو سلجھا دیتا ہے اور معلوم نہیں کیا بات ہے کہ بڑے بڑے ضدی اور اپنی بات پر اڑنے والے اس کے کہنے سے فوراً مان جاتے ہیں۔

اُسی زمانہ میں اور بھی بعض علمائے میوات میں وعظ و اصلاح کا کام شروع کیا تھا اور جیسا سارے ہندوستان میں علمائے حق کا طریقہ ہے خلافِ شرع امور کی روک تھام اور مسائل دین کی اشاعت کی کوشش شروع کی، اسی سلسلہ میں انہوں نے بعض خاص رسوم کی مخالفت کی تحریک بھی اٹھائی۔

لیکن مولانا یہ محسوس کررہے تھے کہ دین کی حالت اس وقت بھیڑوں کے گلّے کی سی ہے کہ چوپان ایک طرف سے ان کو سمیٹتا ہے تو دوسری طرف سے کچھ بھیڑیں نکل جاتی ہیں، دوسری طرف سے سمیٹتا ہے تو تیسری طرف سے نکل جاتی ہیں، ایک جزئی کی اصلاح کی جائے تو دوسری صدہا جزئیات قابل اصلاح رہتی ہیں، زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہے وہ چول ہے ایمان اور دین کی طلب اور قدر جو صدیوں پہلے دلوں سے نکل چکی ہے۔

آپ مختلف تجربوں سے اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ خواص و افراد کی اصلاح اور دینی ترقی مرض کا علاج نہیں، آپ کے اس تاثر کو ایک میواتی نے اپنے سیدھے سادے الفاظ میں یوں بیان کیا کہ "جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہوسکتا"

اس کے بعد عرصے تک آپ کی میوات میں آمد و رفت رہی اور اہلِ میوات کو آپ سے دینی اور روحانی فیض پہنچتا رہا، لوگ بکثرت آپ کے سلسلہ میں منسلک ہوتے رہے یہاں تک کہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء ہجری میں آپ کی اور معتقدین کی درخواست اور خواہش پر علماء اور صلحا کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی میوات تشریف لائے، فیروز پور نمک میں تشریف آوری رہی، بیان کیا جاتا ہے کہ انسانوں کا ایک جنگل تھا، جو ان بزرگوں کی زیارت اور شوق ملاقات میں مجتمع تھا بکثرت لوگ بیعت میں داخل ہوئے۔

دوسرا حج اور کام کے رخ کی تبدیلی | شوال ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں آپ دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے مولانا خلیل احمد صاحب کی ہمرکابی حاصل تھی، ایک ہفتہ مولانا کی معیت میں حیدر آباد دکن میں قیام رہا کیونکہ حیدر آباد کے احباب کا مولانا سہارنپوری سے اصرار تھا۔

مدینہ منورہ کے قیام کا زمانہ جب ختم ہوا اور رفقاء چلنے کے لئے تیار ہوئے تو انھوں نے مولانا کو عجب بے چینی اور اضطراب میں پایا۔ آپ کسی طرح مدینہ منورہ سے جدا ہونے پر راضی نہ تھے کچھ دن توقف کے بعد رفقاء نے مولانا خلیل احمد صاحب سے ذکر کیا آپ نے مولانا کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ تم ان سے چلنے کے لئے اصرار نہ کرو ان پر ایک حالت طاری ہے یا تو تم اتنا انتظار کرو کہ یہ از خود تمھارے ساتھ چلے جائیں یا تم خود چلے جاؤ یہ بعد میں آجائیں گے۔ چنانچہ رفقاء ٹھہر گئے۔

مولانا فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے اس قیام کے دوران میں مجھے اس کام کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا کہ ہم تم سے کام لیں گے، کچھ دن میرے اس بے چینی میں گزرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا، کسی عارف سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا

بات ہے، یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو گے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے پس کام لینے والے کام لے لیں گے۔

اس سے بڑی تسکین ہوئی اور آپ نے مدینہ منورہ سے مراجعت فرمائی ۵ مہینے حرمین میں قیام رہا۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء کو کاندھلہ واپسی ہوئی۔

تبلیغی گشت کی ابتداء: حج سے واپسی پر مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا آپ نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے ادلین ارکان و اصول (کلمۂ توحید و نماز) کی تبلیغ کریں، لوگوں کے کان اس دعوت سے نا آشنا تھے، دین کی تبلیغ کے لئے عامیوں کا زبان کھولنا بڑا پہاڑ معلوم ہوتا تھا۔ چند آدمیوں نے بڑی شرم و حیا اور رکاوٹ کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

ایک بار نوح میں اجتماع ہوا، آپ نے مجمع میں اپنی یہ دعوت اور مطالبہ پیش کیا کہ جماعتیں بنا کر علاقہ میں نکلا جائے اور تبلیغ کی جائے، حاضرین نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی، ایک مہینہ کے بعد جماعت بن گئی، آٹھ دن کے لئے وہ گاؤں طے ہو گئے جن کا اس جماعت کو دورہ کرنا تھا اور یہ طے ہوا کہ یہ دورہ کرتی ہوئی آئندہ جمعہ سوہنے (ضلع گوڑگانوہ) میں پڑھے گی وہیں آئندہ ہفتہ کا پروگرام طے ہوگا۔

چنانچہ پہلا جمعہ جماعت نے سوہنے میں پڑھا، مولانا بھی تشریف لائے، آئندہ ہفتہ کا نظام طے ہوا، جماعت پھر دورے پر روانہ ہوئی اور دوسرا جمعہ تاؤڑو پڑھا گیا، تیسرا جمعہ نگینہ تحصیل فیروز پور پڑھا گیا، مولانا نے ہر جمعہ میں شرکت فرمائی اور آئندہ کا نظام طے ہوا۔

عرصے تک میوات میں اسی طرز پر کام ہوتا رہا اور دینی و علمی مرکزوں کے

لوگوں کو میوات کے جلسوں میں ان جماعتوں کے اجتماع کے موقع پر دعوت دی جاتی رہی اور کئی سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

تیسرا حج ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء ہجری میں آپ تیسری بار حج کو گئے، رمضان کا چاند نظام الدین میں نظر آگیا تھا، تراویح دہلی کے اسٹیشن پر ہوئی، تراویح سے فراغت پر کراچی کی گاڑی میں سوار ہوگئے، مولانا احتشام الحسن اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے وہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے نام ایک خط میں مولانا کے مشاغل و اوقات کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"حضرت والا کا اکثر وقت حرم میں گزرتا ہے تبلیغی جلسے اور چرچے برابر رہتے ہیں اور ہر جگہ اس کے متعلق ضرور حضرت والا کچھ نہ کچھ ذکر فرماتے ہیں"

مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر ۲ محرم ۱۳۵۲ھ ہجری (مطابق ۲۷ اپریل ۱۹۳۳ء عیسوی) مدینہ طیبہ پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۲ جمادی الاولی ۱۳۵۲ھ کو ہندوستان واپسی ہوئی۔

اس حج سے آپ اپنے کام اور نظام کے متعلق مزید وثوق و اطمینان اور یقین لے کر آئے اور کام کی رفتار کو بڑھا دیا۔

میوات کے دو دورے حج سے واپس تشریف لاکر مولانا نے بڑی جماعت کے ساتھ میوات کے دو دورے کیے، کم سے کم سو آدمی اس سفر میں ہر وقت ساتھ رہتے تھے، باقی جا بجا مجمع بہت ہو جایا کرتا تھا، ایک دورہ ایک مہینہ کا تھا، دوسرا دورہ کچھ کم ایک مہینہ کا، سفر کے وقت جماعتوں کو گاؤں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ گشت لگا کر آؤ۔

تبلیغی جماعتیں دینی مرکزوں کی طرف مولانا نے اپنے طویل تجربے اور بالغ نظری سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اپنے ماحول اور مشاغل میں گھرے رہ کر ان غریب میواتی کاشتکاروں کا

دین سیکھنے کے لئے وقت نکالنا اور اس تھوڑے سے وقت میں جس میں ان کو کامل یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی دین کے ایسے اثرات کو قبول کر لینا جن سے ان کی زندگی میں انقلابی اصلاح اور تغیر پیدا ہو جائے ممکن نہیں، ان سے یہ مطالبہ کرنا بھی صحیح نہیں کہ سب کے سب اس عمر میں مکاتب اور مدارس کے طالب علم بن جائیں اور یہ توقع بھی غلط ہے کہ وعظ و پند ہی سے ان کی زندگی میں انقلاب ہو جائے گا اور وہ اس جاہلی زندگی سے نکل کر اسلامی زندگی میں قدم رکھیں گے، ان کے عادات و اخلاق، مزاج و طبائع شوق و رغبت اور جذبات بدل جائیں گے۔

لیکن مولانا کے نزدیک ایسا ہونا ضروری تھا اگر اس کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی؟ مولانا کے نزدیک اس کی تدبیر صرف یہ تھی کہ ان کو کچھ مدت کے لئے جماعتوں کی شکل میں دین اور علم کے مرکزوں کی طرف نکلنے پر آمادہ کیا جائے، وہ وہاں کے عوام اور جہلا میں کلمہ اور نماز کی تبلیغ کریں اور اس طرح اپنا پڑھا ہوا سبق پختہ کریں، اور وہاں کے اہل علم و دین کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان کی باتوں کو بغور سنیں اور ان کی زندگی نشست و برخاست اور عمل کو بغور دیکھیں۔ اور اس طرح بالکل فطری طریقہ پر جس طرح بچہ زبان سیکھتا ہے اور آدمی تہذیب و شائستگی حاصل کرتا ہے وہ دین اور علم دین حاصل کریں۔

نیز اس نکلنے کے زمانے میں جس سے زیادہ یکسوئی و توجہ کامل کا زمانہ ان کو بظاہر نصیب نہیں ہو سکتا۔ قرآن پڑھنے، مسائل و فضائل معلوم کرنے، اور صحابہ کرام کے حالات و حکایات سننے میں مشغول رہیں اور اس طرح اس گشتی مدرسہ سے بہت کچھ سیکھ کر اور لے کر اپنے گھر واپس ہوں۔

لیکن یہ کام بہت مشکل تھا، کسی شیخ طریقت نے (الا ماشاء اللہ) اپنے مریدین و

معتقدین پر ایسا بوجھ کم ڈالا ہوگا، اپنے مشاغل سے چھڑانا، بیوی، بچوں سے علیحدہ کرنا اور گھر سے نکالنا آسان کام نہیں، پھر اس قوم کے افراد کو جس کو بڑی کوششوں کے بعد کچھ مانوس کیا گیا تھا۔

ایک دوسری دقت یہ تھی کہ اس کا بھی اطمینان نہیں تھا کہ جہاں یہ لوگ جائیں گے وہاں ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک ہوگا۔ ان کی جہالت، سادہ لوحی اور شہروں کے معیار سے بعض اوقات ناشائستگی پر ترحم اور شفقت کا سلوک ہوگا یا قہر و عتاب اور طنز و تعریض کا۔

مولانا کا خیال تھا کہ یو۔ پی کا مغربی حصہ (ضلع مظفر نگر اور سہارنپور جس کے لیے کبھی دوآبہ کی اصطلاح استعمال فرماتے تھے اور کبھی مطلق یو۔ پی کے لفظ سے ادا کرتے تھے) دینی علم کا معدن اور اہل حق کا خاص مرکز ہے اہل دین کی صحبت و اختلاط اور آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ سے دین کے تعلم و اکتساب کے لئے اس خطہ سے زیادہ کوئی موزوں و مناسب زمین نہیں۔

مولانا کے نزدیک ملک کی جہالت و غفلت، دینی بے حمیتی اور جذبات کی خرابی تمام فتنوں کی جڑ اور ساری خرابیوں کا سرچشمہ تھی اور اس کا علاج صرف یہ تھا کہ میوات کے لوگ اپنی اصلاح و تعلیم اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے اور اس کے لئے جد و جہد کرنے کی طاقت اور جذبات پیدا کرنے کے لئے باہر اور خصوصاً یو۔ پی کے ان شہروں میں جائیں مولانا ایک میواتی کو لکھتے ہیں :۔

میرے دوست آدمی کا جاہل اور غافل ہونا اور حق کی کوشش میں سست ہونا یہ ہر فتنہ کی کنجی ہے اور طبائع اور جذبات کے ان نامبارک اور گندہ

صفتوں پر رہنے سے خدا جانے کتنے فتنے اُٹھتے ہوئے تم دیکھو گے اور کچھ نہ کرسکو گے، اُٹھتے ہوئے فتنوں کو مٹانے اور آئندہ کے فتنوں سے روکنے کیلئے تمہارے ملک میں پیش آئی ہوئی اسکیم کو مشق کرنے کے لئے یو.پی کے لئے نکلنے پر زور دینے کے سوا اور کوئی علاج نہیں"۔[1]

مولانا کو اس کی بھی امید تھی کہ آپ کی یہ دعوت و تحریک اس طرح اس علاقہ کے اہل حق اور اہل علم کے سایہ تلے آجائے گی اور اس بہانے سے ان حضرات کو میوات کے ان غریب و دور افتادہ مسلمانوں کی پسماندگی و زبوں حالی سے واقفیت کا موقع ملے گا شاید ان کے دل میں اس کا درد پیدا ہو جائے اور ان کی نگاہِ شفقت اُٹھے، مولانا کے نزدیک ان حضرات کا تعلق اور ان کی سرپرستی نہایت ضروری تھی جس کے بغیر وہ اس تحریک کو خطرہ اور آزمائش میں سمجھتے تھے۔

غالباً انہی مصلحتوں کی بناء پر مولانا نے پہلی جماعت کے سفر کے لئے اپنے وطن کاندھلہ کا انتخاب فرمایا کہ وہ بہر حال اپنا وطن ہے، عزیزوں سے سابقہ ہے اور یوں بھی وہ ایک علمی اور دینی مرکز ہے۔ اس لئے اس سفر کی غرض بھی حاصل ہے۔

پہلی جماعت کاندھلہ کے لیے | ایک رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ کاندھلہ کے لئے آدمی تیار کرو، علماء و مشائخ کے مرکز پھر اپنے مرشد و شیخ کے وطن میں تبلیغ کے لئے عامیوں اور جاہلوں اور میوات کے دیہاتیوں کا جانا سننے والوں کو بہت ہی عجیب اور دشوار معلوم ہوا، اور چونکہ یہ غلط تخیل تھا کہ ہم کو اصلاح اور دوسروں میں تبلیغ کے لئے بھیجا جارہا ہے اس لئے اور بھی انوکھی سی بات معلوم ہوتی تھی۔ لوگوں کی سب پہلوؤں پر

---

[1] بنام میاں محمد عیسیٰ صاحب فیروز پور نمک

نظر نہیں تھی (اور اب بھی بیک وقت اس کام کے سب پہلو اچھے اچھے اہل نظر کے سامنے نہیں آتے) اس لئے لوگوں نے تعمیل میں جوش و سرگرمی کا اظہار نہیں کیا، حاجی عبدالرحمٰن جیسے مخلص و محب نے کہہ دیا کہ "میں تو نہ جا سکوں گا وہ میرے استاد (مولانا محمد صاحب) کا گاؤں ہے"۔

مگر مولانا کوئی سنجیدہ بات سرسری طریقہ سے اور رواروی کے ساتھ نہیں فرماتے تھے کہ بات آئی گئی ہو جائے اس کے لئے وہ اپنی شخصیت کا پورا بوجھ ڈال دیتے تھے اور اپنی ساری طاقتوں کو کام میں لے آیا کرتے تھے، وہ جس چیز کو ضروری سمجھتے تھے اس کی طرف سے مطمئن ہوئے بغیر ان کے لئے کھانا پینا اور سونا مشکل تھا، زندگی بھر کا یہ معمول تھا، اس لئے ان کی بات کا ٹالنا ان سے تعلق رکھنے والوں کے لئے آسان نہ تھا۔

چنانچہ دس آدمیوں کی ایک جماعت کاندھلہ کے سفر کے لئے تیار ہو گئی اور عید کی نماز پڑھتے ہی حافظ مقبول حسن صاحب کی امارت میں دہلی سے روانہ ہو گئی۔ اس جماعت میں چیدہ چیدہ لوگ تھے اور تقریباً سب وہ تھے جو اعتکاف کر چکے تھے۔ اس جماعت کو ذکر کے اہتمام کی خاص تاکید تھی۔

کاندھلہ کے لوگوں نے بڑے اعزاز و اکرام سے اُمّی بی کے گھر میں اُن کو ٹھہرایا اور بڑی خاطر کی۔

دوسری جماعت رائے پور کے لئے | اس کے بعد رائے پور (ضلع سہارنپور) جماعت کے جانے کی تحریک کی اور شوال ہی میں دس گیارہ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے لئے۔

رائے پور بھی اطمینان کی جگہ تھی اور ایک دینی و روحانی مرکز تھا، نیز مولانا عبدالقادر صاحب (جانشین شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری) سے یک جہتی اور

یگانگت کی بنا پر وہاں سے بھی کوئی تکلف اور اجنبیت نہیں تھی۔

نمبر دار محراب خاں کو نمونیا تھا، فرمایا آج نہیں کل چلے آنا، آپ نے رات کو ان کے لیئے دعا کی نمونیا اچھا ہو گیا اور وہ رائے پور کے لیے روانہ ہو گئے۔

قاری داؤد صاحب کا بچہ قضا کر گیا تھا وہ بچے کو دفن کرتے ہی گھر واپس ہوئے بغیر روانہ ہو گئے۔

میوات کے منظم دورے | آپ نے میوات کی تحصیلوں کے نقشے اور پورے ضلع گوڑگانوہ کا نقشہ تیار کرایا، سمتیں اور لائنیں قائم کی گئیں اور آپ نے ہدایت کی کہ تمام مبلغین کارگزاری قلم بند کریں، گاؤں کی آبادی اور ایک گاؤں کا دوسرے گاؤں سے فاصلہ لکھا جائے، آس پاس کے بڑے بڑے گاؤں اور اُن کے نمبرداروں کے نام لکھے جائیں اور بتلایا جائے کہ کون لوگ زیادہ آبادہیں۔

چتوڑا تحصیل فیروز پور میں ایک جلسہ ہوا جس میں سولہ جماعتیں بنیں، ہر جماعت ایک امیر اور ہر چار جماعتوں پر ایک امیر الامراء کا تقرر ہوا، سارے ملک میوات میں ان جماعتوں کے ایک مرتبہ دورہ کر جانے کا انتظام کیا گیا اور اس کی شکل یہ اختیار کی گئی کہ چار جماعتیں پہاڑ کے اوپر دورہ کرنے کے لئے نامزد ہوں اور چار جماعتیں ان گانوؤں میں جو سڑک اور پہاڑ کے درمیان واقع ہیں، اور چار جماعتیں اس سڑک کے جو ہوڈل سے دہلی کو جارہی ہے اور اس سڑک کے درمیان جو الور سے دہلی کو جاتی ہے، اور چار جماعتیں اُس سڑک کے جو ہوڈل سے دہلی کو جاتی ہے اور جمنا کے درمیان کام کریں۔

ہر جگہ نظام الدین سے ایک آدمی خیر خبر لینے اور تقریر کرنے کے لئے آتا۔

فریدآباد میں سب جماعتیں اکٹھا ہوئیں، مولانا بھی تشریف لائے، جلسہ ہوا، فریدآباد سے سولہ جماعتیں مختلف راستوں سے چار جماعتوں میں منقسم ہو کر جامع مسجد دہلی میں جمع ہوئیں، جلسہ ہوا اور وہاں سے جماعتیں پانی پت، سونی پت، اور دوسرے مقامات کی طرف بڑھیں۔

اس عرصہ میں میوات میں تبلیغی گشتوں اور دین سیکھنے کے لئے سفر و ہجرت کی تحریص و ترغیب اور تذکیر کا سلسلہ برابر جاری رہا، مولانا کا اب یہی مطالبہ اور یہی دعوت تھی، جو اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پیش کرتے رہتے تھے، اس سلسلے میں میوات کے بکثرت دورے اور مختلف مقامات پر جلسے ہوئے، ہر جگہ نئے نئے عنوانات اور فضائل و ترغیبات کے ساتھ یہی ایک مضمون پیش فرماتے رہے اور قوم سے اسی کا مطالبہ کرتے رہے اور اسی میں اُس کے دینی و دنیاوی فروغ کا یقین دلاتے رہے، یہاں تک کہ اس مشکل کام سے وحشت کم ہوگئی۔

میوات کے اندر و باہر دورہ کرنے کے لئے جماعتیں بکثرت بننے لگیں اس پر ہمیشہ زور دیا جاتا رہا کہ ملک میں دوسری چیزوں کی طرح اس کا بھی عام رواج ہو جائے اس کے لئے مناسب مقامات میں جلسے اور اجتماعات بھی کئے جاتے تھے، ہر جلسے سے کچھ نئی جماعتیں تیار ہو کر اطراف و جوانب یا یو۔پی کا گشت کرنے کے لئے نکلتیں، لوگ اپنے اپنے وقتوں کی پیش کش کرنے لگے روپے پیسے کے چندے کا رواج تو دنیا میں تھا ہی دین کے واسطے اوقات (ہفتوں اور مہینوں) کے چندے کا پہلی مرتبہ میوات میں رواج شروع ہوا۔

مولانا کام کرنے والوں میں دین کے لئے ایثار و قربانی کی روح پیدا کرنا چاہتے

تھے اور ان کو اللہ کے لئے کھیتی باڑی کا نقصان اور اپنے کاروبار کا حرج برداشت کرنے کا عادی بنانا چاہتے تھے، میوات میں ایک مدت کے بعد اس کا آغاز ہوا کہ دین کے لئے دنیاوی کاموں کا نقصان برداشت کیا جائے اور دنیا کا خطرہ مول لیا جائے یہ الگ بات ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کی نوبت نہیں آنے دی اور نکلنے والوں کو واپس آکر معلوم ہوا کہ ان کی غیبی مدد ہوئی اور ان کی کھیتی باڑی اور دوکانداری کو اس عرصہ میں زیادہ فروغ ہوا۔

میوات میں دین کی عام اشاعت | ان رضاکار مبلغین کی وجہ سے جو بہت بڑی تعداد میں اپنا سامان اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے، اپنا ضروری خرچ یا خوراک ساتھ باندھے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھرتے رہتے تھے، تھوڑی مدت میں اس وسیع علاقہ میں دین اور دین داری کی ایسی عام اشاعت ہوئی اور اس تاریک خطہ میں جو صدیوں سے تاریک چلا آرہا تھا ایسی روشنی پھیلی جس کی نظیر دور دور نہیں مل سکتی، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ اگر کوئی اسلامی سلطنت اپنے سارے وسائل استعمال کرتی اور لوگوں کو دین سے قریب کرنے کے لئے اور دین سے واقف کرنے کے لئے بہت بڑا تنخواہ دار عملہ رکھتی یا سینکڑوں کی تعداد میں مدارس و مکاتب قائم کرتی تو وہ اپنی سلطنت کے کسی علاقہ میں اس خوبی کے ساتھ دین نہیں پھیلا سکتی تھی اور زندگی کا انقلاب تو مادی وسائل کے قابو سے بالکل ہی باہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کے کام کا صحیح طرز وہی ہے جو قرن اول میں تھا، اسلام کے سپاہی لڑنے کے لئے ہتھیار اور کھانے کے لئے سامان خوراک اپنے گھر سے لاتے تھے اور شہادت کے شوق اور رضائے الٰہی کی طلب میں جہاد کرتے تھے۔ اسی طرح

ان کے مبلغ اور داعی، ان کے محتسب اور واعظ اللہ کا حکم اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنے فرائض دل جمعی اور دیانت داری سے ادا کرتے تھے، میوات کی اس دینی نقل و حرکت میں اس مبارک دور کی ایک ہلکی سی جھلک تھی اگر کوئی ان مبلغین کے قافلوں کو اس حالت میں گزرتا ہوا دیکھتا کہ کاندھوں پر کمبل پڑے ہوئے بغل میں سیپارے دبے ہوئے، ہیں چادر کے پلو میں چنے یا چند روٹیاں بندھی ہوئی ہیں، زبانیں ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں، آنکھوں میں شب بیداری کے آثار، پیشانیوں پر سجدے کے نشانات ہاتھ پاؤں سے جفاکشی اور مشقت کا اظہار ہو رہا ہے تو دیکھنے والے کے سامنے بیر معونہ کے ان شہید صحابیوں کی ایک دھندلی سی تصویر پھر جاتی جو قرآن اور احکام دین کی تعلیم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جا رہے تھے اور شہید کر دئیے گئے تھے۔

فضا کی تبدیلی رفتہ رفتہ میوات کی فضا بدلنے لگی اور موسم کے تغیر کے اثرات جا بجا ظاہر ہونے لگے، زمین میں ایسی روئیدگی اور قابلیت پیدا ہونے لگی دین کی چیزوں کے نشو و نما پانے اور سرسبز و بار آور ہونے کی امید پیدا ہو گئی، اب دین کی ہر چیز کے لئے مستقل جہاد کی ضرورت نہیں رہی، اگرچہ کام بہت باقی تھا اور بعض رسمیں قابل اصلاح اب بھی باقی ہیں، مگر ان مقامات میں جہاں کام زیادہ ہو چکا تھا صرف اتنا کہنا اور بتلانا کافی تھا کہ یہ دین کی چیز ہے اور اللہ و رسول کا حکم ہے۔

مولانا کے نزدیک کام کی یہی صحیح ترتیب تھی کہ لوگوں میں حقیقی ایمان، دین کی طلب اور قدر اور آخرت کے لئے دنیا میں اپنے جان و مال کا نقصان گوارا کرنے کی قابلیت پیدا ہو جائے پھر پورے دین کی صلاحیت از خود پیدا ہو جائے گی۔

چنانچہ میوات میں دین داری کے وہ اثرات ظاہر ہونے لگے جن میں سے ایک

ایک کے لئے اس سے پہلے اگر برسوں جد وجہد کی جاتی تو شاید کامیابی نہ ہوتی بلکہ اُلٹی ضد پیدا ہو جاتی، ملک میں دین کی رغبت پیدا ہو گئی اور اس کے آثار نظر آنے لگے، جس علاقہ میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی، وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئیں اور دیکھتے دیکھتے اس ملک میں ہزاروں مسجدیں بن کر کھڑی ہو گئیں، صدہا مکتب اور متعدد عربی کے مدرسے[1] قائم ہو گئے، حفاظ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ فارغ التحصیل علماء کی بھی ایک خاصی بڑی تعداد پیدا ہو گئی[2]۔ ہندوانہ وضع ولباس سے نفرت پیدا ہونے لگی اور اسلامی وشرعی لباس کی وقعت دلوں میں پیدا ہو گئی، ہاتھوں سے کڑے اور کانوں سے مُرکیاں اترنے لگیں، بے کہے آدمیوں نے ڈاڑھیاں رکھنی شروع کر دیں، شادیوں سے مشرکانہ اور خلاف شرع رسوم کا خاتمہ ہونے لگا، سود خواری کم ہو گئی، شراب نوشی تقریباً ختم ہو گئی، قتل وغارت گری کی واردات میں بہت کمی ہو گئی، جرائم، فسادات اور بداخلاقیوں کا تناسب پہلے کے مقابلے میں بہت گھٹ گیا۔ بے دینی، بدعات و رسوم اور فسق وفجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا وفضا نہ پانے کی وجہ سے خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔

اس حقیقت کو ایک سن رسیدہ تجربہ کار میواتی نے بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کیا جس پر کسی اضافے کی گنجائش نہیں، قاری داؤد صاحب نے ایک بوڑھے

---

[1] میوات میں عربی کا مرکزی مدرسہ نوح کا مدرسہ معین الاسلام ہے جس کی بنیاد مولانا کے ہاتھوں سے ۱۳۵۷ھ میں رکھی گئی۔ خان بہادر شیخ عزیز الدین صاحب دہلوی مرحوم کو اس کی تعمیر وترقی سے بڑی دلچسپی تھی اور انھوں نے اس میں بڑی فراخ حوصلگی سے حصہ لیا۔ آپ نے ۲۲ دسمبر ۱۹۶۸ء کو انتقال فرمایا۔

[2] اس سلسلہ میں سب سے بڑا احسان مولانا عبد السبحان صاحب کا ہے جو علمائے میوات کے استاد و مربی ہیں، آپ کے درس اور آپ کے مدرسہ واقع قرول باغ دہلی سے بکثرت میواتی طلبہ عالم اور فارغ التحصیل ہو کر نکلے

میواتی سے اس کا عندیہ لینے کے لئے پوچھا کہ تمہارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ بوڑھے میواتی نے کہا۔ "اور تو میں کچھ جانتا نہیں، اتنا جانوں کہ جن باتوں کے لیے پہلے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہیں۔ اور جن باتوں کو بند کرنے کے لیے پہلے بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند نہیں ہوتی تھی وہ اب بے کہے سنے خود بخود بند ہوئی جا رہی ہیں۔"

مولانا کے نزدیک اس اصلاح و تغیر کا سب سے بڑا سبب اہل میوات کا باہر نکلنا اور خصوصاً یو۔پی کے دینی مرکزوں میں جانا تھا، ایک میواتی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

> جماعتوں کے یو۔پی کے خطہ میں نکلنے کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں کہ باوجود افراد کی (صرف) تھوڑی سی مقدار کے نکلنے کے جو دو سو کو بھی نہیں پہنچی اور وقت کی، تھوڑی سی مقدار کے جو اپنے گھروں کے مقابلہ میں کچھ بھی شمار ہونے کی حیثیت نہیں رکھتی، اتنے قلیل زمانہ کا اتنا اثر ہوا کہ انقلاب عظیم کا لفظ زبانوں پر آنے لگا اور تمہارے ملک کی نحوس اور کامل جہالت والے لوگوں کے ناپاک جذبات، دین پھیلانے کے مبارک جذبات سے بدلنے لگے[1]

لیکن مولانا کے نزدیک اگر باہر نکلنے کو قوم جزو زندگی نہ بنائے گی اور دین کے لیے جد و جہد کرنا چھوڑ دے گی تو قوم پہلے سے زیادہ گر جائے گی، اب مذہبی بیداری کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں میوات کی طرف ہیں، ان ہزاروں نگاہوں کے ساتھ ہزاروں فتنے ہیں، جہالت و مجہولیت (گمنامی) کا حصار ٹوٹ چکا ہے، اب زیادہ چوکنا اور ہوشیار

---

[1] بنام میاں محمد عیسیٰ (فیروز پور نمک)

بہنے کی ضرورت ہے، ایک گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں ؛۔

"جب تک تبلیغ کے لئے، چار چار مہینے ملک در ملک پھر کر اپنی قوم میں بزرگ زندگی بنانے کی کوشش کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگ کھڑے نہیں ہونگے اس وقت تک قومیت صحیح دینداری کا مزہ نہیں چکھے گی اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہیں ہوگا، اب تک جو مقدار ہے ایک عارضی ہے اگر کوشش چھوڑ دوگے تو قوم اس سے زیادہ گرے گی۔ اب تک جہالت اس کی حفاظت کر رہی تھی اور شدت جہالت کی وجہ سے دوسری قومیں ان کو ہستی میں شمار نہ کرنے کی وجہ سے توجہ نہیں کرتی تھیں، اب تاوقتیکہ دین کی قلعہ بندی سے اپنی حفاظت نہیں کریں گے دوسری قوموں کا شکار ہو جاویں گے"[1]

دہلی کے مبلغین دہلی اور دوسرے مقامات پر تبلیغ کرنے کے لیے کچھ عرصہ سے پانچ تنخواہ دار مبلغین رکھے ہوئے تھے جو قریب قریب تبلیغ مروجہ عام طریقوں پر کام کرتے تھے انھوں نے تقریباً ڈھائی سال کام کیا لیکن ان سے مولانا کا مقصود حاصل نہیں ہوتا تھا اور مولانا اس سست اور بے روح کام سے بہت اکتا گئے تھے، ان لوگوں کے کام سے وہ دینی و اصلاحی نتائج حاصل نہیں ہو رہے تھے اور وہ حرکت و زندگی نہیں پیدا ہو رہی تھی جو میوات کے رضاکار اور طالب اجر اور ایثار پیشہ مبلغین سے پیدا ہو گئی تھی، مولانا اس طریقۂ کار سے بالکل غیر مطمئن ہو گئے تھے اور اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔

آخری حج اور حرمین میں دعوت مولانا کو اس کی بڑی آرزو تھی جو آخر وقت تک قائم رہی۔ کہ اگر ہندوستان کا کام کچھ جم جائے تو آپ اپنے چند مخصوص رفقاء کے ساتھ اسلام کے مرکز

[1] مکتوب بنام میاں محمد عیسیٰ (فیروز پور نمک)

میں جاکر اس کام کی دعوت دیں اور وہاں اس کو شروع کریں کہ یہ وہیں کی سوغات ہے۔ اور وہاں کے رہنے والے اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ ہٰذہ بضاعتنا ردت الینا کہہ کر اس کا استقبال کریں اور پھر ان کے ذریعہ سے یہ دولت عالم اسلام میں گھر گھر بٹے۔

۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء میں آپ کے دل میں بڑی شدت سے اس کا داعیہ پیدا ہوا اور آپ ۱۸ ذی قعدہ کو حج کے لئے روانہ ہو گئے۔[۱]

جہاز میں تبلیغ اور مناسک حج کا بہت کافی چرچا رہا، جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے بحرہ کے قیام میں وہاں کے رؤسا کو جمع کر کے مولانا نے تقریر فرمائی اور ان سب نے تحسین کی ایام حج چونکہ قریب تھے اور رہائش وغیرہ کا سامان بھی کرنا تھا اس لئے مکہ معظمہ میں تبلیغ کے متعلق کسی سے کچھ تذکرہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، البتہ منیٰ کے قیام میں مختلف اطراف کے حجاج سے گفتگو ہوئی، مولانا نے ایک اجتماع میں تقریر فرمائی جس کا اچھا اثر ہوا۔[۲]

حج سے فراغت کے بعد بعض ہندی اہل الرائے اصحاب سے مشورہ ہوا انھوں نے حجاز کے حالات و مصالح کے پیش نظر تبلیغ کے ارادہ کی سخت مخالفت کی پھر مولانا محمد شفیع الدین صاحب[۳]

---

[۱] آپ کے رفقا سفر میں مولانا احتشام الحسن صاحب، صاحبزادہ مولوی محمد یوسف صاحب، مولوی انعام الحسن صاحب مولوی نور محمد صاحب، حاجی عبدالرحمٰن صاحب، مولوی ادریس صاحب، مولوی جمیل صاحب اور دوسرے ہمراہیوں میں منشی طفیل احمد صاحب مولوی ظہیر الحسن صاحب اور ماسٹر محمود الحسن صاحب تھے، نظام الدین اور میوات کا تبلیغی کام اور مکاتب مولوی سید رضا حسن صاحب کے اور دہلی کا کام حافظ مولوی مقبول حسن صاحب کے سپرد تھا، کام کی نگرانی اور مختلف معاملات و مسائل کی سربراہی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ذمہ تھے جملہ مدات کی تجویز دینا جلسوں میں جانا، ترقیاں، نئے مدارس کا قیام اور مشورہ طلب امور شیخ حاجی رشید احمد صاحب کی رائے سے طے پاتے تھے۔ [۲] مکتوب مولانا احتشام الحسن بنام شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ [۳] مولانا محمد شفیع الدین صاحب نگینہ ضلع بجنور کے رہنے والے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلفا میں سے تھے، ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ بزرگان دیوبند اور حاجی صاحبؒ کے سلسلے کے حضرات سے خصوصی تعلقات تھے صاحب احوال و کمالات بزرگ تھے۔

سے تذکرہ آیا، حضرت موصوف نے بڑے زور سے تائید کی اور فرمایا کہ مجھے غیبی امداد و اعانت کی قوی امید ہے، ایک جمعہ کو محمد سعید باسلامہ مکی کے یہاں دعوت تھی، کھانے کے بعد مولانا نے کچھ تقریر فرمائی جس کے بعض فقروں پر وہ برافروختہ ہوگئے، بمشکل ان کو سنبھالا گیا اور پھر انہوں نے بہت سے مفید مشورے دئے۔

بحرین کی ایک جماعت حجاج سے گفتگو ہوئی اور کافی دیر تک تبادلۂ خیالات ہوتا رہا، انہوں نے عہد کیا کہ ہم ضرور اس کام کو جاکر شروع کریں گے، ان میں دو شخص ذی علم تھے، سب کے بشرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بات کی قدر کر رہے ہیں اور بہت زیادہ اس کام کے لئے آمادہ ہیں، حجاز کے بعض سربرآوردہ ہندوستانی تجار سے گفتگو ہوئی، پہلے وہ مولانا کی تقریر سے کچھ چونکے مگر دوبارہ بات چیت کرنے پر بہت حد تک آمادہ ہوگئے ان کی اور سب کی رائے ہوئی کہ پہلے سلطان سے اجازت لی جائے، چنانچہ قرار پایا کہ پہلے اغراض و مقاصد کو عربی میں قلمبند کیا جائے۔ پھر سلطان کے سامنے پیش کیا جائے۔ مولانا احتشام الحسن، عبداللہ بن حسن شیخ الاسلام اور شیخ بن بلیہد سے اپنے طور پر ملے۔[1]

دو ہفتہ کے بعد (۱۴ر مارچ ۱۹۳۸ء) کو مولانا، حاجی عبداللہ دہلوی، عبدالرحمٰن مظہر شیخ المطوفین اور مولوی احتشام الحسن صاحب کی معیت میں سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ جلالۃ الملک نے بہت اعزاز کے ساتھ مسند سے اتر کر استقبال کیا اور اپنے قریب ہی معزز ہندی مسلمانوں کو بٹھایا، ان حضرات نے تبلیغ کا معروضہ پیش کیا جس پر سلطان نے تقریباً چالیس منٹ تک توحید و کتاب و سنت اور اتباع شریعت پر مبسوط تقریر کی، اس کے بعد بہت اعزاز کے ساتھ مسند سے اتر کر رخصت کیا۔ اگلے روز سلطان

---

[1] مکتوب مولانا احتشام الحسن صاحب مورخہ ۲۰ر فروری ۱۹۳۸ء۔

نے نجد کا قصد کیا اور ریاض کے لئے روانہ ہو گئے[۵]

مولوی احتشام الحسن صاحب نے مقاصد تبلیغ کو اختصار کے ساتھ نوٹ کر کے شیخ الاسلام رئیس القضاۃ عبداللہ بن حسن کے یہاں پیش کیا، مولانا اور مولوی احتشام صاحب ان کے یہاں خود بھی گئے، انھوں نے بہت اعزاز و اکرام کیا اور ہر بات کی خوب تائید کی اور زبانی ہمدردی و اعانت کا وعدہ کیا لیکن اجازت کو نائب عام امیر فیصل کے مشورہ پر محمول کیا[۶]۔

مکہ معظمہ کے دوران قیام میں صبح شام دونوں وقت جماعت تبلیغ کے لیے جاتی تھی اور حسب استطاعت انفرادی طور پر لوگوں کو تبلیغی باتوں پر آمادہ کرتی تھی۔ چند جلسے بھی ہوئے جن میں مولوی ادریس اور مولوی نور محمد صاحبان نے اُردو میں تقریر کی، سننے والے مانوس اور قدردان ہونے لگے[۶]۔

رفقاء حج کو مولانا کی تاکید تھی کہ عمرہ اور دوسری عبادات سے زیادہ تبلیغ کا اہتمام کریں کہ اس زمانہ اور اس مقام مقدس میں بالخصوص، اس سے افضل کوئی عبادت اور عمل نہیں ہے[۵]۔

خواص و علما کے ایک اجتماع میں آپ نے یہ سوال پیش کیا کہ مسلمانوں کے تنزل کا سبب کیا ہے؟ حاضرین نے اپنے طرز کے مطابق اس کا جواب دیا۔ آخر میں آپ نے خود اظہار خیال فرمایا اور دعوت پیش کی جس سے لوگوں نے اتفاق کیا اور متاثر ہوئے۔

ایک عارف کی توثیق | صاحب زادہ مولوی محمد یوسف صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ اپنے قیام گاہ پر جو باب العمرہ کے برابر والے مکان میں تھی، بیٹھے ہوئے تھے، حضرت

[۱، ۲، ۵] مکتوب مولانا احتشام الحسن مورخہ ۳۰ مارچ ۱۳۵۷ھ۔ [۶] مکتوب مولوی انعام الحسن صاحب بنام شیخ الحدیث

بچھ رہا ہے تھے اور ہم سب سن رہے تھے کہ ایک شخص دروازہ کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے اور خطاب کرکے کہا کہ جو کام تم کررہے ہو، اس میں مشغول رہو اس کا اجر وانعام اتنا بڑا ہے کہ اگر تمھیں بتلا دیا جائے تو برداشت نہ کرسکو شادیِ مرگ ہوجائے، یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلے گئے اور ہمیں کچھ معلوم نہ ہوا کہ وہ کون بزرگ تھے، مولانا بدستور اپنی گفتگو میں مشغول رہے اور ادھر التفات بھی نہ کیا۔

۲۵ر صفر ۵۷ھ ہجری کو مکہ معظمہ سے موٹر پر روانہ ہوکر ۲۷ر کی صبح کو مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں بھی تبلیغی سعی شروع ہوئی معلوم ہوا کہ امیر مدینہ کو اجازت دینے کا کوئی اختیار نہیں، وہ کاغذات مکہ مکرمہ بھیج دیں گے، وہاں سے جیسا حکم آئے گا تعمیل کی جائے گی۔ مولانا مولوی سید محمود صاحب اور مولوی احتشام الحسن صاحب کی معیت میں امیر مدینہ سے ملے اور ان سے اپنے مقصد کا بھی اظہار کیا جس کو انھوں نے پسند فرمایا اور زبانی کافی تحسین کی۔[1]

انفرادی طور پر مختلف قسم کے لوگوں سے گفتگو اور مذاکرے رہے اس مقصد کو لے کر دو مرتبہ قبا بھی جانا ہوا، وہاں ایک اجتماع میں مولانا نے تقریر بھی فرمائی چند آدمی آمادہ بھی ہوئے۔[2]

دو مرتبہ اسی مقصد کے لئے اُحد بھی جانا ہوا، ایک اجتماع میں مولوی نور محمد اور مولوی یوسف صاحب نے عربی میں اظہار خیال بھی کیا اور لوگوں نے ترغیب و تحسین کی۔[3] بڑوں سے بھی بات چیت ہوتی تھی بچوں کے کلمے بھی سنے جاتے تھے اور رباط

---

[1] مکتوب مولانا احتشام الحسن صاحب بنام شیخ الحدیث مورخہ ۱۱ر ربیع الاول ۵۷ھ مطابق ۱۱ر مئی ۳۸ء

[2] مکتوب مولوی محمد یوسف صاحب بنام شیخ الحدیث ۱۲ر ربیع الاول ۵۷ ہجری

میں بھی جانا ہوتا تھا،[۵۸] کام کی طرف سے کبھی امید پیدا ہوتی کبھی ناامیدی، لیکن اس سفر سے اس قدر اندازہ ہوگیا کہ ہندوستان کے مقابلہ میں عرب میں تبلیغ کی زیادہ ضرورت ہے۔[۵۹]

ہندوستان واپسی | آپ قیام حجاز کے دوران میں میوات و دہلی کے کام اور کام کی رفتار سے بے خبر اور بے تعلق نہیں رہے ہندوستان سے برابر خطوط جاتے تھے جن سے کام کی رفتار اور تفصیلات معلوم ہوتی رہتی تھیں، آپ ان خطوط کے برابر جوابات دیتے تھے جن میں کام کے متعلق ہدایت و ترغیب ہوتی تھی۔

مدینہ منورہ کے پندرہ روزہ قیام کے بعد اہل الرائے کے مشورہ سے آپ نے ہندوستان کی واپسی کا قصد فرمالیا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے مکہ مکرمہ کے ایک صاحب کو ان کے استفسار پر ایک خط لکھا تھا جس سے اس کی کچھ تفصیل معلوم ہوگی۔

محترم بندہ دام مجدکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنے کا باعث یہ ہوا کہ مدینہ منورہ میں پندرہ روزہ قیام کے بعد میں نے صبح کو جائے پیتے ہوئے کام کو بڑے زور استقلال اور محکم بنیاد کے ساتھ شروع کرنے کے بعض طریقوں کی طرف توجہ دلائی تو ہمارے جملہ اہل الرائے نے استحکام کے ساتھ کام جاری ہونے کے لیے کم از کم دو سال کے قیام کو ضروری بتایا جو صحیح تھا، میری رائے نے اتفاق کیا، لیکن اتنے قیام سے ہندوستان میں جو کام تھا اُس کے ضائع ہوجانے کا قوی خطرہ تھا، اس لئے یہاں کے کام کو ایسے اندازہ پر ڈالنے کی نیت ہے کہ جس میں وہاں استقلال

---

[۵۸] مکتوب مولوی محمد یوسف صاحب بنام شیخ الحدیث ۱۲ ربیع الاول ۵۷ھ ہجری

[۵۹] مکتوب مولانا احتشام الحسن صاحب بنام شیخ الحدیث ۱۲ ربیع الاول ۵۷ھ ہجری ۱۹۳۹ء

سے کام کر سکوں، عارضی قیام کی نیت سے واپس ہوا ہوں، آپ صاحبوں کو دینِ محمدی کی اگر حفاظت و بقا کا صحیح درد ہے اور آپ کے مشاغل سے دینِ محمدی زیادہ کام کی تیسیر و کار آمد ہے اور میرا یہ طریقہ آپ کے نزدیک ٹھیک بھی ہے تو میرے اصول کو براہِ راست خود سمجھتے ہوئے اور وہاں کی جماعت کے لوگوں کو براہ راست خود اصول کے سمجھنے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کام میں اپنی جانبازی و جاں نثاری کے ذریعہ اپنے ایمان کو مضبوط فرمائیں۔ فقط

والسلام

از بندہ محمد الیاس

نظام الدین۔ دہلی

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"کیسا غلط رواج ہو گیا ہے، دوسرے لوگ ہماری بات مان لیں تو اسکو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور نہ مانیں تو اس کو ہماری ناکامی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس راہ میں یہ خیال کرنا بالکل ہی غلط ہے، دوسروں کا ماننا یا نہ ماننا تو ان کا فعل ہے، انکے کسی فعل سے ہم کامیاب یا ناکام کیوں کیسے جائیں، ہماری کامیابی یہی ہے کہ ہم اپنا کام پورا کر دیں، اب اگر دوسروں نے نہ مانا تو یہ انکی ناکامی ہے۔ ہم انکے نہ ماننے سے ناکامیاب کیوں ہو گئے؟ لوگ بھول گئے، وہ منوا دینے کو (جو درحقیقت خدا کا کام ہے) اپنا کام اور اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے، حالانکہ ہماری ذمہ داری صرف بطریق حسن اپنی کوشش لگا دینا ہے منوانے کا کام تو پیغمبروں کے سپرد نہیں کیا گیا۔

ہاں نہ ماننے سے یہ سبق لینا چاہئے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی اور ہم سے حق ادا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ نتیجہ ہمیں دکھلایا اور اس کے بعد اپنی کوشش کی مقدار بڑھا دینے اور دعاء و توفیق طلبی میں بھی کماً و کیفاً اضافہ کرنے کا عزم کر لینا چاہئے۔"

باب پنجم

میوات میں کام کا استحکام اور میوات کے باہر شہروں میں دعوت و تبلیغ

ہندوستان واپس آکر آپ نے میوات میں اپنی تبلیغی سرگرمی بہت بڑھا دی، بکثرت دورے اور جلسے اور گشت ہوئے، دوبارہ جماعتوں کی آمد شروع ہوئی اور میواتی جماعتیں یوپی کے شہروں اور قصبات میں پھرنے لگیں، شہری مسلمانوں کی طرف بھی دعوت کا رُخ ہوا، اور میوات کی طرح دہلی میں بھی خالص تحریص و ترغیب کے ذریعہ اجر و رضائے الٰہی کے شوق میں کام کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، محلوں میں جماعتیں بنیں اور ہفتہ وار گشت کی ابتدا ہوئی۔

مولانا کے قلبی تاثرات اور دعوت کا محرک شہروں کی حالت دیکھ کر مولانا کی حساس اور فکری طبیعت پر چند تاثرات غالب تھے جن کی وجہ سے دل میں ایک درد اور بے کلی سی رہتی تھی۔

ا۔ شہروں میں دینداری مزدور موجود تھی مگر وہ برابر سمٹتی اور سکڑتی چلی جا رہی تھی پہلے دینداری جمہور سے نکل کر مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد میں محدود ہو گئی تھی پھر

بعد دین کا دائرہ اور تنگ ہوا اور دین عوام سے نکل کر صرف خواص کے دائرہ میں رہ گیا، دیکھتے دیکھتے خواص سے اخص الخواص میں سمٹ کر آ گیا۔ اب دینداری افراد میں لگ گئی تھی اور ان افراد میں بھی برابر کمی آتی چلی جا رہی تھی، اس میں شبہ نہیں کہ کہیں کہیں دینداری کی بہت بڑی مقدار بھی ایک جگہ جمع ہو گئی تھی اور بعض اوقات اس کو دیکھ کر آدمی کا دل باغ باغ ہوتا کہ الحمد للہ اس زمانہ میں بھی دینداری کے ایسے بلند نمونے موجود ہیں، مگر دین کا پھیلاؤ جاتا رہا تھا اور سرعت کے ساتھ انحطاط کی طرف جا رہا تھا، اس سے یہ خطرہ تھا کہ ان افراد کے اٹھ جانے سے دین داری ہی دنیا سے نہ اٹھ جائے اور سمٹتے سمٹتے مسلمانوں کے صفحۂ زندگی میں دینداری کہیں صرف ایک نقطہ بن کر نہ رہ جائے۔

مولانا کی آنکھوں کے سامنے دین داری میں سخت انحطاط اور تنزل ہو گیا تھا، جو خاندان اور قصبات رشد و ہدایت کے مرکز تھے اور جہاں صدیوں سے علم و ارشاد کی شمع روشن چلی آ رہی تھی اور دیئے سے دیا جلتا چلا آ رہا تھا، وہ بے نور ہوتے چلے جا رہے تھے، جو اٹھتا تھا اپنی جگہ خالی چھوڑ جاتا تھا، اور پھر وہ جگہ تاریک ہو جاتی تھی۔ ضلع مظفر نگر و سہارن پور و دہلی کے مردم خیز قصبات کے دینی انحطاط سے مولانا ذاتی واقفیت رکھتے تھے اور اس کا ان کو بڑا قلق رہتا تھا مولانا نے ایک تعزیت نامہ میں یہ الفاظ لکھے تھے:"افسوس کہ حق جل وعلا کے نام کے ساتھ ذائقہ لینے والے دنیا میں پیدا تو ہوتے نہیں اور جو صحبتوں کی برکتوں سے بھرپور ہو چکے ہیں وہ اٹھتے چلے جاتے ہیں اور کچھ بدل نہیں چھوڑتے۔"

مولانا اس نقصان کی تلافی اس طرح کرنا چاہتے تھے کہ دین عام طور پر مسلمانوں

میں پہلے اور دینداری عام ہو، پھر ان میں خواص اہلِ دین پیدا ہوں۔ یہی پہلے بھی ہوا ہے اور اسی طرح اب بھی ہو تو کام چلے،

علم دین کا حال دینداری سے بھی بد تر تھا، وہ تو بہت پہلے خاص الخاص لوگوں اور گھرانوں سے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ عام مسلمان دین سے بالکل بے بہرہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مولانا کا رجحان اس بارہ میں بھی یہی تھا کہ علم دین مسلمانوں میں پھیل جائے اور کوئی مسلمان ایسے ضروری علم دین سے جس کے بغیر بحیثیت مسلمان کے زندگی گزارنا مشکل ہو بے بہرہ نہ رہے پھر ان میں خواص اہل علم، ماہر فن اور صاحب فضیلت پیدا ہوں۔

۲۔ دین کو شہری مشغول مسلمانوں نے نہایت مشکل سمجھ لیا ہے، اور اس کو ہوا بنا رکھا ہے، اُن کے نزدیک دین نام ہے ترکِ دنیا کا اور چونکہ ترک دنیا مشکل ہے اس لئے دین بھی ناممکن العمل ہوا، اور وہ اس بنا پر دین کی طرف سے مایوس ہو کر دنیا میں ہمہ تن منہمک ہو گئے اور غضب یہ ہوا کہ اپنی زندگی کو خالص دنیاوی اور غیر اسلامی زندگی سمجھتے ہوئے اس پر راضی اور مطمئن ہو گئے، اُن کی زندگی کی نسبت اور رشتہ خدا سے کٹ کر نفس سے جڑ گیا اور اُن کی دنیاوی زندگی کی حقیقت وہ ہو گئی جس کو حدیث میں خدا سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے خدا کی رحمت سے دور کہا گیا ہے:۔

الدنیا ملعونۃ وملعون ما فیھا الا ذکر اللہ وما والاہ او عالم او متعلم۔

(خالص دنیا اور خالص دنیا کی چیزیں (جو خدا سے علاقہ نہ رکھتی ہوں) خدا کی رحمت سے دور ہیں صرف اللہ کا ذکر (وسیع معنی میں) اس کے متعلقات اور علم و تعلم کا سلسلہ اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کی نسبت اللہ سے ہے) نوبت یہاں تک پہونچی کہ اگر دین کی طرف توجہ بھی دلائی جاتی ہے تو بعض مسلمان بے تکلف کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار

لوگ ہیں اور بعض تو یہاں تک تواضع اور صاف گوئی سے کام لیتے ہیں کہ کہہ دیتے ہیں صاحب ہم تو پیٹ کے بندے اور دنیا کے کتے ہیں"۔

مولانا کے نزدیک حقیقت اس کے بالکل خلاف تھی اپنے دنیاوی مشاغل اور تعلقات کو شریعت کے احکام کے ماتحت اور دین کے سایہ میں گذارنا دین ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو ہر مسلمان اپنی دنیاوی مشغولیت اور تعلقات کے ساتھ کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے تھوڑی سی توجہ اور معمولی سے علم دین کی ضرورت ہے، مولانا کے نزدیک اس حقیقت کی تبلیغ کی بڑی ضرورت تھی، اس کے نہ معلوم ہونے اور اس کی طرف توجہ نہ ہونے ہی سے مسلمانوں کا سوادِ اعظم دین کی دولت سے محروم ہوا جا رہا ہے اور دنیا پرستی اور نفس پروری پر قانع ہوتا چلا جا رہا ہے:۔

مولانا ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"دنیا کا مفہوم نگاہ میں بہت غلط ہے، معیشت دنیا کے اسباب میں مشغول ہونے کا نام دنیا ہرگز نہیں ہے۔ دنیا پر لعنت ہے اور لعنت کی چیز کا خدائے پاک کی طرف سے حکم نہیں ہو سکتا لہٰذا جس چیز کا حکم ہے اُس کا حکم سمجھ کر اُس کے اندر سرگرمی کرنا یعنی حکم کو تحقیق کرنا اور حکم کی عظمت کے ماتحت اُس کے حلال و حرام کا دھیان کرنا اسی کا نام دین ہے۔ اور حکم سے قطع نظر کرکے خود اپنی ضرورتوں کو محسوس کرنا اور حکم کے علاوہ کوئی اور وجہ اس کے ضروری ہونے کی قرار دینا اس کا نام دنیا ہے[۵]"۔

مولانا دین کی مثال اُس لعابِ دہن سے دیا کرتے تھے جس کی تھوڑی سی

---

[۵] بنام میاں محمد عیسیٰ فیروز پور نمک

مقدار کی شمولیت کے بغیر نہ کسی چیز میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور نہ وہ چیز ہضم ہوتی ہے یہ مقدار ہر انسان کے پاس موجود ہے، اسی طرح دین کی یہ ضروری مقدار ہر مسلمان کے پاس موجود ہے صرف اس کو اپنے دنیاوی مشاغل اور تعلقات میں شامل کرنے کی ضرورت ہے جس سے اس کی ساری دنیا دین بن جائے۔

۳۔ عرصۂ دراز سے علم دین کے متعلق یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ وہ صرف کتابوں اور نصاب اور خاص اساتذہ کے ذریعہ عربی مدارس میں کئی برس کی سخت محنت سے حاصل ہو سکتا ہے اور چونکہ ہر شخص مدرسہ کا طالب علم نہیں بن سکتا اور آٹھ، دس سال نہیں صرف کر سکتا، اس لئے عام مسلمانوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ علم دین ان کی قسمت میں نہیں اور طے کر لیا کہ ان کی زندگی جہالت ہی میں گذرے گی۔

یہ صحیح ہے کہ علم دین عربی مدرسوں میں حاصل ہوتا ہے مگر یہ دین کا تکمیلی علم اور درجۂ فضیلت ہے، لیکن ہر مسلمان کے لئے یہ علم اور یہ درجہ نہ ضروری ہے نہ ممکن ہے دین کا ضروری علم ہر مسلمان اپنے کاروبار، دنیاوی علائق و مشاغل کے ساتھ حاصل کر سکتا ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اصحاب صفہ کی محدود و اور اک مختصر جماعت کے سوا سب اپنے مشاغل اور تعلقات زن و فرزند رکھتے تھے۔ وہ تاجر بھی تھے اور کاشتکار بھی تھے اور اہل حرفہ بھی، ان کے ساتھ بھی گھر کا بار اور زندگی کا جنجال تھا۔ مدینہ منورہ میں علوم دینیہ کا کوئی مدرسہ بھی نہ تھا، اگر ہوتا بھی تو وہ اس کے باقاعدہ طالب علم نہیں بن سکتے تھے اور اپنے آٹھ دس برس صرف اس کی طالب علمی میں صرف نہیں کر سکتے تھے مگر سب جانتے ہیں کہ وہ ضروری علم دین رکھتے تھے اور دین کی ضروریات مسائل و احکام اور فضائل کے علم سے بے بہرہ نہیں تھے، یہ علم ان کے پاس کہاں

سے آیا؛ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شرکت وحضوری زیادہ جاننے والوں کے پاس بیٹھنے اور اہل دین کی صحبت واختلاط اور ان کے حرکات وسکنات کو بغور دیکھنے سفروں اور جہاد میں رفاقت اور ہر وقت اور ہر موقع احکام معلوم کرنے اور دینی ماحول میں رہنے سے اس میں شبہ نہیں کہ اس درجہ اور معیار کی بات آج حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی کچھ نہ کچھ صورت انہیں راستوں سے آج بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔

مولانا کے نزدیک اس کی تدبیر یہ تھی کہ مشغول اور کاروباری مسلمان کو اور عام اہل شہر کو دین کا ضروری علم حاصل کرنے کے لیے اپنے اوقات کا کچھ حصہ فارغ کرنے کی دعوت دی جائے اور دین کے لئے مال کی طرح وقت کی زکوٰۃ نکالنے پر آمادہ کیا جائے ان کو اس ماحول سے نکلنے کی دعوت دی جائے جس کے متعلق ان کا عمر بھر کا تجربہ ہے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے اپنی زندگی میں کوئی محسوس تبدیلی پیدا نہ کر سکے اور دین کے ابتدائی اور ضروری مسائل (ان کی ضرورت کا اقرار اور بعض اوقات عزم رکھنے کے باوجود) حاصل نہیں کر سکے، جہالت ونا واقفیت کے اس مقام پر جو شخص ۲۰۔۲۵ برس پہلے تھا، آج بھی ٹھیک اسی مقام پر ہے، جس کی نماز غلط تھی، اس کی نماز ۱۵ برس سے غلط ہی چلی آ رہی ہے جس کو دعائے قنوت یا نماز جنازہ کی دعا یاد نہیں تھی اس کو سیکڑوں وعظ سننے اور برسوں علما کے پڑوس میں رہنے کے باوجود اور ہزاروں کتابوں کے بازار میں بکنے کے باوجود ابھی تک وہ یاد نہیں ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ اس ماحول میں اس کے لئے تبدیلی اور ترقی کا صرف عقلی امکان اگرچہ ہے لیکن تجربہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔

پس اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ان کو عارضی طور پر اس غیر دینی اور جامد ماحول سے نکال کر کسی زندہ اور بیدار دینی ماحول میں رکھا جائے تاکہ وہ کچھ دنوں کے لئے اپنے قدیم ماحول کے اثرات سے آزاد ہوں، اپنے مشاغل سے فرصت پائیں ان کی دینی عزیمت اور قوتِ ارادی جو ماحول کی ناموافقت اور مشاغل کی مزاحمت سے شکست کھا کر افسردہ اور کمزور ہو چکی ہے پھر زندہ اور بیدار ہو، سویا ہوا دینی احساس اور طلب ان کے دلوں میں انگڑائی لے، اور ان میں دین حاصل کرنے کا پھر حوصلہ پیدا ہو۔

۴۔ مولانا کے نزدیک مسلمان کی زندگی کی اصلی ساخت یہ تھی کہ وہ اسلام کی نصرت و خدمت اور اس کے عملی کاموں میں شخصاً شریک ہو یا جو لوگ ان کاموں میں مشغول ہیں ان کے لئے پشت پناہ بنے لیکن اس کے ساتھ بھی ان کاموں میں خود عملاً شریک ہونے کا عزم اور جذبہ رکھتا ہو، اور صرف کسی معذوری یا دینی مصلحت کی وجہ سے ہی وقتی طور پر اس سے علیحدہ ہو، شہروں کی پرسکون اور کاروباری زندگی جس کو مولانا مہاجرانہ اور مجاہدانہ زندگی کے مقابلہ میں سکوتی زندگی فرماتے تھے، اسلام کی راہِ راست سے ہٹی ہوئی اور بگڑی ہوئی زندگی ہے۔

شہروں کی زندگی مدت ہائے دراز سے خالص کاروباری، کمانے اور کھانے کی زندگی رہ گئی ہے، مولانا اس طرزِ زندگی کو دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ اہل شہر بھی "ہجرت و نصرت" کی زندگی اختیار کریں اور شہروں میں بھی اس کا رواج ہو مولانا اس تقسیم کے قائل نہ تھے کہ کچھ لوگ دین کی خدمت کریں اور کچھ لوگ اطمینان سے اپنا کاروبار کریں اور دنیاوی ترقی میں مشغول رہیں اور کبھی کبھی اہلِ دین

کی مالی اعانت و خدمت کر دیا کریں اور سمجھ لیں کہ تقسیم عمل کے اصول سے علما اور اہل دین کے ذمہ دین کی خدمت ہے اور ان کے ذمہ دنیاوی ترقی اور اہل دین کی حسب توفیق بس مالی امداد ہے۔

مولانا فرماتے تھے کہ جس طرح زندگی کے ضروری کاموں میں تقسیم عمل نہیں اس پر کوئی راضی نہیں کہ ایک کھا لیا کرے، دوسرا پی لیا کرے اور تیسرا پہن لے بلکہ ہر شخص ان میں سے ہر کام فرداً فرداً اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح مذہب کے فرائض کی پابندی، دین کا ضروری علم حاصل کرنا اور فی الجملہ دین کی نصرت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی تھوڑی بہت کوشش ہر شخص کے لیے کسب معاش کے ساتھ ضروری ہے۔

دہلی میں میواتیوں کا قیام

ان تمام وجوہ کی بنا پر مولانا شہروں کے مسلمانوں کے لئے اپنی یہ دعوت بہت ضروری سمجھتے تھے اور بہت زور کے ساتھ ان کے سامنے یہ دعوت پیش کرنا چاہتے تھے، مگر مولانا اس کے لئے محض مواعظ اور تقریر و تحریر کافی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ عملی نمونہ اور عملی آغاز کے بغیر اس کو مضر سمجھتے تھے، ایک گرامی نامہ میں ارشاد فرمایا:۔

> "جب تک عوام کے سامنے عملی نمونہ نہ ہو محض منبروں پر کی تقریر عمل پر بڑھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، اگر تقریر کے بعد عمل پر بڑھنے کی تجویز و تشکیل نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت بڑھ جائے گی۔"

چنانچہ آپ نے دہلی شہر اور دوسرے بڑے بڑے مرکزوں میں میواتیوں کی جماعتیں بھیجنی شروع کیں اور انھوں نے دہلی میں طویل قیام کرنا شروع کیا، ابتدا میں ان کو دہلی میں بڑی دقتیں پیش آئیں۔ ان کو مسجدوں میں رات کو جگہ دینے سے انکار

کر دیا جاتا۔ کسی مسجد میں اگر ٹھیر بھی گئے، تو ضروریات پوری کرنے میں بڑی تکلیف ہوتی لوگ ان کی شکایتیں کرتے اور برا بھلا کہتے وہ شہر کی تکلیفوں سے دق ہو کر اور اہل شہر کی بے مہری سے تنگ آکر اپنے امراء اور ذمہ داروں سے شکوہ کرتے، وہ غریب کبھی اہل محلہ کی خوشامد کرتے کبھی اپنے میواتی بھائیوں کو سمجھا بجھا کر خاموش کرتے، مگر یہ ایک مستقل جہاد اور آزمائش تھی جو روزانہ پیش آتی تھی[1]، رفتہ رفتہ یہ دقتیں دور ہوئیں لوگوں کی نگاہیں اور سلوک بدل گئے اور اپنے جوش، اخلاص اور قربانی کی وجہ سے میواتی محبت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔

اہل علم کی طرف توجہ آپ نے اپنے نزدیک اس کا فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک اہل حق اور اہل علم اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اور اس کی سرپرستی نہ کریں گے، اس وقت تک اس اجنبی دعوت اور اس نازک اور لطیف کام کی طرف سے جس میں بڑی دقیق رعایتیں اور نزاکتیں ملحوظ ہیں، اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کو اس کی بڑی آرزو تھی کہ اہل اشخاص اس کام کی طرف توجہ کریں اور اپنی قابلیتوں اور خداداد صلاحیتوں کو اس کام کے فروغ میں لگائیں جس سے اسلام کے درخت کی جڑ شاداب ہو گی پھر اس سے اس کی تمام شاخیں اور پتیاں سرسبز ہو جائیں گی۔

اس سلسلہ میں آپ علماء سے صرف وعظ و تقریر ہی کے ذریعہ اعانت نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ کی خواہش اور آپ کا مطالبہ علماء عصر سے سلف اول کے طرز پر اشاعت

---

[1] مولانا نے کئی بار ذکر فرمایا کہ ایک روز میاں جی داؤد (جو اکثر میواتیوں اور اہل شہر کے درمیان واسطہ ہوتے) وہ طرز شکایت اور غم و غصہ سن کر اور عاجز آکر بہت روئے۔ مولانا فرماتے تھے کہ ان کے اس رونے سے راستہ کھل گیا اور کام میں بڑی برکت ہوئی۔

دین کے لئے عملی جدوجہد اور دزبدر پھرنے کا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"عرصہ سے میرا خیال ہے کہ جب تک علمی طبقہ کے حضرات اشاعتِ دین کیلئے خود جاکر عوام کے دروازوں کو کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لئے گشت نہ کریں اس وقت تک یہ کام درجۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتا، کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہوگا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا، اپنے اسلاف کی زندگی سے بھی یہی نمایاں ہے جو کہ آپ حضرات اہل علم پر بخوبی روشن ہے۔"

درس و تدریس سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگوں کو شبہ تھا کہ تبلیغ و اصلاح کی اس کوشش میں مدرسین اور طلبۂ مدارس کا اشتغال، ان کے علمی مشاغل اور علمی ترقی میں حارج ہوگا لیکن آپ جس طرح اور جس منہاج پر علماء، مدارس اور طلبہ سے یہ کام لینا چاہتے تھے وہ درحقیقت علما اور طلبہ کے علوم کی ترقی و پختگی کا ایک مستقل انتظام تھا، ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:۔

"علم کے فروغ اور ترقی کے بقدر اور علم ہی کے فروغ اور ترقی کے ماتحت دین پاک فروغ اور ترقی پا سکتا ہے۔ میری تحریک سے علم کو ذرا بھی ٹھیس پہونچے یہ میرے لئے خسران عظیم ہے، میرا مطلب تبلیغ سے علم کی طرف ترقی کرنے والوں کو ذرا بھی روکنا یا نقصان پہونچانا نہیں ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ ترقیات کی ضرورت ہے اور موجودہ جہاں تک ترقی کر رہے ہیں یہ بہت ناکافی ہے۔"

مولانا چاہتے تھے کہ اس تبلیغی کام ہی کے ضمن میں طلبہ اپنے اساتذہ ہی کی

نگرانی میں اپنے علوم کے حق کے ادا کرنے اور مخلوق کو ان سے فائدہ پہونچانے کی مشق کرلیں تاکہ ان کے علوم خلق اللہ کے لئے نافع ہوں۔ ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:۔

"کاش تعلیم ہی کے زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اساتذہ کی نگرانی میں مشق ہو جایا کرے تو علوم ہمارے نفع مند ہوں ورنہ افسوس کہ بیکار ہو رہے ہیں ظلمت وجہل کا کام دے رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

بہرحال اپنی اس دعوت کو اعلیٰ علمی و دینی حلقوں میں پہونچانے کے لئے آپ نے جماعتوں کا رخ دینی مرکزوں کی طرف کیا۔

<u>دینی مرکزوں میں کام کے اصول</u> آپ نے میواتیوں کو دیوبند، سہارنپور، رائے پور اور تھانہ بھون کی طرف بھیجنا شروع کیا اور ہدایت فرمائی کہ بزرگوں کی مجلسوں میں تبلیغ کا ذکر نہ کریں، ۵۰، ۶۰ آدمی ماحول کے دیہاتوں میں گشت کریں اور آٹھویں روز قصبہ میں جمع ہو جائیں، پھر وہاں سے دیہات کے لئے تقسیم ہو جائیں، حضرات اکابر کی طرف سے اگر پوچھا جائے تو بتلا دیا جائے از خود کچھ ذکر نہ کیا جائے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری ایک پرانی تمنا ہے کہ خاص اصول کے ساتھ مشائخ طریقت کے یہاں یہ جماعتیں آداب خانقاہ کی بجا آوری کرتے ہوئے خانقاہوں میں فیض اندوز ہوں اور جس میں باضابطہ خاص وقتوں میں حوالی کے گاؤں میں تبلیغ بھی جاری رہے، اس بارے میں ان آنے والوں سے مشاورت کرکے کوئی طرز مقرر فرما رکھیں، یہ بندہ ناچیز بھی اس ہفتہ بہت زیادہ اغلب ہے کہ چند بوساکے ساتھ حاضر ہو۔ دیوبند اور تھانہ بھون کا بھی خیال ہے"۔

اہل بصیرت کا اطمینان اس طریقہ سے بعض اہل بصیرت کو کام کی طرف سے اطمینان ہونے لگا اور ان کے شکوک و شبہات جو اس کام کے متعلق تھے زائل ہوئے۔

تھانہ بھون میں بھی اسی طرح ہوا، جماعتیں تھانہ بھون کے ماحول اور آس پاس کام کرتی رہیں، اطراف واکناف سے آنے والے مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جماعتوں کی کارگزاری ان کے طرز و اصول اور ان برکات کا ذکر کرتے جو ان کے گشت و قیام سے ان مقامات میں نظر آنے لگے تھے۔ مولانا کو پہلے بڑا شبہ اس میں تھا کہ جب اُن علما کو جنھوں نے آٹھ آٹھ دس دس برس مدرسوں میں تعلیم پائی تھی تبلیغ میں پوری کامیابی نہیں ہوتی بلکہ صدہا اور نئے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ جاہل میواتی بغیر علم و تربیت کے اتنا نازک کام کیسے کریں گے، مولانا کی محتاط اور دور رس طبیعت اس کی طرف سے غیر مطمئن تھی کہ کہیں اس طریقہ سے کوئی بڑا فتنہ نہ پیدا ہو، لیکن ان میواتیوں کے عملی کام اور قرب وجوار کی متواتر خبروں اور تصدیقوں سے اور پھر اُن کی آمد کے برکات کو خود ملاحظہ کرنے سے آپ کو اس کا اطمینان ہوا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جب مولانا محمد الیاس صاحب نے اس طرز کے متعلق کچھ گفتگو کرنی چاہی تو مولانا نے فرمایا کہ دلائل کی ضرورت نہیں، دلائل تو کسی چیز کے ثبوت اور صداقت کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، میرا تو اطمینان عمل سے ہو چکا ہے۔ اب کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، آپ نے تو ماشاء اللہ یاس کو آس سے بدل دیا۔

مولانا کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے؟ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید

اطمینان ہوا۔

مولانا کا جوش و یقین اور اہل علم کی کم توجہی مولانا کا اپنے کام پر یقین بے حد بڑھ چکا تھا اور جوش حد سے فزوں تھا مگر اہل علم اس کام کے شایان شان توجہ نہیں کر سکے تھے جس کا مولانا کو بڑا قلق اور بے چینی رہا کرتی تھی، روز بروز یہ یقین بڑھتا ہی جاتا تھا کہ وقت کے تمام فتنوں کا علاج اور زمانے کے ہر تقاضے کا جواب اصل دین کی یہی کوشش ہے جب کوئی نیا فتنہ پیدا ہوتا تو دل کا یہ جوش زبان و قلم پر آجاتا۔ ایک ایسے ہی موقع پر ایک دینی مدرسے کے ایک ذمہ دار کو تحریر فرمایا:۔

"میں کون سی قوت سے سمجھاؤں اور کون سی زبان سے بیان کروں اور اسکے علاوہ کون سی قوت سے اپنے دماغ میں بساؤں اور تیقن اور بدیہی امر معلوم کو مجہول اور مجہول کو معلوم کیوں کر بناؤں، میرے نزدیک صاف صاف ان فتنوں کے دریائے اٹک اور ان ظلمات کی جمنا کے سیل کے روکنے کی سدِ سکندری سوا میری والی تحریک میں قوت کے ساتھ اپنی قوت جہد کو اور اندرونی جذبات کو اور ہمت کے ساتھ جملہ مساعی کو متوجہ کر دینے کے علاوہ کوئی صورت نہیں، غیب سے اس تحریک کی صورت کا نمایاں ہو جانا ہی صرف اس وبا کا علاج ہے جیسا کہ عادت ازلیہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ وبا کے مناسب علاج بھی پیدا فرمایا کرتے ہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں کے پیش کئے ہوئے علاج اور نعمت کا توجہ سے استقبال نہ کرنا کچھ بہتر نہیں ہوا کرتا۔"

اسی یقین، اسی درد اور اسی خطرہ اور خوف کو ایک دوسرے گرامی نامہ میں اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:۔

از بندۂ حقیر فقیر ناکارۂ دوجہاں محمد الیاس غفرلہ،

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات اللھم لک الحمد شکرا ولک المن فضلاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں آپ سے کن الفاظ کے ساتھ ظاہر کروں کہ میں آپ کو اس وقت کس بے کلی کے ساتھ خط لکھ رہا ہوں، میرے عزیز دوست بات یہ ہے کہ اس تحریک میں کھڑے ہونے سے جس قدر اللہ جل جلالہ کی رضا اور اس کے قرب اور اس کی نصرت اور اس کا فضل وکرم کھلا اور کثرت سے نظر آتا ہے وہیں مجھے یہ ڈر پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے اس قدر بڑے مہمان کا استقبال اور اکرام اور تشریف اس کے مناسب نہ ہو کر موجب حرمان و خسران و بدنصیبی نہو۔"

گرمولانا اس غم اور سوز سے اندر ہی اندر گھلتے تھے، حتی الامکان شکایت زبان پر نہیں لاتے تھے، کسی کو الزام دینا مولانا کے مسلک اور اصول کے خلاف تھا، بلکہ اگر غیر علماء میں سے کوئی ان حضرات کی سرد مہری کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ جب تم سے اس کام کے لئے اپنے وہ مشاغل اور دلچسپیاں نہیں چھوڑی جاتیں جن کے متعلق خود تمہارا خیال ہے کہ وہ دنیاوی ہیں تو یہ حضرات اپنے وہ مشاغل اور دلچسپیاں کیسے چھوڑ دیں جن کے متعلق ان کا یقین ہے اور حق ہے کہ وہ دینی ہیں، تم سے اگر دوکان نہیں چھوڑی جاتی تو ان سے مسند درس کے چھوڑ دینے کی توقع کیوں کرتے ہو اور اس پر تمہیں ان سے کیوں شکایت ہے۔"

بے التفاتی کے اسباب اس دعوت کی طرف پوری توجہ نہ ہو سکنے کے چند اسباب تھے:۔

۱۔ یہ زمانہ عام تحریکات کا تھا اور ذہن و دل عام طور پر ان میں مشغول تھے، مولانا کی خاموش اور تعمیری تحریک کی طرف توجہ کرنا اس ہنگامہ خیز زمانہ میں مشکل تھا، نیز تحریکات کا عام تصور اور مسلسل تلخ تجربہ بھی اس کے متعلق کوئی بڑا حسن ظن قائم کرنے سے مانع تھا۔

۲۔ اس کام کے متعلق لوگوں کو بہت کم معلوم تھا اور سوائے قریبی تعلق رکھنے والوں کے عام اہل علم اور خصوصاً دور افتادہ لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی، کام اور اس کے اثرات و نتائج کی کوئی اشاعت نہیں کی گئی تھی۔

۳۔ لفظ تبلیغ جو اس دعوت کا عمومی اور مشہور عنوان ہے اس تحریک کی گہرائی اور اصلیت سمجھنے سے بڑا حجاب بنتا تھا۔ لوگ اس کو ایک سطحی تبلیغی تحریک سمجھ کر توجہ نہیں کرتے تھے یا فرض کفایہ سمجھ کر اپنے ذمہ کوئی فرض نہیں سمجھتے تھے

۴۔ اس دعوت و تحریک کو اہل علم کے سامنے پیش کرنے والے خود مولانا ہی تھے، اور ان کا حال یہ تھا کہ نئے نئے مضامین کے ورود اور جوش بیان اور رکھ رکھاؤ لکنت کی وجہ سے اکثر اوقات گفتگو الجھ جاتی تھی اور مفہوم واضح نہیں ہو سکتا تھا بلکہ کبھی کبھی اس وجہ سے نو وارد کے ذہن میں انتشار اور طبیعت میں توحش پیدا ہو جاتا تھا، اور وہ تحریک کا مغز نہیں سمجھنے پاتا تھا۔

نیز بعض مضامین ایسے بلند ہوتے تھے جو عام درسی اور متداول کتابوں میں نہیں پائے جاتے، اور غیر اصطلاحی زبان میں ادا ہوتے جس کی وجہ سے بہت سے علماء کو پہلی مجلس میں مناسبت نہ پیدا ہوتی اور زیادہ وقت صرف کرنا ان حضرات کے لئے مشکل تھا۔

۵. لوگ سیدھے سادے میواتیوں کو دیکھ کر مولانا کی نسبت کوئی بلند خیال قائم نہیں کر سکتے تھے، وہ مولانا کو میواتیوں کے شیخ و مرشد کی حیثیت سے جانتے تھے جنھوں نے ان سادہ لوح میواتیوں میں ایک دینی روح پیدا کر دی ہے۔

لیکن بعض حیثیتوں سے یہ اچھا بھی ہوا کہ اس تحریک کو گمنامی کے محفوظ حصار میں اپنی طبعی نشوونما حاصل کرنے کا موقع ملا، شاید اللہ تعالیٰ نے اس کا خاص انتظام فرمایا کہ وقت سے پہلے اس کی طرف عام توجہ ہو۔

سوزِ دروں: لیکن اب طبیعت کا چشمۂ رواں اُبلنے اور بہنے کے لیے بے تاب تھا اور طبعی ارتقا کے لحاظ سے اس کا وقت آگیا تھا کہ یہ دعوت عام ہو، ہاتفِ غیب کی زبان پر بھی بہت دنوں سے تھا[1]۔

ایک سو سال سے ہیں ہند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

اُدھر مولانا کی طبیعت پر دعوت کا غلبہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا مضامین علوم کا شدت سے قلب پر ورود تھا، دعوت اور نظام کے مختلف گوشے اور پہلو نظر کے سامنے آتے جاتے تھے اور ان کے نصوص اور مآخذ کتاب و سنت سیرت رسول اور صحابۂ کرامؓ کی زندگی میں مل رہے تھے، دوسری طرف ان علوم و معارف کو سننے کے لیے مولانا ہی کے ساختہ پرداختہ دو چار نو عمر اہل علم کے علاوہ بس سیدھے سادے

[1] علامہ اقبال کے پہلے مصرعہ میں سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند ہے، یہ ترمیم اس لئے کی گئی ہے کہ خاکسار راقم کے نزدیک سو سال سے پہلے ہندوستان میں اسلام کا دوسرا خانہ اس طرح کھلا تھا کہ عقل سے کوئی تشنہ لب رہا، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک اصلاح و تجدید ہندوستان کی آخری عمومی تحریک تھی جو خالص دینی بنیادوں پر اٹھائی گئی تھی۔

میواتی تھے جو مولانا کی علمی زبان (جس میں بکثرت تصوف کے اصطلاحات اور شرعی الفاظ ہوتے تھے) تک سے نامانوس تھے، اس وقت زبانِ حال اگر اس طرح گویا ہوتی ہو تو عجب نہیں :۔

من مثالِ لالۂ صحرا ستم | در میانِ انجمن تنہا ستم
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست | آہ یک پروانۂ من اہل نیست
انتظارِ غم گسارے تا کجا | جستجوئے رازدارے تا کجا!

در جہاں یا رب ندیم من کجاست
نخل سینایم کلیم من کجاست

میواتی اگرچہ ان بلند اور دقیق علوم سے علمی مناسبت نہیں رکھتے تھے مگر اس کام سے روحی مناسبت رکھتے تھے، قوتِ عمل میں اہل علم اور اہل شہر سے بہت بڑھے ہوئے تھے پندرہ بیس برس کی لگاتار جد و جہد کا حاصل اور تحریک کا سرمایہ تھے۔ مولانا اس حقیقت سے خوب واقف تھے اور آپ نے اس کا بارہا اعتراف فرمایا چند میواتی احباب کو ایک خط میں اپنے دل کی بات لکھتے ہیں :۔

"میں اپنی قوت اور ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کر چکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کردوں کوئی اور پونجی نہیں، میرا ہاتھ بٹاؤ"[1]

ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"دنیاوی کاروبار میں مصروف رہنے والے بہتیرے ہیں، دین کے فروغ کے لئے گھر بار چھوڑنا اس وقت اللہ نے میوؤں کو نصیب کیا ہے"[2]

---

[1] بنام میواتی احباب مخلصین خصوصاً مولوی سلیمان [2] بنام میاں محمد عیسٰی فیروز پور نمک

سہارنپور میں تبلیغی جماعتوں کا تسلسل مولانا سہارنپور کے دینی اور علمی مرکز کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے، وہاں کے اہل علم اور اہل دین کو اور عام مسلمانوں کو اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ شریک کرنا چاہتے تھے، زبانی دعوت اور تحریک تو برابر ہی فرمایا کرتے تھے اور مدرسہ مظاہر العلوم کے اساتذہ اور متعلمین مولانا سے شخصی طور پر سب سے زیادہ واقف اور آپ سے مانوس و قریب تر بھی تھے، نیز میوات کے جلسوں میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور جناب مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسۂ مظاہر العلوم کے علاوہ بھی مدرسہ کے اساتذہ و مدرسین برابر شرکت کرتے تھے اور مولانا کی دعوت و طلب پر ہمیشہ نظام الدین پہنچ جاتے تھے لیکن اب مولانا نے اس مقدار کو بڑھانے کے لئے سہارنپور کی طرف تبلیغی جماعتوں کا خاص رخ کر دیا۔

سہارنپور و مظفر نگر کے اطراف میں تبلیغی دورے مولانا نے مدرسہ مظاہر العلوم کے اساتذہ کے ساتھ سہارنپور کے نواح بہٹ، مرزا پور، سلیم پور اور دوسرے دیہاتوں اور مواضعات میں تبلیغی دورے فرمائے اور جلسے کئے۔

۱۴ رجمادی الثانی ۱۳۵۸ھ سے ۲۰ رجمادی الثانی تک ایک بڑی جماعت کیساتھ کاندھلہ کے نواح کے دیہاتوں میں دورے کئے، اور جماعتیں قائم کیں شیخ الحدیث صاحب بھی اس سفر میں ہمراہ تھے، اس سفر میں مولانا پر حقوق الوطن کا بہت غلبہ تھا مولانا کے نزدیک ان حقوق کی ادائیگی کی کوئی صورت اور اہل وطن کے لئے اس تبلیغ سے بہتر کوئی اور سوغات اور تحفہ نہیں تھا۔

۱۳۵۹ھ میں قرار پایا کہ میوات کی جماعتوں کا تسلسل سہارنپور میں رہنا چاہئے اور پہلی جماعت جب جائے تو دوسری آجائے ایک سال تک مدرسہ کے مکانات میں

قیام رہا، محرم سنہ ۱۳۵۸ھ سے مستقل مکان اس کے لئے کرایہ پر لیا گیا۔ مگر چند ماہ بعد وہ مکان چھوٹ گیا، اخیر ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۲ء) تک مسلسل چار سال تک یہ دور رہا، ان شہروں اور قصبات میں جو علم دین سے بڑی حد تک معمور ہیں ان دیہاتی ناخواندہ میواتیوں کو کبھی کبھی ناقدانہ نظر سے دیکھا جاتا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا جاتا کہ ان بے علم میواتیوں سے جو خود تعلیم و اصلاح کے محتاج ہیں تبلیغ و اصلاح کا کام لیا جاتا ہے، مولانا نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ ان کا موضوع ہی نہیں ہے، ایک خط میں مقصد کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

> ان لوگوں (میواتیوں) کو مصلح نہ سمجھیں بلکہ اس ایک چیز کے علاوہ یعنی دین پھیلانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر باہر نکلنا اس چیز کو تو ان سے سیکھیں، اور دیگر تمام اشیاء میں ان لوگوں کو اپنا محتاج سمجھیں، اپنے ذہن میں ان کو مصلح سمجھ کر پھر اعتراض کرتے ہیں۔"

باہر سے لوگوں کی آمد ۱۳۵۸-۵۹ھ (۱۹۴۰-۴۱ء) میں اس تحریک و دعوت کے متعلق رسائل میں بعض مختصر مضامین شائع ہوئے اور میوات و دہلی کے باہر اتنا ذکر شروع ہوا کہ جن لوگوں کو اسی نوع کے کام کی یا مبہم طریقہ پر دین کے کام کی طلب و جستجو تھی انھوں نے سفر کیا، مولانا سے ملے اور میوات گئے، اس خوش نصیب گروہ میں دارالعلوم ندوۃ العلما کے بعض مدرسین بھی تھے، اُن کے مشاہدات و تاثرات نے کچھ اور لوگوں کو کھینچا بعض باخبر آدمیوں نے اس کو ایک انکشاف سے موسوم کیا اور اس پر حیرت کی کہ یہ کام کس طرح اتنی مدت تک گمنامی کے ساتھ ہوتا رہا۔

مولانا نے اپنی عادت اور تواضع کے مطابق ان نئے آنے والوں کی آمد پر بڑی

مسرت کا اظہار کیا اور ان کی بڑی قدر دانی فرمائی علمی اور درسی حلقوں کی توجہ منعطف ہونے لگی اور لوگ باہر سے آگے لگے، مولانا نے ان نو واردوں کا ایسا اکرام فرمایا جس پر ان کو بھی حیرت ہوئی اور کام سے لگاؤ پیدا ہونے کا سبب ہوا۔

دہلی کے کام کی تنظیم | دہلی کے کام کو منظم کرنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے آپ نے۔ حافظ مقبول حسن صاحب کو شہر دہلی کی تمام تبلیغی جماعتوں کا امیر اور ذمہ دار بنایا حافظ صاحب کی مستعدی اور جناب حافظ فخر الدین صاحب کی توجہات سے جماعتوں میں زیادہ باقاعدگی اور انضباط پیدا ہو گیا۔

کارکنوں میں ایک دوسرے سے ربط اور کام میں رُوح اور سرگرمی پیدا کرنے کے لئے جمعہ کی رات نظام الدین میں قیام کرنے کے لئے اور مہینہ کا آخری چہار شنبہ تمام جماعتوں کے جامع مسجد میں جمع ہونے، اپنی کارگزاری سنانے اور کام کے لئے مشورہ کرنے کے لئے تجویز کیا۔ مولانا خود بھی اس اجتماع میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے اور دوسرے علماء و صلحاء کے بھی شریک کرنے کی کوشش کرتے شب جمعہ کو نظام الدین آنے کی عمومی دعوت دیتے، جو لوگ چند بار وہاں رات گزارتے ان کو اکثر اس کام سے روحانی مناسبت پیدا ہو جاتی، اکثر رات کا کھانا سب لوگ اکٹھا کھاتے عشاء کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد مولانا اپنے موضوع پر گفتگو فرماتے رہتے اور تحریص و ترغیب کا سلسلہ جاری رہتا کبھی نہایت جوش و تاثر کے ساتھ تقریر فرماتے کبھی اتنی محویت و استغراق طاری ہو جاتا کہ وقت کے گزرنے کا احساس باقی نہ رہتا اور عشاء کی نماز بہت موخر ہو جاتی، ایک مرتبہ نومبر کی تاریخوں میں عشاء کی نماز میں گھڑی نے بارہ بجائے۔ صبح کی نماز کے بعد اکثر مولانا مجمع سے خطاب فرماتے، کبھی حاضرین میں سے

کسی دوسرے عالم یا مقرر کو جس کی ترجمانی پر اعتماد ہوتا کچھ کہنے کے لئے حکم ہوتا۔ صبح کی نماز میں کچھ ایسے اصحاب بھی تشریف لے آتے جو رات کو نہیں تھے، اکثر نئی دہلی کے بعض معززین اور نو تعلیم یافتہ، اور جامعہ ملیہ کے بعض اساتذہ خصوصاً ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب صبح کی نماز میں شرکت کرتے اور تقریر کے بعد واپس ہوتے، اس رات کے اجتماع میں حاضرین کی تعداد روز افزوں تھی اور اس سے کارکنوں میں روح و تازگی اور نو واردوں میں کام سے انس و لگاؤ پیدا ہوتا جاتا تھا۔

دہلی کے سوداگروں میں دین کی رد | دہلی کے سوداگر مولانا سے بڑا تعلق رکھتے تھے معمر اور سن رسیدہ لوگ تو مولانا کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بھائی صاحب مرحوم و مغفور کے زمانہ سے آمد و رفت اور عقیدت و محبت رکھتے تھے، نوجوانوں نے اپنے بزرگوں سے یہ عقیدت و محبت میراث میں پائی اور بہت سے نوجوان سوداگروں نے از خود تعلق پیدا کیا۔ میواتیوں کے علاوہ دوسرا طبقہ جس کے دل میں مولانا کا پورا وقار اور ان کی بات کا احترام تھا اور جس کو سب سے زیادہ خدمت و اطاعت کی توفیق ملی وہ دہلی کے یہ تاجر تھے جو مولانا کی خدمت میں مختلف اوقات میں اور خصوصیت کے ساتھ شب جمعہ کو حاضر ہوتے، اکثر رات وہیں گذارتے، میوات کے اہم جلسوں میں پوری پوری لاریاں کر کے اور کھانے کا سامان کبھی کبھی دہلی سے تیار کر کے اپنے ساتھ لے کر جاتے اور میواتی جماعتوں کے ساتھ قریب کے مقامات پر گشت کو جاتے۔

مولانا دہلی میں ان کی تقریبوں میں بڑی محبت و عنایت سے تشریف لے جاتے لیکن اپنا پیغام اور اپنی بات نہ بھولتے، اُن کے چھوٹوں پر اولاد کی سی شفقت فرماتے ان کی خوشی سے خوش ہوتے، ان کی فکر سے ملول ہوتے لیکن ان کی تربیت و اصلاح

سے غافل نہ ہوتے اور ان کو دین کے اصلی کام میں لگانے کی ہر وقت فکر رکھتے، بڑوں سے خصوصاً اپنے والد اور بھائی صاحب کے ملنے والوں سے بڑے احترام سے ملتے، لیکن ان کے تعلقات کی قوت کی بنا پر ان کی طرف سے تبلیغ میں اگر کوتاہی یا بے توجہی ہوتی تو عتاب فرماتے اور وہ اس کو اپنی عقیدت اور محبت میں برداشت کرتے اور ان کے تعلق میں فرق نہ آتا۔

تبلیغ میں حصہ لینے سے، علماء اور دین داروں کے ساتھ سفروں میں رہنے سے اور سب سے بڑھ کر مولانا کے یہاں کی آمدورفت اور تعلق و محبت کے اثر سے ان سوداگروں میں دینداری بہت زیادہ ترقی کرنے لگی اور ان کی زندگی و معاشرت اور معاملات و اخلاق میں محسوس تغیر ظاہر ہونے لگا، مولانا جزئی اور تفصیلی باتوں کو بہت کم چھیڑ کر کہتے لیکن دین سے عمومی تعلق پیدا ہو جانے کی وجہ سے دین اور شعائر دین کی عظمت اور شریعت کا احترام ان کی نگاہوں میں پیدا ہو گیا اور دینی ماحول اور اہل دین سے زیادہ انس اور قرب پیدا ہونے لگا اور (ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا) کے مصداق وہ اپنے ہم جنسوں اور ہم چشموں سے ایسے ممتاز ہو گئے کہ پہچانے جانے لگے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو مولانا سے تعلق رکھتے ہیں اور تبلیغ میں حصہ لیتے ہیں۔

حتیٰ کہ بعض وہ تجار جو ڈاڑھی رکھنے والے آدمی کو اپنی دکان پر ملازم رکھنا پسند نہیں کرتے تھے، انھوں نے خود ڈاڑھیاں رکھیں، جو نمازی آدمی کے ملازم ہونے سے اپنی دوکان کا حرج سمجھتے تھے، وہ عین کاروباری مشغولیت کے وقت دوکان چھوڑ کر جماعت اور تبلیغی گشت میں شرکت کرنے لگے، بے سواری چلنے اور اپنا سامان اٹھا کر بازاروں میں پھرنے میں ذلت، فرش زمین پر سونے میں تکلف، ساتھیوں کا

برتن دھونے، کھانا پکانے اور غریبوں کے محلّے میں دروازے دروازے پھرنے میں ان کو عار نہ رہا، غرض ماحول کے بدل جانے اور ذہنیت کے تبدیل ہو جانے سے کتنوں ہی کی زندگیاں بدل گئیں

اہل ثروت کا رجوع اور مولانا کا اصول

دہلی اور باہر کے تجار اور اہل خیر نے اس کام کی شہرت سن کر اور اس کے گراں قدر مصارف کو دیکھ کر بارہا مولانا کی خدمت میں مالی اعانت کی پیش کش کی اور بڑی بڑی رقمیں پیش کرنی چاہیں لیکن مولانا کا اس بارہ میں ایک خاص اصول تھا، وہ مال کو جان کا فدیہ، وقت کا بدل اور آدمی کا قائم مقام کبھی نہیں سمجھتے تھے، آپ کے نزدیک روپیہ آدمی کے ہاتھ کا میل تھا وہ آدمی جیسی قیمتی چیز کا بدل نہیں ہو سکتا، چنانچہ مالی امداد پیش کرنے والوں سے ہمیشہ فرماتے تھے کہ ہمیں تمہارا روپیہ نہیں چاہیے تمہاری ضرورت ہے۔ انھیں لوگوں کی مالی امداد قبول فرماتے جن کی کام میں عملی شرکت اور رفاقت ہوتی، آپ کے نزدیک انفاق (راہِ خدا میں خرچ کرنے) کی صحیح شکل یہی تھی اور صدرِ اسلام میں یہی شکل رائج تھی کہ جو لوگ اللہ کے دین کے کاموں میں روپیہ خرچ کرتے تھے اور جن کے نام راہِ خدا میں مال لٹانے والوں کی فہرست میں ہم خاص طور پر دیکھتے ہیں۔ یہ وہی لوگ تھے جو اسلام کی نصرت میں عملاً شریک تھے بلکہ صف اول میں تھے۔

بہرحال احیاءِ دین کی اس جد وجہد میں جو لوگ عملی حصہ لیتے تھے اور مولانا کو ان کے اخلاص، تعلق اور محبت پر پورا اطمینان تھا ان کی اعانت کو بے تکلف قبول فرماتے اور دین کی خدمت کی سعادت میں ان کو خوشی سے شریک کرتے، حاجی نسیم صاحب بٹن والے (صدر بازار) اور محمد شفیع صاحب قریشی کے حصہ میں خاص طور پر یہ دولت

عثمانی آئی، مولانا کو ان سے کوئی تکلف اور اجنبیت باقی نہیں رہی تھی، دین کے کاموں اور ضرورتوں میں ان کے مال اور سامان کو بے تکلف استعمال کرتے، ان کے علاوہ چند اور مخلصین کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ تھا۔

میوات کے جلسے اکثر مہینہ میں ایک مرتبہ میوات کے کسی مقام پر اور سال میں ایک مرتبہ نوح کے مدرسہ میں جلسہ ہوتا تھا، دہلی کی تبلیغی جماعتیں اور تجار اور نظام الدین کے مقیم حضرات، نیز مدرسہ مظاہر العلوم، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، اور مدرسہ فتحپوری دہلی کے بعض علماء اور مدرسین شرکت کرتے، مولانا رفقاء جماعت کے ساتھ تشریف لے جاتے، راستہ بھر اپنی تحریک کی دعوت دیتے جاتے اور اس کے اصول و آداب پر پرجوش اور پُر از حقائق تقریر فرماتے اور لاری کے مسافر یا ریل کے ہم سفر (جن میں بڑی تعداد مبلغین اور ہمراہیوں کی ہوتی) مستفید ہوتے گویا یہ ایک متحرک جلسہ ہوتا تھا جو نظام الدین سے ہی شروع ہو جاتا تھا۔

اہل قصبہ مولانا کی آمد سن کر جوق جوق اور گروہ در گروہ پیشوائی کے لئے نکل آتے اور پروانہ وار مصافحہ کے لئے ہجوم کرتے، مولانا اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے مصافحہ کرتے اور بچوں جوانوں اور بوڑھوں کا مجمع سواری کے ساتھ ساتھ قصبہ میں داخل ہوتا۔ سیکڑوں آدمیوں کا مجمع آپ کو گھیر لیتا۔ آپ ہر ایک سے بڑی محبت کے ساتھ مصافحہ کرتے، کسی سے معانقہ کرتے، کسی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور انھیں کے حلقہ میں بیٹھ کر گفتگو شروع فرما دیتے۔

مولانا ان جلسوں کے ایام میں غریب میواتیوں ہی کے بیچ میں رہتے، رات کو اکثر مسجد ہی کے کسی حجرے میں یا صحن کے سامنے آرام فرماتے، سارا دن اور رات

کا بڑا حصہ انھیں سے گفتگو میں گزرتا، میوات میں قدم رکھتے ہی مولانا کا جوش و نشاط اور طبیعت کی تازگی و شگفتگی بہت بڑھ جاتی، علوم و معارف ابرِ نیساں کی طرح برستے اور دین کے اصول و حقائق چشمے کی طرح ابلتے، میواتی سمجھتے یا نہ سمجھتے لیکن متاثر ہوتے وہاں مولانا بہت کم خاموش ہوتے اور بہت کم آرام کرتے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ میوات سے آکر بہت تھک جاتے اور اکثر آواز گلوگیر ہوجاتی اور کبھی بخار کی حالت میں واپس ہوتے۔

ان اجتماعات کے موقع پر ایسا دینی اور روحانی ماحول ہوتا اور فضا میں ایسی روحانیت اور نورانیت محسوس ہوتی کہ قلب پر اثر پڑتا اور قاسی القلب بھی رقت و تاثیر محسوس کرتا، ذکر سے فضا اور اہل ذکر سے مسجدیں معمور رہتیں، مسجد جانے میں اگر ذرا سی دیر ہوجاتی تو مسجد میں جگہ پانی محال تھی، سڑکوں اور راستوں پر بھی نماز کی صفیں ہوتیں، پچھلے پہر کا سماں خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہوتا، سردیوں کے ایام میں جفاکش اور دین کے حریص میواتی صحن مسجد میں زیر آسمان یا درختوں کے نیچے اپنی سوتی چادریں اور کمبل اوڑھے پڑے رہتے، جاڑوں کی بارش میں، برستے پانی رستے شامیانے اور ٹپکتے ہوئے درختوں کے نیچے گھنٹوں صبر و سکون کے ساتھ علماء کا وعظ سنتے رہتے اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتے۔

ان جلسوں میں تقریریں اور مواعظ بالکل ضمنی تھے، اصل مقصود اور اصل کوشش نئی جماعت بنانے اور ان کو باہر نکالنے کی ہوا کرتی تھی، اور یہی جلسہ کی کامیابی کا معیار تھا کہ کتنی جماعتیں اپنے علاقے سے باہر جانے اور یو۔پی کے گشت کے لئے آمادہ ہوئیں اور کتنے آدمیوں نے کتنا وقت دیا، مولانا اسی کا مطالبہ اور تقاضہ کرتے رہتے اور سارے جلسہ پر اسی حیثیت سے خود نگرانی کرتے تھے اور

خبر لیتے رہتے تھے کہ اس کا اہل جلسہ سے کتنا تقاضا کیا جا رہا ہے، تجربہ کار میواتی اور نظام الدین کے مبلغین عام اجتماع کے علاوہ برادریوں کے چودھریوں، سیاسی صاحبان، علما اور اہل اثر کو علیحدہ جمع کر کے اپنی اپنی برادری اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کی کوشش کراتے تھے اور ان کے ذریعہ سے نئی جماعتیں بناتے تھے۔

مولانا کو جب تک اس کام کی طرف سے اطمینان نہ ہوتا، ان کو کھانا پینا اور سونا دوبھر ہو جاتا اور اس کا اطمینان کئے بغیر اس قصبہ سے جانا اور نظام الدین واپس ہونا مشکل ہوتا، اس کا اطمینان ہو جانے اور اس کی صورت بن جانے کے بعد واپسی کا قصد فرما دیتے۔ اور پھر کسی کا اصرار، کسی مخلص کی ضیافت یا آرام کا خیال سفر سے مانع نہ آ سکتا تھا۔

دہلی اور نظام الدین کے مبلغین اکثر جلسے سے کچھ پہلے جا کر زمین ہموار کرتے اور تبلیغی گشت کر کے جلسے اور علما کے مواعظ سے فائدہ اٹھانے کی استعداد اور طلب پیدا کرتے اور اکثر جلسہ کے ختم ہو جانے کے بعد جلسہ میں نئے آمادہ ہونے والوں کی آمادگی اور تاثر سے فائدہ اٹھانے اور اس کو ٹھکانے لگانے کے لئے کچھ بعد تک قیام کرتے۔

مولانا کے قیام کے دوران میں میواتی بکثرت بیعت میں داخل ہوتے لیکن مولانا بیعت لیتے وقت ان کے سامنے اپنی تقریر فرماتے، اپنے کام کا ان سے عہد لیتے اور اسی کی ان کو تعلیم کرتے۔ یہ نئے بیعت کرنے والے گویا تبلیغی اور دینی فوج کے لئے رنگروٹ تھے۔

اہل قصبہ مہمانوں کی (جو اکثر بڑی تعداد میں ہوتے) دل کھول کر ضیافت کرتے اور بڑی بلند حوصلگی اور ہمت سے ان کو اور آنے والے میواتی مہمانوں کو جو سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوتے کئی کئی وقت مہمان رکھتے اور پھر بھی حسرت کرتے سنا گیا

کہ دل کی حسرت نہ نکلی، میواتیوں نے اپنی اس مہمان نوازی اور عالی حوصلگی سے قدیم عربوں کی روایات کو زندہ کر دیا۔[1]

عام اہل اسلام کی عزت و توقیر اور اہل علم و دین کے احترام و تعظیم کی ایسی عادت ڈالی گئی تھی اور اس کی ایسی تربیت کی گئی تھی کہ ہر میواتی ہر آنے والے شخص سے ایسا ملتا جیسے کسی بزرگ و شیخ سے۔ باہر کے ہر شخص کو اپنا دینی محسن سمجھتا گویا اسی سے اس کو ایمان کی دولت اور دین کی یہ نعمت حاصل ہوئی ہے، اِن دیہاتی میواتیوں کے دینی جوش، خلوص، محبت و تواضع، عبادت و ذکر کی حرص، رقت و سوز اور دینی مناظر کو دیکھ کر بہتیروں کو اپنی حالت پر سخت تاسف اور اپنی زندگی پر نفرین ہوتی اور اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہونے لگتا۔

ایک مرتبہ مولانا نے ایک صاحب سے جو ایک جلسہ سے واپس آئے تھے فرمایا کہ کہو کچھ اپنی حالت پر افسوس بھی ہوا، انھوں نے عرض کیا کہ جو کچھ دیکھا اس کے بعد تو اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے شرم آنے لگی ہے۔

نوح کا بڑا جلسہ ۸، ۹، ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸، ۲۹، ۳۰ نومبر ۱۹۴۱ء کو نوح (ضلع گوڑگانواں) میں ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ ہوا، میوات کی سرزمین نے انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع ایک جگہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ شرکائے جلسہ کی تعداد کا تحقیقی اندازہ ۲۰، ۲۵ ہزار کیا جاتا تھا، ان شرکا میں بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو ۳۰، ۳۰، ۴۰، ۴۰ کوس

---

[1] نوح میں حاجی عبدالغفور صاحب مرحوم ہمیشہ مولانا اور ان کے کثیر التعداد رفقاء کے میزبان ہوتے تھے اور بڑی عالی حوصلگی سے ضیافت ہوتی تھی، بعض اوقات نوح سے باہر بھی بڑے اہتمام سے کھانا لے کر جاتے، انھوں نے اپنا حق ضیافت کبھی نہیں چھوڑا، خواہ مہمانوں کی تعداد کتنی زائد ہو حاجی صاحب مرحوم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے بیعت تھے۔ ۱۱ رجب ۱۳۵۶ھ کو وفات پائی۔

سے پیدل چل کر اپنا سامان کندھے پر لاد کر اور اپنا کھانا باندھ کر آئے تھے خصوصی مہمانوں کی تعداد بھی جو بیرونی میوات سے تشریف لائے تھے اور دونوں وقت مدرسہ معین الاسلام کی عمارت میں پرتکلف کھانا کھاتے تھے ایک ہزار کے قریب تھی۔

جلسے کے وسیع شامیانے کے نیچے مولانا حسین احمد صاحب مدنی نے جمعہ کی نماز پڑھائی، جامع مسجد میں اور قصبے کی تقریباً سب مسجدوں میں نماز ہوئی، پھر بھی ہجوم اتنا تھا کہ چھتوں اور بالاخانوں پر آدمی ہی آدمی تھے، سڑکوں پر بھی نمازیوں کی صفیں تھیں اور آمد و رفت بند ہو گئی تھی۔

نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا، صبح سے رات تک اجلاس ہوتے تھے لیکن نہ کوئی صدر جلسہ تھا نہ مجلس استقبالیہ اور صدر استقبالیہ، نہ رضا کار لیکن تمام انتظامات خوش اسلوبی سے ہو رہے تھے، کام کرنے والوں میں ایسی مستعدی اور فرض شناسی تھی جو وردی پوش رضا کاروں کی منظم جماعتوں میں نہیں دیکھی گئی۔ اس اجتماع میں دہلی کے عوام و خواص اور ہر طبقہ کے حضرات بکثرت شریک تھے، خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب حاجی وجیہ الدین صاحب، جناب محمد شفیع صاحب قریشی وغیرہ حضرات اپنی کاروں میں تشریف لے گئے، جن سے مہمانوں اور علما کی آمد و رفت میں بڑی سہولت رہی۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اس جلسہ کے متعلق اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ۲۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع آج تک نہیں دیکھا۔

یہ اجتماع اور انسانوں کا یہ جنگل ایک جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ تھی۔

دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے، اور رات کے عبادت گزار دن کے خدمت گزار نظر آتے تھے، ان دونوں چیزوں کا جمع کرنا اس دعوت کے مقاصد میں سے تھا۔

اس جلسہ کے باضابطہ اجتماعات کے علاوہ خود مولانا اٹھتے بیٹھتے اور ہر نماز کے بعد اپنی بات کہتے رہتے۔ ہر نماز کے بعد کی خود فراموشانہ دعا بھی ایک پرجوش اور اثر آفریں تقریر سے کم نہ تھی۔

تبلیغی جماعتیں باہر کو | میواتیوں اور دہلی کے تجار اور مدارس کے طلبہ کی جماعتیں اطراف اور یوپی اور پنجاب کے شہروں کی طرف جانے لگیں۔ خورجہ، علی گڈھ، آگرہ، بلند شہر، میرٹھ، پانی پت، سونی پت، کرنال، رہتک کا دورہ اور بعض بعض جگہ بار بار دورے ہوئے، وہاں جماعتیں قائم ہوئیں اور وہاں کے بعض بعض لوگ نظام الدین آنے لگے۔

کراچی کو جماعتیں | حاجی عبدالجبار صاحب حاجی عبدالستار صاحب (ایس جے اینڈ جی فضل الٰہی کراچی) کی دعوت و خواہش پر (جن کو تھوڑے دن پہلے اس کام سے گہری دلچسپی اور مولانا سے تعلق پیدا ہوا تھا) ایک جماعت صفر ۱۳۶۲ھ (مطابق فروری ۱۹۴۳ء) کو اور دوسری جماعت اپریل کی ابتدا میں مولوی سید رضا حسن صاحب کی امارت میں کراچی گئی اور سندھ میں کام شروع ہوا، کراچی میں متعدد جماعتیں مختلف محلّوں میں قائم ہوئیں۔

مولانا کو سواحل پر کام پھیلانے کی بڑی آرزو تھی اور اس میں یہ آرزو مضمر تھی کہ ان بندرگاہوں سے یہ دعوت سواحل عرب تک پہنچے اور وہاں سے اس ملک میں پھیلے، ان بندرگاہوں پر بکثرت عرب اور دوسرے ممالک کے لوگ آباد ہیں، اس لئے

آپ ان ساحلی مقامات پر دعوت کے پھیل جانے سے اس کی توقع رکھتے تھے کہ ان ممالک کے لوگ اس کو قبول کرکے اپنے اپنے ملکوں میں لے جائیں گے

لکھنؤ کا سفر: لکھنؤ میں ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء کی ابتدا سے) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مدرسین اور طلبہ مولانا کے اصول اور آپ کی ہدایت کے مطابق لکھنؤ کے قرب وجوار اور دیہاتوں میں کچھ کام کر رہے تھے اور تعطیلات اور مختلف جلسوں اور تقریبات کے موقع پر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، مولانا کو بھی اس جماعت سے بڑا تعلق پیدا ہوگیا تھا، یہاں کے کام کی روداد کو بڑی دلچسپی سے سنتے اور اس جماعت کے افراد پر خاص شفقت فرماتے۔

رجب ۱۳۶۲ھ میں آپ نے لکھنؤ کے سفر کی دعوت قبول فرمائی۔ آپ کے تشریف لانے سے ایک ہفتہ پہلے دہلی کے تجار اور میواتیوں کی ۳۰-۴۰ آدمیوں کی ایک جماعت لکھنؤ آگئی تاکہ مولانا کی تشریف آوری سے پہلے شہر میں کام کرے۔ جماعت کا قیام دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عمارت میں ہوا۔

جماعت کا نظام اوقات یہ تھا کہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد جماعت دارالعلوم سے نکلتی، نماز مغرب کے بعد کسی محلہ میں گشت ہوتا، عشا کے بعد اپنے اصول ومقاصد کی تشریح اور دو ایک تقریروں کے بعد، جماعت بناکر قیام گاہ واپس آجاتے اور کھانا کھاتے، اس میں رات کے ۱۱، ۱۲ بج جاتے۔

صبح کی نماز کے بعد ان کی تعلیم کا (جو ان تبلیغی سفروں کا اہم جز ہے) نظام الاوقات شروع ہو جاتا۔ کچھ وقت تجوید وتصحیح مخارج کے لئے تھا، کچھ وقت ضروری فضائل ومسائل کی تعلیم کے لئے، کچھ وقت صحابۂ کرام کے حالات اور واقعات جہاد کے سننے کے لئے، کچھ

اپنے اصول بیان کرنے کی مشق اور دعوت و تبلیغ کا طریقہ سیکھنے کے لئے، پھر کھانا کھانے اور آرام کرنے کا وقت آجاتا، عصر کے بعد بدستور روزانہ کا معمول شروع ہو جاتا۔

۱۸ رجولائی کو خود مولانا، جناب حافظ فخرالدین صاحب، مولانا احتشام الحسن صاحب، جناب محمد شفیع صاحب قریشی اور حاجی نسیم صاحب کی معیت میں تشریف لے آئے، موتی محل کے پل سے پہلے سبزہ پر آپ نے نوافل پڑھے اور دیر تک بڑے درد اور خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے۔

دارالعلوم میں سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے جہاں جماعتیں اپنے اسباق اور اشغال میں الگ الگ حلقوں میں بٹی ہوئی اپنے اپنے معلم کی ماتحتی میں بیٹھی ہوئی تھیں انتہائی تعلق اور اشتیاق کے باوجود کوئی شخص اپنا کام چھوڑ کر مولانا سے مصافحہ اور آپ کے استقبال کیلئے نہیں اٹھا، مولانا نے سب پر نگاہِ شفقت ڈالی اور امیر جماعت حافظ مقبول حسن صاحب سے مصافحہ اور کلام کیا اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ ایک روز پہلے ہی تشریف لائے تھے اور مولانا کے ساتھ ہی مقیم تھے۔ سید صاحب کو اس سے پہلے چند گھنٹوں کے لئے تھانہ بھون کے اسٹیشن اور تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل میں معیت اور گفتگو کا اتفاق ہوا تھا اور آپ نے اگلے روز پھاٹک حبش خاں کے جلسے میں مولانا کی دعوت کی ترجمانی اور اپنے خیالات کا اظہار فرمایا تھا، اس موقع پر ۸۔ ۹ دن شب و روز ساتھ رہا۔

دوسرے روز شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، مولانا منظور صاحب نعمانی، اور مدرسہ مظاہر العلوم کے بعض مدرسین حضرات اور مولانا عبدالحق صاحب مدنی تشریف لائے۔

لکھنؤ کے قیام میں تین روز چودھری نعیم اللہ صاحب کی کوٹھی پر اور دو روز شیخ اقبال علی صاحب کی قیام گاہ بھوپال ہاؤس میں عصر کے بعد نشست رہی اور حاضرین کے سامنے اس دعوت کا تعارف اور اس کے مقاصد و اصول کی تشریح کی گئی۔

ان مجلسوں کے علاوہ صبح سے ظہر تک مہمان خانہ میں آنے والوں کے سامنے اس دعوت کے اصول و مقاصد اور دین کے حقایق کو بے تکلف بیان فرماتے رہتے تھے اور مشکل سے کوئی جلسہ اور کوئی نشست اس تذکرہ سے اور بلند علوم و معارف سے خالی رہتی۔ ظہر کے بعد دارالعلوم کی مسجد میں اجتماع رہتا اور سلسلۂ کلام عصر تک جاری رہتا۔

لکھنؤ کے قیام میں مولانا عبدالشکور صاحب کے یہاں بھی جانا ہوا، مولانا قطب میاں صاحب فرنگی محلی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور آپ بازدید کے لئے فرنگی محل تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے ادارۂ تعلیمات اسلام کو بھی مشرف فرمایا۔

آخری روز جمعہ کا دن خاص مصروفیت کا تھا، صبح طلبہ کی جمعیۃ الاصلاح میں ایک مختصر تقریب میں شرکت کے بعد امیرالدولہ اسلامیہ کالج تشریف لے گئے، جہاں ایک بڑا اجتماع آپ کے انتظار میں تھا، وہاں پہلے مولانا سید سلیمان صاحب نے ایک پراثر تقریر کی، آپ کے بعد مولانا نے ارشاد فرمایا، وہاں سے فراغت پاکر ماموں بھانجے کی قبر والی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد مقررین نے لوگوں کو دہلی کی تبلیغی جماعت کے ساتھ کانپور جانے کی ترغیب دی، مولانا مسجد کے اندر دالان میں تشریف رکھتے تھے، سفر کے لئے کوئی تیار نہیں ہوا، مولانا جلسے کی اس سرد اور افسردہ فضا کو دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور دین کی اس دعوت پر (جو مولانا کے نزدیک دین سے تعلق پیدا

کرنے اور اس مشغولیت اور بعد کے زمانہ میں دین سیکھنے اور سکھانے کا واحد ذریعہ تھا، لوگوں کے اس جمود پر بے چین اور بے قرار ہو گئے، خود دروازہ جاکر بند کر دیا اور اس پر پہرہ بٹھا دیا اور مسجد کے بیچ کے در میں کھڑے ہوکر لوگوں کو آمادہ کرنا شروع کیا، بعض لوگوں کو کھڑا کر کے پوچھا کہ تمہارا کیا عذر ہے، جب تم دنیا کے لئے سفر کرتے رہتے ہو تو دین کے لئے کیوں نہیں کرتے۔ آپ اس وقت سراپا جوش و اثر تھے، سارا جسم، پوری روح اور سارے قوئی اس کام کی طرف متوجہ تھے، حاجی ولی محمد صاحب کئی روز سے صاحب فراش تھے، بواسیر کی شکایت نے نقاہت پیدا کر دی تھی، آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، تم کیوں نہیں جاتے؟ انہوں نے کہا میں تو مر رہا ہوں! فرمایا مرنا ہی ہے تو کانپور جاکر مرو۔ وہ سفر پر آمادہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا سفر بخیر و عافیت پورا کر دیا، ان کے علاوہ ۸۔۱۰ آدمی اور تیار ہو گئے جن میں اکثر بہت کام کے ثابت ہوئے، اور ان کا سفر بہت مبارک رہا۔

رات کی گاڑی سے آپ، شیخ الحدیث صاحب اور جناب حافظ فخرالدین صاحب اور بعض دوسرے رفقاء کی معیت میں رائے بریلی تشریف لے گئے۔ تین چار بجے رات کو قیام گاہ پر پہنچے[1] باوجود رات کو جاگنے اور تھک کر چور چور ہونے کے آپ اپنے کام میں مشغول رہے، خاندان کے افراد کے سامنے بڑے حکیمانہ اور موثر طریقے پر اپنی دعوت پیش کی اور دین کی سادات سے مناسبت اور سادات کی دین سے مناسبت پر

---

[1] شہر رائے بریلی سے باہر سئی ندی کے کنارے ایک مختصر سی بستی ہے جو حضرت سید علم اللہ نقشبندی (خلیفہ حضرت سید آدم بنوری) کی آباد کی ہوئی اور اُن کے نامور فرزند حضرت سید احمد شہیدؒ کا وطن ہے جو سید علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چوتھی پشت میں ہیں۔

ایک نہایت لطیف اور موزوں گفتگو کی اور دین کے کام کو لے کر اُٹھنے اُس کو اپنا مشغلۂ زندگی بنانے پر اُبھارا اور فرمایا کہ دین کا کام اگر سادات نہیں کریں گے تو اس کو وہ ترقی نہیں ہوگی جو اُن کے کرنے سے ہوتی اور اگر سادات دین کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کریں گے تو اُن کو وہ حقیقی چین نصیب نہیں ہو سکتا جو اپنا فطری کام کرنے میں ہوتا ہے۔

دوپہر کی گاڑی سے لکھنؤ واپسی ہوئی اور اسٹیشن ہی سے کانپور روانگی ہوگئی جہاں دو روز قیام فرما کر دہلی تشریف لے آئے۔

دعوت کی برکت

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

دعوت ایک ایسی دولت اور ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر اس کو صحیح طریقہ سے کیا جائے تو انسان کے اندر زندگی کے شعبوں میں چلنے کی استعداد، ایمان میں قوت، عبادات میں جان معاملات میں درستگی، معاشرت میں پاکیزگی اور اخلاقیات میں حسن پیدا ہوگا۔

جس قدر اس دعوت والے کام میں آدمی بڑھتا جائے گا اس کی اپنی عملی زندگی بنتی چلی جائے گی اور یہی اس کی نجات کا راستہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

باب ششم

مرض وفات اور زندگی کے آخری حالات

مولانا کی صحت ہمیشہ سے کمزور تھی اور اس پر محنت کی شدت اور تسلسل و مشغولیت اور بے آرامی نے اس کو اور بھی کمزور کر دیا تھا، آنتوں کی شکایت موروثی اور پیدائشی تھی، سفروں کی کثرت اور ان کی وجہ سے بے احتیاطی اور سونے اور کھانے کی بے قاعدگی نے نظام جسمانی کو متزلزل کر دیا تھا، نومبر ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء میں آپ کو پیچش ہوئی اور ایسی ہوئی کہ پھر نہ اچھی ہوئی، اس زمانے میں دہلی سے جو آتا اس سے معلوم ہوتا کہ مولانا کی شکایت بدستور ہے اور ضعف بڑھ رہا ہے، اپنے کام میں مشغولیت و انہماک بدستور تھا اور جوش و فکرمندی زائد، ۱۳ جنوری ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء کو ایک دوست[۱] نے دہلی سے لکھا:-

بفضلہ تعالیٰ حضرت کو اب کافی افاقہ ہے مگر ضعف بہت ہے باوجود حکماء کی تاکید کے بولنا بند نہیں کرتے، فرماتے ہیں کہ تبلیغ کے لئے بول کر مرجانا پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ اس سے خاموش رہ کر صحت حاصل کروں، فرماتے ہیں کہ میری بیماری کی خاص وجہ یہی ہے کہ علما توجہ نہیں کر رہے ہیں علما آئیں جو سمجھنے کے اہل ہیں

۱؎ عبدالجبار صاحب (ضلع گونڈہ)

اگر اس کے لئے ان کو قرض لینا پڑے تو نہ گھبرائیں اللہ تعالیٰ برکت دے گا، یہ ہماری نعمت ہے اسی کو سن کر لوگ آئیں مگر لوگ نہیں آتے، اس کی برکتوں کا کھلا ہوا مشاہدہ کر رہا ہوں، ان کلمات کو فرماتے وقت حضرت کی وہ حالت تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا خاص کر آخری جملہ۔"

۲۱ محرم ۱۳۶۳ھ (۱۷ جنوری ۱۹۴۴ء) کو لکھنؤ کی ایک جماعت دہلی کے لئے روانہ ہوئی، شرکائے جماعت میں مولانا حافظ عمران خاں صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور حکیم قاسم حسین صاحب بھی تھے، مولانا کو دیکھا بہت ضعیف ہو رہے تھے مگر چلتے تھے اور نماز اکثر خود پڑھاتے تھے، گفتگو اور تقریر میں کوئی کمی نہیں تھی۔ البتہ بیٹھ جاتے تو اٹھنے کے لئے بعض اوقات سہارا دینا پڑتا، مرض کافی ترقی کر چکا تھا اور خطرے کے آثار تھے، ان دنوں مولانا محمد یوسف صاحب کشمیری (امیر واعظ صاحب) مقیم تھے اور مولانا پوری طاقت کے ساتھ علماء کو اس کام کی اہمیت اور عظمت سمجھانے کی طرف متوجہ تھے اور یہی ان دنوں مولانا کی سب سے بڑی فکر اور موضوع سخن تھا، مولانا اس وقت اس کی بڑی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اہل فہم اور اہل بصیرت ان کے قریب رہیں، صبر و سکون سے ان کی باتیں سنیں اور اس دعوت کے اصول و قواعد کو اخذ کریں اور اس تحریک کو اپنا لیں، علماء کے نام مولانا کا بار بار پیغام تھا کہ یہ تحریک و دعوت آپ ہی کے لائق ہے اور آپ ہی اس کے لائق ہیں اور آپ ہی کے اس کو لے کر کھڑے ہونے سے اس کو صحیح فروغ ہوگا۔ میری مثال محض اس شخص کی سی ہے جس نے کہیں آگ لگی ہوئی دیکھی تو آگ بجھانے کے لئے لوگوں کو پکارنے لگا، اس شخص کا کام لوگوں کو پکارنا تھا، آگ بجھانے والے دوسرے ہی ہیں۔

دہلی کے تاجروں اور مبلغین کو تاکید فرماتے تھے کہ علما سے فائدہ اٹھائیں، شہر میں جلسے کریں اور ان کے خیالات سے عوام کو مستفید اور ان کی تائید و تصدیق سے اپنی دعوت کو تقویت پہونچائیں، چنانچہ ان دنوں جابجا جلسے ہوئے جن میں جناب مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب، مولانا عمران خاں صاحب اور بعض دوسرے اصحاب نے تقریریں کیں، جناب مفتی کفایت اللہ صاحب نے بڑی کھل کر اور بڑے جوش کے ساتھ تحریک کی تائید کی، مولانا کو اس سے بڑی مسرت ہوئی اور اعتراف و شکر کے کلمے زبان سے نکلے۔

مولانا ان جلسوں کی روداد سننے کے لئے مضطرب و بیتاب رہتے تھے اور جب تک متعدد آدمیوں سے نہیں سن لیتے تھے سوتے نہیں تھے، اکثر ہم لوگوں کی واپسی جلسہ سے فراغت پاکر دیر رات کو ہوتی، مولانا برابر بیدار رہتے، آہٹ پاتے ہی طلب فرماتے اور جلسے کی کیفیت اور تفصیلات بڑے شوق و محویت کے ساتھ سنتے بعض اوقات مقررین سے اپنے خیال کی ترجمانی میں کوتاہی یا تسامح سن کر زبانِ قال سے کچھ نہ فرماتے مگر زبان حال سے کہتے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من　　　وز دورن من نجست اسرار من

صبح کی چائے اور رات کے کھانے کے بعد عموماً گفتگو فرماتے جو بعض اوقات کئی کئی گھنٹے جاری رہتی جس سے ضعف بڑھ جاتا، ہم لوگ ادب سے چپ رہتے ایک روز میر واعظ صاحب نے خوب فرمایا کہ شاید اسی موقع کے لئے ہے (حتّٰی قلنا لیتہ سکت)

ان ہی دنوں میں صاحب زادہ مولانا محمد یوسف صاحب کی امارت میں گھاٹ میکا کا ایک کامیاب تبلیغی سفر پیش آیا جس میں میوات کے ان جلسوں کی تمام خصوصیات

اور مناظر دیکھنے میں آئے جو مولانا کی موجودگی میں دیکھنے میں آتے تھے۔

علماء سے ربط مولانا کی دعوت کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ اُمت کے مختلف حلقوں اور طبقوں میں جو بعد و بیگانگی اور غلط فہمیوں کی بنا پر ایک دوسرے سے جو وحشت و تنفر پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو اور ان میں پھر ربط و اُلفت پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون اور اشتراک عمل کریں، ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کرنا جانیں اور ہر ایک کو دوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو۔

مولانا اس سلسلہ میں جیسا کہ آگے آئے گا کسی ایسے طبقے اور حلقے کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے تھے جو دینی حیثیت سے بہت پست اور بعید ہو، اس لئے عوام اور علما کی بیگانگی اور ایک دوسرے سے دوری اور وحشت کو کسی طرح دیکھ نہیں سکتے تھے اور اس کو امت کی بہت بڑی بدقسمتی اور اسلام کے مستقبل کے لئے بہت بڑا خطرہ اور الحاد و بے دینی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے، مولانا اپنی اس دعوت سے یہ امید رکھتے تھے (اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے) کہ اس میں شریک ہونے سے عوام اور علما ایک دوسرے سے قریب ہو جائیں گے، ہر ایک دوسرے کو پہچاننے لگے گا اور اس کی طرف اپنی احتیاج محسوس کرے گا۔

خاکسار نے کھاٹ میکا میں مولانا محمد یوسف صاحب کے حکم سے علماء میوات کے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی جس میں عرض کیا کہ اگر علماء نے اس دعوت کے ذریعہ عوام سے اپنا ربط نہ بڑھایا اور ان میں کام نہ کیا تو قوی اندیشہ ہے کہ علماء بھی ملک میں ایک ایسی اچھوت اقلیت اور اجنبی عنصر بن کر رہ جائیں گے جن کی تہذیب و معاشرت سے عوام بالکل بیگانہ ہوں گے، زبان و خیالات تک عام طبقے کے لئے نامانوس ہو جائیں گے

اور شاید دونوں کے درمیان ترجمان کی ضرورت پیش آئے، مولانا نے جب مولوی یوسف صاحب سے اس تقریر کا خلاصہ سنا تو بہت پسند فرمایا۔ یہ دراصل مولانا ہی کی گفتگو اور مجلسوں سے اخذ کیا ہوا مضمون تھا جس کی تصدیق اس دعوت و تحریک کے سلسلے میں بارہا ہوئی۔

مولانا ایک طرف علماء کو عوام سے اس دعوت کے ذریعہ قریب ہونے کی اور ان کا درد اپنے دل میں پیدا کرنے کی تاکید فرماتے تھے، دوسری طرف عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدردانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے، ان کو بتاکید اصول کے مطابق علما کی خدمت میں حاضر ہونے کی فہمائش کرتے تھے، ان کی ملاقات اور زیارت کا ثواب بیان فرماتے تھے۔ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کے آداب و اصول سمجھاتے تھے۔ ان کو دعوت دینے اور ان سے فائدہ اُٹھانے اور ان کو مشغول کرنے کا طریقہ بتاتے تھے، ان کی جو باتیں سمجھ میں نہ آئیں اُن کی تاویل اور اُن کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی عادت ڈالتے۔ ان کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے اور پھر اُن سے پوچھتے تھے کہ کس طرح گئے اور کیا باتیں ہوئیں؟ پھر ان کی تنقیدوں اور تاثرات کی اصلاح و تصحیح فرماتے تھے، اس طرح عوام تجار اور کاروباری لوگوں کو علما سے اتنا قریب کر دیا کہ پچھلے برسوں میں (غالباً تحریک خلافت کے بعد) کبھی اتنے قریب نہیں ہوئے۔

بدقسمتی سے شہروں میں سیاسی تحریکات اور مقامی اختلافات کی وجہ سے عوام میں علماء کی طرف سے ایک عام بیزاری پیدا ہونے لگی تھی اور بغیر کسی استثنا اور تخصیص کے عام عاملین دین اور علماء کے خلاف ایک عام جذبہ عناد پیدا ہونے لگا تھا۔

مولانا کی ان کوششوں اور حکمت عملی سے کم سے کم اس دعوت کے حلقہ اثر میں یہ بات پیدا ہوگئی کہ سیاسی اختلافات کو عوام دین کے لئے گوارا کرنے لگے اور سیاسی مسلک کے اختلاف کے باوجود علماء حق کی تعظیم اور قدر و اعتراف کی گنجائش نکل آئی۔ بڑے بڑے تاجر جو علما سے برسوں سے متوحش تھے علما کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر ہونے لگے اور اپنے تبلیغی جلسوں اور تقریبوں میں ادب و احترام کے ساتھ لے جانے لگے مرض وفات کی ابتداء میں مولانا کی اس کی طرف بڑی توجہ تھی اور اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔

مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی طرف توجہ خیالات کے تھوڑے تھوڑے اختلاف سے اور عرصے سے ایک دوسرے سے دور رہنے سے اہل سنت کی مختلف جماعتوں میں ایک دوسرے سے وحشت پیدا ہوگئی تھی۔ ہر جماعت اپنے دین کی حفاظت اسی میں سمجھتی تھی کہ دوسرے کے سایے سے بھاگے، ایک دوسرے کے محاسن کی بالکل خبر نہیں تھی۔ ایک دوسرے سے نفع اٹھانے کے راستے عرصے سے بند ہوچکے تھے۔

ان اختلافات کو زائل کرنے کا طریقہ لوگوں نے صرف مناظرہ و مباحثہ دوسرے کے مسلک کی تردید اور اپنے مسلک کا اثبات اور دلائل و براہین کو سمجھانا، لیکن تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ اس سے اختلافات دور نہیں ہوتے بلکہ اور بڑھتے ہیں ضد اور عناد پیدا ہوتا ہے اور وحشت میں اور ترقی ہوتی ہے۔

مولانا کے نزدیک اس کا طریقہ یہ تھا کہ اخلاق و اکرام سے ان کے ذہن کی گرہیں کھولی جائیں اور دل کی سلوٹیں اور شکن دور کیے جائیں تعلق پیدا کیا جائے اور مانوس کیا جائے، ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور برتنے سے غلط فہمیاں

خود بخود رفع ہو جائیں گی، ان کے دین کے صحیح اور اصولی کام میں لگ جانے اور اختلاط و صحبت سے اختلافات میں اعتدال پیدا ہو جائے گا اور افراط و تفریط باقی نہ رہیگی

اس مرض وفات میں اس کی طرف خاص توجہ ہوئی اس کے لئے آپ خاص اصول و ہدایات تعلیم فرماتے تھے اور اس سلسلہ میں ایسی نازک باتیں ذہن میں آتی تھیں اور اس کے لئے اتنی دقیق رعایتیں اور وسیع انتظامات اور سلسلے اختیار فرماتے تھے جو شاید اہلِ سیاست و تدبیر بھی اپنے اہم اور نازک کاموں میں اختیار نہیں کرتے۔

مولانا کی عیادت کے لئے یا مسجد میں، اُن علماء میں سے جن کی زیادہ آمد و رفت نہیں رہتی تھی، اگر کوئی بزرگ تشریف لے آتے تو مولانا ان کی تواضع و اکرام میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتے، ان کی آمد کا اتنا اہتمام اور ان کی خاطر و دلجوئی کا اتنا لحاظ کرتے جس سے زائد تصور میں نہیں آتا اور ان کو کسی طرح کی بیگانگی و اجنبیت اور جماعتی عصبیت کی بو بھی محسوس نہ ہونے دیتے۔

علالت کا اشتداد

مارچ ۱۹۴۴ء میں ضعف بہت بڑھ چکا تھا نماز بھی پڑھانے سے معذور تھے لیکن جماعت میں دو آدمیوں کے سہارے تشریف لاتے تھے، اور کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے کئی بار فرمایا کہ میں اس مرض سے جانبر نہیں ہوں گا، ظاہر اسباب میں صحت نہیں معلوم ہوتی، یوں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے، اہل زمانہ کی شکایت فرماتے کہ فروعی اور تکمیلی کاموں اور شاخوں اور پتیوں میں اس قدر مشغول ہیں کہ اصلی اور بنیادی کام کے لئے وقت نہیں رہا۔ انہی دنوں میں دو نہایت لطیف تقریریں فرمائیں جن میں بند بند لفظوں میں اس کا اظہار تھا کہ وقتِ اخیر کچھ دور نہیں ہے اور اس میں بھی اللہ کے بڑے مصالح ہیں۔

علماء کی آمد سندھ جانے والی جماعتوں کے ذریعہ مولانا حافظ ہاشم جان صاحب مجددی کو اس تحریک سے دلچسپی اور مولانا کی ذات سے غائبانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ مارچ میں وہ دہلی تشریف لے آئے، مولانا نے ان کی آمد کا بڑا اہتمام اور اس پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ مولانا اپنے اس کام میں اُن لوگوں کی شرکت سے بے حد مسرور ہوتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص دل و دماغ اور خاص جوڑ عطا فرمایا اور ان کے اسلاف سے دین کی بڑی خدمت و ترقی ہوئی، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت فرزندی کی وجہ سے مولانا نے مخدوم زادوں کی طرح ان کا اکرام فرمایا۔

مارچ ہی کے مہینہ میں پیر صاحب کی آمد کے چند روز بعد راقم سطور کے برادر محترم ڈاکٹر مولوی سید عبد العلی صاحب کی آمد ہوئی، مولانا نے لیٹے لیٹے ان سے معانقہ فرمایا اور ان کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں آپ کے آنے کی خوشی سے پہلے سے اچھا ہوں، اس بیماری میں یہ معمول رہا کہ کام کے سلسلے میں اگر کوئی خوشی کی بات پیش آتی تو مولانا کی صحت دفعتاً ترقی کر جاتی اور نشاط پیدا ہو جاتی۔ روح کو توانائی پہونچتی جس سے مرض کے کچھ اثرات دب جاتے۔

مولانا نے ان دونوں صاحبوں سے دہلی کے اِن حلقوں میں کام لینا چاہا جہاں کے لوگ ابھی کام سے مانوس نہیں ہوئے تھے اور ان سے زیادہ مانوس تھے، مولانا نے ان کی آمد کو محض ذاتی نہیں رہنے دیا بلکہ کام کے لئے مفید بنانے کی کوشش کی، مولانا اپنے لوگوں سے برابر تقاضا فرماتے رہتے تھے کہ ان کے حسب حال اور شایانِ شان اُن سے کام لیا جائے اور اُن کی آمد سے وہ خصوصی فائدہ اُٹھایا جائے جو دوسروں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

بار بار فرماتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کا وقت ضائع ہو رہا ہے، تم ان سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ بار بار کہنے کے بعد ایک بار اُن سے یہ فرمایا کہ کہیں آپ تو نہیں سمجھتے کہ وقت ضائع ہو رہا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ فرمایا بس کہیں آپ بھی میرے بار بار کہنے سے نہ سمجھ لیں کہ واقعی وقت ضائع ہو رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو پرانے تجربہ کار میواتیوں سے ملنے اور ان کے پاس وقت گزارنے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ آپ کا قیام پیچھے دارالاقامہ کے کمرے میں تھا مگر مولانا کو اس سے خوشی نہ تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ جو مسجد سے باہر رہے وہ اپنے کو آیا ہوا نہ سمجھے، ڈاکٹر صاحب نے مسجد ہی میں زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا اور اس کا اعتراف کیا کہ مسجد میں میواتیوں اور مبلغین کے ساتھ وقت گزارنے سے اُن کو نمایاں فرق معلوم ہوا اور محسوس فائدہ ہوا۔

ایک مرتبہ مولانا کے تقاضے سے مدارس کے علما اور ارباب اہتمام بھی جمع ہوئے اور اس پر مشورہ کیا کہ ان کے مدارس اس کام میں کیا حصہ لے سکتے ہیں مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ عبدالرب دہلی، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مولانا اعزاز علی صاحب استاد دارالعلوم دیوبند اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اس مجلس مشاورت میں شرکت کی۔

مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری بھی نظام الدین تشریف لے آئے اور نظام الدین کی رونق دوبالا ہو گئی۔

آخر مہینہ میں یہ محفل انجم منتشر ہوئی، بھائی صاحب رخصت ہونے لگے تو مولانا

نے فرمایا ع حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

سندھ کو تیسری جماعت | اپریل کی ابتدائی تاریخوں میں ۶۰، ۷۰ آدمیوں کی ایک جماعت حافظ مقبول حسن صاحب کی امارت میں سندھ روانہ ہوئی، اس قافلہ کی پہلی منزل لاہور ہوئی جہاں اس نے دو تین روز ٹھہر کر کام کیا، اس جماعت کے پہنچنے کے دوسرے روز پیر ہاشم جان صاحب بھی تشریف لے آئے، ایک روز پیر صاحب کی معیت میں حضرت نور المشائخ صاحب (کابل) کی خدمت میں جو ان دنوں لاہور میں مقیم تھے، چند اصحاب نے حاضری دی اور مولوی سید رضا حسن صاحب نے اس تحریک کا تعارف کرایا۔

پشاور کی جماعت کی آمد | پشاور میں مولانا کے تذکرے اور تحریک کے تعارف سے متاثر ہو کر دوستوں کی ایک جماعت نے اپریل میں دہلی جانے اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا تھا، مولانا کی خدمت میں لکھا گیا اور اسی خط میں عرض کیا گیا کہ آپ کی زندگی وصحت اسلام کی ملکیت اور مسلمانوں کی ایک دولت ہے، آپ اس کے بقا کے لئے خود بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ مولانا کی طرف سے اس کا حسب ذیل جواب گیا۔

> اپریل میں جماعت کا آنا مبارک ہو، مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبل ازیں کہ وہ جماعت یہاں تشریف لاوے پہلے پہلے اگر جناب کی زیر نگرانی اصول کی پابندی کرتے ہوئے وہیں پر کچھ دنوں کام کرے اور اس طریق سے کچھ کام سے مناسبت پیدا کر لے تو پھر اپریل میں یہاں آنا بہت زیادہ مفید ہوگا لہذا وقت مقررہ سے پہلے اس جماعت سے آپ اپنی نگرانی میں وہاں کام کرالیں۔"
>
> میں اپنی تن درستی کے دعا گو ہوں مگر بدیں شرط کہ میں اپنے اوقات کو

نظام الاوقات سے گزار سکوں اور میرے اوقات کا کوئی حصہ لایعنی میں صرف نہ ہو جیسا کہ میری موجودہ حالت اب ہے، جو چیز میرے بغیر نہ ہو سکے اُس میں میں دخیل بنوں ورنہ سب کام کا انصرام جماعت کرے، یہ سبق میں نے اپنی بیماری سے حاصل کیا ہے۔" (۱۴ مارچ ۱۹۴۴ء)

۸ اپریل کو متعدد تبلیغی گشتوں اور عملی کام شروع کر دینے کے بعد ایک مختصر جماعت پشاور سے دہلی کو روانہ ہوئی جن میں ارشد صاحب، مولانا احسان اللہ صاحب ندوی مستری عبدالقدوس صاحب اور دو بچے تھے، ۱۰ اپریل سے ۱۴ اپریل تک ان کا قیام نظام الدین میں رہا۔

نظام الدین کا نظام اوقات اور ماحول ارشد صاحب نے اس سفر کے مشاہدات و تاثرات قلم بند کر لئے تھے جو اب ایک تاریخی دستاویز ہے، اس کے کچھ اقتباسات جن سے اس وقت کے حالات و ماحول پر روشنی پڑتی ہے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

> ایک بجے ایک بچہ پیغام لایا کہ کھانا تیار ہے مسجد ہی کے ایک کونے میں مولانا کا حجرہ ہے وہاں داخل ہوئے وہاں کھانا چنا تھا اور چارپائی پر حضرت لحاف اوڑھے تکیوں کے سہارے بیٹھے تھے، ان کے سامنے ان کا پرہیزی کھانا رکھا تھا، چہرہ سے نور صاف عیاں تھا اور جسم تھا کہ بس ہڈیوں کا پنجر، ان کی چارپائی کے پاس زمین پر اُن کے معالج حکیم صاحب بیٹھے تھے، ہم سب افراد سلام کر کے کھانے پر بیٹھ گئے، کوئی بیس تیس اشخاص ہوں گے، کھانے کے دوران میں حضرت نے مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے۔
>
> ا۔ حکیم صاحب! میں تو آپ کے پرہیز کے مطابق عمل کرنا شرعی فرض سمجھتا

ہوں، کیا یہ کم ہے کہ میں نماز میں قیام کے ثواب سے محروم ہوں۔

۲۔ بھائیو! خداوند کریم کا اپنے بندوں سے خاص لگاؤ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کافروں کے ساتھ بھی یہ لگاؤ موجود ہے، یہ لگاؤ ہی تو تھا جس نے حضرت یونس کے حق میں قرآن حکیم کے یہ کلمات کہلوائے" فالتقمہ الحوت وھو ملیم" ملیم کے لفظ پر حضرت نے زور دیا۔ جب کافروں تک سے خدا کو اتنا لگاؤ ہے تو مومنین سے کیا کم ہوگا، بھائیو! مومنین کی خدمت عبدیت کا اصل مقام ہے، عبدیت کیا ہے؟ مومنین کے لئے ذلیل ہونے کی عزت کو حاصل کرنا، یہی ہماری تحریک کا اولین اصول ہے اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ کوئی اجتہادی (یعنی علماء کرام) تقلیدی (عوام الناس) یا مادی (جو لوگ ہر کام کو دولت یا دنیا کے حصول کے لئے کرتے ہیں) اس کی تردید نہیں کرسکتا

اس کے بعد مولانا نے کبر وریا کی مذمت فرمائی اور مجلس برخاست ہوئی۔

ظہر کے وقت حضرت دو آدمیوں اور ایک لکڑی کے سہارے باہر نکلے حضرت منبر کے سہارے بیٹھ گئے اور فرمایا۔

۱۔ بھائیو! ہم رسول کریمؐ کے راستے سے صرف بھٹکے ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ بھٹک گئے ہیں۔ کبھی حکومت یا اور کسی قسم کا سیاسی اقتدار مسلمانوں کا مقصد نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم کے راستے پر چلتے ہوئے اگر حکومت مل جائے تو اس سے ہمیں ہٹنا نہیں لیکن یہ ہمارا مقصد ہرگز نہیں۔ بس اس راہ میں ہمیں سب کچھ بلکہ جان تک بھی لٹا دینا ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ یاد رکھو کہ مسلمانوں کی برائیوں کا انسداد ان کی

برائیوں کی برائی بیان کرنے سے نہیں ہو سکتا بلکہ چاہیے کہ ان میں جو ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہو اس کی تکثیر کی جائے، برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

اس کے بعد نماز کھڑی ہو گئی اور حضرت کو دو آدمیوں نے پکڑ کر کھڑا کیا حیرت ہے کہ جو شخص بغیر دو آدمیوں کی امداد کے اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا وہی شخص نماز کی چار رکعتوں میں قیام، رکوع، سجدہ، جلسہ مکمل طور پر کمال اطمینان اور چستی سے کر رہا ہے۔

نماز کے بعد حضرت نے ہمیں مخاطب کر کے کہا دیکھو تم لوگ مسند نشینی کیلئے نہیں آئے، اپنا وقت بیکار نہ ہونے دو ہمیشہ ذکر و تعلیم میں مصروف رہو تم لوگ بہت ہی کم وقت کے لئے آئے ہو یہ وقت تو کچھ نہیں پھر نہایت لجاجت سے کہا بھائی دوسری دفعہ ایک کثیر جماعت لے کر آنا اور کافی عرصہ قیام کرنا یہاں زیادہ سے زیادہ عرصہ قیام کی ضرورت ہے۔

دو آدمیوں کے سہارے نماز کے بعد مولانا حجرہ میں واپس تشریف لے گئے حاضرین کو دو گروہوں میں منقسم کیا گیا، ایک عربی داں طبقہ اور ایک غیر عربی داں۔ غیر عربی داں طبقہ کو تحریک کے متعلق اردو کتابوں کی تعلیم ہوتی رہی اور عربی داں طبقہ کو کتاب الایمان سے چند حدیثیں پڑھ کر سنائی گئیں اور ان پر باہم مذاکرہ رہا۔ معلوم ہوا کہ یہاں کے مقیم حضرات کو اس نصاب کی تکمیل ضروری ہے۔

رات کو پشاور کی جماعت نے دوسری جماعتوں کے ساتھ پہاڑ گنج

میں تبلیغ کی اور وہیں رات گزاری۔

دوپہر سے پہلے حدیث کا دورہ رہا اور خوب رہا۔ چائے کے وقت حضرت کی طبیعت اچھی معلوم ہوتی تھی، مجھ سے فرمانے لگے کہ بھائی کثیر جماعت بھیجو، دنیا کا معمولی کام بغیر سیکھے نہیں آتا، حتیٰ کہ چوری کے لئے بھی استاد کی ضرورت ہے اگر بے سیکھے چوری کرو گے تو پکڑے جاؤ گے تو پھر تبلیغ جیسا اہم کام بغیر سیکھے کیوں کر آسکتا ہے، پھر نہایت ملائمت سے فرمانے لگے کیوں بھائی جماعت لاؤ گے؟ میں نے عرض کیا حضرت اگر پہلے یہاں سے ایک جماعت پشاور آجائے تو انشاء اللہ پھر پشاور کے لوگ اس کام کی طرف بہ آسانی متوجہ ہو سکتے ہیں!

فرمانے لگے بھائی دیکھو ایک کام کرو تم..... و..... یا..... کو خود بھی لکھو اور وہاں کے بااثر لوگوں سے لکھواؤ کہ وہ جماعت لے کر پشاور آئیں ایک تو آپ کے شہر میں جماعت آجائے گی دوسرے یہ لوگ خود بھی اب تک مسند نشینی کر رہے ہیں عمل کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

آج ظہر کی نماز کے بعد حضرت تبلیغی جماعتوں کی تشکیل اور ان کی روانگی کے متعلق ہدایات فرماتے رہے۔

ظہر کے بعد حدیث کا دورہ رہا اور خوب رہا، مولانا واصف صاحب نے کتاب الجہاد سے عجیب و غریب حدیثیں سنائیں۔

میلہ اور عرس کے سلسلے میں مسجد میں لوگ کثرت سے آئے ہوئے تھے ان میں تبلیغ ہوتی رہی۔

شام کو ۵ بجے تبلیغی جماعت حسب معمول روانہ ہوئی۔

۱۲ راپریل ۱۹۴۲ء آج چائے کے وقت حضرت نے فرمایا جس طرح پہلے پیغمبر شریعت لائے تھے اسی طرح ہمارے سرکار بھی شریعت لائے، حضرت عیسیٰ کی انجیل نے تورات کو منسوخ نہیں کیا تھا۔ اس کے احکام میں ترمیمات کی گئی تھیں لیکن رسول کریمؐ کے قرآن نے پہلی سب کتابوں کو منسوخ کردیا۔ اب ان کا براہ راست اتباع حرام ہے۔

جس چیز میں ہمارے حضورؐ دیگر انبیا سے ممتاز تھے وہ طریقۂ تبلیغ تھا پہلے انبیا کے بعد سلسلۂ نبوت جاری تھا اس لئے انھیں اس اہتمام کی ضرورت پیش نہ آئی جس اہتمام کو ہمارے حضور نے ملحوظ رکھا، کیونکہ ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم تھا اور تبلیغ کا تمام بوجھ ان کی امت کے افراد پر پڑنا تھا۔

آپ جماعتیں بنا بنا کر احکام دین سکھانے کے لئے بھیجتے تھے اور ضرورت ہے کہ اس طریقۂ تبلیغ کا پھر احیا ہو۔

پھر حضرت نے لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کے مسئلہ پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ دنیاوی معاملات حتیٰ کہ مرشد والدین واستاد تک کے تعلقات میں اسے ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

مولوی احسان اللہ صاحب سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے بھئی مولوی جی! یہ کام قرن اول کا ہیرا ہے اس کے لئے اپنی جانیں قربان کردو، اور اپنا سب کچھ مٹادو، اس کے لئے جتنا زیادہ قربان کروگے اتنا زیادہ پاؤگے۔

یہ سب کچھ جو تم سن رہے ہو اور لطف اٹھا رہے ہو یہ یوں ہے جیسے کوئی

دوسرے کے باغوں کے میووں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اصل خوشی تو یہ ہے کہ اپنے باغ کا پھل پیدا کر وا ور یہ چیز بغیر محنت اور قربانی کے کیونکر آسکتی ہے۔

عصر کے وقت بہت زور کی بارش ہونے لگی، آج تبلیغ کا ارادہ ملتوی تھا، عصر کے وقت جب حضرت باہر نکلے تو ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ آج جماعت کیوں گشت کے لئے نہیں گئی۔ آپ نے میواتیوں کی قربانی اور ایمان کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ یہ لوگ تمہارے محسن ہیں، ان لوگوں نے تمہیں صحیح راستہ بتایا۔ پھر ایک غریب میواتی کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ جب پہلے پہل میں نے اس سے کہا کہ جاؤ تبلیغ کرو تو یہ مجھ سے کہنے لگا کہ تبلیغ کیا ہوتی ہے؟ میں نے کہا تم لوگوں کو کلمہ سکھاؤ، اس نے کہا کلمہ تو حضرت مجھے خود نہیں آتا، میں نے کہا جاؤ تم لوگوں سے یہی کہو کہ دیکھو میری یہ عمر ہو گئی ہے اور نہ سیکھنے کی وجہ سے مجھے اب تک کلمہ نہیں آتا، بھائیو تم کسی کے پاس جا کر کلمہ ضرور سیکھو

مولانا کی تقریر کے اثر سے سخت بارش میں نماز عصر کے بعد جماعت روانہ ہوئی، خدا کی شان دیکھئے کہ روانہ ہوتے ہی بارش تھم گئی اور موسم نہایت خوشگوار ہو گیا، آدھ میل پر ایک گاؤں میں مولانا واصف کے زیر قیادت تبلیغ ہوتی رہی، نماز مغرب پڑھ کر واپسی ہوئی۔

یہاں جمعرات کی رات دہلی کے بڑے بڑے لوگ مولانا کی زیارت کو آتے ہیں۔ آج باوجود بارش کے خوب رونق ہے کئی مبارک صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔

تہجد کے وقت اکثر کو ذکر و تہلیل میں مصروف پایا، نماز فجر حضرت مولانا کے حکم سے ہمارے رفیق مولانا احسان اللہ نے پڑھائی جانے کے وقت ۵۰۰-۶۰ کا مجمع

تھا حضرت نے ارشاد فرمایا :-

۱- نماز میں قرآن شریف کی ایک چھوٹی سی سورۂ فاتحہ کا جتنا ثواب ہے نماز کے باہر تمام قرآن شریف ختم کرنے کا اتنا ثواب نہیں، پھر جو جماعت لوگوں میں نماز کی تلقین کرے اس کے اجر کا اندازہ کون کیا لگا سکتا ہے، ہر کام اپنے محل اور موقع پر اپنی خاصیت رکھتا ہے، اسی طرح جہاد (دین کے پھیلانے کی کوشش) کے دوران میں ذکر کا ثواب گھر میں بیٹھ کر یا خانقاہ میں ذکر کرنے سے کہیں زیادہ ہے پس دوستو ذکر کی کثرت کرو

۲- یہ تحریک کیا ہے؟ انفروا خفافاً وثقالاً پر عمل کرنا۔ اس نفر میں کوتاہی عذاب الہٰی کو دعوت دینا ہے! دوستو! اس تبلیغ میں اصولوں کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی اصول میں ذرا بھی کوتاہی کروگے تو خدا کا وہ عذاب جو شاید بدیر آئے فوراً ہی تمہارے سر پر آموجود ہوگا۔ اس تحریک کی تاریخ میں دو ایسے واقعات پیش آئے جب یہ تحریک ظاہرا اپنے بام ترقی پر پہونچ کر اصول کی غیر پابندی ہی کی وجہ سے پھر نیچے گری۔ پس بھائیو! ان اصولوں کی سختی سے پابندی کرو۔

۳- اسلام کیا ہے؟ حال کا جو حکم ہو اس کے آگے گردن رکھنا، شیطان ہمیں حال کے حکم کی پابندی سے روکتا ہے، شیطان دو قسم کے حجابات ہماری آنکھوں کے سامنے کردیتا ہے ایک تو ظلمانی حجاب یعنی نفس کو برے کاموں کی حلاوت دے کر ان کے کرنے پر لگا دیتا ہے اور ایک نورانی حجاب اور نورانی حجاب یہ ہے کہ ایک افضل کام سے ہٹا کر کم اہم کام پر لگا دیتا ہے، فرض

کے وقت میں نوافل میں مشغول کر دیتا ہے اور نفس یہ سمجھتا ہے کہ میں تو اچھا کام کر رہا ہوں، حال کا سب سے بڑا فریضہ تبلیغ ہے اور اس میں کوتاہی کا بدل بڑی سے بڑی عبادت نہیں ہو سکتی۔

چائے کے بعد قرار پایا کہ پشاور کی جماعت دہلی کی جماعت کے ساتھ سہارن پور تبلیغ کے لئے کل صبح روانہ ہو، ہم حضرت سے رخصت ہونے کے لئے آئے، بچے ساتھ میں نہ تھے، فرمایا بچوں کو کیوں نہیں لائے، ہم نے عذر پیش کیا، فرمایا بھئی تم خود تو بچوں کے سمجھانے سے قاصر ہوا اور اپنے قصور کو محمول کرتے ہو ان کی ناسمجھی پر بچوں کے لئے کسی چیز کا سمجھنا ضروری نہیں ہے ان کے کان میں ڈالنا، انھیں دکھانا، اور احساس دلانا اصل چیز ہے، اگر یہ نہیں تو بچے کے کان میں اذان کا مطلب کیا ہے؟

اس کے بعد بشدت اور بکرات و مرات ذکر کرتے رہنے کی تلقین فرمائی فرمایا کہ ذکر حصن کے مانند ہے تاکہ شیطان تم پر حملہ اور غلبہ نہ حاصل کرنے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ نیز بھائیو اپنے بچوں کو نیک اور اچھی باتیں سناتے رہو۔

آخر وقت تک ذکر کے فضائل اور تاکید فرماتے رہے، سہارنپور میں مولوی عبدالغفار صاحب ندوی (جو دہلی مولانا سے مل کر ہمارے پاس سہارنپور آئے تھے) ملے، اور ہمارے نام مولانا کا یہ پیغام لائے "تم لوگ آئے اور چند روز مسند نشینی کر کے چلتے بنے، یاد رکھو اس راہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیفات برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس راہ میں اپنا

پسینہ بہاؤ اور خون بہانے کے لئے تیار رہو۔"

دعوت کا انہماک یہاں چند واقعات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" کی روایت اور حوالہ سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے اس شدت علالت میں بھی اپنے کام میں مولانا کی یکسوئی اور کامل انہماک و استغراق کا اندازہ ہوگا۔

"اپریل کے آخری ہفتہ میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری زیارت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے، اس سے دو دن پہلے حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے ضعف بے حد ہو گیا تھا کہ دو چار منٹ بھی بات کرنے کی سکت نہ تھی۔ شاہ صاحب کی خبر سن کر اس ناچیز کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا مجھے ان سے باتیں ضروری کرنی ہیں لیکن صورت یہ ہوگی کہ تم اپنے کان میرے منہ کے قریب کر دینا اور میں جو کہوں وہ ان سے کہتے جانا، چنانچہ جب شاہ صاحب اندر بلائے گئے تو بات شروع تو مجھ ہی سے فرمائی لیکن دو تین ہی منٹ کے بعد اتنی قوت آگئی کہ خود مخاطب ہو گئے اور تقریباً آدھ گھنٹے مسلسل تقریر فرماتے رہے [1]

اسی اپریل کے مہینہ میں جس روز آپ پر وہ شدید دورہ پڑا جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے اس دن آپ پر قریب دو گھنٹے کے غشی کی سی کیفیت طاری رہی، آنکھیں تک بند تھیں، دیر کے بعد یکایک آنکھیں کھولیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے الحق یعلو، الحق یعلو، الحق یعلو ولا یُعلیٰ

پھر ایک وجد کی سی کیفیت میں ایک گونہ ترنم کے ساتھ (جو عام عادت نہ تھی) تین دفعہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

---

[1] اس موقع پر جو ارشاد فرمایا وہ اب ہشتم میں ملاحظہ ہو۔

كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے۔

جس وقت بلند آواز سے آپ نے یہ آیت تلاوت فرمانی شروع کی میں صحن مسجد میں تھا، آواز سن کر حضرت کے حجرے کے دروازہ پر جا کھڑا ہوا۔ جو خاص خادم اندر تھے اُن سے میرا نام لے کر ارشاد فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ میں سنتے ہی اندر حاضر ہو گیا، ارشاد فرمایا :-

"مولوی صاحب اللہ کا وعدہ ہے کہ یہ کام ہو گا اور اللہ کی مدد اس کو انجام تک پہونچائے گی مگر شرط یہ ہے کہ اس کے وعدۂ نصرت پر کامل یقین اور بھروسہ کے ساتھ اس سے نصرت کو مانگتے رہو اور اپنی امکانی کوششوں میں کمی نہ کرو"

یہ فرمانے کے بعد پھر آنکھیں بند ہو گئیں، تھوڑی دیر کی گہری خاموشی کے بعد صرف اتنا فرمایا :-

"کاش علما اس کام کو سنبھال لیتے اور پھر ہم چلے جاتے"

عجیب تماشا تھا اس علالت میں حضرت کی قوت وصحت جوں جوں گرتی تھی احیاء دین کی تڑپ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ روز بروز اسی قدر بڑھتا جاتا تھا، ضعف ونقاہت کے لحاظ سے حضرت کی مہینوں وہی حالت رہی جس حالت میں اچھے اچھوں کو سوائے خاموش پڑے رہنے کے اور کچھ گوارا نہیں ہوتا ہے، لیکن اس سارے عرصے میں دیکھنے والوں نے اکثر ان کو تین ہی حالتوں میں دیکھا۔

علما اس کام (احیاء دین) کی سوچ فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں

۲۔ یا اس کے لئے دل کی انتہائی شکستگی کے ساتھ دعائیں فرمارہے ہیں،
کارکنوں کے لئے اخلاص، ثبات، استقامت، اتباع طریقۂ محمدی اور اصول
مرضیہ کی پابندی اور پھر رضا و قبول اپنے اللہ سے مانگ رہے ہیں اور ایسے
سوز کے ساتھ مانگ رہے ہیں کہ بعض اوقات پاس والوں کو رونا آجاتا ہے
۳۔ یا اس سلسلہ میں احکام و ہدایات دے رہے ہیں۔

حتیٰ کہ علاج کے سلسلہ میں جو طبیب یا ڈاکٹر آتے ان سے پہلے اپنی بات
کہتے، اس کے بعد اُن کو دیکھ بھال کا موقع دیتے، ایک دن حضرت مفتی
کفایت اللہ صاحب دہلی کے ایک مشہور ڈاکٹر کو لائے، مولانا نے اپنی بات
کیسے عجیب انداز میں ان سے کہی۔ فرمایا:۔

ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس ایک فن ہے جس سے مخلوق استفادہ کرتی
ہے، لیکن وہ فن وہ ہے جس کو ماند کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند
ظاہری معجزے (اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کردینا، مردوں کو زندہ کردینا)
دے کر بھیجا گیا تھا اور یہ تو آپ جان سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
جو روحانی علوم دیئے گئے تھے وہ ان ظاہری معجزوں سے بدرجہا اعلیٰ
اور افضل تھے تو مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ ہمارے حضرت خاتم الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو روحانی علوم و احکام بھیجے گئے ہیں وہ وہ
ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روحانی علوم اور ان کی لائی ہوئی
شریعت کو بھی غیر مؤثر دا ر کر دیا تو ذرا سوچیئے کہ حضور کی لائی ہوئی ان
روحانی چیزوں کی طرف توجہ نہ کرنا کتنی بڑی چیز کی نا قدری ہے! لوگوں

ہے ہم بس یہی کہتے ہیں کہ وہ اس نعمت سے فائدہ اٹھائیں، ورنہ بڑے گھاٹے میں رہیں گے۔

اس موضوع (احیاء دین) کے سوا کوئی بات کہنا تو درکنار سننا تک گوارا نہ تھا اگر کوئی شخص دوسری بات سامنے شروع کر دیتا تو اکثر اوقات برداشت نہ فرما سکتے اور فوراً روک دیتے، خدام میں سے کوئی خیریت مزاج پوچھتا تو فرماتے۔

"بھئی تندرستی بیماری تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس میں کیسا خیریت اور بے خیریت: خیریت جب ہے کہ جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کام ہوا ور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو چین ہو صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حال میں چھوڑا تھا اس میں ادنیٰ تغیر آنے کو بھی وہ خلاف خیریت سمجھتے تھے۔[1]

حاجی عبدالرحمٰن صاحب راوی ہیں کہ مولانا کے وطن کاندھلہ سے آپ کے کچھ عزیز عیادت کے لئے آئے مولانا نے پوچھا کس لئے آئے؟ کہنے لگے آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے! فرمایا جو مٹنے کے لئے بنا ہے اس کی خیریت پوچھنے کے لئے کاندھلہ سے یہاں تک آئے۔ اور رسول کریمؐ کا دین عزیز جو مٹنے والا نہیں وہ مٹا جا رہا ہے اور تم اس کی خبر نہیں لیتے۔[2]

ایک جمعہ کو فجر کی نماز مولانا یوسف صاحب نے پڑھائی اور قنوت نازلہ پڑھی نماز کے بعد ایک میواتی خادم نے آواز دی کہ حضرت یاد فرماتے ہیں، مولانا نے ارشاد فرمایا کہ قنوت نازلہ میں دوسرے کفار کے ساتھ ان غیر مسلم فقراء اور اہل ریاضت

[1] رسالہ الفرقان ماہ رجب و شعبان ۱۳۶۲ھ [2] روزنامچہ جماعت تبلیغ پٹنہ از مرتبہ ارشد صاحب

کی نیت بھی کرنی چاہئے جو اپنی قلبی قوت کو اسلام کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، سہارن پور کے اُس مناظرہ کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جس میں ایک ہندو سنیاسی مناظر اسلام کے خلاف اپنی قوت قلب استعمال کر رہا تھا اور مسلمان مناظر اظہار خیال میں دقت محسوس کر رہا تھا، مولانا خلیل احمد صاحب تشریف رکھتے تھے، ان کو توجہ دلائی گئی، آپ نے جب توجہ کی تو سادھو متوحش ہو کر جلسہ سے اُٹھ گیا اور مناظر اسلام کی زبان کھل گئی [۵]

اس مجمع کو خاکسار اور مولانا محمد منظور صاحب نے مختصر تقریریں کیں، مولانا کی تشویشناک علالت اور نازک حالت کو دیکھ کر اور یہ یاد کر کے کہ کبھی مولانا اس جگہ خطاب فرمایا کرتے تھے، لوگوں پر ایک رقت طاری تھی، خصوصاً صاحب مقرر نے اس جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، "خدا اس محراب و منبر کو آباد رکھے، آپ نے یہاں سے کئی بار سنا ہے کہ......" تو حاضرین کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

جمعہ کی رات کو برسوں کا معمول تھا کہ مولانا مجمع سے تبلیغی گفتگو فرماتے تھے اور مختلف محلوں اور بعض اوقات دوسرے شہروں سے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے تھے آخری علالت میں یہ مجمع بہت زیادہ ہو جایا کرتا تھا، مولانا خود خطاب فرمانے سے معذور تھے لیکن یہ گوارا نہ تھا کہ یہ لوگ جو اپنے مشاغل اور گھر کی راحتیں چھوڑ کر دین کے لئے یہاں آتے ہیں وہ بیکار وقت گزاریں یا ان کی آمد ایک ذاتی آمد بن کر رہ جائے کہ مزاج پرسی کر کے اور خیریت دریافت کر کے یا ہاتھ پاؤں دبا کر چلے جائیں، مولانا اس کو خیانت سمجھتے تھے کہ ان کی یہ للّٰہی محبت اور دینی جذبہ بے محل صرف ہو یا ضائع ہو،

---

[۵] تفصیل کے لئے دیکھا جائے "تذکرۃ الخلیل"

اس لئے طبیعت پر سخت تقاضا ہوتا تھا کہ ان کو دینی کام میں مشغول کیا جائے اور ان کے سامنے دین کی وہ خصوصی دعوت جو اس جگہ سے دی جا رہی ہے پیش کر دی جائے اس میں اگر ذرا تاخیر ہوتی تو مولانا کی نازک طبیعت اس کا تحمل نہ کر سکتی۔

ایک روز شب جمعہ کو مغرب کی نماز کے بعد لوگ مسجد کی چھت پر جمع کر دیئے گئے تھے اور خطاب کا حکم ہوا تھا، شروع کرنے میں چند منٹ کی تاخیر ہوئی، اس اثنا میں دو تین پیغامبر آئے اور یہ پیغام لائے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جلد شروع کرو مجھ پر ایک ایک منٹ بار ہے جب خطبۂ مسنونہ شروع ہو گیا اور مولانا کو اس کی اطلاع ہوئی اس وقت اطمینان ہوا

آخری مہینہ | حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی تھی پہلے کھڑے ہو کر نماز پڑھ لیتے تھے، اب اس سے بھی معذوری تھی، چارپائی صف کے کنارے لگا دی جاتی تھی اور آپ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

ان دنوں مولانا ظفر احمد صاحب کا بھی قیام تھا اور وہی گویا علاج کے نگران و مشیر تھے، عام مجالس اور اجتماعات میں عموماً وہی خطاب کرتے اور جلسوں میں وعظ و تقریر فرماتے، مولانا ان کے قیام سے بڑی تسکین و اطمینان محسوس کرتے تھے۔

۲۸ رجمادی الثانی (۲۱ رجون) کو شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب بھی تشریف لے آئے ۳۰ رجمادی الثانی ۱۳۶۳ھ (۲۳ رجون ۱۹۴۴ء) کو نوح کے مدرسہ معین الاسلام کا سالانہ جلسہ تھا یہ غالباً پہلا جلسہ تھا جس میں مولانا کی شرکت نہیں ہو رہی تھی۔

۲۳ رکی صبح کو لاری سے نظام الدین کا قافلہ روانہ ہوا، جماعت نے مولانا یوسف صاحب کو اپنا امیر بنایا، مولانا ظفر احمد صاحب، مولانا محمد منظور صاحب، مولانا زکریا صاحب قدوسی مولوی امیر احمد صاحب، عبد المغنی صاحب پروفیسر مہاراجہ کالج جے پور، عم محترم مولوی

سید عزیز الرحمٰن صاحب اور لکھنؤ کی جماعت کے افراد ہمراہ تھے، راستہ کچھ ذکر کچھ تذکیر اور کچھ علمی مذاکرہ میں گزرا، ۲ بجے کے قریب نوح پہنچے اور اسی وقت جلسہ شروع ہو گیا، مولانا کا لگایا ہوا باغ سامنے تھا اور خوب کھلا ہوا تھا۔ باغباں ہی نہ تھا اور سب تھے۔

رات کو پھر جلسہ شروع ہوا، جلسہ کے اثنا میں نوح کے انگریزی ہائی اسکول کے دارالاقامہ کی ایک عمارت میں آگ لگ گئی، جلسہ آگ بجھانے میں مشغول ہو گیا، بڑی مشکل سے آگ پر قابو پایا گیا، عمارت کا بڑا نقصان ہوا۔

آج کی رات مسجد کا وہ گوشہ سونا تھا جس میں ہمیشہ مولانا کی چارپائی ہوتی تھی اور میوات کے پروانے اس شمع کے گرد جمع رہتے تھے، اخیر جون کی گرمی تھی مگر نوح کی فضا میں اور لوگوں کے دلوں میں وہ حرارت نہ تھی جو مولانا کی گفتگو اور نماز کے بعد کی والہانہ اور خود فراموشی کی دعاؤں اور اس مسلسل اضطراب اور بے چینی سے پیدا ہوتی تھی جو میوات کے قیام اور جلسہ کے ایام میں برابر رہتی تھی۔

نوح سے واپسی پر مولانا نے جلسہ کی روداد سنی، آگ لگنے کا واقعہ سنا تو فرمایا تم نے ذکر میں کمی کی شیاطین کو موقع مل گیا۔

ایک صاحب نے اس پر کچھ مسرت کا اظہار کیا کہ انگریزی کے مدرسہ میں آگ لگ گئی، مولانا نے اپنے سامنے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، مگر مسلمانوں سے تعلق رکھنے والی چیز کے نقصان پر خوشی مولانا کو بڑی ناگوار ہوئی، دوسرے موقع پر فرمایا کہ مجھے یہ بات بہت ناپسند ہوئی، اس پر خوشی کا کوئی موقع نہ تھا۔

مولوی یوسف صاحب سے فرمایا کہ تبلیغی وفود کی روانگی کا منظر بھی تم نے مولانا ظفر احمد صاحب کو دکھایا، انھوں نے کہا نہیں! فرمایا بڑی غلطی کی، یہی تو دیکھنے کی چیز

تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسلمانوں کے وفود کس طرح روانہ ہوتے تھے۔

خطرہ کا قرب مولانا کو اس کا اچھی طرح احساس تھا کہ خطرہ قریب ہے اور وقت مقرر ٹل نہیں سکتا۔ بعض مواقع پر کسی دینی مصلحت سے یا کام کی سرگرمی بڑھانے کے لئے اس کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے، مولانا ظفر احمد صاحب ملنے آئے تو فرمایا تم نے مجھے وقت دینے کا وعدہ کیا تھا، ابھی تک اپنا وعدہ وفا نہیں کیا، مولانا نے کہا کہ آج کل تو گرمی بہت ہے انشاء اللہ رمضان کی تعطیل میں آؤں گا اور کچھ وقت صرف کروں گا، فرمایا تم رمضان کہتے ہو مجھے شعبان پکڑنے کی بھی امید نہیں، مولانا ظفر احمد صاحب نے قیام کا فیصلہ کر لیا۔

چودھری نواز خاں سے فرمایا بھائی تم یہیں پڑے رہو، بیس دن کا حساب کتاب ہے ادھر یا اُدھر ہو جائے گا۔ (اللہ کی شان اس فرمانے سے بیس ہی دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔)

خاکسار سے بھی کئی مرتبہ فرمایا کہ مجھے اپنے جانبر ہونے کی امید نہیں اس مرض سے بچنا نظر نہیں آتا، یوں اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے کچھ عجب بھی نہیں ہے۔

لیکن کبھی کبھی ایسے فقرے بھی فرما دیتے کہ تیمارداروں کی آس بندھ جاتی اور وہ صحت کی طرف سے پُرامید ہو جاتے۔

علاج کی تبدیلی ابتداء سے حکیم کریم بخش صاحب (پہاڑ گنج) کا علاج تھا، یونانی علاج تبدیل ہوا تو مولانا ظفر احمد کے مشورہ سے بایوکیمک علاج شروع ہوا، آخر میں دہلی کے مشہور معالج ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کا علاج شروع ہوا، مرض بہت بڑھ چکا تھا، ڈاکٹر شوکت اللہ صاحب انصاری کی تشخیص شروع سے آنتوں کی دق کی تھی اور وہ تقریباً مایوسی ظاہر کر چکے تھے

ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کی تشخیص مختلف تھی اس لئے ان کو تجربہ کا موقع دیا گیا، انھوں نے غالباً پرانی پیچش تجویز کی تھی، ان دنوں میں برابر حرارت رہنے لگی تھی، آخر میں ڈاکٹر صاحب نے انجکشن تجویز کئے اور بڑی امیدوں اور دعاؤں سے یہ انجکشن دئے گئے، مگر ناکام رہے۔

تیماردار اور خاص خدمت گزار | مولوی اکرام الحسن صاحب کاندھلوی (مولانا کے بھانجے) دوا پلانے کے ذمہ دار تھے، غذا کے مہتمم مولوی لطیف الرحمٰن صاحب تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا احتشام الحسن صاحب کا عام مشورہ اور نگرانی رہا کرتی تھی، مولوی واصف علی صاحب وضو اور نماز کے منتظم تھے، چودھری نواز خاں، نمبردار محراب خاں اور خصوصیت کے ساتھ امید خاں، رحیم خان، رحیم بخش، سلیمان بڑی دل سوزی اور جاں فشانی سے خدمت کر رہے تھے، محمد یوسف صاحب تاجر کشن گنج گھنٹوں رات کو جاگ کر سر پر مالش کرتے تھے، مولانا اپنے سب خدمت گزاروں کے اور مخلصین کے بڑے ممنون تھے، فرماتے تھے کہ میرے خادموں کو خادم نہ سمجھو یہ مخدوم ہیں، ان لوگوں نے حقیقت میں بڑی دولت کمائی۔

دہلی کے تاجر | دہلی کے سوداگر اپنے اپنے تعلق کے مطابق مولانا کی اس نازک حالت سے بڑے دل گیر اور رنجیدہ رہتے تھے، بہت سے لوگوں نے باریاں مقرر کرلی تھیں اکثر دو دو تین تین روز کے لئے آکر پڑ جاتے تھے اور حسب مقدور خدمت کی کوشش کرتے تھے۔

محض جسمانی خدمت اور ذاتی تعلق سے خفگی | مولانا کو اگر کسی بات سے یہ اندازہ ہوتا کہ کسی شخص کو محض میری ذات سے تعلق ہے تو بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ دین سے تعلق ہونا چاہئے، کسی ایسے شخص کی خدمت قبول کرنے اور اس سے راحت حاصل کرنے کے روادار

نہ تھے جو محض جسمانی خدمت پر اکتفا کرتا ـــــ ایک مرتبہ ایک میواتی سر پر تیل کی مالش کر رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد ان پر نظر پڑی پہچان لیا، فرمایا تم کبھی تبلیغ میں حصہ نہیں لیتے میں تم سے کام نہیں لے سکتا چھوڑ دو، ایک پیرمرد ایک مرتبہ آگے بڑھے مولانا محمد منظور صاحب سے فرمایا کہ ان کو مجھ سے بہت تعلق و محبت ہے مگر کبھی انھوں نے میری یہ بات نہیں مانی اور میری دعوت قبول نہیں کی یوں دل و جان سے میری خدمت کے لئے حاضر ہیں آپ ان کو لے جاکر سمجھائیے کہ اس کام میں حصہ لیں اس کے بغیر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا الگ لے گئے اور ان سے گفتگو کی انھوں نے کہا میں تو تہیہ کرکے آیا ہوں کہ اب حصہ لوں گا، مولانا نے جاکر [illegible]ع کی، آنے کی اجازت دی اور ان کے ہاتھ چوم لئے۔

باہر کام کا فروغ باہر سے جو خطوط آتے تھے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانے میں کام بڑے جوش و خروش سے ہو رہا ہے جن شہروں اور مقامات پر مدت سے افسردگی تھی اور وہاں کام بڑا مشکل معلوم ہوتا تھا وہاں خلافِ توقع آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں اور نئی روح پیدا ہوگئی تھی، اس زمانۂ علالت میں بعض نئے مرکزوں میں کام کی داغ بیل پڑی۔ مولوی عبدالرشید صاحب مسکینؔ کی طلب و خواہش پر بھوپال ایک بڑی جماعت گئی جس میں جناب مفتی کفایت اللہ صاحب بھی تشریف لے گئے، مولوی عبدالرشید صاحب نعمانی اور پروفیسر عبدالغنی صاحب کی تحریک پر دو مرتبہ جماعتیں جے پور گئیں سب سے زیادہ کام کا جوش نئے مقامات میں سے مرادآباد میں تھا، جہاں سے کام کی برابر خبریں آرہی تھیں اور کئی بار وفود بھی آئے۔

دعوت کی سرگرمی جس قدر وقت موعود قریب آتا جاتا تھا طبیعت کی نزاکت اور بے تابی اور کام کی سرگرمی بڑھتی جارہی تھی، دعوت کے سوا کسی چیز کے سننے اور دیکھنے

کا تحمل جاتا رہا تھا۔ انتہائی ضعف اور ناطاقتی کے باوجود بستر علالت پر پڑے ہوئے پورے کام کی خود نگرانی فرما رہے تھے، اور برابر دن رات میں کئی کئی بار بلا کر اس کے متعلق جزئی ہدایات اور لوگوں کے نام پیغامات دیتے رہتے تھے، اس کا بھی اندازہ لگاتے تھے اور برابر خیال رکھتے تھے کہ مجلسوں میں، حلقۂ درس میں اور دسترخوان پر تبلیغ و دعوت کے سوا کوئی اور گفتگو تو نہیں ہوتی، اگر کبھی اس کا علم ہو جاتا تو طبع نازک پر بڑا گراں گزرتا، ذکر و تعلم و تبلیغ میں مصروف رہنے کی تاکید فرماتے رہتے اور بجائے زجر و تنبیہ اور ملامت کے وعظ و ترغیب سے کام لیتے اور اکثر کسی واسطہ اور کنایہ سے فرماتے اور متوجہ کرتے، ایک مرتبہ ظہر کے بعد علما کی مجلس درس میں شرکت میں غفلت ہو گئی نہایت لطیف طریقہ پر پیغام بھیجا جس سے تنبہ ہوا۔ خواص میں سے ایک عالم اپنی مشغولیت کی وجہ سے اکثر غیر حاضر رہتے، ایک روز بلا کر ارشاد فرمایا کہ اپنی طرف سے ان کے نہ ہونے پر اظہار تعجب کیجیے، بعض چیزوں کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرماتے کہ ان کے فضائل و ترغیبات بیان کرنے کا حکم دیتے جس سے خود ان کی اہمیت کا احساس ہوتا۔

جلسوں کی کارروائی اور تبلیغی کام کی روداد کا بے چینی سے انتظار رہتا ایک رات میرٹھ روڈ کے جلسہ کے بعد سواری نہ مل سکی اور رات کو نظام الدین پہونچنا نہ ہوا، رات کو کئی بار دریافت فرمایا صبح جاتے ہی پورا حال سنا اور اطمینان ہوا۔

ضعف کی وجہ سے طبیعت کی نزاکت اور اپنی چیز کا غلبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ پہلے جن چیزوں کا تحمل فرما لیتے تھے اب ان کے سننے کی قوت نہیں رہی تھی۔ غیر موضوع کی بات کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا، ایک مرتبہ حلقۂ درس میں کوئی تاریخی موضوع چھڑ گیا اور

شاہان اسلام پر تنقید شروع ہوگئی، لوگوں نے اس میں حصہ لینا شروع کردیا خدا جانے مولانا کو کس طرح اس کی اطلاع پہونچی، مولوی معین اللہ مخفی پیغام لائے کہ رخ سخن ذرا بدل دو، تقریر کے لیے بھی تاکید تھی کہ اصل پیغام مَا قَلَّ وَدَلَّ کے اصول پر کہو، تقریر کی مقدار زیادہ نہ ہو، کیفیت وہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطبہ دیتے وقت ہوتی تھی کانہ منذر جیش یقول صبّحکم ومساکم معلوم ہوتا تھا کہ کسی لشکر کے خطرہ کا اعلان فرما رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ صبح وشام سر پر آیا چاہتا ہے، تقریر میں لطائف وقصص اور امثال واشعار سننے کی تاب نہیں تھی، جہاں کسی مقرر نے اپنے بیان میں کچھ وسعت اختیار کی اور خطابت اور وعظ کے طرز پر تنوع اور تکلف کیا اور مولانا کو گرانی شروع ہوئی اور تقاضا فرمایا کہ یا تو مطلب کی بات کہو یا ختم کرو، فرماتے ہیں وعظ تھوڑی کہلانے ہیں وعظ تو جلسوں اور مدرسوں میں ہوتے ہی ہیں، اس وجہ سے تیمار دار اکثر اہتمام کرتے کہ مقرر کی آواز مولانا تک نہ پہونچنے پائے تاکہ وہ اپنی بات بار بار کہہ بھی سکے اور مولانا کو کوفت نہ ہو۔

ایک جمعہ کی صبح کو بڑا مجمع تھا، مراد آباد کی جماعت اور کچھ علما آئے ہوئے تھے کہنے کے لیے اس خاکسار کا انتخاب ہوا، میں نے تقریر تقریر کے انداز پر شروع کی اور مضمون کو پھیلایا، کچھ دیر کے بعد مولانا کا حکم پہنچا کہ اصل موضوع پر آؤ اور پیغام پہنچاؤ چارپائی حجرہ میں پہنچائی گئی اور میں نے اصل بات کہہ کر تقریر ختم کی عصر کو معمولاً مجمع ہوجاتا اور عموماً مولانا حاضرین کے نام کوئی پیغام دیتے جو لوگوں کو سنا دیا جاتا، اس روز حرارت تیز تھی اور غفلت تھی کچھ فرما نہ سکے تھے مجمع کا ڈرا ہوا تھا شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا بھی مگر میں نے کہا کہ کیا کہوں تقریر تو مقصود نہیں اور اس وقت کہنے کی کوئی

خاص بات معلوم نہیں، ہوش آیا تو فرمایا آج مجمع سے خطاب کیوں نہیں ہوا؟ وقت کیوں ضائع کردیا گیا، عرض کیا گیا جناب نے کچھ کہنے کو فرمایا نہیں، ارشاد ہوا مجھ سے پوچھا کیوں نہیں، جواب دیا جناب کو تیز حرارت تھی ایسی حالت میں تکلیف دینا مناسب نہ معلوم ہوا، فرمایا تم نے مجھے دین پر کیوں مقدم رکھا، میری تکلیف کا کیوں خیال کیا وقت کے نکل جانے پر بہت افسوس فرماتے رہے۔

میری طبیعت کچھ متاثر تھی، مغرب کی نماز بڑی بے لطفی میں پڑھی خیالات اور وساوس کا ہجوم تھا طبیعت پست ہو رہی تھی، سلام پھیرتے ہی طلبی ہوئی، نہایت شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا اور بڑے الطاف فرمائے۔ فرمایا پست ہمت ہوگئے، تھک گئے، ہمت بلند کرو، پھر فرمایا، تمہارا کوئی معین نہیں، پھر فرمایا مولوی واصف، مولوی سعید خاں اور مولوی عبید اللہ ہیں۔

خصوصی اہتمام | ان دنوں میں چند باتوں کا زندگی بھر سے زیادہ اہتمام رہا، اول اور سب سے زیادہ علم و ذکر کی ترغیب و تاکید اس تصور سے کہ یہ کام عام عصری تحریکات کی طرح محض ایک بے روح ڈھانچہ، قواعد وضوابط کا مجموعہ اور ایک مادی نظام بن کر نہ رہ جائے، آپ برابر لرزاں و ترساں رہتے تھے اور طبیعت پر اس کا ایک بوجھ تھا بار بار اس سے ڈراتے تھے۔ بار بار علم و ذکر کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے، بار بار کہتے تھے اور کہلواتے تھے کہ علم و ذکر اس گاڑی کے دو پہیے ہیں جن کے بغیر یہ گاڑی نہیں چل سکتی، دو بازو ہیں جن کے بغیر اس کی پرواز نہیں، علم کے لئے ذکر اور ذکر کے لئے علم کی ضرورت ہے، علم بغیر ذکر کے ظلمت ہے، ذکر بغیر علم کے فتنہ ہے اور یہ تحریک و نظام ان دونوں کے بغیر سراسر مادیت ہے۔

دوسرے مسلمانوں کے پست اور جاہل طبقہ پر ترحم و شفقت اور ان کی تعلیم و تبلیغ کی فکر و حرص، بڑے اہتمام سے ایک مکتب سڑک کے کنارے مسجد سے متصل اور ایک مکتب آگے بڑھ کر چوراہہ پر قائم کرایا[1]، اس میں حقہ پانی کا اہتمام کرایا اور شہری اور میواتی مبلغین کو تاکید کی کہ وہاں بیٹھیں اور آتے جاتے راہ گیر مسلمانوں کو محبت و شفقت سے بلائیں، حقہ پانی سے ان کی تواضع کریں، ان کا کلمہ سنیں اور ان کو کلمہ خیر سنائیں اور دین سیکھنے کا شوق دلائیں۔ اس کا مولانا کو اتنا اہتمام تھا کہ آدمیوں کو وہاں بھیجتے تھے، وہاں کے حالات کی تفتیش و تجسس رکھتے تھے۔ ان کے حقہ پانی کے اہتمام کی فضیلت اور ثواب بیان کرتے تھے۔ یہ زمانہ اجمیر کے عرس کا تھا ہندوستان کے اکناف و اطراف سے بکثرت غریب مسلمان حضرت نظام الدین اولیاء کی زیارت کے لئے آتے اور راستہ میں تازہ حقہ، ٹھنڈا پانی اور گھنا سایہ دیکھ کر دم لینے کیلئے ٹھہر جاتے اور اتنی دیر میں مبلغین اپنا کام کر جاتے، کبھی ان کو نرمی و ملاطفت سے بلا لاتے اور اپنا پیغام سنا دیتے۔ اس طرح صدہا جاہل مسلمانوں کے کان میں دین کی بات پڑ گئی اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس کے کتنے بندوں کے لئے راستہ چلتے ہدایت کا سبب بن گئی۔ بعض اوقات صبح کی نماز سے پہلے بعض علماء کو متھرا جانے والی سڑک پر بھیجتے کہ گاڑی بانوں اور شتر بانوں کو تبلیغ کریں۔

[1] مکتب کے لفظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ناظرین مروجہ قسم کا کوئی مکتب یا مدرسہ نہ سمجھ لیں۔ اس مکتب کی حقیقت بس یہ ہوتی تھی کہ ٹاٹ کے قسم کا کوئی فرش ایک درخت کے نیچے بچھا دیا گیا اور تبلیغ میں کام کرنے والوں کی ایک جماعت وہاں صفہ نبوی کے طرز پر دین سیکھنے اور سکھانے کے کام میں مشغول ہو گئی، ساتھ ہی حقہ پانی کے انتظام کے ذریعہ راہ گیر مسلمانوں سے تبلیغی باتیں کرنا اور حسب ضرورت ان کو دین کی تلقین کرنا بھی ان کا کام تھا بلکہ سر راہ کے ان مکتبوں کی یہی اصل غرض و غایت تھی۔ م

تیسرے زکوٰۃ ادا کرنے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کے صحیح شرعی طریقہ اور آداب کی تلقین، مولانا کو اپنی زندگی میں اس کی طرف خاطر خواہ توجہ کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن ان دنوں میں اس کی طرف بڑی توجہ تھی، تجار اور اہل ثروت کا مجمع رہتا تھا، مولانا نے یہ مضمون بار بار فرمایا اور دوسروں سے کہلوایا کہ آدمی کو اپنی زکوٰۃ کا اہتمام اپنی عبادت کی طرح کرنا چاہیئے، اس کے مستحقین کو خود تلاش کرنا چاہیئے، اس کو ادا کرتے وقت خود ممنون ہونا چاہیئے، مولانا ظفر احمد صاحب اور دوسرے حضرات نے اس پر بار بار تقریریں کیں

چوتھے ڈاک کا اہتمام تاکید تھی کہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد آئی ہوئی تبلیغی ڈاک مجمع کو سنائی جائے حاضرین سے جوابات کے لئے مشورہ کیا جائے، وہ مسائل و معاملات جو خطوط میں درج ہیں حاضرین کے سامنے پیش کئے جائیں اور ان پر ان سے مشورہ لیا جائے، ڈاک پیش کرنے سے پہلے ایک مختصر تقریر کرنی ہوتی تھی کہ یہ ڈاک اس لئے آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے تاکہ آپ ان حالات و مسائل پر غور کریں اور دینی باتوں پر غور کرنے کی عادت ڈالیں، اپنی قوت فکریہ کو جو ابھی تک دنیا کے امور و مسائل میں صرف ہوتی رہی ہے، دین کے امور و مسائل پر صرف کرنے کی ابتدا کریں۔ ان خطوط میں اکثر وہ باتیں ہوتیں جن پر دہلی اور میوات کے تجربہ کار مبلغین کے مشورہ کی ضرورت ہوتی اور ان کی باہمی گفتگو اور تبادلہ خیال سے وہ مسائل طے ہوتے کہیں کام کی مشکلات کا ذکر ہوتا، یہ حضرات اپنے تجربہ سے ان کا حل پیش کرتے کہیں اپنے طریق کار کی تفصیل ہوتی، اس میں اگر کوئی کوتاہی ہوتی جس کی وجہ سے دقتیں پیش آرہی ہوتیں تو اس پر متنبہ کرتے کہیں سے جماعتوں کی فرمائش ہوتی اس کا امراء جماعت اور منتظمین انتظام کرتے اور اسی مجمع میں اس کی تدبیر کی جاتی۔

ابتدا میں یہ خطوط مولانا کی موجودگی میں پیش کئے جاتے لیکن عموماً مولانا کو بولنا پڑتا جس سے ضعف و تعب بڑھ جاتا اس لئے آخر میں کچھ فاصلہ سے یہ مشورہ ہوتا یہ خدمت اس عاجز کے سپرد تھی، دن میں کسی وقت حاضری کا موقع ہوتا تو دریافت فرماتے کہ آج ڈاک میں کیا تھا اور مجمع نے کیا طے کیا، غلطیوں کی اصلاح اور اپنی رائے کا اظہار فرماتے پھر وہ دوسرے روز مجمع کو سنائی جاتی۔

اس طرح گویا مولانا اپنے بعد کام کو جاری رکھنے اور اس کا نشیب و فراز سمجھنے کی مشق کرا رہے تھے اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ مشورہ بڑا سبق آموز اور مفید ہوتا۔

دہلی کے جلسے مولانا اہل دہلی اور تجار سے تقاضا فرماتے رہتے تھے کہ وہ مولانا ظفر احمد صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھائیں جلسے کریں اور مولانا سے تقریر کرائیں، ان حضرات کے اہتمام سے شہر میں کئی جلسے ہوئے، آخری چہارشنبہ کے جامع مسجد والے جلسہ کے علاوہ حوض والی مسجد، کالی مسجد (ترکمان دروازہ) بنے کی سرائے والی مسجد، قصاب پورہ اور جامعہ ملیہ میں جلسے ہوئے جن میں مولانا ظفر احمد صاحب اور دوسرے مقررین نے تقریریں کیں سب سے زیادہ مولانا کو میر درد روڈ کے اتوار والے جلسہ اور گشت کا اہتمام رہتا جس کو آپ نئی دہلی کا تبلیغی مرکز سمجھتے تھے۔ اکثر اس خاکسار و برادر عزیز مولوی معین اللہ ندوی اور مولوی واصف علی صاحب کے حصہ میں یہ سعادت آتی تھی۔

مجمع کی زیادتی اور ہجوم مجمع روز افزوں تھا، ایک ایک وقت میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو اور تین تین سو آدمی ہوتے جو وہیں کھانا کھاتے اور رات کو سوتے، نظام الدین کی مسجد اور دار الاقامہ کے چپہ چپہ پر آدمی ہی آدمی نظر آتے، ہر طرف حرکت اور چہل پہل رہتی، نمازوں میں اندر باہر صفیں ہوتیں، آدمی ذرا تاخیر کر دے تو جگہ پانی مشکل اور رات کو ذرا غفلت ہو جائے تو

سونے کے لئے بھی جگہ ملنی مشکل۔

میں کبھی کبھی اس مجمع کو دیکھتا اور سمجھتا کہ یہ ساری رونق اور بہار اس شخص کے دم سے ہے۔ جو ایک طرف بستر پر پڑا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہے، سیکڑوں آدمی اس کے دسترخوان پر کھانا کھا رہے ہیں اور خود اس کے پیٹ میں بہت تھوڑی سی غذا پہونچتی ہے، یہ درس کے حلقے، یہ ذکر کی صدائیں، یہ نورانی شکلیں، یہ رکوع وسجود کی کثرت، یہ پچھلے پہروں کی رونق کب تک ہے، اس ساری بہار کو دیکھتا اور کہتا۔

اللہ رکھے آباد اں ساقی تری محفل کو

مولانا عبدالقادر صاحب کی آمد | شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب چند دنوں کے لئے اسباق کا انتظام کرنے سہارن پور تشریف لے گئے تھے۔ اب آئے تو مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری بھی ساتھ تشریف لائے، مولانا اس آمد سے بے حد مسرور ہوئے اور شیخ الحدیث صاحب کا بڑا شکریہ ادا کیا اور دعائیں دیں کہ مولانا کی تشریف آوری کا سبب بنے۔

مولانا کے ساتھ ان کے مخلصین اور اہل ذکر کی ایک جماعت تھی جس سے یہاں کی دینی رونق اور برکت دوبالا ہوگئی۔

غلط خبر | مولانا کی علالت کی نزاکت کی اطلاع اہل شہر کو تھی، روزانہ بس اور تانگوں سے لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ رات کے رہنے والے صبح کو جاتے تو ان کے دوست احباب خیریت دریافت کرتے، اس اثنا میں خدا جانے کس طرح غلط خبر مشہور ہو گئی اور بجلی کی طرح سارے شہر میں دوڑ گئی، تانگے اور سواریوں کا تانتا لگ گیا، ہر بس سے لوگ اترتے تھے اور خیریت معلوم کرکے واپس چلے جاتے تھے، ٹیلی فون پر لوگ دریافت

کر رہے تھے۔ خبر کی تردید کی گئی مگر بروقت موثر نہیں ہوئی اور بڑا مجمع ہو گیا، یہ سنت بھی ادا ہو گئی، مولانا منظور صاحب نے مسجد کے نیچے درخت کے تلے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل کے مضمون پر ایک برمحل اور موثر تقریر کی، یہ اہل شہر کے لئے ایک تازیانہ اور تنبیہ تھی کہ جن لوگوں نے ابھی تک توجہ نہیں کی ہے اور ان کے مشاغل اور مصروفیتوں نے ان کو اس کی مہلت نہیں دی کہ وہ مولانا کی دعوت کی طرف ان کی زندگی میں متوجہ ہوں وہ اب بھی توجہ کر سکتے ہیں ورنہ آج تو یہ خبر غلط ہے کسی نہ کسی دن سچ ہو کر رہے گی وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتاباً موجلاً۔

آخری ایام وفات سے دو تین روز پہلے کچھ بارش ہو گئی تھی اور ہوا میں کسی وقت خنکی آجاتی تھی، مولانا کو مرض کے آخری ایام میں گرمی بہت محسوس ہوتی تھی۔ آپ کے اصرار سے دیر تک چارپائی باہر رہتی، ان ہی دنوں میں نمونیہ کا حملہ ہوا اور اس کا علم نہ ہو سکا بہت دیر میں اس کا اندازہ ہوا، پلاسٹر لگایا گیا اور احتیاط کی گئی۔

محفل جلد تاریک ہونے والی تھی اس لئے شمع بھڑک کر جل رہی تھی۔

دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا، جلد جلد پیغام دے رہے تھے۔

۸ رجولائی کی شب کو ۱۲ بجے رات کے قریب میں چوراہے کی طرف ٹہلنے چلا گیا تھا واپس ہوا تو جو شخص ملا اس نے کہا تمہاری تلاش میں آدمی دوڑ رہے تھے، مولانا نے یاد فرمایا تھا، حاضر ہوا، کان ہونٹوں کے قریب لے گیا تو پہلی دفعہ آواز کا ارتعاش محسوس ہوا بیچ بیچ میں غوطہ ہو جاتے تھے۔ دو دو تین تین مرتبہ بمشکل لفظ ادا کر کے بات پوری کی، لوگوں کو ذکر کی تاکید تھی اور مولانا عبدالقادر صاحب کی

مجلس میں بیٹھنے کی ہدایت، پوری بات اس وقت یاد نہیں، صبح پھر طلبی ہوئی اور کوئی پیغام کہا۔

۹ رجولائی کو رات کے ایک بجے کے قریب حجرے کے سامنے سے گزرا تو دیکھا کہ مولانا بیدار ہیں اور کچھ تیماردار بھی موجود ہیں جو کسی اہتمام میں ہیں، میں بھی جاکر بیٹھ گیا، کچھ دیر غفلت کے بعد ایک صاحب کا ذکر فرمایا اور ارشاد ہوا کہ کیا وہ اپنے وطن میں جاکر کام شروع کریں گے، عرض کیا انشاء اللہ ضرور اور مزید خوشی کے لئے یہ بھی عرض کیا کہ الحمدللہ وہ صاحبِ اثر ہیں انشاء اللہ ان کی بات کا اثر ہوگا، فرمایا جی ہاں اہل اللہ کا اثر ہوتا ہی ہے۔ اس کے بعد پھر غفلت ہوگئی تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کھولیں اور فرمایا، مولوی طیب صاحب (رامپور منہاران) مولوی ظہیر الحسن صاحب (کاندھلہ) اور حافظ عثمان صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور کی مدد سے اگر باغپت میں جلسہ ہوسکے تو بہت اچھا ہے۔

۱۰ رجولائی کی شام کو غفلت سے ہوشیار ہوکر علما کو اپنی سطح کے مطابق اشتغال کی تاکید فرمائی۔

۱۱ رجولائی کی صبح کو آب زمزم پیتے ہوئے حضرت عمر کی یہ دعا اللہ سے مانگی

اللھم ارزقنی الشھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک

(اے اللہ مجھے اپنے رستہ میں شہادت نصیب فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر (مدینہ) میں مقدر فرما)

اسی دن ایک صاحب کو دیکھ کر فرمایا کہ ان سے دریافت کرو کہ اپنی قوم میں اس دعوت کو پیش کیا، اور اس کا کیا انتظام کیا؟ اسی روز حافظ عثمان صاحب آئے

مولانا نے مجھے پیغام بھیجا کہ حافظ عثمان میرے عزیز ہیں ان کا خاص اکرام کیجئے۔

آخری ایام میں ایک دن معالج ڈاکٹر نے کہا کہ ان کے تمام اعضا ایک ایک کر کے ماؤف ہو چکے ہیں، صرف قلب کی طاقت ہے جو اُن کو تھامے ہوئے ہے، یہ بھی کہا کہ ان کی حالت کو اپنے اوپر قیاس نہ کیجئے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں جسمانی طاقت نہیں ہے، یہ روحانی قوت ہے جس کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

۱۲ر جولائی چہار شنبہ کے دن شیخ الحدیث، مولانا عبدالقادر صاحب اور مولانا ظفر احمد صاحب کو یہ پیام پہونچا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتبار ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر اُن لوگوں کو بیعت کرا دیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ حافظ مقبول حسن صاحب، قاری داؤد صاحب، مولوی احتشام الحسن صاحب، مولوی یوسف صاحب، مولوی انعام الحسن صاحب، مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کر کے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت کے لئے القول الجمیل میں جو شرائط لکھے ہیں، وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں، عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں، فرمایا اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا، مجھے منظور ہے، یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی، اب بہت اطمینان ہو گیا ہے، امید ہے کہ ان شاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

شام کو فرمایا کہ جس کو مجھ سے بیعت کرنا ہے بیعت کر لے، مشورہ ہوا کہ اس وقت تکان بہت ہے کل پر مؤخر رکھا جائے۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً

آخری شب | رات سے سفر کا اہتمام تھا، پوچھا کہ کیا کل جمعرات ہے؟ عرض کیا گیا جی ہاں!

فرمایا کہ میرے کپڑوں کو دیکھ لو، کہیں کوئی نجاست تو نہیں ہے؟ یہ معلوم کرکے کہ نہیں ہے، اطمینان و خوشی ہوئی، چارپائی سے اُتر کر وضو کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش کی مگر تیمارداروں نے منع کیا، جماعت کے ساتھ عشا کی نماز شروع کی مگر قضاء حاجت کی ضرورت پیش آگئی، بعد میں دوسری جماعت سے حجرہ میں نماز پڑھی، فرمایا آج کی رات دعا اور دم کثرت سے کراؤ، یہ بھی فرمایا کہ آج میرے پاس ایسے لوگ رہنے چاہئیں جو شیاطین اور ملائکہ کے اثرات میں امتیاز کرسکیں۔ مولوی انعام الحسن صاحب سے پوچھا کہ وہ دعا کس طرح ہے اللھم ان مغفرتک؟ انھوں نے پوری دعا یاد دلائی اللھم ان مغفرتک اوسع من ذنوبی ورحمتک ارجیٰ عندی من عملی (اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے عمل سے زیادہ تیری رحمت کا آسرا ہے) یہ وردِ زبان رہی۔ فرمایا آج یوں جی چاہتا ہے کہ مجھے غسل کرادو اور نیچے اتاردو دو رکعت نماز پڑھ لوں دیکھو پھر نماز کیا رنگ لاتی ہے۔

۱۲ بجے گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا، ڈاکٹر آئے اور گولی دی، رات کو بار بار اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز آتی رہی۔ پچھلے پہر مولوی یوسف صاحب اور مولوی اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا، مولوی یوسف صاحب سے فرمایا، یوسف! آملے ہم تو چلے، اور صبح کی اذان سے پہلے جان، جان آفریں کے سپرد کی، اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پر پہونچ کر میٹھی نیند سویا یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولوی یوسف صاحب

کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ اُن کے سر پر باندھا گیا۔

غسل و تجہیز و تکفین | اس کے بعد غسل شروع ہوا، علماء و فقہا نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور تمام سنن و مستحبات کا التزام کیا گیا۔

مساجد (اعضاء سجود) پر جب خوشبو لگانے لگے تو حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ پیشانی پر اچھی طرح خوشبو لگاؤ یہ گھنٹوں سجدہ میں ٹکی رہتی تھی۔

شہر میں عام اطلاع ہو گئی تھی اور لوگوں کی آمد صبح سے شروع ہو گئی تھی، تھوڑی دیر میں بڑا مجمع ہو گیا، وہ مجمع جس کو مولانا کبھی فارغ نہیں دیکھ سکتے تھے، شیخ الحدیث صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کا حکم ہوا کہ لوگوں کو نیچے میدان میں جمع کیا جائے اور ان سے خطاب کیا جائے وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل کے مضمون سے بڑھ کر اس موقع کے لئے تعزیت اور موعظت کیا ہو سکتی تھی، مولانا ظفر احمد صاحب اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی لوگوں کو صبر و استقامت کی تلقین کی اور نصائح فرمائے

مجمع برابر بڑھ رہا تھا، ظہر کی نماز کے وقت بے اندازہ مجمع تھا، حوض کا پانی وضو کرنے والوں کی کثرت سے نیچا ہو گیا، مسجد کی تمام وسعتیں زیریں و بالائی حصے بالکل بھر گئے جنازہ نماز پڑھنے کے لئے باہر لایا گیا مجمع قابو اور نظم و ضبط سے باہر تھا، بلیاں باندھی گئی تھیں تاکہ لوگ کاندھا دے سکیں، بمشکل بڑی کش مکش کے بعد جنازہ درختوں کے نیچے لایا گیا، شیخ الحدیث صاحب نے نماز پڑھائی اور دفن کے لئے جنازہ واپس ہوا، مسجد کے اندر پہونچنا مشکل تھا، بہت سے لوگ رسیاں ڈال ڈال کر اندر پہونچے مسجد کے جنوبی شرقی گوشے میں باپ اور بھائی کے پہلو میں لحد تیار تھی۔ بڑی مشکل اور کش مکش سے جنازہ قبر تک پہونچا، نعش قبر میں اتاری گئی اور دین کی یہ امانت خاک کے سپرد کی گئی، سورج

جب غروب ہوا تو دین کا یہ آفتاب جس کی تابش سے ہزاروں خاک کے ذرے چمک اٹھے تھے اور دور دور تک دین کی حرارت پیدا ہوگئی تھی خاک میں اوجھل ہو چکا تھا۔

پس ماندگان | مولانا نے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد یوسف اور ایک صاحبزادی (اہلیہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب متع اللہ المسلمین بحیاتہ) چھوڑیں۔ خود شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مولانا کے حقیقی بھتیجے، محبوب بھائی کے فرزند، مولانا کے داماد اور شاگرد، مولانا کے محبوب و معتمد اور ان کی یادگار ہیں۔

شبابٌ تسامی للعلی وکھولٌ
وما مات من کانت بقایاہ مثلھم

ان حقیقی جانشینوں کے علاوہ وابستگان کا پورا حلقہ اور بالخصوص اہل میوات آپ کی جیتی جاگتی یادگار ہیں۔ انتقال سے پہلے ایک روز فرمایا کہ لوگ آدمی چھوڑ کر جاتے ہیں، میں اپنے پیچھے الحمدللہ پورا ملک چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

حلیہ | رنگ گندمی، قد پستہ، جسم نہایت نحیف مگر نہایت چاق و چست، سستی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ڈاڑھی گھنی اور سیاہ، چند بال سفید جو صرف قریب سے دیکھے جاتے تھے صورت سے تفکر، چہرہ سے ریاضت اور مجاہدہ، پیشانی سے عالی ہمتی اور بلند نظری نمایاں تھی، زبان میں کچھ لکنت لیکن آواز میں قوت اور گفتگو میں جوش تھا اور اس جوش سے اکثر گفتگو کا سیلِ رواں لکنت کی رکاوٹوں سے ٹکرا کر ایک آبشار کی سی صورت اختیار کر لیتا تھا۔

باب ہفتم

خصوصی صفات و امتیازات

ایمان و احتساب مولانا کی ایک امتیازی صفت جو ان کی عملی زندگی پر حاوی اور ان کے اعمال کی روحِ رواں تھی ایمان و احتساب ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ کو اللہ سمجھتے ہوئے، اس کے حکم کو اس کا حکم سمجھتے ہوئے اس کے وعدوں پر پورے یقین و وثوق کے ساتھ اور اس کی رضا اور اس کے موعود اجر و انعام کے شوق و طمع میں کام کیا جائے۔ حدیث میں آیا ہے:-

من صام رمضان ایمانًا واحتسابًا غفرلہ ما تقدّم من ذنبہ (بخاری)	جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و انعام کے شوق میں رکھے گا اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔
من قام لیلۃ القدر ایمانًا واحتسابًا غفرلہ ما تقدّم من ذنبہ (بخاری)	جو شب قدر میں ایمانًا و احتسابًا شب بیداری کرے گا اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہی عمل کی روح ہے جس سے عمل دفعتہً فرش سے عرش تک پہونچ جاتا ہے اور اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل پرواز کی طاقت نہیں رکھتا، ایک حدیث سے اس کی مزید توضیح ہوتی ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم اربعون خصلۃ اعلاھا منیحۃ العنز ما من عامل یعمل بخصلۃ منھا رجاء ثوابھا وتصدیق موعودھا الا ادخلہ اللہ بھا الجنۃ (بخاری)	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس باتیں ہیں جن میں چوٹی کی بات یہ ہے کہ بکری کسی کو دیدے کہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائے پھر واپس کر دے جو شخص ان میں سے کسی بات پر بھی اس کے ثواب کی امید میں اور اس پر جو اللہ کا وعدہ ہے اس کے یقین اور تصدیق کے ساتھ عمل کرے گا اللہ اس کی وجہ سے اسکو جنت میں داخل کرے گا۔

مولاناؒ نے اس کی بڑی اہمیت سمجھی اور اس کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کی، مندرجہ ذیل اقتباسات سے، جو ان کے خطوط سے لئے گئے ہیں اندازہ ہوگا کہ ان کے ذہن میں اس کی کس قدر اہمیت تھی۔

۱۔ باطن مذہب، ایمان و احتساب ہے، بہت سے اعمال میں مصرح ذکر کیا جاتا ہے، ایماناً واحتساباً، لہذا ہر عمل کے بارہ میں جو خطابات وارد ہوئے ہیں۔ ان میں دھیان کرنا اور اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی عظمت اس کی بڑائی اور اس کے قرب ویقین کو بڑھانا اور ان اعمال پر جو دینی و دنیوی مصالح اور انعامات و

عملیات کا وعدہ فرمایا گیا ہے ان کو بطور عطا کے نہ بطور معاوضہ کے یقین کرنا یہ باطن ہے۔

۲۔ اعمال اپنی ذات سے کوئی قیمت نہیں رکھتے، ان کے اندر جو قیمت آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے امتثال کے ذریعہ اس ذات عالی کی وابستگی سے آتی ہے تو جس قدر وجوہ وابستگی برقرار ہوگا اور وہ ملکہ قوی ہوگا اور جتنا بھی عمل زیادہ طمانیت اور دل سے اور قوت سے ہوگا، ان اعمال کی اصلی قدر و قیمت اسی قدر ہوگی۔

۳۔ جناب عالی نے جذبہ اور ولولہ نہ ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے مجھے اس پر بڑا ہی رشک ہے، مومن کے لئے اللہ کے امتثال امر کی اصلیت یہ ہے کہ حکم کے یقین اور اس کی عظمت سے اتنا دبا ہوا ہو کہ وہ ولولہ کو دبا دے، ولولہ طبیعت سے پیدا ہوتا ہے۔ ولولہ اگر ہو تو یہ حب طبعی ہوئی اور جب تعمیل حکم کی عظمت سے اور فرضیت کے احساس سے ہو تو یہ حب عقلی اور حب ایمانی ہے۔"

۴۔ بسا اوقات تھوڑے سے کئے ہوئے کو دیکھ کر ان پر خوش ہو جانا باقیوں کی کوتاہیوں کو محسوس ہونے سے حجاب ہو جاتا ہے اور اپنے اس مغالطہ سے بچنے کی بہت زیادہ فکر رکھیں۔ کرنے والوں کو دیکھ کر ان کی خوشی کا صرف اتنا ہی اثر لیں کہ فطرۃً اپنی غلطی سے اثرات مرتب ہونے کو جو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ نہ ہونی چاہیئے۔ اصل کامیابی کوشش میں لگ جانا ہے نہ کہ ثمرات کا مرتب ہونا، چنانچہ دینی امور کا اصل ثمرہ اجر و ثواب ہے، وہ محض کام میں مشغول ہونے سے تعلق رکھتا ہے، دنیاوی اثرات سے اس کو کیا علاقہ، بہرحال اگر اثرات مرتب ہو رہے ہیں تو ان سے صرف اتنا ہی اثر لیں کہ ہم غلطی سے

جن اثرات کو دنیا میں ڈھونڈتے ہیں وہ بھی ہو رہے ہیں، اثرات مرتب نہ ہونے پر بھی کوشش چاہیئے تھی، اثرات مرتب ہونے پر بھی کوشش میں کمی کرنا بڑی غلطی ہے۔ بس اتنا محسوس کر کے اپنی اصل توجہ کو صرف کوتاہی اور نقصان کے محسوس کرنے میں متوجہ کریں۔

۵:۔ (عبادات واذکار) کے بارے میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں ان نصوص کو دیکھتے رہنا اور ان کے پڑھنے پر جو وعدے فرمائے گئے ہیں ان کا یقین کرنا اور اس کی کوشش کرتے ہوئے ان سب اوراد کو نبھانا چاہیئے، بڑی چیز ان وعدوں پر یقین کی کوشش ہے، یہ یقین چونکہ قلب سے تعلق رکھتا ہے، لہذا یہ ان عبادات کے قلب کا درجہ رکھتا ہے اور روحانیت کی امید اسی سے وابستہ ہوتی ہے"

۶۔ ہر وقت کے لئے ان کے اپنے وقتوں کی عظمت اور حرمت میں آئی ہوئی تعریفیں اور فضیلتیں معلوم کر کے ان کا اعتقاد کرتے ہوئے کرنا یہی ان کا طریقہ ہر ہر ایک کی فضیلتیں حدیثوں میں الگ الگ وارد ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ برکات ہیں اور انوار ہیں، ہم جیسے عامی لوگوں کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ ہر وقت کی نماز ادا کرنے کے وقت یہ مانگ لے کہ ہر وقت کے جو برکات اور انوار ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ہمیں حصہ نصیب کرے"

۷۔ جی لگنے اور مزہ آنے کا دھیان نہ کریں بلکہ اللہ اور رسول کا حکم سمجھتے ہوئے کرتے رہیں، اور ان کی اقتدا کو عظیم سمجھیں، فرمان کی تعمیل اور امر کی اقتدا بہت بڑی چیز ہے"

مولانا کی پوری تحریک وسعی اسی ایمان و احتساب پر مبنی تھی یعنی اس کے ذریعہ سے اللہ کو راضی کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع، دلالت علی الخیر (بھلائی کی طرف رہنمائی) کے طویل اور مسلسل اجر و ثواب کا مستحق بننا اور مرنے کے بعد زندگی کے لیے سامان کرنا۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"تبلیغ کا طریقہ کچھ دل سے متعلق ہے کچھ جوارح سے، دل سے جو متعلق ہے وہ چند امور ہیں۔

۱۔ اس کام کے لئے پھرنے میں انبیاء علیہم السلام اور سب نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور اس پاک دولت سے اللہ کو راضی کرنا ہے۔"

۲۔ الدال علی الخیر کفاعلہ (بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا خود عمل کرنے والے کی طرح ہے) کے مضمون کو قوت کے ساتھ دھیان میں رکھتے ہوئے اپنی کوشش سے جتنا بھی کوئی نماز قرآن اور ذکر وغیرہ میں مصروف ہو ان میں سے ہر ایک کے کئے ہوئے کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت یقین کرنا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تفصیلی ثواب کو دھیان رکھنا ہے۔

۳۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی طرف دعا و التجا کی قوت پیدا کرنی، قدم قدم پر اللہ کے فضل اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کو یقین کرتے ہوئے اس کی رضا کو اور تبلیغ کی کامیابی کو مانگتا رہے۔

۴۔ اس کار خیر کے لئے قدم اٹھانے کو محض غیبی فضل سمجھ کر اس کے شکر کا دھیان رہے

۵۔ مسلمان کی عزت اور اس کے ساتھ تواضع اور نرمی کی دل سے مشق کرنی۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں فرماتے ہیں :-

"دین کے کام اس وقت پائیدار اور جاری رہتے ہیں کہ آدمی قیامت کے منظر کو سامنے رکھے اور قیامت میں کام دینے والے ان کارناموں کو جو آدمی نے یہاں کئے ہیں، حضور کی بڑائی کو ذہن نشین کرتے ہوئے اور ان کارناموں کے اس معاوضہ کو جو حضورؐ نے بتلایا ہے (بشرطیکہ اللہ کے یہاں قبول ہوگئے ہوں) اپنے لئے ذخیرہ تصور کرے۔

جوں جوں یہ تصور رچے گا حق تعالیٰ شانہ تصدیقی ایمان کی حلاوت نصیب کریگا اور جوں جوں حلاوت نصیب ہوگی شوق بڑھے گا اور شوق میں برکت ہوگی۔

مثلاً تمہاری وجہ سے جتنے بے نمازی نمازی ہوگئے تلاش کرو کہ شریعت میں اس کا کتنا ثواب ہے، فی نماز شریعت نے جتنا ثواب بتلایا ہے خوب دھیان جماؤ کہ وہ سب ذخیرہ مجھے ملے گا۔"

حق سمجھتے ہوئے اور اپنے اوپر ایک آنے والا دن یقین کرتے ہوئے قیامت کا دھیان کیا کرو، پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل سے تصدیق کیا کرو کہ جو حضور بتلا گئے ہیں وہی آخرت میں کام آنے والا ہے۔"

ایک دوسرے موقع پر تحریر فرمایا :-

"کلمۃ اللہ کے اعلا اور وحی کے نشر میں سعی اور کوشش خالص اپنے مولیٰ کو مولیٰ سمجھ کر اس کی رضا کے لئے ہو اور موت کے بعد کے سامان کے یقین کے ساتھ، حق تعالیٰ کے یہاں سے فیضان موعود اسی زندگی کے ساتھ ہے جس پر اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ[1]

---

[1] پوری آیت اس طرح ہے ان الذین اٰمنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ۔ (البقرہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں کوششیں کیں بس وہی اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں ۱۲

کا حصر نرا شاہد ہی نہیں بلکہ ہزار ہا آیات قرآنیہ سے مؤید ہے۔

اپنے نفس کو تجربہ سے ایسا گندہ، ناقص، خود غرض اور کام کا بگاڑ دینے والا دل سے یقین کرے کہ الطاف خداوندی کا قصہ تو کچھ اور ہے، یہ موت تک راست ہوتا نظر نہیں آتا، لہٰذا اس نیت سے سعی کرے اور حضور کی باتیں دوسروں میں پھیلائے کہ میرے علاوہ اللہ کے سب بندے، جو اپنی ذات سے نیک طینت اور پاک نفس ہیں دین کے جس کام کو کریں گے وہ ظاہر و باطن میں اچھا عمل ہوگا، حق تعالیٰ بقاعدہ الدال علی الخیر کفاعلہ اپنے الطاف سے ان پاک ہستیوں کی برکت سے مجھے بھی اس سے حصہ عطا فرمادے۔"

فکر کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فکر کوئی بڑی چیز نہیں ہے، تنہائیوں میں بیٹھ کر اپنے نفس سے یہ کہنا کہ قطعاً یہ چیز اللہ کو راضی کرنے والی ہے اور موت جو یقیناً ایک آنے والا وقت ہے تیری نفسانی زندگی کو قطعاً درست کرنے والا ہے اور الدال علی الخیر کفاعلہ کو سچ سمجھ کر اس نکلنے کی وجہ سے جتنی نیکیاں وجود میں آتی ہیں یا آسکنے والی ہوں ان سب کو جمع کر کے اللہ کی خوشنودی کو ان سے بہ تکلف تعیین کے ساتھ وابستہ کرنا بس یہی فکر ہے۔"

مولانا یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ اللہ کے دین کو لئے ہوئے اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہوں ان کے اعزہ اور متعلقین بھی اپنی خوش دلی، صبر، ہمت افزائی اور قدر دانی سے ان کے اس کام اور اجر و ثواب میں شریک ہوں، مولانا پوری اُمت کے دل میں اس اجر و ثواب کا شوق اور ایمان و احتساب پیدا کرنا چاہتے تھے، اس کی ابتدا آپ نے اپنے گھر سے کی، حجاز سے آپ نے گھر کو حسب ذیل خط لکھا۔

"... تم خیال کر کے دیکھو کہ دنیوی غرض کی وجہ سے لوگ اپنے اہل وعیال کو کتنی مدت کے لئے چھوڑتے ہیں، خیال تو کر کے دیکھو کہ اس وقت بھی کفار کے لشکر میں ہزاروں مسلمان سر بکف جان خطرہ میں محض ایک پیٹ کے کارن ہر وقت سدا کو دنیا سے چلے جانے کے لئے موت کے کنارہ پر ہیں۔ ایسی کم ہمتی ہرگز نہیں چاہئے تم ہمت اور جواں مردی کے ساتھ خوشی سے میرے دین کی خدمت کے لئے ہجر اور فرقت پر راضی ہو کر چھوڑے رکھو تو خوشی کے بقدر اجر و ثواب میں شریک رہو گی دنیا میں غنیمت سمجھو کہ تمہارے گھر والے دین کی خدمت کے لئے تکلیف اٹھا رہے ہیں شکر کرو اس تکلیف کا جب اجر و ثواب ملے گا تو کبھی ختم نہ ہوگا، ایک ایک صدمہ باغ و بہار ہو کر ملے گا۔"

مولانا کے نزدیک عاجز و ضعیف اور مشغول انسان کے لئے اس محدود اور مختصر زندگی میں اپنی مجبوریوں اور کمزوریوں کے ساتھ طویل ترین، کثیر ترین اور مسلسل اجر و ثواب اور ذخیرۂ عمل کی صورت اخلاص و احتساب کے ساتھ اس دلالت علی الخیر اور تبلیغ میں مشغولی کے سوا کچھ نہ تھی، اگر کوئی شخص دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نفلیں پڑھے اور ایک قرآن مجید روزانہ ختم کرے یا لاکھوں روپے روزانہ صدقہ و خیرات کرے تو بھی کثرت میں، نورانیت اور قبولیت میں ان لوگوں کے اجر کو نہیں پہونچ سکتا جن کو ان کی دلالت علی الخیر کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کی فرض نمازوں، ارکان اور ایمان کا ثواب رات دن کے ہر لمحہ میں پہونچ رہا ہے اور ان کی روح پر اجر و انعام اور انوار و برکات کی صدیوں سے مسلسل بارشیں ہو رہی ہیں، ایک شخص کا عمل، اس کی طاقت اور اس کا اخلاص سیکڑوں آدمیوں کے عمل و طاقت اور اخلاص و شغف وانہماک کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا

اسی لئے مولانا شخصی عبادات و نوافل پر (ان میں پورے طور پر خود منہمک رہنے اور انکی انتہائی حرص و شوق رکھنے کے باوجود) اس متعدی خیر اور دلالت علی الخیر کو ترجیح دیتے تھے اور اس کو زیادہ امید کی چیز سمجھتے تھے، ایک بزرگ کو جو اپنی عمر میں بڑے بڑے کام کر چکے تھے اور اب جسمانی انحطاط و تنزل کے دور میں تھے ان کے ایک دوست کے ذریعہ سے اسی کا مشورہ دیا کہ اب آپ میں خود کرنے کی زیادہ طاقت نہیں رہی، وقت کم اور کام بہت زیادہ ہے اس لئے مصلحت اندیشی اور وقت شناسی کا تقاضا اور تفقہ اور حکمت دین یہ ہے کہ دوسروں کے اعمال کا ذریعہ بننے کی کوشش کیجئے، تقریر و تحریر، خطوط و ترغیب کے ذریعہ اپنے دوستوں اور بات ماننے والوں کو اس دعوت و تبلیغ کی طرف متوجہ کیجئے اور ان کے اجر و ثواب میں شریک ہو جیئے۔

یہ تحریک و دعوت تو مولانا کے نزدیک ایمان و احتساب کا سب سے سہل اور قوی ذریعہ تھا۔ یوں عام طور پر بھی آپ پر ایمان و احتساب کا ایسا غلبہ تھا کہ مشکل سے کوئی قدم ثواب کی نیت اور دینی نفع کی توقع کے بغیر اٹھتا ہوگا اور کوئی کام محض نفس کے تقاضے سے ہوتا ہوگا گویا لا یتکلم الا فیما رجا ثوابہ[1] (شمائل ترمذی) آپ کا حال تھا، ان کی ہر نقل و حرکت، دلچسپی اور شرکت کا محرک اور باعث، اجر اور دینی نفع کی امید اور طمع تھی اسی لئے گفتگو فرماتے تھے، اسی لئے تقریبوں میں شرکت کرتے تھے اور اسی بنا پر غصہ آتا تھا اور پھر اسی لئے راضی ہو جاتے تھے، جو چیز اس مقصد اور اس امید سے خالی ہو اس سے ان کو دلچسپی اور تعلق نہیں ہوتا تھا، چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے کاموں میں بھی یہی حال تھا۔ بقول مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے شاید بغیر نیت کے ایک چائے کی پیالی بھی نہیں پیتے تھے اور نہ کسی کو پیش کرتے تھے۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی معاملہ پر گفتگو فرماتے جس میں آپ کو ثواب کی امید ہوتی (حدیث)

ہر کام میں اور ہر موقع پر اس کے بہترین دینی منافع اور برکات حاصل کرنے کے لئے اور اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنانے کے لئے اُس کی خصوصی نیت کرتے اور اس عمل کا رخ بڑی لطافت کے ساتھ عادت سے عبادت کی طرف پھیر دیتے اس بارہ میں ان کی قوت فکریہ اور ذکاوت کتابی علم کی سطح سے اونچی ہو کر حکمت و تفقہ کے بلند درجہ تک پہونچ گئی تھی، وہ اس بارہ میں اتنے باریک بیں اور حاضر دماغ تھے کہ ایک ہی کام میں الگ الگ نیتوں کے ذریعہ ہر شخص کی سطح کے مطابق خصوصی فائدہ اور اجر و ثواب کی رہنمائی کرتے تھے۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ایک لطیف واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اندازہ ہوگا۔

"اخیر زمانہ علالت ہی میں جب کہ حضرت اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے، ایک روز دوپہر میں نظام الدین پہنچا، ظہر کی نماز کے لئے بعض میواتی خدام حضرت کو وضو کرا رہے تھے، اس وقت مجھ پر حضرت کی نظر پڑی، اشارہ سے بلایا اور فرمایا:۔

"مولوی صاحب! حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برسوں وضو فرماتے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بھی دیکھا تھا پھر بھی وہ متعلمانہ طور پر حضرت علی کو وضو فرماتے ہوئے دیکھتے تھے۔"

حضرت کا یہ ارشاد سننے کے بعد جب اس نظر سے میں نے حضرت کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا تو محسوس کیا کہ فی الحقیقت ایسی بیماری کی حالت میں وضو کے لئے ہیں حضرت کے وضو سے بہت کچھ سبق حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت کو جو دو چار خادم وضو کرا رہے تھے یہ سب میواتی تھے ان کی طرف

اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"یہ بے چارے مجھے وضو کراتے ہیں میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ تم لوگ اللہ کے لئے مجھ سے محبت اور میری خدمت کرتے ہو اور تمہارا یہ گمان ہے کہ میں نماز اچھی پڑھتا ہوں جیسی تم نہیں پڑھ سکتے لہذا مجھے وضو اس نیت کو کرایا کرو کہ میری نماز کے اجر میں تمہارا حصہ ہو جائے اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ اے اللہ ہمارا گمان ہے کہ تیرے اس بندہ کی نماز اچھی ہوتی ہے جیسی کہ ہماری نہیں ہوتی، اس لئے ہم اس کے وضو میں مدد دیتے ہیں تاکہ تو اس کی نماز کے اجر میں ہمارا بھی حصہ کر دے۔

اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تیرے یہ سادے اور بھولے بندے میرے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں، ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز قبول فرما کر انہیں بھی اس میں شریک فرما دے۔

فرمایا اگر میں سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان سے اچھی ہوتی ہے تو اللہ کے یہاں مردود ہو جاؤں، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے ان سادہ دل بندوں ہی کی وجہ سے میری نمازوں کو رد نہ فرمائے گا۔"

دیکھیے اس ایک وضو میں مختلف احوال کے تین فریقوں کے لئے محض ایک نیت سے دولت دین حاصل کرنے کے کیسے راستے کھول دیئے۔ مولانا منظور صاحب کے لئے تعلّم کی مستقل فضیلت، سنتوں کا تتبع اور اس ذریعہ سے اپنے وضو کی تکمیل و ترقی کی نیت کا مستقل ثواب، میواتیوں کے لئے درجۂ احسان کی نماز کے ثواب و قبولیت میں شرکت اور خود اپنے لئے ان کے حسن ظن کے ذریعہ نماز کی مقبولیت۔

ان مختلف نیتوں اور ایمان و احتساب کے بغیر یہ ایک روزمرہ کا وضو تھا، ایک شخص وضو کر رہا تھا، چند آدمی خادمانہ حیثیت سے وضو کرا رہے تھے۔ ایک شخص بغیر کسی دھیان اور مقصد کے دیکھ رہا تھا۔

احسانی کیفیت | حدیث میں صفت احسان کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ "ان تعبد اللہ کانک تراہ" (وفی روایۃ) ان تخشی اللہ کانک تراہ الخ (یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت اور اُس کا خوف ایسا ہو کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے) حضرت مولانا محمد الیاس علیہ الرحمۃ اس کا مجسم نمونہ تھے، جلوت میں بھی اکثر حالت ایسی رہتی تھی کہ گویا وہ اللہ کے حضور میں ہیں۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے بالکل صحیح لکھا ہے اور خاکسار کا بھی مشاہدہ ہے کہ:-

> اللہ کی تسبیح و تحمید، توحید و تمجید اور توبہ و استغفار و استغاثہ و استمداد کا جامع کلمہ "سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدک لا شریک لک استغفرک واتوب الیک یا حی یا قیوم برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین" (جو اکثر ورد زبان رہتا تھا) بعض اوقات ایسے حال اور ایسے انداز سے کہتے کہ گویا اللہ پاک کے عرش جلال کے سامنے حاضر ہو کر عرض کر رہے ہیں۔

قیامت کا استحضار اور آخرت کا تعلق | اسی قبیل کی ایک چیز یہ تھی کہ قیامت کا استحضار اور آخرت کا تعلق (آنکھوں کے سامنے تصویر کی طرح رہنا) ایسا بڑھا ہوا تھا کہ اکثر حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول یاد آجاتا تھا کانھم رای عین (صحابہ کرام کے سامنے آخرت

ایسی رہتی تھی گویا آنکھوں دیکھی چیز ہے، ایک مرتبہ ایک میواتی سے دریافت فرمایا کہ دہلی کیوں آئے، سادہ دل میواتی نے جواب دیا کہ دہلی دیکھنے کے لئے، پھر مولانا کے انداز سے اس کو اپنی غلطی محسوس ہوئی، فوراً کہا کہ جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے، پھر بدل کر کہا کہ آپ کی زیارت کے لئے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ دہلی اور جامع مسجد کی جنت کے سامنے کیا حقیقت ہے، اور میں کیا ہوں جس کی زیارت کے لئے تم آئے سڑگل جانے والا ایک جسم، پھر جنت کا جو ذکر کرنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنت سامنے ہے۔

اس زندگی کی ناپائیداری اور آخرت کی زندگی کے جاوداں اور اصلی ہونے کا یقین اس طرح طبیعت بن گیا تھا کہ روزمرہ کی باتوں اور خطوط سے صاف عیاں ہوتا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں لکھا کہ مولانا عبدالقادر صاحب سے کہو کہ اس آتی جاتی دنیا میں ایک آٹھ دن کے لئے تو نظام الدین تشریف لے آئیں۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ لکھنؤ میں ملاقات ہوگی پھر فرمایا کہ حضرت سفر میں کیا ملنا، انشاء اللہ آخرت میں ملیں گے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریل کا ایک مسافر دوسرے مسافر سے کہتا ہے کہ گاڑی کی ملاقات کیا، گھر پر ملیں گے، وہی یقین وہی سادگی۔

مولانا سید طلحہ صاحب سے ان کی اہلیہ کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا۔ دنیا کی زندگی کی اس سے زیادہ بساط نہیں کہ کسی دروازہ کا ایک پٹ پہلے بند کیا پھر دوسرا پٹ، اسی طرح انسان آگے پیچھے دنیا سے جاتا ہے۔

کامل یکسوئی اور انہماک | مولانا نے اپنے کام اور اپنی دعوت کے لیے برسوں سے اپنے کو کامل طور پر یکسو کر لیا تھا اور خلاف مقصد اور غیر متعلق چیزوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔

بہت عرصہ پہلے شیخ الحدیث کو ایک خط میں تحریر فرمایا تھا۔

میرے دل کی تمنا ہے کہ کم سے کم میرا دماغ اور خیال اور وقت اور قوت اس امر کے سوا ہر چیز سے فارغ رہے۔"

فرماتے تھے کہ میرے لیے کسی دوسری چیز سے اشتغال کب جائز ہے جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو (مسلمانوں کی موجودہ حالت اور دین کے ضعف و تنزل اور کفر کے غلبہ سے) اذیت ہے۔ ایک روز ایک خادم نے شکایت کی کہ جو شفقت اور نظر خاص پہلے تھی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے، فرمایا میں مشغول بہت ہوں، میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہے، میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی اپنی مثال اس سپاہی سے دیتے۔ جو چوراہے پر کھڑا سواریوں اور گاڑیوں کو قابو میں رکھتا ہے اور ان کو چلنے اور رکنے کے اشارے کرتا ہے۔ فرماتے کہ دوسرے کام بھی اہم اور مفید ہیں مگر اس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنا ممنوع اور خطرناک ہے۔ دوسری چیزوں سے ایسی توجہ ہٹالی تھی اور اپنے کام میں ایسے مشغول ہوگئے تھے کہ ماحول کی بہت سی چیزوں کی طرف توجہ کا موقع نہیں ملتا تھا، نئی دہلی سے گزرتے وقت محب مکرم مولانا محمد ناظم صاحب ندوی نے ایک اہم عمارت کو دریافت فرمایا، ـــــ فرمایا، مولانا میرے یہ ملوم معدوم ہیں۔

مجلسوں میں جب تک مولانا کو اپنی دعوت کے پیش کرنے کا موقع ملنے کی امید نہ ہوتی ان میں شرکت پسند نہ کرتے، محض رسماً و اخلاقاً شرکت بہت گراں گزرتی، فرماتے تھے کہیں جاؤ تو اپنی بات لے کر جاؤ اور اس کو پیش کرو، اپنی دعوت کو غالب رکھو۔ ایک مرتبہ میں۔ مولانا سید سلیمان صاحب کا ایک فقرہ سنایا، جو انھوں نے ایک جلسہ سے واپس آکر فرمایا تھا کہ اپنی ایک بات کہنے جاؤ تو دوسروں کی دس باتیں (مروتاً) سننی پڑتی ہیں۔

مولانا دیر تک اس کا لطف لیتے رہے اور فرمایا کہ بڑے دروتے کہا۔

خلاف موضوع اور بے مقصد بات کا دیر تک سننا طبیعت پر بہت بار ہوتا تھا۔ بعض اوقات بے تکلف آدمی کو منع فرما دیتے اور کبھی اکراماً و مروۃً طبیعت پر جبر کر کے سنتے رہتے، لیکن جاننے والا جانتا کہ کیسا مجاہدہ فرما رہے ہیں۔ ریل کے ایک سفر میں مولانا کے ایک عزیز رفیق نے دوسرے رفیق سے کوئی بات چھیڑ دی اور سلسلہ گفتگو شروع ہوا، فرمایا کہیں اور بیٹھ کر باتیں کرو، اہل مجلس اور رات دن کے آنے جانے والے اس بات سے واقف تھے اور حتی الامکان اس کا لحاظ رکھتے تھے لیکن نئے آنے والوں اور بالخصوص علماء کے لئے سب کچھ جائز تھا اور اس کا کشادہ پیشانی سے تحمل فرماتے۔

وطن عزیز کاندھلہ کے سفر اور عزیزوں سے ملنے میں بھی اپنی دعوت اور بات کو کبھی نہ بھولتے اور کوئی سفر اور کوئی مجلس شاید اس سے خالی ہوتی لیکن اس کے لئے بڑی مناسب اور لطیف تقریب پیدا کر لیتے اور اکثر کسی مناسبت ہی سے اپنی بات چھیڑتے جو اہل مجلس پر گراں نہ گزرتی اور نکتہ داں لطف لیتے۔

ایک دفعہ دلی کے کسی مخلص کے یہاں شادی میں آپ کو شرکت کرنی پڑی، آپ نے شادی کی خاص مجلس میں بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا آج آپ کے یہاں وہ خوشی کا دن ہے جس دن میں کمینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے۔ گوارا نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن بھی ناخوش رہے، بتلائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش کرنے کی بھی کوئی فکر آپ لوگوں کو ہے، پھر آپ نے تبلیغ اور حضور کے لائے ہوئے دین کو سرسبز کرنے کی کوشش کو حضور کی خوشی کا سب سے بڑا ذریعہ بتلاتے ہوئے ان کیلئے حاضرین کو دعوت دی۔

مولانا اول تو کسی کو دعوت و تبلیغ کے سوا کسی اور ضرورت سے شاذ و نادر ہی خط لکھتے، پھر اگر لکھتے تو پہلے اپنی بات لکھتے پھر کوئی دوسری بات، ایک مرتبہ میرے سامنے ایک میواتی طالب علم نے درخواست کی کہ اس کے لئے مولانا طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند) کو سفارش کا ایک خط لکھ دیا جائے. مولانا نے وہ خط لکھوایا، سارا تبلیغ کا ذکر تھا. آخر میں ایک دو سطروں میں اس کی سفارش تھی۔

خاکسار کبھی اپنے بعض عزیزوں سے ملنے جاتا تو واپسی پر پوچھتے کہ اپنی بات بھی کہی تھی اور ان کو اس کام کی دعوت بھی دی تھی؛ میں نفی میں جواب دیتا تو فرماتے ..مولانا تعلقات جب تک محمد علیہ السلام کے قدموں کے نیچے نہ آئیں مردہ ہیں۔" (یعنی جب تک ان کو دین کی تقویت و دعوت کا سبب نہ بنایا جائے، ان میں خیر و برکت اور روح نہیں)

تقریبات میں شرکت و دعوت کو صرف اسی مقصد کے لئے درست سمجھتے تھے اور آپ کے نزدیک ان کا یہی فائدہ تھا. خود اپنے گھر کی ایک مجلس عقد کی اطلاع اس طرح دیتے ہیں اس دور انحطاط میں بندہ ایسے موقعوں کے اجتماع کو مسلمانوں کی بے حسی سمجھتا ہے مگر چونکہ اپنے بزرگ علماء و مشائخ تشریف لا رہے ہیں اس لیے اطلاعاً تحریر ہے تاکہ جملہ احباب تشریف لا کر سعادت دارین حاصل کریں اور بندہ کو اپنے تبلیغی نظام کے پیش کرنے کا موقع دیں۔"

لایعنی (جو بات دینی حیثیت سے کچھ مفید اور دنیاوی حیثیت سے ضروری نہ ہو) سے بڑی نفرت اور اجتناب تھا اور اس کی دوسروں کو بھی وصیت فرماتے اور تبلیغ میں نکلنے والوں کو بالخصوص تاکید فرماتے. فرماتے تھے" لایعنی میں اشتغال کام کی زونق

کو دیتا ہے، جس بات میں دین کا فائدہ نہ دیکھتے اس کو تضیع اوقات سمجھتے۔ ایک مرتبہ میں چبوترہ کے پاس کھڑا ہوا، ذوق وشوق کے ساتھ مولوی سید رضا حسن صاحب سے کوئی پرانا واقعہ اور کسی تبلیغی سفر کی روداد سن رہا تھا، مولانا نے سنا اور فرمایا کہ یہ تو تاریخ ہوئی کچھ کام کی بات کیجئے۔

وقت کی بڑی قدر کرتے تھے اور اس کو اپنا سرمایہ سمجھتے تھے، اس کو بیکار صرف کرنے سے بڑا درد ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ نئے خطوط دیکھے جا رہے تھے ایک پرانا لفافہ ملا جو پڑھا جا چکا تھا کچھ منٹ اس کی تحقیق میں صرف ہوئے پھر معلوم ہوا کہ وہ پڑھا جا چکا ہے، فرمایا اس کو پھاڑ ڈالو ورنہ یہ پھر وقت ضائع کرے گا۔ پھر فرمایا یہی وقت تو ہمارا سرمایہ ہے اس سرمایہ کو مولانا نے جس طرح دیکھ بھال کر صرف کیا اور اس کی جیسی قدر و قیمت پہچانی وہ ان کے اس عظیم الشان اور عہد آفریں کام سے ظاہر ہے۔ جو اس وقت دنیا کے سامنے ہے، اتنا بڑا کام اسی وقت انجام پا سکتا تھا کہ وقت بالکل ضائع نہ کیا جائے اور کسی خلاف مقصد اور غیر مفید مطلب بات میں اس کا کوئی حصہ صرف نہ ہو۔

مقصد کا عشق | مولانا نے ایک مرتبہ عشق کی یہ تعریف کی تھی کہ "آدمی کی لذتیں اور دلچسپیاں جو دنیا کی بہت سی چیزوں میں بٹی ہوئی ہیں سب سے نکل کر کسی ایک چیز میں سمٹ آئیں یہی عشق ہے" مولانا کی یہ تعریف دین کے بارہ میں خود ان پر صادق تھی، اس سے ان کی روح کو عشق ہو گیا تھا جس کے سامنے تمام حسی لذتیں اور تاثرات ماند پڑ گئے تھے اور یہ روحی لذت ان کے لئے بالکل حسی اور طبعی لذت بن گئی تھی، اس سے ان کو وہ قوت اور توانائی اور وہ نشاط و تازگی حاصل ہوتی تھی جو لوگوں کو غذا اور دوا

سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ ایک کارکن کو جنھوں نے خانہ نشینی کی حالت میں اپنی بے چینی کی شکایت لکھی تھی، جواب میں یہی حقیقت لکھی تھی جو کسی اور کے متعلق صحیح ہو یا نہ ہو ان کے متعلق بالکل صحیح تھی۔

"میرے محترم تبلیغی کام درحقیقت انسان کی روح کی غذا ہے، حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اس غذا سے بہرہ ور فرمایا، اب اس کے عارضی فقدان یا کمی پر بے چینی لازمی شے ہے آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں۔"

بارہا ایسا ہوا کہ کسی خوش خبری کو سن کر یا کسی ایسے آدمی سے مل کر جس کو وہ اپنی دعوت کے لئے مفید سمجھتے تھے وہ اپنی بیماری بھول گئے، طبیعت کو اتنی قوت حاصل ہوئی کہ وہ مرض پر غالب آگئی۔ دفعۃً صحت ترقی کر گئی، اس کے برعکس کسی تشویش یا فکر سے ان کی صحت گر گئی، ان کی تمام فکریں اسی ایک فکر میں گم ہو گئی تھیں جیسا کہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"طبیعت میں سوائے تبلیغی درد کے اور خیریت ہے۔"

ان کی ذکاوتِ حس سب طرف سے منتقل ہو کر اسی ایک چیز میں مرکوز ہو گئی تھی بعض اوقات فرمایا مجھے مشغولیت کی وجہ سے بھوک کا احساس نہیں ہوتا سب کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں یا کھانے کا وقت آجاتا ہے تو کھا لیتا ہوں۔

تبلیغی اطلاعات کے خطوط سے ان کو وہ خوشی اور تقویت حاصل ہوتی تھی جو حقیقتاً عاشق کو مژدۂ وصال اور نامۂ دلبر سے ہوتی ہے، ایک کارکن کو جو کبھی تبلیغ کی روداد لکھا کرتے تھے تحریر فرماتے ہیں:۔

"تمہارے خطوط کا خیال ہی گویا زندگی اور روحِ رواں کی جگہ ہے، میری

یہ بات اگر پوری صحیح نہیں تو پوری غلط بھی نہیں، اور میں اپنے عقیدہ میں اس خیال کو جان سے زیادہ سمجھنا فرض سمجھتا ہوں، تم میرے دل کی تسلی سمجھ کر خطوط بھیجنے میں کمی مت کیا کرو۔"

مبلغین کی آمد کا انتظار عید کے چاند کے انتظار سے کم نہیں تھا، ایک کارکن کو جو ایک جماعت لانے والے تھے لکھتے ہیں:۔

"جمنا کے کنارہ کنارہ جو مبلغین کی جماعت آوے گی اس کا مجھے ایسا ہی انتظار ہے جیسے عید کے چاند کا ہوتا ہے بہت اہتمام سے اس جماعت کو لاؤ۔"

آخری علالت میں ضعف کی وجہ سے بعض مرتبہ ایسی کسی خوشی کا تحمل نہ ہوتا جنوری ۱۹۴۴ء میں جب لکھنؤ کی جماعت گئی تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میرے آنے کے بعد تو کانپور میں کام ختم ہو گیا ہوگا (اس کی اطلاعات غالباً مولانا کو پہونچی تھیں) میں نے عرض کیا کہ لکھنؤ سے ایک جماعت گئی تھی اور الحمد للہ کام پھر شروع ہو گیا ہے۔ حاجی ولی محمد صاحب کی طرف میں نے اشارہ کیا کہ یہ بھی اس جماعت میں تھے، مولانا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور ان کے ہاتھ چوم لئے اور فرمایا کہ میرا خوشی سے سر دکھ گیا، مجھے اب بہت خوش بھی نہ کیا کیجئے، مجھ میں خوشی کا تحمل نہیں رہا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات جماعتوں کی کسی بے اصولی اور کوتاہی کا ایسا اثر پڑتا کہ بیمار ہو جاتے، ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا کہ میں تو سہارنپور سے آ کر بیمار ہو گیا! میں نے عرض کیا کیا سبب ہوا؟ فرمایا باہر سے جو جماعتیں آئی تھیں انھوں نے اصول کی پابندی نہیں کی، لایعنی سے احتراز نہیں کیا اور شہر میں سیر و تفریح کرتے رہے۔

مولانا کے اس جذبہ اور جوش کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا:۔

"اس کے اوپر جان و مال کو قربان اور وقف کر کے اس میں اپنی عمروں کو گنوانے والے پیدا کرنے چاہئیں، بے پس و پیش اس میں اپنی جان گنوا دینی ضروری ہے[1]"

"ہر کوشش کو اس کے درجہ میں رکھتے ہوئے اور لا یضیع اجر المحسنین پر ایمان رکھتے ہوئے بے چون و چرا اپنے اس معاملہ میں جنونی ہونے اور کہلائے جانے کی تمنا رکھتے ہوئے ان کوششوں میں اپنے فنا میں اپنا بقا سمجھتے تو ان کوششوں میں دنیا ہی میں جنت کا مزہ پاتے[2]"

مولانا کی کیفیت یہی تھی کہ ان کوششوں میں ان کو جنت کا مزہ آتا تھا، اس راستہ میں گرم لو ان کے لئے نسیم سحری سے زیادہ خوشگوار اور فرحت بخش تھی، ایک مرتبہ مئی کی کسی آخری تاریخ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث، مولانا زکریا صاحب مولوی اکرام الحسن صاحب اور یہ ناکسار ایک کار پر قطب صاحب گئے! لو کے سخت جھونکے آ رہے تھے، مولانا نے فرمایا لو آ رہی ہے کھڑکیاں بند کر دو، شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا جی ہاں! اس وقت لو معلوم ہو رہی ہے، کوئی تبلیغی سفر ہوتا تو یہ ہوا گرم نہ معلوم ہوتی، فرمایا، بے شک!

اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ جب کسی میں کوئی خوبی، کمال، جودت طبع، ذہانت یا مہارت ملاحظہ فرماتے تو فوراً ذہن دین کی خدمت کی طرف منتقل ہوتا اور یہ تمنا ہوتی کہ یہ کمال یہ دولت، دین کے راستہ میں صرف ہوتی اور اپنا رنگ لاتی۔

مجاز سے شیخ الحدیث کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:-

---

[1] بنام ابوالحسن علی

"حکیم رشید کا خط آیا، ان کے خط سے ان کی جودت طبع کو دیکھ کر بہت ہی جی للچایا کہ اللہ نے ہمارے خاندان کو کیسی مکارم اخلاق والی طبیعتیں نصیب فرمائی ہیں اور کیسا صالح معدن بنایا ہے، کاش یہ طبائع استقلال کے ساتھ جہاں کے لئے پیدا ہوئی ہیں اس میں لگ جائیں تو اللہ چاہے دین میں سبقت کرنے والے پر سابق ہوں، یہی مضمون میاں فراغت کی نظم پر سمجھو"[۵]

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں فرماتے ہیں کہ علالت کے زمانہ میں ایک مرتبہ پشت پر کچھ نجاست لگ گئی، دھلانے میں خطرہ تھا کہ بدن بھیگ جائے اور سردی لگ جائے کسی کے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بغیر نہلائے کس طرح صفائی ہوسکتی ہے، مولوی یوسف صاحب نے لوٹے کی ٹونٹی سے اس طرح پانی بہایا کہ نجاست دور ہوگئی اور پیٹھ بھیگنے نہیں پائی نہایت خوش ہوئے دعائیں دیں اور فرمایا "یہ ذہانت اور سلیقہ دین کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے"۔

دردو بے قراری مولانا کا سا درد اور بے قراری دیکھنے میں نہیں آئی، جس شخص نے نہیں دیکھا وہ تصور نہیں کرسکتا بعض اوقات ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے "میرے اللہ میں کیا کروں کچھ ہوتا نہیں"، کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ اٹھ کر ٹہلنے لگتے، ایک رات والد مولانا یوسف صاحب نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی، فرمایا کیا بتلاؤں، اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں"۔ بعض اوقات دیکھنے والوں کو ترس آتا اور تسکین دیتے، بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو کرتے کہ

---

[۵] ۲۹ رذی الحجہ ۱۳۵۸ھ ہجری

معلوم ہوتا سینہ میں تنور گرم ہے، حمیت اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے زبان ساتھ نہیں دیتی اور الفاظ مساعدت نہیں کرتے۔ بعض مرتبہ پورا درد دل کہنے کے بعد غالب کے مشہور شعر کو بڑی لطیف ترمیم کے ساتھ پڑھتے :-

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا
کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

کبھی سامعین کے اضطراب اور وحشت کا خیال کرکے خاموش ہو جاتے لیکن یہ شعر (جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے خطوط کے آخر میں بار بار لکھا ہے) حسبِ حال ہوتا ہے

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

اس کیفیت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے زمانہ کے لوگ مجنون کیوں کہتے تھے اور لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین[1] کی تنبیہ کی بار بار ضرورت کیوں پیش آتی تھی، اس درد و بے قراری سے عہد سلف کے اولو العزم اور دردمند انسانوں کے سوز و اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا کہ دین کے انحطاط و تنزل اور اپنے زمانہ کی دینی ویرانی کا ان کو کیسا احساس تھا اور دین کی وہ کیا غیرت و حمیت تھی جس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے بار بار یہ شعر لکھوایا۔

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے!

اور یہ الفاظ ان کے قلم سے نکلے "واویلاہ واحزناہ وامصیبتاہ محمد رسول اللہ

[1] شاید تم اپنی جان کھو دو گے اس فکر و غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است اتباع او ذلیل و خوار اند و دشمنانِ او باعزت و اعتبار۔"

مولاناؒ پوری کوشش کے بعد بھی جب اس کام کی ضرورت اور تحریک کی حقانیت کے مقابلہ میں ان مساعی کو دیکھتے تھے، جو دین کے فروغ کے لئے عمل میں لائی جا رہی ہیں تو ان کو بہت ناکافی سمجھتے تھے اور ادائے حق میں تقصیر و کوتاہی پر مواخذہ کا خوف طاری ہو جاتا تھا اور یہی ان کے درد و بے قراری کا سبب تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس قدر حق تعالیٰ نے مجھ پر اس بارہ میں حق کا وضوح فرما دیا ہے، اس کے مقابلہ میں اپنی مساعی، اپنے درد، اور اپنی آواز کی کچھ نسبت نہیں پاتا، لہٰذا کرم ہو تو اس کے شایانِ شان ہے اور اگر عدل ہو تو کوئی صورت نجات کی نہیں[1]"

اس زمانہ کے فتنوں کی تیز رفتاری، لادینیت کے سیلاب اور ملحدانہ اثرات کی طاقت کو دیکھنے اور اس کے مقابلہ میں دینی کوششوں کی سست رفتاری کو دیکھتے تو طبیعت پر افسردگی طاری ہو جاتی اور کام کی خوش کن خبریں خوش نہ کر سکتیں ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"کئی روز ہوئے گرامی نامہ پہونچا، چاہئے تھا کہ دل کو بڑی زندگی اور چین بخشتے، لیکن میرے بزرگ دوست، ایمان سوز، جذبات کش، فتن مظلمہ مدلہمہ کی رفتار ڈاک گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کا مقابل (یہ تبلیغی تحریک) جو صرف وہی ظلمت کو نور سے بدلنے والی ہے، اس کی رفتار چیونٹی سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ فتنہ کی روانی دیکھ کر یہ مقداریں کچھ پیاس کے بجھانے

---

[1] بنام ابوالحسن علی

کے لئے کافی نہیں ہیں"۔[1]

میوات کی جماعتیں اور قافلے باہر نکلتے، لوگ ان کی تعداد اور ہمت دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے، مگر مولانا کا پرسوز اور مضطرب دل بجھا اور رہا رہتا، آپ کی متجسس نگاہیں ان کا دل ٹٹولتیں، اگر ان کے جذبات میں ذرا بھی خامی اور ان کے پائے ثبات میں کچھ لغزش اور گھروں کو لوٹنے کا شوق و تقاضا دیکھتے تو دل بجھ جاتا اور مسرت حسرت سے بدل جاتی۔

ایک خط میں چند تبلیغی خوش خبریوں کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

"(آپ کے خط میں) تبلیغ کی سرگرمیوں کا ذکر ہے، اس میں ذکر ہے کہ اسی آدمی یہاں تبلیغ کے لئے آئے اور ۲۵ آدمیوں کی جماعت تیار ہے، پہلی خبر الحمدللہ ثم الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ..... وکرم و احسان اور نعمت جلیلہ ہے کہ اس نے اتنی آدمیوں کی مقدار ایسے نازک زمانہ میں کہ جہاں اس عمل کو حقارت سے دیکھا جارہا ہے اور اس کی ناقدری کی جارہی ہے ایسے زمانہ میں دین کے فروغ دینے کے لئے گھر سے نکلے گر میرے عزیز اللہ کا شکر بجا لانے کے بعد اپنی کوتاہی پر ندامت کے ساتھ ایک گہری نظر ڈالنی چاہیئے کہ پندرہ سالہ کوشش کے بعد تبلیغ کے یہ انوارات، یہ برکات اور یہ عزت اور یہ دنیا کے اندر نام آوری اور یہ ہر طرح کی نورانیت اور بہبودی کھلی آنکھوں محسوس کرتے ہوئے پھر کل (۸۰) آدمیوں کی مقدار نکلی تو اتنے لاکھ مقدار میں کتنی قلیل ہے اور پھر نکل لینے کے بعد گھر کے واپس جانے کو ایسے بے قرار کہ ان کا تھامنا مشکل

---

[1] بنام مولانا عبدالغفار صاحب مجددی ندوی

تو گھر سے نکلیں تو مشکل سے اور نکلنے کے بعد یہ ختم ہونے والا گھر اپنی طرف کھینچتا رہے تو یہ دین کا گھر کس طرح آباد ہوگا، جب تک گھروں پر رہنا اتنا دشوار نہ ہونے لگے جیسا اس وقت تبلیغ میں رہنا ہے اور جب تک تبلیغ سے واپس جانا اتنا طبیعتوں پر دشوار نہ ہونے لگے جیسا اس وقت تبلیغ کے لئے نکلنا دشوار ہے اور جب تک تبلیغ کے لئے چار چار مہینے ملک در ملک پھرنے کو اپنی قوم میں جزو زندگی بنانے کی کوشش کے لیے پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگ کھڑے نہیں ہوں گے اس وقت تک قومیت صحیح دینداری کا مزہ نہیں چکھے گی اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہیں ہوگا۔"[1]

انھیں مکتوب الیہ کو ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"عزیز دوست میں اس دکھ کا کیا ذکر کروں کہ سالہا سال کی کوششوں کے بعد نکلتے ہیں اور مہینوں بھی نہیں ٹکتے، دینی کوشش کے اندر چند مہینے بھی نہیں گزار سکتے۔"

میرا مقصد یہ ہے کہ جب تک فی گھر ایک آدمی ہمیشہ باہر دین کا گھر بنانے کے اہتمام کو یعنی تبلیغ میں باری باری سے نکلنے کو لازمی نہیں کرے گا اس وقت تک دین کے ساتھ انس اور پائیداری پیدا نہیں ہوسکتی۔

علیٰ ہٰذا غور تو کرو دنیائے فانی میں کام کے لئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس کے لئے صرف ایک آدمی کو کہا جاوے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹایا یا نہیں گھٹایا، وہ جماعتیں تمہیں دیکھ لو کہ

[1] بنام میاں محمد عیسیٰ (فیروز پور نمک)

خط لکھے ہوئے کئی دن ہوئے وہ سب واپس ہی ہو گئے، جماعتوں کے نکلنے
پر خوش نہیں ہونے پاتا کہ واپسی کی آوازیں آجاتی ہیں۔[۵]

کبھی کسی دقیق مضمون کو الفاظ میں ادا نہ کر سکتے اور جو بات کہنا چاہتے تھے اس کے لئے لفظ نہ ملتے تو اس سے ایک بے چینی پیدا ہوتی، ایک خط میں فرماتے ہیں:۔

"بندہ ناچیز اس تبلیغ کے سلسلہ میں ایک تحیر کی حالت میں ہے، اپنے مافی الضمیر کی بات ادا کرنے کی اہلیت بھی نہیں عمل تو در کنار، اور عادات خداوندی اٹل، ان کی نصرت اور رحمت اسی راستہ میں ہے۔"

ایک خط میں یہ مضمون لکھاتے ہوئے کہ دین کو فروغ دینے کی کوشش میں لگنا ہی بلاؤں کو ٹال سکتا ہے اور مقاصد کو تر و تازہ کر سکتا ہے اور اس طرز زندگی سے غافل ہوتے ہوئے بہبودی کا انتظار اور بلاؤں کے کم ہونے کا وہم ایک مجنونانہ اور غلط خیال ہے، بے اختیار خط ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:۔

"یہ مضمون لکھاتے ہوئے طبیعت بے چین ہو گئی ہے لہذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔"

دل کی اس تپش اور حرارت کے ساتھ اور طبیعت کی اس بے چینی اور بیقراری کے ساتھ یہ انھیں کا ظرف و ضبط تھا کہ ہنستے بولتے بھی تھے، لوگوں کا اکرام بھی کرتے تھے اور دنیا کا سب کام کرتے تھے، ورنہ یہ شعلۂ جانسوز جس کو برسوں سے سینہ میں لیے ہوئے تھے کسی اور کام کا نہ رکھتا تو تعجب نہ تھا اور بالآخر اس کے سوز سے شمع کی طرح پگھلتے پگھلتے شب عمر سحر کر دی۔

ہمچو شبنم دیدۂ گریاں شدم   تا ازیں آتش نہاں شدم

۵ بنام میاں محمد عیسیٰ (فیروز پور نمک)

شمع را سوزِ عیاں آموختم — خود نہاں از چشم عالم سوختم
شعلہ ہا آخر ز ہر مویم دمید — از رگ اندیشہ ام آتش چکید

جہد و مشقت دین کی دعوت اور تبلیغ و ہدایت کے لئے زبان و قلم سے زیادہ سے زیادہ کام لینے کا دستور دنیا میں تھا لیکن اس مقصد کے لئے محنت و مشقت اور دوڑ دھوپ کو زیادہ اہمیت دینا اور اس کی مقدار کو زبان و قلم کی حرکت کی مقدار سے بڑھانے کو ضروری سمجھنا اس زمانہ میں مولانا کا امتیاز تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ علم آپ کے قلب پر بڑی قوت سے منکشف کیا تھا، آپ اپنے رفقاء کو اس اصول پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے ہدایتیں فرماتے تھے، خود دعائیں کرتے تھے اور اللہ کے دوسرے مقبول بندوں سے خاص اس مقصد کے لیے دعائیں کرانا چاہتے تھے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں بہت ہی دل و ایمان سے متمنی ہوں کہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ ہمت کو لگا کر یہ دعا کریں کہ میری یہ تحریک سراسر عمل ہو، اقوال کی کثرت اس کے عمل کو مکدر نہ کرے بلکہ قول اور تقریر بقدر ضرورت اعانت کے درجہ میں رہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔"

فرمایا کرتے تھے کہ "دین کے فروغ کے لئے جان دینے کے شوق کو زندہ کرنا اور جان کو بے قیمت کر دینا ہماری تحریک کا مقصود اور خلاصہ ہے" طبعی ضعف اور لاغری کے باوجود آپ نے ابتدا سے میوات کے دوروں اور تبلیغی سفروں میں ایسی محنت کی جو ایسے جفاکش و توانا آدمیوں کے لیے مشکل ہے۔ اپنے مقصد کے پیچھے اپنا آرام، کھانا پینا بھول جاتے تھے، خلاف عادت ۲۴/۲۴ میل پیدل چلے، خلاف طبیعت کھانا کھایا،

اور کئی کئی وقت بھوکے رہے، کبھی کھانا موجود ہونے کے باوجود بھی ۳۶-۳۶ اور ۴۸، ۴۸ گھنٹے کھانا کھانے کی نوبت نہ آتی، کئی بار ایسا ہوا کہ جمعہ کی شب کو یا جمعہ کی صبح کو نظام الدین سے کھانا کھا کر روانہ ہوئے اور اتوار کو نظام الدین واپس آکر کھانا کھایا راتوں کو جاگے، پہاڑیاں عبور کیں، دشوار سے دشوار گزار راستے طے کئے، مئی، جون کی قاتل لُوہ اور پھر میوات کے ریگستانی علاقہ کی گرم لوہ کے جھونکے اور دسمبر و جنوری میں کھلے میدان کی زمستانی ہوا کے سرد جھونکے یکساں برداشت کیے اور ساتھیوں سے یہ کہہ کر ان کا دل بڑھاتے رہے کہ جبلِ جُہد محنت و تکلیف اٹھانے کے بدلے طرف خدا ہے جس کا جی چاہے مل لے۔"

بعض مرتبہ میوات کا سفر گرمی کی ایسی شدت اور صحت کی ایسی کمزوری کی حالت میں کیا ہے کہ زندگی کا اطمینان کم اور موت کا خطرہ زیادہ تھا مگر راہِ خدا کے اس سفر کو سفرِ جہاد اور میوات کی زمین کو میدانِ کارزار سمجھتے ہوئے تکالیف و خطرات سے بے پروا ہو کر قدم اٹھایا۔

۱۶ مئی ۱۹۳۶ء کو ایک سفر میوات کے موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب صاحبزادہ مولانا محمد یوسف کو تحریر فرمایا۔

"اس قدر ضعف ہے کہ خلافِ طبع الجھی ہوئی بات سے اختلاج اور خفقان ہوتا ہے اور آرام کے ساتھ موٹر کی دہلی تک کی سواری سے بخار آتا ہے، اس پر الحمد للہ ثم الحمد للہ ایک مہینہ کی مسافت کے لئے میوات کی سخت ترین بادسموم اور نہایت جہال کی باتوں کے الجھاؤ کا نشانہ بن کر موت کے لئے اپنی جان کو پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادہ سفر ہے،

گویا یہ سفرجہاد ہے مگراپنے ضعف سے اور اپنی مجربہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہے کسی جگہ یہ نفس شریر کرب و شدائد کے مقابلہ سے فرار کرکے نامردی سے واپس ہوگا، دعا کروکہ جان کے جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ شدائد وکرب کا نصیب کریں وما ذلک علی اللہ بعزیز اور یا کام کو پورا کرکے سلامتی کے ساتھ بغنیمت عود نصیب فرماویں۔ اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین معصیت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہوکر سفر کررہا ہوں"۔

کلتاج پور میں پہاڑ کی چڑھائی تھی بیل گاڑی کا سفر تھا، گاڑی راستہ میں اُلٹ گئی، لوگوں کو چوٹ آئی، خدا خدا کرکے لوگ اوپر پہونچے لیکن نہایت خستہ، گرد آلود بعض وہ علماء بھی ساتھ تھے جو تکلیفوں کے عادی نہیں تھے لیکن قبل اس کے کہ لوگ تکان اور تکلیف اور خستگی کی شکایت کریں، مولانا نے یہ کہہ کر ان کی طبیعت کا رخ بدلدیا کہ دوستو! ساری عمر میں آج ایک دن تم کو جو حرا کی سی چڑھائی پیش آئی، بتاؤ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے بار پیش آئی تھی، ہمیں اپنی اس محرومی اور کوتاہی پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔ اب کون تھا کہ حرف شکایت زبان پر لاتا۔

مولانا جب کسی کام کا عزم فرمالیتے تھے تو پھر کسی زحمت کا خیال مانع نہیں ہوتا تھا، مولانا کے نزدیک دنیا کی بہت تھوڑی چیزیں ناممکن تھیں، یاس وناامیدی کا ان کے یہاں بہت کم گزر تھا، جس وقت جس بات کا خیال آتا فوراً اس کا ارادہ فرمالیتے، ایسا ہوا ہے کہ نوح کے لوگوں سے کوئی بات کہنا ضروری معلوم ہوئی، رات کو چار بجے نظام الدین سے پیدل روانہ ہوگئے، دہلی میں حاجی نسیم صاحب کے یہاں پہونچ کر کارلی اور سحر کے وقت نوح پہونچے سب کو سوتا پایا، مقصد ومدعا کہا، پھر فجر کی

نماز پڑھتے ہی واپس آگئے، کبھی ایسا ہوا کہ بارش کا پانی جمع ہے اور سڑک پر نالہ بہ رہا ہے، میوات کا سفر ہے کسی مقام کا قصد فرمالیا۔ لوگوں نے کہا تانگے آئیں، فرمایا ضرورت نہیں اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں چل دئے۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے بالکل صحیح لکھا ہے :-

"جسمانی لحاظ سے اگرچہ نہایت نحیف وناتواں تھے مگر اس مقدس مقصد کے لئے ایسی اَن تھک اور اس قدر بے پناہ جد وجہد کر کے دکھا گئے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دل فریبیوں کے ساتھ اور جہنم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کر دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اگر یہ کام کروگے تو یہ جنت ملے گی اور نہیں کروگے تو اس جہنم میں ڈالے جاؤگے تو شاید اس کی سعی وجہد اس سے زیادہ نہ ہو سکے گی جو مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی"[1]

اس کے باوجود رفقاء کی راحت وعافیت کا بہت اہتمام فرماتے۔ ان کو خواہ مخواہ تکلیف میں نہ ڈالتے، اُن کے لئے ضروری راحت کی تدبیریں سوچتے اور اس کا سامان بڑی کوشش سے بہم پہونچاتے۔ لیکن ان کو جد وجہد کے لئے تیار کرتے۔

ایک مرتبہ میوات کے ایک سفر میں چند رفیقوں سے، جو آپ کے بعد میوات میں کچھ دن رہنے والے تھے فرمایا آپ جہد کو تلاش کیجئے گا اور میواتی رفقاء سے فرمایا آپ ان کو راحت پہونچانے کی کوشش کیجئے گا، پھر ان مہمانوں سے فرمایا اگر آپ کے حصہ میں صرف راحت آئی تو آپ ہارے۔ خود بھی اللہ کے دئے ہوئے سامانِ راحت

---

[1] میری زندگی کے تجربے، از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

کو ٹھکراتے اور اس کی نا قدری نہ کرتے بلکہ اللہ کا عطیہ اور نعمت سمجھتے، اپنے لیے نہ اسکی فکر میں رہتے نہ ملتا ہوا رد کرتے لاتتکلف غائباً ولا ترد موجوداً اصول تھا۔

طبیعت میں خواہ مخواہ کی مشکل پسندی اور دشوار طلبی نہ تھی، البتہ دین کے لیے حوصلوں کے بلند کرنے کی ترغیب دیتے رہتے۔ میواتی مبلغین کو باہر جاتے ہوئے وصیت فرماتے کہ اپنی سادگی اور جفاکشی کی خو نہ چھوڑیں کہ یہ ان کا بڑا جوہر ہے اور شہریوں کی راحت پسندی اور تکلفات کو اختیار نہ کریں، کہ یہ ان کا بڑا مرض ہے، سادہ کھانا کھائیں، زمین پر سوئیں اور مشقت برداشت کرنے کے عادی رہیں، اس لیے ڈرتے رہتے تھے کہ یہ شہروں میں جا کر شہریوں کے عادات واطوار اختیار نہ کرلیں اور ان کی پُر راحت اور پُر تکلف زندگی کا ان کو چسکہ نہ لگ جائے۔

مولانا فرماتے تھے کہ انسان کے لیے مشقت فطری امر ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد، اگر وہ دین کے کام میں مشقت نہ برداشت کرے گا تو دنیا کے بے ثواب کاموں میں مشقت کرے گا جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے۔ جہاں دنیا اپنے موہوم مقاصد کیلئے اور دنیاوی زندگی کی حقیر چیزوں کے لیے مجنونانہ محنتیں کر رہی ہے وہاں دین جیسی نعمت اور ثواب آخرت جیسی یقینی چیز کے لئے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرلینا کیا وقعت رکھتا ہے، ایک صاحب کی بیماری کے متعلق فرمایا۔

"ایسے زمانہ میں کہ روٹیوں کے واسطے جانیں جارہی ہوں دین کی کوشش میں بخار کا آجانا کچھ بڑی بات نہیں"

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"دنیاوی معیشت کے اندر کے اسباب کی کوشش اور سعی کو جب تک دین کے

درست کرنے والی چیزوں میں کوششوں اور سعی سے مغلوب نہیں کیا جاوے گا اُس وقت تک غیرت خداوندی دین کی دولت سے مالا مال نہیں کر سکتی۔[۱۴]

ایک دوسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

" عادات خداوندی عموماً دین میں اپنی جد وجہد کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہیں آدمی کسی مقصد کے لئے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اور تکالیف کو جھیلنے کے ذریعہ اپنے حالات، جوارح، قلب اور قوتوں کی شکستگی اور تعب وانکسار کو پہونچتا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوتا ہے" انا عند المنکسرۃ قلوبھم " والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا " (کسی راہ کی ذلت کو اُٹھائے بغیر اس کی عزت کو پہونچنا عادتاً ہوتا نہیں "

لیکن اس زمانہ کے بعد اور اہل زمانہ کی پست ہمتی کو دیکھتے ہوئے اگر کوئی اس راستہ میں ایک قدم بھی اُٹھاتا تو اس کی بڑی قدر فرماتے اور کوئی اس راستہ میں ذرا سی بھی تکلیف گوارا کرتا تو اس کو بہت محسوس کرتے اور بڑے شکر گزار ہوتے، احسان مندی اور قدر افزائی کا یہی شیوہ تھا جس سے پست ہمت اور تن آسان رفقاء کار کے حوصلے بھی بلند تھے اور وہ افتاں وخیزاں اس راستہ پر چلے جا رہے تھے، اس نیازمند کو اس کی ایک علالت میں جو ایک تبلیغی سفر میں پیش آئی تھی، تحریر فرماتے ہیں :۔

" میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس پر مبارک باد دوں کہ اس چودھویں صدی میں محض جہد فی سبیل اللہ والا سفر مرض کا سبب ہوا ہے

ھل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ ما لقیت

---

[۱۴] مکتوب بنام محمد عیسیٰ خاں صاحب (فیروز پور جھرکہ)

صورت تو یہ بیماری اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کہ دنیا میں جیسے ہزاروں کو بخار آتے ہیں ایک آپ کو بھی آگیا لیکن یہ بخار اس نسبت میں روئے زمین پر غالباً ممتاز ہوگا کہ بظاہر اس کا سبب ایک ایسی چیز کے لئے قدم اٹھانا ہے کہ وہ طرزِ زندگی اگر رائج ہو جائے اور جا میں جا کر بھی یہ راستہ کھل جائے تو امت محمدی کے نہایت مشغول رہنے والے اور اپنے مشاغل سے فارغ نہ ہو سکنے والے افراد کو رشد و ہدایت سے پورا پورا حصہ ملنے کا مردہ طریق زندہ اور پائیدار ہو جائے گا۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس مذہب کے لئے ہزاروں جانوں کا طیب خاطر سے پیش کر دینا اس کی قیمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا اور جس مذہب کی اصلی قیمت سوزشِ جگر اور خون دیدہ بہانا تھی اس کے لیے ہمارا یہ برائے نام قدموں کا اٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصلی فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا لیکن خدائے پاک کی ذرہ نوازی اور مراحم خسروانہ اور اس اخیر زمانہ والوں کے لئے ان کی مساعی پر صحابہ کے پچاس کے برابر اجر و ثواب کے ملنے کی خوش خبریاں، اور سچے وعدے اور لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا کی جیسی بشارتیں ہماری ان مساعی کے بارہ میں بڑی امیدیں دلا رہی ہیں۔"

تحریض اور تالیف قلب دونوں کو مولانا نے جمع کر رکھا تھا، تحریض و دعوت کے وقت انتہائی بات فرماتے لیکن کم سے کم عمل کو بھی شکریہ کے ساتھ قبول فرما لیتے اور اسکی انتہائی قدر دانی فرماتے مگر سامنے بلند منتہا ہی رکھتے جس کو دیکھ دیکھ کر عمل کرنے والا

اپنے عمل بڑا تمانہ سکتا اور اس کو کمال نہ سمجھتا۔

علو ہمت مولانا کی زندگی کا خاص جوہر اور ان کی امتیازی صفت بلند ہمتی اور عالی حوصلگی تھی جس کی شہادت ان کی پوری زندگی، ان کے خطوط اور ان کے ارشادات ہیں۔ انھوں نے جس کام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا اور جس کی دعوت دی تھی وہ ان کے ماحول سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا تھا اور اس زمانہ اور گردوپیش کی سطح سے بہت بلند تھا، اس لئے اپنے بلند عزائم اور اپنے دلی حوصلوں کا اظہار بہت کم کرتے تھے کلموا الناس علی قدر عقولھم اور استعینوا علی امورکم بالکتمان پر عمل تھا پھر بھی کبھی کبھی اس کا ترشح ہوجاتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے عزیز مولوی ظہیر الحسن صاحب (ایم اے علیگ) سے فرمایا جو ایک وسیع النظر عالم ہیں۔

"ظہیر الحسن میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلاۃ ہے۔ میں قسم سے کہتا ہوں کہ یہ ہرگز تحریک صلاۃ نہیں"۔

ایک روز بڑی حسرت سے فرمایا: "میاں ظہیر الحسن ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے"۔

مولانا دین کی اس دعوت کو ایک وقتی اور ہنگامی تحریک نہیں سمجھتے تھے اور اپنی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی سے اس پر بھی قانع نہیں تھے کہ دو چار صدیوں تک اس کا اثر رہے، وہ اس کے ایک لازوال تجدید دین ہونے کی اللہ سے تمنا رکھتے تھے، ان کی اس بلند ہمتی کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوگا۔

خاکسار کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"گرامی نامہ عالی ہمت بہت بہت خوشیوں کو لیئے ہوئے آرائش مجلس ہوا لیکن خبروں کو اللہ واقعات پر نتیج فرما دیں اور ان خبروں اور واقعات کو اپنی اس

قدرت سے کہ جس بر تن تنہا بلا کسی اور سہارے کے یہ ساتوں زمین آسمان ٹکے ہوئے ہیں اپنے فضل سے اور رحمت سے اپنی ذاتی قدرت کے ساتھ ایسا پائیدار بنا دیں کہ یہ (تحریک) مدتوں چلنے والی ہو یہ محض ایک ابال اور سطحی نہ رہے کہ جو دو چار صدیوں میں ختم ہو جائے۔ بنا کے محکم ہونے کی بہت ہی دعا فرماتے رہیں۔"

منشی نصر اللہ صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ مجدد وقت ہیں۔ فرمایا تم سے کون کہتا تھا؟ میں نے کہا لوگوں میں چرچا ہے! فرمایا نہیں میری جماعت مجدد ہے[1]۔

مولانا کی آرزو تھی کہ اس تحریک و دعوت میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی وجہ سے وہ ان کی ذات اور ان کے دور کے ساتھ مخصوص سمجھ لی جائے، اور ان کے بعد عام مسلمانوں کو اس میں جدوجہد کرنے کی ہمت نہ ہو۔ اسی بنا پر اس کی نسبت اپنی طرف پسند نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی عمومی اور مشترک دعوت ہو جو ان کے ساتھ مخصوص نہ سمجھی جائے اسی لئے تمام علما کو اس میں شرکت کی دعوت دیتے تھے تاکہ وہ صرف انہیں کی تحریک نہ کہلائے۔ اسی سلسلہ کی یہ بات ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ ہماری یہ تحریک کرامتوں سے نہ چلے۔ ایک صاحب کے استفسار پر ایک رفیق نے اس کی مصلحت بتلاتے ہوئے عرض کیا تاکہ لوگوں کو ہر زمانہ میں اس کو چلانے کی ہمت ہو اور اس میں جدوجہد کریں۔ اگر کرامتوں سے چلے گی تو لوگ ایک ذات اور ایک دور کی خصوصیت سمجھ لیں گے۔" مولانا نے اس کی تصویب فرمائی۔

مولانا کے نزدیک چند سو آدمیوں کا تبلیغ اور علم دین حاصل کرنے کے لیے گھر سے

---

[1] یعنی اس دور کے علما و صالحین کی وہ جماعت جس سے مولانا کا تعلق تھا۔ م)

باہر نکلنا اور شہر شہر پھرنا کوئی بڑی بات نہ تھی. ان کی بلند ہمتی تو چاہتی تھی کہ:۔

"کاش ایسا وقت ہو جائے کہ قوم کے لاکھوں آدمی باہر گئے ہوں، قوم کے لاکھوں آدمیوں کا باہر پھرتے رہنا جزوِ زندگی بنا دیا جائے"[1]

ان کے نزدیک میوات کے اخلاق و عادات کا بدل جانا کافی نہ تھا وہ ملک کی زبان تک بدل دینا چاہتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ سارے ملک میوات کی زبان عربی ہو جائے اور ان کے نزدیک اللہ کی مدد اور انسان کی (اللہ کی توفیق سے) کوشش کے سامنے دنیا کی کوئی چیز بھی ناممکن نہ تھی. ان کی خواہش تھی کہ کم سے کم عربی مدارس کے حلقہ میں ضرور عربی زبان کا احیا ہو. خاکسار کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بندۂ ناچیز کے دماغ میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا، اگر اس زمانۂ تبلیغ میں طلبا کی باہمی گفتگو کے عربی ہونے کے لازمی ہونے کا اہتمام اور التزام چل سکتا ہو تو اس پر بھی نظر غائر فرمائیں"

اور جب اس کی اطلاع دی گئی کہ اس پر عمل ہوا تو نہایت مسرور ہو کر تحریر فرمایا:۔

"زبان عربی کی احیا سنت سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ دیگر اہل مدارس کی توجہ کے میلان کا ذریعہ بنائیں"

مولانا کی ہمت عالی اس کام کو صرف ہندوستان کے حدود کے اندر محصور و محدود دیکھنے پر راضی نہ تھی۔ وہ اپنے ذہن میں اس پیغام اور نظام عمل کو ساری دنیا میں اور بالخصوص تمام ممالک اسلامیہ اور بالاخص ممالک عربیہ میں پہونچانے کا پورا نقشہ رکھتے تھے اور کبھی کبھی اس آرزو کا بڑے جوش اور درد سے اظہار کرتے تھے۔ ان کے اس کام کے

[1] بنام میاں محمد عیسیٰ (فیروز پور نمک)

سلسلے میں اس کے اثرات و برکات اور نتائج کے متعلق بڑے بڑے حوصلے اور خیالات تھے، ان کے یہاں ناممکنات و محالات کی فہرست اتنی طویل نہ تھی جتنی کوتاہ ہمت فرضی طور پر بنا لیتے ہیں وہ دل کھول کر پورے وثوق او ریقین کے ساتھ کوشش کرتے اور دل کھول کر پورے وثوق ویقین کے ساتھ اللہ سے مانگتے اور کسی چیز کو بھی اس کی رحمت قدرت اور نصرت سے بعید نہ سمجھتے تھے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو ایک خط میں بڑے جذبہ اور درد سے لکھتے ہیں :-

"بہت لجاجت اور عزم کے ساتھ میں آپ پر خدا اور رسول کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ اس امر کے ساتھ اس کے دشوار ہونے اور ناممکن الوجود ہونے کے اپنے خیال کو بہ نظر انا عند ظن عبدی بی اور بہ نظر قدرت الٰہیہ نہایت سہولت کے ساتھ ہونے والی چیز کے ہونے کے خیال سے اپنے اس خیال کو ضرور بالضرور بدل دیجیے، میرے دوستو! خدا اور زمانہ اور خالق اور مخلوق کے درمیان دائر ہونے والے امر میں خالق کی قدرت پر نظر کرنے کی بجائے زمانہ پر نظر کرنا اور ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہنے والے اسباب پر نظر کر کے ہمت بڑھانے والے خطابات خداوندانہ پر نظر نہ کرنا اولوالابصار کی بصیرت کے شایان شان نہیں ہے، خدائے قدوس جل مجدہ کے قوانین ازلیہ بہ بانگ دہل صدائے بلند دے رہے ہیں کہ اللہ سے جو کچھ مانگو گے اور جس چیز کی امید کرو گے وہی حاصل ہوگا، پھر کیوں نہ تم جیسے فہیم جذبات محمدیہ کے ادب پر نظر اٹھا کر

دربار خداوندیہ میں اڑ بیٹھو ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ ۔۔۔ کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

مجھے اپنے غلبہ جنوں میں آسمان منزلت بزرگوں کے منصب بھی نظر میں نہیں رہتے

امید ہے کہ عفو کو کار فرما کر دعائے خیر سے امداد فرمائیں۔"

لیکن جو ہمت و وسعت نظر بادشاہوں اور فاتحین کے یہاں مورخین کی زبان میں "عزم ملوکانہ" اور "ہمت جہاں کشا" کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے، افسوس ایک درویش بے نوا کے یہاں جذب و حال کہہ کر اس کی اہمیت گھٹا دی جاتی ہے ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

دینی حمیت مولانا کی فطرت میں دین کی حمیت و غیرت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کی اس دعوت کی ایک بڑی محرک طاقت اور ان کی اس سوز و دردمندی اور بے قراری کی ایک بڑی وجہ جو ان کو کسی کل اور کسی پل چین نہیں لینے دیتی تھی دین کا یہی بڑھتا ہوا تنزل و انحطاط اور کفر کا روز افزوں غلبۂ اقتدار تھا، جس کو ان کی حساس اور بیدار فطرت اور ان کا غیور مزاج ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتا تھا، مگر اللہ کی توفیق اور دین کی گہری نظر کی بنا پر انھوں نے دین کے کام کی جو ترتیب اپنے ذہن میں قائم کر لی تھی اس میں کسی فوری تاثر اور جذبہ کی وجہ سے وہ ترمیم اور تغیر نہیں کرنا چاہتے تھے اور اپنی عالی ظرفی اور خداداد ضبط و تحمل سے دوسری چیزوں کو اس طرح برداشت کرتے تھے گویا ان کو اس کی طرف توجہ ہی نہیں یا ان کا سرے سے علم نہیں، لیکن کبھی کبھی پیمانۂ ضبط سے کچھ قطرے چھلک کر گرتے اور دل کی انگیٹھی کے کچھ شرارے بھڑک کر اڑتے تو پاس والوں کو بھی محسوس ہوتا کہ دینی حمیت کے کس طوفان کو مولانا نے دل کے کوزہ میں بند کر رکھا ہے۔

ایک دن خاکسار راقم نے لال قلعہ کے پاس سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ کبھی جناب

نے لال قلعہ بھی دیکھا ہے؟ فرمایا میں لال قلعہ کی سیر کو بے حمیتی سمجھتا ہوں، ہاں میں نے بچپن میں اس وقت دیکھا ہے جب دکھانے والے رو رو کر دکھاتے تھے!

غیر مسلم اہل شوکت کے مقامات و مرکزوں کے متعلق فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص ان جگہوں سے قنوت نازلہ پڑھے بغیر گزرے تو سلب ایمان کا خطرہ ہے۔

مولانا کو سرکاری یونیورسٹیوں کے مشرقی امتحانات سے بڑی کوفت تھی، فرماتے تھے کہ اس سے نسبت بدل جاتی ہے یعنی علم دین کا تعلق اللہ کے بجائے دنیا اور مادیت سے قائم ہو جاتا ہے اور برکت اور نورانیت ختم ہو جاتی ہے۔

مولانا پر یہ بہت گراں تھا کہ عربی زبان اور دینی علوم میں بھی مسلمان غیروں کے دست نگر اور ان کے ماتحت ہوں، غالباً مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"حافظ صاحب! مجھے بڑی غیرت آتی ہے کہ مسلمانوں کی عربیت کے جانچ کرنے والے کفار ہوں"

مولانا اپنے بعض نامور معاصرین کو جو اشداء علی الکفار کا مظہر اور البغض للہ کے فن کا امام سمجھتے تھے، ان کی فضیلت کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ یہ چیز ان سے سیکھنے کی ہے۔

کسی حکم شرعی کو نہ ماننا یا احکام شریعت میں سے کسی کا معیوب سمجھنا مولانا کی برداشت سے باہر تھا بے اختیار ان کی رگ صدیقی اس دینی قطع برید پر حرکت میں آجاتی[1] اور بعض

[1] حضرت ابوبکرؓ کے اس جملہ کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے مانعین زکوٰۃ کے لئے فرمایا تھا اینقص الدین وانا حی کہ میرے جیتے جی دین میں قطع برید ہو سکتی ہے۔ مولانا نسباً صدیقی تھے۔ اس موقع پر حضرت مجددؒ کا جملہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے "بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید"

اوقات کوئی مصلحت اس کے انکار اور مذمت سے مانع نہ ہوتی۔

مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم کو ایک ایسے ہی موقع پر میوات کے لئے تحریر فرماتے ہیں:۔

”زیادہ زور اس امر پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچائتیں اور اپنے سب کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے موافق کرنے ہی کو اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے بلکہ بسا اوقات احکام شرعیہ کی بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہو جاتا ہے۔

اسی میں سے باہمی نکاح کا استنکاف[1] ہے جس کو پہلے تو سنا ہے کہ حرام اور کفر سمجھتے تھے اب زبان سے تو حلال اور جائز کہتے ہیں مگر معاملہ وہی ہے چنانچہ موضع اٹاواڑ تحصیل نوح کے ایک مرد وعورت نے باہمی راضی رضا ہو کر اس خیال سے کہ اگر یہاں نکاح ہو گیا تو قوم سخت ستاوے گی ملک سے نکل کر نکاح کر لیا اور ضلع گوڑگانواں میں بود و باش اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جاہل قوم نے دولہا کو (جس کا نکاح رمضان المبارک کے اخیر جمعہ کو ہوا تھا) عید کے تیسرے دن جمعہ کے روز قتل کر کے ہاتھ پیر توڑ کر مٹی کے تیل سے جلا کر راکھ کو کسی دریا میں بہا دیا۔ یہ مضمون بہت زور سے بیان کرنے کے قابل ہے کہ کفر و شرک کو زنا کو اور کسی اکبر الکبائر کو ایسا معیوب اور قبیح نہ سمجھیں اور اللہ کے حلال کردہ کو اس قدر معیوب سمجھیں آپ ضرور بیان فرما دیں کہ کس طرح ایمان ان کا باقی رہا اور کیا سبیل ان کے ایمان کے باقی رہنے کی ہو سکتی ہے۔“

[1] معیوب سمجھنا اور اس سے عار آنا۔

اسی دینی حمیت کی بنا پر آپ نے ابتداء میں حکومت کی جبری تعلیم کی سخت مخالفت کی اور علماء کو اس کی طرف متوجہ کیا، شدھی سنگھٹن کے زمانہ میں تحریک ارتداد کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور وہ میوات میں کامیاب نہیں ہونے پائی۔

اتباع سنت | مولانا کو اتباعِ سنت کا جیسا اہتمام تھا اس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہو ان کے اس اہتمام اور التزام سے ائمہ سلف کی یاد تازہ ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی سنتوں کی تلاش اور تتبع، پھر ان کی پابندی اور اشاعت کا شوق، چھوٹی اور جزئی سنت کو بھی عملاً بڑا اور اہم سمجھنا مولانا کا طبعی ذوق تھا، آخری دن جو زندگی کا مصروف ترین دن ہوتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو بلا کر بڑے اہتمام سے فرمایا کہ "میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ احادیث سے حضور ؐ کے واقعات و عادات و اخلاق کا تتبع کر کے ان کے پھیلانے کی جتنی سعی کر سکتے ہو کرتے رہیو"۔

بعض خدام جو حاضر نہیں تھے حاجی عبدالرحمٰن صاحب کے ذریعہ ان کو وصیت فرمائی اور ان کے نام پیغام چھوڑا جس میں سب سے زیادہ تاکید اتباع سنت کی تھی اور یہ کہ فقہا کی اصطلاحیں اور تقسیم برحق اور بجائے خود صحیح ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کی نسبت ہو اس کو عملاً ضروری ہی سمجھنا چاہیے۔

محبت و اتباع کے غلبہ نے عبادات کے علاوہ عام عادات پر بھی اثر کیا تھا۔ عادات و طبعی امور میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کو ان کا جی چاہتا تھا مرض وفات کے درمیانی زمانے میں دو آدمیوں کی مدد سے، مسجد میں نماز کے لیے آتے جاتے تھے کہ اس میں بھی وہی مسنون کیفیت ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات میں مسجد میں آنے کی احادیث میں بیان کی گئی ہے فقام یهادی بین رجلین

ورجلاہ تخطان فی الارض دو آدمیوں کے سہارے تشریف لائے اور پاؤں بزور نہیں دے سکتے تھے) کبھی اگر اس کے خلاف کیفیت ہوتی تو گرانی ہوتی۔[1]

اتباعِ سنت کا ایک دقیق، نہایت لطیف اور بلند درجہ یہ ہے کہ عام انسانی حالات و حوادث سے حدود شریعت کے اندر طبعی طور پر متاثر ہوا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات پر جو بشری طور پر رنج و حزن کا باعث ہیں طبعی طور پر حزن بھی ہوتا تھا اور سرور کے مواقع پر سرور و شکر کی کیفیت بھی پیدا ہوتی تھی۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ سلوک و تصوف اور کمال و ترقی یہ ہے کہ انسانی احساسات اور بشری تاثرات و کیفیات سے انسان بالکل آزاد ہو جائے، نہ اس پر کبھی حزن طاری ہو نہ کوئی چیز سرور پیدا کر سکے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کامل بزرگ کے اس واقعہ پر تنقید کی ہے کہ جب ان کو فرزند کے انتقال کی خبر دی گئی تو انھوں نے بہت بے اعتنائی کے ساتھ اپنے عدم تاثر کا اظہار کیا اور ذرا بھی رنج کا اظہار نہیں کیا۔ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے گئے۔

تدمع العین ویحزن القلب ولا	آنکھوں میں نم ہے دل میں غم ہے مگر زبان سے
نقول الا ما یرضی ربنا وانا بک	وہی نکلے گا جو ہمارے رب کو پسند ہے اور
یا ابراھیم لمحزونون	ہمیں اے ابراہیم تمہارا بہت ہی رنج ہے۔

غالباً مولانا کی نظر سے مجدد صاحبؒ کی یہ تنقید کبھی نہیں گزری ہو گی لیکن ایک بچہ کے حادثہ پر اس کے والد کو بالکل یہی مضمون لکھا جو کمال اتباع، فہم شریعت اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔

---

[1] روایت قاری سید رضا حسن صاحب۔

آپ نے یوسف کو تحریر لکھی، اس سے آپ کے رنج کا نہ ہونا ٹپکتا ہے، یہ شرعًا منکر ہے، رنج کی باتوں سے واقعی رنجیدہ ہونا یہ انشاء اللہ تمہیں ضرور ہوگا لیکن رنج سے متاثر ہونے کا اظہار بھی ضروری ہے حق تعالیٰ جیسے حالات بھیجیں ان کے مناسب تاثر اور اس کا اظہار آپ بھی خوب سمجھتے ہیں ضروری ہے۔"

اسی طرح ایک بچہ کی ولادت کے موقع پر انھیں بزرگ عالم کو لکھوایا۔

"یہ حق تعالیٰ شانہ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے جس پر دل سے خوش ہونا چاہئے اور اگر حقیقی اور قلبی خوشی نہ ہو تو کم سے کم اظہار خوشی اگرچہ مصنوعی ہو، ہونی چاہئے اور شکرانہ میں بطور خوشی آنا چاہئے۔"

حلم و بردباری حد درجہ کی ذکاوت حس و لطافت حس کے باوجود بڑے ضابطہ و حلیم تھے۔ اپنے مذاق و مقصد کے خلاف سننا اور دیکھنا ان کے لئے بڑا سخت مجاہدہ تھا، مگر کام کی مخصوص ساخت اور اس وجہ سے کہ اس کا تعلق دعوت اور اختلاط سے ہے، یہ مجاہدہ ان کو رات دن کرنا پڑتا تھا، آخر زمانہ میں اپنے مقصد کے خلاف بات سننا طبیعت کی نزاکت اور مقصد کے غلبہ کی وجہ سے برداشت سے باہر ہو گیا لیکن ساری عمر یہ مجاہدہ کرتے ہی گزری۔

ایک سفر میں ایک صاحب جو ذی علم بھی تھے راستہ بھر بے عنوانیاں کرتے رہے اور مولانا بڑے ضبط و تحمل سے دیکھتے اور سنتے رہے آخر میں فرمایا کہ:-

"تم سمجھتے ہو کہ میرا غصہ اتنا بے قیمت ہے کہ تم پر غصہ کروں گا میں ہرگز تم پر غصہ نہیں کروں گا۔"[1]

---

[1] روایت مولانا انعام الحسن صاحب

گلاؤٹھی تبلیغی جماعت گئی ہوئی تھی، مولانا مسجد میں تھے، جماعت گشت کرکے واپس ہوئی تو اپنے ساتھ ایک نوجوان کو لائی، مولانا مسجد سے نکل رہے تھے، جماعت کے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ شخص ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتا، اور اس کے تمسخر واستہزار کی شکایت کی وہ مولانا کو دیکھ کر بجائے احترام کے زور سے ہنسا، مولانا نے اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "اللہ تجھے ہنستا ہی رہے" اور بڑی سادگی سے نماز کی نصیحت کی، اس نے فوراً اقرار کرلیا اور لوگ اسے مسجد میں لے گئے[1]

ایک مرتبہ دوران تبلیغ میں آپ نے ایک شخص پر ہاتھ رکھ دیا وہ آگ بگولہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ اگر اب کے تم نے ہاتھ لگایا تو میں لٹھ ماردوں گا، آپ نے فوراً اس کے پاؤں پکڑلئے اور فرمایا کہ پاؤں کو تو نہیں کہا تھا؟ اس کا غصہ کافور ہوگیا اور فوراً نرم پڑگیا[2]

ایک سفر میں بیل گاڑی کی سواری تھی، لاری کے اڈہ پر پہونچنا تھا، لاری کے چھوٹنے کا وقت قریب تھا اور لوگ روکنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ گاڑی بان سے ہرچند کہا گیا کہ تیز چلا موٹر چھوٹ جائے گی مگر بار بار کے تقاضوں اور منت پر بھی اس نے بیل نہیں ہانکے اور بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ آہستہ رفتار سے چلاتا رہا یہاں تک کہ لاری چھوٹ گئی بعض رفقار سفر نے گاڑی بان کو سخت زجر وتوبیخ کی، اور بعض نے فرط غضب میں خلاف عادت سخت سست کہا، مولانا نے صرف اتنا فرمایا کہ بھائی اگر تو ان صاحبوں کی بات مان لیتا تو تیرا کیا نقصان تھا؟[3]

ایک مرتبہ ایک صاحب جو کسی ملازمت کے سلسلہ میں کسی مسلمان افسر بالا کے زخم

---

[1] روایت منشی محمد احمد صاحب خوشنویس دہلوی [2] از مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی
[3] مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی۔

خوردہ اور بیروزگاری سے اتنے دل شکستہ تھے کہ توازن دماغی کھو چکے تھے، مولانا کی خدمت میں آئے اور اس آشفتہ خاطری میں ایسی ناہمواری اور گستاخانہ باتیں کرتے رہے جن کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، مولانا نے فرمایا کہ یہ اس وقت معذور ہے ایسے وقت دعا و وظیفہ بتانا بھی مفید نہیں، آپ نے ان سے کہا کہ چند دن قیام کیجئے اور مطمئن ہو کر رہیے، چنانچہ وہ رہے، مولانا نے بڑی خاطر اور دل جوئی کی اور ایک ہی دو دن میں ان کی یہ کیفیت جاتی رہی۔

مولانا کبھی کبھی اپنے کام کے سلسلے میں ان لوگوں پر جن کے خلوص و تعلق پر اعتماد ہوتا تھا سخت غصہ ہوتے تھے۔ ان لوگوں کو زار و قطار روتے ہوئے دیکھا گیا ہے مگر ان کے تعلق میں اور اضافہ ہو گیا، مولانا فرماتے تھے کہ "میں نے اپنے اللہ سے دعا کی ہے کہ میں جس پر غصہ کروں اس کے حق میں میرا غصہ باعثِ رحمت ہو"

رعایتِ حقوق مولانا کو مسلمانوں کے حقوق کا اور پھر ان میں درجہ بدرجہ اہل علم، اہلِ دین اور اہل شرف کے حقوق کا جیسا اہتمام رہا کرتا تھا اور اس بارہ میں ان کی نگاہ جیسی باریک بین اور دقیقہ شناس اور ان کا ذہن جیسا رسا اور مجتہد واقع ہوا تھا اسکی شہادت اس کتاب کے صفحات پر جابجا موجود ہے، جس کو مولانا کے ساتھ چند روز بھی رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور وہ فطرۃً احساس و ادراک کی دولت سے محروم نہیں ہے وہ شہادت دے گا کہ مولانا اس فن کے مجتہدین میں سے تھے اور اس آخر زمانہ میں اس شعبہ کے امام اور حکیم تھے، ان کے معاملات، حالات و اقوال سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ ان کا دعا سلوک و تصوف معرفتِ حقوق و اداءِ حقوق میں مضمر تھا اور اس کو وہ اہم ترین فرائض میں سمجھتے تھے، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

ایک دوسرے کے ساتھ عزت و حرمت و محبت کو ہر چیز سے بہتر سمجھتے رہیں،
ہزار مسائل فقہ کی حمایتوں سے اس ایک حق کی نگہداشت اور اس پر بجنسہ ہونا
افضل و اعلیٰ اور موجب رضاء خداوندی ہے۔"

ان خصوصی حقوق کے علاوہ جن کا بیحد اہتمام رہا کرتا تھا، حقوق عامہ اور عام انسانی حقوق کا بھی بڑا اہتمام تھا، وہ ہر انسان یہاں تک کہ کفار و غیر مسلمین تک کی حق تلفی کو گوارا نہیں کرسکتے تھے اور سفر و حضر میں ان حقوق عامہ کی نگہداشت سے غافل نہیں رہتے تھے۔

ریل گاڑی میں ایک مرتبہ ایک رفیق نے بے ضرورت سیٹ پر زیادہ جگہ گھیر لی، فرمایا یہ حقوق عامہ میں سے ہے اس جگہ دوسرے مسافروں کا حق ہے۔

مغرب کے نوافل پڑھتے وقت ایک رفیق نے ریل میں مسافروں کو سامنے سے گزرنے سے روکنے کا انتظام کیا، آپ نے منع فرمایا اور کہا کہ یہ حقوق عامہ ہیں تم دوسروں کو گزرنے سے نہ روکو بلکہ سترہ کا انتظام کرو۔

ایک مرتبہ موٹر ٹھیرا کر نماز پڑھی بعض ساتھیوں نے نوافل کی نیت باندھ لی، فرمایا بھائی ان سواریوں کا زیادہ حق ہے۔

بعض مرتبہ کسی دعوت میں مہمان شور برپا کرنے لگتے تو آپ منع فرماتے اور کہتے کہ دیانت کے خلاف ہے، صاحب دعوت نے اس کی اجازت نہیں دی۔

کاندھلہ کے سفر میں ایک مرتبہ کثرت ہجوم کی وجہ سے آپ سیکنڈ کلاس میں بیٹھے اور خیال کیا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئے گا تو ٹکٹ بنوالیا جائے گا، وہ آیا تو اس نے ایسی بے ڈھنگی گفتگو کی کہ مولانا کو غصہ آگیا اور اس کو ڈانٹ دیا، ٹکٹ بنانے کے بعد وہ چلا گیا تو

مولوی انعام الحسن صاحب نے جو ساتھ تھے کہا کہ حضرت اس کو تو کہنے کا حق تھا ان لصاحب الحق مقالاً[1] (جس کا حق آتا ہو وہ کہنے سننے کا مجاز ہے) مولانا نے فوراً ہی اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیا اور واپسی میں اسٹیشن سے اتر کر اس ٹی ٹی آئی سے معذرت کی اور معافی مانگ لی۔

اخلاق و تواضع اخلاق و ظاہرداری کی جنس اس بازار میں نایاب نہیں لیکن اگر یہ شرط لگا دی جائے کہ اخلاق و مدارات، ایمان و احتساب کے ماتحت ہو، شریعت کے اصول کے مطابق ہو اور سنت کے موافق تو یہ جنس کمیاب ضرور ہو جاتی ہے۔

مولانا کا اخلاق کے متعلق نظریہ تھا کہ اخلاق جب تک جناب محمد علیہ السلام کے قدموں کے نیچے نہ آئیں وہ اخلاق نہیں کئی بار یہ واقعہ سنایا کہ شیخ الہند حضرت مولنا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے رہا ہو کر تشریف لائے تھے ایک دعوت میں میں بھی تھا اور حضرت کے پاس بیٹھا تھا، صاحب دعوت دیر تک کسی انگریز افسر کی خوش اخلاقی کا تذکرہ اور اس کے حسن اخلاق کی تعریف بڑے ذوق و محویت کے ساتھ کرتے رہے مولانا نے دیر تک صبر و ضبط کے ساتھ سنا مگر طبیعت پر بہت گرانی ہوئی، مجھ سے آہستہ سے فرمایا کہ کیا کافر کے بھی اخلاق ہوتے ہیں؟

حدیث پر نظر ہونے کے بعد مولانا کی خدمت میں رہ کر اس کا اندازہ ہو سکتا تھا کہ کن اخلاقی باریکیوں پر مولانا کی نظر ہے اور روزمرہ کے سلوک و معاملہ اور نشست و برخاست میں کس قدر ان کی رعایت ہے۔ اس خاکسار نے اپنے مدرسہ کے چند طلبہ کو جو مولانا کی خدمت میں ٹھیرے ہوئے تھے ایک مرتبہ لکھا تھا کہ آپ لوگوں نے حدیث پڑھی

---

[1] حدیث نبوی

ہے اب غور سے دیکھئے کہ اخلاق و معاملت کی حدیثوں پر کس طرح عمل ہوتا ہے۔"

مولانا نے ایک دوست کو ایک خط میں لکھا تھا:-

"مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو عظمت سے اس کی طرف نگاہ کی مشق کرو۔"

یہ مشق مولانا کی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ بے عمل سے بے عمل اور پست سے پست درجہ کا مسلمان ان کی نگاہوں میں معظم و محترم تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اس کو اپنے سے افضل اور اللہ کے یہاں زیادہ مقبول سمجھتے ہیں، ہر مسلمان سے ملتے وقت ان کی نگاہ ہمیشہ اس کی صفت اسلام اور ذرۂ ایمان پر ہوتی تھی اور اس کے سارے عیوب اور کمزوریوں کا احساس اور مشاہدہ اس ایمان کی توقیر و احترام سے ہمیشہ مغلوب ہو جایا کرتا تھا، ان کی یہ قوت تمیز اس بارہ میں اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ آسانی سے ایک آدمی میں خیر و شر کے شعبوں کو ممتاز کر لیتے اور اپنی نگاہ خیر کے شعبہ پر مرکوز کر کے اس کی توقیر و احترام کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص سے ملنے کے بعد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اس شخص نے ایک دینی جماعت اور ادارہ کو سخت نقصان پہونچایا ہے جس کا مجھے سخت درد ہے لیکن میں اس کے علم سے بھی واقف ہوں اور میں نے صرف اس کے علم کی تعظیم کی ہے

مولانا کا اٰتِ کل ذی حق حقہ[1] اور انزلوا الناس منازلھم[2] پر بڑا عمل تھا، اہل فضل اور اہل علم کی حد درجہ توقیر فرماتے اور من لم یوقر کبیرنا و لم یرحم صغیرنا فلیس منا" کے ماتحت ان کے اکرام و اعزاز کی بڑی تاکید فرماتے، ان کو ان کے مراتب کے مطابق شایان شان جگہ پر بٹھاتے، عام فرش کے باوجود ان کے بیٹھنے کے لئے خاص طور پر کپڑا بچھا دیتے اور کوئی امتیازی سلوک ضرور فرماتے، ان کے سامنے اتنی تواضع

---

[1] ہر حقدار کا حق ادا کرو۔ [2] لوگوں سے ان کے درجات کے مطابق سلوک کرو۔

زمانے کہ ناواقف آدمی کو پہچاننا مشکل ہو جاتا، باہر سے بڑی بڑی جماعتیں آتیں لیکن مولانا کی نگاہ مردم شناس اور ذکاوت حس سے آنے والوں کی حیثیتوں اور فرق مراتب کا احساس کر لیتے یا کسی ذریعہ سے اس کا اندازہ ہو جاتا اور ہر ایک کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ فرماتے، بہت کم لوگوں کو اس کی شکایت ہوتی کہ ان کی طرف التفات نہیں ہوا، اس چیز کا اتنا اہتمام تھا کہ آخری علالت میں کہ دل و دماغ اپنے کام کی فکر میں اور جسم بیماریوں اور اس کی تکلیفوں میں مشغول تھا اور کھانے پینے کا بھی پورا حس باقی نہیں تھا، اس بات سے غفلت نہ تھی۔

حافظ محمد حسین صاحب (اجراڑا والے) ایک معذور سے بزرگ ہیں اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے ہیں، وہ بیماری سن کر تشریف لائے ہوئے تھے اور اکثر روزانہ حجرہ میں آکر دم کرتے تھے، مولانا کو چارپائی کے ہلنے سے تکلیف ہوتی تھی اور اکثر جب نمازوں کے بعد لوگ دم کرنے کے لئے آتے تھے تو دو ایک آدمی چارپائی کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے کہ اس کو دھکا نہ لگے اور حرکت نہ ہو، باایں ہمہ مولانا حافظ صاحب کو اپنی چارپائی پر بٹھا لیتے تھے اور لوگ تعجب کرتے تھے کہ یہ کون بزرگ ہیں، جو چارپائی پر مولانا کے پاس بیٹھے ہیں۔

ایک مرتبہ باہر حوض کے قریب دسترخوان بچھا تھا، حافظ صاحب بھی کھانے میں شریک تھے، مولانا کی چارپائی صحن میں تھی، حافظ صاحب ذرا فصل سے جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی شیخ الحدیث صاحب کے نام پیغام لائے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب کو اپنے اور مولانا عبدالقادر صاحب کے درمیان بٹھا دو۔

میرٹھ سے ایک بزرگ عزیز تشریف لائے ہوئے تھے ان کو بڑی خواہش تھی کہ مولانا

سے گفتگو اور کچھ عرض کرنے کا موقع ملے لیکن ہجوم کی کثرت اور ضعف کی وجہ سے موقع نہ مل سکا، وہ چلنے لگے تو انھوں نے اس تمنا کا پھر اظہار کیا، میں نے مولوی یوسف صاحب سے عرض کیا، انھوں نے مولانا سے کہہ کر بلا لیا، مولانا نے ان کا بڑا ہی اکرام فرمایا ان کے ہاتھ لے کر اپنے سارے بدن پر پھیرے۔ پھر سادات کے متعلق اور اس کام کے متعلق فرماتے رہے اور وہ روتے رہے، رخصت ہوئے تو صاحبزادہ سے فرمایا کہ میری ذاتی رقم میں سے دس روپیے آپ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کرو۔

نومبر ۱۹۴۳ء میں مولانا سید طلحہ صاحب ٹونک سے تشریف لائے تو بے حد اکرام فرمایا۔ ان کی اہلیہ (میری پھوپی مرحومہ) کی نہایت عمدہ الفاظ میں تعزیت کی۔ کھانے کا خصوصی اہتمام فرمایا، خود اپنے ہاتھ سے روٹی گرم کر کر کے دیتے تھے، دوسرے روز صبح حضرت سید صاحب کے فضائل و مناقب میں تقریر کی اور اس خاندان کے ایک فرد کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا، اس کے بعد میوات کا ایک سفر پیش آیا، مولانا طلحہ صاحب بھی ساتھ تھے ہر جگہ ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کرتے۔

اس خصوصی اکرام و مدارات کے علاوہ عمومیت بھی ایسی تھی کہ ہر شخص کو خصوصیت معلوم ہوتی تھی اور حدیث لایحسب جلیس ان احدا اکرم علیه منه (کوئی ہم نشین یہ نہیں سمجھتا کہ کوئی اور شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس سے زیادہ عزیز ہے) کا مضمون تھا، ہر شخص اپنے واقعات یاد کر کے کہتا تھا کہ جو معاملہ میرے ساتھ تھا وہ شاید کسی کے ساتھ نہ تھا۔

سفر و حضر میں مخصوص رفقاء کے ساتھ مساوات کا پورا اہتمام رہتا اور امتیاز و تشخص پسند نہ فرماتے۔ ایک سفر میں چار پائیاں اس طرح بچھائی گئیں کہ مولانا کی

چارپائی کا پتیانہ ایک رفیق کے سرہانے کی طرف تھا، بڑی ناراضگی ظاہر فرمائی اور ساتھ رہنے والوں سے فرمایا کہ تم اتنے دن سے ساتھ رہتے ہو مگر تم کو ابھی تک ان چیزوں کی حس نہیں۔

ایک رفیق نے ایک مرتبہ چلتے وقت جوتا ہاتھ میں اٹھالیا۔ اس سے جوتا لے لیا اور اس کے ہاتھ چوم لئے، مہمانوں کی بالخصوص تبلیغ میں آنے والوں اور علماء کی خاطر مدارات اپنے ذمہ فرض سمجھتے اور اس میں طبیعت کو کسی طرح سیری نہ ہوتی۔ فرماتے حدیث میں عام مہمان کے اکرام اور خاطر کی بڑی تاکید ہے

مولوی معین اللہ ندوی راوی ہیں کہ میں بیمار تھا، رمضان کا زمانہ تھا میرا کھانا جانے لگا، مولانا نفل کے لئے کھڑے ہوئے تھے لڑکے سے کہا کہ کھانا رکھ دو میں لیجاؤنگا دوسمجھا نہیں کھانا کوٹھے پر پہونچا دیا، نماز پڑھ کر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے بچہ سے کہا تھا کہ کھانا میں لے جاؤں گا یہ خود لے آیا، پھر میرے پاس بیٹھے ہوئے دیر تک شفقت و محبت اور دل جوئی کی باتیں کرتے رہے۔

اکرام اور خصوصی برتاؤ کرنے میں بھی بڑا لطیف طریقہ اختیار فرماتے جس سے دوسرے شرکار حال کو کوئی شکایت اور احساس نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ شب عرفہ کو سحر کے وقت ایک پیالی چائے لے کر بالاخانہ پر تشریف لائے، ندوہ کے طلبا کی جماعت کے ۱۲، ۱۳، افراد تھے اور پیالی ایک تھی۔ فرمایا، بھائی اپنی جماعت میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیجئے، بس یہ پیالی اس کو پیش کردوں طلبا نے خاکسار کی طرف اشارہ کیا اور مولانا نے وہ پیالی بڑھادی۔

لکھنؤ کی تشریف آوری کے موقع پر اسٹیشن سے روانہ ہو کر قیصر باغ میں ایک

سبزہ زار پر نوافل پڑھے اور دعا فرمائی، ایک رومال بچھا دیا تھا جس پر مولانا نے نماز پڑھی، جماعت کے دوسرے افراد قریب کھڑے تھے، مولانا نے جناب حافظ فخرالدین صاحب کو رومال پر بٹھایا، اس کے بعد فرمایا کہ بھائی اہل لکھنؤ کا بھی ایک نمائندہ ہونا چاہیے، جماعت میں لکھنؤ کا میں ہی تھا اور میری ہی طرف اشارہ تھا، میں نے اتنے معززین کی موجودگی میں خصوصیت کی جگہ بیٹھنے میں تکلف کیا تو فرمایا کہ یہ رومال حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے آپ برکت کے لئے بیٹھئے، اس طرح مجھے بھی ہمت ہوئی اور ارشاد کی تعمیل کی۔

ایک مرتبہ قریشی صاحب اور ان کے رفیق کار ملک صاحب کی خواہش واصرار پر خلاف عادت ایک سفر میں سیکنڈ کلاس میں بیٹھ گئے۔ فرماتے تھے کہ مجھے وہاں بیٹھ کر تکلیف ہوئی اور دل گھبرایا۔ اتنے میں ان صاحبوں نے کہا کہ حضرت کچھ تکلیف تو نہیں ہوئی راحت ملی؟ فرماتے تھے کہ میں نے سوچا کہ اگر کہوں تکلیف ہوئی تو ان کو تکلیف ہوگی اور ان کو افسوس ہوگا کہ ہم نے آرام پہونچانے کے لئے اتنا خرچ کیا اور اس کو تکلیف ہوئی اور اگر کہتا ہوں کہ نہیں حضرت بڑا آرام ملا تو خلاف واقعہ ہے، میں نے کہا ہمارے بیٹھنے سے آپ کو خوشی اور راحت ہوئی؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں، بہت! میں نے کہا بس آپ کی خوشی اور آرام سے ہم کو بھی آرام ہے۔

تواضع کی بات یہ تھی کہ مولانا اپنے کو حقیقتاً کسی عزت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، اپنے عالم، شیخ، اور اتنی بڑی جماعت کے مقتدا ہونے کا احساس بالکل نہیں تھا۔

ایک خط میں ایک مرتبہ اس خاکسار کو تحریر فرمایا تھا۔

"بندہ ناچیز کے بارہ میں جناب مشورہ قبول فرمالیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی

نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی بے قدری ہے۔"

طبیعت کا یہ رنگ ان کے خطوط سے بے تکلف جھلکتا ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب عمر میں چھوٹے، رشتہ میں بھتیجے اور آپ کے شاگرد بھی ہیں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

"گرامی نامہ موجب مسرت و عزت ہوا، آں عزیز کی تشریف آوری کا بے حد اشتیاق ہے، اگر بقول آپ کے میں حضرت ہوں تو آپ ماشاء اللہ حضرت گر ہیں مجھ نکمے اور ناکارہ کو کون پوچھتا، اگر آپ کی توجہ اور کرم نہ ہوتا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ[1] کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے الطاف و اکرام فرمایا پھر شیخ جی[2] نے اظہار تعلق کیا اور یہ سب آپ ہی حضرات کا طفیل ہے۔

آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی مگر اسی امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے شاید اپنی بھی کچھ اصلاح ہو جائے۔

ایک دوسرے خط میں موصوف کو تحریر فرماتے ہیں :-

"رمضان المبارک کی دل بستگی اور اس پاک ماہ کی برکات و انوارات سے استفادہ اہل دل کو مبارک ہو، حق تعالیٰ شانہ آں عزیز کو مزید توفیق و کمالات رضائے کامیاب و فائز المرام کریں اور روز افزوں ترقیاتِ قرب سے بہرہ اندوز رکھیں، ہم جیسے ضعفا کا کچھ حال نہ پوچھو، بس جوانانِ تیز رفتار کی دعا و ہمتوں سے حق تعالیٰ اس ضعیف و مسکین کا بھی بیڑہ پار فرمائیں۔

---

[1] حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری۔ [2] حاجی شیخ رشید احمد صاحب

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　　بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

آپ نے آخری وقت تک اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے محاسبہ اور نگرانی سے غافل نہیں ہوئے بلکہ جس قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اور احتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے، بعض اوقات اہل حق اور اہل بصیرت کو بڑی لجاجت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اور اگر کہیں عجب و کبر کا شائبہ نظر آئے تو متنبہ کریں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اور مولانا حافظ عبداللطیف ناظم مدرسہ مظاہر العلوم کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> عزیز محترم حضرت شیخ الحدیث و حضرۃ المحترم جناب ناظم صاحب دامت برکاتکم،
>
> السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امید ہے کہ مزاج سامی بعافیت ہوں گے، ایک مضمون جس کا قبل از رمضان مجھے بہت زیادہ اہتمام تھا، اپنی قوت بشریہ کے ضعف و ضعف ایمانی کی بنا پر بالکل نسیاً منسیا ہو گیا۔
>
> وہ یہ کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کام اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ اب اس کی روز افزوں ترقی و مقبولیت کو دیکھ کر میں اپنے نفس سے بالکل مامون نہیں ہوں کہ وہ کہیں عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو جائے لہٰذا آپ جیسے اہل حق کی نگرانی کا میں سخت محتاج ہوں اور اپنی نگرانی کا آپ حضرات مجھے ہر وقت محتاج خیال کریں کہ اس میں کی خیر پر مجھے جمنے کی تاکید فرما دیں اور اس میں کی شر سے مجھے جھنجھلاہٹ سے منع کر دیں۔
>
> ۲۲ رمضان ۱۳۶۲ھ (۲۳ ستمبر ۱۹۴۳ء)

مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ مولاناؒ کے تذکرہ (معارف اعظم گڈھ بابت ماہ نومبر ۱۹۴۴ء) میں

یں تحریر فرماتے ہیں :-

لکھنؤ کے قیام میں ایک دفعہ ایک دوست کے یہاں عصر کے وقت چائے کی دعوت تھی، پاس کوئی مسجد نہ تھی ان کی کوٹھی ہی میں نماز باجماعت کا سامان ہوا خود کھڑے ہو کر اذان دی۔ اذان کے بعد مجھے ارشاد ہوا کہ نماز پڑھاؤ میں نے معذرت کی تو نماز پڑھائی، نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے فرمایا:-

بھائیو! میں ایک ابتلا میں گرفتار ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نکالیں، جب سے میں یہ دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں، لوگ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں، مجھے یہ خطرہ ہونے لگا ہے کہ مجھ میں اعجاب نفس نہ پیدا ہو جائے میں بھی اپنے کو بزرگ نہ سمجھنے لگوں، میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس ابتلا سے بسلامت نکال لیں، آپ بھی میرے حق میں دعا فرمائیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک قالین ہدیہ کیا۔ مولانا کی طبیعت پر یہ قیمتی قالین بڑا بار ہوا، اس پر ایک بڑی لطیف تقریر فرمائی اور شہر کے ایک بڑے عالم کی خدمت میں یہ کہہ کر اس کو پیش کر دیا کہ ہدیہ کرنے والے نے مجھے عالم سمجھ کر پیش کیا تھا میں جس کو عالم سمجھتا ہوں اس کی خدمت میں پیش کر کے سبکدوش ہو جاتا ہوں۔"

مولانا کو ہٹو بچو سے بڑی نفرت تھی، فرماتے تھے کہ ہٹو بچو فرعون و ہامان کی سنت ہے، چاہتے تھے کہ بے تکلف رہیں اور چلیں پھریں۔ کوئی ہٹو بچو نہ کہے، میوات کے سفروں اور جلسوں کے موقع پر بھی جہاں ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا اور مولانا ہی مرکز توجہ ہوتے تھے اسی کا اہتمام رکھتے تھے کہ کوئی پابندی اور اہتمام نہ ہو، آخری علالت میں بھی اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگوں کو روکا اور ہٹایا جائے۔

آخری علالت کے آخری ایام میں جب کہ زائرین کی کثرت ہوتی تھی اور حالت کی نزاکت کی وجہ سے مصافحہ سے آپ کو روک دیا گیا تھا، ایک اجنبی شخص ایک دن ملنے آئے اور حاضرین مجلس کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے مصافحہ کے لئے بڑھے، ایک میواتی خادم نے بڑھ کر ان کو ہاتھ سے روک دیا جس سے وہ بہت غضبناک ہوئے اور علماء اور مولویوں کو برا بھلا کہتے ہوئے چلدیئے۔ حضرت مولانا نے اس میواتی خادم کو اشارہ سے قریب بلا کے بہت تنبیہ کی اور فرمایا کسی مسلمان کا دل دکھانا اللہ کے یہاں بہت مبغوض ہے۔ جاؤ اس شخص سے معافی چاہو اور اس کو راضی کر کے واپس آؤ۔ چنانچہ اس بے چارہ نے ایسا ہی کیا اور راقم سطور نے بھی مسجد سے باہر یہ تماشہ دیکھا کہ وہ صاحب بے تکان گالیاں دے رہے ہیں اور وہ بے چارہ میواتی ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہے اور صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کا دل دکھایا ہے یا تو مجھے اس کی سزا دے کر یا ویسے ہی اللہ واسطے معاف کر دیجئے۔

وسعتِ قلب ہندوستان میں مدت سے دین وعلم کے چھوٹے چھوٹے دائرے اور خانے بن گئے ہیں، ہر حلقہ اور ہر جماعت کے لوگوں نے علم و دین کو اپنے دائرے میں ایسا محصور سمجھ لیا ہے کہ اس کے باہر وہ علم و دین کا تصور نہیں کر سکتے۔ دوسرے دائرہ کے لوگوں کے علم وفضل اور دینداری وتقویٰ کا اعتراف کرنا مشکل ہوتا ہے اور ان سے مل کر وہ قلبی انبساط وانشراح نہیں ہوتا جو اہل دین اور ہم مذاق لوگوں سے مل کر ہونا چاہئے، یہ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ایک ہی جماعت اور حلقہ کے ایسے دو افراد کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا بعض لوگوں کے نزدیک ناممکن ہوگیا ہے، جن کے مذاق طبیعت یا سیاسی خیالات یا مشاغل میں اختلاف ہے اور ان کو ایک

قلب میں جمع کرنا جمع بین الاضداد نظر آنے لگا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افادہ اور استفادہ کا دائرہ برابر محدود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بیگانگی اور بعد بڑھ رہا ہے اور اہل دین اور اہل حق کے درمیان دیواریں کھڑی ہوتی چلی جا رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو وسعت قلب کی بڑی دولت عطا فرمائی تھی اور بڑا وسیع ظرف بخشا تھا جس میں تمام دینی جماعتوں اور ہر قسم کے اختلافات خصوصیات کے ساتھ تمام اہل حق کی بیک وقت گنجائش تھی، ہر شخص کے لئے مرتبہ اور شخصیت کے لحاظ سے الگ خانہ تھا اور قلب میں خاص جگہ تھی۔ عربی شاعر کے بقول ؎

لکل امرئ شعب من القلب فارغ ‍ ‍ ‍ وموضع نجوی لا یرام اطلاعها

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی طبقہ جوہر اور مسلمانوں کا کوئی فرد ہنر سے خالی نہیں، ہر طبقہ میں کوئی نہ کوئی ایسی صفت ہے جو دوسرے میں نہیں۔

لہٰذا ہر طبقہ کو دوسرے سے اس صفت میں استفادہ کرنا چاہئے، مولانا ان تمام طبقوں کی ان امتیازی صفتوں سے اپنی تحریک ودعوت میں استفادہ کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ان صلاحیتوں سے وہ اپنے کام میں فائدہ اٹھا لیتے تھے۔

خصوصاً جن لوگوں یا جن طبقوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص جوہر یا فطری صلاحیتیں اور دین سے مناسبت عطا فرمائی ہے، ان کو دین میں مشغول کرنے اور ان کی اس نجابت وصلاحیت سے استفادہ کرنے اور ان کو دین کے فروغ اور ترقی کا ذریعہ بنانے کا بڑا اشتیاق رکھتے تھے۔

ایک بزرگ کو ایک کارکن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

سادات کے متوجہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہیں، تعلیم میں بھی اور تبلیغ میں بھی
اور یہ یاد رکھیں اور سمجھتے رہیں کہ جو لوگ جس قدر زیادہ اہل ہیں ان کے اصلی
مرکز تک پہنچنے میں نزاکتیں بھی بہت زیادہ ہیں۔

ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضرت ندوہ کے لوگوں نے اہل دین کی طرف ہمیشہ عقیدت کا ہاتھ بڑھایا مگر ان کی طرف اس کے جواب میں محبت کا ہاتھ نہ بڑھا ان کو ہمیشہ بیگانگی اور غیریت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا اور ہمارے ساتھ یگانگت کا معاملہ کیا۔ مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا آپ کیا فرماتے ہیں آپ کی جماعت تو اہل دین کی جماعت ہے۔ میں تو علی گڑھ والوں کو بھی چھوڑنے کا قائل نہیں۔ ان سے بھی بُعد اور وحشت صحیح نہیں۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ اس دعوت و تحریک میں مظاہر العلوم سہارن پور، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلما، جامعہ ملیہ اور ان کے ساتھ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ اور تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ اور ہر طرح کے کاروباری مسلمان دوش بدوش ہیں اور کوئی دوسرے سے متوحش نہیں، مولانا ہر ایک کے امتیاز خصوصی کی خصوصی داد دیتے تھے اور تعریف کرتے تھے کسی کی دینداری کی، کسی کی سلیقہ مندی کی کسی کی حاضر دماغی اور تجربہ کاری کی، ہاں ان کے نزدیک ہر فطری صلاحیت دین کے کام میں لگنی چاہئے تھی۔ اس کو کسی اور مصرف میں صرف ہوتے دیکھ کر ان کو بڑا درد ہوتا۔ ان کے نزدیک جن لوگوں کو اللہ نے اچھا دل و دماغ چستی اور مستعدی اور بلند ہمتی دی ہے ان کی توجہ کا دین، دنیا سے زیادہ مستحق ہے اور

ان کی توجہ اور دلچسپی سے دین کا کام بڑی تیزی اور قوت سے ہو سکتا ہے۔

ایک دیندار معاملہ فہم کامیاب تاجر کو لکھتے ہیں:۔

> "میں آپ جیسے سب احباب اور بزرگوں سے طالب رہا کہ آپ میرے معین اور مددگار بلکہ اس کے اندر ایسی ہمت مردانہ سے کھڑے ہوں کہ آپ ہی اصل ہوں، کیونکہ آپ کی ہمت، آپ کا حوصلہ، آپ کی قوت، آپ کی طبیعت آپ کا دماغ اس قابل تھا اور اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ کسی جاندار کام کو آپ اٹھائیں جاندار کام کے لئے جاندار ہی اہل ہوں۔"

تمام افراد اور جماعتوں کے متعلق مولانا کا یہی خیال تھا۔

اداروں کے علاوہ روحانی سلسلوں اور مشائخ طریقت کے منتسبین کے متعلق بھی مولانا کی وسعت قلب کا یہی حال تھا۔ کسی شیخ طریقت کے منتسبین اس کام کی طرف توجہ کرتے تو بے حد خوش ہوتے اور ان کا بڑا اکرام کرتے۔ میں نے مجددی طریقہ اور کبھی حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں کا تعارف کرایا تو بہت مسرور ہوئے اور ان کا بڑا اکرام کیا اور فرمایا کہ میں بچپن سے اپنے بزرگوں سے سن رہا ہوں کہ اس زمانہ کے دو قطب تھے پچھم میں حضرت گنگوہیؒ اور پورب میں حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحبؒ۔ میری بڑی آرزو رہی ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے لوگ اس طرف متوجہ ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت مولینا فضل رحمٰن صاحب کے اہل تعلق میں سے ایک مشہور ہستی کے متعلق (جن کو دنیا کی وجاہت اور ریاست بھی حاصل ہے اور جن کے دینی و علمی کمالات کے لئے ان کی امارت پردہ بن گئی ہے) فرمایا کہ میں ان کو اہل اللہ میں سے سمجھتا ہوں اور مجھے بار بار

اس کام کی طرف ان کی توجہات منعطف کرانے کی طرف متوجہ فرمایا۔

نامور معاصرین اور اہل فضل کے متعلق کبھی اظہار خیال فرماتے تو ان کے اعلیٰ درجہ کی مرتبہ شناسی بالغ نظری اور دقیقہ رسی کا اندازہ ہوتا۔

اس وسعتِ قلب اور وسعتِ نظر کا یہ نتیجہ تھا کہ انھوں نے ایسے لوگوں سے کام لے لیا اور دین اور اہلِ دین سے ان کا تعلق پیدا کرا دیا اور پھر رفتہ رفتہ انکی زندگی میں تبدیلی پیدا کر دی جن کے متعلق عام نگاہوں کا فیصلہ یہی ہوتا کہ ان کو قطعاً اس کام سے مناسبت نہیں اور یہ کبھی بھی دین سے قریب نہیں ہو سکتے۔ برابر یہ تماشہ نظر آتا رہتا تھا کہ جن لوگوں کی عدم مناسبت کا قلب فیصلہ کرتا وہ تھوڑے دنوں میں بڑے کارآمد آدمی بن جاتے، وہ ہر شخص سے ایک ہی درجہ اور ایک ہی مقدار کا کام کرنے کا مطالبہ اور اس کا اصرار نہ کرتے، ہر شخص کے حسبِ حال اور اس کی سطح اور اس کے مخصوص حالات اور صلاحیتوں کے مطابق اس سے دین کی نصرت و تائید کا کام لیتے اور اس کے اس کام پر اتنے ہی شکر گزار ہوتے جتنے دوسروں کی انتہائی جد و جہد اور محنت شاقہ پر اس کے کام کی قیمت کا فراخ دلی سے اعتراف کرتے اور اس کی قدر و قیمت کو بیان کر کے اس کا دل بڑھاتے اور عملی کام کی ہمت دلاتے۔

استقامت مولانا نے اس زمانہ میں جس میں استقامت سے زیادہ کوئی چیز عنقا نہیں، اپنی استقامت سے سلف کبار کی یاد تازہ کر دی چھوٹی چھوٹی سنتوں پر ایسی استقامت تھی جو اس زمانہ میں فرائض و واجبات پر ہو تو محل شکر ہے۔

آخری علالت کا زمانہ ان کی بے نظیر استقامت کا بہترین شاہد ہے اس

چھ مہینے کی علالت میں (جس میں قوت میں برابر انحطاط اور ضعف میں روز افزوں ترقی تھی اور ضعف اور سقوطِ قوت کا یہ عالم تھا کہ بعض دن لبوں پر کان رکھے بغیر آواز سننی مشکل تھی) نماز باجماعت کا وہ اہتمام تھا کہ اس پوری علالت میں غالباً کوئی نماز بے جماعت نہیں پڑھی۔ آخری عشاء کی نماز میں نماز کے اندر قضاءِ حاجت کی ضرورت پیش آگئی تو حجرہ میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ وفات سے تقریباً دو مہینے پہلے تک یہ عجیب و غریب منظر پانچوں وقت نظر آتا تھا کہ خود اُٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں، بیٹھ جاتے تو کھڑے نہیں ہوسکتے تھے، دو آدمی پکڑ کر صف میں کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر امام کے اللہ اکبر کہتے ہی ایسی طاقت آجاتی کہ پورے سکون و طمانیت کے ساتھ رکوع و سجود اور فجر کی نماز کا قیام (جو نسبتۃً طویل ہوتا ہے) کرتے ہیں اور جہاں امام نے سلام پھیرا پھر وہ طاقت گویا سلب ہوگئی کہ خود کھڑے نہیں ہوسکتے پھر دو آدمیوں کے سہارے اپنی جگہ پہونچتے ہیں، سنتوں میں ایک آدمی رکوع و سجود کرا دیتا ہے، لیکن وتر کی نیت باندھتے ہی از خود رکوع و سجود کرتے اور کسی کی امداد قبول نہ کرتے۔ کھڑے ہونے سے بالکل معذور ہوگئے تو بیٹھ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے، اطباء اور علماء کی سخت ممانعت تھی ورنہ کھڑے ہونے کی ہمت رکھتے تھے اور اگر لوگ اجازت دیدیتے تو کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھتے۔ بیٹھنے سے بھی جب سخت ضعف اور تعب ہونے لگا لیٹے لیٹے نماز پڑھنے لگے، چارپائی صف کے ساتھ لگادی جاتی اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے، لیکن وضو و مسواک کا وہی اہتمام رہا جو زندگی میں تھا، پورے آداب و سنن و اذکار کے ساتھ وضو کرتے، علماء اور میواتیوں کی ایک جماعت اس خدمت کے لئے مخصوص تھی وہ نہایت اہتمام کے ساتھ وضو

کرا تی۔ پانی کا استعمال بھی جب مضر ہونے لگا تو علماء کے فتوے اور اطبا کی تاکید سے تیمم کرنا شروع کیا لیکن اس طرح کہ سہل انگاری اور سہولت پسندی کو اس میں قطعاً دخل نہ تھا بلکہ اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اور اس نیت کے ساتھ کہ اللہ کی رخصت پر اس کے صحیح موقع پر عمل کرنا بھی عزیمت ہے اور اس کو ٹھکرانا کفرانِ نعمت۔

سفر و حضر میں اذان و اقامت اور جماعت کا پورا اہتمام رہتا۔ مجھے اس عرصہ میں کہ بارہا ریل، لاری اور گاڑیوں کے سفر میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا کبھی بے اذان و اقامت اور بے جماعت نماز پڑھنا یاد نہیں، ریل میں خواہ کیسا ہی ہجوم ہو اذان دیتے اور اقامت و جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اذان سنتے ہی لوگ جگہ دے دیتے اور مولانا اپنے رفقاء کو قاعدہ کے ساتھ کھڑا کر کے نماز ادا کرتے۔

ایک مرتبہ میں ایک سفر سے آیا، میرے ساتھ ایک رفیق اور تھے جن کو ریل پر ہجوم کی وجہ سے نماز پڑھنے کی نوبت نہیں آئی تھی، ملتے ہی دریافت فرمایا، نماز پڑھ لی۔ عرض کیا میں نے تو پڑھ لی، میرے رفیق پڑھ رہے ہیں، بڑا افسوس کیا اور اس سلسلہ میں فرمایا کہ میں جب سے اس کام میں لگا ہوں (تقریباً بیس سال سے ایک بھی) کوئی نماز جماعت کے بغیر نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تراویح بھی پڑھوا دی۔ اگرچہ بعض اوقات تراویح دو ہی رکعت پڑھنے کی نوبت آئی لیکن کلیۃً ترک نہیں ہوئی۔

مولانا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارے میں خاص اصول اور ترتیب و تدریج کے قائل[1] تھے لیکن جب کھلا ہوا منکر پیش آ جاتا تو قطعاً کوئی مداہنت اور رواداری

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہشتم

گوارا نہ کرتے فاذا تعدی الحق لم یقم لغضبہ شئی[۵] پھر اس استقامت اور ورع کا اظہار فرماتے جو ان کے اسلاف کرام، مشائخ اور علمائے راسخین کا شیوہ ہے۔

۵۵ء کے آخری حج میں کراچی میں دو جہازوں میں مقابلہ ہو گیا ایک جہاز نے ۵۵ روپیہ کرایہ کر دیا۔ اس جہاز کے مسافروں کو ایک عورت انجکشن لگا رہی تھی مولانا نے غصہ میں فرمایا کہ فریضہ ادا کرنے جا رہے ہیں اور حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ میں غیر محرم عورت کے ہاتھ سے ٹیکہ نہیں لگوا سکتا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر عجلت نہ کی گئی اور اس سے ٹیکہ لگوا کر اس جہاز پر نہ بیٹھ گئے تو ۵۵ کا ٹکٹ ۱۸۲ کا ہو جائے گا۔ فرمایا چاہے جتنے کا ہو جائے۔ مولانا نے انکار کر دیا اور جماعت ساری ٹھہر گئی، فون پر فون کیا گیا اور ڈاکٹر جھنجلاتا ہوا آیا اور کہا کہ وہ پیر صاحب کہاں ہیں جو لیڈی ڈاکٹر سے ٹیکہ نہیں لگواتے؟ مولانا نے اس ڈاکٹر سے ٹیکہ لگوایا اور رفقائے نے بھی ٹیکہ لیا اور ٹکٹ بھی ۵۵ ہی کا ملا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج تک غیر محرم نے میرے جسم کو مس نہیں کیا۔ صرف ایک مرتبہ ایک عورت بیمار تھی۔ میں گیا تو نزع کی سی کیفیت تھی اس نے جلدی میں میرے ہاتھ میں ہاتھ دینا چاہا۔ میں نے ہاتھ کھینچ لئے۔ صرف میرے پلو سے اس کا ہاتھ لگ گیا۔[۵]

دعا وانابت الی اللہ | اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت تضرع ودعا اور ذکر کی کثرت مولانا کی زندگی کی روح رواں اور ان کے نزدیک ان کی اس دعوت وتحریک کا قلب تھا۔ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔[۲]

"ہماری اس تحریک کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ اس میں سب سے زیادہ کام دین کا ہو یعنی

۵؎ جب کوئی بات حق کے خلاف ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کو کوئی چیز نہ روک سکتی۔

۵؎ بروایت مولوی نور محمد صاحب رفیق حج

اللہ پاک کے سامنے تضرع اور اس کی نصرت پر کامل اعتماد کے ساتھ اس سے استعانت اور دنیا و ما فیہا سے بالکل منقطع ہو کر اس کی طرف انابت، اس کے بعد دوسرے درجہ میں جوارح کا کام ہو یعنی اللہ کی مرضیات کے فروغ کے لئے دوڑ دھوپ اور محنت و مشقت، اور تیسرے درجہ میں زبان کا کام ہو (مطلب یہ کہ سب سے کم مقدار تقریر کی ہو، اس سے زیادہ مقدار سعی و جہد کی ہو اور سب سے زیادہ مقدار دل کے کام کی ہو یعنی اللہ کی طرف انابت اور اس سے استغاثہ و استعانت[1])

اسی پر مولانا کا عمل تھا اور اسی کی دوسروں کو تاکید و وصیت، اس خاکسار کو ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:-

"یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے اور کبھی نظر خطا نہ کرے کہ مقصود یہاں کی ہر چیز کا محض قوت دعا کا بڑھانا ہے، اس میں ہر وقت بہت ہی زیادہ سعی کی جائے، اگر جوارح کے کام میں مشغول ہونے کے وقت قلب قوت کے ساتھ دعا میں مشغول رہنے کی برداشت کر سکے تو اس میں بہت کوشش فرماویں ورنہ اس امر کے لئے مکتوبات[2] اور سحر اور اس امر کے لئے نکلنے کے اطراف[3] اور درمیان کے خالی اوقات کو دعا سے آباد رکھیں۔"

نیابت انبیاء کے اس عظیم و جلیل، نازک و لطیف کام کے لئے جس کا طبیعت پر بہت بوجھ رہا کرتا تھا، اہل دل سے مضطر و بیقرار ہو کر دعا کی درخواست فرماتے اور اسی کو سب سے بڑی تدبیر تصور فرماتے، شیخ الحدیث کو تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] نصرت دین و اصلاح المسلمین کی ایک کوشش، از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی
[2] یعنی فرض نمازوں کے بعد [3] یعنی تبلیغ کے لئے نکلنے اور واپس آنے کے وقت

شعبان کے سارے مہینے کے ہر جمعہ کو میوات جانا ہوا میرے جو خیال میں ایک بات ہے وہ میری قابلیت، میری حیثیت سے اونچی بہت ہے، عمل میں لانا تو درکنار فہم و ذکا کی رسائی سے بھی بہت عالی ہے لیکن بایں ہمہ میری طبیعت اس امر میں کوشش کرنے سے اور اس خیال میں رہنے سے ہٹتی نہیں ہے، اس لئے بوجہ نہایت فوق الطاقۃ ہونے کے اپنے نہایت اعلیٰ اور نازک اور لطیف اور دین کی اشاعت اور ترقی کا محض واحد مدار ہونے کے باعث آپ جیسوں کی ہمت اور توجہ اور دعا کا نہایت مستحق ہے۔ اس لئے اپنی پوری دعوات سے میری مدد فرمانے میں دریغ نہ فرماویں حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ سے کسی مطلوب کا ملنا عزیز و بعید نہیں ہے، آپ دعا و ہمت اور توجہ کے ساتھ طلب میں کمی نہ فرماویں۔ میرے دل کی تمنا ہے کہ کم سے کم میرا دماغ اور خیال اور وقت اور قوت اس امر کے سوا ہر چیز سے فارغ رہے، خیر بس زیادہ کیا لکھوں آپ بھی دعا سے مدد فرمادیں، اور بھی سب بزرگوں کے یہاں جہاں تک ہوسکے ان سے دعائیں کرانے اور ہمت کو متوجہ کرنے میں آپ وسیلہ اور شفیع و ساعی بنیں۔“

حضرت شیخ ہی کے نام ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار کے آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔

میرے عزیز! اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے، اللہ جل شانہٗ نے یہ جیسی تبلیغ کی

نہایت فائدہ بخش اور اصول اسلام کو حاوی نہایت ہیں اور نہایت عظیم
صورت اس ناچیز کو عنایت فرمائی ہے، یہ ناچیز اس نعمت عظمیٰ جلیلہ کی قدردانی
اور شکر گزاری اور تواضع میں اپنے نفس کو بہت ہی کمزور پاکر اس نعمت کے
کفران نعمت سے بہت خائف ہے، نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار بھی ضروری
سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت
کو بڑا دخل ہے حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشیں، اللہ کو منظور رہا
اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑ گئی تو انشاء اللہ تمہاری تصانیف اور
فیوض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے، اللہ تعالیٰ
تمہیں جزائے خیر دیں، میری اس میں دعا سے ضرور ہی مدد کیجو اور میں بھی
دعا کرتا ہوں۔"

ایک تیسرے گرامی نامہ میں موصوف کو لکھتے ہیں:-

"اس نازک زمانہ میں دلوں سے نکل چکنے والے قدر سے گرے ہوئے
آنکھوں میں حقارت سمائے ہوئے دین کی بابت کسی آواز کا کسی کان تک پہنچنا
رتی اور ذرہ برابر کسی دل کے اندر اترنے کی امید رکھنا محال اور باد بہت
آوردن کے برابر ہے جتنی ضرورت ہے اس وقت اس کا استحالہ برابر دوش
بدوش چل رہا ہے، فضول خیالات میں عمر گنوا دینا نہایت مرغوب و مستحسن نظر آرہا
ہے، تھوڑے سے تھوڑا وقت سلف کے طریقہ میں گزار دینے میں اور پھر اس کے
ساتھ ساتھ اپنے اندرونی جذبۂ ہمت کا ضعف اور اپنا عجز، عقل و فہم کا
قصور، اس طرف چھوٹی سے چھوٹی حرکت کرنے سے روکتا ہے، بایں ہمہ

حق جل وعلا شانہ کے فرمان عالی کی حقانیت ومواعید کی عظمت اور اس کے اوامر عظیمہ پر کی نظر بیٹھنے بھی نہیں دیتی، طرفین کی کشاکش سے ضعیف طبع پر اضمحلال وحیرانی رہتی ہے اس نازک مقام پر کیا کیا جاوے

میرا مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ آپ جیسے باہمت اہلِ دل اصحاب موقع کی نزاکت کے بقدر اور حیثیت کے موافق حق تعالیٰ کے جناب عالی میں تضرع اور زاری کے ساتھ دست بدعا ہوں اور دوسرے دوستوں کو کریں کہ یہ کام اس زمانہ میں ہم جیسوں کی طاقت سے بہت اونچا ہے چھوڑنا اور بے التفاتی بھی خطرناک ہے اور قدم اٹھانے کا بھی یارا نہیں، اللہ ہی بڑا سہارا ہے"۔

اہم مواقع پر (اور مولانا کے نزدیک ہر تبلیغی موقع کی اہمیت تھی) خود بھی دعا کی طرف متوجہ ہوتے اور اہل دعا کو بھی بڑے اضطرار کے ساتھ دعا کی طرف متوجہ فرماتے۔

۱۰ر جنوری ۱۹۳۹ء کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس جمعہ کو طرفین کے میوؤں میں خاص تبلیغی غرض کے لئے پہاڑ گنج کی جماعتوں کی طرف سے انعقاد جلسہ قرار پاکر نہایت فضل عظیم یہ ہے کہ اس کی پہلی شب میں مولانا حسین احمد صاحب مبلغ محرک محرض قرار پائے ہیں۔ خدا جانے کیوں میرے دل پر ان کے اس مقصد کے لئے تشریف آوری پہلی مرتبہ اور انوکھی ہونے کی بنا پر اثر عظیم کر رہی ہے، اسی اثر کی بنا پر سائل وطالب عاجز ہو کر آپ کی بارگاہ کی طرف ملتجی ہوں کہ اس جلسہ کے مقررین وسامعین کے استقلال وطمانیت تامہ اس کام پر جمنے اور نہایت جمنے اور چالو ہونے

ملتجی ودامی بخشوع وخضوع بہت استقلال سے
کے لئے بارگاہ ایزدی میں
رہیں اور اس کے لئے پوری طرح صرف ہمت فرمادیں اور کبھی جس کو آپ
مناسب سمجھیں اور موقع ہو تو اس کی کامیابی کی دعا وصرف ہمت میں مشغول کریں
نیز ظاہری کوئی تدبیر اس کی تثبیت تنشیط کی ذہن میں آوے اس میں سعی کریں"۔

مولانا بڑی دیر تک اور بڑی بے قراری اور اضطرار کی کیفیت کے ساتھ دعا
فرماتے تھے اور دعا کی حالت میں اکثر ان پر خود فراموشی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی
اور عجیب عجیب مضامین کا ورود ہوتا۔ پانچوں وقت کی نمازوں کے بعد خصوصاً
میوات کے سفروں میں بڑی پُراثر دعائیں فرماتے اور اکثر وہ مستقل تقریریں ہوتیں، وہ
اللہ سے دل کھول کر مانگتے اور مانگتے وقت اپنی طرف سے کمی نہ کرتے، تقریروں کے
درمیان یہ فقرہ ابھی تک سننے والوں کے کانوں میں گونج رہا ہے، "مانگو اللہ سے"۔
ادعیہ ماثورہ میں سے یہ دعائیں اکثر (خصوصاً اس کام کے سلسلہ میں) ورد زبان
رہتیں :-

اللهم ان قلوبنا ونواصينا	اے اللہ ہمارے دل ہماری پیشانیوں
وجوارحنا بيدك لم تملكنا	کے بال اور ہمارے قویٰ وجوارح سب
منها شيئا فاذا فعلت	تیرے ہاتھ میں ہیں تونے ان میں سے
ذلك بنا فكن انت ولينا	کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں دیا ہے
واهدنا الى سواء السبيل	اور جب تونے ایسا کیا ہے تو تو ہی ہمارا

کارساز ہوجا اور ہم کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دے۔

اللهم اصنع بنا ما انت	اے اللہ ہمارے ساتھ اپنے شایان شان

اهله ولا تصنع بنا ما نحن اهله	سلوک فرما اور ہمارے شایانِ شان سلوک نہ فرما۔
اللهم لا سهل الا ما جعلته	اے اللہ آسان وہی ہے جس کو تو آسان
سهلا وانت تجعل الحزن	کر دے اور تو دشوار کو بھی آسان کر دیتا
سهلا اذا شئت لا اله الا	ہے جب تو چاہے، اللہ حلیم و کریم کے
الله الحليم الكريم	سوا کوئی معبود نہیں۔

اور یہ دعا تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہمیشہ وردِ زبان رہتی ۔

یا حی یا قیوم برحمتك	اے وہ جو زندہ ہے اور جس کے سہارے
استغيث اصلح لی شانی	زمین و آسمان تھمے ہوئے ہیں میری حرکت سے
كله ولا تكلني الى نفسي	واد خواہ ہوں میری ساری حالتیں درست
طرفة عين فانك ان تكلني	کر دے اور مجھے پل بھر بھی اپنے نفس کے
الى نفسي تكلني الى ضعف	حوالہ نہ کر، اس لیے کہ اگر تو مجھے اپنے نفس
وعورة وذنب وخطيئة	کے حوالہ کر دے گا تو کمزوری عیب گناہ
انه لا يغفر الذنوب	اور جرم کے حوالہ کرے گا۔ گناہوں کا
الا انت	بخشنے والا تو ہی ہے۔

تبلیغی سفر کے وقت سفر کے تمام اذکار دعیہ ماثورہ کا التزام کرتے اور دعا و ذکر کی بڑی کثرت کرتے، بعض لوگوں کو مستقل دعا اور سورۂ یٰسین کے ختم کی ہدایت کرتے اور بہت ہی اضطرار اور انابت الی اللہ کی کیفیت ہوتی گویا سفرِ جہاد ہے اور اذا لقيتم فئة فاثبتوا واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون۔ کا موقع۔

اللہ سے تعلق اور اس کی طرف رجوع و انابت اور اس کی رحمت پر اعتماد

کا نتیجہ تھا کہ اللہ پر پورا بھروسہ تھا اور بڑی سے بڑی اور مشکل سے مشکل بات کے لیے اطمینان تھا کہ ہو سکتی ہے۔ ایک روز اپنے ایک عزیز و رفیق سے فرمایا کہ اگر تم کو اصلاح کے سلسلہ میں مکاتب و مدارس ہی پر اعتماد ہے تو میوات میں ایک ہزار مکتبوں کا نظام بناؤ اور اپنی ذمہ داری پر اس کام کو اٹھاؤ۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ تو میں تمہارے جواب دینے سے دو دن کے بعد ایک ہزار مکتبوں کا ایک سال کا پورا خرچ (چھ لاکھ روپیہ) تم کو دیدوں گا مگر یہ شرط ہے کہ میں اس پر اپنا وقت، اور اپنا فکر بالکل صرف نہیں کروں گا تم ہی کو ذمہ داری سنبھالنی ہوگی، میں اسی طرح اپنے کام میں لگا رہوں گا۔ پھر فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ میرے پاس شاید چھ روپیہ بھی نہ نکلیں لیکن مجھے یقین ہے کہ جس دن اللہ کے کسی کام کا ارادہ کر لیا جائے گا اس کے بقدر روپیہ تو اللہ تعالیٰ ایک دن میں مہیا کر دے گا۔

ایک روز چندہ کی پیش کش کرنے والے ایک صاحب سے بڑے استغنا اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا کام کروں گا تو اللہ اس عمارت کو (دار الاقامۃ کی طرف اشارہ کر کے) سونے چاندی کی بنا دیگا۔

سفروں میں خواہ کیسے ہی تھک کر چور ہو گئے ہوں نوافل کے لئے تازگی اور توانائی پیدا ہو جاتی، فرماتے تھے میرا تکان نماز سے دور ہوتا ہے، ایسا ہوا ہے کہ پہاڑ کی چڑھائی عبور کر کے اوپر پہونچے ہیں، لوگ بیدم ہو کر آرام کے لئے پڑ گئے اور مولانا نے نفل کی نیت باندھ لی۔ دن بھر کے تھکے ہوئے اور رات کے جگے ہوئے ہیں۔ مغرب کے بعد دیکھئے تو اوابین پڑھ رہے ہیں اور کئی کئی پارے اس نشاط کے ساتھ پڑھ رہے ہیں گویا تازہ دم ہیں۔

باب ہشتم

مولانا کی دعوت کا ذہنی پس منظر

اس کے اصول و مبادی اور اس کی ذہنی فکری اساس

مسلمانوں میں ایمان و یقین کے تنزل کا احساس

جس مبارک دینی ماحول میں مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی عمر کا ابتدائی حصہ گذرا تھا، اس کی مخصوص دینی و روحانی فضا کی وجہ سے بمشکل اس بات کا احساس ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں سے ایمان و یقین کی دولت سرعت کے ساتھ نکلتی جا رہی ہے۔ دین کی طلب اور قدر سے تیزی کے ساتھ دل خالی ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس ماحول میں چونکہ صرف خواص اہل دین اور اہل طلب سے واسطہ پڑتا تھا، اس لئے مسلمانوں کی دین سے بڑھتی ہوئی بے نیازی اور اس کی ناقدری بلکہ اس کی تحقیر کا کوئی عملی تجربہ اور احساس نہ ہونا بے موقع نہ تھا۔ وہاں رہ کر یہی تصور ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کی دعوت و تبلیغ اور دین کی ابتدائی جدوجہد کی منزل سے آگے بڑھ چکی ہے اور اب صرف مدنی زندگی کے تکمیلی مشاغل کی ضرورت ہے۔ اس لئے وہاں رہ کر مدارس دینیہ کے قیام و اہتمام، کتاب و سنت

کی اشاعت، درسِ حدیث، دینی تصنیف وتالیف، قضا وافتا، رد بدعات اہل باطل سے مناظرہ واحقاق حق اور سلوک وتربیت باطنی کے علاوہ کسی اور طرف ذہن کا منتقل ہونا بہت مشکل تھا۔ وہاں کام کی نوعیت یہ تھی کہ گویا زمین ہموار وتیار ہے اس پر پودے لگانا اور درخت بٹھانا ہے اور یہ بات وہاں کے حالات کے لحاظ سے کچھ غلط نہ تھی کہ اس محدود حلقہ میں بزرگانِ دین کی کوششوں سے یقیناً زمین تیار ہو چکی تھی اور دین کے باغات سرسبز تھے۔

اس ماحول کا طبعی تقاضا یہ تھا کہ آپ بھی انھیں شعبوں میں سے کسی شعبہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنی خدا داد استعداد وصلاحیت سے اس میں کمال پیدا کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں آپ کی خاص رہنمائی فرمائی اور آپ کی بصیرت پر یہ حقیقت منکشف کی کہ جس سرمایہ کے اعتماد پر یہ سارا جمع خرچ ہے وہ سرمایہ ہی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا جارہا ہے، جس زمین پر دین کے یہ درخت نصب کرتے ہیں وہ زمین ریت کی طرح پاؤں کے نیچے سے کھسکتی جارہی ہے، امہات عقائد میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اور بڑھتا جارہا ہے اور خود مولانا کے گہرے الفاظ میں "امہات عقائد میں امہات ہونے کی شان نہیں رہی ان میں بنات عقائد (ضمنی وفروعی عقائد) کی تربیت و پرورش کی طاقت نہیں رہی"۔ خدا کی خدائی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا یقین کمزور ہوتا چلا جارہا ہے۔ آخرت کی اہمیت کم ہوتی جارہی ہے۔ خدا کی بات کا وقار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا وزن اور دین وشریعت کا احترام کم ہورہا ہے۔ اجر وثواب کا شوق (ایمان واحتساب) دل سے اٹھتا جارہا ہے۔

زندگی کے رخ کی تبدیلی | یہ انکشاف اور ادراک اس وضاحت اور قوت کے ساتھ ہوا

کہ اس سے مولانا کی زندگی کا رُخ بالکل ہی تبدیل ہو گیا اور طریق کار اصولی طور پر بدل گیا، آپ کی زندگی بھر کی جد وجہد اور دعوت و تحریک کی بنیاد در اصل اسی امر واقعی کا ادراک تھا کہ مسلمانوں میں دین کی بنیاد متزلزل ہیں ہے اور اصل کام اسی کا استحکام ہے آپ کی ساری جد وجہد کا محور و مرکز یہی خیال جس نے آپ کی توجہ و دلچسپی کو ہر رُخ سے ہٹا کر اسی ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کو ایک خط میں اپنی اس تحریک کا مقصد اس طرح تحریر فرماتے ہیں :۔

"نماز روزہ، قرآن، انقیادِ مذہب اور اتباع سنت کا نام لینے اور ان چیزوں کا تذکرہ کرنے سے ان چیزوں کے ساتھ عالم اسلام میں تمسخر اور مضحکہ اور استخفاف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رہتا، امور مذکورہ کی حرمت و عظمت کی طرف دعوت دینے ہی پر اس تبلیغ کی تحریک کا مدار ہے اور یہی اس کی بنیاد ہے کہ استخفاف سے تعظیم کی طرف نصاریٰ عالم کے انقلاب کی کوشش کی جائے۔"

مسلمانوں میں دینی طلب و قدر کا فقدان

آپ نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ایسی حالت میں کہ مسلمانوں میں ایمان و یقین رو بہ تنزل ہیں، دین کی قدر و عظمت دلوں سے اُٹھتی جا رہی ہے، عام مسلمان دین کی ابتدائی اور بنیادی چیزوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، لہٰذا ان تکمیلی شعبوں کا قیام جو دین کے جڑ پکڑ جانے کے بعد کی چیزیں ہیں ذرا قبل از وقت باتیں ہیں۔ طبائع اور رجحانات کے سیلاب کے رخ کو خداداد فراست و بصیرت سے پہچان کر آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ نئے دینی اداروں کا قیام تو الگ رہا، پرانے اداروں اور دینی مرکزوں کی زندگی بھی ایسی حالت میں خطرہ سے باہر

نہیں، اس لئے کہ وہ رگیں اور شرائین جن سے ان میں خونِ زندگی آتا تھا مسلمانوں کے جسم میں برابر خشک ہوتی جارہی ہیں، ان کی طلب اور ان کی ضرورت کا احساس اور ان کے قائم ہوجانے کے بعد ان کی قدر اور ان کے خدمت گزاروں کی خدمات کا اعتراف ختم ہورہا ہے۔ شیخ حاجی رشید احمد صاحب کے نام (جو متعدد مرکزی دینی مدارس کے معاون اور رکن ہیں) ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اب سے پندرہ برس پہلے اپنی کوتاہ نظر سے لیکن اللہ کی دی ہوئی بصیرت سے میں نے اہل وفا کے طبائع کے سیل کو بھانپ لیا تھا اور یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ رفتار مکاتب اور مدارس کی جو چل رہی ہے یعنی لوگوں کا میلان اور ان کی رغبت (جس کی وجہ سے مکتبوں اور مدرسوں میں مخلصانہ کوشش کرنے والے کھڑے ہوتے ہیں اور چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں) یہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ اس کا مسدود ہے۔"

آپ نے ان دینی مدارس کے عین مرکزوں میں رہ کر اپنی ذکاوت حس اور فراست ایمانی سے یہ بھی محسوس کرلیا تھا کہ علوم دینیہ، دنیا طلبی کی وجہ سے اور ایمان و اجر طلبی کی کمی کی وجہ سے ان طلبہ کے لئے غیر نافع بلکہ ان کے لئے وبال اور رجعت بنتے جارہے ہیں اور دوسری طرف عام مسلمانوں کی عدم توقیر اور احترام اور ناقدر دانی کی وجہ سے وہ علوم ضائع اور ان کے لئے قہر کا باعث ہوتے جارہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان مدارس کا نفع اور ان علوم کی برکت و تاثیر بھی روز بروز اٹھتی جارہی ہے۔

اسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ علوم جن اغراض کے لئے اور جن اثرات و منافع کیلئے

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جدوجہد

حاصل کیے جاتے ہیں ان علوم کے ساتھ وہ اغراض وابستہ نہ رہنے کے باعث علوم بیکار ہوتے چلے جاتے ہیں، اب علوم سے وہ منافع اور اغراض حاصل نہیں ہوتے جن کی وجہ سے علوم کی توقیر اور تحصیل تھی۔ ان دو باتوں پر نظر کرتے ہوئے میں نے اس طرز کی طرف اپنی توجہ کو متوجہ کیا۔"

مولانا مدارس دینیہ کے وجود کو مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے، اور اس سایۂ رحمت کے مسلمانوں کے سروں سے اُٹھ جانے کو موجب وبال اور قہر سمجھتے تھے، لوگوں کی ناقدردانی اور غفلت سے دینی مدارس اور مکاتب کی ایک بڑی تعداد میوات میں معطل ہو گئی تھی، حاجی صاحب کو اسی خط میں اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرانے میں آپ ہمت فرماویں کہ سیکڑوں مدرسوں کا سست پڑ جانا یا بند ہو جانا اہل زمانہ کے لیے نہایت وبال اور نہایت بازپرس کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کا کوئی درد نہ ہو یہ سب باتیں خطرناک ہیں۔"

لیکن مولانا سمجھتے تھے کہ ان مدارس کا وجود و قیام اس زمین پر ہے جو ہمارے اسلاف تیار کر گئے تھے، اصل دین کی تبلیغ اور جدوجہد کی بدولت مسلمانوں میں دین کی جو طلب اور قدر پیدا ہو گئی تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس دین کو اپنی نئی نسل میں پیدا کرنے کے لئے اور اس کو دنیا میں قائم و باقی رکھنے کے لئے دیندار مسلمانوں نے جا بجا مکاتب و مدارس قائم کئے اور ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھا، اس بچی کھچی طلب اور قدر کا نتیجہ ہے کہ ابھی تک یہ مدارس چل رہے ہیں اور ان کو طالب علم مل رہے ہیں

لیکن اس سرمایہ طلب میں برابر کمی آرہی ہے اور اضافہ نہیں ہو رہا ہے، یہ صورتِ حال دین کے مستقبل اور دینی اداروں کے وجود و بقا کے لئے سخت تشویشناک ہے جس ذخیرہ اور اندوختہ میں برابر کمی ہو اور اضافہ کبھی نہ ہو (خواہ کمی روزانہ ایک قطرہ کی ہو) وہ اگر سمندر بھی ہو تو ایک روز خشک ہو جائے گا۔

طلب و احساس کی تبلیغ مولانا کو اس کا پوری شدت سے احساس ہوا کہ اس وقت سب سے مقدم اور ضروری کام، طلب کی تبلیغ اور مسلمانوں میں اپنے مسلمان ہونے کا احساس پیدا کرنا ہے اور یہ کہ دین سیکھے بغیر نہیں آتا اور دنیا کی ہنروں سے زیادہ اس کے سیکھنے کی ضرورت ہے، یہ احساس اور طلب اگر پیدا ہو گئی تو باقی مراحل و منازل خود طے ہو جائیں گے اس وقت کے مسلمانوں کا عمومی مرض بے حسی اور بے طلبی ہے۔ لوگوں نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے کہ ایمان تو موجود ہی ہے اس لئے ایمان کے بعد جن چیزوں کا درجہ ہے ان میں مشغول ہو گئے۔ حالانکہ سرے سے ایمان پیدا کرنے ہی کی ضرورت باقی ہے۔

قرونِ اولیٰ کے مقابلہ میں تعلیم و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح میں ایک عظیم تغیر یہ ہوا کہ ان کا دائرہ طالبین کے لئے محدود ہو کر رہ گیا، اہل طلب کے لئے تعلیم و اصلاح اور ہدایت و ارشاد کا پورا نظام اور اہتمام تھا، لیکن جن کو اپنے مرض کا احساس ہی سرے سے نہیں اور جو طلب سے خالی ہیں ان کی طرف سے توجہ بالکل ہٹ گئی، حالانکہ ان میں طلب کی تبلیغ کی ضرورت تھی، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت سارا عالم مستغنی اور سود و زیاں سے بے پروا ہوتا ہے، یہ حضرات انھیں میں طالب پیدا کرتے ہیں اور کام کے آدمی حاصل کر لیتے ہیں، بے طلبوں اور بے حسوں میں طلب و احساس پیدا کرنا ہی اصل تبلیغ ہے۔

طریق کار: اس احساس و طلب دین اور اسلام کے اصول و مبادی کی تلقین کا ذریعہ کیا ہے؟

اسلام کا کلمہ طیبہ ہی اللہ کی رسی کا وہ سرا ہے جو ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہے، اسی سرے کو پکڑ کر آپ اسے پورے دین کی طرف کھینچ سکتے ہیں، وہ کش مکش نہیں کر سکتا، مسلمان جب تک اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اس کو دین کی طرف لے آنے کا موقع باقی ہے اس موقع کے (خدانخواستہ) نکل جانے سے پہلے اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہئے۔

اب مسلمانوں کی اس وسیع اور منتشر آبادی میں دین کا احساس و طلب پیدا کرنے کا ذریعہ یہی ہے کہ ان سے اس کلمہ ہی کے ذریعہ تقریب پیدا کی جائے اور اسی کے ذریعہ خطاب کیا جائے۔ کلمہ یاد نہ ہو تو کلمہ یاد کرایا جائے، غلط ہو تو اس کی تصحیح کی جائے کلمہ کے معنی و مفہوم بتائے جائیں اور سمجھایا جائے کہ خدا کی بندگی و غلامی اور رسول ؐ کی تابعداری کا اقرار ان سے کیا مطالبہ کرتا ہے، اس طرح ان کو اللہ و رسول کے احکام کی پابندی پر لایا جائے۔ جن میں سے سب سے عمومی، سب سے مقدم اور سب سے اہم نماز ہے جس میں اللہ نے یہ قابلیت رکھی ہے کہ وہ سارے دین کی استعداد و قوت پیدا کر دیتی ہے جس بندگی کا کلمہ میں اقرار تھا، اس کا یہ پہلا اور سب سے کھلا ثبوت ہے، پھر اس شخص کی مزید ترقی اور استحکام کے لئے اس کو اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور اس تعلق کو بڑھانے کی طرف متوجہ کیا جائے اور اللہ کو زیادہ یاد رکھنے اور یاد کرنے کی ترغیب دی جائے، نیز یہ بات اس کے ذہن نشین کی جائے کہ مسلمانوں کی طرح زندگی گزارنے کے لئے اللہ کی مرضی و منشا اور اس کے احکام و فرائض معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

دنیا کا کوئی ہنر اور کوئی فن بے سیکھے اور کچھ وقت صرف کئے بغیر نہیں آتا، دین بھی بے طلب کے نہیں آتا، اور اس کو آیا ہوا سمجھنا غلطی ہے، اس کے لئے اپنے مشاغل

سے وقت نکالنا ضروری ہے۔

یہ کام اتنا بڑا اور اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اس کے لئے چند افراد اور چند جماعتیں کافی نہیں، اس کے لئے عام مسلمانوں کی مسلمانوں میں کوشش کرنے کی ضرورت ہے اس لئے کہ بقول مولانا محمد الیاس صاحبؒ "اگر کروڑوں کے واسطے لاکھوں نہیں اٹھیں گے تو کس طرح کام ہوگا۔ نہ جاننے والے جتنے کروڑ ہیں، جاننے والے اتنے لاکھ نہیں"۔

مولانا کے نزدیک اس کے لئے عالم اسلام میں ایک عمومی اور دائمی حرکت و جنبش کی ضرورت ہے، اور یہ حرکت و جنبش مسلمانوں کی زندگی میں اصل اور مستقل ہے، سکون و وقوف اور دنیا کا اشتغال عارضی ہے، دین کے لئے اس حرکت و جنبش پر مسلمانوں کی جماعت کی بنیاد رکھی گئی اور یہی ان کے ظہور کی غرض و غایت ہے (کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر و تؤمنون باللہ) ورنہ دنیا کے سکون و دنیاوی انہماک، کاروبار کی مصروفیت اور شہری زندگی کے کسی ضروری شعبہ میں کوئی ایسی کمی نہ تھی جس کی تکمیل کے ایک نئی اُمت کی ضرورت ہو۔

مسلمانوں نے جب سے اس جماعتی زندگی اور اصلی کام کو چھوڑ دیا یا ثانوی درجہ دیدیا اس وقت سے ان کا انحطاط شروع ہوگیا اور جب سے ان کی زندگی میں سکون و استقرار اور پرسکون و مصروف شہری زندگی کی کیفیات و خصوصیات پیدا ہوگئیں ان کا وہ روحانی زوال اور اندرونی ضعف شروع ہوگیا جس کا عنوان خلافت راشدہ کا خاتمہ ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے ہیں اور تاریخ ان کے لفظ لفظ کی تائید کرتی ہے اور ان کے ہر دعوے پر شہادتیں پیش کرتی ہے۔

ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی اذان کے لئے نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔ مکہ کے زمانہ میں مسلمین کی مقدار افراد کے درجہ میں تھی تو ہر فرد مسلم ہونے کے بعد بطور فردیت و شخصیت کے منفرداً دوسروں پر حق پیش کرنے کے لئے کوشش کرتا رہا۔ مدینہ میں اجتماعی اور متمدن زندگی تھی، وہاں پہنچتے ہی آپ نے چہار طرف جماعتیں روانہ کرنی شروع کردیں اور جو بڑھتے گئے وہ عسکریت کی طرف بڑھتے گئے، سکونی زندگی صرف انھیں کو حاصل تھی جو پھرنے والوں کے لئے فیۂ (مرجع) اور پھرتے رہنے کا ذریعہ بن سکیں۔ غرض پھرنا اور دین کے لئے جد وجہد اور نقل وحرکت میں رہنا اصل تھا جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہو گئی۔"

نظام کار اس کام کے لئے جب مسلمانوں کی جماعتیں نقل وحرکت میں آجائیں تو ان کے کام کا نظام کیا ہوگا، اور ترکیب کیا ہوگی؟ کس چیز کی اور کتنی چیزوں کی دعوت دی جائے گی؟ اس کا جواب مولانا ہی کے الفاظ میں سنئے:۔

"اصل تبلیغ صرف دو امر کی ہے باقی اس کی صورت گری اور تشکیل ہے، ان دو چیزوں میں ایک مادی ہے اور ایک روحانی، مادی سے مراد جوارح سے تعلق رکھنے والی سو وہ تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی باتوں کو پھیلانے کے لئے ملک بہ ملک و اقلیم بہ اقلیم جماعتیں بنا کر پھرنے کی سنت کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائیدار کرنا ہے، روحانی سے مراد جذبات کی تبلیغ یعنی حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈالنا جس کو اس آیت میں ارشاد فرمایا:۔

فلا وربك لا يؤمنون	قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان دار
حتی یحکموك فیما شجر	نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے
بینھم ثم لا یجدوا	آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ
فی انفسھم حرجاً مما	آپ سے تصفیہ کرا دیں پھر آپ کے تصفیہ
قضیت ویسلموا تسلیما	سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پادیں اور پورا
(النساء ۹۶)	پورا تسلیم کرلیں۔
وما خلقت الجن والانس	اور میں نے جن وانس کو اسی واسطے پیدا
الا لیعبدون (الذاریات ۴۶)	کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

یعنی اللہ کی باتوں اور اوامر خداوندی میں جان کا بے قیمت اور نفس کا ذلیل ہو جانا

۱۔ نکلنے کے وقت حضورؐ کی لائی ہوئی چیزوں میں جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس میں اسی کی حیثیت سے کوشش کرنا۔ اس وقت بدقسمتی سے ہم کلمہ تک سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اسی کلمہ طیبہ کی تبلیغ ہے جو کہ خدا کی خدائی کا اقرارنامہ ہے یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ درحقیقت ہمارا کوئی بھی مشغلہ نہیں ہوگا۔

۲۔ کلمہ کے لفظوں کی تصحیح کرنے کے بعد نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے اور نمازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جیسی نماز بنانے کی کوشش میں لگے رہنا۔

۳۔ تین وقتوں کو (صبح وشام اور کچھ حصہ شب کا) اپنی حیثیت کے مناسب تحصیل علم وذکر میں مشغول رکھنا۔

۴۔ ان چیزوں کو پھیلانے کے لئے اصل ذریعۂ محمدی سمجھ کر نکلنا یعنی ملک بہ ملک رواج دینا۔

۵۔ اس پھرنے میں خُلق کی مشق کرنے کی نیت رکھنا، اپنے فرائض (خواہ خالق کے ساتھ متعلق ہوں یا خلق کے ساتھ) کی ادائگی کی سرگرمی، کیونکہ ہر شخص سے اپنے ہی متعلق سوال ہوگا۔

۶۔ (تصحیح نیت) یعنی ہر عمل کے بارہ میں اللہ نے جو وعدے وعید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل کے ذریعہ اللہ کی رضا اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کی کوشش کرنا۔

اس زمانہ کا ایک بڑا فتنہ جو ہزاروں خرابیوں اور فسادات کا سرچشمہ ہے اور جس نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی خوبیوں سے محروم اور اسلام کو مسلمانوں کی مجموعی خوبیوں اور کمالات سے بہت کچھ محروم کر دیا ہے مسلمانوں کی تحقیر ہے، ہر مسلمان نے گویا ایک کلیہ کے طور پر طے کر رکھا ہے کہ اس کی ذات مجموعۂ محاسن اور دوسرے مسلمان کی ذات مجمع معائب ہے اس لئے وہ خود لائق تسلیم وتعظیم اور دوسرا لائق تنقید وتحقیر ہے، یہ ذہنیت، یہ طرز عمل ان تمام فتنوں کا اصلی سبب ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی اور مذہبی زندگی میں رونما ہوئے اور جن سے آج مسلمان پریشان ہیں۔

یہ خدا کی بڑی توفیق اور دستگیری تھی کہ اُس نے اس بارہ میں مولانا کو خاص توفیق بخشی، انھوں نے اکرام مسلم کو اپنی تحریک کے اصول وارکان میں خاص جگہ دی اس تحریک کی نوعیت اور ساخت ایسی ہے۔ ہر قسم کے مسلمانوں سے اس سلسلہ میں اتنا سابقہ اور معاملہ پڑتا ہے اور اتنے دشوار مرحلے پیش آتے ہیں کہ اگر اس اصول کی

پابندی نہ ہو اور اس کے مطابق ذہنی اور اخلاقی تربیت نہ ہوئی ہو تو ہزاروں فتنے اس سے اٹھ سکتے ہیں اور خود مولانا کے قول کے مطابق جو فتنے صدیوں میں آتے اس تحریک کو بے اصولی کے ساتھ لے کر کھڑے ہونے اور خلاف اصول کام کرنے سے ہفتوں اور دنوں میں پیش آجائیں گے۔

مولاناؒ نے اس ترتیب کو کہ "اپنی ذات کو آدمی مجموعۂ محاسن اور دوسرے کی ذات کو مجموعۂ معائب سمجھے" (جس کا اس زمانہ میں رواج ہے) اس طرح بدل دیا ہے کہ "اپنے عیوب اور کوتاہیوں پر نظر رکھے اور دوسرے کے محاسن اور ہنر پر، اس کے ان محاسن سے منتفع ہونے کی کوشش کرے، اس کے عیوب اگر کچھ نظر آئیں تو ان کی پردہ پوشی کرے اور اس کے محاسن کو ان عیوب پر غالب اور فتح مند کرنے کی کوشش کرے" یہ تمام فتنوں کا سدباب اور تمام امراض کا علاج ہے۔ اپنے ایک گرامی نامہ میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا:۔

"کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں ہے کہ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو، ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں، اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جاوے مگر دستور اس کے خلاف ہے"۔

مولانا نے نظری طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر (اور سب سے پہلے اپنے عمل سے) میواتیوں اور تبلیغی کارکنوں کے دل میں کلمہ کی اتنی توقیر اور کلمہ گو کا ایسا احترام بٹھا دیا کہ اکرام مسلم

ان کی زندگی کا جزو اور ان کی طبیعت بن گیا، مولانا نے ان کو اس کا عادی بنا دیا کہ ہر فاسق و فاجر مسلمان سے معاملہ کرتے وقت اور عین تبلیغ کے موقع پر ایمان کی اس چنگاری پر نظر رکھیں جو ہر مسلمان کے دل کی خاکستر میں دبی ہوئی ہے اور اس کو مشتعل کرنے کی کوشش کریں، اس کے امتی ہونے کی اس نسبت کا لحاظ کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہے۔

مولانا نے گویا ان کو وہ خوردبین عطا کر دی جس سے وہ ذرۂ ایمان کو بھی بڑی جسامت کے ساتھ دیکھ سکیں۔

اس رکن کے اضافہ سے یہ تحریک بہت سے فتنوں اور ان شرور و آفات سے محفوظ ہو گئی جو حریف برادریوں میں پھرنے اور نئے نئے شہروں اور مجمعوں میں جانے اور اپنی بات پیش کرنے سے پیش آ سکتی تھیں۔

ذکر کی پابندی علم میں اشتغال، لایعنی و بیکار باتوں سے اجتناب، امیر کی اطاعت اور جماعتی نظام کے ساتھ اس کام کو کرنے کی تاکید نے ان دوسرے فتنوں اور خرابیوں سے محفوظ کر دیا جو ان شرائط و اوصاف کے بغیر دوسروں کی اصلاح تادیب اور ارشاد و تبلیغ کا کام کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔

دینی کاموں کے لئے زمین ہموار کرنے کی ضرورت

مولانا کے نزدیک زمینِ مذہب، ایمان اور اصول دین ہیں اور ان کی تبلیغ اور ان کو مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے نقل و حرکت ملک بہ ملک پھرنا اور ان کو عمومی رواج دینے کے لئے جدوجہد (جس کا طریق کار اوپر بیان ہوا) زمین ہموار کرنے اور اس کو سیراب کرنے کے مرادف ہے، باقی دینی ادارے، دین کے شعبے اور مسلمانوں کی دینی زندگی کے دوسرے مظاہر و مناظر یہ

باغات کا حکم رکھتے ہیں جو اس زمین پر لگائے جا سکتے ہیں، اور اس زمین کی زرخیزی وشادابی اور خدمت وجد وجہد کے بقدر سرسبز اور بارآور ہوں گے، اس لئے پہلی اور سب سے بڑی ضرورت زمین ہموار اور تیار کرنے کی ہے۔

مولانا نے میوات کے چند دیندار وں کے نام ایک خط تحریر فرمایا تھا جس میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی تھی۔

"دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب (دینی امور) کے لئے تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ ملک بہ ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا) بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں، باغات کے ہزاروں اقسام ہیں کوئی کھجوروں کا ہے، کوئی اناروں کا ہے، کوئی سیبوں کا، کسی میں کیلے ہیں اور کوئی پھلواریوں کا باغ ہے۔ باغ ہزاروں چیزوں کے ہو سکتے ہیں لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا۔ زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کئے بغیر یا زمین میں کوشش کر کے خود ان باغات کی مستقل پرورش کئے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پا سکتے، سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے اور سب ادارے باغ ہیں، اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہو رہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا۔"

مولانا کے نزدیک اس زمین کی درستی اور اس بنیاد کے استحکام سے پہلے کسی

بعد کی چیز میں مشغول ہو جانا اور اس میں اپنی قوت و ہمت کو صرف کرنا اور اس سے اچھے نتائج کی امید کرنا غلطی تھی۔

ایک گرامی نامہ میں اپنے اس خیال کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:۔

"جس قوم کی پستی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتدا سے درستی کئے بغیر انتہائی کی درستی کے کب قابل ہوسکتی ہے، انتہا ابتدا کے درست ہوئے بغیر نہیں ہوسکتی اس لئے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دئے۔ ابتدا درست ہو کر راستہ پر پڑ جائیں گے تو انتہا پر خود بھی پہونچ جائیں گے اور ابتدا کے بگڑے ہوئے انتہا کی درستی کا خیال ہوس اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہیں"

ایک زمانہ میں میوات میں بعض اختلافی مسائل پر مناظروں کا سلسلہ شروع ہوا اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے ان کی طرف متوجہ ہوئے، اس موقع پر مولانا نے اہل میوات کو ایک خط لکھا جس میں ہدایت فرمائی۔

"تمام ملک کی جامع مسجدوں اور مجمعوں میں اس مضمون کی اشاعت کا اہتمام کر لیا جائے کہ جو قوم کلمہ طیبہ اور زمانہ کے اندر کی چیزوں کی تصحیح اور کلمہ شہادت کے مضمون پر اب تک پوری طرح سے مطلع نہ ہوئی ہو۔ جو اسلام کی بنیادی چیز ہے تو بنیادی چیز کو چھوڑ کر اوپر کی چیز میں مشغول ہونا سخت غلطی ہے اوپر کی چیز بغیر بنیادی چیز کے صحیح ہوئے درست نہیں ہوا کرتی"[1]

تحریک ایمان | اسی بنا پر آپ اپنی اس دعوت و تبلیغ کو (جو مسلمانوں میں ایمان

[1] مکتوب بنام جناب حکیم رشید احمد و مولوی نور محمد صاحبان۔

پیدا کرنے اور اصول دین کا رواج دینے کے لئے تھی) تحریک ایمان سے موسوم کرتے تھے اور مذہب کے بقا کے لئے اس کو ایسا ضروری سمجھتے تھے کہ اس کے لئے ہر قربانی اور ہر طرح کی قدر دانی کو صحیح سمجھتے تھے۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہماری یہ تحریک ایمان جس کی حقانیت کو اہل جہاں تسلیم کر چکے ہیں اس کے عمل میں آنے کی صورت بجز اس کے کہ ہر آدمی لاکھ جان کے ساتھ قربان ہونے کو تیار رہو اور کوئی ذہن میں نہیں آتی۔"[۱]

"وہ مضمون یعنی مضمون تبلیغ بعنوان دیگر اس خاص طریق کے ساتھ اشاعت اسلام کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا ایک ضروری ولازمی فریضہ ہے جس کی طرف مسلمانوں کو توجہ کرنی فرض اور لازمی ہے اور جو بے شک وشبہ دیگر طرق مروجہ کی نسبت اصلی طریقہ نبوی کے زیادہ اشبہ واقرب ہے۔"[۲]

غافلوں اور بے طلبوں کو دعوت اور یہی سمجھتے ہوئے کہ ایمان اور اصول دین سے وابستگی ہی زمین مذہب جس پر اس کے سارے باغات، اور عمارتوں کا دارومدار ہے اور دین کی طلب اور قدر ہی وہ پونجی اور راس المال ہے جو تمام منافع اور ترقیوں کی اصل ہے، آپ نے اپنی توجہ دین کے تمام بعد کے شعبوں اور تکمیلی کاموں سے ہٹا کر بالآخر اسی بنیادی اور اصلی کام پر مرکوز کرلی اور اس میں کامل یکسوئی پیدا کرلی، آپ کو ان شعبوں کے سراسر خیر اور حق ہونے میں ذرہ برابر کلام نہیں تھا اور ان کی خدمت کرنے والوں کی دل میں بڑی قدر اور عظمت تھی اور اُن کے لئے دعا گو رہا کرتے تھے لیکن تجربہ کے بعد اپنے متعلق طے کر چکے تھے کہ اب صرف اسی کام سے اشتغال رکھیں گے

---

[۱] مکتوب بنام مولوی سلیمان صاحب میواتی۔ [۲] مکتوب دیگر

اور بقول خود اپنے سرمایۂ درد، سرمایۂ فکر اور خدا کی دی ہوئی قوت کو اس کے سوا کہیں اور صرف نہیں کریں گے۔

آخری مرض ہی میں ایک روز مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے آپ نے فرمایا

"شاہ صاحب! میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا (یعنی مدرسہ میں درس دیا) تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے، میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم مولوی بننے ہی کے لئے مدرسہ آتے ہیں۔ مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل وہی ہوں گے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں کوئی طب پڑھ کر مطب کرے گا کوئی یونیورسٹی کا امتحان دے کر اسکول کالج میں نوکری کرے گا، کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہے گا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل ہٹ گیا۔

اس کے بعد ایک وقت آیا جب کہ میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی اللہ کا کرنا۔ آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی کے ساتھ حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کہ کچھ اصحاب احوال اور ذاکر شاغل لوگ پیدا ہو جائیں پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہو جائے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لئے آئے

کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے، کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرائے۔ اور زیادہ سے زیادہ ان کے ذریعہ بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں بخشی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص طور سے غافلوں بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس ہماری تحریک یہی ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں۔ یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو جو اس کے شایان شان ہے۔"[1]

آخر دور میں کبھی کبھی حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کا یہ مقولہ نقل کرتے تھے جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں نقل کیا ہے:۔

اگر من شیخی کنم ہیچ شیخ در عالم مرید	اگر میں پیری مریدی کروں تو کسی پیر کو دنیا
نیابد اما مرا کارِ دیگر فرمودہ اند	میں مرید نہ ملے لیکن میرے سپرد ایک دوسرا
آں ترویج شریعت و تائید ملت	ہی کام ہے اور وہ شریعت کو رواج دینا
است۔	اور دین کو قوت بخشنا ہے۔

مجدد صاحب اس کی تفصیل فرماتے ہیں:۔

[1] رسالہ الفرقان ماہ رجب و شعبان ۱۳۶۳ھ

لاجرم بصحبت سلاطین می رفتند و	چنانچہ آپ بادشاہوں کی صحبت میں
بتصرف خود ایشاں را منقاد می ساختند	تشریف لے جاتے اور اپنے اثر سے ان کو
و بتوسل ایشاں ترویج شریعت	مطیع بناتے اور ان کے ذریعہ شریعت
می فرمودند۔ (مکتوب شصت و پنجم)	کو رواج دیتے۔ (مکتوب ۶۵)

مولانا نے اپنے کو اس کام کے لئے اتنا یکسو کر لیا کہ اگر کسی نے کسی اور بات کی فرمائش کی یا مشغول کرنا چاہا تو معذرت کی، ایک دوست .... کو جنھوں نے تعویذ کی فرمائش کی تھی تحریر فرمایا۔

"بھائی اللہ تمھیں خوش رکھے، میں تعویذ گنڈے جھاڑ پھونک نہیں جانتا میں نے نہیں سیکھے، مجھ سے اگر مذہب پر مضبوط ہونے کے واسطے تبلیغ سیکھو تو سب سے زیادہ مفید ہے، دنیا کی زندگی کو سہل کردے اور مرنے کے بعد کی زندگی کو تروتازہ رکھے، تبلیغ میں مشغول رہنا چاہتا ہوں، جانتا یہ بھی نہیں"۔

ایک دوسرے خط میں ایک دوسرے طالب کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"تعویذ گنڈا کچھ نہیں جانتا، میرے یہاں ہر درد کا مرہم تبلیغ ہے۔ دین کے فروغ سے اللہ راضی ہوتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روضۂ اقدس میں ٹھنڈک پہونچتی ہے، جب اللہ کی رضا اور رسول کو راحت اور ٹھنڈک ہوگی تو اللہ ہر چیز کو خود بخود درست فرمائیں گے"۔

ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں :۔

"میرے دوست! نہ میں عامل ہوں نہ میں تعویذوں سے واقف ہوں نہ میں گنڈوں سے آشنا ہوں، ایک مسجد میں پڑا ہوا ناواقف آدمی ہوں

اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے اور اس کے کرم سے مرنے کے بعد کی زندگی درست کرنے کی کوشش کرنے والا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس مخلوق میں شامل کردیں جو حضور جیسی نعمتِ عظمیٰ سے فائدہ اُٹھا وے۔ بس اسی چیز میں لگا رہتا ہوں۔ اگر آپ کو یا آپ کے دوستوں کو اس چیز کی ضرورت ہو تو آپ توجہ کریں، ساتھ کوئی بات ہاتھ لگ جائے اور پلے پڑ جائے۔"

دین کی جڑ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت

آپ نے اس چیز کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا کہ دین کی جڑ کے خشک ہونے کی وجہ سے اس کی شاخیں اور پتیاں مرجھائی جا رہی ہیں، ارکان و فرائضِ دین کے اضمحلال کی وجہ سے نوافل، طاعات کی رونق و تازگی و شادابی رخصت ہو رہی ہے، اعمال کی نورانیت و مقبولیت کم ہو رہی ہے، دعاؤں اور اذکار و وظائف کی طاقت و تاثیر اُٹھتی جا رہی ہے۔ اس حقیقت کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:۔

"میرے حضرت! یہ وظیفہ وظائف اور یہ اللہ کی بارگاہ میں دعائیں اور دین کی لائن کی ہر چیز در حقیقت ایمان کی پگڈنڈیاں اور اس کے پھول پتے ہیں، جو نسا درخت اپنی جڑ سے سوکھ چکا ہو، اس کے پھول پتوں میں شادابی کہاں سے ہو سکتی ہے، اس واسطے اس بندۂ ناچیز کے نزدیک اس زمانہ میں نہ دعا کارگر ہے نہ کوئی عمل نہ وظیفہ بارآور ہے اور نہ کسی کی توجہ اور ہمت کارآمد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دین کے فروغ کی کوشش ترک ہو چکی ہو گی جس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کہتے ہیں، اُس وقت دعاؤں میں راتیں رو کر گزارنے والوں کی دعا مقبول نہیں ہونے کی ابواب رحمت بند ہو چکے ہوں گے۔ ابواب رحمت کھلنے کی کوئی صورت

نہ ہوگی، مسلم کا فروغ، اسلام کے فروغ کی کوشش میں لگنے کے اندر کے علاوہ ہرگز متصور نہیں، حق عزّ وجل نے مومن کے ساتھ رحمت کے ساتھ توجہ کرنے اور کرم و الطاف کے ساتھ برتاؤ کرنے کا ارادہ صرف اسی وقت فرما رکھا ہے کہ جب وہ اسلام کے فروغ میں ہو، اسلام کے فروغ میں اپنی سعی معروف کر رہا ہو۔"

دین کے اس روز افزوں انحطاط، ہندوستان میں اسلام کے زوال، عقائد و ارکان دین کے ضعف و اضمحلال اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی لادینیت اور مادہ پرستی نے مولانا کی حساس اور غیور طبیعت پر ایسا اثر کیا کہ ساری عمر وہ اس درد سے بے چین رہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو اُمت کی اس حالت سے جو اذیت پہونچ رہی ہے اس کو مولانا گویا حسّی طور پر اپنے قلب میں محسوس کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ایک نہ مٹنے والی بے کلی اور خلش رہتی تھی، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رُوح پاک کو اپنی اس اسکیم کے زندہ ہوئے بغیر بے چین پا رہا ہوں اور اس وقت دنیا میں مذہب کی تازگی اور تمام دنیا کی اسلامی مخلوق کی بلاؤں اور آفات کا دفعیہ مجھے کھلی آنکھوں اپنی اس تحریک کی تازگی میں منحصر نظر آ رہا ہے اور بحمد اللہ جل جلالہ عم نوالہ کی طرف سے اسکی نصرت اور تائید کی کھلی آیات نظر آ رہی ہیں اور امیدیں بہت اچھی کامیابی کی سرسبزیوں سے شاداب ہیں۔ میں اس امر میں مبادرت و مسابقت کرنے والوں کے لئے خوش نصیبی اور سعادت کا بہت ہی بڑا حصہ نمایاں دیکھ رہا ہوں لیکن کھلی رغبت کے ساتھ مبادرت و مسابقت کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔"

دین کے درد کو مولانا ہر مسلمان کے لئے نہایت ضروری سمجھتے تھے، دین کے فروغ سے غفلت اور خالص دنیاوی انہماک سے ان کے نزدیک اللہ سے بعد اور آخرت کی روسیاہی اور شرمندگی کا قوی خطرہ تھا، دوستوں کو خط میں لکھتے تھے :۔

"اس بات کا ضرور یقین کرنا چاہئے کہ جو شخص اسلام کے مٹنے کا درد لئے ہوئے بغیر مرے گا، اس کی موت بدترین موت ہے، مذہب کے فروغ سے غفلت والا اور اپنی لذت اور دنیاوی زندگی میں مست رہنے والا قیامت کے دن روسیاہ اٹھے گا"۔

میرے دوستو! دین کی کوشش میں لگا ہوا شخص مرنے کے وقت تروتازہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرخ روئی سے منہ کرسکے گا اور محمدی دین سے غفلت میں مرنے والا روسیاہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منہ نہ کرنے کے قابل اور بری موت مرے گا۔ دین کے اندر کی کوشش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کا مرہم ہے۔ اتنی بڑی ہستی کے مرہم کا فکر نہ کرنا بڑی جہالت اور سخت بڑی بات ہے"۔

اور دین کے فروغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش اور اس کے لئے مناسب چیزوں میں حصہ لینے سے مولانا کو قیامت میں بڑی بڑی توقعات تھیں اور بڑے بڑے منظر ان کو دکھائی دیتے تھے۔ میوات کے ایک جلسہ کے موقع پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"جلسہ کی کامیابی کی کوشش کرنے والوں کو مژدہ سنادو کہ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ جب کہ باہمی جدال کے منظر کو اعلاء کلمۃ اللہ کی مجلس میں بدلنے کی کوشش کی ہے تو انشاء اللہ قیامت کے دن اس بڑے

مجمع میں جس میں اولین و آخرین جن وانس اور سب مخلوق انبیاء و ملائکہ کی جماعتیں ہوں گی تو یہ کارنامہ انشاء اللہ برسرِ منبر مذکور ہو گا، اللہ اس دن کی نیک نامی کے لئے ہمیں جانوں کا دینا اور مر مٹنا نصیب فرمائیں۔"

سیاست سے پہلے دعوت | مولانا دین کے تمام کاموں میں ایمان اور مذہب کے اصول و ارکان کے لئے جد و جہد اور تبلیغ و دعوت کو مقدم رکھتے تھے اور ان کے نزدیک انھیں چیزوں سے پورے دین کے اخذ کرنے اور پوری شریعت پر عمل کرنے کی قابلیت و قوت اُبھرتی ہے، اسی طرح عبادات کی درستی اور کمال سے اخلاق و معاملات و معاشرت کی درستی اور حکومت کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور دین کی دعوت کی کامیابی اور اُس میں پوری جد و جہد سے سیاست کی قابلیت اُبھرتی ہے، جس سیاست کی بنیاد دعوت پر نہیں ہے وہ سیاست بے بنیاد اور متزلزل عمارت ہے۔

سیاست سے یہاں ہماری مراد کسی کام کو قوت اور اقتدار سے اور کسی ضابطہ اور نظام کے ذریعہ کرانا ہے اور دعوت سے مراد محض تشویق و ترغیب اور کسی چیز کے منافع اور فضائل بتا کر اس پر شوق سے آمادہ کرنا ہے۔

مولانا کا ایک مستقل نظریہ بلکہ اسلامی تاریخ کا مولانا کے ذہن میں ایک خلاصہ تھا کہ امت سے صدیوں سے سیاست کی قوت و اہلیت سلب ہو چکی ہے، اب مدتوں پورے صبر و ضبط کے ساتھ دعوت کے اصول پر کام کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد مسلمانوں میں نظم و اطاعت کی قابلیت، اپنے نفس کے خواہشات اور اپنے مصالح و منافع کے برخلاف کسی ضابطہ اور قانون کی پابندی میں کام کرنے کی قوت پیدا ہو گی سیاست کی تھوڑی سی مقدار کے لئے دعوت کی بہت بڑی مقدار چاہیئے۔ دعوت

میں جس قدر کمزوری ہوگی اور جس قدر اس مرحلہ میں عجلت و تیز رفتاری سے کام لیا جائے گا، سیاست میں اسی قدر خامی جھول اور بھراؤ ہوگا، یا تو وہ سیاست وجود میں نہ آسکے گی یا وجود میں آجانے کے بعد اس کی عمارت زمین پر آرہے گی۔

واقعہ بھی یہی ہے، خلافت راشدہ کی قوتِ امر و نظم اور مسلمانوں کا ضبط و نظام اور تعمیل حکم کی قوت، نتیجہ تھی اس طویل دعوت کا جو نبوت کے پہلے سال سے شروع ہوکر خلافت راشدہ تک قایم رہی اور بعد کا ضعف اور جماعتی زوال نتیجہ تھا دعوت سے اس تغافل کا جو خلافت بنی اُمیہؔ اور بنی عباس میں پیدا ہوگیا تھا۔

مولانا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ایک فقرہ اکثر دہراتے تھے، جو آپ نے حضرت حسینؓ سے بطریق وصیت فرمایا تھا کہ اب اس امت کا کام بطریق دعوت ہوگا۔

مولانا نے کسی ایسی جماعت میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا جس کا کام محض ضابطہ و سیاست اور افسری و ماتحتی کے اصول سے ہوا ور آپ کے نزدیک موجودہ اختلافات، انتشار اور خرابیوں کا سبب ہی یہ تھا کہ دعوت سے پہلے سیاست شروع کردی گئی ہے اور دینی کام کو مغربی سیاست و تنظیم کے طریق سے کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔

اصلاح کے لئے ماحول اور فضا کی تبدیلی ضروری ہے

مولانا نے جس مبارک ماحول میں ابھی تک پرورش پائی تھی وہاں کی دینی غیرت و حمیت، عشق سنت اور جذبۂ حفاظت شریعت اس کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ منکر کو زندہ رہنے کی فرصت دی جائے اور کسی چھوٹے سے چھوٹے معروف کی ترویج میں بھی انتظار و تاخیر سے کام لیا جائے، اور حق یہ ہے کہ اسی دینی تصلب اور استقامت ہی کا نتیجہ ہے کہ اس دینی حلقہ کے اندر بیسیوں معروفات کا رواج ہوگیا، بیسیوں منکرات دب گئے اور متعدد مردہ سنتیں ان حضرات کی جدوجہد

اور قربانیوں سے زندہ ہوگئیں۔ فجزاھم اللہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

یہ حمیت دینی اور یہ عشق سنت مولانا کے خمیر میں تھا اور اس ماحول میں اس کی مزید پرورش اور استحکام ہوا۔

مگر اس ماحول سے بالکل مختلف اللہ تعالیٰ نے مولانا کی بصیرت پر یہ نکتہ منکشف فرمایا کہ منکرات کے مٹانے کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک ایک منکر کے مٹانے کے درپے ہوا جائے۔ ایک منکر کے مٹانے کے لئے بعض اوقات عمریں گذر جاتی ہیں اور وہ پھر بھی نہیں مٹتا، اگر وہ مٹ بھی جاتا ہے تو وہ صرف ایک مقامی اصلاح ہوتی ہے اور بعض اوقات ایک دوسرا منکر پیدا ہوجاتا ہے۔ دنیا میں اس وقت صدہا منکرات ہیں، عمریں ختم ہوجائیں تو بھی وہ سب نہیں مٹ سکتے۔

مولانا کے نزدیک صحیح طریقہ یہ تھا کہ ان منکرات سے بحالات موجودہ براہ راست تعرض نہ کیا جائے بلکہ ایمانی شعور اور دینی احساس کو بیدار کیا جائے اور معروفات کی تکثیر و ترویج کی جائے۔

مولانا مقامی و جزئی اصلاح کے قائل نہ تھے، وہ فرماتے تھے کہ دُور سے فضا بدلتے ہوئے اور معروفات پھیلاتے ہوئے آؤ یہ منکرات آپ اپنی جگہ بلا بغیر کسی جھگڑے کے مضمحل ہوجائیں گے، معروفات کو جتنا فروغ ہوگا منکرات کو زوال ہوگا۔

ایک سلیم الفطرت میواتی[1] نے جو مولینا کے خاص تربیت یافتہ ہیں مجھ سے کہا کہ ایک دن میں چھڑکاؤ کر رہا تھا سب طرف چھڑکاؤ کیا اور جہاں کھڑا تھا

---

[1] میاں جی داؤد

وہ جگہ خشک رہ گئی، سب طرف سے ٹھنڈی ہوائیں آئیں تو وہ جگہ خود بخود ٹھنڈی ہو گئی۔ اس وقت یہ نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ اگر میں نے اس جگہ چھڑکاؤ کیا ہوتا اور اس کے گرد و پیش خشک رہتا تو وہ جگہ بھی ٹھنڈی نہ ہوتی، اس وقت مولانا کا یہ اصول پورے طور پر سمجھ میں آیا۔

ایک گاؤں میں جہاں دین کے اثرات نہیں تھے، دین کے اثرات اور دین کی دعوت قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہونے کے لئے اسی طریقہ کے اختیار کرنے کی ایک خط میں ہدایت فرماتے ہیں :-

"ان کو براہ راست خطاب کرنا جب کہ خطاب کی ناقدری شروع کر دی ہو ٹھیک نہیں، اس کے پاس دو دو چار چار کوس کے جو جو گاؤں ہیں ان سب جگہوں کے میانجی صاحبان اور ٹھونڈون (سربر آوردہ لوگوں) کے حالات تحقیق کر کے ان کو جماعتیں لے جانے کی تاکید کریں اور اس عمومی کوشش سے انداز دیکھتے رہو، اس طرح ان کے اندر صلاحیت پیدا ہو جاوے گی اور پھر خطاب مفید ہوگا ورنہ پہلے سے بھی زیادہ خطرہ ہے۔

ہمیشہ آدمی ماحول کا اثر لیا کرتا ہے، یہ ہماری تبلیغ کا خلاصہ ہے۔ عام ہوا کا اور اپنے ماحول کا ہمیشہ آدمی اثر لیا کرتا ہے، اپنے ماحول کے خلاف جما دینا بڑا مشکل ہے، اس لئے زیادہ تر کوشش عام ہوا کے بدلنے میں رکھنی چاہیئے۔"[5]

مولانا اصل دین کی کوشش اور دین کے متفقہ علیہ اجزا کی اشاعت و ترویج کو اس زمانہ کے تمام فتنوں اور امراض کا علاج، سنتوں کے فروغ اور ہر دینی

---

[5] بنام میاں محمد عیسیٰ صاحب (فیروز پور نمک)

خیر و برکت کے پھیلنے کا سبب سمجھتے تھے، آپ کے نزدیک صحیح ترتیب یہ تھی کہ مسلمانوں کی پوری زندگی کو ایمان اور دین کے سایہ کے نیچے لانے کی کوشش کی جائے۔ اسی سے اس کی زندگی کی چول بیٹھے گی۔

ایک دوست کو تحریر فرماتے ہیں:-

"ہمت کو اصل دین کے لئے بلند رکھو، ہمت کو چست کرو، حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اس قدر سرسبز ہوگی کہ خیال و گمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور انشاء اللہ ایسی کھلی ترقی دیکھو گے کہ کوئی طاقت اس کا ادراک نہیں کرسکتی"۔

ایک دوسرے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میرے دوستو! اس میں کوشش کرلے سے سیکڑوں حضورؐ کی سنتیں زندہ ہوں گی اور ہر سنت پر سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، تم خود دیکھو کہ ایک شہید کا کتنا بڑا رتبہ ہے"۔

ایک دوست کو جو غالباً مسلمان اہل حرفہ و اہل صنعت کی دینی اصلاح و ترقی کے خواہش مند تھے۔ تحریر فرمایا:-

"اس بندۂ ناچیز کی نظر کے اندر وہ تبلیغ جس کے لئے آپ کو بھی بلایا تھا اور خود بھی کوشاں ہے اس کا منتہا دنیا کے مسلمانوں میں صنعت و حرفت و زراعت و تجارت کو شریعت کے ماتحت اور شریعت کے مطابق کرنا ہے تبلیغ کی ابجد اور الف، ب، ت عبادات سے ہے، اور عبادات کے کمال کے بغیر ہرگز معاشرت اور معاملات تک اسلامی امور کی پابندی نہیں پہنچ سکتی

سو مخلصین کی صحیح اسکیم یہ ہونی چاہئے کہ تبلیغ کی ابجد الف، ب، ت یعنی عبادات کو دنیا میں پھیلانے کی اسکیم شروع کرکے اس کے منتہا پر پہونچانے کی کوشش میں لگ جائیں، معاملات و معاشرت اور باہمی اخلاق کی صلاح و درستی کے ذریعہ سیاست نامہ تک رسائی ہوگی، اس کے سوا کسی جزئیات میں پڑجانا اپنے سرمایۂ درد کو شیطان کے حوالہ کردینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ می روی بترکستان است

ذکر و تعلم کا عمومی طریق اس تحریک کے اصول و ارکان میں ذکر و علم کے لفظ بار بار آئے ہیں، مولانا مسلمانوں کو اُن کی عام دعوت دیتے تھے لیکن مولانا کی تحقیق اور اصطلاح میں ذکر و علم کے خاص معنی ہیں، اس لئے ان کی مستقل تشریح کی ضرورت ہے کہ مولانا کی اصلاحی و تجدیدی دعوت کا یہ بہت اہم شعبہ ہے۔

سارے ہندوستان اور پورے عالم اسلام میں مدت سے ذکر و تعلم کی دو خاص اصطلاحیں اور ان کے دو اصطلاحی طریقے رائج ہیں، ذکر کے لئے مقرر اوراد و وظائف اور علم کے لئے کتابوں اور مدارس کا ایک مخصوص نظام ہے جس میں متعدد سال صرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ذکر و حصول علم کو رفتہ رفتہ ان دونوں دائروں میں اس طرح محدود کردیا گیا کہ ان دونوں طریق و نظام کے بغیر ذکر و علم کا حصول مستبعد اور تقریباً خارق عادت سمجھا جانے لگا۔

مولانا کی دعوت و تحریک کا دوسرا انقلابی و تجدیدی جزء یہ ہے کہ یہ دونوں طریقے اور نظام بہت ضروری اور بڑی خیر و برکت کا باعث ہیں لیکن یہ تکمیلی اور

خصوصی درجہ ہے جس سے خواص امت اور عالی ہمت اہل طلب ہی اپنی تکمیل و ترقی کر سکتے ہیں، لیکن امت کے لئے یہ عمومی طریق نہیں ہے اور اس راستہ سے امت کے مشغول اور عام افراد اور اس کا سواد اعظم ذکر و علم کے منافع و ثمرات اور اس کے مقاصد تھوڑے وقت میں حاصل نہیں کر سکتا، امت کا اصلی اور طبعی طریق حصول علم و ذکر وہی ہے جو قرنِ اول میں تھا۔

مولانا نے قرن اول کے مسلمانوں کے طریقِ زندگی کا بڑی غائر نظر سے مطالعہ کیا تھا، آخر وقت تک صحابہ کرام کے حالات و سیر اور اخلاق و شمائل کا مذاکرہ اور دور رہا اور ان کے حالات پڑھوا کر سنتے رہے، صحابہ کرام کے خصائص و امتیازات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور جزئیات پر جتنی عمیق نظر تھی اس وقت تک کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ مولانا کا اصلی درد یہی تھا کہ اسی طرزِ زندگی اور اسی طریق ذکر و تعلم کو زندہ کیا جائے۔ ذکر کے متعلق مولانا کا فرمانا یہ تھا کہ غفلت تو حرام ہے لیکن ذکر، ذکر لسانی اور ذکر لفظی میں محدود نہیں، زندگی کے مختلف احوال اور اعمال و اشغال کے بارے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں، دھیان کرتے ہوئے ان کے مطابق ان اعمال و اشغال کو انجام دینا ذکر ہے، اس طرح پوری معاشرت اور پوری زندگی ذکر میں تبدیل ہو سکتی ہے، پھر اس سلسلہ میں "ایمان و احتساب" کی صفت کو زندہ کرنا اصلی اور اعلیٰ کام ہے، مسلمانوں میں اعمال و عبادات کی اتنی کمی نہیں جتنی ایمان و احتساب کی ہے۔

ذکر لسانی و لفظی کو بھی مولانا کے نزدیک دین کی جد و جہد اور حرکت و سعی کے ساتھ ضم کرنے کی خاص ضرورت ہے۔

یہی صحابہ کرام کی زندگی کی ساخت تھی کہ وہ دین کی دعوت و جہاد اور دین کے فروغ کے لئے سعی و عمل کے ساتھ ذکر کو ضم کرتے تھے اور یہی اب بھی ہونا چاہئے۔

ایک خط میں فرماتے ہیں:۔

"حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی کامل رضا کا سہل اور قوی وسیلہ سمجھ کر ذکر میں ہوتے ہوئے اور سربسجود ہو کر دعاؤں کی کثرت کرتے ہوئے آپ اس کام کو کرتے رہیں اور اسی طرح کرنے کی سب کو تعلیم دیتے رہیں، ذکر اور دعا کی کثرت اس کا پہیا ہے اور اس کی روح ہے۔"

ایک کارکن کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"ذکر سے اپنی خلوتوں کو اور خلوص کے ساتھ اللہ کی نہایت عظمت لیتے ہوئے دعوت الی الحق سے اپنی جلوتوں کو مشغول رکھو، بھاری تھکی طبیعتیں مت رکھو، ہشاش بشاش، چلتا پھرتا آدمی اللہ کو نہایت محبوب ہے اور اسی کے مقابل آخرت کی فکر میں ملول بھی اللہ کو پسند ہے، حضورؐ کی غالب عادت رنجیدہ رہنے کی تھی۔"

ایک دوسرے خط میں فرماتے ہیں:۔

ہر وقت کے لئے ان کے اپنے وقتوں کی عظمت اور حرمت میں آئی ہوئی تعریفیں اور فضیلتیں معلوم کر کے ان کا اعتقاد کرتے ہوئے کرنا یہی ان کا طریقہ ہے، ہر ایک کی فضیلتیں حدیثوں میں الگ الگ وارد ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ برکات و انوار ہیں، ہم جیسے عامی لوگوں کے

اتنا کافی ہے کہ ہر وقت کی نماز ادا کرنے کے وقت یہ مانگ لے کہ ہر وقت کے جو برکات اور انوار ہیں ان کا اللہ تعالیٰ ہمیں حصہ نصیب کرے"۔

علم کے متعلق بھی مولانا کی تحقیق یہ تھی کہ دین کے تعلیم و تعلّم کو کتابوں کے نقوش اور مدارس کے حدود میں محدود کر دینا قرونِ متاخرہ کا طریقہ اور امت کے بڑے طبقے کو اس دولت سے محروم کر دینے کے مرادف ہے، اس طرح امت کا بہت مختصر طبقہ دین کے علم سے منتفع ہوگا اور وہ بھی اکثر محض نظری اور ذہنی طور پر، دین کے تعلیم و تعلّم کا فطری اور عمومی طریقہ جس سے لاکھوں افراد بلا کسی ساز و سامان کے تھوڑے وقت میں علم دین نہیں بلکہ نفسِ دین حاصل کر سکتے ہیں وہ اختلاط و اجتماع، صحبت، سعی و عمل میں رفاقت اور اپنے ماحول سے نکلنا ہے جس طرح زبان و تہذیب اہل زبان اور مہذب و شائستہ لوگوں کی صحبت و اختلاط سے حاصل کی جاتی ہے اور یہی ان کے سیکھنے کا فطری طریقہ ہے، اسی طرح دین کا صحیح علم اہل دین کی صحبت و اختلاط، رفاقت و اجتماع سے حاصل ہو سکتا ہے اور یہی اس کے حصول کا فطری طریق ہے کہ اس کے بہت سے اجزا ایسے ہیں جو قلم کی گرفت سے باہر ہیں، دین ایک جاندار اور متحرک شئے ہے، کتابوں کے نقوش جامد ہیں۔ جامد سے متحرک کا حاصل ہونا قانون فطرت کے خلاف ہے دین کا کچھ حصہ جوارح سے تعلق رکھتا ہے وہ جوارح کی حرکت ہی سے حاصل ہوگا، کچھ حصہ قلب سے تعلق رکھتا ہے وہ قلب سے قلب میں منتقل ہو سکتا ہے، کچھ حصہ ذہن سے، وہ بیشک کتابوں کے صفحات سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی مضمون کو ایک مرتبہ اس طرح بیان فرمایا:۔

انسان کا ہر عضو ایک خاص وظیفہ کے لئے مخصوص ہے، آنکھ سے دیکھنے کا کام لیتے ہیں اور اس کام کے لئے وہ مجبور ہے، اس سے سُننے کا کام نہیں لیا جا سکتا، اسی طرح بیرونی ماحول کا احساس دل کا کام ہے، دل جس چیز کا احساس کرتا ہے، دماغ کا کام اس کی تشکیل کرنا ہے، دماغ دل کے ماتحت ہے اور دل میں احساس ماحول سے پیدا ہوتا ہے دماغ کی تشکیل کا نام علم ہے۔ دماغ اسی وقت صحیح تشکیل کرے گا یعنی علم حاصل کرے گا جب دل صحیح احساس رکھتا ہو اور یہ احساس جامد کتابوں کی صحبت سے نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ تو عمل سے ہوگا، میں یہ نہیں کہتا کہ مدرسے بند کر دیئے جائیں، مدرسے تعلیم کی تکمیل کے لئے ہیں لیکن ابتدا کے لئے موزوں نہیں[1]۔

یہ علم و تعلیم کے متعلق ایک ایسا علمی مدلل اور محققانہ بیان اور ایک ایسی گہری تقریر ہے جس کو علمی طور پر اہل علم کو اپنے بحث و نظر اور تلاش و تحقیق کا موضوع بنانا چاہیئے، مولانا کی دعوت کا یہ تعلیمی جز ایسا اہم اور ایک ایسا انقلاب آفریں نظریہ تعلیم ہے جس پر ہمارے تعلیمی اداروں اور اہل علم کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے تھا اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا لیکن مولانا کی دعوت کے سلسلہ میں سب سے کم اسی جز کو سمجھنے کی کوشش اور سب سے کم اسی کی طرف توجہ کی گئی۔

علم کی ترقی کے لئے مولانا کے نزدیک دوسری شرط یہ تھی:۔

"یاد رکھو کوئی عالم علم میں ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ جو کچھ سیکھ چکا ہے

[1] ارشد صاحب کا روزنامچہ وسفرنامہ

دوسروں تک نہ پہنچائے جو اس سے کم علم رکھتے ہیں اور خصوصًا ان تک جو کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں، میرا یہ کہنا حضور کی اس حدیث سے ماخوذ ہے مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ، بر دیگراں باش کہ حق بر تو باشد، کفر کی حد تک پہنچے ہوؤں تک علم پہنچانا اہل علم کی تکمیل اور ہمارا فریضہ ہے اور جاہل مسلمانوں تک علم پہونچانا مرض کا علاج ہے۔ [لہ]"

مولانا نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا تھا کہ جس طرح ہر زمانہ کا ایک خاص فتنہ اور مرض تھا، اس زمانہ کا خاص فتنہ اور مرض اپنی دینی حالت پر قناعت وسکون اور دنیا میں شدت انہماک اور مشغولیت ہے جس نے دین کے حصول کے لئے زندگی میں فرصت کا کوئی لمحہ نہیں چھوڑا، یہ مشاغل اور تعلقات اس زمانہ کے ارباب مِنْ دُوْنِ اللّٰہ اور "ربان لو" ہیں، جو اپنی موجودگی میں کسی اور طرف توجہ کرنے اور اس کے اثرات قبول کرنے کے روادار نہیں، مولانا نے بڑی قوت کے ساتھ اس بات کی دعوت دی کہ دین سیکھنے کے لئے اور دین کے اثرات کو جذب کرنے کے لئے اپنے ماحول سے (عارضی طور پر) نکلنے اور ان بتوں کی گرفتاری سے آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ مشاغل اور تعلقات قلب سے اتنے چسپاں ہو چکے ہیں کہ کلمۂ دین کی حقیقتیں اور اعمال کے اثرات قلب میں داخل ہونے کے لئے کوئی چھوٹے سے چھوٹا دریچہ بھی نہیں پاتے اور اس کی بالائی سطح سے ہی ٹکرا کر رہ جاتے ہیں۔

مولانا کے نزدیک مسلمانوں کے ہر طبقے کو دین سیکھنے اور اپنی زندگی میں حقیقی

لہ ارشد صاحب کا روزنامچہ وسفرنامہ

دین داری پیدا کرنے کے لئے نیز دین داروں اور علم دین رکھنے والوں کو اپنی سطح سے ترقی کرنے کے لئے اپنے مشاغل سے کچھ وقت نکالنے اور اپنے کو اس وقت کے لئے فارغ کر لینے کی ضرورت ہے۔

مولانا کے نزدیک علم دین حاصل کرنا اور دین سے تعلق پیدا کرنا مسلمانوں کی زندگی کا اہم جزو ہے جس کے بغیر مسلمان کی زندگی اس ساخت کے مخالف ہے جس پر مسلمان کی زندگی بنائی گئی ہے محض کمانا کھانا اور دین سے جاہل وغافل رہنا حقیقتاً مسلمانوں کی زندگی نہیں، اسی طرح مسلمان کی زندگی تبلیغ اور دین کے لئے جدّ وجُہد سے یکسر خالی نہیں ہوسکتی، اس کی زندگی میں لازماً تبلیغ اور دین کے لئے حرکت وسعی اور عملی جد وجہد کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہونا چاہیے، صحابہ کرام کی زندگی میں یہ چار چیزیں عموماً جمع رہتی تھیں تعلّم۔ ذکر، تبلیغ و خدمت دین، معاش اب پہلی تین چیزوں کی جگہ بھی چوتھی چیز (معاش) نے لے لی ہے اور زندگی کی پوری وسعت اس طرح گھیر لی ہے کہ کسی چیز کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

مگر اس اس صورتِ حال کی اصلاح کی شکل یہ نہیں ہے کہ ان کو ان چھوٹے ہوئے کاموں کے لئے اپنے تمام مشاغل ترک کردینے اور اپنے کو ہمہ تن وقف کردینے کی دعوت دی جائے بلکہ صحیح طریق کار یہ ہے کہ صحابہ کرام ہی کے طرز زندگی کے دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہی سب سے سہل اور سب سے اعلیٰ اور معیاری درجہ ہے، ان کو اپنے مشاغل کلیۃً ترک کردینے پر مجبور نہ کردیا جائے بلکہ ان مشاغل میں سے دین کے لئے وقت نکالنے کی ترغیب دی جائے اور اس وقت کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنایا جائے اور اس سے حتی الامکان اُن نتائج کے

حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو دینی تعلیم کا مقصود ہیں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ یہ وقت اہل طلب اور اہلِ دین کے ساتھ گزارا جائے، کچھ سیکھا جائے کچھ سکھایا جائے۔ دین کو اس دینی ماحول میں، آنکھوں کانوں اور اپنے حس وادراک کی دوسری طاقتوں کے ذریعہ سے پورے طور پر اخذ کیا جائے، دین کا اور اہل دین کا اس طرح مطالعہ کیا جائے جس طرح کسی اجنبی ملک کی ہر چیز کا غور سے مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس کے اثرات کو اپنے میں اس طرح جذب کیا جائے جس طرح ہوا اور پانی کے ذریعہ کسی زمین کے اثرات قبول کئے جاتے ہیں وہاں دین کے کسی ایک جز کا مطالعہ نہ ہو، بلکہ اس کے پورے اجزا کا مطالعہ ہو، صرف عبادات و فرائض ہی کے احکام و آداب نہ سیکھے جائیں بلکہ معاشرت، تہذیب واخلاق، معاملہ و گفتگو، سلوک و حسن خدمت و رفاقت و صحبت کا شرعی طریق اور اس کے آداب و ضوابط اور سونے کھانے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب و مسائل سیکھے جائیں، سیکھے بھی جائیں اور برتا بھی جائے، اسی کے ساتھ دین کے جذبات اور امنگیں اور دین کی روح بھی پیدا کی جائے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ اہل دین اور اہل علم اور کم سے کم اہل طلب کی رفاقت ہو، جو سب اس مقصد کے لئے جمع ہوئے ہوں، سابق ماحول کے اثرات و خیالات سے حتی الامکان دور اور آزاد ہوں اور اتنا وقت گذرے کہ بہت سے وہ منازل و مراحل پیش آجائیں جو انسانی زندگی کے ضروری منازل ہیں، اور ان سے متعلق شرعی احکام آداب، بروقت و برموقع معلوم ہوں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ اس وقت میں فضائل و مسائل کا مذاکرہ ہو،

فضائل دینی زندگی کی رُوح اور اُس کی قوتِ محرکہ ہیں مسائل ان کے ضوابط و احکام ہیں، اور دونوں ضروری ہیں لیکن دونوں میں وہی فرق ہے جو روح اور جسم میں ہے

اسی طرح صحابہ کرام کے ان حالات و واقعات کا بھی مذاکرہ ہے جن سے دین کے جذبات اور ولولے پیدا ہوں، اور ان کی اقتدا کا شوق ہو۔

مولانا نے تبلیغی سفر میں ان تمام خصوصیات کو جمع کر دیا، ان کی آرزو تھی کہ دین کے تعلیم و تعلم کا یہ عام راستہ جس سے مدارس کے شاہانہ مصارف اور وسیع انتظامات کے بغیر، امت کے ہزاروں لاکھوں مشغول افراد دین کی ضروری تعلیم اور دینی تعلیم و تربیت کے اعلیٰ نتائج (جن کا اب مدارس میں بھی حصول مشتبہ ہو گیا ہے) حاصل کر سکتے ہیں، عام طور پر کھل جائے اور اس کا رواج بڑھ جائے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وہ طرز زندگی اگر رائج ہو جائے اور جانیں جا کر بھی اگر یہ راستہ کھل جائے تو امت محمدی کے نہایت مشغول رہنے والے اور اپنے مشاغل سے فارغ نہ ہو سکنے والے افراد کو رشد و ہدایت سے پورا پورا حصہ ملنے کا مرج طریق زندہ اور پائیدار ہو جائے گا۔"

دوسرے گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

"جس طرح مدارس میں تعلم اور دین سیکھنے کے لئے مستقل عمریں اس کے لئے خرچ کی جاتی ہیں اسی طرح بڑے استقلال سے اس طرز سے دین محمدی کی تعلیم کے لئے وقتوں کے فارغ کرنے کی اپنے سے ابتدا

کریں اور دوسروں کو دعوت دیں۔ اس کے لئے حوصلوں کو بلند کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مشغول زمانے کے لئے جو غالباً پوری انسانی تاریخ میں اپنے انہماک اور شدتِ مشغولیت کے اعتبار سے ممتاز ہے، دین کے سیکھنے کے لئے اس سے زیادہ عام اور قابل عمل طریقہ نظر نہیں آتا کہ پابندی سے یا وقتاً فوقتاً اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اور اپنے کو کچھ وقت کے لئے فارغ کرکے ایسے اجتماعات و ماحول میں یا ایسے تبلیغی قافلوں کے ساتھ رہا جائے جو اصول کے مطابق تعلیم و تعلم اور تبلیغ میں مشغول ہوں۔

ایسے سفر میں جو دینی برکات، علمی فوائد، اخلاقی تربیت، اصلاح نفس اور قلب و دماغ پر جو اچھے اثرات ہوتے ہیں، ان کو تحریر میں لانا مشکل ہے، کیفیات و جذبات تو قطعاً تحریر میں نہیں آسکتے۔ ایثار، رفقا کی خدمت، ادا حقوق، حسن معاشرت، امارت اور دوسری خدمات کے فرائض کی ادائیگی، ذمہ داری کا احساس، مستعدی اور حاضر دماغی، مختلف طبیعتوں اور مزاجوں کے ساتھ گزر، یہ سب اسلامی زندگی کے وہ شعبے ہیں جن کے احکام ہم صرف قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں میں اور ان کے واقعات صرف سیرت اور تاریخ کے اوراق میں پڑھتے ہیں لیکن مدتوں سے ہماری شہری زندگی کی ساخت ایسی بن گئی ہے کہ ان میں سے بعض بعض چیزوں کی عمر بھر نوبت نہیں آتی ہیں ان کا کوئی عملی تجربہ نہیں اور بعض اوقات جب ان کا کوئی موقع آجاتا ہے تو ہم ان کے بارہ میں ناکام رہتے ہیں، بسا اوقات ایک تبلیغی سفر میں ان میں سے اکثر یا سب چیزوں کی نوبت آجاتی ہے اور ان کی عملی تعلیم

ہو جاتی ہے۔

پھر دین کو عملی طور پر برتنے، مختلف لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے، خوش سلیقہ دین داروں اور اہلِ علم کے ساتھ رہنے اور سیرت نبوی اور صحابہؓ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے دین کی حکمت اور سلیقہ کے ساتھ عام عقل اور سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے اور آدمی کا فہم اور ذکاوتِ حس بھی ترقی کرتی ہے۔ بعض دوستوں کو اپنے رفقاء میں اس ترقی کا احساس ہوا ہے اور انھوں نے خطوط میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جن اصحاب کو کسی ایسے سفر میں شرکت کا کبھی موقع نہیں ملا، ان کے لئے اس کے اثرات کا پورا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے، ایک سرسری اور معمولی سے اندازہ کے لئے ایک معمولی سے تبلیغی سفر کی مختصر سی روداد پیش کی جاتی ہے جو ایک گریجویٹ دوست کے خط سے ماخوذ ہے۔ اشخاص کے نام قصداً حذف کر دئے گئے ہیں:-

"۴ر نومبر ہفتہ کے روز ۳ بجے دوپہر جماعت کھڑک پور روانہ ہوئی۔ امیر جماعت...... صاحب منتخب ہوئے، جماعت ۲۲ افراد پر مشتمل تھی جس میں سوائے ایک جماعت کے باقی تمام علاقہ وار جماعتوں کے نمائندے شامل تھے، اس جماعت میں ۱۰ افراد تو ایسے تھے جو پہلے (ایک تبلیغی) سفر اختیار کر چکے تھے اور باقی ۱۲ اصحاب کا یہ پہلا تجربہ تھا۔

کھڑک پور کلکتہ سے ۷۰ میل دور ہے۔ تھرڈ کلاس اور وہ بھی ہمبئی میل کی تھرڈ کلاس میں تمام جماعت کا (جنگ کے زمانہ میں) نہ صرف سما جانا بلکہ نہایت اطمینان سے سب کو جگہ کا مل جانا، اس کام کی خاص برکات سے ہے۔

مغرب سے کچھ قبل کھڑک پور پہونچے۔ پلیٹ فارم پر نماز مغرب باجماعت

ادا کی گئی نماز کے بعد جماعت شہر کی طرف روانہ ہوئی، شہر میں داخل
ہونے سے قبل حسب دستور دعا مانگی گئی، جامع مسجد میں قیام کی اجازت
مسجد کے انتظامی انجمن کے صدر صاحب سے حاصل کی جا چکی تھی کھانے
کا بندوبست...... کے سپرد تھا، تمام جماعت نے اکٹھا کھانا کھایا۔
نماز عشاء کے بعد ۱۰، ۱۵ منٹ تک مختصر الفاظ میں جماعت کا مقصد
بیان ہوا اور حاضرین سے گشت میں شمولیت کی استدعا کی گئی سونے
سے پہلے تمام جماعت نے حکایاتِ صحابہؓ میں سے چند صفحے سُنے۔

تہجد کی نماز میں اکثر افراد شامل ہوئے، وظائف اور اشراق سے
فارغ ہو کر جماعت نے مل کر ناشتہ کھایا۔ ناشتہ کے بعد ۱۲ بجے تک مسلسل
تعلیم کا سلسلہ رہا۔ اول مَیں نے "الفرقان" سے مولانا محمد منظور نعمانی کا وہ
مضمون جو ہمارا دین میں چھپا تھا پڑھ کر سنایا۔ یہ مضمون تحریک کے تعارف
اور جماعت کے لئے ضروری ہدایات کا کافی مسالہ رکھتا تھا پھر
"حکایاتِ صحابہ" سے کچھ پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد ہمارے ساتھ.....
کے ایک قاری صاحب تھے انھوں نے ہر ایک سے سورۂ فاتحہ سنی
اور تصحیح فرمائی۔ پھر فقہ کی کتاب سے وضو کے فرائض، سنن اور مستحبات یاد
کرائے گئے اور سمجھائے گئے۔ اس کے بعد باری باری چند افراد سے
جماعت کے چھ نمبر (اصول) سنے گئے اور ضروری تشریح کی گئی بعد ازاں

میں نے اور امیر صاحب نے اپنے سفر دہلی اور میوات کے حالات بیان کیے، اس تمام پروگرام میں تقریباً ۴½ گھنٹے صرف ہوئے، پروگرام کے ختم ہوتے ہی کھانے کا وقت ہو گیا تھا

کھانے کے بعد نماز ظہر پڑھ کر مسجد میں اچھا خاصا اجتماع ہو گیا تھا ان کے سامنے ایک مختصر تقریر میں میں نے گشت کے اصولوں کی تشریح کی اور جماعت گشت کے لئے روانہ ہو گئی، تو لیت[1] کلام میرے، امیر صاحب اور...... صاحب کے سپرد ہوئی، جماعت کے علاوہ مقامی اصحاب کی کافی تعداد تھی، ہر جگہ تبلیغ الحمد للہ توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوئی تمام مسلمانوں نے نہایت اطمینان سے ہماری گزارشات سُنیں، گشت کرتے ہوئے ایک دوسرے محلہ میں پہنچ گئے، عصر کی نماز وہاں کی مسجد میں پڑھی نماز کے بعد مختصر تقریر میں انہیں میوات کے انقلاب سے خبردار کیا گیا اور وہاں کے امام صاحب کے تعاون سے جماعت تشکیل پذیر ہوئی اس جماعت کو تبلیغ کا نمونہ دکھاتے ہوئے مغرب کی نماز کے وقت تک جامع مسجد میں پہنچ گئے، مغرب کی نماز میں حاضرین کی کثیر تعداد تھی خصوصاً ان بھائیوں کو دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی تھی جن سے گشت کے دوران میں درخواست کی گئی تھی، وہ نہا دھو کر اُجلے کپڑے پہنے اپنی نئی زندگی شروع کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں استقامت بخشے آمین!

---

[1] جماعت میں سے تبلیغی گفتگو کرنے والا ایک یا متعدد معین اشخاص ہوتے ہیں جن کو امیر جماعت مقرر کرتا ہے ان کو متولی کلام کہا جاتا ہے۔

نماز کے بعد امیر صاحب نے مجھے تقریر کرنے کو کہا، میں نہیں سمجھ سکا کہ خدا نے مجھ سے کیا کیا کہلوایا لیکن اس کے فضل سے توقع سے زیادہ اثر ہوا اور خوب جوش پھیلا اور تقریر کے بعد بغیر کسی مزید تحریک کے ۲۵ صاحب نے اپنے نام تبلیغی جماعت کے لئے پیش کئے، انجمن کے صدر صاحب نے بھی اپنا نام پیش کیا اور امیر جماعت منتخب ہوئے، الحمدللہ علیٰ ذالک۔

چوں کہ .... آج کل یہیں مقیم ہیں انھیں جماعت کو کام پر لگانے اور اصولوں کے مطابق کام کی نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا۔ اجتماع کے بعد دیر تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، خداوند کریم ان کے ولولے کو برقرار رکھے اور ان کے ارادہ میں استقامت اور برکت دے۔ آمین!

کھانے سے فارغ ہو کر جماعت اپنا اپنا سامان اٹھا کر اسٹیشن پر آئی اور وہیں پڑ کر سو رہے۔ ۲½ بجے گاڑی آئی، الحمدللہ اس تنگی کے زمانہ میں بھی ایک ایسا ڈبہ مل گیا جہاں تمام جماعت نہایت اطمینان سے سما گئی اور ۴، ۵ کم عمر افراد کے تو سونے کی بھی جگہ نکل آئی، فجر کی نماز ریل میں سب نے ادا کی اور خداوند کریم نے اس کے لئے تمام سہولتیں مہیا کر دیں۔ پونے آٹھ بجے صبح پیر کے روز واپس پہونچے، پلیٹ فارم پر دعا کرنے کے بعد ایک دوسرے سے معانقہ کے بعد جماعت کے افراد اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔"

اس سفر کے خاص تاثرات :-

(۱) .... صاحب نے امارت کے فرائض اس خوبی سے سرانجام

دئے کہ دل باغ باغ ہو گیا، میں اب تک جتنی جماعتوں میں شامل ہو چکا ہوں، ان سے بڑھ کر کسی امیر جماعت کو مستعد نہیں پایا، ریل کے سفر میں ہر فرد کے آرام کا خیال کرنا، باوجود بزرگی کے اپنے سامان کے علاوہ ہر فرد سے اس کا سامان چھیننا، کھانا کھاتے وقت گلاس بھر بھر کر پلانا اور جب تک سب اطمینان سے بیٹھ نہ جائیں، کھانے پر نہ بیٹھنا ریل میں نماز کے وقت اپنے ہاتھ سے سب کو وضو کرانا، وضو کرتے وقت انگلیوں کے خلال اور دیگر سُنن و مستحبات کی طرف توجہ دلانا، سونے والوں کی حفاظت کا خیال کرنا، ذِکر کی کثرت کی تلقین کرتے رہنا، غرض کیا کیا شمار کروں، خدمت کا ایسا معیار...... صاحب نے پیش کیا کہ اس معیار پر کسی اور (ہم میں سے) کا پورا اترنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، اور اس سفر کا سب سے بڑا تأثر، دینوی اور مالی اور عمر کی حیثیت سے ہم میں سے سب سے بڑے فرد کا اس طرح اپنے آپ کو سب کا خادم ثابت کرنے کی سعی کرنا تھا، اللہ تعالیٰ اس جذبۂ خدمت کی وجہ سے ان پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔

(۲) امیر صاحب کے بعد...... صاحب نے اپنی شخصیت سے ہم کو متاثر کیا، ہر وقت کے کھانے، چائے ٹکٹ وغیرہ کا سب انتظام آپ نے نہایت بہترین طریقہ پر کیا، سب اخراجات اپنی طرف سے کئے، اور سفر کے بعد ہر ایک صاحب کو اس کا مفصل بل ٹرام کا بھاڑا، ریل کا ٹکٹ، چائے کھانے وغیرہ کا خرچ، اس کے حساب کے مطابق پیش کیا

اور رقم وصول فرمائی، وہ چستی، طاقت اور انتظامی اُمور کی اہلیت
کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ میں مزید ترقی فرمائے۔

(۳) جو اصحاب پہلے سے کسی سفر میں شامل نہیں ہوئے تھے بیک
زبان کہہ رہے ہیں، یہ اوقات ان کی زندگی کے بہترین اوقات تھے۔
اور ایسی صحبت اور ایسی خوشی انھیں اپنی عمر میں کبھی نصیب نہیں ہوئی"۔

اس تعلیم و تعلم کے خاکہ میں ترقی کی بڑی گنجائش ہے، مولانا اس کو اتنا مکمل اور جامع دیکھنا چاہتے تھے کہ ہر دینی و علمی سطح کے لوگوں کو اپنی تربیت و ترقی کا پورا موقع مل سکے۔ ان کے ذہن میں اہل علم کے لیے الگ خاکہ تھا جو ان کے مناسب حال اور ان کی علمی سطح کے مطابق ہو ایک گرامی نامہ میں فرماتے ہیں:

"اہل علم کے لئے عربیت، صحابہ کے کلام، اعتصام بالکتاب والسنۃ
اور نشر دین کی تحریص کے مضامین جمع کرنے کی خصوصی اور بہت اہتمام
سے غور کی ضرورت ہے، علمی طبقہ کے لئے اس کے تیار ہونے کی بہت
شدید ضرورت ہے، اس کے بغیر اس تحریک میں لگنے میں علمی ٹھیس اور
ناقابل انجبار شکستگی اور کسر کا قوی خطرہ ہے اور اسی کی خوبی اور کمی پر
علمی طبقہ کا نہوض اور قعود مبنی ہے، اس لائن میں بندہ ناچیز کے دماغ
میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بنا پر زبان سے
نکالنے کو جی نہیں چاہتا"۔

حقیقت میں اس پورے نظام دعوت و تعلم میں بڑی ترقی و تنظیم کی گنجائش ہے اور اس میں زمانہ کے ساتھ چلنے اور مخالف دین تحریکات اور دعوتوں کا

مقابلہ کرنے اور عوام کے لیے ان کا بدل بننے کی بہترین صلاحیت ہے، اہل
نظر جانتے ہیں کہ اس وقت کی لادینی تحریکات کی سب سے بڑی قوت یہ ہے
کہ وہ عوام سے براہِ راست رابطہ پیدا کرتی ہیں، ان کی اپنے اصول پر تربیت
کرتی ہیں۔ ان کے داعی عملی لوگ ہیں، سرگرم و متحرک ہیں، ایثار و قربانی کی روح
رکھتے ہیں، اپنے مقاصد کی خاطر ہر قسم کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ان کے
پاس عوام کو مشغول رکھنے کے لیے کام ہے۔ یہ تمام پہلو اس وقت کی مضطرب
بے چین طبیعتوں کے لیے مقناطیس کی سی کشش رکھتے ہیں۔ ان لادینی تحریکات
کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ صرف نظری فلسفے موزوں ہیں، نہ کاغذی خاکے، نہ محض
دلائل و براہین، اور نہ محض وہ دعوتیں جو خواص کے دائرہ میں محدود ہیں اور
عوام کو خطاب کرنے اور ان کو کام میں لگانے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں،
یہ لادینی (یا کم سے کم خالص مادی) تحریکیں تمام دنیا میں آگ کی طرح پھیل رہی ہیں
اور ان کی سرنگیں تمام دنیا میں بچھی ہوئی ہیں۔ ان تحریکات کا مقابلہ صرف وہ دینی
تحریک کر سکتی ہے، جو عوام سے ربط و تعلق پیدا کرنا ضروری سمجھتی ہو، اس کے کارکن
کسی طبقہ کو نظر انداز نہ کریں، وہ غریب کا کوئی جھونپڑا، کسان کا کوئی کھلیان نہ
چھوڑیں، کارگاہوں میں جائیں، بیٹھکوں اور چوپالوں میں بھی اپنا خطاب کریں
ان میں سرگرمی و حرکت، جفاکشی اور سخت جانی، کسی دعوت و تحریک کے
پرجوش کارکنوں سے کم نہ ہو، اور خیر خواہی و دل جوئی اور سوز و دردمندی ان سے
کہیں زائد ہو، اس لئے کہ وہ صرف ان کی معاشی حالت بلند کرنا چاہتے ہیں اور
ان کو صرف ان کی ظاہری پست حالی کا درد ہے لیکن اس دینی دعوت کے

کارکنوں کا کام اس سے کہیں زیادہ بلند اور وسیع ہے، ان کو ان کی اس خدا فراموش بہیمانہ زندگی کا درد ہے جس میں اللہ کی یہ مخلوق پڑی ہوئی ہے ان کو ان کی دینی اخلاقی، روحانی اور ذہنی سطح بلند کرنی ہے، ان میں انسانیت، اسلامی شائستگی اور علم کا شوق پیدا کرنا ہے، وہ بالکل بے غرض قسم کے انسان ہوں جو اپنا بار خود اٹھائیں اور کسی پر بار نہ ہوں، ان کے پاس تہذیب و شائستگی، اخلاق اور تعلیم کے مقاصد و نتائج پیدا کرنے کے لئے زیادہ سہل اور قابل عمل طریقے ہوں جو بغیر کسی صرف کے زیادہ بہتر نتائج و اثرات پیدا کر سکیں۔ پھر وہ ان کو وہ کام سپرد کریں جو ان کو مشغول کرلے اور کبھی ختم ہونے والا نہ ہو یعنی دوسروں میں اسی کی کوشش کرنا جو دوسروں نے ان میں کی، ان کے پاس ایسا کام اور نظام ہو جو امت کے مختلف طبقات میں ربط و تعاون پیدا کرے، مقصد کا اشتراک، ایک جگہ کا اجتماع، سفروں کی رفاقت، باہمی خدمت و اعانت، ایک دوسرے کے لئے ایثار، ان میں الفت و محبت پیدا کرے، کوئی ایسا راستہ ہو جس میں نوجوان اپنی قوت عمل صرف کر سکیں کہ یہ ان کے لئے فطری طور پر ضروری ہے اگر ان کو صحیح کام نہ ملا تو وہ غلط راستہ پر پڑ جائیں گے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے جو چیز پیش کی ہے اس میں یہ تمام خصوصیات موجود ہیں اور اس کے خاکہ میں اس سے زیادہ گنجائش ہے، وہ کوئی وحی و تنزیل نہیں ہے، قرآن و حدیث کے فہم سیرت و صحابۂ کرام کے حالات و واقعات کے علم، اصول دین سے گہری واقفیت اور خداداد بصیرت و حکمت دین کے ماتحت انھوں نے اس زمانہ میں کام کا ایک طرز پیش کیا اور قرآن و حدیث کے گہرے مطالعہ اور اپنے طویل تجربہ کی بنا پر اس کے کچھ اصول و ضوابط مقرر کئے جو سب قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں اور

تجربہ کے بعد معلوم ہوا ہے کہ صدہا مصلحتوں پر مبنی ہیں، اب ضرورت صرف اس کی ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو علم دین، خلوص اور عقل و فہم کی دولت بخشی ہے اور اس زمانہ سے بھی بے خبر نہیں ہیں وہ اس کی طرف توجہ فرمائیں اور اپنے جوش عمل، قوتِ تنظیم، سلیقہ، خداداد، اصول کی پابندی اور اللہ سے ربط و تعلق کے ذریعہ اس کو ترقی دیں۔

خطرات سامنے ہیں، لادینی تحریکات جس قوت و سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہیں اور جو وسعت و عمومیت اختیار کر رہی ہیں اور مذہب اور اہل مذہب کے لئے ان کی طرف سے جو خطرہ ہے وہ اب کسی کے لئے راز نہیں۔ اگرچہ ہمارے دینی و علمی حلقوں میں ابھی اس خطرہ کا پورا احساس نہیں اور عمومی دعوت عمومی تعلیم و تربیت اور عمومی حرکت و جدوجہد کی طرف پوری توجہ نہیں۔

جو راز مے کدہ میں ہے اک اک زبان پر
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ
هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

اَلنَّظَرَةُ سَهْمٌ مَّسْمُوْمٌ مِّنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ

نظر شیطان کے زہر آلودہ تیروں میں سے ایک تیر ہے

دیدنِ زُلف و خالِ نامحرم — دانۂ کید و دامِ ابلیس است
ہر نظر ناوکیست زہر آلود — کہ زشست وکمانِ ابلیس است

نظر کا تیر نامحرم پہ جب تُم نے چلایا ہے
اُسے ابلیس نے زہرِ ہلاہل میں بُجھایا ہے

Hadith

An-nazaratu sahmun masmūmun min sihāmi Iblīsa.



مرتبہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحؒ

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ ...

مرتب ملفوظات

صاحب ملفوظات کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا رحمۃ اللہ کا نام تو غالباً میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے ہی سے سنا تھا، لیکن آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق جہاں تک یاد پڑتا ہے پہلی دفعہ شاید رمضان سنہ ۱۳۵۳ھ ۱۹۳۵ء میں ہوا، اس کے بعد چار پانچ سال تک بغیر قصد و طلب کے محض اتفاقی طور پر غالباً کئی دفعہ زیارت وملاقات کی نوبت آئی، لیکن ان سرسری اور اتفاقی ملاقاتوں میں میں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکا کہ مولانا ایک مخلص عالم دین ہیں، پرانے طرز کے سیدھے اور نیک بزرگوں کا نمونہ ہیں اور زمانہ کے تقاضوں اور اہم وقتی دینی ضرورتوں سے واقف نہ ہونیکے باوجود مسلمانوں کی دینی اصلاح کا صادق جذبہ اور بڑی تڑپ اپنے اندر رکھتے ہیں، بہرحال ان ملاقاتوں میں نہ میں مولانا کی شخصیت سے متاثر ہوا اور نہ میں نے ان کی دینی دعوت و تحریک کی کوئی اہمیت سمجھی، یہاں تک کہ غالباً سنہ ۱۹۴۰ء میں دین کے وقتی تقاضوں کو خوب سمجھنے والے روشن دماغ اور صاحب قلم عالم دین (غالبا سید ابو الحسن علی ندوی ارشد) نے خود مولانا سے ملاقات کر کے اور ان کی دعوت و تحریک کے خاص حلقہ عمل میوات جا کر تحریک کی عملی صورت اور اس کے اثرات و نتائج کو خود دیکھ کے اپنی رائے اور اپنے تاثرات ایک مضمون میں لکھے۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے کم از کم راقم سطور کی نظر میں تو اس تحریک کی اہمیت سب سے پہلے اسی مضمون سے پیدا ہوئی۔

اس کے کچھ دنوں بعد ذیقعدہ سنہ ۱۹۴۰ء میں مولانا کی زیارت اور ان کی تبلیغی جدوجہد سے براہِ راست اور تفصیلی واقفیت حاصل کرنے ہی کی نیت سے دہلی کا ایک سفر رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ایک دوسرے دینی دوست مولوی عبد الواحد ایم اے کی معیت میں کیا، لیکن اتفاق کی بات کہ دہلی پہنچتے ہی میرے مکان سے فوری طلبی کا تار ملا۔ اور میرے ان دونوں رفیقوں نے اسی سفر میں مولانا سے پہلی اور تفصیلی ملاقات بھی کی اور میوات جا کر ان کے تبلیغی کام کے طرز اور اس کے اثرات و نتائج کا بھی مطالعہ کیا۔

مولانا سید ابو الحسن علی اپنی فطری سعادت سے دینی شخصیتوں سے خاص طبعی مناسبت کی وجہ سے اس پہلی ہی ملاقات میں مولانا کی شخصیت اور ان کے تبلیغی کام سے بہت زیادہ متاثر ہو کر واپس ہوئے۔ اور اپنے خطوط کے ذریعہ مجھے

بھی متاثر ہوا مولانا کی طرف متوجہ کرنے کی انہوں نے کوشش کی، لیکن چونکہ میں مولانا کو کئی بار دیکھ چکا تھا، اس لئے مولانا کے ان خطوط کا بھی مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑسکا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ مولانا کی دینی دعوت سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنے کا جو داعیہ اور اشتیاق پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا مولانا علی میاں کے ان خطوط سے اس میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد میوات کے علاقہ میں ایک بہت بڑے تبلیغی اجتماع کی تجویز ہوئی، مجھے بھی طلب فرمایا گیا اور میں اپنے ذاتی شوق سے شریک ہوا مجھے اعتراف ہے کہ اس سفر کی مختلف صحبتوں میں مولانا کی باتیں سننے اور میواتی قوم میں وسیع پیمانہ پر غیر معمولی دینی تغیرات کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی وجہ سے مولانا کی شخصیت اور ان کی تبلیغی تحریک کو میں پہلے سے زیادہ وقیع سمجھنے لگا، لیکن پھر بھی میں اتنا متاثر نہیں ہوا، کہ اپنے آپ کو اس کام سے متعلق کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔ آگے کی سر گزشت سنانے سے پہلے اپنا ایک خاص حال سنا دینا یہاں ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ جیسے مشائخ اور ائمہ سلوک و تصوف سے اگرچہ مجھے بڑی گہری عقیدت تھی، اور اسلامی ہند کی یہ شخصیتیں میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں لیکن تصوف کی طرف سے مجھے اطمینان نہ تھا۔ بلکہ طبیعت کو اس سے ایک درجہ کا توحش تھا اور ذہن میں اس پر کچھ علمی اشکالات بھی تھے۔ سنہ ۶۱ء کے اواخر یا سنہ ۶۲ء کے اوائل میں قضاء و قدر کے ایک فیصلہ نے میرے لئے ایک صورت پیدا کر دی کہ ایک صاحب ارشاد بزرگ (جن کو میں خاصان خدا اور اہل یقین و اخلاص میں سے سمجھتا ہوں) (مراد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری ۱۹۶۲ء/۱۳۸۲ھ کی خدمت میں تقریباً ایک ہفتہ مجھے قیام کرنا پڑا، موقع کو غنیمت جان کے ایک دن میں نے تصوف اور اس کے خاص اعمال و اشغال کے متعلق اپنے خیالات عرض کئے اپنی تسلی یا تشفی کے لئے نہیں بلکہ بزعم خود گویا ان بزرگ کے حال اور خیال کی اصلاح کے لئے لیکن اللہ کے اس بندہ نے عجب طریقِ علاج اختیار کیا، تفصیل تو بہت لمبی ہے اور اس کے ذکر کا یہ موقع بھی نہیں بس اجمالاً صرف نتیجہ سن لیجئے کہ دو تین دن میں وہ سب اشکالات ختم ہو گئے اور معلوم ہوا کہ یہ سارے وساوس اور اعتراضات خود اپنی ہی غلط فہمیوں کا نتیجہ ہے۔

یہ چند روز جوان بزرگ کی خدمت میں گزرے میری زندگی میں ایک موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر جب میں ان بزرگ سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ مجھے تاکید فرمائی کہ حضرت دہلوی کے ہاں تم زیادہ جایا کرو اور ان سے ملتے رہا کرو، یہ بزرگ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو حضرت دہلویؒ ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ میں ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہو چکا ہوں اور میرے دل میں ان کا پورا احترام ہے لیکن میں

ان سے زیادہ متاثر نہیں ہو سکا ہوں۔

میری زبان سے یہ سن کر ان بزرگ نے حضرت مولانا کے متعلق بہت ہی بلند کلمات فرمائے، جن کا حاصل غالباً یہ تھا کہ اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن خاص الخاص بس کسی کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور میرے خیال میں اس وقت دہلویؒ کے ساتھ اللہ کا تعلق خاصّ الخاص قسم کا ہے۔

میں چونکہ خود ان بزرگ سے بہت متاثر ہو چکا تھا اس لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے متعلق ان کی زبان سے یہ کلمات سن کر میں نے ارادہ کر لیا کہ یہاں سے اب انشاء اللہ دہلی ہو کے اور مولانا کی زیارت کر کے ہی مکان واپس جاؤں گا، چنانچہ میں وہاں سے سیدھا دہلی گیا۔ حضرت مولانا ان دنوں سخت بیمار تھے کئی روز سے غذا بھی استعمال نہیں ہوئی تھی، ضعف کا یہ عالم تھا کہ ذرا کھڑے ہوتے تو ٹانگیں لرزنے لگتیں، میں جب حاضر ہوا اور سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو بجائے مصافحہ فرمانے کے بستر سے اُٹھ کر میرے دونوں ہاتھ پکڑ کے حضرت کھڑے ہوگئے، میں نے باصرار عرض کیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہے۔ فرمایا:-

"کچھ نہیں ہے بس تم ہی لوگوں کا بیمار ڈالا ہوا ہوں، تمہارا ہی ستایا ہوا ہوں، تم آجاؤ دین کا کام کرنے لگو انشاء اللہ اچھا ہو جاؤں گا۔"

قصہ مختصر مولانا نے میرے ہاتھ اس وقت چھوڑے جب میں نے وعدہ کر لیا کہ انشاء اللہ آؤں گا اور وقت دوں گا۔ جہاں تک یاد ہے اس دفعہ میں غالباً صرف ایک شب و روز مولانا کی خدمت میں رہا، ایسی سخت بیماری اور اس درجہ کی کمزوری میں مولانا پر دین کی فکر کا میں نے جیسا غلبہ دیکھا اور دین کے ساتھ ان کے جس تعلق کا اندازہ ہوا، اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا اور میں یہ طے کر کے واپس آیا کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ اس مرض سے صحت دے تو میں ان کے کام میں شریک ہو کر کچھ وقت ان کی خدمت میں گزاروں گا۔ اس مرض سے صحت کے بعد جمادی الاخریٰ سنہ ۶۲ھ میں میوات میں ایک تبلیغی اجتماع طے ہوا، اطلاع ملنے پر یہ عاجز بھی دہلی پہنچ گیا۔ رفیق محترم مولانا علی میاں بھی آگئے۔

اللہ تعالیٰ مولانا احتشام الحسن صاحب کو جزائے خیر دے غالباً انہوں نے ہی یہ تجویز کیا کہ ہم دونوں مولانا کے ساتھ ایک کار میں جائیں، مولانا کے نہایت مخلص محب محمد شفیع صاحب قریشی کی یہ کار تھی اور بہت چھوٹی قسم کی تھی اس میں حضرت مولانا اور ہم دونوں کے سوا صرف ایک قریشی صاحب ہی اور تھے اور وہی کار چلانے والے تھے۔

کار نظام الدین سے روانہ ہوئی اور حضرت مولانا کے ارشادات و افادات کا سلسلہ شروع ہوا، تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے خیال ہوا کہ مولانا کی یہ باتیں خود یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لائق ہیں لہذا انہیں لکھ لینا چاہئے۔

چنانچہ کار ہی میں جیب سے کاغذ پنسل نکالا اور خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنا شروع کیا، منزل مقصود پہنچنے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

مولانا کے ملفوظات کی یہ پہلی قسط تھی جو میں نے اس سفر میں قلمبند کی اس کا ایک حصہ رجب سنہ ۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء کے الفرقان میں مولانا کی حیات بلکہ تندرستی ہی میں ان کی اجازت سے شائع ہوا، اس مجموعہ کی پہلی اور دوسری قسط انہی ملفوظات پر مشتمل ہے۔

میوات کے اس سفر سے قریباً ایک مہینہ بعد لکھنؤ اور کانپور کے تبلیغی دورے میں بھی ایک ہفتہ حضرت مولانا کی ہمراہی نصیب رہی، اس سفر میں بھی بعض ارشادات نوٹ کئے اور اس مجموعہ کی تیسری قسط انہی ملفوظات پر مشتمل ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا مریض ہو کر صاحبِ فراش ہوگئے اور رجب سنہ ۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں وفات پر اس مرض کی انتہا ہوئی۔ رحمه الله تعالیٰ رحمة الابرار الصالحین۔

وصال سے قریباً چار مہینے پہلے ربیع الاول یا ربیع الثانی میں مرض کی شدت اور نزاکت کی اطلاع پا کر یہ عاجز حاضر خدمت ہوا، حسنِ اتفاق سے ان دنوں میرے وہ مخدوم اور محسن بزرگ بھی مولانا کی عیادت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے جنہوں نے مولانا کی خدمت میں حاضری کی تاکید فرمائی تھی، جب وہ تشریف لے جانے لگے تو مجھے الگ بلا کر فرمایا:-

"مولوی صاحب اور کام تو عمر بھر کرو گے اس وقت جتنا ہو سکے ان کے پاس پڑے رہو۔ آج کل یہ بڑے میاں ہزاروں کی رفتار سے جا رہے ہیں"

ان کے ارشاد پر میں نے یہ طے کر لیا کہ اب مولانا کی بیماری میں انشاء اللہ یہیں رہوں گا۔ اور ہفتہ عشرہ کے بعد رسالہ اور دفتر کی ضروریات کی دیکھ بھال کے لئے دو چار دن کے واسطے بریلی چلا جایا کروں گا، چنانچہ یہی معمول رہا، اور مجموعی طور پر غالباً دو مہینے سے کچھ زیادہ مولانا کے مرض الوفات میں میرا قیام رہا، جمادی الاخریٰ سنہ ۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء حضرت کے سفر میوات اور رجب سنہ ۶۲ھ کے سفر لکھنؤ و کانپور کے ملفوظات کے سوا اس مجموعہ کے تمام ملفوظات مرض الوفات ہی کے ہیں۔ البتہ چوتھی قسط کے تمام ملفوظات مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۱۹۴۳ء کے مرتب کئے ہوئے ہیں۔ مولانا موصوف حضرت مولانا کے آخری مرض میں پورا ایک مہینہ نظام الدین میں مولانا کے پاس مقیم رہے تھے اور اہتمام سے حضرت کے ملفوظات قلمبند فرماتے تھے۔

... تبلیغی جماعت، مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن اور جماعت کی دینی جد و جہد

مولانا کی اس بیماری میں ان کے جن احوال و کیفیات کا مشاہدہ ہوا یہ واقعہ ہے کہ ان سے سلف کے ان بہت سے واقعات کا یقین ہو گیا۔ جن کو تذکروں کی کتابوں میں پڑھا تھا لیکن ان کی صحت پر اطمینان نہ ہوتا تھا، بہت سی باتیں جن کا مجھ جیسا ذہنی باغی قائل نہ ہو سکتا تھا، مولانا میں ان باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر قائل ہو جانا پڑا۔ اس وقت کے اپنے تاثرات کا حاصل اپنے مقالہ "میری زندگی کے تجربے میں لکھ چکا ہوں، اگرچہ شخصیت اور خصوصاً ایسی شخصیت کے قائم مقام کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی، لیکن امید ہے کہ رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی کی مرتب کی ہوئی حضرت کی سوانح اور ملفوظات کے اس مختصر سے مجموعہ کے مطالعہ سے ناظرین کو مولانا مرحوم کی معرفت کسی درجہ میں انشاء اللہ حاصل ہو سکے گی۔

چند قابل لحاظ باتیں

۱۔ مولانا جب گفتگو فرماتے تھے تو یہ عاجز اس وقت صرف مختصر اشارات میں نوٹ کر لیا کرتا تھا، بعد میں کسی فرصت کے وقت الفاظ و عبارت اپنی یاد داشت سے لکھتا تھا۔ اس لئے لفظوں میں بہت کچھ فرق کا امکان ہے۔ بلکہ بہت سے مقامات پر تو ناظرین کو سمجھانے کے خیال سے دانستہ بھی الفاظ میں کچھ تغیر کیا گیا ہے، کیونکہ مولانا مرحومؒ کی علمی زبان اور طرز ادا کو بسا اوقات ساتھ رہنے والے خواص ہی سمجھ سکتے تھے۔

۲۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مولانا کا سلسلہ کلام جاری تھا، لیکن میں اسوقت لکھنے کی طرف توجہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا اور یہ خیال کر لیتا تھا کہ انشاء اللہ بعد میں حافظہ سے لکھ لوں گا۔ لیکن یاد نہیں آتا تھا کہ پھر کبھی اس کی نوبت آئی ہو اس لئے یہ واقعہ ہے کہ اس عاجز نے یاد رکھنے اور لکھنے کے قابل حضرت کے جو ارشادات سنے یہ ملفوظات جو اس چھوٹی سی کتاب میں مرتب کر کے پیش کئے جا رہے ہیں یہ شاید ان سب کا دسواں حصہ بھی نہیں ہیں۔

۳۔ حضرت مولانا نے مسلمانوں میں دینی زندگی اور ایمانی روح پیدا کرنے کی جو کوشش ایک خاص طرز پر شروع کی تھی اور جس میں آپ نے بالآخر اپنی جان کھپا دی۔ مولانا کا اصلی کارنامہ وہی دینی دعوت ہے اور الحمد للہ کہ مولانا مرحوم کے بعد بھی وہ سلسلہ کم از کم مقدار اور کمیت میں تو دسوں گنے اضافہ اور ترقی کے ساتھ جاری ہے۔ البتہ دعوت کے اصول اور ان کی روح (ایمان واحتساب) کے تحفظ کی طرف اس تحریک سے خاص تعلق رکھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں بہت کچھ رہنمائی اور نشاندہی اس مجموعہ ملفوظات سے بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں اور دراصل یہی اس کی اشاعت کا خاص مقصد ہے۔

والله يقول الحق وهو يهدى السبيل والحمد لله اولا وآخرا

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ (یکم رمضان سنہ ۶۹ھ/۱۹۵۰ء)

(افسوس! مولانا محمد منظور نعمانی گذشتہ سال انتقال فرما گئے ارشد)

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ارشادات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

قسط نمبر ۱

(۱) فرمایا:- انبیاؑ علیہم السلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے اُن کو بعد ہوتا تھا دینی امور (عبادات وغیرہ) اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہو کر اُن کے ہاں محض "رسوم" کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک پڑھی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی۔ اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لئے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو امور دین کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روحِ شریعت سے آشنا کرتے تھے۔ سب سے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی بھی تھا تو اس کی حیثیت بھی بس چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی سی تھی، انہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے، رسول ﷺ نے ان رسوم کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

اُمت محمدیہ علی صاحب الصلوۃ والسلام بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آچکی ہے، حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہیے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک رسم سی ہی بن گئی ہے، لیکن چونکہ سلسلہ نبوت اب ختم کیا جاچکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ہیں تو انہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فسادِ حال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں، اور اس کا ذریعہ ہے۔ تصحیح نیت کیونکہ اعمال میں یہ رسمیت جب ہی آتی ہے جب کہ ان میں للہیت اور شانِ عبدیت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رُخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے اور رسمیت کے بجائے ان میں حقیقت پیدا ہوجاتی ہے اور ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوتا ہے۔ الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امت اور حاملانِ دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔

(۲) فرمایا:- قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین "یسر" ہے، یعنی وہ سراسر سہولت اور آسانی ہے لہذا جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی، وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہئے، پس تصحیح نیت اور اخلاص للہ چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے بلکہ وہی سارے امور دین کی روح ہے، اس لئے وہ بیحد سہل ہے اور یہی اخلاص اللہ چونکہ سارے سلوک اور طریق کا حاصل ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے، مگر یاد رہنا چاہئے کہ ہر چیز اپنے اصول اور اپنے طریقہ سے سہل ہوتی ہے، غلط طریقہ سے تو آسان کام بھی دشوار ہو جاتا ہے، اب لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اصول ہی کی پابندی مشکل سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں کوئی معمولی کام بھی اصول کی پابندی اور مناسب طریق کار اختیار کئے بغیر انجام نہیں پاتا، جہاز، کشتی، ریل، موٹر سب اصول ہی سے چلتے ہیں، حتیٰ کہ ہنڈیا، روٹی تک بھی کسی اصول ہی سے پکتی ہے۔

(۳) فرمایا:- طریقت کی خاص غایت ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہ طبعی ہو جانا، یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جانا کہ احکام واوامر الٰہی کے بجالانے میں لذت وفرحت حاصل ہو اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے۔ یہ تو ہے طریقت کی غایت باقی جو کچھ ہے یعنی خاص اذکار واشغال اور مخصوص قسم کی ریاضت وغیرہ سو وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں، لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریق سمجھنے لگے، حالانکہ بعض تو ان میں سے بدعت ہیں۔ بہر حال چونکہ ان چیزوں کی حیثیت صرف ذرائع کی ہے اور یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں اس لئے احوال ومقتضیات کے اختلاف کے ساتھ ان پر نظر ثانی اور حسب مصلحت ترمیم وتبدیلی ضروری ہے، البتہ جو چیزیں شریعت میں منصوص ہیں وہ ہر زمانہ میں یکساں طور پر واجب العمل رہیں گی۔

(۴) فرمایا:- فرائض کا مقام نوافل سے بہت بلند ہے، بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ نوافل سے مقصود ہی فرائض کی تکمیل یا ان کی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے، غرض فرائض اصل ہیں اور نوافل ان کے تابع اور فروع، مگر بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ فرائض سے تو غفلت برتتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہنے کا اس سے بدرجہا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر غرض تبلیغ دین کے یہ تمام شعبے اہم فرائض میں سے ہیں۔ مگر کتنے ہیں جو ان فرائض کو ادا کرتے ہیں جو ان فرائض کو ادا کرتے ہیں لیکن اذکار نفلیہ میں اشتغال وانہماک رکھنے والوں کی اتنی کمی نہیں۔

(۵) فرمایا:- بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے، حالانکہ استغناء کا

منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ ومال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حبِ مال وجاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

(۶) فرمایا:- جب کوئی اللہ کا بندہ کسی امر خیر کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے تو شیطان طرح طرح سے اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتا ہے، لیکن اگر اس کی یہ مزاحمتیں اور رکاوٹیں ناکام رہتی ہیں اور وہ بندہ خدا ان سب کو عبور کر کے اس کارِ خیر کو شروع کر ہی دیتا ہے۔ تو پھر شیطان کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے اخلاص اور اس کی نیت میں خرابی ڈال کے یا دوسرے طریقوں سے اس کارِ خیر میں خود حصہ دار بن جائے، یعنی کبھی اس میں ریا وسمعہ یعنی دکھاوے اور شہرت کی خواہش کو شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دوسرے اغراض کی آمیزش اور ملاوٹ سے اس کی للّٰہیت کو برباد کرنا چاہتا ہے اور اس میں وہ بسا اوقات کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے دینی کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اس خطرہ سے ہر وقت چوکنے رہیں، اور اپنی نیتوں کا برابر جائزہ لیتے رہیں۔ کیونکہ جس کام میں رضائے الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری غرض کسی وقت بھی شامل ہو جائے گی پھر وہ اللہ کے یہاں قبول نہیں۔

(۷) فرمایا:- اکثر دینی مدارس میں ایک بڑی غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے کہ طلبہ کو پڑھا تو دیا جاتا ہے، لیکن اس کی کوئی خاص کوشش نہیں کی جاتی کہ اس پڑھنے پڑھانے کا جو اصل مقصد ہے یعنی خدمت دین اور دعوت الی اللہ، وہ پڑھنے کے بعد اسی میں لگیں، اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مدرسوں کے بہت سے ہونہار فاضل فراغت کے بعد محض تحصیل معاش کو اپنا مطمح نظر بنا کر یا تو طب پڑھنے میں لگ جاتے ہیں اور یا سرکاری یونیورسٹیوں کے امتحان دے کر انگریزی اسکولوں میں ٹیچری کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کی دینی تعلیم پر جو وقت اور روپیہ خرچ ہوا تھا اور جو محنت کی گئی تھی وہ نتائج کے لحاظ سے اس طرح سب غارت ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ دشمنان دین کے کام آتی ہے لہذا پڑھانے سے زیادہ ہم کو اس کی فکر اور کوشش کرنی چاہیئے کہ جو طلبہ پڑھ کر فارغ ہوں وہ دین کی خدمت ہی میں لگیں اور علم دین کے حقوق ادا کریں، اپنی کھیتی میں کچھ پیدا نہ ہو تو یہ بھی خسارہ ہے، لیکن اگر پیدا ہو کر ہمارے دشمنوں کے کام آئے تو یہ اور زیادہ خسارہ کی بات ہے۔

(۸) فرمایا:- سرکاری یونیورسٹیوں کے جو امتحانات مولوی فاضل وغیرہ دیئے جاتے ہیں، ہم لوگوں کو ان کی

قباحت اور ان کے ضرر دینی کا پورا اندازہ اور احساس نہیں، یہ امتحانات عموماً اسی لئے تو دئے جاتے ہیں کہ انگریزی اسکولوں میں نوکری مل سکے، گویا حکومت کافرہ نے اپنے مصالح کے لئے جو نظام تعلیم رائج کیا ہے اور اس سے اس کے جو مقاصد ہیں ان امتحانات مولوی فاضل وغیرہ کے دینے سے گویا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کافرانہ نظام کے معاون بلکہ اس کے اجرتی آلہ کار بننے کا استحقاق پیدا کیا جاسکے، غور فرمایا جائے علم دین پر اس سے بڑا ظلم اور اس کا اس سے زیادہ غلط استعمال اور کیا ہوگا کہ اعدائے دین کے تعلیمی نظام کی خدمت کا کام اس سے لیا جائے۔ گویا یوں سمجھئے کہ ان امتحانات کے ذریعہ علم دین کی نسبت اللہ اور رسول کے بجائے کافروں اور حکومت کافرہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

(۹) فرمایا:- علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھنے اور ان کی ادائیگی کی فکر کرنے لگے، لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے۔ تو پھر یہ علمی کبر وغرور ہے جو اہلِ علم کے لئے بڑا مہلک ہے۔ ش

کار خود کن کار بیگانہ مکن

(۱۰) فرمایا:- جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں۔ در حقیقت وہ کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں۔ البتہ آج چونکہ ان کی وہ دنیوی اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ اس کے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں لیکن اگر کل ہی ان کی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجہ میں ان کے بھی حامی اور وفادار ہو جائیں گے۔ ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے، تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان کو برا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر ان کو آمادہ کیا جائے، ان کی اصلی بیماری غرض پرستی ہے اور جب تک یہ ان میں موجود رہے گی، بیماری موجود رہے گی، اگر گورنمنٹ کی حمایت انہوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغرض کے لئے وہ کسی اور ایسی ہی طاقت کے وفادار بن جائیں گے۔ اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے۔ اور اللہ اور اس کے دین کا انہیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے، اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہوسکتا۔

(۱۱) فرمایا:- یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اس چیز کے حصول سے ملتا ہے جس کی اسے رغبت اور چاہت ہو، مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی، لذیذ کھانوں اور بیش قیمت کپڑوں سے ہی رغبت ہے تو اس کو ان چیزوں کے

بغیر چین وآرام نصیب نہیں ہوسکتا، لیکن جیسے چٹائی پر بیٹھنا، بورئے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو ظاہر ہے کہ اس کو اسی میں زیادہ چین اور سکھ محسوس ہوگا۔ پس جن لوگوں کو رسول ﷺ کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہوجائے اور ان کو اسی میں لذت اور چین ملنے لگے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ ان کا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرمادیا جو بیحد سستی ہیں اور جن کا حصول ہر غریب وفقیر کے لئے بہت آسان ہے، اگر بالفرض ہماری رغبت ان بیش قیمت چیزوں میں رکھ دی جاتی جو دولت مندوں ہی کو میسر آسکتی ہیں تو شاید عمر بھر ہم بے چین ہی رہتے۔

(۱۲) فرمایا:۔ ہم کو حکم ہے کہ جو مال تم کو اس دنیا میں دیا جائے اس کو روکو مت یعنی بخل مت کرو بلکہ خرچ کرتے رہو، لیکن اس شرط کی پابندی کے ساتھ کہ یہ خرچ بیجا بھی نہ ہو اور بے سلیقہ بھی نہ ہو، یعنی یہ صرف صحیح محل ومصرف میں ہو اور اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر ہو۔

(۱۳) فرمایا:۔ایک وقت ایسا ہوا کہ شاید بارش وغیرہ کی وجہ سے مولانا کے یہاں گوشت نہیں آسکا اور اس دن مہمانوں میں میرے ایک محترم بزرگ جو حضرت مولانا کے خاص عزیز بھی ہیں، موجود تھے، گوشت سے جن کی رغبت مولانا کو معلوم تھی، یہ عاجز بھی حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا پر اس کا بہت اثر ہے کہ آج دستر خوان پر گوشت نہیں ہے، مجھے اس پر ایک گونہ تعجب ہوا کہ یہ کونسی تعجب کی بات ہے، تھوڑی دیر کے بعد اسی پر قلق وافسوس کرتے ہوئے کہا:۔

فرمایا:۔ حدیث شریف میں ہے:۔ من کان یومن باللہ والیوم الآخرفلیکرم ضیفہ
"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے۔"

اور اکرام ضیف میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی رغبت کی چیز اگر مہیا ہوسکتی ہو تو مہیا کی جائے۔ اس کے بعد ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا: فکیف باضیاف اللہ واضیاف رسولہ اور جب کسی کے یہاں ایسے مہمان آئیں جو صرف اللہ اور رسول کی وجہ سے اور انہی کے کام سے آتے ہیں تو ان کا حق تو اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے"۔

(۱۴) فرمایا:۔ جنت حقوق کا بدلہ ہے، یعنی اپنے حقوق اپنا چین اور اپنا آرام اللہ کے لئے مٹایا جائے اور اپنے پر تکلیف برداشت کرکے دوسروں کے حقوق ادا کئے جائیں۔ جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں، تو اسی کا بدلہ جنت ہے، اسی سلسلہ میں فرمایا حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (تم زمین والوں پر رحم کھاؤ۔ رب السماء تم پر رحمت فرمائے گا"

حدیث میں دو عورتوں کے دو واقعے بیان کئے گئے ہیں جو عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں۔

۱:- کسی بدکار اور فاحشہ عورت نے کتے کی خبر گیری کی اور اس کی۔ پیاس پر ترس کھا کر کنویں سے پانی نکال کر اسے پلایا تو اللہ نے اس فعل کے عوض اس کے لئے جنت کا فیصلہ فرمادیا۔

۲- اور ایک دوسری عورت نے جو بدکار نہیں تھی ایک بلی کو بھوکا رکھ کر تڑپا تڑپا کر مارڈالا تو وہ جہنم میں ڈالدی گئی۔

(۱۵) فرمایا:- رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں قبل ہجرت جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوت حق دینا اور اس مقصد کے لئے خود ان کے پاس جانا بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپ نے اس وقت کیا جب کہ خود دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپ نے تیار کردی اور پھر اس کام ہی کا یہ تقاضا ہوا کہ آپ ایک مرکز میں بیٹھ کے اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں، اور کارکنوں سے کام لیں۔

علیٰ ہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جب کہ ایران وروم کے علاقوں میں **کلمة اللہ** کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرنے والے اللہ کے ہزاروں بند پیدا ہو چکے تھے۔ اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز ہی میں رہ کر اس دعوت حق اور جہد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

(۱۶) فرمایا:- حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی کہ وہ نماز کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں۔

الہم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرةً من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم.

یعنی اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا نہیں، پس تو محض اپنے فضل وکرم سے جس میں گویا میرے استحقاق کو کوئی دخل نہیں ہے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بخشنے والا اور رحم کرنے والا یقیناً تو ہی ہے، ذرا سوچیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی ہے جو اس ساری امت میں اکمل وافضل ہیں اور بالخصوص ان کی نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ایسی کامل ہوتی تھی کہ آپ نے ان کو خود امام نماز بنایا۔ باجود اس کے ان کو بھی یہ تعلیم فرمائی کہ نماز کے آخر میں اللہ پاک کے حضور اپنی کوتاہی اور عبادت کا حق ادا نہ ہوسکنے کا اعتراف اس طرح کیا کرو اور اس طرح محض اس کے فضل وکرم سے مغفرت ورحمت کی درخواست کیا کرو! پھر کجا ماوشما۔ (ہم اور تم کہاں)

بانی وامیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جدوجہد

(۱۷)فرمایا:- انسان کا قیام زمین کے اوپر بہت کم ہے، یعنی زیادہ سے زیادہ عمر طبعی کی مقدار قیام کرتا ہے، یا یوں سمجھو کہ دنیا میں تو تمہارا قیام ہے بہت مختصر، اور اس کے بعد جن جن مقامات پر ٹھہرنا ہے، مثلاً مرنے کے بعد نفخہ ثانیہ (دوسرے صور پھونکے جانے) تک اس حالت میں جس کو اللہ ہی جانتا ہے اور مدت بھی ہزار ہا برس کی ہوگی اور پھر ہزار ہا برس ہی آخرت میں جس ٹھکانے کا فیصلہ ہو، غرض دنیا سے گزرنے کے بعد ہر منزل اور مقام کا قیام دنیا سے سیکڑوں ہی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ پھر انسان کی کیسی غفلت ہے کہ دنیا کے چند روزہ قیام کے لئے وہ جتنا کرتا ہے ان دوسرے مقامات کے لئے اتنا بھی نہیں کرتا۔

(۱۸)فرمایا:- حقیقی ذکر اللہ یہ ہے کہ آدمی جس موقع پر اور جس حال اور جس مشغلہ میں ہو اس کے متعلق اللہ کے جو احکام و اوامر ہوں ان کی نگہداشت رکھے اور میں اپنے دوستوں کو اسی ذکر کی زیادہ تاکید کرتا ہوں۔

(۱۹)فرمایا:- انسان کو اپنے ماسوا پر جو امتیاز و تفوق (برتری) حاصل ہے اس میں زبان کو خاص دخل ہے، اب اگر زبان سے آدمی اچھی ہی باتیں کرتا ہے اور خیر ہی میں اُس کو استعمال کرتا ہے، تو یہ امتیاز و تفوق اس کو خیر میں حاصل ہوگا، اور اگر زبان کو اس نے آلہ شر بنا رکھا ہے۔ مثلاً بُری باتیں بکتا ہے اور ناحق لوگوں کو ایذا دیتا ہے تو پھر اسی زبان کی بدولت وہ شر میں ممتاز اور بالا ہوگا حتیٰ کہ کبھی کبھی یہی زبان آدمی کو کتے اور خنزیر سے بھی بدتر کردے گی۔

حدیث شریف میں ہے:-

وهل يكب الناس فى النار علىٰ مناخرهم الا حصائد السنتهم

یعنی آدمیوں کو جہنم میں اوندھے منہ ان کی بکواس ہی ڈالیگی۔

اللّٰهم احفظنا (اے اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھ۔)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"جتنا بھی اچھے سے اچھا کام کرنیکی اللہ توفیق دے ہمیشہ اس کا خاتمہ استغفار پر ہی کیا جائے۔ غرض ہمارے ہر کام کا جزو آخر استغفار ہو، یعنی یہ سمجھ کر کہ مجھ سے یقیناً اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کوتاہیوں کے لئے اللہ سے معافی مانگی جائے، رسول اللہ (ﷺ) نماز کے ختم پر بھی اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے، لہذا تبلیغ کا کام بھی ہمیشہ استغفار ہی پر ختم کیا جائے، بندہ سے کسی طرح بھی اللہ کے کام کا حق ادا نہیں ہو سکتا، نیز ایک کام میں مشغولیت بہت سے دوسرے کاموں کے نہ ہوسکنے کا بھی باعث بنجاتی ہے تو اس قسم کی چیزوں کی تلافی کے لئے بھی ہر اچھے کام کے ختم پر استغفار کرنا چاہئے۔"

قسط نمبر ۲

(۲۰) ایک دن صبح کی نماز کے بعد خدمتِ دین اور نصرت دین کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:-
دیکھو جانتے اور مانتے ہیں کہ خدا غائب نہیں ہے بلکہ شاہد ہے اور ہر آن شاہد ہے تو جس کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے بندوں کا اس میں نہ لگنا اور اس کے غیروں میں لگے رہنا یعنی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک، سوچو کہ کیسی بے نصیبی اور کتنی بڑی محرومی ہے اور قیاس کرو کہ یہ چیز خدا کو کس قدر غضب ناک کرنے والی ہوگی؟

اور خدا کے دین کے کام سے غافل رہنا اور اس کے اوامر و احکام کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے دنیا میں لگا رہنا ہی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک ہے اور اس کے برعکس اللہ میں لگنا یہ ہے کہ اس کے دین کی نصرت میں لگا رہے اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتا رہے۔ مگر اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ جو بات جتنی زیادہ اہم اور جتنی زیادہ ضروری ہو اس کی طرف اس قدر توجہ دی جائے اور یہ چیز معلوم ہوگی صرف رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے اور معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے جس کام کے لئے سب سے زیادہ محنت کی اور سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں وہ کام تھا کلمہ کا پھیلانا، یعنی بندوں کو خدا کی بندگی کے لئے تیار کرنا اور اس کی راہ پر لگانا، تو یہی کام سب سے زیادہ اہم رہے گا اور اس کام میں لگنا اعلیٰ درجہ کا خدا میں لگنا ہوگا۔

(۲۱) ایک صحبت میں فرمایا:- لوگوں نے اللہ کی عبدیت اور بندگی کو انسانوں کی غلامی اور نوکری سے بھی کم درجہ دے رکھا ہے، غلاموں اور نوکروں کا عام حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے آقا کے کام میں لگا رہنا ہی اپنا منصب سمجھتے ہیں اور اس کے بیچ میں دوڑتے جاگتے جو کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے کھا پی لیتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک کے ساتھ اب بندوں کا یہ معاملہ رہ گیا ہے کہ مستقل طور سے تو وہ اپنے اور بالکل اپنے کاموں اور اپنے مرغوبات اور لذائذ میں اپنے لئے لگے رہتے ہیں، اور کبھی کبھی کچھ وقت اپنے ان ذاتی مشاغل و مرغوبات سے نکال کر خدا کا کوئی کام بھی کر لیتے ہیں، مثلاً نماز پڑھ لیتے ہیں یا خیر کے کاموں میں چندہ دیدیتے ہیں اور سمجھتے ہیں بس خدا اور دین کا مطالبہ ہم سے ادا ہوگیا، حالانکہ حقِ بندگی یہ ہے کہ **اصالۃً** اور **مستقلاً** تو ہو دین کا کام اور اپنا کھانا پینا اور اس کے لئے سامان کرنا ہو صرف ضمناً اور طبعاً اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے تمام ذرائع معاش اور کاروبار چھوڑ دیں! نہیں بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہو اس کی بندگی کے تحت ہو اور اس کے دین کی خدمت اور نصرت سب میں ملحوظ ہو اور اپنے کھانے پینے وغیرہ کی

حیثیت صرف ضمنی ہو جس طرح ایک غلام کی اپنے آقا کے کاروبار میں ہوتی ہے۔

ایک دن کسی وقت کی نماز ایک صاحب نے پڑھائی بعد نماز یہ دعا بھی کی جو خود حضرت مولانا بھی بکثرت کیا کرتے تھے۔

اللهم انصر من نصر دین محمد صلی الله علیه وسلم

اے اللہ حضرت محمد ﷺ کے دین کی جو مدد کریں، تو ان کی مدد فرما۔

واخذل من خذل دین محمد صلی الله علیه وسلم

اور جو اس دین کی مدد نہ کریں، ان کی تو بھی کوئی مدد نہ فرما۔

حضرت مولانا نے اس پر تین بار باآواز بلند ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا:۔

اللهم لا تجعلنا منهم لاتجعلنامنهم اللهم لا تجعلنا منهم.

پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

(۲۲) بھائیو اس دعا پر غور کرو اور اس کا وزن سمجھو یہ وہ دعا اور بد دعا ہے جس کو قریباً ہر زمانے میں اللہ کے خاص بندے کرتے چلے آئے ہیں، یہ بڑی بھاری دعا ہے اس میں دینؐ کی مدد کرنے والوں اور اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لئے تو رحمت و نصرت کی دعا ہے لیکن دین کی مدد نہ کرنے والوں کے حق میں بڑی سنگین بد دعا ہے کہ خدا ان کو اپنی رحمت و نصرت سے محروم کردے۔ اب ہر شخص اس دعا کو اپنے اوپر منطبق کر کے دیکھے کہ وہ اس کی اچھی دعا کا مصداق ہے یا بد دعا کا نشانہ، یہ بھی خیال رہے کہ اپنی اپنی نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اگرچہ اعلیٰ درجہ کی عبادتیں ہیں، لیکن یہ دین کی نصرت کے کام نہیں ہیں، دین کی نصرت تو وہی ہے جس کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول ﷺ نے "نصرت" بتلایا ہے اور اس کا اصلی اور مقبول ترین طریقہ بھی وہی ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے رواج دیا۔ اس وقت اس طریقہ اور اس رواج کو تازہ کرنے اور پھر سے اس کو جاری کرنے کی سعی کرنا ہی دین کی سب سے بڑی نصرت ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ **آمین**

قسط نمبر ۳

(۲۳) ایک صحبت میں فرمایا: ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کا **جمیع ماجاء به النبی** ﷺ (ہروہ بات جس کو نبی اکرم ﷺ لائے ہوں) سکھانا یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا۔ یہ تو ہے ہمارا مقصد خاص رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کرسکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کریں اور قافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں علماء وصلحاء کو بیچارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں، ہر جگہ اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریق ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ واستفاد (فائدہ پہنچانا اور فائدہ حاصل کرنا) اور تعلیم و تعلم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

(۲۴) ایک صحبت میں فرمایا:۔ ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر ان کی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کی جائے اور الٹا ان کو برا بھلا کہا جائے الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور ملول نہ ہوں، اور ایسے موقع پر یاد کرلیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاء علیہ السلام کی خاص سنت اور وراثت ہے، راہ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے۔ اور جہاں ان کا استقبال اعزاز و اکرام سے کیا جائے، ان کی دعوت و تبلیغ کی قدر کی جائے اور طلب کے ساتھ ان کی باتیں سنی جائیں اور مانی جائیں تو اس کو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز اس کی ناقدری نہ کریں، ان طالبوں کی خدمت اور تعلیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں، اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقہ کے لوگ ہوں قرآن کی آیات **عبس وتولیٰ ان جاءه الاعمیٰ الایات** (سورہ عبس کی ابتدائی آیات) میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے، ہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں، نفس اس مقبولیت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے، نیز اس صورت میں پیر پرستی کے فتنہ کا بھی سخت اندیشہ ہے لہذا اس سے خاص طور سے خبردار رہیں۔

(۲۵) ایک صحبت میں فرمایا:۔ سب کارکنوں کو سمجھا دو کہ اس راہ میں بلاؤں اور تکلیفوں کو خدا سے مانگیں تو

ہر گز نہیں بندہ کو اللہ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہیے، لیکن اگر اللہ پاک اس راہ میں یہ مصیبتیں بھیج دے تو پھر ان کو خدا کی رحمت اور ذریعہ کفارہ سیئات و رفع درجات سمجھا جائے، راہ خدا میں اس قسم کی مصیبتیں تو انبیاء اور صدیقین و مقربین کی خاص غذائیں ہیں۔

(۲۶) ایک صحبت میں فرمایا:۔ تبلیغ ودعوت کے وقت بالخصوص باطن کا رخ اللہ پاک کی ہی طرف رکھنا چاہئے نہ کہ مخاطبین کی طرف، گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کسی کام اور اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اور اس کے کام کے لئے نکلے ہیں۔ مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جب اس وقت یہ دھیان ہو گا تو انشاء اللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمت ٹوٹے گی۔

(۲۷) فرمایا:۔ کیسا غلط رواج ہو گیا ہے، دوسرے لوگ ہماری بات مان لیں تو اس کو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور نہ مانیں تو اس کو ہماری ناکامی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس راہ میں ایسا خیال کرنا بالکل ہی غلط ہے دوسروں کا ماننا یا نہ ماننا تو ان کا فعل ہے، انکے کسی فعل سے ہم کامیاب یا ناکام کیوں کہے جائیں، ہماری کامیابی یہی ہے کہ ہم اپنا کام پورا کردیں اب اگر دوسروں نے نہ مانا تو یہ ان کی ناکامی ہے، ہم ان کے نہ ماننے سے ناکامیاب کیوں ہو گئے، لوگ بھول گئے وہ منوا دینے کو جو در حقیقت خدا کا کام ہے اپنا کام اور اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے حالانکہ ہماری ذمہ داری صرف بطریق احسن اپنی کوشش لگا دینا ہے، منوانے کا کام تو پیغمبروں کے سپرد بھی نہیں کیا گیا۔

ہاں! نہ ماننے سے یہ سبق لینا چاہیے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی اور ہم سے حق ادا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ نتیجہ ہمیں دکھایا اور اس کے بعد اپنی کوشش کی مقدار بڑھا دینے اور دعا و توفیق طلبی میں بھی کماً و کیفاً (ناپ، تول گنتی، کیفیت) اضافہ کرنے کا عزم کر لینا چاہیے۔

(۲۸) فرمایا:۔ہمارے عام کار کن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء و صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی صورت میں ہو اور ان حضرات کو براہ راست اس کام کی دعوت نہ دیں، وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا وہ تجربہ رکھتے ہیں اور اپنی بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا نہ سکو گے، یعنی تم ان کو اپنی باتوں میں اس کا یقین دلا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لئے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ تمہاری بات کو مانیں گے یا نہیں اور جب ایک دفعہ ان کی طرف سے ''نا'' ہو جائے گی تو پھر اس ''نا'' کا بھی ہاں میں بدلنا مشکل ہو جائے گا، بہ بات نہ سنیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود تمہارے اندر تذبذب پیدا ہو جائے، اس لئے ان کی خدمت میں بس

استفادہ (فائدہ حاصل کرنے) ہی کے لئے جایا جائے، لیکن ان کے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے، اس طرح امید ہے کہ تمہارے کام اور ان کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی اور ان کے داعی اور ان کی توجہ کی طالب ہوجائیں گی پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے اور ان کے دینی ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔

(۲۹) فرمایا:- اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء وصلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور پر متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ان حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں نیز یہ سمجھ لیا جائے کہ چونکہ یہ دین کے خاص خادم ہیں اس لئے شیطان ان کا ہم سے گہرا دشمن ہے "چور مایہ ہی پر تو آتا ہے" علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے۔ جب اس کے گرفتار اپنی دینوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل و انہماک کو چھوڑ کر اس کام میں لگ نہیں سکتے تو اہل دین اپنے اعلیٰ دینی مشاغل کو اس کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں، عرفا نے کہا ہے کہ حجابات نورانی حجابات ظلماتی سے بدرجہا زیادہ شدید ہوتے ہیں۔

(۳۰) ایک صحبت میں فرمایا:- تبلیغ کے اصولوں میں ایک یہ بھی ہے کہ عمومی خطاب میں سختی ہو اور خصوصی خطاب میں نرمی بلکہ حتی الوسع خصوصی اصلاح کے لئے بھی عمومی خطاب ہی کیا جائے، آنحضرت ﷺ کو خاص افراد کا بھی کوئی جرم معلوم ہوتا تو بھی اکثر آپ ﷺ **مابال اقوام** کہہ کر ہی خطاب و عتاب فرماتے۔

(۳۱) ایک صحبت میں فرمایا:- باتوں سے خوش ہولینا ہماری عادات ہو گئی ہے اور اچھے کام کر لینے کو ہم اصل کام کے قائم مقام سمجھ لیتے ہیں۔ اس عادت کو چھوڑو کام کرو کام۔

کار کن کار بگزر از گفتار

کندریں رہ کار دارد کار

(۳۲) ایک صحبت میں فرمایا:- وقت چلتی ہوئی ایک ریل ہے، گھنٹے منٹ اور لمحہ گویا اس کے ڈبے ہیں اور ہمارے مشاغل اس میں بیٹھنے والی سواریاں ہیں، اب ہمارے دینوی اور مادی ذلیل مشاغل نے ہماری زندگی کی ریل کے ان ڈبوں پر ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ وہ شریف اخروی مشاغل کو آنے نہیں دیتے ہمارا کام یہ ہے کہ عزیمت سے کام لے کر ان ذلیل اور دُنیوی مشاغل کی جگہ ان شریف اور اعلیٰ مشاغل کو قابض کر دیں جو خدا کو راضی کرنے والے اور ہماری آخرت کو بنانے والے ہیں۔

(۳۳)ایک صحبت میں فرمایا:- جتنا اچھے سے اچھا کام کرنے کی اللہ توفیق دے ہمیشہ اس کا خاتمہ استغفار پر کیا جائے غرضیکہ ہمارے ہر کام کا جزو آخر استغفار ہو، یعنی یہ سمجھ کر کہ مجھ سے یقیناً اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کوتاہیوں کے لئے اللہ سے معافی مانگی جائے، رسول اللہ ﷺ نماز کے ختم پر بھی اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے۔ لہذا تبلیغ کا کام بھی ہمیشہ استغفار ہی پر ختم کیا جائے۔ بندہ سے کسی طرح بھی اللہ کے کام کا حق ادا نہیں ہوسکتا، نیز ایک کام میں مشغولیت بہت سے دوسرے کاموں کے نہ ہوسکنے کا بھی باعث بن جاتی ہے، تو اس قسم کی چیزوں کی تلافی کے لئے بھی ہر اچھے کام کے ختم پر استغفار کرنا چاہیے۔

(۳۴)ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز بلند نہیں فرماسکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ:-

آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا، گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی، بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو قوی چیزوں سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ وضلالت کا ایک نیا دروازہ بن جائے، دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان محض رسمی اور اسمی ہیں اور اللہ کے ذکر کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنالیتا ہے، لہذا علم و ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بس ایک یہ آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدا نہ کرے آپ لوگ سخت خسارہ میں رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا کا مقصد اسی ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ و دعوت کے سلسلہ کی محنت و مشقت سفر و ہجرت اور ایثار و قربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم و تعلم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق رکھنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں بہ الفاظ دیگر مقصد صرف سپاہی اور والنٹیئر (رضا) بننا نہیں ہے، بلکہ طالب علم دین اور اللہ کا یاد کرنے والا بھی بننا ہے۔

قسط نمبر ۴

(۳۵) آخری دفعہ جب میں وسط جون میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا:

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم!

پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

(ترجمہ لب بر جان آپہنچی تو آکہ مجھے زندگی حاصل ہو۔ میرے مرنے کے بعد تیرے آنیکا فائدہ)

مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا، پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ میں نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا۔ عرض کیا یاد ہے۔ مگر اس وقت تو دلی میں بہت گرمی ہے رمضان میں تعطیل ہو گی تو بعد رمضان وقت دوں گا۔ فرمایا تم رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی امید نہیں (۱)۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اب میں ٹھہر گیا، آپ دل برا نہ کریں میں ابھی تبلیغ میں وقت دوں گا یہ سن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک سینے سے لپٹائے رکھا اور بہت دعائیں دیں، پھر فرمایا تم نے میری طرف رخ تو کیا ہے بہت سے علماء تو دور دور ہی سے میرے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں پھر ایک بڑے عالم کا نام لیا کہ وہ تبلیغ میں آج کل بہت حصہ لے رہے ہیں، مگر مجھ سے پوچھو تو اب تک بھی وہ میرے منشا کو نہیں سمجھے کیونکہ مجھ سے آج تک بلاواسطہ گفتگو نہیں کی وسائط سے گفتگو کرتے ہیں، اب میں وسائط سے اپنے منشا کو کیونکر سمجھا دوں خصوصاً جب کہ وسائط بھی ناقص ہوں اس لئے میں چاہتا ہوں تم کچھ دن میرے پاس رہو تم میری منشا کو سمجھو گے دور رہ کر نہیں سمجھ سکتے، یہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو جلسوں میں تقریر کرتے ہو تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں۔

(۳۷) ایک صحبت میں فرمایا حدیث میں ہے الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں نفس کی حمایت اور نفسانی خواہشات کے مطابق چلنے کے لئے نہیں بھیجے گئے، جس سے یہ دنیا آدمی کے لئے

---

(۱) چنانچہ شعبان آنے میں ابھی ایک عشرہ باقی تھا کہ ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کی صبح کو رفیق اعلیٰ سے جاملے رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

جنت بن جاتی ہے، بلکہ ہم نفس کی مخالفت اور احکام الٰہی کی اطاعت کے لئے بھیجے گئے ہیں جس سے یہ دنیا مؤمن کیلئے سجن یعنی جیل خانہ بن جاتی ہے، پس اگر ہم بھی کفار کی طرح نفس کی حمایت وموافقت کر کے دنیا کو اپنے لئے جنت بنائیں گے تو ہم جنت کفار کے غاصب ہوں گے اور اس صورت میں نصرتِ حق غاصب کے ساتھ نہ ہوگی بلکہ مغصوب منہ کے ساتھ ہوگی، فرمایا اس میں اچھی طرح غور کرو۔

(۳۸) فرمایا لوگ میری تبلیغ کی برکات دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہو رہا ہے۔ حالانکہ کام اور چیز ہے اور برکات اور چیز ہیں، دیکھو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش ہی سے برکات کا تو ظہور ہونے لگا تھا، مگر کام بہت بعد میں شروع ہوا، اسی طرح یہاں سمجھو میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک حالی کام شروع نہیں ہوا جس دن کام شروع ہو جائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو بھی منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا اور کام کرنے والے اس راہ میں بچل گئے تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں ہی آجائیں گے، اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(۳۹) ایک جمعہ کو مسجد اسمبلی دہلی میں قبل نماز جمعہ میرا بیان ہوا، مولانا ہی کی تجویز تھی کہ وہاں بیان ہونا چاہئے، نماز کے بعد میں اسی روز نظام الدین واپس نہ ہوا، اپنے اعزہ کے ساتھ رات کو رہ گیا۔ اگلے دن نظام الدین پہنچا اور معذرت کی کہ اعزہ کے اصرار کی وجہ سے رات کو دہلی رہ گیا تھا، فرمایا ارے مولانا اس معذرت کی ضرورت نہیں کام میں لگنے والوں کو ایسے اعذار پیش آیا کرتے ہیں اس کی پرواہ نہیں، اچھا یہ بتلاؤ مسجد اسمبلی میں وعظ ہوا تھا؟ عرض کی جی ہاں ہوا تھا! بہت خوش ہوئے اور فرمایا دیکھو یہ لوگ خود اپنی طلب سے ہم کو نہیں بلاتے ان کو دنیا ہی سے فرصت نہیں ان کے پاس ہم کو بلا طلب خود جا کر تبلیغ کرنا چاہئے

پھر دریافت فرمایا کیا بیان ہوا تھا! عرض کیا کہ آیت :- **ان فی خلق السمٰوت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الالباب الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم (الایات)** سے یہ ثابت کر کے کہ عقلاء وہ ہیں جو نظام عالم پر غور کر کے اس کے خالق کو پہچانتے اور ہر وقت اس کی یاد میں رہتے ہیں، نہ وہ جو زمین وآفتاب کی گردش ہی کے چکر میں رہ جائیں اور خالق تک نہ پہنچیں، ذکر اللہ کی ضرورت اور اس کی حقیقت واضح کی پھر تبلیغ کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ فرمایا یہ مضمون اونچا تھا اس مجمع کے مناسب نہ تھا، اس مضمون کے اہل یہاں پر جمع ہیں اس کو یہاں کسی وقت بیان کرنا چاہئے اس مجمع کے مناسب دوسری آیت تھی۔

والذین اجتنبوا الطاغوت ان یعبدوھا و انابوا الی اللّٰہ لہم البشریٰ فبشر عبادی الذین یستمعون

القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب. (النحل ۲۶)
فرمایا یہ طبقہ نیچے کے درجہ کا ہے جس پر لفظ ھداھم اللہ دال ہے۔ عرض کیا سچ ہے پھر موقع ہوا تو وہاں اسی کو بیان کروں گا۔

(۴۰) ایک صحبت میں فرمایا:- ہماری تبلیغ کا اصل مقصد طاغوت سے ہٹنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ بدون قربانی کے نہیں ہوسکتا دین میں جان کی بھی قربانی ہے اور مال کی بھی، سو تبلیغ میں جان کی قربانی یہ ہے کہ اللہ کے واسطے اپنے وطن کو چھوڑے اور اللہ کے کلمہ کو پھیلائے، دین کی اشاعت کرے، مال کی قربانی یہ ہے کہ سفر تبلیغ کا خرچ خود برداشت کرے، اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے کسی زمانہ میں خود نہ نکل سکے وہ خصوصیت سے اس زمانہ میں دوسروں کو تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دے، اوروں کو بھیجنے کی کوشش کرے، اس طرح الدال علی الخیر کفاعلہ کی بنا پر جتنوں کو یہ بھیجے گا اُن سب کی کوششوں کا ثواب اس کو بھی ملے گا، اور اگر نکلنے والوں کی امداد مالی بھی کرے گا تو مالی قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا، پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر ہم کسی عذر کی وجہ سے اس وقت نہیں کرسکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ دین یہی ہے کہ قاعدین معذورین مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

(۴۱) ایک بار فرمایا، مولانا ہماری تبلیغ میں علم اور ذکر کی بڑی اہمیت ہے بدون علم کے نہ عمل ہوسکے نہ عمل کی معرفت اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہے اس میں نور نہیں ہوسکتا، مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے، میں نے عرض کیا کہ تبلیغ خود بہت اہم فریضہ ہے اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلوی قدس سرہ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لئے اپنے خدام کو بجائے ذکر و شغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کردیا تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں، تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں جہاد کے انوار ہیں اور اس وقت اسی کی ضرورت ہے، فرمایا۔ مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہل علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات اگر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہوجائے، مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

اب تک جو جماعتیں تبلیغ کیلئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے جس کا حضرت کو قلق تھا کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پور ہوجائے، الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں، مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں، اگر وہ ہر جماعت کیساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون

سرانجام دے۔

(۴۲) ایک خط میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ فقرہ تھا کہ مسلمان دو ہی قسم کے ہوسکتے ہیں، تیسری کوئی قسم نہیں یا اللہ کے راستہ میں خود نکلنے والے ہوں، یا نکلنے والوں کی مدد کرنیوالے ہوں، فرمایا بہت خوب سمجھے ہیں پھر فرمایا کہ نکلنے والوں کی مدد میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں کو نکلنے پر آمادہ کریں اور ان کو بتلائیں کہ تمہارے نکلنے سے فلاں عالم کے درس بخاری یا درس قرآن کا حرج نہ ہوگا تو تم کو بھی ان کے درس کا ثواب ملیگا اس قسم کی نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور ثواب کے راستے بتلانا چاہئیں۔

(۴۳) ایک بار فرمایا:- مولانا ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دیندار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں اور اپنے نیچے والوں کو دیں، مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں کیونکہ جتنا ہم کلمہ کو پہنچائیں گے پھیلائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منور ہوگا، اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی، تبلیغ کا یہ بڑا گر ہے کہ اس سے مبلغ کو اپنی تبلیغ مقصود ہو دوسروں کے لئے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیونکہ ہادی اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

(۴۴) ایک بار فرمایا حدیث میں ہے

من لا یرحم لا یرحم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء مگر افسوس لوگوں نے حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کرلیا ہے۔ اس لئے ان کو اس شخص پر رحم تو آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، مگر مسلمان کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا، گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کے دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں آیا- فرمایا ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی پر رکھی گئی ہے، اسی لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر مبلغ اس لئے تبلیغ کر رہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دے گا- لیکن اگر یہ منشاء ہے تو پھر بھی تکبر و عجب میں مبتلا ہے، جس سے نفع کی امید نہیں، نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا اس میں خلوص بھی ہوگا، اس کی نظر اپنے عیوب پر بھی ہوگی، اور دوسروں کے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی تو یہ شخص اپنے نفس کا حامی نہ ہوگا بلکہ شاکی ہوگا اور اس تبلیغ کا یہی گر ہے کہ حمایت نفس سے الگ ہو کر شکایت نفس کا سبق ہمیشہ پیش نظر رہے۔

(۴۵) ایک بار فرمایا - مولانا احکام الہیہ کا تفقد (ترتیب دینا) لازم ہے، برابر تفقد میں لگا رہنا چاہیے، مثلاً کسی

کام میں مشغول ہونے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ اشتغال دو چیزوں کو چاہتا ہے، ایک اس کام پر توجہ کو جس میں وہ مشغول ہونا چاہتا ہے، دوسرے اور کاموں سے اس وقت غفلت کو، تو اب سوچنا چاہیے، کہ جن کاموں سے اس وقت غفلت ہوگی ان میں کوئی اس کام سے تو اہم نہیں جس میں اشتغال ہوگا اور یہ بدون تفقد کے نہیں ہو سکتا۔

(۴۶) ایک بار فرمایا:۔ نماز سے پہلے کچھ دیر نماز کا مراقبہ کرنا چاہیے جو نماز بلا انتظار کے ہو وہ پھس پھسی ہے، تو نماز سے پہلے نماز کو سوچنا چاہیے۔

ف :۔ شریعت نے اسی واسطے فرائض سے پہلے سنن و نوافل و اقامت وغیرہ مشروع کئے ہیں تا کہ نماز کا مراقبہ اچھی طرح ہو جائے پھر فرض ادا کیا جائے، مگر ہم نہ تو سنن و نوافل اور اقامت وغیرہ کے ان فوائد اور مصالح کو سمجھتے ہیں اور نہ ان اسے یہ فائدے حاصل کرتے ہیں اس لئے ہمارے فرائض بھی ناقص ادا ہوتے ہیں۔

اللھم انی اسئلک تمام الموضوع وتمام الصلوٰت وتمام رضوانک . آمیں

(۴۷) ایک بار فرمایا:۔ تبلیغ میں کام کرنے والوں کو اپنے قلب میں وسعت پیدا کرنا چاہیے، جو اللہ کی وسعت رحمت پر نظر کر کے پیدا ہوگی اس کے بعد تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۴۸) ایک بار فرمایا:۔ سیدنا رسول ﷺ ابتدائے اسلام کے زمانے میں جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی۔ بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے۔ طلب کے منتظر نہیں رہے، بعض مقامات پر حضرات صحابہؓ کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو۔ اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے۔ تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیے، ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیئے اور کلمہ حق بلند کرنا چاہیئے (پھر خشکی غالب ہو گئی اور بات نہ کر سکے) تو فرمایا مولانا! تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے۔ اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا بس جو کچھ کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہیئے۔

(۴۹) ایک بار فرمایا:۔ میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ اور تیسرا کلمہ **سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ** اور صبح و شام سو سو بار درود شریف واستغفار و تلاوت قرآن مع تصحیح قراءت اور نوافل میں تہجد کی تاکید اور اہل ذکر کے پاس جانا، علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(۵۰) ایک بار فرمایا :خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے کہ ریاضت و مجاہدہ سے نہیں ہوتی کیونکہ ان کو خواب میں علوم صحیحہ القا ہوتے ہیں جو نبوت کا حصہ ہے، پھر ترقی کیوں

ہوگی علم سے معرفت بڑھتی ہے اور معرفت سے قرب بڑھتا ہے اسی لئے ارشاد ہے **قل رب زدنی علما** ۔ پھر فرمایا آج کل میں مجھ پر علوم صحیحہ کا القا ہوتا ہے اس لئے کوشش کرو کہ مجھے نیند زیادہ آئے (خشکی کی وجہ سے نیند کم ہونے لگی تھی) تو میں نے حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے سر میں تیل کی مالش کرائی جس سے نیند میں ترقی ہوگئی۔

آپ نے فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد **کنتم خیرامۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ** (سورہ آل عمران ۱۱۰) کی تفسیر خواب میں یہ القاء ہوئی کہ تم مثل انبیاء کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے ہو اور اس مطلب کو اخرجت سے تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جگہ جم کر کام نہ ہوگا بلکہ در بدر نکلنے کی ضرورت ہوگی، تمہارا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس کے بعد **تؤمنون باللہ** فرما کر یہ بتلایا گیا ہے کہ اس امر بالمعروف سے خود تمہارے ایمان کو ترقی ہوگی ورنہ نفس ایمان کا حصول تو **کنتم خیر امۃ** ہی سے معلوم ہو چکا ہے، پس دوسروں کی ہدایت کا قصد نہ کرو اپنے نفع کی نیت کرو اور **اخرجت للناس** میں الناس سے مراد عرب نہیں بلکہ غیر عرب ہیں کیونکہ عرب کے متعلق تو **لست علیھم بمصیطر** (غاشیہ) **وما انت علیھم بوکیل** (سورہ انعام) فرما کر یہ بتلا دیا گیا تھا کہ ان کے متعلق ہدایت کا ارادہ ہو چکا ہے۔ آپ ان کی زیادہ فکر نہ کریں ہاں **کنتم خیر امۃ** کے مخاطب اہل عرب ہیں اور الناس سے مراد دوسرے لوگ ہیں جو عرب نہیں چنانچہ اس کے بعد **ولو آمن اھل الکتاب لکان خیر لھم** ہے۔

اور یہاں لکان **خیرلھم** فرمایا **لکان خیرلکم** نہیں فرمایا کیونکہ مبلغ کو تو تبلیغ ہی سے اپنے ایمان کی تکمیل کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے خواہ مخاطب قبول کرے یا نہ کرے اگر مخاطب تبلیغ کا اثر قبول کر کے ایمان لے آئے تو اس کا اپنا بھی فائدہ ہوگا مبلغ کا فائدہ اس پر موقوف نہیں۔

(۱۵) ایک بار فرمایا۔ زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کم تر ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقہ حرام تھا، ہدیہ حرام نہ تھا، اور گو زکوٰۃ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے، مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے جیسے ابتداء سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے، مگر ابتدائے سلام جواب سے بہتر ہے، اسی طرح زکوٰۃ گو فرض ہے مگر اس کا ثمرہ تطہیر مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے مگر اس کا ثمرہ تطییب قلب مسلم ہے تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے، کیونکہ تطہیر مال سے تطییب قلب مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور زکوٰۃ سے بھی اگرچہ مسلمان حاجت مند کی تطییب قلب ہو جاتی ہے مگر مقصود نہیں بلکہ طبعاً حاصل ہو جاتی ہے اور ہدیہ سے اصل مقصود ہی تطییب قلب مسلم ہے، پھر فرمایا کہ زکوٰۃ دینے والوں پر تفقد (ترتیب) مصرف لازم ہے جیسے نماز پڑھنے والے پر پاک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے اور صحیح مصرف زکوٰۃ وہ

ہے جس میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو۔ شریعت کا زکوٰۃ فرض کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ غریب مسلمانوں میں مال کی حرص و طمع پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی خیرات و زکوٰۃ کے منتظر رہا کریں، پس جو شخص اللہ پر بھروسہ کرکے صبر اختیار کرتا ہے۔ جس قدر وہ صبر و توکل کرے گا اسی قدر اہل اموال پر بقدر اس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبہم الجاھل اغنیاء من التعفف .**

تو صحیح مصرف زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور صبر سے اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ کسی سے سوال نہیں کرتے نہ کسی سے طمع رکھتے ہیں مگر آج کل اہل اموال پیشہ ور سائلوں کو زکوٰۃ دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی حالانکہ وہ تو پہلی زکوٰۃ کو بھی کھو دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج کل زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اموال میں برکت نہیں ہوتی حالانکہ قطعی وعدہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے پس جو لوگ زکوٰۃ کے بعد اپنے مال میں برکت کا مشاہدہ نہ کریں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی گئی اور انہوں نے مصرف کا تفقد نہیں کیا۔ (خبر نہیں لی)

(۵۲) ایک بار فرمایا مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنی چاہیئے (۱) اسلام کی جہت سے چنانچہ محض اسلام کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کو جائے یعنی محض حِسبۃً للہ ملاقات کرے تو ستر ہزار فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر اور بازو بچھا دیتے ہیں تو جب مطلقاً ہر مسلمان کی زیارت میں یہ فضیلت ہے تو علما کی زیارت میں بھی یہ فضیلت ضروری ہے۔ (۲) یہ کہ ان کے قلوب و اجسام حامل علوم نبوت ہیں، اس جہت سے بھی وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں۔ (۳) یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ ان کی ضروریات کے تفقد کے لئے (خبر گیری)، کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد کرکے ان ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ان ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمت علم و دین میں صرف کریں گے۔ تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔

مگر عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ معتمد علماء کی تربیت اور نگرانی میں علماء کی خدمات کا فرض ادا کریں کیونکہ ان کو خود اس کا علم نہیں ہو سکتا کہ کونسا زیادہ مستحق امداد ہے کون کم اور اگر کسی کو خود اپنے تفقد سے اس کا علم ہو سکے تو خود تفقد کرے۔

(۵۳) فرمایا مسلمان دعا سے بہت غافل ہیں اور جو کرتے بھی ہیں ان کو دعا کی حقیقت معلوم نہیں، مسلمانوں کے

سامنے دعا کی حقیقت کو واضح کرنا چاہیئے۔

دعا کی حقیقت سے اپنی حاجتوں کو بلند بارگاہ میں پیش کرنا پس جتنی بلند بارگاہ ہے اتنا ہی دعاؤں کے وقت دل کو متوجہ کرنا اور الفاظ دعا کو تضرع وزاری سے ادا کرنا چاہیئے اور یقین و اذعان کے ساتھ دعا کرنا چاہیے کہ ضرور قبول ہوگی کیونکہ جس سے مانگا جارہا ہے وہ بہت سخی اور کریم ہے اپنے بندوں پر رحیم ہے، زمین وآسمان کے خزانے سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

(۵۴) ایک بار فرمایا کہ جو سہارنپور دیوبند وغیرہ تبلیغ کو جارہے ہیں ان کے ہمراہ تجار دہلی کے خطوط کردیئے جائیں جن میں نیازمندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہورہے ہیں۔آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں اگر اس میں سے کچھ بھی وقت اس قافلہ کی سرپرستی فرمائیں اور طلبہ کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں طلبہ کو ازخود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہیئے اور قافلہ والوں یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں توان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے، بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے ان کے پاس آمد ورفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ایک عامی مسلمان کی طرف بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے۔پھر فرمایا کہ ہمارے طریقہ تبلیغ میں عزت مسلم اور احترام علما بنیادی چیز ہے ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنا چاہیئے اور علما کا بوجہ علم دین کے بہت احترام کرنا چاہیئے۔

پھر فرمایا کہ علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضہ میں نہیں آیا اس کی مجھے بڑی فکر ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم وصحبت سے بھی مستفید ہوں۔

(۵۵) ایک دن میں آنے والے مہمانوں سے گفتگو میں زیادہ مشغول رہا۔مولانا کی خدمت میں زیادہ نہ بیٹھا، ظہر کے بعد حاضر خدمت ہوا تو فرمایا تم کو زیادہ میرے پاس رہنا چاہیئے، عرض کیا کہ آج آنے والوں کا زیادہ ہجوم تھا، میں نے ان کو اپنے پاس رکھا اور تبلیغ پر ان سے باتیں کرتا رہا تاکہ آپ کے پاس ہجوم نہ ہو اور آپ کو زیادہ بولنا نہ پڑے۔ فرمایا کہ اس کی بھی یہی صورت تھی کہ تم میرے پاس رہتے۔ تم سے دل کی بات کرتا رہتا تم دوسروں کو

پہنچا دیتے۔ اس طرح میرے دل کا کانٹا نکل جاتا، تم میرے پاس رہو میری باتوں کو سنتے رہو اور دوسروں کو پہنچاؤ تاکہ مجھے کسی سے خطاب نہ کرنا پڑے، بعضے لوگ مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو بولنے نہ دیں گے، مگر جب تک میرے دل کا کانٹا نہ نکل جائے میں کیسے چپ ہو جاؤں، میں ہرگز چپ نہ ہوں گا چاہے مر جاؤں۔

(۵۶) ایک بار فرمایا:- حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی۔ پھر فرمایا وعظ میں احکام شرعیہ کی مصالح وعلل بیان نہ کرو بس تین چیزوں کو مد نظر رکھنے کی لوگوں کو تعلیم کی جائے ایک یہ کہ ہر عمل میں رضائے حق اور یقین آخرت کے ساتھ ہو کہ یہ آخرت میں مفید ہوگا۔ وہاں اس سے ثواب ملے گا یا عذاب دفع ہوگا۔ اس کے ساتھ کسی ایسے نفع کا قصد نہ ہو جو موت سے پہلے دنیا میں حاصل ہونے والا ہے۔ وہ تو رونگے کے طور پر خود ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ مقصود نہیں ہیں، گو ان کا حصول یقینی ہے اور اس کا یقین رکھنا بھی لازم ہے مگر عمل سے ان کا قصد نہ کیا جائے۔ پھر فرمایا ہاں جس جگہ اس کی ضرورت ہو وہاں اسرار ومصالح کے بیان کا مضائقہ بھی نہیں، مگر ہر جگہ بیان نہ کیا جائے۔

(۵۷) ایک بار فرمایا:- حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں پھر فرمایا:۔ تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی۔ میرا بہت جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو۔

اللھم ما اصبحت بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدک لاشریک لک فلک الحمد و لک الشکر.

(۵۸) فرمایا:- تبلیغ کے کام کے لئے سادات کو زیادہ کوشش کے ساتھ اٹھایا جائے اور آگے بڑھایا جائے حدیث:- **ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی** . کا یہی مقتضا ہے، ان بزرگوں سے دین کا کام پہلے بھی بہت ہوا ہے اور آئندہ بھی انہیں سے زیادہ امید ہے۔

(۵۹) ایک دن فرمایا:- کسی مسلمان کو کسی سے اللہ کے لئے محبت ہو یا اس سے کسی مسلمان کو اللہ کے لئے سچی محبت ہو تو یہ محبت اور حسن ظن ہی آخرت کے لئے ذخیرہ ہے، مسلمانوں کو جو مجھ سے محبت ہے اس سے کچھ امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں بھی پردہ پوشی ہو جائے گی، پھر فرمایا:- اپنی تہی دستی کا یقین ہی کامیابی ہے۔ کوئی بھی اپنے عمل سے کامیاب نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لن یدخل الجنۃ احد بعملہ قالوا ولا انت یارسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ۔

یہ حدیث پڑھ کر مولانا خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔

(۶۰) ایک بار فرمایا:- مولانا! علماء اس طرف نہیں آتے میں کیا کروں ہائے اللہ میں کیا کروں؟ عرض کیا سب آجائیں گے آپ دعا کریں، فرمایا میں تو دعا بھی نہیں کرسکتا تم ہی دعا کرو، پھر یہ اشعار پڑھے۔

استغفراللہ من قول بلا عمل لقد نسبت بہ نسلا لذی عقم

ظلمت سنۃ من احیٰ الظلام الی ان اشتکت قدماہ الضر من ورم

اس کے بعد آبدیدہ ہوگئے۔ اور فرمایا قصیدہ بردہ ہمارے یہاں نصاب علماء میں داخل ہے مگر ادبیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقت قلب اور زیادت محبت نبویہ کے لئے داخل کیا گیا ہے۔

(۶۱) فرمایا:- اسلام میں ایک تو وسعت کا درجہ ہے۔ یہ وسعت تو اتنی ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوجانا، دار الاسلام میں پیدا ہونا، خیر ابوین کا تابع ہونا بھی مسلمان شمار کئے جانے کے لئے کافی ہے اور اس وسعت کے ساتھ مخلوق کو اس میں داخل کرنے کے بعد حتی الوسع اس کو نکلنے بھی نہیں دیتے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے ۹۹ وجوہ کفر موجود ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ مگر یہ حقیقی اسلام نہیں بلکہ رسمی ہے حقیقی اسلام یہ ہے کہ اس کا اعتقاد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بندگی کا عزم اور ارادہ دل میں پیدا ہوا، معبود کے راضی کرنے کی فکر دل کو لگ جائے، ہر وقت یہ دھن ہے کہ ہائے وہ مجھ سے راضی ہے کہ نہیں؟

(۶۲) فرمایا: دو چیزوں کا مجھے بہت فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے۔ دوسرے اہل اموال کو مصرف زکوۃ سمجھایا جائے ان کی زکوتیں اکثر برباد جا رہی ہیں مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں، میں نے ایسے چالیس آدمیوں کے نام لکھوائے ہیں جو طامع و حریص نہیں۔ اگر ان کو زکوۃ دی جائے تو ان میں حرص و طمع پیدا نہ ہوگی اور وہ توکلا علی اللہ تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں ان کی امداد بہت ضروری ہے اہل اموال کو ایسے لوگوں کا تفقد کرنا چاہئے کہ کس کو کتنی ضرورت ہے، یہ جو پیشہ ور سائلوں کو اور عام چندہ مانگنے والوں کو زکوۃ دیتے ہیں، بسا اوقات ان سے ان کی زکوتیں مصرف پر صرف نہیں ہوا کرتی ہیں۔

(۶۳) فرمایا: علم سے عمل پیدا ہونا چاہئیے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیئے، جبھی علم علم ہے اور عمل عمل ہے؟ اگر علم سے عمل پیدا نہ ہو تو سراسر ظلمت ہے اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں نہ پیدا ہوئی تو پھس پھس ہے اور بلا علم ہی فتنہ ہے۔

(۶۴) فرمایا: لوگوں کو ہدیہ صدقہ اور قرض کے فضائل واقعات صحابہؓ سے بتلانا چاہئیں، صحابہ مزدوری کر کر کے صدقہ کرتے تھے ان میں صرف اغنیاء ہی صدقہ نہیں کرتے تھے، غریب بھی مزدوری کر کے کچھ نہ کچھ صدقہ کیا کرتے تھے کیونکہ صدقہ کے فضائل ان کی نظر میں تھے، اور جب صدقہ کا یہ درجہ ہے تو ہدیہ تو اس سے بھی افضل ہے اسی طرح قرض دینے کے بھی فضائل ہیں مثلاً جس وقت قرض کی مدت پوری ہو جائے اس کے بعد تنگدست مقروض کو اگر مہلت دی گئی اور تقاضا نہ کیا گیا تو ہر دن صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

(۶۵) فرمایا مجھے اپنے اوپر استدراج کا خوف ہے، میں نے عرض کیا کہ یہ خوف عین ایمان ہے۔ امام حسن بصری کا ارشاد ہے کہ اپنے نفاق کا خوف مومن ہی کو ہوتا ہے مگر جوانی میں خوف کا غلبہ اچھا ہے۔ اور بڑھاپے میں حسن ظن باللہ اور رجا کا غلبہ اچھا ہے۔ فرمایا ہاں صحیح ہے۔

اِفادات

حضرۃ مولانا محمد یوسف دہلویؒ

تقاریر، مکتوبات

ارشادات و ملفوظات، ہدایات

مُرتّبہ

عبدالرشید ارشد

مکتبۂ رشیدیہ لاہور

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

قسط نمبر ۵

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں لکھنو اور کانپور کا ایک تبلیغی سفر فرمایا تھا۔ یہ عاجز اس سفر میں ہمرکاب تھا۔ قسط ہذا کے ملفوظات اسی سفر کے ہیں۔

(۶۶) فرمایا ہمارے اس تبلیغی کام میں حصہ لینے والوں کو چاہیئے کہ قرآن و حدیث میں دین کی دعوت و تبلیغ پر اجر و ثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں اور جن جن انعامات کی بشارت سنائی گئی ہے، ان پر کامل یقین کرتے ہوئے انہی کی طمع و امید میں اس کام میں لگیں اور اس کا بھی دھیان کیا کریں کہ ہماری ان حقیر کوششوں کے ذریعے اللہ پاک جتنوں کو دین پر لگادیں گے اور پھر اس سلسلہ سے جو لوگ قیامت تک دین پر پڑیں گے اور وہ جو بھی نیک عمل کریں گے تو ان کے اعمال حسنہ کا جتنا ثواب ان کو ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ ان تمام ثوابوں کے مجموعہ کے برابر اللہ پاک اپنے وعدے کے مطابق ہم کو بھی عطا فرمائیں گے بشرطیکہ ہماری نیت خالص اور ہمارا کام قابل قبول ہو۔

(۶۷) فرمایا: لوگوں کو جب اس تبلیغی کام کے لئے آمادہ کرنا ہو تو وضاحت کے ساتھ اس کام میں لگنے کے مفاد اور اس کا اخروی اجر و ثواب بھی خوب تفصیل سے ان کو بتلاؤ اور اس طرح بیان کرنے کی کوشش کرو کہ تھوڑی دیر کے لئے جنت کا کچھ سماں ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے۔ اسکے بعد انشاء اللہ ان کے لئے یہ آسان ہوگا کہ اس کام میں مشغولی کی وجہ سے تھوڑے بہت دنیوی کاموں کے حرج اور نقصان کا جو اندیشہ انہیں ہوگا وہ اس کو نظر انداز کرسکیں گے۔

(۶۸) فرمایا تبلیغی گشت کے وقت میں اور خاص طور سے کسی خط کے وقت بھی ذکر و فکر میں مشغولی کے لئے جماعت کو جو تبلیغ کی جاتی ہے تو اس کا خاص منشاء یہ ہے کہ جس وقت ایک حقیقت کسی کو سمجھانے اور منوانے کی کوشش کی جائے تو بہت سے دلوں میں اس وقت اس حقیقت کی تصدیق اور اس کا یقین و اذعان ہو، اس کا اثر دوسرے کے قلب پر پڑتا ہے اللہ تعالےٰ نے انسانی قلوب میں بڑی طاقت رکھی ہیں لوگ ان سے واقف نہیں ہیں۔

۱۔ یہ حدیث ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

(۶۹) فرمایا: ذکر اللہ شرِ شیطان سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے لہذا جس قدر غلط اور برے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا کرے شیاطین جن و انس کے برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(۷۰) ایک دینی مدرسہ کے طلباء کی ایک جماعت سے خطاب کا آغاز اس سوال سے کیا کہ بتلاؤ تم کون ہو؟ پھر خود ہی فرمایا: تم مہمانانِ خدا اور رسول ہو، مہمان اگر میزبان کو ایذا پہنچائے تو اس کی ایذاء دوسروں کی ایذاء سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس اگر تم طالب علم ہو کر خدا اور رسول کی رضا کے کام نہ کرو اور غلط راہوں پر چلو تو سمجھ لو کہ تم اللہ اور رسول کے ستانے والے ان کے مہمان ہو۔

(۷۱) ان ہی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے ان کو فرمایا: دیکھو شیطان بڑا چالاک اور عیار ہے وہ تاک کے مایہ پر گرتا ہے۔ آپ لوگ علم دین سیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے تو شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا کہ آپ نرے جاہل رہیں اس لئے اس نے جاہل رکھنے کی کوشش چھوڑ کے اب یہ طے کر لیا کہ ان کو پڑھنے دو مگر کام میں اپنے لگانے کی کوشش کرو۔ میری یہ تحریک شیطان کی اس کوشش کے مقابلہ میں جر ثقیل ہے۔ جسکا منشاء یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو شیطان کی راہ سے اٹھا کر اللہ کی راہ پر ڈالدوں اور اللہ ہی کے کام میں لگا دوں، بتاؤ کیا فیصلہ ہے؟

(۷۲) اسی خطاب کے سلسلہ میں فرمایا: جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لئے ضروری ہے ان کی خدمت و راحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو، اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم و صلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سر پرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں۔

(۷۳) فرمایا: دین کے کاموں میں اصل مطلوب و مقصود تو ہونا چاہیئے صرف رضائے الہیٰ اور اجر اخروی اور دنیا میں جن انعامات و برکات کا وعدہ کیا گیا ہے مثلاً چین و عزت کی زندگی یا مثلاً استخلاف اور تمکین فی الارض سو یہ مطلب نہیں بلکہ موعود ہیں یعنی ہم کو جو کچھ کرنا ہے کرنا چاہیئے۔ صرف رضائے الہیٰ اور فلاح اخروی کے لئے چاہیئے، مگر ان کو اپنی عبادت و اطاعت کا اصل مقصود نہیں بنانا چاہیئے۔ موعود اور مطلوب کے اس فرق کو آپ لوگ اس مثال سے شاید اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ نکاح و شادی سے مقصود تو بیوی کا حصول اور اس سے تمتع ہوتا ہے مگر اسکے ساتھ آتا ہے، جہیز وغیرہ بھی جو گویا عرفاً موعود ہوتا ہے لیکن ایسا بیوقوف دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو شادی ہی صرف جہیز حاصل کرنے کے لئے کرے اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرے اور بیوی کو معلوم ہو جائے کہ اس نے شادی میرے لئے نہیں بلکہ میرے ساتھ

آنے والے جہیز کے لئے کی ہے تو سوچو کہ بیوی کے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ رہے گی۔

(۷۴) فرمایا: انسان کا امتیاز اپنے ماسوا دوسری مخلوقات سے زبان کی وجہ سے ہے۔ ہونا تو چاہیئے یہ امتیاز خیر ہی میں لیکن ہوتا ہے یہ شر میں بھی یعنی جس طرح انسان زبان کے صحیح استعمال اور اس سے اللہ کا اور دین کا کام لینے سے خیر و سعادت میں فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اسی طرح اس زبان کو بے جا استعمال کرنے سے خنزیر اور کتے جیسے جانوروں سے بھی بد تر ہو جاتا ہے **هل يكب الناس على مناخرهم الا حصائد السنتهم** (الحدیث)

(۷۵) چند روز پہلے حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا وصال ہوا تھا، حضرت ممدوح سے تعلق بیعت رکھنے والے ایک صاحبِ زیارت کے لئے تشریف لائے، راقم سطور نے ان کا تعارف کرایا، اس پر حضرت نے فرمایا:۔

جن حضرات کا حلقہ محبت و تعلق کا اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانویؒ کا تھا، چاہیے کہ ان کی تعزیت عام کی فکر کی جائے میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑھانے حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیماتِ حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، جتنا جتنا حضرت کی ہدایات پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدہ **من دعى الى حسنةفله اجرهاواجر من عمل بها** (الحدیث) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سرمایہ حسنات اور درجات عالیہ میں ترقی ہو گی۔ پھر فرمایا کہ یہ ایصال ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے۔

(۷۶) فرمایا:۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا اس کو بیٹھا رہنا ہر گز نہیں چاہیے بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانے کی زیادہ کوشش کرنا چاہیے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خیر چند نااہلوں کے سلسلے سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کا اجر بقاعدہ **من دعى الى حسنة فله اجرها واجرمن عمل بهاومن سن فى الاسلام سنه حسنتفله اجرهاواجرمن عمل بها** (حدیث) ان نااہلوں کو بھی پورا پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے اس اہل تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔

پس جو نااہل ہے اس کو تو اس کام میں اور زیادہ زور سے لگنا ضروری ہے میں اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اسلئے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ میری اس کوشش سے اس کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ مجھے بھی عطا فرما دیا جائے۔

(۷۷) فرمایا:۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی مشہور حدیث **من راى منكم منكرافليغيره بيده فان لم يستطع**

نبلسانہ‌فان **لم یستطیع فبقلبہ** کے آخری جز فبقلبہ کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالہ منکر کے لئے اصحابِ قلوب اپنی قوتوں کو استعمال کریں یعنی ہمت و توجہ کو کام میں لائیں۔

پھر اسی ذیل میں فرمایا

امام عبدالوہاب شعرانی نے مقام قطبیت حاصل کرنے کی ایک تدبیر لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جو جو معروفات مٹے ہوئے ہیں اور مردہ ہوگئے ہیں ان کا تصور کرے پھر دل میں ان کے مٹنے کا ایک درد محسوس کرے اور پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اپنی قلبی قوت کو بھی ان کے احیاء کے لئے استعمال کرے، اسی طرح جہاں جہاں جو جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے اور پھر ان کے فروغ کی وجہ سے اپنے اندر ایک سوزش اور دکھ محسوس کرے پھر پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کو مٹانے کے لئے دعا کرے اور اپنی ہمت و توجہ کو بھی ان کے استیصال کے لئے استعمال کرے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرتا رہے گا ان شاء اللہ وہ قطب عصر ہوگا۔

(۷۸) فرمایا: ہر موقع کا اصلی اور اعلیٰ ذکر خاص اس موقع کے متعلق احکام خداوندی کی رعایت ہے۔ **لا تلهکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ** بس جو شخص اولاد کے ساتھ برتاوے میں اور خرید و فروخت جیسے معاملات میں احکام خداوندی کی اطاعت اور حدود اللہ کی رعایت کرتا ہے، وہ ان مشاغل میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اللہ کا ذاکر ہے۔

(۷۹) فرمایا: ۔ جنت متواضعین ہی کے لئے ہے، انسان میں اگر کبر کا کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈال کر پھونکا جائے گا۔ جب خالص تواضع رہ جائے گی تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ بہرحال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت میں نہ جائے گا۔

(۸۰) فرمایا: ہمارے بزرگوں نے غیر سالکین کو صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا ہے۔ ہاں جو سالک کسی محقق شیخ کے زیر تربیت ہو وہ مطالعہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۸۱) مولانا مرحوم نے اسی لکھنؤ کے سفر میں ایک مشہور عالم دین کو بھی جماعت کے ساتھ تشریف لانے کی دعوت دلوائی تھی وہ صاحب تشریف لے آئے۔ مولانا نے ان سے ایک موقع پر فرمایا۔

حضرت! میں نے آپ کو وعظ کہلوانے کے لئے تکلیف نہیں دی ہے ہمارے اس کام میں وعظ و تقریر تو محض ایک ضمنی چیز ہے، آپ جیسے حضرات کو سفر کی تکلیف میں صرف اس لئے دیتا ہوں کہ اپنی جگہ پر اور اپنے مشاغل پر

رہتے ہوئے تو میرے اس کام کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے لئے آپ حضرات کو مہلت نہیں ملتی، لیکن جب سفر کی وجہ سے آپ اپنے مشاغل اور اپنے ماحول سے الگ کر لئے جاتے ہیں تو پھر اطمینان سے میری بھی سن سکتے ہیں اور جماعت کے کام کو بھی بچشم خود دیکھ سکتے ہیں اور اس کے بارہ میں غور فکر بھی فرما سکتے ہیں۔

(۸۲) فرمایا:۔ لوگوں کو ترغیب دو کہ وہ دین سیکھنے سکھانے اور دین کو پھیلانے کے واسطے اپنے خرچ پر گھروں سے نکلیں، اگر ان میں اس کی بالکل استطاعت نہ ہو یا وہ اتنے ایثار پر آمادہ نہ ہوں تو پھر حتی الوسع انہی کے ماحول سے اس کا انتظام کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر دوسری جگہ ہی سے انتظام کر دو۔ لیکن بہر حال یہ ملحوظ رہے کہ ان میں اشراف نفس پیدا نہ ہو جائے یہ چیز یعنی اپنی حاجات میں بجائے اللہ کے بندوں پر نظر ہونا جس کا نام اشراف ہے ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی ہے۔

نیز ان نکلنے والوں کو بھی یہ اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اس کی راہ میں تکلیفوں بھوک پیاس وغیرہ کو اللہ کی رحمت سمجھیں اس راستہ میں یہ تکالیف تو انبیاء اور مقربین کی غذائیں ہیں۔

(۸۳) فرمایا:۔ دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے۔ ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش جو جاہل عوام میں ہو گی اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا جو مغربی حکومت و سیاست کے ساتھ آرہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کر لو۔

(۸۴) فرمایا:۔ دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعے رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھا اور اسی طرز سے وہاں دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلہ میں ایجاد ہوئے۔ مثلاً تصنیف و تالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ سوان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا مگر اب لوگوں نے اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور حضور ﷺ کے زمانے کے طریقے کو بالکل بھلا دیا، حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی طریقہ پر تعلیم و تربیت اسی پر دی جا سکتی ہے۔

(۸۵) فرمایا:۔ مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہل خیر اور اہل ذکر کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے سہارنپور یا رائے پور کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔

دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ:۔

دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں۔

(۸۶) فرمایا:- ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لئے خصوصیت سے جانا چاہیے۔(۱) علماء و صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔ (۲) اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کے پھیلانے کے ذریعے اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے۔(۳) متفرق گروہوں میں ان کی خوبیاں جذب کرنے کے لئے۔

(۸۷) ایک دن دعا کرتے ہوئے فرمایا:-

اے اللہ کافروں پر تیرے بندے ہونے کی حیثیت سے جو شفقت اور جو ترحم ہم میں ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے ان کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کی ادائگی کی توفیق کے ساتھ ان کے کفر سے ہمارے قلب میں پوری پوری نفرت اور کراہت پیدا کر۔

(۸۸) فرمایا:- اہلِ دین علماء و صلحاء کو اس کام تبلیغی و اصلاحی جدوجہد میں شریک ہونے اور ان کو راضی و مطمئن کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے، جہاں ان کا اختلاف اور ناگواری معلوم ہو وہاں ان کو معذور قرار دینے کے لئے ان کے حق میں اچھی تاویل کرنی چاہیے اور ان کی خدمتوں میں دینی استفادہ اور حصول برکات کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہیے۔

(۸۹) فرمایا:- نفس اسلام کی بھی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہے اگرچہ وہ فسق و فجور کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ اسی واسطے فاسق و فاجر مومن بھی ایک نہ ایک دن بخش دیا جائے گا۔ پس ہمیں چاہیے کہ جس میں اسلام ادنیٰ درجہ میں بھی ہو اس کی بھی نسبت اسلام کی قدر کریں اور اس کو اپنا دینی بھائی سمجھیں اور اسی حیثیت سے اس سے معاملہ کریں اور اس کے اندر جو فسق و عصیان موجود ہو اس کے لئے اپنے آپ کو بھی ذمہ دار گردانیں کہ ہماری غفلت کا بھی اس میں دخل ہے اور دین کی کوشش نہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ ہے۔

(۹۰) فرمایا:- ہمارا کام دین کا بنیادی کام ہے کہ ہماری تحریک در حقیقت ایمان کی تحریک ہے، آج کل عام طور سے جو اجتماعی کام ہوتے ہیں۔ ان کے کرنے والے ایمان کی بنیاد کو قائم فرض کرکے امت کی اوپر کی اوپر کی تعمیر کرتے ہیں اور اوپر کے درجہ کی ضروریات کی فکر کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک امت کی اول ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہنچ جائے۔

(۹۱) فرمایا:- ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصلی بیماری دین کی طلب و قدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے، اگر دین کی فکر و طلب ان کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کی اہمیت کا شعور و احساس ان کے اندر زندہ ہو جائے تو انکی اسلامیت دیکھتے دیکھتے سر سبز ہو جائے، ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب و قدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح و تلقین۔

(۹۲) فرمایا:- ہمارے طریقہء کار میں دین کے واسطے جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعے اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے صالح اور متحرک ماحول میں آجاتا ہے جس میں اس کے دینی جذبات کے نشوونما کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے نیز اس سفر و ہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں مشقتیں پیش آتی ہیں اور در بدر پھرنے سے جو ذلتیں اللہ کے لئے برداشت کرنی ہوتی ہیں ان کی وجہ سے اللہ کی رحمت خاص طور سے متوجہ ہو جاتی ہے۔ **والذین جاھدوافینالنھدینھم سبلنا** اسی واسطے سفر ہجرت کا زمانہ جس قدر طویل ہوگا اسی قدر ہی مفید ہوگا۔

(۹۳) یہ سفر غزوات ہی کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لئے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگرچہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے جو بعض حیثیات سے اگرچہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اعلیٰ بھی ہے مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلہ غضب (غضب کے شعلہ کو بجھانا) کی صورت بھی ہے اور یہاں اللہ کے لئے صرف کظم غیظ (غصہ کو پینا) ہے اور اس کے دین کے لئے لوگوں کے قدموں میں پڑے اور ان کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔

(۹۴) فرمایا: یہ تحریک در حقیقت اپنے لئے بہت بڑے درجہ کی ریاضت ہے افسوس لوگ اس کی حقیقت کو سمجھتے نہیں۔

(۹۵) فرمایا: جو لوگ ہماری اس تبلیغ کا کام اور طریقہ سیکھنے کے لئے نظام الدین آنا چاہیں ان کو یہ چند باتیں ضرور پہلے ہی سے ذہن نشین کرادی جائیں۔

الف: زیادہ سے زیادہ وقت نکال کے آئیں۔

ب: ایک دو ہی دفعہ کی آمد کو کافی نہ سمجھیں بلکہ آتے رہا کریں۔

ج: یہ ارادہ کر کے آئیں کہ نظام الدین میں پڑا رہنا نہیں ہوگا بلکہ ہدایت کے مطابق جابجا پھرنا ہوگا ہاں اس اثناء میں کبھی کبھی نظام الدین رہنا بھی ہوگا۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

د: یہ بھی اچھی طرح ان کے ذہن نشین کردایا جائے کہ جس وقت ان کے کچھ رفقاء واپسی کا ارادہ کرنے لگیں اور ان کی دیکھا دیکھی ان کے دلوں میں بھی واپسی کی خواہش پیدا ہونے لگے تو ایسے وقت میں اپنی خواہش پر نہ چلنے اور ہمت وعزیمت کے ساتھ کام میں لگے رہنے کا اجر بے حد وحساب ہے اور ان واپس نہ ہونے والے اصحاب عزیمت کی مثال ان مجاہدین فی سبیل اللہ کی سی ہے جو ایسے وقت میں میدان جہاد میں ڈٹے رہیں جب کہ ان کے دائیں بائیں کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ہوں۔

ہ: یہ بھی بتادیا جائے کہ اس راہ میں بہت سے مکارہ یعنی تکالیف اور خلاف مزاج امور پیش آئیں گے اور آخرت میں اجر ان مکارہ ہی کی نسبت سے ملے گا۔

مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں

"تبلیغ و دعوت کے وقت بالخصوص اپنے باطن کا رخ اللہ پاک ہی کی طرف رکھنا چاہئے نہ کہ مخاطبین کی طرف، گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کسی کام اور اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اور اس کے کام کے لئے نکلے ہیں۔ مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب اس وقت یہ دھیان ہوگا تو انشاء اللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمت ٹوٹے گی۔"

قسط نمبر ۶

(۹۶) فرمایا: کبھی کبھی بیٹھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارا اثر ورسوخ کہاں کہاں ہے؟ اور کہاں کہاں ہماری دینی کوششیں نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں؟ پھر غور کرنا چاہیے کہ وہاں اس دینی دعوت کے پھیلانے کی تدابیر کیا ہیں اور کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور وہاں ہمارا نظام عمل کیا ہونا چاہیے؟ پھر اسی سوچے ہوئے نقشہ کے مطابق متوکلا علی اللہ کام شروع کر دینا چاہیے۔

(۹۷) فرمایا: جن جن حضرات کے متعلق یہ اندازہ ہو کہ ہم ان کو اس دینی کام کی طرف بغیر اس کے متوجہ نہیں کر سکتے کہ پہلے ایک عرصہ تک ان کی خدمت کر کے ان کے مزاج سے قرب اور مناسبت پیدا کریں تو پھر پہلے ان کی خدمت ہی کرنا چاہیے اور امید کے ساتھ اللہ سے دعائیں بھی کرتے رہنا چاہیے۔

(۹۸) فرمایا: بعض حضرات کو ہماری اس دعوت ایمان کی گہرائیوں کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ نہیں ہے اور اس کی بجائے دین کے بعض ان احکام ومسائل کی ترویج کی کوشش کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں مثلاً صاحب اور ان کے اہل حلقہ کی نظر میں خاص طور سے شریعت کے فلاں فلاں خاص احکام کی ترویج اور رسوم بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ میوات میں ان احکام ومسائل کی کوشش واصلاح رسوم کی سعی کے واسطے ہی ان کو اٹھایا جائے ابھی تک میوات میں ترکہ کی تقسیم کے بارہ میں بڑی کوتاہی ہے شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا رواج بہت کم ہو سکا ہے ایسے ہی اور بھی بہت سی بری رسمیں ابھی رائج ہیں۔ مثلاً ابھی تک گوتھ میں شادی کرنے کا رواج نہیں ہوا تو صاحب اور ان کے مبلغین کو میوات میں انہیں احکام کے پھیلانے کے واسطے اٹھایا جائے اور ان کو یہ بتلایا جائے کہ یہ میواتی لوگ اس تبلیغ دعوت سے ایک درجہ میں مانوس ہو چکے ہیں اور کسی درجہ میں اس کو اپنا چکے ہیں پس اگر آپ ان کے اس تبلیغی کام کی تھوڑی سی بھی سرپرستی فرمائیں گے تو پھر انشاء اللہ آپ کے ان مخصوص اصلاحی مقاصد اصلاح رسوم کے کام میں ان سے آپ کو بہت مدد ملے گی اور ان کے ذریعہ آپ میوات میں ان احکام ومسائل کی ترویج اور رسومات جاہلیت کی اصلاح کا کام آسانی سے کر سکیں گے۔

(۹۹) فرمایا: میں اگر کسی طبیب کو بھی علاج کے لئے بلاتا ہوں تو دراصل تبلیغ کے کام کو پیش نظر رکھ کے بلاتا ہوں اور اس سے اپنا علاج کرانے کو بہانہ کر اس کو اللہ کے کام میں لگانے کا بہانہ بنانا چاہتا ہوں اس لئے صرف

انہیں اطباء کو ملنے کی اجازت دیتا ہوں جن سے اس دینی دعوت کے سلسلہ میں کوئی توقع اور گنجائش ہو۔

(۱۰۰) فرمایا میں اپنی صحت اور بقائے حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں لیکن اس دینی کام کے قیام و بقا پر زندگی کے بقا کے خیال کو مقدم نہیں سمجھتا۔

(۱۰۱) فرمایا: ہماری اس دعوتِ تبلیغ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ خطاب عام میں تو سختی برتی جائے لیکن خطاب خاص میں انتہائی نرمی بلکہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی اصلاح کے لئے خطاب عام ہی کیا جائے، حتیٰ کہ اگر اپنے کسی خاص ساتھی کی کوئی غلطی دیکھی جائے تو حتیٰ الوسع اس کی اصلاح کی کوشش بھی خطاب عام ہی کے ضمن میں کی جائے، یہی حضور ﷺ کا عام طریقہ تھا کہ خاص لوگوں کی غلطیوں پر تنبیہ بھی آپ مابال اقوام کے عمومی عنوان سے فرماتے تھے اور اگر خطاب خاص ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو علاوہ محبت اور نرمی کے اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ فوراً اس کو نہ ٹوکا جائے، ایسی صورت میں اکثر لوگوں کا نفس جواب دہی اور حجت بازی پر آمادہ ہو جاتا ہے، لہذا اس وقت کو ٹال دیا جائے، پھر مناسب وقت میں خلوص و محبت کے ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کیا جائے۔

(۱۰۲) فرمایا: اپنی تحریک کے ذریعہ ہم ہر جگہ کے علماء و اہل دین اور دنیا داروں میں میل ملاپ اور صلح آشتی بھی کرنا چاہتے ہیں نیز خود علماء اور اہل دین کے مختلف حلقوں میں الفت و محبت اور تعاون و یگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر بلکہ ہمارا اہم مسئلہ ہے اور دینی دعوت ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلاف سے تو پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں کو دین کے کام میں لگانے اور خدمت دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بنانے کی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریق عمل میں موافقت ہو جائے صرف یہی چیز نفرتوں کو محبتوں سے بدل سکتی ہے دو شخصوں میں صلح کرانے کا ذرا سوچو کہ کتنا بڑا اجر ہے پھر امت کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں مصالحت کی کوشش کا جو اجر ہوگا اس کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔

(۱۰۳) فرمایا: ہمارے اس کام کو سمجھنے کے لئے صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے یہاں آکر چند روز قیام کیا جائے اور یہاں کے رہنے والے تبلیغ کے پرانے کارکنوں سے باتیں کی جائیں اور صرف میری ملاقات اور مجھ سے ہی باتیں کرنے کے درپے نہ ہوا جائے ہاں جس وقت میں خود کچھ کہوں اس کو سن لیا جائے اور یہاں کے ارد گرد کام کرنے کے لئے بھی نکلا جائے یعنی روزمرہ کے گشت میں شرکت کی جائے پھر کچھ دنوں کے لئے میوات جا کر

کام کی کوشش کی جائے اس کے بعد اپنی جگہ پر کام کیا جائے۔

(۱۰۴) ایک ضرورت یہ ہے کہ تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کا یہاں ایسا مخلوط مجمع رہے جس میں ہر طبقہ اور ہر طرح کے لوگ ہوں، علماء بھی ہوں، اہل ذکر بھی ہوں، انگریزی تعلیم یافتہ بھی ہوں، تاجر بھی ہوں، اور غریب عوام بھی ہوں، اس سے ہمارے طریقہ کار کے سمجھنے اور عملاً اس پر قابو پانے میں بڑی مدد ملے گی اور ہم جو مختلف طبقات کا باہم اختلاط اور تعاون چاہتے ہیں اس کی بنیاد بھی انشاء اللہ اس سے پڑ جاوے گی۔

(۱۰۵) ہماری اس تحریک میں تصحیح نیت کے اہتمام کی بڑی اہمیت ہے ہمارے کام کرنے والوں کے پیش نظر بس اللہ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی ہونا چاہیے جس قدر یہ پہلو خالص اور قوی ہوگا اسی قدر اجر زیادہ ملے گا اس لئے یہ عام قانون ہے کہ جب دین کے لئے قربانیاں کرنے کے مصالح اور منافع کھل کر آنکھوں کے سامنے آجاویں تو اجر گھٹ جاتا ہے کیونکہ پھر قدرتی طور پر وہ مصالح بھی فی الجملہ مقصود ہوجاتے ہیں دیکھو فتح مکہ سے پہلے جانی اور مالی قربانیوں کا جو اجر تھا بعد میں نہیں رہا کیونکہ فتح ہوجانے کے بعد غلبہ اور حکومت کی صورت نظروں کے سامنے آگئی۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃمن الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاوعد اللہ الحسنیٰ

(۱۰۶) دعوت تبلیغ کے سلسلہ میں شروع سے کام کرنے والے دو مخلص میواتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دن آپ نے فرمایا:

اس تبلیغی کام کی نسبت بوجہ دعوت میری طرف ہوگئی ہے ورنہ دراصل اس کے کرنے والے یہ لوگ ہیں۔ چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس کام ہی کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرف اپنی محبتوں کا رخ کریں اگرچہ اس کے واسطے انہیں اپنے دلوں پر جبر کرنا پڑے ان سے محبت اور ان کی خدمت قبولیت کا ذریعہ ہے۔

(۱۰۷) اسی سلسلے میں فرمایا :- ان لوگوں کے مجھ پر بڑے حقوق ہیں، میں ان کے حقوق ادا نہیں کرسکتا ہوں میرے اہلِ محبت ان کے حقوق کو پہچانیں۔

(۱۰۸) فرمایا:- دین کی جد وجہد میں مخلصین اور صادقین کا حصہ بس اللہ ورسول اور ان کی رضا کا حصول ہوتا ہے

اور فتوحات اور مال و دولت جب ہاتھ آئے اس میں ضعفاء اور مولفۃ القلوب کا پہلے خیال کیا جاتا ہے اسی اصول پر میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے ہمارے کام کی حقیقت کو ابھی نہیں سمجھا ہے اور اس لئے انہیں اس سے لگاؤ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ان کو بلایا جائے تو ان کے کرایہ کی بھی فکر کی جائے اور ان کی خدمت اور مدارات کا بھی اپنے امکان بھر اہتمام کیا جائے اور جو مخلصین کام کی حقیقت کو سمجھ کر اس میں لگ گئے ہیں ان کیلئے ان چیزوں کی فکر نہ اٹھائی جائے۔

(۱۰۹) فرمایا:- آج کل دین کے باب میں یہ غلط فہمی نہایت عام ہو گئی ہے کہ مبادی کو غایات کا اور ذرائع کو مقاصد کا درجہ دیدیا جاتا ہے، اگر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ دین کے تمام شعبوں میں یہ غلطی گھس گئی ہے جو ہزاروں خرابیوں کی جڑ ہے۔

(۱۱۰) فرمایا:- **ان للسائل علیک حقاً وان جاء علی فرسٍ** کا مطلب سمجھنے میں عام طور سے ایک مغالطہ ہوتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ سائل خواہ کیسا ہی ہو اور کسی حال کا ہو اس کو اس کا مسئول یعنی جو وہ مانگے دینا چاہیے، حالانکہ یہ غلط ہے، بلکہ حدیث کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ مناسب اور خیر خواہانہ ہمدردانہ معاملہ کرو، تکبر اور تحقیر کے ساتھ پیش نہ آو **اما السائل فلا تنہر** اب یہ خیر خواہی کبھی اس طرح ہو گی کہ اس کی مانگ پوری کر دی جائے۔ اور کبھی خیر اندیشی اور ہمدردی کا تقاضا یہ ہو گا کہ اسے سوال کی ذلت سے بچنے کی نصیحت کی جائے اور معیشت کی کسی مناسب تدبیر کی طرف اس کی رہنمائی کی جائے اور اس میں حسبِ موقعہ اس کی سہولت بہنچائی جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض سائلوں کے ساتھ کیا کہ ان کے کھانے کا پیالہ تک نیلام کر کے اس کی قیمت سے کلہاڑی خرید وادی اور فرمایا کہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور اپنا گزارا کرو، پس اگر سائل معذور و مجبور نہیں ہے بلکہ ایسا ہے جو اپنے گزارے کے لئے کچھ کر دھر سکتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ حکمت کے ساتھ اس کو سوال سے بچایا جائے اور کسی کام سے لگانے کی کوشش کی جائے۔

پھر فرمایا:- نصوص کے معنی اگر حضور کے طریق عمل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کبھی انشاء اللہ غلط فہمی نہ ہو۔

---

(۱) یہ ایک حدیث ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے

قسط نمبر ۷

(۱۱۱) فرمایا:- انبیاء علیہم السلام باوجودیکہ معصوم اور محفوظ ہیں اور علوم وہدایات براہ راست حق تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں، لیکن جب ان تعلیمات وہدایات کی تبلیغ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو ان کے مبارک اور منور قلوب پر بھی ان عوام الناس کی کدورتوں کا اثر پڑتا ہے (۱) اور پھر تنہائی کے ذکر و عبادت کے ذریعہ وہ اس گرد و غبار کو دھوتے ہیں۔

سورۂ مزمل میں حضور ﷺ کو قیام لیل (تہجد) کا حکم دیتے ہوئے جو یہ فرمایا گیا ہے "**اِنَّ لک فی النہار سبحاً طویلا** یعنی اے رسولِ دن میں تم کو بہت چلنا پھرنا رہتا ہے۔" تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سید الانبیاء ﷺ کو بھی دن کی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت کی وجہ سے رات کے اندھیرے اور تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی ضرورت تھی، پھر اس آیت سے اگلی آیت میں جو متصلاً فرمایا گیا۔ "**واذکراسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا** O اور اپنے رب کے نام کی یاد کر اور یکسوئی سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو۔" تو اس سے بھی اس مضمون کی مزید تائید ہوتی ہے کہ تبلیغی دوڑ دھوپ کرنیوالوں کو ذکر و فکر اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی خصوصیت سے ضرورت ہوتی ہے۔

پس ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، بلکہ ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ اولاً تو ہم خود کچے اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے ہیں، پھر اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اور ہدایات حاصل کرتے ہیں وہ بھی ہماری ہی طرح غیر معصوم ہیں اور جن میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں وہ بھی عام انسان ہی ہیں،۔ غرض ہم میں خود بھی کدورتیں ہیں۔ اور ہمارے دونوں جانب بھی بشری کدورتیں ہیں جن کا ہم پر اثر پڑنا لازمی ہے اور فطری ہے۔ اس لئے ہم اس کے بہت ہی زیادہ مشتاق ہیں کہ رات کے اندھیروں اور تنہائیوں میں اللہ کے ذکر و عبادت کا اہتمام اور التزام کریں قلب پر پڑے ہوئے برے اثرات کا یہ خاص علاج ہے۔

---

(۱) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں متشابہ لگا تو بعد نماز فراغ آپ نے فرمایا مقتدیوں میں کچھ لوگ ہیں جو وضو وطہارت اچھی طرح نہیں کرتے ہیں، انہیں کے اثر سے ہماری قرأت میں گڑبڑ پیدا ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ کتاب الطہارت)

اسی سلسلہ میں فرمایا یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اخذ کریں ان سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھیں اور صرف اسی لائن کے ان اقوال وافعال اور احوال سے سروکار رکھیں باقی دوسری لائنوں کی ان ذاتی اور خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصہ ہے، لامحالہ اس میں کچھ کدورتیں ہوں گی۔ اور جب آدمی اپنی توجہ ان کی طرف کو چلاوے گا تو وہ اس کے اندر بھی آئیں گی، نیز بسا اوقات اعتراض پیدا ہو گا جو بُعد اور محرومی کا باعث ہوجائے گا اسی لئے مشائخ کی کتابوں میں سالک کو شیخ کے خانگی احوال پر نظر نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱۱۲) فرمایا:- اہل علم اور اہل اثر حضرات ایک سلسلہ یہ شروع کریں کہ ہر جمعہ کے لئے پہلے سے سوچ کر طے کر لیا کریں کہ ہم یہ جمعہ فلاں محلہ کی مسجد میں پڑھیں گے اور اس انتخاب میں غریب پسماندہ اور جہل زدہ آبادیوں کا زیادہ لحاظ رکھیں، مثلاً جن حلقوں میں دھوبی، سقے، تانگہ گاڑی چلانے والے قلی اور سبزی فروش جیسے لوگ بستے ہوں، جن میں دین سے جہالت وغفلت اگرچہ بہت زیادہ ہے، لیکن تمردو انکار کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ہے، تو ایسے لوگوں کی کسی آبادی کی مسجد پہلے سے تجویز کر لیں اور اپنے اہل تعلق اور ملنے جلنے والے لوگوں کو بھی اس کی اطلاع دیدیں اور ساتھ چلنے کی بھی انہیں ترغیب دیں، پھر وہاں پہنچ کر نماز جمعہ سے پہلے محلہ میں تبلیغی گشت کر کے لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کر کے مسجد میں لائیں پھر تھوڑی دیر کیلئے ان کو روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقے پر چند روز میں دین کا ضروری علم سیکھ سکتے ہیں، پھر اس دعوت پر اگر تھوڑے سے تھوڑے آدمی بھی تیار ہوجائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کو بھیجنے کا بندوبست کریں۔

(۱۱۳) اسی سلسلے میں فرمایا، اگر کسی جگہ غرباء تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے پر آمادہ ہوجائیں اور خرچ سے لاچار ہوں تو کوشش کر کے حتی الوسع انہیں کے ماحول سے کچھ امراء کو بھی ان کے ساتھ کے لئے اٹھایا جائے اور انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے غرباء اور ضعفاء کی امداد کا اللہ کے یہاں کیا درجہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری اہمیت سے یہ بات بھی ان کے ذہن نشین کی جائے کہ اگر وہ اپنے کسی غریب ساتھی کی مدد کرنا چاہیں تو اس کے اصول اور اس کا طریقہ اس راہ کے پرانے تجربہ کار کنوں سے ضرور معلوم کریں اور ان کے مشورہ ہی سے یہ کام کریں، خلافِ اصول اور غلط طریقے پر کسی کی مدد کرنے سے بسا اوقات بہت سی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

پھر اس انفاق یعنی دین کے لئے نکلنے والے غریب اور غیر منقطع لوگوں پر خرچ کرنے کے مندرجہ ذیل چند اصول

حضرت مولانا نے بیان فرمائے اور غالباً اس عاجز سے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ ان کو لکھ لو۔

(الف) غیر مستطعین کو اس طرح حکمت سے دیا جائے کہ وہ اس کو کوئی مستقل سلسلہ نہ سمجھنے لگیں اور ان میں اشراف پیدا نہ ہونے پائے۔

(ب) دینا تالیف کے لئے ہو یعنی دین سے مناسبت اور انس پیدا کرنے کے واسطے ہو، لہذا صرف بقدر ضرورت تالیف ہی ہو پھر جیسے جیسے ان میں دین کی قدر و طلب اور اس کام سے انس و مناسبت بڑھتی جائے، اسی قدر مالی امداد سے ہاتھ کھینچا جائے، اور صحبت و گفتگوؤں وغیرہ کے ذریعہ یہ جذبہ ان میں پیدا کیا جائے کہ وہ محنت اور مزدوری کرکے کام کریں یا جس طرح اپنی اور ضرورتوں کے لئے قرض لیتے ہیں، اس کو بھی ایک اہم ضرورت سمجھتے ہوئے حسب موقع اس کے لئے قرض لیں، اس راہ میں غیر کا ممنون نہ ہونا عزیمت ہے، ہجرت کے وقت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پیش کی تھی تو حضور ﷺ نے قیمت طے کرکے قرض لی۔

لیکن جب تک رغبت کا یہ درجہ اور یہ جذبہ و ذائقہ پیدا نہ ہو اس وقت تک بقدر مناسب ان کی مالی مدد کی جاتی رہے۔

(ج) مالی امداد کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہایت مخفی طور پر اور عزت و احترام کے ساتھ دیا جائے اور دینے والے امراء خدمت دین میں مشغول غرباء کے قبول کرلینے کو ان کا احسان سمجھیں اور ان کو اپنے سے افضل سمجھیں کہ باوجود غربت و عسرت کے وہ دین کے لئے گھر سے نکلے ہیں، دین کے لئے گھر سے نکلنا صفت ہجرت ہے اور ان کی مدد کرنا صفت نصرت ہے، اور انصار کبھی مہاجرین کے برابر نہیں ہوسکتے۔

(د) اس راہ میں کام کرنے والوں کی مدد زکوۃ و صدقات سے زیادہ ہدیہ کی صورت میں کی جائے، زکوۃ و صدقات کی مثال ہانڈی کے میل کچیل اور اجزائے ردیہ کی سی ہے کہ اس کو نکالنا ضروری ہے ورنہ ساری ہنڈیا خراب رہے گی اور ہدیہ کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے تیار کھانے میں خوشبو ڈالی جائے اور اس پر چاندی سونے کے ورق لگا دئے جائیں۔

(ہ) دین کے لئے گھر سے نکلنے والوں کی مدد کی ایک اعلیٰ صورت یہ بھی ہے کہ ان کے گھر والوں کے پاس جا کر ان کے سودا سلف اور ان کی ضرورتوں کی فکر کریں، اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں، اور انہیں بتائیں کہ تمہارے گھر کے لوگ کیسے عظیم الشان کام میں نکلے ہوئے ہیں، اور وہ کس قدر خوش نصیب ہیں، غرض یہ کہ خدمت اور ترغیب سے ان کو اتنا مطمئن کریں کہ وہ خود اپنے گھر کے نکلے ہوئے لوگوں کو لکھیں کہ ہم لوگ یہاں ہر طرح آرام سے ہیں، تم اطمینان کے ساتھ دین کے کام میں لگے رہو۔

(و) مالی مدد کے سلسلہ میں تفقد احوال کی بھی ضرورت ہے یعنی دین کی کام میں لگے رہنے والوں کے حالات پر غور

کرے، اور بالا بالا ٹوہ لگائے کہ ان کی کیا ضروریات ہیں اور ان کی گزر بسر کیسی ہے۔

(ز) تفقد احوال کی ایک صورت جس کو خاص طور سے رواج دینا چاہیئے یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنی مستورات کو دین کے واسطے نکلنے والے غرباء کے گھروں میں بھیجا کریں اس سے ان غرباء کے اہل خانہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور ان کے اندرونی حالات کا بھی علم ہوگا۔

(۱۱۴) اسی سلسلے میں فرمایا:- انفاق فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنے والے پر نصوص میں دنیوی برکات کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ اس کا اجر نہیں ہے، نیکیوں کے اصل اجر کا تو یہ عالم تحمل ہی نہیں کر سکتا، وہاں کی خصوصی نعمتوں کی برداشت یہاں کہاں، اس دنیا میں تو پہاڑ جیسی سخت مخلوق اور حضرت موسٰی علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی ایک تجلی کی تاب نہ لاسکے۔ **فلما تجلّٰی ربه للجبل جعله دكا وخر موسى صعقاً ○ (الاعراف ۴۳)**

فرمایا جنت کی نعمتیں اگر یہاں بھیج دی جائیں تو خوشی سے موت واقع ہوجائے، یہی حال وہاں کے عذاب کا ہے اگر دوزخ کا ایک بچھو اس دنیا کی طرف رخ کرے تو یہ ساری دنیا اس کے زہر کی تیزی سے سوخت ہوجائے۔

(۱۱۵) اسی سلسلے میں فرمایا:- راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کی مثال قرآن پاک میں جو اس شخص سے دی گئی ہے جس نے دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہوئے۔ **مثل الذين ينفقون اموالهم فى سبيلِ الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل فى كل سنبلة مائة حبتوالله يضعف لمن يشاء والله واسع عليم** - (البقرۃ ۲۶۱)

تو یہ تمثیل دنیوی برکات ہی کی ہے، آخرت میں اس انفاق کا جو اجر ملے گا وہ تو بہت ہی وراء الوریٰ ہوگا اور اس کی طرف اشارہ اس سے اگلی آیت میں ہے۔

الذين ينفقون اموالهم فى سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا مناً ولا اذىً لهم اجرهم عند ربهم ولاخوفٌ عليهم ولاهم يحزنون (البقرۃ)

اس میں **لهم اجرهم عند ربّهم** - اشارہ اُسی اصلی اجر کی طرف ہے، جو موت کے بعد عالم آخرت میں ملنے والا ہے۔

(۱۱۶) اسی سلسلہ میں فرمایا:- اصل تو یہی ہے کہ رضائے الٰہی اور اجر اخروی ہی کے لئے دینی کام کیا جائے، لیکن ترغیب میں حسب موقع دنیوی برکات کا بھی ذکر کرنا چاہیئے، بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ابتداءً دنیوی برکات ہی کی امید پر کام میں لگتے ہیں۔ اور اسی کام کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں حقیقی اخلاص بھی عطا فرمادیتا ہے۔

فرمایا:- دنیوی برکات ہمارے لئے موعود ہیں، ان کو مقصود اور مطلوب نہیں بنانا چاہیئے۔ لیکن ان کے لئے

دعائیں خوب کرنا چاہئیے اللہ کی طرف سے آنے والی ہر نعمت کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔

رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (سورۃ القصص ۲۴)

(۱۱۷) فرمایا:- اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں بلاشبہ وہ بالکل یقینی ہیں اور آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے تجربات کی روشنی میں جو کچھ سوچتا ہے اور جو منصوبے قائم کرتا ہے وہ محض ظنی اور وہمی باتیں ہیں، مگر آج کا عام حال یہ ہے کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کئے ہوئے وسائل واسباب اور اپنی سوچی ہوئی تدبیر پر یقین واعتماد کر کے لوگ ان کے مطابق جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری کر کے ان کا مستحق بننے کے لئے اتنا نہیں کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالی اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں پر نہیں ہے، اور یہ حال صرف ہمارے عوام کا نہیں ہے بلکہ سب ہی عوام وخواص الاماشاء اللہ الٰہی وعدوں والے یقینی اور روشن راستہ کو چھوڑ کر اپنی ظنی اور وہمی تدبیروں ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔ پس ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے، اور ان کی زندگیوں اور سرگرمیوں کو ظنون و اوہام کی لائن کی بجائے الٰہی وعدوں کے یقینی راستے پر ڈالا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے اور انہوں نے اپنی امتوں کو یہی دعوت دی ہے کہ وہ اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے اور بھروسہ کر کے ان کی شرطوں کے پورا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر کے ان کے مستحق بنیں، اللہ کے وعدوں کے بارے میں جتنا تمہارا یقین ہوگا ویسا ہی تمہارے ساتھ اللہ کا معاملہ ہوگا۔ حدیث قدسی ہے۔

انا عند ظن عبدی بی۔ (۲)

(۱۱۸) فرمایا:- اس راہ میں کام کرنے کی صحیح ترتیب یوں ہے کہ جب کوئی قدم اٹھانا ہو، مثلاً خود تبلیغ کے لئے جانا ہو یا تبلیغی قافلہ کہیں بھیجنا ہو، یا شکوک وشبہات رکھنے والے کسی شخص کو مطمئن کرنے کے لئے اس سے مخاطب ہونے کا ارادہ ہو، تو سب سے پہلے اپنی نااہلیت اور بے بسی اور وسائل واسباب میں اپنی تہی دستی کا تصور کر کے اللہ کو حاضر وناظر اور قادر مطلق یقین کرتے ہوئے پورے الحاح اور زاری کے ساتھ اس سے عرض کریں کہ خداوند تو نے ہارہا بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرت کاملہ سے بڑے بڑے کام کر دیئے ہیں، الٰہی! بنی اسرائیل کے لئے تو نے محض

---

(۱) حضرت مولانا کا یہ ملفوظ بہت مختصر الفاظ میں تھا، عام ناظرین کو اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ناچیز نے کسی قدر وضاحت اور تشریح کے ساتھ اپنی عبارت میں حضرت کے مطلب کو ادا کیا ہے، گویا اس ملفوظ کے الفاظ کا ذمہ دار یہ عاجز ہے، اگرچہ اکثر دیگر ملفوظات میں بھی برائے توضیح وتسہیل اور طرز ادا میں ضروری رد بدل کیا گیا ہے۔ (۲) حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میں (اللہ) اپنے بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں

اپنی قدرت ہی سے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے تو نے اپنی قدرت اور رحمت ہی سے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اور اے اللہ تو نے اپنی حقیر حقیر مخلوقات سے بھی بڑے بڑے کام لے لئے ہیں۔ ابابیل سے تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو شکست دلوائی اور اپنے گھر کی حفاظت کرائی، عرب کے اونٹ چرانے والے امیوں سے تو نے اپنے دین کو ساری دنیا میں چمکایا اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ پس اے اللہ اپنی اسی سنت قدیمہ کے مطابق مجھ نکمے، ناکارہ اور عاجز و بے بس بندے سے بھی کام لے اور میں تیرے دین کے جس کام کا ارادہ کر رہا ہوں اس کے لئے جو طریقہ تیرے نزدیک صحیح ہے مجھے اس کی طرف رہنمائی فرما اور جن اسباب کی ضرورت ہو وہ محض اپنی قدرت سے مہیا کر دے۔

بس اللہ سے یہ دعا مانگ کر پھر کام میں لگ جائے، جو اسباب اللہ کی طرف سے ملتے رہیں ان سے کام لیتا رہے اور صرف اللہ ہی کی قدرت و نصرت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی کوشش بھی بھرپور کرتا رہے۔ اور رو رو کے اس سے نصرت اور انجاز وعدہ (وعدہ پورا کرنے) (۱) کی التجائیں بھی کرتا رہے، بلکہ اللہ کی مدد ہی کو اصل سمجھے اور اپنی کوشش کو اس کے لئے شرط اور پردہ سمجھے۔

(۱۱۹) فرمایا:- خود کام کرنے سے بھی زیادہ توجہ اور محنت دوسروں کو اس کام میں لگانے اور انہیں کام سکھانے کے لئے کرنی چاہیئے شیطان جب کسی کے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ تو کام کے لئے کھڑا ہو ہی گیا اور اب میرے بٹھائے بیٹھنے والا نہیں تو پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ خود تو لگا رہے اور خوب لگا رہے مگر دوسروں کے لگانے کی کوشش نہ کرے اور اس لئے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس کار خیر میں ہمہ تن اس قدر انہماک سے لگ جائے کہ دوسروں کو دعوت دینے اور لگانے کا اسے ہوش ہی نہ ہو، پس شیطان کو شکست یوں ہی دی جا سکتی ہے کہ دوسروں کو اٹھانے اور انہیں کام پر لگانے اور کام سکھانے کی طرف زیادہ زیادہ توجہ دی جائے اور دعوت الی الخیر اور دلالت الی الخیر کے کام پر اجر و ثواب کے جو وعدے قرآن و حدیث میں فرمائے گئے ہیں ان کا تصور اور دھیان کرتے ہوئے اور اسی کو اپنی ترقی اور تقرب کا اعلیٰ ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے لئے کوشش کی جائے۔

(۱۲۰) فرمایا:- دین میں ٹھہراؤ نہیں یا تو آدمی دین میں ترقی کر رہا ہوتا ہے اور یا نیچے گرنے لگتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ باغ کو جب پانی اور ہوا موافق ہو تو وہ سرسبزی اور شادابی میں ترقی ہی کرتا رہتا ہے، اور جب موسم

(۱) کان حقا علینا نصر المؤمنین کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ہم پر حق ہے کہ ایمانداروں کی مدد کریں۔

ناموافق ہو یا پانی نہ ملے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرسبزی اور شادابی اپنی جگہ پر ٹھہری رہے بلکہ اس میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے یہی حالت آدمی کے دین کی ہوتی ہے۔

(۱۲۱) فرمایا:- لوگوں کو دین کی طرف لانے اور دین کے کام میں لگانے کی تدابیر سوچا کرو، جیسے دنیا والے اپنے دنیاوی مقاصد کیلئے تدبیریں سوچتے رہتے ہیں، اور جس کو جس طرح سے متوجہ کر سکتے ہو اس کے ساتھ اسی راستے سے کوشش کرو۔ **وأتو البیوت من ابوابھا**۔(گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔(البقرۃ ۱۸۹)

(۱۲۲) فرمایا:- طبیعت مایوسی کی طرف زیادہ چلتی ہے، کیونکہ مایوس ہو جانے کے بعد آدمی اپنے کو عمل کا ذمہ دار نہیں سمجھتا اور پھر اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا، خوب سمجھ لو یہ نفس اور شیطان کا بڑا کید ہے۔

(۱۲۳) فرمایا:- اسباب کی کمی پر نظر ڈال کر مایوس ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم اسباب پر مست ہو اور اللہ کے وعدوں اور اس کی غیبی طاقتوں پر تمہارا یقین بہت کم ہے، اللہ پر اعتماد کر کے اٹھو تو اللہ ہی اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ ورنہ آدمی کیا کر سکتا ہے، مگر ہمت اور اپنی استطاعت بھر جہد شرط ہے۔

حضرت جی حضرت مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"اگر ایک شخص ایسے مکان میں ہو، جس میں سو شیشے لگے ہوئے ہوں اور اس میں ایک چڑیا اڑ رہی ہو تو وہ بلاشبہ ہر جگہ اڑتی ہوئی نظر آئے گی۔ لیکن اس ایک اصل چڑیا کے سوا سب کے سب اس کے ظل و عکس اور شیشوں میں اتری ہوئی اس کی تصویریں ہیں، جو شخص ایک اصل چڑیا کو پکڑ لے گا، سب کی سب اس کے ہاتھ میں آجاویں گی اور جو اسے چھوڑ کر دوسروں کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، عمر بھر محنت کرے گا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا، فرمایا اسی طرح اگر کوئی اس ایک ذات حقیقی کو حاصل کرے گا، تو تمام ضروریات خود بخود اس کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اور اسے چھوڑ کر جتنی بھی محنت کرو گے سب رائیگاں اور فضول ہے"

قسط نمبر ۸

(۱۲۴) جو لوگ زندگی کے انفرادی معاملات یا اجتماعی امور میں یورپ کی مسیحی اقوام کے طور طریقوں کی تقلید کر رہے ہیں اور اسی کو اس زمانہ میں صحیح طریقہ کار سمجھتے ہیں ان کے رویہ پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک صحبت میں فرمایا:

ذرا سوچو! جس قوم کے آسمانی علوم یعنی حضرت مسیح کے لائے ہوئے علوم کا چراغ علوم محمدی قرآن وسنت کے سامنے گل ہو گیا بلکہ منجانب اللہ منسوخ قرار دیدیا گیا اور براہ راست اس سے روشنی حاصل کرنے کی صاف ممانعت کر دی گئی اس قوم کی اہواء و امانی یعنی ان یورپین مسیحی اقوام کے اپنے خود ساختہ نظریوں کو اس حامل قرآن وسنت امت محمدیہ کا اختیار کر لینا اور اس کو صحیح طریقہ کار سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا قبیح اور کس قدر موجب غضب ہو گا؟ اور عقلاً بھی یہ بات کتنی غلط ہے کہ محمدی وحی کے محفوظ ہوتے ہوئے جس میں زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کے متعلق کامل ہدایات موجود ہیں عیسائی قوموں کے طور طریقوں کی پیروی کی جائے کیا یہ علوم محمدی کی سخت ناقدری نہیں ہے۔

(۱۲۵) فرمایا: ہم جس دینی کام کی دعوت دیتے ہیں بظاہر تو یہ بڑا سادہ سا کام ہے لیکن فی الحقیقت بڑا نازک ہے کیونکہ یہاں مقصود صرف کرنا کرانا ہی نہیں ہے بلکہ اپنی سی کر کے اپنی عاجزی کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و نصرت پر اعتماد کرنا ہے سنت اللہ یہی ہے کہ اگر اللہ کی مدد کے بھروسہ پر اپنی سی کوشش ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری کوشش اور حرکت میں اپنی مدد کو شامل کر دیتے ہیں قرآن مجید کی آیت **ویزد کم قوۃ الی قوتکم** میں اسی طرف اشارہ ہے اپنے کو بالکل بے کار سمجھ کے بیٹھے رہنا تو جبریت ہے اور اپنی ہی قوت بازو پر اعتماد کرنا قدریت ہے اور یہ دونوں گمراہیاں ہیں اور صحیح ان دونوں کے درمیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جدوجہد اور کوشش کی جو حقیر سی قوت اور صلاحیت ہم کو بخش رکھی ہے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اسی کو تو ہم پورا پورا لگا دیں اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں لیکن نتائج کے پیدا کرنے میں اپنے کو بالکل عاجز اور بے بس یقین کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد پر اعتماد کریں صرف اسی کو کار فرما سمجھیں۔

فرمایا: اسوہ نبوی ﷺ سے اسکی پوری تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے مسلمانوں کو ہماری دعوت بس یہی ہے۔

(۱۲۶) فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض یعنی تقسیم میراث کے شرعی طریق کے زندہ

کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اب جو تبلیغی وفود وہاں جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں۔

(۱۲۷) اسی سلسلہ کلام میں فرمایا: عمل کی کوتاہی پر خلود فی النار نہیں ہے بلکہ خلود ہے عدم یقین اور تکذیب پر۔

(۱۲۸) فرمایا: ہر عمل کا جزو اخیر اعتراف تقصیر اور خشیہ (۱) رو ہونا چاہیے یعنی ہر نیک عمل کو اپنی طرف سے تو بہتر سے بہتر ادا کر نیکی کوشش کرے لیکن پھر اس کے خاتمہ پر یہ احساس ہونا چاہیے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا حق تھا اور جیسا کرنا چاہیے تھا ویسا نہیں ہوسکا اور اس کی بنا پر دل میں یہ خوف اور خطرہ ہونا چاہیے کہ کہیں ہمارا عمل ناقص اور خراب ہونے کی وجہ سے مردود قرار دے کر قیامت میں ہمارے منہ پر نہ مار دیا جائے اور پھر اسی احساس اور اسی خوف وخطر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا جائے اور بار بار استغفار کیا جائے۔

(۱۲۹) فرمایا: اعتقادات کے بارے میں بھی اصول یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو اعتقاد کو واثق اور مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کرے اور اس کے خلاف وساوس کو بھی نہ آنے دے لیکن پھر بھی ڈرتا رہے کہ کما حقہ یقین مجھے حاصل ہے یا نہیں۔

فرمایا: صحیح بخاری شریف میں ابن ابی ملیکہ کا جو ارشاد یہ نقل کیا گیا ہے **لقیت ثلثین من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم یخشیٰ علیٰ نفسہ النفاق** (۲) (اوکما قال)

تو اس کی حقیقت یہی ہے۔

فرمایا: اعتقاد اور یقین کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اللہ و رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا صحیح ہے دل کی طرف سے ہیبت اور توقیر اعزاز کیساتھ اس کا استقبال ہو اس صورت میں عمل بھی ہوگا اور عمل میں جان بھی ہوگی۔

(۱۳۰) ایک دینی مدرسہ کے مشہور استاذ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے اللہ کی نظر سے گرنے اور پھر اسی کے نتیجہ میں دنیا کی نظروں میں بھی گر جانے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے رشتہ سے جو تعلقات ہیں ان کی توقیر آپ لوگوں میں نہیں رہی اور دنیوی اور مادی تعلقات کے دباؤ کو آپ زیادہ قبول کرنے لگے، دیکھو میرا تمہارا تعلق صرف اللہ اور

---

(۱) عمل قبول نہ ہونے کا خطرہ (۲) ترجمہ ابن ملیکہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے ۳۰ صحابیوں سے ملاقات کی میں نے ان میں سے ہر ایک کو اپنے نفس کے بارے میں نفاق سے ڈرتا ہوا پایا۔

امیر ... تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن اور جماعت کی دینی جد و جہد

رسول کے واسطے ہے میں نے تمہیں بلایا تم نہیں آئے لیکن ------ کے ایک خط نے تمہیں بلالیا حالانکہ ان میں بڑی بات تو زیادہ ہے کہ وہ دولت مند ہیں اور ان سے اور ان کے اثر سے چندہ ملتا ہے تو ہماری بنیادی بیماری ہے اللہ اور رسول کے واسطے سے اور ان کی طرف سے کہنے والے کی نہ سننا اور نہ ماننا۔

اسی سلسلے میں فرمایا: اب میوات میں یہ بات پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ اور رسول سے تعلق رکھنے والوں سے اور شریعت کے مطابق کرائیں اور ان کا جذبہ یہ ہو کہ اللہ و رسول ﷺ سے تعلق رکھنے والوں کے فیصلے سے اگر آدھا بھی ملے تو وہ سراسر رحمت اور برکت ہے اور خلاف شریعت فیصلے کرنے والے سارا بھی دلوائیں تو وہ سراسر وبال اور بے برکت ہے۔

فرمایا: قرآن مجید کی آیت **فلاوربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیماشجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجامما قضیت ویسلموا تسلیما** کا مدعا یہی ہے لیکن یہ بات ایک دم پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان میں اللہ اور رسول کی اطاعت اور احکام شریعت کی پیروی کا شوق پیدا کیا جائے اور اس چیز کو ان طبیعتوں پر غالب کیا جائے اور پھر حکمت و تدریج کے ساتھ یہ بات ان میں پیدا کی جائے اللہ و رسول ﷺ کی عملی صورت یہی ہے کہ اللہ رسول ﷺ سے صحیح تعلق رکھنے والے دین کی جو باتیں بتائیں ان کو عظمت و توقیر سے مانا جائے اور اور ذوق و شوق سے ان پر عمل کیا جائے یہی طریقہ زندگیوں کے رخ کو پلٹنے کا ہے۔

(۱۳۱) فرمایا: میرے نزدیک حقیقی دین یہ ہے کہ اس عالم کے اسباب کو اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی کا پردہ سمجھنے لگے اور یہ یقین کرنے لگے کہ اس پردہ میں کرنے والا کوئی اور ہے اور اس کا فعل اور حکم حقیقی سبب ہے گویا بجائے ظاہر اسباب کے اللہ تعالیٰ کے غیبی حکم ہی کو حقیقی سبب سمجھنے لگے اور پھر ظاہری اسباب میں کوشش کرنے سے زیادہ کوشش اس کی کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو کر میرا کام پورا کردے۔

فرمایا: قرآن مجید کی آیت **ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب** (التغابن) میں غور کرو۔

(۱۳۲) پنجاب کے اندر ایک دیندار مسلمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وہ جب پہلی دفعہ یہاں آئے تو اتفاق سے میں اس وقت ابن ماجہ شریف کا سبق پڑھا رہا تھا انہوں نے سلام کیا میں نے حدیث کے درس میں مشغولیت کی وجہ سے جواب نہیں دیا پھر وہ بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سبق ہی کے دوران میں انہوں نے کہا کہ فلاں جگہ سے آیا ہوں میں نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر بعد وہ

اٹھ کر چلنے لگے اب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے تھے انہوں نے کہا۔

زیارت کے لئے میں نے کہا جس زیارت کی حدیثوں میں ترغیب اور فضیلت آئی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی صرف صورت دیکھ لی جائے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی کی تصویر دیکھ لی شرعی زیارت یہ ہے کہ اس کی بات پوچھی جائے اس کی سنی جائے اور آپ نے تو نہ اپنی کچھ کہی اور نہ میری کچھ سنی انہوں نے کہا کیا میں ٹھہروں؟ میں نے کہا ضرور! چنانچہ وہ ٹھہر گئے اور پھر جب انہوں نے میری بات کو کچھ سنا اور سمجھا اور یہاں کے کام کو دیکھا تو اپنے بڑے بھائی کو بلایا اگر میں اسی وقت اسی طور پر مختصر بات ان سے کر لیتا تو جو کچھ بعد میں ہوا کچھ بھی نہ ہوتا اور وہ بس زیارت ہی کر کے چلے جاتے۔

فرمایا: زمانہ کے بدلنے سے دینی اصطلاحات کے معنی بھی بدل گئے اور ان کی روح نکل گئی دین میں مسلم کی مسلم سے ملاقات کی فضیلت اس لئے ہے کہ اس میں دین کی باتیں ہوں جس ملاقات میں دین کا کوئی ذکر فکر نہ ہو وہ بے روح ہے۔

(۱۳۳) فرمایا: ہمارے نزدیک اصلاح کی ترتیب یوں ہے کہ کلمہ طیبہ کے ذریعہ ایمانی معاہدہ کی تجدید کے بعد سب سے پہلے نمازوں کی درستی ہی پوری زندگی کی جائے، نماز کی برکات باقی پوری زندگی کو سدھاریں گی۔ نماز کی درستی ہی پوری زندگی کے سدھارنے کا سرچشمہ ہے اور نماز ہی کی اصلاح اور کمال سے باقی زندگی پر صلاحیت اور کمال کا فیضان ہوتا ہے۔

(۱۳۴) فرمایا: ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہیے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے، لہذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔ علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں یہ مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ہو، انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر اللہ کے زیر ہدایت تھا اور صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے علم و ذکر لیتے تھے اور حضور ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے اسی طرح ہر زمانہ کے لوگ اپنے بڑوں سے علم و ذکر لیا کرتے تھے اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کرلے تھے، ایسے ہی آج بھی ہم بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے۔

قسط نمبر ۹

(۱۳۵) فرمایا: ہماری یہ تبلیغی تحریک و دینی تعلیم پھیلانے اور دینی زندگی کو عام کرنے کی تحریک ہے اور اس کے جو اصول ہیں بس انہی کی رعایت اور نگہداشت میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا جو حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسلمانوں کے تین طبقے ہیں:-

۱:- پسماندہ یعنی غرباء

۲:- اہل وقار

۳:- علمائے دین

ان سب کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہیے، اس کو یہ حدیث جامع ہے۔ **من لم یرحم صغیر ناولم یوقرکبیرنا ولم یجل علمائنا فلیس منا۔** (اوکما قال)

بس قوم میں جو چھوٹے ہیں ان کا حق یعنی رحم و خدمت، اور جو اصحاب وقار اور اہل وجاہت ہوں انکا حق توقیر اور علمائے دین کا حق تعظیم ادا کرکے انکو یہ دعوت دی جائے۔ **واتو البیوت من ابوابہا۔**

(۱۳۶) دلی کے ایک تاجر ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کرکے سندھ سے واپس آئے تھے وہاں کے کام کی رپورٹ ان سے سن کر حضرت نے فرمایا:-

دوستو! ہمارا یہ کام اصلاحی و تبلیغی جدوجہد ایک طرح کا عمل تسخیر ہے یعنی جو کوئی اس کام میں لگے گا اور اس کو اپنی دھن بنالے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتا رہے گا **من کان للہ کان اللہ لہ** اگر تم اللہ کے کام میں لگو گے تو زمین و آسمان اور فضاء کی ہوائیں تمہارے کام انجام دیں گی۔

تم اللہ کے کام میں گھر اور کاروبار چھوڑ کے نکلے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لینا تمہارے کاروبار میں کتنی برکت ہوتی ہے اللہ کی نصرت کرکے جو اللہ کی نصرت و رحمت کی امید نہ رکھے وہ فاسق اور بے نصیب ہے۔

مرتب عرض کرتا ہے کہ آخری فقرہ آپ نے ایسے انداز اور اتنے جوش سے کہا کہ حاضرین کے دل دہل گئے۔

(۱۳۷) فرمایا:- ہمارے کام کی صحیح ترتیب تو یہی ہے کہ پہلے قریب قریب جایا جائے اور اپنے ماحول میں کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے مثلاً یہاں سے جماعتیں پہلے کرنال پانی پت وغیرہ پھر وہاں سے پنجاب اور

ریاست بہاولپور کے علاقوں میں کام کرتی ہوئی سندھ جائیں، لیکن کبھی کبھی کارکنوں میں عزم اور پختگی کار پیدا کرنے کے لئے ابتداءً دور دور بھیج دیا جاتا ہے اس وقت سندھ بمبئی وغیرہ جماعتیں بھیجنے سے یہی مقصد ہے ان طویل سفروں سے عزم اور کام کا عشق پیدا ہوگا۔

(۱۳۸) فرمایا:- ہمارے اس کام میں پھیلاؤ سے زیادہ رسوخ اہم ہے لیکن اس کام کا طریقہ ایسا ہے کہ رسوخ کے ساتھ ہی ساتھ پھیلاؤ بھی ہوتا جائے، کیونکہ رسوخ بغیر اس کے پیدا ہی نہیں ہوگا کہ اس دعوت کو لیکر شہروں شہروں اور ملکوں ملکوں پھرا جائے۔

(۱۳۹) ایک نیاز مند سے جن کو مولانا کے تبلیغی کام سے بھی تعلق تھا اور اس کے علاوہ تحریر و تصنیف ان کا خاص مشغلہ تھا ایک دن فرمایا:-

میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلے میں کچھ زیادہ پڑھا لکھا جائے اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دی جائے بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا، لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جانے اور تم بھی خوب لکھو مگر یہاں کے فلاں فلاں کام کرنے والوں کو میری یہ بات پہنچا کر ان کی رائے بھی لے لو۔ چنانچہ ان نامزد حضرات کو حضرت مولانا کی یہ بات پہنچا کر مشورہ طلب کیا گیا ان صاحبان نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس بارہ میں اب تک جو طرز عمل ہو رہا ہے وہی اب بھی رہے ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے۔

حضرت مولانا کو یہ رائے پہنچائی گئی تو فرمایا ہم پہلے بالکل کسمپرسی کی حالت میں تھے کوئی ہماری بات سنتا نہیں تھا اور کسی کی سمجھ میں ہماری بات آتی نہیں تھی اس وقت یہی ضروری تھا کہ ہم خود ہی چل پھر کر لوگوں میں پہلے طلب پیدا کریں اور عمل سے اپنی بات سمجھاویں اس وقت اگر تحریر کے ذریعہ عام دعوت دی جاتی تو لوگ کچھ کا کچھ سمجھتے اور اپنے سمجھنے کے مطابق ہی رائے قائم کرتے اور اگر بات کچھ دل کو لگتی تو اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سیدھی کچھ الٹی اس کی عملی تشکیل کرتے اور پھر جب نتائج غلط نکلتے تو ہماری اسکیم کو ناقص کہتے اس لئے ہم یہ بہتر نہیں سمجھتے تھے کہ لوگوں کے پاس تحریر کے ذریعے ہماری دعوت پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مدد سے اب حالات بدل چکے ہیں ہماری بہت سی جماعتیں ملک کے اطراف میں نکل کر کام کا طریقہ دکھلا چکی ہیں اور اب لوگ ہمارے کام کے طالب بن کر خود ہمارے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنے آدمی دیدئے ہیں کہ اگر مختلف اطراف میں طلب پیدا ہو اور کام سکھانے کے لئے جماعتوں کی ضرورت ہو تو جماعتیں بھیجی جاسکتی ہیں تو اب ان حالات میں بھی کسمپرسی والے ابتدائی زمانہ ہی کے طریقہ کار

کے ہر ہر جز پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعہ بھی دعوت دینی چاہیے۔

(۱۴۰) فرمایا:- اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ ۳ دن دو یا ۵ دن دو یا ۷ دن دو۔ بس یہ کہو کہ راستہ یہ ہے جو جتنا کرے گا اتنا پائے گا اس کی کوئی حد اور کوئی سرا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کام سب نبیوں سے آگے ہے اور حضرت ابو بکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے کام کو حضرت عمرؓ نہیں پاسکے پھر اس کی غایت ہی کیا ہے یہ تو سونے چاندی کی عظیم کان ہے جتنا کھودو گے اتنا پاؤ گے۔

(۱۴۱) مادی منافع کے لئے دشمنان اسلام کا آلہ کار بننے والے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا مسلمانو! اگر تم ان میں شکم پرستی اور غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی کا جذبہ پیدا کر سکو گے تو پھر وہ پیٹ اور دوسری اغراض کی خاطر سے دشمنوں کا آلہ کار کیوں بنیں گے جذبات۔ اور دل کا رخ بدلے بغیر زندگی کے اشغال بدلوانے کی کوشش غلط ہے۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو ان کی پوری زندگی اللہ کے حکموں کے ماتحت ہوجائے گی **لاالہ الا اللہ** کا یہی مقصد ہے اور ہماری تحریک کی یہی بنیاد ہے۔

(۱۴۲) ایک دن حضرت نے غالباً یہ بیان فرماتے ہوئے کہ ہمارے کام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگوں میں پہلے ایمان یعنی اللہ اور رسول کی باتوں پر حقیقی یقین اور دین کی قدر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس کے بغیر دین کے تفصیلی احکام پیش کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے لوگوں کے اندر اور ڈھٹائی پیدا ہوگی ایک طالبعلم کا قصہ اس طرح بیان فرمایا:-

کسی طالبعلم کو اس کے بزرگ استاذ نے یہ یقین دلا رکھا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ بیش قیمت چیز علم دین ہے اور اس کا ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں روپے سے زیادہ قیمتی ہے ایک دن اس طالب علم کو اپنا ٹوٹا ہوا جوتا گٹھوانے کی ضرورت پڑی وہ چمار کے پاس گیا جب مزدوری کی بات چیت ہوئی تو اس طالب علم نے کہا کہ میں تجھ کو دین کا ایک مسئلہ بتادوں گا اس نے پہلے تو مذاق سمجھا لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مذاق نہیں کر رہا تو اسنے اسے اپنی دوکان سے اٹھا دیا وہ اپنے استاذ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ دین کا ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں سے زیادہ قیمت کا ہوتا ہے اور چمار تو اس کے بدلے جوتا گانٹھنے پر بھی تیار نہیں ہوا۔

ان بزرگ نے جو شہر کے مشہور شیخ اور مرجع خلائق تھے طالب علم کو ایک ہیرا دیا اور اس سے کہا کہ ترکاری بازار میں جا کر اس کی قیمت جچواؤ! وہ پہلے ایک بیر والی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا یہ پتھر تو کتنے میں لے گی؟ اسنے کہا کہ میرے کس کام کا ہے چھٹانک بھر کا بھی نہیں کہ چھٹنکی بنالوں، خیر اگر تو دیوے ہی ہے تو پانچ

بیر تجھے دیدوں گی میرا بچہ اس سے کھیلا کریگا۔

اس کے بعد ایک دوسری بیر والی سے بات کی اس نے بھی یہی کہا کہ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔

یہ اپنے استاد کے پاس واپس آئے۔ اور بتلایا کہ وہاں تو اس کو بیکار بتلایا گیا ہے اور ایک بیر والی مشکل سے پانچ بیروں کے بدلے لینے پر تیار ہوئی۔ استاد نے کہا کہ اب اس کو لے کر جوہر بازار جاؤ اور وہاں جوہریوں سے قیمت لگواؤ مگر دینا کسی کو نہیں۔

یہ گئے اور جوہری کی دکان پر جا کر انہوں نے وہ ہیرا دکھایا دکاندار نے اس طالب علم کی صورت دیکھ کر پہلے تو اس کو چور سمجھا لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ فلاں بزرگ کا بھیجا ہوا ہے تو کہا کہ یہ ہیرا ہم نہیں خرید سکتے، اس کو تو کوئی بادشاہ ہی خرید سکتا ہے وہ واپس آگئے اور اپنے استاد کو خبر دی۔ انہوں نے کہا جس طرح بیر والی اس ہیرے کی قیمت کو نہیں جانتی تھی اور اس لئے وہ ایک پیسے میں بھی اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوئی اسی طرح وہ چمار بھی نہیں جانتا تھا کہ دین کے مسئلے کی کیا قیمت ہوتی ہے غلطی تمہاری ہے کہ تم نے ناقدردان کو قدردان سمجھ لیا۔ اس کے بعد اسی سلسلہ میں دین کی قدر ماننے والے ایک بادشاہ کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا:-

ایک دیندار اور دین کے قدر شناس بادشاہ نے اپنا لڑکا ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا کہ اس کو علم دین پڑھاؤ۔ اتفاق سے وہ لڑکا بڑا ہی کودن اور ناسمجھ تھا۔ مولوی صاحب نے بار بار بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے لیکن بادشاہ کا حکم یہی آتا رہا کہ اس کی بالکل پرواہ نہ کرو، اگر وہ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اخذ نہیں کر سکتا ہے تو تم عبور ہی کروادو۔

چنانچہ بس عبور ہی ہوتا رہا۔ جب یہ عبور پورا ہو گیا تو بادشاہ نے بڑی خوشی منائی اور لڑکے سے فرمائش کی کہ دین کی کوئی بات بیان کرو۔ اس نے کہا مجھے تو کچھ یاد نہیں، بادشاہ نے کہا جو بھی مسئلہ تمہیں یاد ہو وہی بیان کردو۔ لڑکے نے اس وقت حیض کے متعلق ایک مسئلہ بیان کیا، بادشاہ نے برسر مجلس کہا کہ

اگر میری ساری سلطنت خرچ ہو کر بھی تمہیں بس یہی ایک مسئلہ آجاتا تو بھی نفع ہی نفع تھا۔

بھائیو! لوگوں سے دین پر عمل کرنے کے لئے پہلے ان میں حقیقی ایمان آخرت کی فکر اور دین کی قدر پیدا کرو۔ اللہ کی دہش بہت ہے مگر اس کے یہاں غیرت بھی ہے وہ ناقدروں کو نہیں دیتا۔ تم بھی اپنے بڑوں سے دین کو قدر کے ساتھ لو۔ اور قدر کا مقتضیٰ یہ بھی ہے کہ ان کو اپنا بہت بڑا محسن سمجھو اور پوری طرح انکی تعظیم و توقیر کرو۔ یہی منشاء ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جس نے اپنے محسن آدمیوں کا شکر ادا

کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔

(۱۴۳) اسی سلسلہ میں فرمایا: اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خودرائی نہ ہو بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے میں ان اکابر مرحومین نے اپنا اعتماد ظاہر کیا، جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلم ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہی اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور ﷺ خاص اعتماد فرماتے تھے اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابل اعتماد سمجھے گئے جن پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اعتماد فرمایا تھا دین میں اعتماد کے لئے بہت تیقظ (بیدار مغزی) کے ساتھ انتخاب ضروری ہے ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے۔

(۱۴۴) فرمایا:: اکبر کی گمراہی کا خاص سبب یہی تھا کہ ابتداء میں اس نے علماء پر بہت اعتماد کیا اور یہاں تک کیا کہ اپنی باگ ہی مجلس علماء کے ہاتھ میں دیدی اور علماء کے انتخاب کی صلاحیت و قابلیت تھی نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ طالبان دنیا اور متنافسین کا جمگھٹا ہو گیا۔ جب اکبر کو ان کی بدنیتی اور غرض پرستی اور دنیا طلبی کا تجربہ ہوا تو وہ علماء سے سخت متنفر ہو گیا اور پھر تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء سے اس نے کلی اجتناب کر لیا۔ اور دوسرے مذاہب کے پیشوا اس پر قابو یافتہ ہو گئے پھر اسلام کی جگہ دین الٰہی بننے لگا۔

(۱۴۵) فرمایا: میری اس بیماری اور کمزوری کی وجہ سے علماء اور اطبا کا مستقل فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں حتیٰ کہ سلام مصافحہ بھی نہ کروں، میں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی صرف ان دینی فریضہ اصلاح و تبلیغ کے احیاء کے لئے کرتا ہوں جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت زندہ نہ ہو سکے گا۔ سورہ توبہ کی اس آیت سے میں نے یہ سمجھا ہے ماکان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ۔ (۱۲۰ الاعراف) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت دین کا کام کچھ لوگوں پر موقوف ہو تو پھر ان کو اپنی جان کی پرواہ کرنا جائز نہیں۔

(۱۴۶) فرمایا: عام طور سے کام کرنے والے لوگ بڑے آدمیوں اور نمایاں ہستیوں کے پیچھے لگتے ہیں اور اللہ کے غریب اور خستہ حال بندے اگر خود بھی آ جائیں تو ان کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ مادیت ہے۔ خوب سمجھو لو جو خود بخود تمہارے پاس آ گیا وہ اللہ کا عطیہ اور اس کا بھیجا ہوا ہے اور جس کے پیچھے لگ کے تم اسے لائے وہ تمہاری کمائی ہے جو اللہ کی خالص عطا ہو اس کی قدر اپنی کمائی سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ یہ شکست حال غریب میواتی جو یہاں پڑے رہتے ہیں ان کی قدر کرو، ذرا سوچو تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تھی۔ اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا

واحشرنی فی زمرۃ المساکین یعنی اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی ہی کی حالت میں مجھے موت دے اور بروز قیامت مسکینوں کی جماعت میں مجھے اٹھا۔

(۱۴۹) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات و عادات جو قرآن پاک میں بیان کی ہیں ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہیئے کسی کا بیان بھی اللہ کے اپنے بیان کو نہیں پہنچ سکتا، خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **اللھم لانحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔**

(۱۵۰) حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے نواسے حضرت حافظ یعقوب صاحب گنگوہیؒ زیارت وعیادت کے لئے تشریف لائے ان کے ساتھ ان ہی کے گھرانے کی کوئی خاتون بھی تھیں وہ بھی حضرت مولانا کی عیادت کے لئے تشریف لائیں ۔ حضرت نے ان کو پس پردہ حجرہ ہی میں بلوالیا، ان کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا تھا اسکے چند فقرے قلم بند کر لئے گئے تھے جو درج ذیل ہیں:

فرمایا **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** مجھے دین کی نعمت آپ کے گھرانے سے ملی ہے۔ میں آپ کے گھر کا غلام ہوں، غلام کے پاس اگر کوئی اچھی چیز آجائے تو اسے چاہیئے کہ تحفہ میں اپنے آقا کے سامنے پیش کر دے۔ مجھ غلام کے پاس آپ ہی کے گھر سے حاصل کیا ہوا "وراثت نبوت" کا تحفہ ہے، اس کے سوا اور اس سے بہتر میرے پاس کوئی سوغات نہیں ہے جسے میں پیش کروں۔ دین کیا ہے؟ ہر موقعہ پر اللہ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے اور ان کا دھیان کرتے ہوئے اور اپنے نفس کے تقاضے کی آمیزش سے بچتے ہوئے ان کی تعمیل میں لگے رہنا اور اللہ کے حکموں کی تلاش اور دھیان کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔

اس طریقے سے چند روز میں وہ بات حاصل ہو سکتی ہے جو دوسرے طریقوں سے ۲۵ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔

میں مستورات سے کہتا ہوں کہ دینی کام میں تم اپنے گھر والوں کی مددگار بن جاؤ، انہیں اطمینان کے ساتھ دین کے کاموں میں لگنے کا موقع دے دو اور گھریلو کاموں کا بوجھ ہلکا کر دو تاکہ وہ بے فکر ہو کر دین کا کام کریں اگر مستورات ایسا نہ کریں گی تو حبالۃ الشیطان ہو جائیں گی۔۔

دین کی حقیقت ہے جذبات کو اللہ کے اوامر کا پابند کرنا صرف دینی مسائل کے جاننے کا نام دین نہیں ہے! علماء یہود دین کی باتیں اور اپنی شریعت کے مسائل بہت جانتے تھے، لیکن اپنے جذبات کو انہوں نے اوامر الہیہ کا پابند نہیں کیا تھا اس لئے مغضوب و مردود ہو گئے۔ اسی گفتگو کے اثناء میں آپ سے کسی خاص معاملہ کے متعلق درخواست دعا کی گئی تو

حضرت نے فرمایا:

جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے یعنی جذبات کو اوامر الٰہیہ کے تابع کردے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلیں پردہ غیب سے حل کرتے ہیں اور ایسے طریقے سے اس کی مدد کرتے ہیں کہ خود اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ **من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لایحتسب** ۔ اللہ کی خاص مدد حاصل کرنے کی یقینی اور شرطیہ تدبیر یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے۔ **ان تنصروا للہ ینصرکم** اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو ہلاک کرنے والی چیزیں تمہارے لئے زندگی اور راحت کا سامان بن جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جی جان سے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ نے آگ کو ان کے حق میں گلزار بنا دیا۔ ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس دریا نے جس کی خاصیت ڈبونا ہے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیا۔

(۱۵۱) آج بتاریخ ۲ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ بروز چہار شنبہ رات دارالعلوم دیوبند کے طلبا کی ایک جماعت آئی اور اسی رات حضرت کو اسہال کا دورہ ہوا جس سے انتہائی ضعف ہو گیا، بات کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی تو بعد نماز فجر خاکسار مرتب کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

کان بالکل میرے لبوں سے لگا دو، اور سنو! یہ طلبہ اللہ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں ان کی قدر اور اس نعمت کا شکریہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے موافق پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ جائے۔ یہ بہت کم وقت کے لئے آئے ہیں، پہلے میری یہ دو تین باتیں انہیں پہنچا دو۔

۱۔ اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب و احترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے آپ کو ان کی ایسی تعظیم کرنی چاہیئے جیسے کہ ائمہ دین کی کی جاتی ہے۔ وہ آپ لوگوں کے لئے علم نبوی کے حصول کا ذریعہ ہیں اور جس شخص نے کسی کو دین کی ایک بات بھی بتلائی اور وہ اس کا مولا ہو جاتا ہے۔ پھر علم دین کے مستقل اساتذہ کا جو حق ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے بلکہ ان کے درمیان کچھ نزاعات بھی ہوں تب بھی ادب و تہذیب کا تعلق سب کے ساتھ یکساں رہنا چاہیئے خواہ محبت و عقیدت کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ ہو لیکن عظمت میں فرق نہ آنا چاہیئے اور دل میں ان کی طرف سے بدی نہ آنا چاہیئے، قرآن مجید نے تو ہر مومن کا یہ حق بتایا ہے کہ ان کی طرف سے اپنے دلوں کے صاف رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جایا کرے، فرمایا: **ولاتجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا (الحشر ۱۰)** اور نہ رکھ ہمارے دل میں ایمان والوں کا کینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے **لایبلغنی احد عن احد شیئا فانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر** تم میں سے کوئی مجھے ایک دوسرے کی باتیں نہ پہنچایا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں

جب تمہارے پاس سے جاؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو۔اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی وفات کی دعا اس وقت مانگی جب کہ امت بہت پھیلنے لگی اور آپ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ناواقفی کی وجہ سے کسی کے دل میں میری طرف سے کوئی میل نہ آجائے اور مبادا پھر وہ برباد ہوجائے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا: ان چیزوں کا اجر یعنی بڑوں چھوٹوں کی رعایت کے حقوق کا اجر جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے۔ارکان سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے۔ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز اس اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف الرحیم ہے، اس کے کرم سے تو معافی ہی کی زیادہ امید ہے لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو۔ لہذا ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ بہت اہم ہے اور پھر اس شعبہ میں علم دین کے اساتذہ کے حقوق کا معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے۔ تو ان طلبہ کو میرا ایک پیغام تو یہ پہنچاؤ کہ اپنی زندگی کی اصلاح کی یہ خاص طور سے فکر کریں۔

۲-اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں اور اس فکر کے بوجھ کے ساتھ زندگی گذاریں کہ جو کچھ پڑھا ہے اور جو پڑھیں گے اس کے مطابق زندگی گذرے، علم دین کا یہ پہلا لازم حق ہے دین کوئی فن اور فلسفہ نہیں ہے بلکہ زندگی امن و سکون سے گذارنے کا وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں۔ اللہ کے رسول نے علم لاینفع سے یعنی اس علم سے جو عمل پہ نہ ڈالے پناہ مانگی ہے اور اسکے علاوہ بھی عالم بے عمل کے لئے جو سخت وعیدیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں وہ آپ کے علم میں ہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ عالم کی بے عملی نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا شراب پینا یا زنا کرنا نہیں ہے، یہ تو عامیوں کے عام گناہ ہیں۔عالم کا گناہ یہ ہے کہ وہ علم پر عمل نہ کرے اور اس کا حق ادا نہ کرے۔

قریباں را بیش بود حیرانی

قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا۔ **فبما نقضهم میثاقهم لعناهم و جعلنا قلوبهم قاسية**

۳- تیسری بات ان طلبہ سے یہ کہی جائے کہ ان کا وقت بڑا قیمتی ہے اور وہ بہت تھوڑا وقت لے کر آئے ہیں۔ اس کا ایک لمحہ بھی یہاں ضائع نہ کریں بلکہ یہاں کے اصولوں کے مطابق تعلیم و مذاکرے کے کاموں میں لگے رہیں پرانوں سے باتیں کریں اور ان کے ساتھ رہیں اور انہی کی معیت میں شہر دہلی کے عربی مدرسوں میں جا کر کام کریں۔

(۱۵۲) دیوبند سے طلبہ کی جو جماعت رات آئی تھی پہلے تو اس کو مندرجہ بالا پیغام دیا اور اس کے بعد جب جانے

پینے کے لئے بیٹھے تو حضرت نے ان طلبہ سے بہ نفس نفیس خود گفتگو فرمانی چاہی اور نہایت نحیف آواز میں فرمایا: آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ دیوبند جیسے بڑے مدرسے کے شفیق اساتذہ اچھی شاندار عمارتوں والے اقامت خانے اور اپنا مانوس ماحول چھوڑ کے آپ یہاں کس واسطے آئے ہیں؟ پھر خود ہی اپنے اس سوال کا یہ جواب دیا۔ اس لئے کہ اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کی کوششوں میں جان دینے کے شوق کو زندہ کریں اور اس کا طریقہ سیکھیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدے ہیں یقین کے ساتھ ان سے امیدیں لگائے ہوئے اور ان کے غیر سے بالکل امید نہ لگاتے ہوئے بلکہ غیروں سے امیدیں منقطع کرتے ہوئے کام کرنا سیکھیں۔ **جاھدوافی اللّٰہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج .(۷۸ الحج)**

پھر فرمایا جتنی ضرورت اس کی ہے کہ اللہ ہی سے امیدیں رکھی جائیں اتنی ہی ضرورت اس کوشش کی ہے کہ غیر اللہ سے امیدیں نہ رکھی جائیں بلکہ ما سوا اللہ سے بالکل صرف نظر کر کے کام کرنے کی مشق کی جائے **ان اجری الا علی اللّٰہ** .حدیث میں ہے کہ جو لوگ غیروں سے کچھ امیدیں رکھ کر اچھے کام کریں گے قیامت میں ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ انہی سے جا کر اپنا اجر مانگو۔

(۱۵۳) انہی طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اقامت صلوٰۃ ساری زندگی کو درست کرنے والی شے ہے لیکن اقامت صلوٰۃ کی تکمیل ہو گی ان اوصاف کے پیدا کرنے سے جن کا ذکر نماز کے سلسلہ میں قرآن مجید میں متفرق طور پر کیا گیا مثلاً فرمایا گیا: **قدافلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون** -اور سورہ بقر کے پہلے رکوع میں **الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوٰۃ** کے بعد فرمایا گیا ہے **اولئک ھم المفلحون** -ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خشوع فی الصلوۃ بھی اقامت صلوٰۃ میں داخل ہے اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے مقیمین الصلوٰۃ نہیں ہیں اور نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی ترکیب و تدبیر کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کے یقین کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے -**وانھا لکبیرۃ الاعلی الخاشعین الذین یظنون انھم ملقوربھم وانھم الیہ راجعون** . فرمایا ملقور بھم کو آخرت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ کے بندوں کو نماز کی حالت میں جو حضوری نصیب ہوتی ہے وہ بھی اس کی مصداق ہے۔

(۱۵۴) اسی سلسلہ میں فرمایا: **قد افلح المومنون** اور **اولئک ھم المفلحون** میں جس فلاح اور کامیابی کا وعدہ ہے اس کو صرف فلاح اخروی ہی میں منحصر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ دنیا میں کامیابی و کامرانی بھی اس میں داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ ایمانی اوصاف ہوں ہماری غیبی مدد دنیا میں بھی ان کا راستہ صاف کرنے اور

فلاح و کامرانی تک ان کو پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔

(۱۵۵) اسی سلسلہ میں فرمایا: غیبی مدد اور غیبی طاقت جس چیز کا نام ہے وہ پہلے سے حوالہ نہیں کی جایا کرتی بلکہ عین وقت پر ساتھ کر دی جایا کرتی ہے گویا اللہ کے خزانے میں جمع ہے اور ایمان و توکل کی شرط یہ ہے کہ اس پر اعتماد اپنے ہاتھ کی مکسوبہ یعنی حاصل کی ہوئی طاقت سے زیادہ ہونا چاہیئے۔

(۱۵۶) اسی سلسلہ میں فرمایا: و **مما رزقنهم ينفقون** کو صرف مال و دولت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اللہ تعالی نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں ہم کو دی ہیں مثلاً فکر و رائے اور ہاتھ پاؤں یہ سب بھی اللہ کا عطیہ ہیں اور اللہ کے کاموں میں اور اس کے دین کے لئے چیزوں کا استعمال کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

(۱۵۷) ان طلبہ ہی سے فرمایا تم اپنی قدر و قیمت تو سمجھو، دنیا بھر کے خزانے بھی تمہاری قیمت نہیں ہیں۔ اللہ تعالی کے سوا کوئی بھی تمہاری قیمت نہیں لگا سکتا، تم انبیاء علیہم السلام کے نائبین ہو جو ساری دنیا سے کہہ دیتے ہیں **ان اجرى الا على الله** تمہارا کام یہ ہے کہ سب سے امیدوں کو منقطع کرتے ہوئے اور صرف اللہ پر یقین و اعتماد رکھتے ہوئے تواضع اور تذلل سے مومنین کی خدمت کرو۔ اسی سے عبدیت کی تکمیل و تزئین ہوگی۔

(۱۵۸) ایک مشہور دینی جماعت کے ممتاز کارکن اور رہنما عیادت و زیارت کے لئے تشریف لائے، حضرت نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے ہاں حساب کتاب نہیں رہتا دینی کام کرنے والوں کو بھی حساب کتاب کی ضرورت اس لئے ہو گئی ہے کہ وہ اعتماد و اطمینان باقی نہیں رہا۔ جس کے بعد کسی حساب و کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر اپنے طرز عمل سے وہ اعتماد پھر پیدا کر لیا جائے تو حساب کتاب میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ خالص دینی کاموں ہی کے لئے بچ رہے۔ (۱۵۹) ہندوستان کی ایک مشہور سیاسی و مذہبی مجلس کے ایک بڑے رہنما جو ہندوستان کے بہت سحر البیان خطیب بھی ہیں، عیادت اور زیارت کو تشریف لائے، دو دن پہلے حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا، جسکی وجہ سے اس قدر ضعف ہو گیا تھا کہ اکثر اوقات لبوں پر کان رکھ کر بات سنی جا سکتی تھی، جب ان صاحب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو اس ناچیز مرتب کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہے لیکن صورت یہ ہوگی کہ اپنا کان میرے کان کے قریب کر دینا اور جو کچھ میں کہوں وہ ان سے تم کہتے جانا۔ چنانچہ وہ صاحب جب اندر تشریف لائے تو بات شروع تو میرے ہی ذریعہ سے فرمائی لیکن دو تین ہی منٹ بعد اللہ تعالی نے اتنی قوت عطا فرما دی کہ قریباً آدھ گھنٹہ تک مسلسل تقریر فرماتے رہے اس مجلس کے جو ارشادات قلم بند کئے جا سکتے تھے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں

فرمایا: مسلم کا مسلم سے ملنا بس اسلام کے فروغ کے لئے ہے ورنہ مسلموں اور غیر مسلموں کی ملاقاتوں میں کیا فرق ہے۔ آپ یہاں کچھ دن رہ کر ہمارے کام کا مطالعہ کریں، اس کے بغیر ہماری بات کا سمجھ میں آنا اور ہمارے مقصد کو پانا مشکل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعلقات محمدیہ مردہ ہو چکے ہیں ان کو زندہ کرنا ہے اور بس انہی کوششوں میں مر رہنا ہے۔

میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا یعنی درس دیا تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے، میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اسکے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم بننے ہی کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں، مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل بھی وہی ہوں گے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں، کوئی طب پڑھے گا، کوئی یونیورسٹی کا امتحان دے کر اسکول و کالج میں نوکری کرے گا۔ کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہیگا۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا، یہ سوچ کر مدرسے میں پڑھانے سے میرا دل اچاٹ ہو گیا۔

اسکے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دے دی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا کہ آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے! اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ کچھ اصحاب احوال اور ذاکر شاغل لوگ پیدا ہو جائیں، پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہو جانے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعا کے لئے آئے، کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے۔ کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعا کرانے، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے ذریعہ بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے۔ یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں عطا فرمائی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور ﷺ نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایاں شان ہو۔

حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک قوت دی ہے اس سے میرا مطلب بیان و تقریر کی قوت نہیں ہے بلکہ میرا

مقصد یہ ہے کہ آپ ایک جماعت کے بڑے اور اس کے مطاع ہیں، ہزاروں آدمی آپ کی بات مانتے ہیں۔ آپ اللہ کی دی ہوئی اس قوت کی قدر کیجئے۔ اور اس کو اللہ کے کاموں کے لئے اور اسکی باتوں کے فروغ کے لئے ہی استعمال کیجئے جس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ آپ کی بات مانتے ہیں۔ آپ ان کو متوجہ کریں کہ ہمارے آدمیوں کے ساتھ کچھ دنوں رہ کر، ہمارے کام کو سمجھیں اور پھر اپنے حلقوں میں یہ کام کریں۔ اس طرح انشاء اللہ وہ بہت کام کے بن جائیں گے۔

حضرت ایمان کے دو بازو ہیں۔ ایک اللہ ورسول کے دشمنوں پر غلظت وشدت اور دوسرے اللہ ورسول کے ماننے والوں اور محبوں پر شفقت ورحمت اور انکے مقابلے میں فروتنی وذلت۔ اذلة على المومنين اعزة على الكفرين. (المائدہ ۱۰۴) اشداء على الكفار رحماء بينهم (الفتح ۱۲۹)

ایمان والوں کی ترقی وپرواز کے لئے یہ دونوں بازو ضروری ہیں۔ ایک بازو سے کوئی جانور بھی نہیں اڑسکتا۔

ان صاحب نے جو حضرت سے عقیدت اور نیازمندی کا بھی تعلق رکھتے ہیں حضرت کے یہ ارشادات سن کر عرض کی کہ جوانی اور طاقت کا سارا زمانہ تو دوسرے کاموں میں صرف ہوگیا۔ اسوقت کسی بزرگ نے نہ کھینچا اب میں بوڑھا ہوگیا اور کسی نئے کام کی ہمت وطاقت نہیں رہی تو حضرت مجھ سے اپنا کام لینا چاہتے ہیں، اب میں کسی کام کا نہیں رہا ہوں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر فی الحقیقت آپ پہلے سمجھتے تھے کہ آپ میں کچھ طاقت وقوت ہے اور آپ کچھ کرسکتے ہیں تو اس وقت آپ اللہ کے کام کے قابل نہ تھے اور اگر اب آپ کو یقین ہوگیا ہے کہ آپ میں کوئی قوت وطاقت نہیں ہے اور آپ کچھ بھی نہیں کرسکتے ہیں تو اب ہی آپ اللہ کے کام کے قابل ہوئے ہیں۔ اللہ کا کام کرنے اور اس کی مدد کے مستحق ہونے کے شرائط میں سے ہے کہ آدمی اپنے کو بالکل عاجز ولاچار سمجھے اور صرف اللہ ہی کو دمساز یقین کرے، اس کے بغیر مدد نہیں ہوتی، حدیث قدسی میں ہے انا عند المنكسرة قلوبهم یعنی میں انہی کے ساتھ ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔

فرمایا: میں سیاسی کام کرنے والوں کا بھی ممنون ہوں، انہوں نے گورنمنٹ کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا جس کی وجہ سے میں اطمینان سے اتنے دنوں اپنا کام کرسکا۔ آخر میں رخصت ہوتے وقت ان صاحب نے دعا کی درخواست کی تو اس پر فرمایا: حضرت ہر مسلمان کے لئے اسکی غیبت میں دعا کرنا درحقیقت اپنے لئے دعا کرنا ہے حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے خیر وفلاح کی کوئی دعا کرتا ہے تو اللہ کے فرشتے کہتے ہیں:

اے اللہ کے بندے یہی چیز اللہ تجھے بھی دے۔

پس ہر مسلمان کے لئے کسی بہتری کی دعا درحقیقت فرشتوں سے اپنے لئے دعا کرانے کی ایک یقینی تدبیر ہے۔

قسط نمبر ۱۰

(۱۶۰) فرمایا:- اس دینی دعوت کے سلسلہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں سے ملنا اور ان سب کو اس طرف لانے کی سعی کرنا ضروری ہے، میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں۔

اس کے بعد مولانا نے ایک مشہور عالم دین کے متعلق جو اس عصر کے بڑے عالم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، بتایا کہ انہوں نے ایک دفعہ برسر عام حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے متعلق بہت ہی خراب اور بالکل ہی غلط بعض باتیں کیں جس سے میرا بہت ہی دل دکھا اور میری حالت یہ ہو گئی کہ میں ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

کچھ دنوں بعد جب میں اس کام میں لگا ہوں تو ایک دن میرے دل میں آیا کہ ان صاحب کے متعلق میرا یہ طرز ٹھیک نہیں ہے، آخر وہ مومن و مسلم ہیں حضرت شیخ الہند کے فیوض بھی ان کے اندر ہوں گے قرآن مجید کے اعلیٰ انوار بھی ان کے پاس ہیں، جس شخص میں خیر کے اتنے پہلو ہوں اس سے اتنی دوری اختیار کر لینا خود اپنا نقصان کر لینا ہے۔ لہٰذا خود مجھے جا کر ان کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے ان دینی کمالات کی وجہ سے مجھے ان کا اکرام کرنا چاہیے اور ان کی جس بات سے میرا دل دکھا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ باتیں ان سے کسی دوسری شخص نے اسی طرح کہی ہوں اور ان کی غلطی صرف اتنی ہی ہو کہ انہوں نے ان کو سچ سمجھ کے اس عام موقع پر نقل کر دیا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور اجتہادی غلطی اس معاملہ میں ان سے ہوئی ہو، بہر حال یہ غلطی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو اس طرح چھوڑ دینا میرے لئے درست ہو۔

فرمایا:- یہ باتیں میں نے اپنے نفس کو تنہائیوں میں بیٹھ کر سمجھائیں اور میری ان باتوں کے جواب میں میرے نفس نے جو جو حجتیں پیش کیں میں نے ان سب دلیلوں سے در گذر کیا اور زیارت مسلم اور اکرام مسلم پر جن جن اجروں کی بشارتیں نصوص میں وارد ہوئی ہیں میں نے ان کو یاد کیا اور اپنے نفس کو یاد دلایا اور بالآخر خود ان کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

پھر مجھے اس میں تردد ہوا کہ مجھے اس وقت ان کے پاس صرف شرعی زیارت ہی کی نیت سے جانا چاہیے یا دینی دعوت پیش کرنے کا قصد کرنا چاہیے، یعنی ان دونوں صورتوں میں سے کونسی اولیٰ اور احب الی اللہ ہے۔

بالآخر میں نے طے کیا کہ زیارت اور دعوت کی مستقل نیت کر کے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے، اس

میں انشاء اللہ دونوں چیزوں کا پورا پورا ثواب ملے گا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور یہ ملاقات پھر بہت سی برکتوں اور بہت سے فائدوں کا ذریعہ بنی۔

(۱۶۱) اسی سلسلہ کلام میں فرمایا: ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلہ میں ہر طرز اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں اور ملنا چاہتا ہوں لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضگی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اسی طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جز سمجھتا ہوں۔

چو حق بر تو باشد تو بر خلق باش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرز عمل ہمارے حضرات نور اللہ مرقدہ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے، لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربے سے معلوم ہو گیا اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا بڑی غلطی ہے، شیخ شیخ ہی تو ہے خدا تو نہیں ہے۔

(۱۶۲) فرمایا:- اس دینی کام یعنی تبلیغ دین اور اصلاح امت کی عوامی تحریک کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انہوں نے میری وجہ سے سکوت اختیار کیا اور اپنے اختلاف رائے کو ظاہر نہیں فرمایا میری وہ خصوصیات یہ ہیں۔

۱- یہ کہ میری نیازمندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمد للہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔

۲- دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہل دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے۔

۳- یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزت و وجاہت والا خاندان تھا۔

(۱۶۳) فرمایا:- علمائے حق کو میرا یہ پیغام ادب و احترام کے ساتھ پہنچاؤ کہ آپ لوگوں کو میری اس تحریک کے متعلق جو حسن ظن یا توجہ ہوئی ہے تو وہ ان بیچارے ان پڑھ میواتیوں کے بیان کرنے یا ان میں کچھ اصلاحی تغیر کے مشاہدے سے ہوئی ہے۔ جو پہلے گوبر تک پوجتے تھے اور اس لئے اگلے مشرکوں سے بھی گھٹیا تھے۔ کیونکہ وہ تو خوبصورت مورتیوں اور چمکدار پتھروں ہی کو پوجا کرتے تھے، تو ایسے گرے ہوئے لوگوں کی خبر رسانی یا مشاہدے

ے کام کا صحیح اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے، آپ جیسے حضرات اگر براہ راست مجھ سے مل کر اس کام کو سمجھیں تو اصل قدر و قیمت معلوم ہو۔

(۱۶۴) فرمایا:- ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اس راستے سے مقصد کی وحدت پیدا کر کے اور اکرام مسلم کے اصول کو رواج دے کے پوری قوم کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے۔

المسلمون كجسدٍ واحدٍ

(۱۶۵) فرمایا ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دل کے ساتھ اجتماعیت اور شوریٰ بینھم کی یعنی مل جل کر اور باہمی مشورے سے کام کرنے کی بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔

(۱۶۶) بعض خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:-

"میں تمہاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں"۔

اور میں بھی آپ لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھئے اور جو بات ٹوکنے کی ہو اس پر ٹوکئے۔

(۱۶۷) فرمایا:- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عاملوں کے پاس سے جب کوئی قاصد آتے تو آپ ان سے عاملوں کی خیریت پوچھتے اور دینی حال پوچھنا ہوتا تھا نہ کہ آج کل کی مروجہ مزاج پرسی، چنانچہ ایک عامل کے پاس سے آنیوالے قاصد سے جب آپ نے عمل کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا:-

"وہاں خیریت کہاں ہے میں نے تو ان کے دستر خوان پر دو دو سالن جمع دیکھے ہیں"۔

گویا رسول اللہ ﷺ جس طرز زندگی پر صحابہ کرام کو چھوڑ گئے تھے بس اسی پر قائم رہنا ہی ان حضرات کے نزدیک خیریت کا معیار تھا۔

(۱۶۸) فرمایا:- اللہ سے اس کا افضل رزق وغیرہ مانگنا تو فرض ہے اور اپنی عبادت وخدمت وغیرہ کا دنیا ہی میں معاوضہ چاہنا حرام ہے۔

(۱۶۹) فرمایا:- کسی مسلمان کو اس کی بے راہ روی کی وجہ سے قطعی طور پر کافر کہنا اور **خلود فی النار والی** تکفیر کرنا بڑا بھاری کام ہے، ہاں کفرٌ دون کفرٍ کا اصول صحیح ہے، تمام معروفات ایمان کی آل واولاد ہیں، پس ہماری یہ تحریک در حقیقت تجدید ایمان اور تکمیل ایمان ہی کی تحریک ہے۔

(۱۷۰) فرمایا:- **اتخذوا دینهم لعباً ولهواً** دینی کاموں کو بے مقصد یا اطاعت امر الٰہی ورضائے خداوندی اور ثواب اخروی کے سوا اور مقاصد کے لئے کرنا بھی دین کو لہو ولعب بنانا ہے۔

(۱۷۱) فرمایا:- ظنوا المؤمنین خیراً اور ان حسن الظن من العبادۃ کا حکم اس حالت میں ہے کہ جب کسی سے کوئی معاملہ نہ کرنا ہو تو اس وقت صرف حسن ظن ہی سے کام لینا چاہیئے اور جب معاملہ کرنا ہو تو اس وقت کے لئے الحزم سوء الظن کا حکم ہے۔ محال اور مواقع کا فرق نہ سمجھنے سے نصوص میں بڑی غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔

(۱۷۲) فرمایا:- ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانے میں خاص کر علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں۔ علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں ، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا علم وذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت اور اسکے حکم کے ماتحت ہوتا تھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کا علم وذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت اور آپ کی نگرانی میں ہوتا تھا ، پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں - لہذا علم وذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغنا نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں۔

(۱) تبلیغی گشت ، ۲- علم ، ۳- ذکر ، ۴- دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق ، ۵- تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب کا اہتمام اور اتہام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص اور احتساب کی تجدید یعنی اس کام کے لئے نکلتے وقت بھی یہ تصور کرنا اور اثنائے سفر میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لئے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی نصرت اور خدمت پر اور اس راہ کی تمام تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا نکلنا صرف اللہ کے لئے خالصتاً ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرما لیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی۔

بہر حال ان للّٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے بس اسی کا نام ایمان واحتساب ہے ، اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

(۱۷۳)فرمایا:- ہائے اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا، اللہ کے وعدوں پر یقین اوراعتماد پیدا کیجئے اور پھر اس یقین واعتماد ہی کی بنیاد پر کام کرنے کی مشق کرو اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی تم نہ گھڑو، تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یونہی مانگو کہ اپنی شان اور اپنی قدرت کے شایاں ان وعدوں کو پورا فرما، اخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کر سکتے ہو۔ اور کیونکر اندازہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی بیان کی گئی ہے **لاعین رأت ولااذن سمعت ولاخطرعلی قلب بشر** یعنی جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی ان کا خیال آیا ہے۔

افسوس! ہم نے اس کی موعود نعمتوں کو اپنے علم و فہم اور اس دنیا کے اپنے مشاہدہ اور تجربے کے مطابق سمجھ کر اور اس کی امید باندھ کر بڑا گھاٹا کر لیا **لقد حجر تم واسعاً** (بیشک تم نے وسیع کو تنگ کر دیا) اس کی عطا اور اس کی داد و دہش تو اسکے شایان شان ہو گی۔

(۱۷۴) فرمایا:- تم نے **وماخلقت الجن والانس الالیعبدون** کے مقتضاء سے جس قدر انحراف کیا اسی قدر **خلقناکم ما فی السمٰوٰت والارض** کاظہور کم ہو گیا، یعنی جس نسبت سے تمہاری عبدیت میں کمی آئی اسی نسبت سے زمین وآسمان کی کائنات سے تمہار تمتع یعنی نفع حاصل کرنا کم ہو گیا۔

کائنات کو تمہار خادم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو، جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ دیا تو زمین وآسمان بھی تم سے پھر گئے۔

قسط نمبر ۱۱

(۱۷۵) فرمایا جن مقامات کو حضور ﷺ نے جانوں کی بازی لگا کے بلکہ اس جانبازی کے شوق و عشق سے حاصل کرنا بتلایا تھا اور صحابہ کرامؓ نے دین کی راہ میں اپنے کومٹا کے جو کچھ حاصل کیا تھا تم لوگ اس کو آرام سے لیٹے لیٹے کتابوں سے حاصل کر لینا چاہتے ہو۔

(۱۷۶) فرمایا:- جو انعامات خون سے وابستہ تھے ان کے لئے کم از کم پسینہ تو گرانا چاہیئے۔

(۱۷۷) فرمایا:- وہاں حال یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی دین کی راہ میں اپنے کو فنا کر دینے کے باوجود اور حضور ﷺ کی کھلی ہوئی اور یقینی بشارتوں کے باوجود اس دنیا سے روتے ہوئے گئے۔

(۱۷۸) فرمایا:- پسند کو مباشرت کے قائم مقام سمجھنا بڑا دھوکا ہے اور شیطان یہی کرتا ہے کہ آدمی کو پسند ہی پر قانع بنا دیتا ہے۔اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی اچھے کام کو صرف اچھا سمجھ لینے سے اس کام میں شرکت نہیں ہوتی، بلکہ اس میں لگنے اور اس کو کرنے ہی سے اس کا حق ادا ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگوں کو شیطان یہ فریب دیتا ہے کہ وہ کام سے متفق ہوجانے کو کام میں لگ جانا اور شریک ہونا سمجھنے لگتے ہیں یہ شیطان کا بڑا دھوکہ ہے۔

(۱۷۹) فرمایا:- ہماری یہ تحریک دشمن نواز دوست کش ہے آجائے جس کا جی چاہے۔

(۱۸۰) فرمایا:- بھئی اسوقت کفر والحاد بہت طاقتور ہے۔ایسی حالت میں منتشر اور انفرادی اصلاحی کوششوں سے کام نہیں چل سکتا لہذا پوری قوت کے ساتھ اجتماعی جدوجہد ہونی چاہیئے۔ **واعتصموا بحبل الله جميعا.**

(۱۸۱) فرمایا:- علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے مگر علم و ذکر کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔

ذکر کی حقیقت ہے عدم غفلت اور فرائض دینی کی ادائیگی میں لگا رہنا اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے۔اسلئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے۔ بشرطیکہ اللہ کے اوامر اور مواعید کا خیال رکھتے ہوئے ہو۔ اور ذکر نفلی اس واسطے ہے کہ آدمی کے جو اوقات فرائض میں مشغول نہ ہوں وہ لایعنی میں نہ گذریں، شیطان یہ چاہتا ہے کہ فرائض میں لگنے سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو ترقی حاصل ہوتی ہے وہ لایعنی میں لگا کے اس کو برباد کردے، پس اس سے حفاظت کے لئے ذکر نفلی ہے۔الغرض فرائض سے جو وقت فارغ ہو اس کو ذکر نفلی سے معمور رکھا جائے تاکہ شیطان لایعنی میں مشغول کر کے ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے، نیز ذکر نفلی کا ایک خاص اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس

سے عام دینی کاموں میں ذکر کی شان پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے اوامر کی تعمیل میں اور اس کے مواعید کے شوق میں کام کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا:- فرائض میں لگنا حتیٰ کہ نماز پڑھنا بھی اگر اللہ کے اوامر اور مواعید کے دھیان کے ساتھ نہ ہو تو اصلی ذکر نہیں بلکہ صرف جوارح کا ذکر ہے اور قلب کی غفلت ہے، اور حدیث میں قلب ہی کے متعلق ہے کہ:-

اذا صلح صلح الجسد كله واذا فسد فسد الجسد كله. کہ انسان کے وجود میں یہی ایک مرکز ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پھر سب ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہو تو پھر سب خراب ہے۔

تو اصلی چیز یہی ہے بس اللہ کے اوامر اور اس کے مواعید کے دھیان کے ساتھ اللہ کے کاموں میں لگا رہنا، یہی ہمارے نزدیک ذکر کا حاصل ہے۔

اور علم سے مراد دینی مسائل اور دینی علوم کا صرف جاننا نہیں ہے، دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے نائبوں کے نائبوں تک کے حلئے اور نقشے حتیٰ کہ ان کے جسموں کے تِل کے متعلق بھی ان کو علم تھا (۱)۔ لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟

(۱۸۲) اسی سلسلہ میں فرمایا:- علم کے لئے جو وضع محمدی تھی۔ یعنی طلب اور عظمت و محبت کے ساتھ صحبت واختلاط سے علم حاصل کرنا، اور زندگی سے زندگی سیکھنا، اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ جتنا علم بڑھتا تھا اسی قدر اپنے جہل اور اپنی علمی زندگی کا احساس ترقی کرتا تھا۔

اور علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اب رائج ہو گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم جتنا آتا ہے زعم اس سے زیادہ پیدا ہوتا ہے، پھر زعم سے کبر پیدا ہوتا ہے اور کبر جنت میں نہیں جانے گا۔ علاوہ ازیں علم کے زعم کے بعد تحصیل علم کی تڑپ نہیں رہتی، جس کی وجہ سے علمی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۸۳) ایک صاحب جو ایک تبلیغی جماعت میں جانے کے لئے اپنے کو پیش کر چکے تھے انہوں نے حضرت کی خدمت میں سو روپے بھی پیش کئے حضرت نے ان کو قبول فرما لیا اور فرمایا:-

میرا جی چاہتا ہے کہ جو لوگ دین کے لئے جسم وجان کا حصہ نہیں دیتے میں ان کا مال نہ لینے کی قسم کھا لوں۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا:- انفاق مال جو عبادت ہے تو یہ مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اس کی مشروعیت اسواسطے ہے کہ مال سے وابستگی نہ پیدا ہو۔

(۱۸۴) فرمایا:- عہد فاروقی میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہاں جب مال غنیمت میں سے ان

کا حصہ پہنچا جو غالباً مقدار میں زیادہ ہوگا اور اس سے ان کو دلبستگی کا اندیشہ ہوا ہوگا، تو بیکل ہو کر دعاء فرمائی کہ اے اللہ اس گھر میں یہ پھر نہ آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی ان کی وفات ہو گئی۔

(۱۸۵) فرمایا:- ایمان یہ ہے کہ اللہ و رسول کو جس چیز سے خوشی اور راحت ہو بندہ کو بھی اس سے خوشی اور راحت ہو اور جس چیز سے اللہ و رسول کو ناگواری اور تکلیف ہو بندہ کو بھی ناگواری اور تکلیف ہو اور تکلیف جسطرح تلوار سے ہوتی ہے اسی طرح سوئی سے بھی ہوتی ہے پس اللہ اور رسول کو ناگواری اور تکلیف کفر و شرک سے بھی ہوتی ہے اور معاصی سے بھی لہذا ہم کو بھی معاصی سے ناگواری اور تکلیف ہونی چاہیئے۔

(۱۸۶) ایک روز یہ عاجز مرتب ملفوظات ایسے وقت حضرت کے حجرے میں پہنچا کہ بعض میواتی خدام حضرت کو نماز ظہر کے لئے وضو کرا رہے تھے مرض الوفات کے آخری ایام میں شدت ضعف کی وجہ سے حضرت کو لیٹے لیٹے وضو کرایا جاتا تھا۔ میرے پہنچنے پر حضرت نے ارشاد فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ باوجودیکہ علم میں ان کا درجہ یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بٹھاتے تھے اور باوجودیکہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تھا اور اس کے بعد مدتوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وضو بھی دیکھا ہوگا، پھر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وضو کراتے تھے اور اس سے ان کا مقصد تعلم بھی ہوتا تھا۔

(۱۸۷) جو میواتی خدام حضرت کو اس وقت وضو کرا رہے تھے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھر اس عاجز سے ارشاد فرمایا۔

میں ابھی ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے، لہذا تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیت کے علاوہ یہ نیت بھی کیا کرو کہ اے اللہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندے کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے، تو ہم اس لئے اس کو وضو کراتے ہیں کہ اس کی نماز کے ثواب میں ہمارا حصہ ہو جائے۔

پھر فرمایا- یہ میں ان لوگوں کو بتلاتا ہوں، لیکن اگر میں خود بھی یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں گا، اس لئے میں اپنے اللہ سے یوں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تیرے یہ سادہ دل بندے میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے اور اسی لئے یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں تو محض اپنے کرم سے ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرمالے اور اس کے ثواب میں اپنے بندوں کو بھی حصہ دے۔

پھر وضو کرانے والے ان میواتیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:-

تم لوگ ان علماء کی خدمتیں کرو جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں، میرا کیا

ہے ہیں تو تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں، تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں ان کی خدمتیں کروگے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔

(۱۸۸) فرمایا:- شیخ کی خدمت اس لئے اور اس نیت اور ارادہ سے کرنی چاہیئے کہ اسکے ذریعہ عادت اور مشق ہو جائے، اللہ کے بندوں کی خدمت کی پھر فرمایا نیت کے ساتھ عباد مومنین کی خدمت سیڑھی ہے عبدیت کی۔

(۱۸۹) مشورہ کی تاکید کرتے ہوئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:- مشورہ بڑی چیز ہے اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ جب تم مشورہ کے لئے اللہ پر اعتماد کر کے جم کے بیٹھوگے تو اٹھنے سے پہلے تم کو رشد کی توفیق مل جائے گی۔

پھر فرمایا:- یہ مضمون کسی حدیث میں آیا ہے اس وقت اصل حدیث مجھے یاد نہیں۔

(۱۹۰) فرمایا:- حضرت فاروق اعظمؓ اور اسی طرح دوسرے صحابہؓ کرام کی آمدنیاں بہت تھیں اور اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی وہ بڑے جزرس واقع ہوئے تھے، ان کا کھانا پہننا بہت ہی معمولی تھا اور نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ زندگی گذارتے تھے، اس کے باوجود ان میں سے بہت سے دنیا سے مقروض گئے، کیونکہ وہ اپنی ساری آمدنی دین کی راہ میں خرچ کردیتے تھے۔ دراصل مومن کا روپیہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ کے کام آئے۔

(۱۹۱) حجرے میں بچھے ہوئے ایک پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس عاجز مرتب سے فرمایا:- یہ پلنگ میری والدہ کے دادا کا ہے اور برابر استعمال میں رہتا ہے جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ قریبا اسی برس اس پر گذر چکے ہیں پھر فرمایا برکت یہی ہے کہ کوئی چیز عادۃً جس وقت اور جس حالت میں ختم ہو جانی چاہیئے وہ اس میں ختم نہ ہو اور باقی رہے۔ فرمایا:- حضور ﷺ کی دعا سے بعض اوقات کھانے وغیرہ میں برکت کے جو واقعات ہوئے ہیں ان کی نوعیت یہی تھی کہ اصلی چیز ختم نہیں ہوتی تھی۔

(۱۹۲) **کل یوم هو فی شان** کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اور جیسے جیسے عظیم الشان اور محیر العقول کام اللہ پاک کر چکے ہیں، ان سے ہزاراں ہزار درجہ بڑے کام وہ ہر آن کرسکتے ہیں اور ان کی قدرت کاملہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے

(۱۹۳) بمبئی کے مشہور اردو روزنامہ "**الہلال**" کے مالک و اڈیٹر حافظ علی بہادر خاں بی-اے حضرت کے مرض الوفات ہی میں ایک دن حضرت کی زیارت کے لئے تشریف لائے، حضرت نے انتہائی ضعف و ناتوانی کے باوجود قریباً آدھ گھنٹہ ان سے گفتگو فرمائی وہ اس گفتگو سے بہت ہی متاثر ہوئے اور بمبئی پہنچ کر انہوں نے الہلال کی چند اشاعتوں میں حضرت کی شخصیت اور دینی دعوت کے متعلق اپنے تاثرات لکھے اور حضرت کی دعوت دینی اصلاح و تبلیغ کی عظمت و اہمیت اور اس کی سنجیدگی کا اعتراف اس طرح کیا جس کی توقع آج کل کے کسی ایڈیٹر اور لیڈر سے نہیں کی

جا سکتی۔

الہلال کے وہ پرچے مجھے ایک جگہ سے مل گئے، حافظ صاحب کے وہ مضامین پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ میں حضرت کو بھی سناؤں گا، چنانچہ وہ پرچے ہاتھ میں لئے کسی مناسب وقت میں اس امید کے ساتھ حاضر خدمت ہوا کہ حضرت ہاتھ میں پرچے دیکھ کر خود ہی دریافت فرمائیں گے کہ ہاتھ میں کیا ہے تو مجھے کچھ عرض کرنے کا اور ان مضامین کے سنانے کا موقع مل جائے گا لیکن میری توقع اور آرزو کے خلاف حضرت نے پوچھا ہی نہیں دیر تک انتظار کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے خود ہی عرض کیا کہ حضرت فلاں دن بمبئی کے حافظ علی بہادر خاں صاحب جو تشریف لائے تھے وہ الحمد للہ بہت ہی متاثر ہو کر گئے اور انہوں نے اپنے اخبار میں ہمارے کام کے متعلق چند مضامین لکھے ہیں جن میں کام کی عظمت اور اہمیت کا انہوں نے بہت اعتراف کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خوب سمجھا ہے اگر ارشاد ہو تو ان میں سے ایک آدھ مضمون سنا دوں۔

فرمایا:- مولوی صاحب جو کام ہو چکا اس کا کیا ذکر کرنا ہے، بس یہ دیکھو کہ جو کچھ ہم نے کرنا تھا اس میں کیا رہ گیا اور جو کچھ کیا جا چکا اس میں کتنی اور کیسی کیسی کوتاہیاں ہوئیں، اخلاص میں کتنی کمی رہی، اللہ تعالیٰ کے امر کی عظمت کے دھیان میں کتنا قصور ہوا۔ آداب عمل کے تفقد میں اور اسوہ نبوی کے اتباع کی کوشش میں کتنا نقصان رہا؟ مولوی صاحب! ان امور کے بغیر پچھلے کام کا ذکر مذاکرہ اور اس پر خوش ہونا بس ایسا ہے، جیسے راستہ چلنے والا مسافر کھڑا ہو کر پیچھے کی جانب دیکھنے لگے اور خوش ہونے لگے۔ پچھلے کام کی صرف کوتاہیاں تلاش کرو اور ان کی تلافی کی فکر کرو اور آئندہ کے لئے سوچو کہ کیا کرنا ہے۔

یہ مت دیکھو کہ ایک شخص نے ہماری بات سمجھ لی اور اعتراف کر لیا بلکہ اس پر غور کرو کہ ایسے کتنے لاکھ کروڑ باقی ہیں کہ جن کو ہم ابھی اللہ کی بات پہنچا بھی نہیں سکے ہیں اور کتنے ہیں جو واقفیت اور اعتراف کے بعد بھی ہماری کوششوں کی کمی کی وجہ سے بے عمل پڑے ہیں۔

(۱۹۴) فرمایا:- نماز کو حدیث میں عماد الدین دین کا ستون فرمایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پر باقی دین معلق ہے اور وہ نماز ہی سے ملتا ہے، نماز میں دین کا تفقہ بھی ملتا ہے اور توفیق عمل بھی عطا ہوتی ہے اسلئے جیسی نماز ہوتی ہے ویسی ہی اس کے حق میں یہ عطا بھی ہوتی ہے اسلئے نماز کی دعوت دینا اور لوگوں کی نمازوں میں خشوع خضوع پیدا کرنے کی کوشش کرنا بالواسطہ پورے دین کے لئے سعی کرنا ہے۔

(۱۹۵) فرمایا جو کام عوام مخلصین سے لیا جا سکتا ہو اور اس سے ان مخلصین کے درجہ اور اجر میں ترقی کی توقع ہو وہ

ان سے نہ لینا اور اس کو خود کرنا ان مخلصوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ان پر ایک طرح ظلم ہے اور اللہ تعالٰے کے نہایت کریمانہ قانون الدال علی الخیر کفاعلہ کی ناقدری ہے۔

(۱۹۶) فرمایا:- یہ نہایت اہم اصول ہے کہ ہر طبقے کو دعوت اس چیز کی دی جائے جس کا حق ہونا اور ضروری ہونا خود بھی مانتا ہو اور عمل میں کوتاہی کو اپنی کوتاہی سمجھتا ہو جب وہ طبقہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا تو اگلی چیزوں کا احساس انشاء اللہ اس میں خود بخود ہو جائے گا اور ان کی ادائیگی کی استعداد بھی پیدا ہوگی۔

(۱۹۷) فرمایا:- جو جتنے زیادہ اہل حق ہیں ان میں اتنے ہی زیادہ کام اور کوشش کی ضرورت ہے ان کا دین کے واسطے اٹھنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہی اصل اور جڑ ہو سکتے ہیں۔

(۱۹۸) فرمایا- افسوس جو لوگ دین کے لئے کچھ نہیں کر رہے ہیں اور دین کے معاملہ میں بالکل ہی غافل اور پسماندہ ہیں ہم ان کو دیکھ کے اپنی ذرا سی سعی و حرکت پر قانع و مطمئن ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اپنا حق ادا کر رہے ہیں حالانکہ چاہیئے یہ کہ اللہ کے جن بندوں نے دین کے لئے اپنے کو بالکل مٹا دیا تھا ہم ان کے نمونوں کو نظر کے سامنے رکھ کے ہمیشہ اپنے کو مقصر سمجھتے رہیں اور جتنا کر رہے ہیں اس سے زیادہ کرنے کے لئے ہر وقت حریص و مضطرب ہیں حضرت عمرؓ کو ہمیشہ اس کی حرص رہتی تھی کہ کسی طرح دین کی خدمت میں وہ ابوبکر کا مقام پائیں۔

(۱۹۹) فرمایا- تبلیغ کے آداب میں سے یہ ہے کہ بات بہت لمبی نہ ہو اور شروع میں لوگوں سے صرف اتنے عمل کا مطالبہ کیا جائے جس کو وہ بہت مشکل اور بڑا نہ سمجھیں کبھی کبھی لمبی بات اور لمبا مطالبہ لوگوں کے اعتراض کا باعث بن جاتا ہے۔

(۲۰۰) فرمایا بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس پہنچا دینے کا نام تبلیغ ہے۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے تبلیغ یہ ہے کہ اپنی حد صلاحیت اور استعداد تک لوگوں کو دین کی بات اسطرح پہنچائی جائے جس طرح پہنچانے سے لوگوں کے ماننے کی امید ہو، انبیاء علیہم السلام یہی تبلیغ لائے تھے۔

(۲۰۱) فرمایا:- فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے۔ فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا اس لئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔

(۲۰۲) فرمایا:- تبلیغی جماعتوں کے نصاب تعلیم کا ایک اہم جز تجوید بھی ہے قرآن شریف اچھی طرح پڑھنا بڑی اچھی چیز ہے۔ ما اذن اللہ لشیئی ما اذن لنبی یتغنیٰ بالقرآن تجوید در اصل وہی تغنی بالقرآن ہے

جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔

لیکن تجوید کی تعلیم کے لئے جتنا وقت درکار ہے جماعت میں اتنا وقت نہیں مل سکتا، اس لئے ان ایام میں تو صرف اس کی کوشش کی جائے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت کا احساس ہو جائے اور کچھ مناسبت ہو جائے اور پھر اس کو سیکھنے کے لئے وہ مستقل وقت صرف کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

(۲۰۳) فرمایا:- دوسروں کو دین کی دعوت اور ترغیب دینا ستری عبادت ہے جب کہ عام لوگ اس کو عبادت نہیں سمجھتے، اور اس میں اعلیٰ درجہ کا تعدیہ بھی ہے جو جہری عبادتوں میں خیر کا خاص پہلو ہوتا ہے۔

(۲۰۴) فرمایا:- بزرگوں کی خدمت کا مقصد دراصل یہ ہوتا ہے کہ ان کے جو عمومی اور معمولی کام دوسرے لوگ انجام دے سکتے ہیں وہ ان کو اپنے ذمہ لے لیں، تاکہ ان کے اوقات اور ان کی قوتیں ان بڑے کاموں کے لئے فارغ رہیں جو وہی اکابر انجام دے سکتے ہیں۔ مثلاً کسی شیخِ وقت یا کسی عالم و مفتی کے وہ عمومی کام آپ اپنے ذمہ لے لیں جو آپ کے بس کے ہیں اور ان کو ان کی طرف سے فارغ اور بے فکر کر دیں۔ تو وہ حضرات دین کے جو بڑے بڑے کام ہیں۔ مثلاً اصلاح وارشاد اور درس وافتاء وغیرہ تو وہ زیادہ اطمینان اور یکسوئی سے اس کام کو انجام دے سکیں گے اور اس طرح یہ خدام ان کے ان بڑے کاموں کے اجر میں حصہ دار ہو جائیں گے تو دراصل بڑوں کی خدمت ان کے بڑے کاموں میں شریک ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

(۲۰۵) فرمایا:- حقیقی محبت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ محب اور محبوب کے جذبات اور خواہشات تک میں کامل اتحاد ہوتا ہے میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا یہ حال تھا کہ باوجود یہ کہ وہ خانقاہ سے دور رہتے تھے لیکن بارہا ایسا ہوتا تھا کہ اچانک ان کے دل میں خانقاہ جانے کا تقاضا پیدا ہوتا ہے اور وہ فوراً چل دیتے اور جب دروازہ کھولتے تو حضرت گنگوہی قدس سرہ کو انتظار میں بیٹھا پاتے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب کسی بندہ کو سچی محبت ہوتی ہے۔ تو پھر یہی معاملہ اللہ پاک کے ساتھ ہو جاتا ہے کہ اس کی مرضیات بندہ کی مرضیات ہو جاتی ہیں اور جو باتیں اللہ کو ناپسند ہوتی ہیں بندہ کو بھی ان سے نفرت ہو جاتی ہے اور اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ اسوہ محمدی کی اتباع قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

(۲۰۶) جو لوگ دیندار اور دین دان ہونے کے باوجود دین کے فروغ کے لئے اور امت کی اصلاح کے لئے وہ جدوجہد نہیں کرتے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا تقاضا ہے ان کے بارے میں ایک روز حضرت کی زبان سے نکل گیا کہ مجھے ان لوگوں پر بڑا رحم آتا ہے۔

اس کے بعد دیر تک اور مسلسل استغفار فرماتے رہے۔

پھر اس عاجز سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

میں نے یہ استغفار اس پر کیا ہے کہ میری زبان سے یہ دعوے کا کلمہ نکل گیا تھا کہ مجھے ان لوگوں پر رحم آتا ہے۔

(۲۰۷)فرمایا:۔ مسجدیں مسجد نبوی کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہییں جو حضور کی مسجد میں ہوتے تھے۔ حضور کی مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم و تربیت کا کام بھی ہوتا تھا اور دین کی دعوت کے سلسلہ کے سب کام بھی مسجد ہی میں ہوتے تھے دین کی تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی یہاں تک کہ عساکر کا نظم بھی مسجد ہی میں ہوتا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اسی طریقے پر سب کام ہونے لگیں۔

(۲۰۸)فرمایا:۔ صحیح طریق کار یہ ہے کہ جو کام نازل درجہ کے لوگوں سے لیا جاسکتا ہو وہ انہیں سے لیا جائے ان سے مافوق کے لوگوں کا اس میں لگنا جب کہ نازل درجہ کے کام کرنے والے بھی نصیب ہوں، بڑی غلطی ہے۔ بلکہ ایک طرح کا کفران نعمت اور نیچے درجہ والوں پر ظلم ہے۔

(۲۰۹)فرمایا:۔ دین کی دعوت کا اہتمام میرے نزدیک اس وقت اتنا ضروری ہے کہ اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو اور ایک نیا آدمی آئے اور واپس جانے لگے اور پھر اس کے ہاتھ آنے کی توقع نہ ہو تو میرے نزدیک نماز کو درمیان میں توڑ کے اس سے دینی بات کر لینی چاہیئے اور اس سے بات کر کے یا اس کو روک کے اپنی نماز پھر پڑھ لینی چاہیئے۔

(۲۱۰)اسی سلسلہ میں فرمایا:۔ میری حیثیت ایک عام مومن سے اونچی نہ سمجھی جائے، صرف میرے کہنے پر عمل کرنا بددینی ہے میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب و سنت پر پیش کر کے اور خود غور و فکر کر کے اپنی ذمہ داری پر عمل کریں تو بس مشورہ دیتا ہوں۔

فرمایا۔ حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ:۔

تم نے میرے سر پر بہت ذمہ داری ڈال دی ہے۔

تم سب میرے اعمال کی نگرانی کیا کرو۔

میری بھی اپنے دوستوں سے بڑے اصرار اور الحاح سے یہ درخواست ہے کہ میری نگرانی کریں۔ جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں اور میرے رشد اور فلاح کے لئے دعا فرمائیں۔

(۲۱۱)فرمایا:۔ کسی کام میں اشتغال اس کے علاوہ بہت سی چیزوں کے اغراض کو مستلزم ہوتا ہے یعنی جب

اشتغال فی شئی ہو گا تو اعراض عن اشیاء ضرور ہو گا۔ اور پھر جس درجہ کا اشتغال فی شئی ہو گا دوسری چیزوں کے اہتمام میں اسی درجہ کی کمی بھی ہو گی شریعت میں جو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر اچھے سے اچھے کام کے ختم پر بھی استغفار کیا جائے۔ میرے نزدیک اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ شاید اس اچھے کام میں مشغولی اور انہماک کی وجہ سے کسی دوسرے امر کی تعمیل میں کوتاہی ہو گئی ہو۔ خاص کر جب کسی کام کی لگن دل میں لگ جاتی ہے اور آدمی کے دل و دماغ پر وہ کام چھاجاتا ہے تو پھر اس کے ماسوا دوسرے کاموں میں بسا اوقات تقصیر ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے اس کام میں لگنے والوں کو خصوصاً کام کے زمانہ میں اور کام کے خاتمہ پر استغفار کی کثرت اپنے اوپر لازم کرلینی چاہیے۔

(۲۱۲) فرمایا:۔ علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جاسکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی سے ہی ہوسکتا ہے، اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔

(۲۱۳) فرمایا:۔ کسی سلسلہ سے عہد حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم خادم دین کا ذکر آگیا، جن کی بعض عملی کمزوریوں کی بناء پر خاص دیندار حلقوں کو ان پر اعتراض ہے تو فرمایا کہ:۔

میں تو ان کا قدر دان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا، یہ معاملہ اللہ کا ہے، شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو، ہم کو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔ **لا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا**۔ (۱۰ الحشر)

(۲۱۴) فرمایا:۔ پنجاب کے ایک بڑے مشہور عالم اور بزرگ جن سے اس عاجز مرتب ملفوظات کو شرف نیاز حاصل ہے۔ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، یہ عاجز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولانا کی دینی دعوت کا اور اس کے اصول اور طریق کار کا کچھ تفصیل سے تذکرہ کیا اور اپنے قدیم نیازمندانہ تعلقات کی بناء پر ان کو ترغیب دی اور استدعا کی کہ وہ اس دینی دعوت کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت اس کام کے مرکز نظام الدین میں گزاریں۔

دعوت کے اصول اور طریقہ کار اور کام کی رفتار کے متعلق میری گزارش سننے کے بعد انہوں نے بڑے تاثر کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اس وقت تو میں طویل قیام نہیں کرسکتا، صرف ۳، ۴ دن کے لئے آیا ہوں اور حضرت مولانا بھی بیمار ہیں لہذا اس وقت تو میں صرف زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں، لیکن میں نے نیت کرلی ہے کہ جب مولانا کو صحت ہوجائے گی اور وہ کوئی اہم تبلیغی دورہ فرمائیں گے تو میں انشاء اللہ اس میں ساتھ رہ کر دیکھوں گا۔

یہ عاجز جب دہلی شہر سے بستی نظام الدین واپس آیا اور حضرت کو یہ پوری گفتگو سنائی تو ارشاد فرمایا:۔

شیطان کا یہ بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے کہ وہ مستقبل میں بڑے کام کی امید بندھا کر اس چھوٹے خیر سے روک دیتا ہے جو فی الحال ممکن ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس وقت جو خیر کر سکتا ہے کسی حیلہ سے اس کو اس سے ہٹا دے اور اس داؤ میں وہ اکثر کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر مستقبل میں آدمی جس بڑے کام کی امید باندھتا ہے بسا اوقات اس کا وقت ہی نہیں آتا، بڑے کاموں کی امیدیں اکثر ضائع ہی ہوتی ہیں اور اس کے برخلاف جو خیر فی الحال ممکن ہو اگرچہ وہ چھوٹے سے چھوٹا ہی ہو، اس میں لگنا اکثر بڑے کام تک پہنچنے کا سبب اور ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے عقل مندی یہ ہے کہ جو خیر جس وقت جتنا میسر ہو سکے اس پر تو اسی وقت عمل کر لیا جائے اور فرصت سے فوری فائدہ اٹھا لیا جائے۔

ان صاحب کو چاہیئے کہ وہ پھر پر نہ رکھیں اس وقت جتنا ممکن ہو وقت دے دیں اور میری بیماری کا بالکل خیال نہ کریں۔ کسی کو کیا خبر کہ اس بیماری میں صحت سے بدرجہا زیادہ کام ہو رہا ہے یہاں آنے کا یہی خاص وقت ہے۔

اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ وہ بزرگ اس وقت قیام نہ فرما سکے اور مستقبل کے متعلق انہوں نے جو ارادہ کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا کا وصال ہو گیا۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"وقت چلتی ہوئی ایک ریل ہے۔ گھنٹے منٹ اور لمحے گویا اس کے ڈبے ہیں، اور ہمارے مشاغل اس میں بیٹھنے والی سواریاں ہیں، اب ہمارے دنیوی اور مادی ذلیل مشاغل نے ہماری زندگی کی ریل کے ان ڈبوں پر ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ وہ شریف اخروی مشاغل کو آنے نہیں دیتے ہمارا کام یہ ہے کہ عزیمت سے کام لے کر ان ذلیل اور ادنیٰ مشاغل کی جگہ ان شریف اور اعلیٰ مشاغل کو قابض کر دیں جو خدا کو راضی کرنے والے اور ہماری آخرت کو بنانے والے ہیں۔"

اَلْعِلْمُ لَا یَحِلُّ عَنْهُ مَنْعُهٗ

علم کو بیان نہ کرنا حلال نہیں

اے گرانمایہ مردِ دانشور　　گر ترا علم دیں بُوَد معلوم
مُستعد را ازاں مشو مانع　　مستحق را ازاں مکُن محروم



ہر اک اِنساں کو حق ہے عِلم کی دولت سے ہو فائز
کسی کو روکنا اِس سے نہیں اسلام میں جائز

Hadith

Al-ʿilmu lā yahillu ʿan hu manʿu hū.

It is not lawful to hinder knowledge.[1]

قاری محمد عثمان طاہر مدرسہ تحسین القرآن فتحیہ پی ای سی ایچ ایس بلاک ۵ کراچی

مکاتیب

مولانا محمد الیاسؒ



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بسم اللہِ الرحمنٰ الرحیم

خطوط پڑھنے سے پہلے

الحمد للہ وسلام علےٰ عبادہ الذین الصطفےٰ

امابعد ! مشائخ و بزرگان دین اور علماء و مصلحین کے مکاتیب و رسائل کے مجموعے قدیم زمانہ سے پائے جاتے ہیں، یہ خطوط ان کے دلی جذبات اور اصلی خیالات کا آئینہ ہوتے ہیں اور بعض اوقات یہ مجموعے ان کے صحیح حالات وخیالات اور ان کی دعوت و تحریک کے اصلی محرکات معلوم کرنے کے لئے ان کی سوانح وسیر کے مقابلہ میں زیادہ مستند ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، اس لئے کہ سوانح وسیر تیں دوسرے اشخاص کی مرتب کی ہوئی ہوتی ہیں اور ان میں اُن کے مصنفین کے ذوق ورجحان کا اچھا خاصا دخل ہوتا ہے، کم سے کم ترجمانی اور استنباط تمام تر مصنفین کی طرف سے ہوتا ہے اور اپنے ذوق ورجحان سے بالکل آزاد اور مجرد ہو جانا نہایت مشکل بات ہے، اسلامی کتب خانہ میں خطوط کے مجموعوں کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جو بڑی تاریخی اور علمی اہمیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی دور نے اس کتب خانہ کو بڑے بڑے بیش قیمت عطیے پیش کئے ہیں، اِن تحائف میں دو مجموعے خاص طور پر ممتاز ہیں اور اس موضوع کی کتابوں میں ان کا مقام بہت بلند ہے، ایک حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب کا مجموعہ موسوم بہ "مکتوبات سہ صدی۔" دوسرے امام ربانی حضرت مجددؔ الف ثانی رحمۃاللہ علیہ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو معارف وحقائق کا بڑا خزانہ ہے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃاللہ علیہ کی سوانح مرتب کرنے کا خیال ہوا توان کے خطوط ومکاتیب کی تلاش ہوئی جو ان کے جذبات وتاثرات اور ان کی دعوت اور دینی جد وجہد کے اندرونی محرکات کا مطالعہ کرنے کا سب سے مستند اور قابل وثوق ذریعہ ہے، اس سلسلہ میں خطوط کا ایک اچھا خاصا مجموعہ دستیاب ہوا۔ خود خاکسار راقم الحروف کو مولانا نے بڑے مفصل طویل اور پرزور اور پُراثر خط لکھے تھے، جن میں سے بعض بعض مختصر رسائل کے برابر تھے، انھیں کی مدد سے اور ان کے

اقتباسات سے خاکسار نے رسالہ "ایک اہم دینی دعوت۔" مرتب کیا تھا جو مولانا نے حرف بحرف سُنا تھا۔ یہ معلوم کر کے کہ راقم الحروف کو مولانا کے خطوط کی ضرورت ہے بعض دوسرے احباب نے اپنے اپنے نام کے خطوط عنایت فرمادئے تھے جن میں سب سے زیادہ قیمتی ذخیرہ وہ ہے جو میاں جی عیسیٰ صاحب کے نام ہے، میرے برادر محترم مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے ان سب خطوط کو ایک مجموعہ میں جمع کروادیا۔ جمع ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ نہ صرف دعوت کے اصول و آداب اور اُس کی روح وضوابط کے لحاظ سے بلکہ اپنے بلند مضامین اور دینی حقائق کے لحاظ سے بھی یہ ایک گرانقدر ذخیرہ ہے، ان خطوط سے مولانا کے یقین واعتماد، قوت ایمانی، حمیت اسلامی، دین کی فکر مندی، بے چینی و بیکلی، تعلق باللہ، دین کے فہم صحیح، مقاصد شریعت اور روح دین کی معرفت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ان خطوط کا لکھنے والا اپنے وقت کا عارف تھا۔ اور وہ دین کی جدوجہد اور ایک خاص نوع سے دین کے احیاء وتقویت کے لئے اپنے کو مامور اور ذمہ دار سمجھتا تھا۔

بعض احباب اور بزرگوں نے اس مجموعہ کے اشاعت کی تحریک کی، ان کی رائے میں اس سے اس سلسلہ کی تکمیل ہوتی ہے جو سوانح اور ملفوظات سے شروع ہوا ہے، بلکہ یہ مجموعہ اس سلسلہ کی سب سے زیادہ قیمتی اور قابل اعتماد چیز ہے کیونکہ یہ براہ راست مولانا کے الفاظ اور تعبیرات ہیں اور ان مضامین اور صاحب مضامین کے درمیان کوئی واسطہ اور حجاب نہیں۔

خاکسار کو ان خطوط کی اشاعت میں بڑا تردد تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ مجموعہ کئی برس کی تاخیر کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ بڑے تردد کی چیز تو یہ تھی کہ اس مجموعہ کا سب سے بڑا حصہ اس نااہل کے نام ہے یہ خطوط اس دور میں لکھے گئے ہیں کہ مولانا پر دعوت پوری طرح واضح اور منقح ہو گئی تھی اور اس کا طبیعت پر سخت غلبہ تھا، اس وقت اہل علم میں سے کوئی متوجہ نہیں ہوا تھا اور نہ مولانا کو کوئی ایسا شخص ملتا تھا جس سے وہ اپنے دل کی پوری بات تفصیل سے کہہ سکیں، ایسی حالت میں اس ناچیز کی آمد و رفت شروع ہوئی، ابتدائی خطوط سب سے زیادہ طویل اور مفصل ہیں اسی دور کی یادگار ہیں، اب ان خطوط کو پڑھتا ہوں تو مجھے سخت شرمندگی ہوتی ہے ان میں جس اعتماد و محبت اور جن توقعات کا اظہار کیا گیا ہے ان کا کسی طرح اپنے کو اہل نہیں پاتا، کوشش کی کہ مکتوب الیہ کے نام کے اظہار کے بغیر وہ شائع ہوں تو ایسا ممکن نہ معلوم ہوا کہ خطوط کے اندر جابجا ایسے اشارات ہیں کہ یہ بات چھپ نہیں سکتی اور چھپانے کی زیادہ کوشش کی جائے تو ناظرین کے دل میں خواہ مخواہ جستجو پیدا ہو جو اظہار ہی کی ایک ہنرمندانہ صورت ہے۔

تردد کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ان خطوط کی زبان عام ناظرین کے لئے نامانوس ہے اور ان کے مضامین عام سطح سے

بلند ہیں، یہ کتابی مضامین نہیں ہیں جو مروجہ اصطلاحات میں لکھے گئے ہوں جن کو ایک طالب علم قوتِ مطالعہ سے حل کرلے، ان کا خاصا حصہ ایسا دقیق ولطیف ہے جو یا تو وہ حضرات سمجھ سکتے ہیں جو مولانا کی باتیں سنتے رہے ہیں اور اُن کی تعبیرات واصطلاحات کے عادی ہیں، یا جنھوں نے تصوّف اور حقائق ومعارف کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ یا پھر وہ جن کو کام کرتے کرتے ان مضامین سے مناسبت پیدا ہو گئی ہے۔

طویل تذبذب اور کش مکش کے بعد یہ خیال ہوا کہ اس مجموعہ کی اشاعت ان اصحاب کے لئے بڑی مفید اور باعث تقویت ہوگی جو دعوت کے کام میں مشغول ہیں اور اس سے مناسبت رکھتے ہیں، ان خطوط سے ان کی ہمتیں بلند ہوں گی، ان کی نگاہوں میں دعوت کی قیمت واہمیت بڑھے گی اس کا صحیح موضوع اور مقصد معلوم ہوگا۔ بہت سی غلطیوں اور کوتاہیوں پر تنبہ ہوگا اور اس کے بہت سے اصول وآداب معلوم ہوں گے، ممکن ہے کہ اس کی اشاعت کسی اہل کے لئے عمل کا محرک یا اس کی تقویت کا باعث بن جائے اور اس طرح کسی نااہل کی بے عملی اور پست ہمتی کا کفارہ اور جبر نقصان ہو جائے اور ''الدال علی الخیر کفاعلہ'' کے اصول پر (جو ان خطوط میں بار بار دہرایا گیا ہے) ایک بے بضاعت اور تہی دامن کے لئے عمل بن کر ذریعہ مغفرت بن جائے، یہی امید ہے جو اس مجموعہ کی اشاعت کے لئے محرک بن رہی ہے **وماذلک علی اللہ بعزیز**۔

ناظرین کی سہولت کے لئے تشریح طلب اشارات اور عبارتوں کی حاشیہ پر توضیح کردی گئی ہے نیز خاص مضامین ونکات کو مختصراً فوائد کے ذیل میں (جس کا اشارہ ''ف'' ہے علیحدہ لکھ دیا گیا ہے)۔

لکھنؤ، ۱۳ صفر سنہ ۱۳۷۲ ہجری، ۲ نومبر ۱۹۵۲ء (ابوالحسن علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنام ابُوالحسن علی

(۱)

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ نامہ نامی طبیعت پر متقاضی ہوا کہ وہ مسرت کی طرف رُخ کرے اور خوشی کا حصہ لے لیکن اب تک استقامت کا ناپید ہونا اور عزیمت کا عنقا ہونا اس مسرت کو ابھرنے نہیں دیتا۔(۱)

مولانا المحترم! کوئی اندرونی ولولہ متقاضی ہے کہ میں کچھ لکھوں اور اپنی ہیچ مدانی اور اپنی پراگندہ زبانی، کدورت خاطر اقدس کے ڈر سے کسی مضمون کے آغاز سے مانع ہے، اگر کوئی مضمون تحریر میں آجائے اور جناب کی موزونیت طبع اس میں بہترین معنیٰ نہ ڈال سکے تو اس کی عیب پوشی فرمادیں من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامة ، من رائی عورةً فسترها کان کمن احیا موء‘دة کما فی ابی داو‘د.

حضرت مولانا المحترم! آدمی کو اپنے وجود میں جو نسبت حق تعالیٰ کے وجود سے ہے، خواہ وہ ذات میں ہو یا صفات میں ہو، یا دیگر عطیات میں ہو، ظاہر ہے کہ اس کے یہاں کے مقابلہ میں جو کچھ اس کے پاس ہو جائے کچھ بھی نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو کچھ اس کو عطا ہوا ہے وہ بھی باعتبار اس کی اپنی اصلی حالت کے جو کہ منی ہے، وہی ضعف اور گندگی اللہ کے قبضہ اور طہارت کے مقابلہ میں ہر وقت باقی ہے اور استحقاق کے بہت ہی کچھ اور بہت زیادہ ہے، سو اگر اپنی کوشش اور سعی میں دونوں حالتوں کی ہم وزن رعایت کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جہاد اور کوشش جاری رکھے تو یہ ضعیف انسان جس قدر ترقی پا سکتا ہے، وہاں تک کوئی تقریر یا تحریر یا کسی ذکی الطبع انسان کی روحانیت پرواز نہیں کر سکتی، انسان کی محرومی وناکامیابی وخیبت وخسران کا باعث ان دونوں حالتوں کی مناسبات کی عدم رعایت ہے، یا یہ کہ حق تعالیٰ کے خزانہ میں دہش کی جتنی گنجائش ہے اس کے مناسب مزید طلب اور اُس کے مناسب جہد نہیں کرتا، بلکہ جو کچھ اس کو مل چکا ہے اس پر اسی طرح بس کرتا ہے، جیسے خدا کے خزانے میں اور کچھ نہ رہا ہو اور کبھی آگے کی کوشش اب تک کے دئے ہوئے کے (ف حق تعالیٰ کے یہاں شکایت مبغوض ہے اور طلب محمود) شکر سے خالی ہوتی ہے اور جو چیزیں

خاکسار مکتوب الیہ (ابوالحسن علی) نے اپنے عریضہ میں لکھنؤ کے جوار میں جو تبلیغی کام کے آغاز کی اطلاع دی تھی اور استقامت وعزیمت کی کمی کی بھی ساتھ ساتھ شکایت کی تھی سطور بالا میں انہیں دونوں چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اس کو حاصل نہیں ہیں، ان کی حرص، بلا استحقاق، عطیات سابقہ کے شکر سے مانع ہوتی ہے حاصل شدہ کی شکایت رہ جاتی ہے، حق تعالیٰ کے یہاں شکایت مبغوض ہے اور طلب محمود۔

بہر حال میری معروض یہ تھی کہ یہ تبلیغ جو کچھ بھی آپ فرما رہے ہیں اس کے لئے کچھ ارکان اور کچھ شرائط ہیں جس قدر ان کی رعائتیں صحیح ہوں گی (جس کے اہم وہی دو جز ہیں جو پہلے عرض کر چکا) (۱) تو اس میں اس قدر خدا کی خدائی کا تماشا دیکھیں گے کہ بس ان کا کیا ذکر کیا جائے، جواب تک میرے ذہن میں دین میں کمی کا باعث ہے وہ ایک ظاہر کے متعلق ہے اور ایک باطن کے متعلق ہے۔ ظاہر کے متعلق یہ ہے کہ جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کے متعلق نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی حضور (ﷺ) خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔ مکہ کے زمانہ میں مسلمین کی تعداد افراد کے درجہ میں تھی تو ہر ہر فرد مسلم ہونے کے بعد بطور فردیت و شخصیت کے منفرداً دوسروں پر عرضِ حق میں کوشش کرتا رہا، مدینہ میں مجتمعانہ و متحدانہ زندگی تھی، وہاں پہنچتے ہی آپ نے ہر چہار طرف جماعتیں روانہ کرنی شروع کر دیں، سو اس کا چھوٹ جانا جسم مذہب کا چلا جانا ہے۔

اور باطن مذہب ایمان واحتساب ہے بہت سے اعمال میں مصرح ذکر کیا جاتا ہے (۲) **ف** (باطن مذہب ایمان واحتساب ہے) ایماناً واحتساباً لہذا ہر عمل کے بارہ میں وارد شدہ خطابات کے دھیان کے ذریعہ حق تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بڑائی اور اس کے قرب اور یقین کو بڑھاتے ہوئے اور ان اعمال پر جو دینی ودنیوی مصالح اور انعامات وعطیات دینی ودنیوی موعود فرمائے ہیں، ان کو بطور عطا کے نہ بطور معاوضہ کے یقین کرتے ہوئے ان اعمال میں دھیان کرتے رہنا یہ باطن مذہب ہے، مذہب ارادہ اور نیت کے اعتبار سے تو مصالح سوز ہے اور مصالح کے ارادہ پر ناکامی وخسران ہے اور بطور عطا کے امید رکھنا موجب از دیاد رحمت اور کمال ہے (۲) **ف** (مذہب ارادہ اور نیت کے اعتبار سے تو مصالح سوز

---

(۱) یعنی اپنے وجود اور اللہ تعالیٰ کے عطایا کی مجموعی رعایت اور مراقبہ۔

(۲) شریعت کی اصل روح اور صحیح ترتیب یہ ہے کہ ہر عمل سے صرف رضاء الٰہی مقصود ہو اکثر احکام شرعی کی تعمیل اور فرائض ونوافل طاعات پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی زبانی رحمت ورضا مغفرت وجنت کے وعدے اور دینی فضائل منقول ہیں کبھی ان کے ساتھ ان اعمال کے دینی دنیوی مصالح اور منافع بھی بیان کر دیئے گئے ہیں، مومن کو اپنے عمل کا معاوضہ تو صرف رضا ومغفرت کو سمجھنا چاہیے یا جنت کو (جو اس کی خوشنودی کا نشان اور اسکی رضا کا محل ومقام ہے باقی دوسرے مصالح ومنافع کو اللہ تعلیٰ کا عطیہ اور انعام سمجھنا چاہیے اور ان کی قدر کرنی چاہیے مگر عمل کا محرک اصلی اور نیت صرف رضائے الٰہی ہو اور عمل کے وقت اسکا مراقبہ ودھیان ہو۔

بانی وامیران تبلیغی جماعت [illegible]

ہے)

جناب کے فرمانے سے میں نے اس وقت مختصر لکھ دیا جناب اس کے اندر اچھی طرح سعی فرمادیں، مجھے اس کے اندر ایسی ایسی امیدیں ہیں جو زبان و قلم کو اظہار سے روکتی ہیں خودی اور مصالح سے نیت کو صاف کرنے کے بعد اس کام میں تھوڑی سی جانبازی اس میں عجیب آشنائی بخشے گی۔

میوات پر خاکساروں نے بڑی قوت سے دہاوے کا ارادہ کر رکھا ہے، پہلے حملے میں اللہ نے نیچا دکھلایا، لیکن آپ جیسے بزرگوں کی ہمت اور دعا کے ساتھ متوجہ رہنے کی شدید ضرورت ہے، الفرقان کے جس نمبر میں آپ کا مضمون ہو اس سے مطلع فرمائیں(۱)

میوات سے سوا سو، ڈیڑھ سو کے اندازہ میں آپ کے بعد سے اب تک دہلی اور اس کے نواح میں تبلیغ میں مشغول رہے، اس وقت چالیس پچاس کے قریب کرنال کی طرف رُخ کئے ہوئے ہیں یہ جمعہ سونی پت پڑھا تھا، اس کے بعد اب کا جمعہ پانی پت پڑھنے کی امید ہے اور اس کے بعد کا جمعہ کرنال پڑھنے کا خیال ہے جناب عالی خود بھی اور آنجناب کے احباب اور دیگر مسلمین بھی کم سے کم والی مقدار سے مدد میں شرکت فرمادیں جو کہ دعا ہے۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلک اضعف الايمان(۲) اوكما قال

مکرر آں کہ اس تبلیغ کا اب تک چھوٹا رہنا بے وجہ نہ تھا، لطیف امور کی رعایت ضروری ہے، انکسار قلب اور بندش راہ پیش آنے سے پہلے ان کی رعایت کے لئے طبیعت کا انداز سے آمادہ ہونا طبیعت کا قابل احساس ہونا بڑا دشوار ہے۔

احباب کی خدمت میں سلام مسنون۔ فقط والسلام بندہ محمد الیاس غفرلہٗ

بقلم انعام الحسن کاندہلوی مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

محرم ۱۳۵۹ھ

---

(۱) ایک ہفتہ چند دینی مرکزوں میں الفرقان

(۲) جس طرح کسی منکر شرعی کے مقابلہ میں مومن کے ایمان کا آخری درجہ اور ضعیف ترین عمل دل سے انکار اور اس کو برا سمجھنا اور اس کے زوال کے لئے اپنی قلبی توجہ اور قوت دعا کا استعمال کرنا ہے اسی طرح کسی معروف کے مقابلہ میں مومن کی حمیت اور ایمان کا آخری تقاضا پسندیدگی اور محبت اور اس کے فروغ میں توجہ قلبی اور قوت دعا کا صرف کرنا ہے۔

نظام الدین

۷ اپریل ۱۹۴۰ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس سے پہلے گرامی نامہ عالی شرف صدور لاکر بہت دنوں تک اپنے لئے وسیلہ آخرت سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتا رہا اور مکرر سہ کرر اپنی آنکھوں اور دل کو تسلی دیتا رہا، اس کے متعلق مجھے مضمون بھی اچھے خاصے کافی لکھنے تھے اور مضمون کے کافی ہونے ہی نے دیر لگائی میں خود لکھ نہیں سکتا (۱) اور مافی الضمیر کی ادائیگی کے قابل لکھنے والا ہر وقت ملتا نہیں، مستقل میرے پاس خط و کتابت کا کوئی نظم نہیں، آخر کار اب دس پندرہ دن سے دکھلوا رہا ہوں وہ خط اس زمانہ کی راہ رشد کی طرح ایسا گم ہوا کہ پتہ نہیں چلتا اور مجھے بالاجمال بھی اس کا مضمون ذہن میں نہیں کہ میں اپنی یاد سے اس پر کچھ لکھ دوں۔ مگر یہ بندہ ناچیز اس کے بے ارادہ گم ہوجانے کو من جانب اللہ سمجھتا ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت وبائی مرض جو عمومی ہے وہ قول تقریر یا تحریر کی مقدار سے زیادتی ہے اور وباء عام جو ہوتی ہے اس سے کوئی خالی نہیں ہوتا وہ زہریلا مادہ کم و بیش ہر ایک میں ہوتا ہے۔ اللہ نے اپنی رحمت سے اس سے محفوظ فرمایا **ف** (اس وقت کا وبائی مرض وہ قول (تقریر یا تحریر) کی مقدار سے زیادتی ہے اور وباء کے اثرات سے وبا کے زمانہ میں کوئی خالی نہیں ہوتا)

اللہ جل جلالہ عم نوالہ کی سنت ازلیہ میں (جو ناقابل تبدیل اور غیر لائق تحویل ہے) ہدایت جہد کے ساتھ وابستہ ہے سو جہد کرتے کرتے جو چیز خود طبیعت پر منکشف ہو وہ تو طبیعت کی منشرح کرنے والی حقیقت علم کو کھولنے والی طمانیت حقیقیہ اور ذوق ایمان کا ذائقہ چکھا نیوالی اور دل و دماغ کو کسی ناقابل اظہار کیفیت سے متکیف اور حقیقت آشنا کرنیوالی بات ہے اور جو سچی اور واقعی بات بلا جہد محض تقریر اور تحریر سے پیدا ہوئی ہو وہ محض زعم کا پیدا کرنے والا مضمون اور حقیقت کا حجاب (اس کو بزرگوں نے (العلم الحجاب الاکبر لکھا ہے) راہ مولا میں ایک ایک سد سکندری ہے تو شاید وہ تحریر ایسی ہی ہوتی بلاارادہ جو چیز مولی کی طرف سے پیش آئے وہ ہماری صوابدید کے خلاف ہو تو ہوا کرے قطعاً وہی ٹھیک ہے بہر حال اس وقت اس گرامی نامہ کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں نہیں جو لکھوں البتہ اتنا ذہن میں

(۱) مولانا نے وفات سے کئی سال پہلے سے اپنے قلم سے لکھنا چھوڑ رکھا تھا خود مضمون اپنی زبان سے ارشاد فرماتے دوسرا نقل کر لیتا۔

ہے کہ کچھ مضامین تھے ضرور خیر الخیر فی ماوقع۔

بہر حال اس وقت مجھے ان چند امور کے بارہ میں لکھنا ہے۔ "جے پور" کا سفر "آپ کا موجودہ گرامی نامہ" "الندوہ" کے متعلق جس کو اس وقت تلاش کرایا مگر نہ ملا اپنی یاد سے کچھ لکھوانا۔ اس وقت ایک سفر درپیش ہے کچھ اس کے متعلق، میوات کے موجودہ جذبات کی کیفیت کو منکشف کرتے ہوئے اس دعا اور توجہ اور ہمت اور مشورہ کی درخواست۔ جے پور کا سفر، اس سفر میں (جیسا کہ عادات الہیہ ہمیشہ سے اس سفر کے اٹھنے پر جاری ہیں) اندرونی حالت تو یہ رہی جو تحریر اور تقریر میں نہیں آسکتی کہ اپنی حیثیت اپنی طاقت اور اپنی اہلیت سے بالکل الگ شریعت طریقت حقیقت گویا آنکھوں کے سامنے تھیں اور نصرت غیبیہ کا ظہور اور رحمت الہیہ کا نزول ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حسیات محسوس ہوا کرتی ہیں، ظاہری حالت یہ تھی کہ بیسوں بیسوں کوس سے چو طرف ہر ہر طبقے کے لوگ ذوق لئے آرہے تھے اور اس کے ضروری ہونے کو تسلیم کرتے تھے اور کرنیکا ارادہ لئے واپس ہوئے اور تین جگہ جن میں سے ہر ایک بڑی ہے تبلیغی امور میں کوشش کرنے کی ایک محکم لبیک ہوگئی (خود ٹوڈا بیھم (۱) جو ریاست کی تحصیل ہے ہڈون جو اس ریاست کی بہت بڑی جگہ ہے نظامت کہلاتی ہے قرولی جو اس کے متصل ایک مستقل ریاست ہے اور وہاں کسی مجمع کا ہونا اور کوئی نئی تحریک لے کر جانا اور ہنگامی صورت کا ریاست میں محسوس ہونا ایک جرم عظیم سمجھا جاتا ہے۔ ان تینوں جگہوں میں تحریک پر لبیک ہونا ایک عجیب و غریب بات ہے اور دور دور تک اس کے اثرات جانے کی اور شعاعیں پہنچنے کی امیدیں ہوگئیں۔ لبیک شدہ جگہوں میں (اگر حق تعالیٰ کی تائید شامل حال ہو جائے اور جو تخم اس وقت پڑ گیا ہے آپ صاحبان ارباب ہمت کی توجہات اور قربانیوں سے اگر پرورش پانے پر پڑھا جائے) تو ریاست جے پور ٹونک بھوپال بھرتپور دور دور جگہوں میں ان کی جڑوں کا جم جانا ایک صاف بات نظر آرہی ہے۔ خدا کرے کہ ٹھیک ہو۔

۲۔ میری امیدوں اور تمناؤں کے ودیعت گاہ، محترم سلالہ خاندان نبوت! اجناب عالی کا مہمانان نبوت (۲) کو ساتھ لے کر اس کام کے لئے قدم مبارک کا اٹھانا جس قدر عظیم ہے اسی قدر اس کی وقعت اور اس کے بارہ میں وارد شدہ اخبار و آثار و آیات پر نظر رکھتے ہوئے ان پر یقین کی کوشش کرتے ہوئے ان کے آداب کی رعایت کرنے پر اس کا منتج ہونا

---

(۱) ریاست جے پور میں ٹوڈا بیھم ایک تحصیل ہے وہاں قاضی صاحبان کا خاندان آباد ہے اس خاندان کے متعدد افراد مولانا سے بہت کا تعلق رکھتے ہیں یہ سفر انہیں حضرات کی دعوت پر شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب اور دوسرے علماء کی معیت میں فرمایا تھا

(۲) مولانا مدارس عربیہ کے طلبہ کو جو علوم نبویہ کی تحصیل کے لئے ترک وطن کر کے مدارس دینیہ میں رسول اللہ ﷺ کے خوان کرم کے مہمان ہوتے ہیں "مہمانان نبوت" کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

موقوف ہے (۱) مولانا! ایک بات عرض کرتا ہوں جو میرے منہ سے کہنے کی نہیں مگر آپ کے سننے کی ہے، یعنی آپ تو اس قابل ہیں کہ اس کو سن لیں مگر میرا اگندہ ذہن اس قابل نہیں کہ اس کو بیان کرے۔ مولانا! یہ تو ایک ظاہری امر ہے کہ **لولا الا عتبار ات لبطلت الحکمتہ** اور شریعت میں اس کو بدیں عبارت تعبیر فرماتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنیات** سو میرے حضرت انسان کے خود اپنی ذات سے جتنے اعتبارات ہیں سب اس کے خسران کے اور اس کی لعنت کے اور سفلی ہونے کے ہیں، بجز ایک اعتبار کے خلیفہ خداوندی ہونے کی حیثیت سے جو اس کی قیمت ہے صرف اس ایک اعتبار سے تو یہ قیمتی ہے باقی جملہ وجوہ اس کے ملعون اور سفلی ہونے کے ہیں (ف) انسان محض خلیفہ خداوندی ہونے کی حیثیت سے قیمتی ہے باقی اس کے سب اعتبارات سفلی ہوتے ہیں) اور اس کی گندگی اور بیکاری کے ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے جو اعمال ہیں ان کا منبع اس کی ذات ہے، جب خود ذات کی یہ کیفیت ہے تو اس سے صادر ہونے والے اعمال کی بھی یہی کیفیت ہے، اعمال اپنی ذات سے کوئی قیمت نہیں رکھتے ایک بیکار چیز ہیں ان کے اندر جو قیمت آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے امتثال کے ذریعہ اس ذات عالی کی وابستگی سے آتی ہے تو جس قدر جو وابستگی پر قادر ہوگا ان اعمال کی اصلی قدر قیمت اسی قدر ہے، تو اعمال میں قدر و قیمت پیدا کرنے والی اصلی سکیم ان کے بارہ کے وارد شدہ احکام کو ایک رسی سمجھ کر اس رسی سے لٹک کر اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا ہے، دراصل غور کیا جائے تو نہ اعمال مقصود، نہ ان کے متعلقہ اوامر کا دھیان مقصود۔ بلکہ ان اعمال کے میدانوں میں حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے اوامر کی رسیاں پڑی ہوئی ہیں ان میدانوں میں جا کر ان رسیوں کو پکڑ کر (یعنی اللہ کے حکم ہونے کے دھیان کو مضبوط کر کے) حق تعالیٰ تک پہنچنے کی کوشش میں لگ جانا اصل مقصود ہے، اور فاطر شریعت نے یہی تفصیل رکھی ہے لہذا نکلنے کے زمانہ میں نکلنے والوں کو جن میں گئے ہیں ان کی ہدایت سے بالکل نظر بند کر لینی چاہیے اسی لئے اللہ نے ہدایت کو اپنے سے وابستہ کر رکھا ہے تاکہ کوشش میں پڑنے والا خواہ مخواہ کے ارادہ میں پڑ کر اپنی کوشش کو رائگاں نہ کرے اور ناقص نہ کر دے کوشش کرنے والے کو کوشش کرتے وقت (ف) نکلنے والوں کی ذمہ داریاں اور آداب) اپنے ما وجب میں نظر کو مخصوص رکھنا اور اپنے قلب کو حکم دینے والے کی عظمت میں مشغول رکھنا اپنی قربانی کو خلوص کے ساتھ کامل کرنے کے دھیان میں مقسود رکھنا نکلنے کے زمانہ میں خصوصاً ذکر اور تخلیہ کی فکر میں ساعات کو گزارتے میں مشغول رکھنا،

---

(۱) یہی ایمان و احتساب ہے جو دین کی روح اور باطن ہے اور اسی سے اعمال میں قیمت نورانیت اور روحانیت پیدا ہوتی ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سوانح باب ششم اور ایک اہم دینی دعوت

بس یہ نکلنے والوں کی ذمہ داریاں ہیں (ف) تبلیغ میں نکلنے والوں کو دوسروں کی ہدایت سے نظر بالکل بند کرلینی چاہیے)
اور فکر کوئی بڑی چیز نہیں ہے، تنہائیوں میں بیٹھ کر اپنے نفس سے یہ کہنا کہ قطعاً یہ چیز اللہ کو راضی کرنے والی ہے اور
موت جو یقیناً ایک آنے والا وقت ہے تیری نفسانی زندگی کو قطعاً درست کرنے والا ہے اور الدال علی الخیر کفا
علہ کو بیج سمجھ کر اس نکلنے کی وجہ سے جتنی نیکیاں وجود میں آئیں یا آسکنے والی ہوں ان سب کو جمع کرکے اللہ کی خوشنودی
کو اس کے ساتھ وابستہ ہونے پر نفس کو خطاب کرکے بتکلف یقین کرنا بس اسی کا نام فکر ہے۔

نیز آدمی کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کی خوشنودی کی بھی قیمت کرلے کہ اس نے کیا دھری ہے،
رضوان من للہ اکبر ان چیزوں کو تنہائیوں میں مستقل بیٹھ کر دل میں جگہ دے اور کام کرنے کے وقت بھی اس
دھیان پر جمے رہنے کی کوشش میں کمی نہ کرے۔

مکتب کے بارے میں ایسی کش مکش کی رائے رکھتا ہوں کہ اس کو بغیر تفصیلی گفتگو اور صحبت کے زبان سے نکالنے
کو میرا جی نہیں چاہتا، میری دلی رغبت و خواہش یہ ہے کہ اس میں جلدی نہ کی جائے کیونکہ مکتب جس قدر جذبات سے
چل سکتے ہیں وہ ابھی بہت بعید ہے، ابھی ایک طویل مدت تک صرف اسی تبلیغ پر اقتصار کرکے استقامت اور ترقی
فرماتے رہیں استعداد عمومی جب پیدا ہو جائے اور اسلام کی رغبت پر کم سے کم کچھ ترقی کرنے لگیں تو اللہ چاہے تھوڑی
کوشش میں بہت سے مدارس ہو سکیں گے (۶) بہر حال میری رائے میں ابھی قبل از وقت ہے۔

کہ تعجیل کار شیاطین بود

ہر امر میں رفق اور تانی محبوب رحمانی ہے۔

حضرت حالیٰ نے جو کچھ بھی ترکیب اپنے تبلیغ کے لئے نکلنے کی لکھی ہے یہ تفصیلی طور پر کچھ رائے زدنی نہیں ہے

---

(۱) تبلیغی کام کے آغاز میں جیسا عموماً اس سلسلہ میں ہوتا ہے قدرتی طور پر مکاتیب کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس کی خواہش پیدا ہوئی، مولانا سے استصواب کیا گیا تو انہوں نے مندرجہ بالا جواب دیا، مولانا کی یہ رائے بڑی گہری دینی بصیرت اور وسیع تجربہ پر مبنی ہے مختصر یہ ہے کہ مکاتیب و مدارس اسلامیہ کا وجود و قیام دینی جذبات و شوق و قدر اور عمومی طلب و احساس کے بغیر صحیح نہیں اس استعداد عمومی سے پہلے مکاتیب و مدارس قائم ہو جائیں گے تو قائم نہ رہ سکیں گے، اس لئے کہ قوم نہ ان کی ضرورت کا احساس رکھتی ہے نہ ان کی خدمت کا اس میں جذبہ ہے۔ یا ان کے متوقع اصلاحی نتائج برآمد نہ ہو سکیں گے اس لئے کہ ان کے ہضم کی اس میں استعداد نہیں دینی جذبات اور عمومی طلب و احساس (جو ہر تعلیمی اصلاحی دینی کام کی زمین ہے) کہ پیدا کرنے کے لئے عمومی تبلیغ و دعوت کے ذریعہ پہلے ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ تعلیم و اصلاح کی یہی تربیت ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خاکسار راقم کا مقالہ جامعہ ملیہ عہد نبوی کے تعلیمی خصوصیات

صرف اس بارہ میں دو باتیں عرض کرنی ہیں اور یہ کہ اس امر میں اصلی چیز جو ہے وہ کیفیات ہیں کیفیات کے لئے تحریر یا کوئی تقریر ضابطہ نہیں ہو سکتی جو چیز اللہ کے ارادہ نے صحبت سے وابستہ کی ہے وہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتی فطرت کے خلاف ہو نہیں سکتا، جس بارہ میں جو سنت الٰہیہ جاری ہو چکی وہ اسی طرح سے ہو گی۔

ثانیاً۔ یہ کہ میرا ضمیر شہادت دے رہا ہے کہ یہ کام دراصل آپ جیسے اہل اور خاندان نبوت ہی کے کرنے کا ہے آپ کے قلوب سے جس قدر اس کے لئے شرح صدر کے ساتھ استقامت ظہور میں آتی چلی جائے گی اسی قدر گویا اس کے درست ہونے کی امیدیں صحیح ہوتی چلی آئیں گی جب تک آپ جیسے بشرح صدر اس میں استقامت کو نہیں پہونچیں گے نا اہلوں میں اس کی ناکامی یقینی ہے۔ اذاوسد الا مرالی غیر اھلھافانتظر الساعة جناب کا اور برادر محترم (۱) اور سب سے بڑھ کر حضرت عالیہ مخدومہ محترمہ جنابہ والدہ (۲) صاحبہ کا اس کو قبولیت کی نظر سے توجہ فرمانا یہ جناب کی خوبی شہادت اور تربیت کی موزونی کی خبر جیسا دے رہا ہے اور مجھ ناچیز تہی دست کے لئے ایک مبارک دامن تلے آنے کی جھلک دکھلا رہا ہے اسی قدر اس کام کے لئے اپنے معدن میں پہنچنے کی امید دلا کر دنیا میں کچھ قیام کرنے اور جڑ پکڑنے کی امید دلا رہا ہے۔ اللھم اصنع بناما انت اھلہ لا تصنع بنا ما نحن اھلہ حضرت والدہ صاحبہ کو میرا سلام بھی تحریر فرمادیں اور دعا کے لئے درخواست فرمادیں۔

۳۔ الندوہ (۲) رسالہ سامنے نہ ہونے کا قلق ہے، مضمون کچھ زیادہ مجھ کو یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ بعض باتوں کے متعلق میں نے کچھ لکھنے کو سوچا تھا البتہ نصر اللہ خاں صاحب (۳) مولوی نہیں ہیں بلکہ پٹواری ہیں پٹوار گری میں ساری عمر گذار کر ڈیڑھ دو برس سے تبلیغ میں لگے ہیں صرف تبلیغ کی برکت سے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے وہ ان کو حاصل ہے مولویت کے لفظ کو بہت عزت کے ساتھ محل میں خرچ کرنا مناسب ہے بندہ ناچیز کے بارے میں جناب مشورہ قبول فرمالیں تو دلی تمنا ہے کہ معمولی نام سے زائد کسی لفظ کا اطلاق الفاظ کی

---

(۱) مکتوب الیہ کے برادر معظم و مربی محترم مولوی ڈاکٹر عبد العلی صاحب ناظم ندۃ العلماء جن کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ سے فطری ورومی مناسبت بخشی ہے اور جن کی سرپرستی میں اس عاجز اور اس کے رفقاء نے لکھنو میں کام کرنا شروع کیا تھا (۲) میرے پہلے سفر میوات کے رفیق و رہنما دو صاحب تھے ایک منشی نصر اللہ خاں صاحب دوسرے مولوی عبد الغفور صاحب میں نے الفرقان کے مضمون "ایک ہفتہ دینی مرکزوں" میں منشی صاحب کو ان کی دینی واقفیت اور شرعی شکل وصورت کی بنا پر مولوی کے لفظ سے یاد کیا تھا، مولانا نے اس کی تصحیح فرمائی۔ (۳) والدہ ماجدہ نے انہیں دنوں اس کام کے آغاز پر اپنی بیحد خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا اور مسرت کا خط لکھا تھا، خاکسار نے اپنے عریضہ میں اس کا بھی تذکرہ کیا تھا۔

بیقدری ہے الندوہ میں تحریر ہے کہ وہ کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے یہ بہت زیادہ غلط ہے اس بارہ میں ایک تفصیل ہے وہ (ف) اگر اشراف نفس سے محفوظ ہوں اور دعوت یا ہدیہ پیش کرنے والے کے متعلق محبت اور کام کی حرمت اور تعظیم کا یقین یا غلبہ ظن ہو تو اس کی دعوت یا ہدیہ کو مسکنت اور تواضع کے ساتھ قبول کیا جائے گا) یہ کہ وہ اشراف نفس سے محفوظ ہوں اور دعوت یا پیش کرنے والے پر محبت اور کام کی حرمت اور تعظیم کا وجدان یقین سے ہو یا غلبہ ظن ہو تو آپ کو فقیر مسکین ظاہر کرتے ہوئے بڑی تواضع کے ساتھ قبول کریں ایسے کو رد کرنا حرام ہے "تہادوا" کے فرمان عالی وجب الامتثال کا امتثال لازمی ہے اللہ جل جلالہ عم نوالہ کی محبت کے بعد جو سب اعمال اور سب نعمتوں سے افضل ترین نعمت ہے وہ حُبِّ مسلم ہے (ف) اللہ جل جلالہ کی محبت کے بعد سب اعمال سے اور سب نعمتوں سے افضل ترین نعمت حُبِّ مسلم ہے) اس دعوت اور ہدیہ کے قبول کرنے میں اس حب مسلم کی دولت عظیمہ کا حصول ہے، اس تفصیل کے ساتھ جو وجدان اور تجربہ قوت فکریہ کے استعمال کرنے سے شہادت دے گا اس کا ہدیہ جو بصورت نذر ہو یا دعوت ہو یا کسی اور طرح ہو قبول کرنا ضروری فریضہ اور نعمت غیر مترقبہ ہے۔ بندہ ناچیز کے نزدیک کسب، حلال اور غنیمت میں حاصل شدہ مال سے زیادہ بابرکت اور باانوار اور پر برکات یہ ذریعہ حصول ہے اور مجھے الندوہ کا مضمون یاد نہیں خود الندوہ موجود نہیں۔

۴- کرنال سے آنے کے بعد اب تک وہاں تبلیغی سلسلہ کچھ نہ کچھ ہوتا چلا آرہا ہے، یعنی تقریباً نو جماعتیں جن میں سے ہر ایک دس دس پر مشتمل ہے وہ قائم ہیں اور کم و بیش کام کررہی ہیں، اس کے تروتازہ کرنے کے لئے حضرت مخدومی جناب حافظ فخرالدین صاحب (۱) اور میرے عزیز محترم مولوی احتشام الحسن صاحب (۲) نے ارادہ فرمایا تھا، جس کی خبر کسی طرح کرنال پہنچنے کے باعث وہاں کے نواب صاحب نے آس پاس کے دیگر نوابوں کو جمع کرکے اس چیز کی کوشش کرنے کا ان کے پہنچنے پر ارادہ کرلیا- نیز وہاں کے نواب صاحبان اور دیگر اہالیان غلطی سے ان کے جانے کی خبر کو اس بندہ ناچیز کی آمد سمجھے جس پر وہاں سے تار آیا اور ایک خط، کہ بجائے ہفتہ کے دوشنبہ کو وہ اجتماع ہوسکے گا اس روز آئیں، لہذا جناب خود بھی اور جس کو جناب سے ممکن ہو مکتوبات (۳) کے بعد اور سحر گاہیوں میں اس سنت کے

(۱) جناب حافظ فخرالدین صاحب پانی پتی مقیم دہلی خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری اور میرے عزیز محترم مولوی احتشام الحسن صاحب (۲) مولانا احتشام الحسن صاحب کاندہلوی- مصنف "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج اصلاح انقلاب" وغیرہ-

(۳) فرض نمازوں کے بعد

دنیا میں جڑ پکڑ جانے کی اور خلق اللہ کی راہ میں قربانیوں کی سنت مسترہ پڑ جانے کے لئے دعاؤں میں مشغول رہیں اور رکھیں۔

۵- اس وقت میوات میں عام خبریں اور آوازیں فصل کے بعد اہتمام کے ساتھ تبلیغ کے لئے نکلنے کی گرمجوشی کے ساتھ آرہی ہیں اور پھیل رہی ہیں، بظاہر اندازہ ہزاروں کے نکلنے کا ہے، نیز بظاہر صورتیں تمام ملک کے اہل حل وعقد اور مالکان قوت کے اس طرز کو جنرو زندگی بنانے کی نظر آرہی ہیں سواب درخواست یہ ہے کہ اول یہ کہ یہ امیدیں جتنی ہماری وجدان کی طاقت ہے اس سے بدرجہا، زیادہ ہو کر وجود میں آئیں اور دیگر یہ کہ اتنی جہالت کے بھرے ہوئے لوگوں کا نکل کھڑا ہونا (باوجود نہایت دشوار ہونے کے) اور اس کثرت سے نکل کھڑا ہونا ہرگز اتنا دشوار نہیں، جس قدر نکل چکنے کے بعد جس غرض سے نکلے ہیں اس غرض کا کافی انتظام ہو کر اپنے کام میں صحیح طور پر لگے رہنے کا انتظام ہو جانا اور خود اس لگنے کا جو مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ تعلق اور شریعت کا پھیلنا وہ بھی حق تعالیٰ بسہولت ظہور میں لائیں اس میں آپ ہمارے ساتھ کیا مدد کر سکیں گے۔

فقط والسلام : بندہ ناچیز محمد الیاس - از نظام الدین
بقلم اکرام الحسن

(۳)

از نظام الدین

دہلی

۷۸۶

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مکرمت نامہ سامی موجب عزت افزائی وشرف دارین ہوا۔ اللہ جل جلالہ عم نوالہ اس خلوص کو مقبول اور منصور فرمادیں اور روز افزوں رکھیں، حضرت عالی نے جیسا کہ میرے ٹوٹے پھوٹے لفظوں کو عزت بخشی اور اکرام فرمایا حق تعالیٰ اپنے یہاں کی مقبولیت اور عزت واکرام سے جزائے جزیل فرمادیں اور اُس زبدہ خاندانِ نبوت کی اس محبت کو میرے لئے سرمایہ دارین فرمادیں، (ف) خوبی ظن اللہ تعالیٰ کے یہاں عجیب مقبولیت رکھتا ہے اور سہل الحصول اور قیمتی سرمایہ ہے، جس سے اکثر لوگ محروم ہیں) خوبی ظن اللہ کے یہاں کچھ بے طرح اور بے نظیر مقبولیت رکھتا ہے اور عجیب اثرات وبرکات وانوارات رکھتا ہے، یہ عجیب سہل حصول اور قیمتی سرمایہ مؤمنین کے لئے ہے، جس سے اکثر لوگ محروم ہیں، مجھ ضعیف کے لئے آپ کے اس حسن ظن کو دارین میں کارآمد فرمادیں جو بہترین سرمایہ ہے۔

اندر سے طبیعت جویا ہے کہ یہ بات معلوم ہو کر یہ کس چیز کی تحریک ہے، اتنی مختصر ہمیشہ کے لئے معروض ہے کہ اصل جو تبلیغ ہے وہ صرف دو امر کی ہے اور باقی جو ہیں اس کی صورت اور شکل بٹھانے کے لئے ہیں تو وہ دو چیزیں ایک مادّی ہے اور ایک روحانی ہے مادّی سے مراد جوارح سے تعلق رکھنے والی ہے، سو وہ تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کو پھیلانے کے لئے ملک بہ ملک اور اقلیم بہ اقلیم جماعتیں بنا کر پھرنے کی سنت کو زندہ کر کے فروغ دینا اور پائدار کرنا ہے۔ (ف) دین کی باتوں کو پھیلانے کے لئے ملک بہ ملک پھرنا اس تبلیغ و دعوت کا جسم و مادہ ہے۔)

"روحانی سے مراد جذبات کی تبلیغ یعنی حق تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈالنا جس کو اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے"۔

فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا کما قضیت ویسلموا تسلیما

اس کی تشکیل کے طور پر چند چیزوں کو چھانٹ کر رکھا ہے اول کلمہ طیبہ جو کہ خدا کی خدائی کا اقرار نامہ ہے کہ اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ در حقیقت کوئی مشغلہ ہمارا نہیں ہوگا اس کے لفظوں کی تصحیح کے بعد نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح کرنے پھر باقی علوم سیکھنے کی طرف اس وقت کو مشغول کر لینا، دوسرے نمازوں کو حضور ﷺ کی جیسی نماز بنانے کی کوشش میں لگا رکھنا (۱) جب تک ویسی نہ بنائے اپنے کو جاہل شمار کرنا، تیسرے تین وقتوں کو صبح و شام اور کچھ حصہ شب کا اپنی حیثیت کے مناسب ان دو چیزوں تحصیل علم و ذکر میں مشغول رکھنا تین چیزیں یہ ہیں، چوتھے ان چیزوں کو پھیلانے کے لئے اصل فریضہ محمدی ﷺ سمجھ کر نکلنا یعنی ملک بہ ملک رواج دینا پانچویں اس پھرنے میں خلق کی مشق کرنے کی نیت رکھنا جس میں اپنے ماعلیہ کی ادائیگی کی سرگرمی ہو خواہ خالق کی طرف سے ہو یا خلق کے ساتھ متعلق ہوں (۲) کیونکہ ہر شخص سے اپنے ہی متعلق سوال ہوگا علم کے لئے میرا جی چاہتا ہے کہ محکمہ تبلیغ سے نصاب مقرر کیا جاوے اس سلسلہ کے ترقی پکڑ جانے پر آپ جیسے اہل علم کے مشورہ کی ضرورت ہوگی بالفعل میں نے نارسا طبیعت سے پانچ کتابیں تجویز کر رکھی ہیں

---

(۱) حدیث شریف میں ہے **صلوا کمارایتمونی اصلی** فقہا و محدثین کرام اگرچہ اس سے ظاہری ہیئت میں مشابہت مراد لیتے ہیں لیکن اگر صوفیہ و عارفین خشوع و کیف احسانی بھی مراد لیں تو کیا مضائقہ ہے؟ (۲) یہی اکرام مسلم ہے اور اس کی روح یہ ہے کہ آدمی کی نظر اپنے فرض پر ہو اور وہ کلمہ گو کی تعظیم اور ایمان کی حرمت ہے سارے فتنہ کی جڑ دوسرے کے فرائض پر نظر اور اپنے فرض سے صرف نظر ہے۔

جزاء الاعمال، راہ نجات، فضائل نماز، حکایت صحابہ، چہل حدیث (مولوی زکریا شیخ الحدیث صاحب) ان کو تنہائی میں دیکھنا (ف) تنہائی اور مجمع میں پڑھنے کے الگ الگ خواص اور اثرات ہیں) اور مجمع میں سنانا دونوں مستقل جز وہیں صرف تنہائی میں دیکھنا مجمع میں سنانے کی برکات کو شامل نہیں ہوسکتا اور مجمع میں سنانا تنہائی کے انوارات کو حاوی نہیں ہوسکتا۔ بچوں سے تبلیغ شروع میں کرائی اگر محض آلہ ہونے کی غرض سے ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن (ف) مکلف چاہے مرد ہو چاہے عورت فرائض کے ترک سے مورد لعنت وغضب الٰہی ہوتا ہے) اگر یہ دردِ دل سے محسوس کیا جائے تو مکلف چاہے مرد ہو چاہے عورت اپنے فرائض کے ترک سے مورد لعنت وغضب الٰہی ہو رہا ہے اور بتقدیر مرگ جو ہوگا وہ قابل حس کرنے کے ہے تو اس عذاب عظیم میں گرفتاری کا دور ہونا ہر مسلم کو ضروری ہے۔ نیز اس حالت میں موت آجانے پر جو خطرات یقینی ہیں وہ پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں اسی طرح مکلف اگر فرائض کی بجاآوری کرے تو چونکہ خطابات اس کی طرف وارد ہیں تو وہ شرف امتثال کی عزت وشرافت وثمرات سے جو کہ بڑی بڑی رحمت اور نعم جلیلہ ہیں (متمتع ہوگا) اور بتقدیر موت نجات نہ صرف نجات بلکہ جنت جیسی نعم اخروی کے دلا دینے کا احسان کرنا ہے اس لئے اپنا رخ صرف مکلف کی طرف رکھنا چاہیے البتہ بچوں کو آلہ بنانا اور بقا کی امید سے لگائے رکھنا ایک امر مستحسن ہے (ف) تبلیغ میں اپنا رخ صرف مکلف کی طرف رکھنا چاہیئے البتہ بچوں کو آلہ بنانا اور بقا کی امید سے لگائے رکھنا امر مستحسن ہے) (۱) مولانا جناب عالی نے جذبہ و ولولہ نہ ہونے کا تذکرہ (۲) فرمایا ہے اور مجھے اس پر بڑا رشک ہے مومن کے لئے اللہ کے امتثال امر کی اصلیت یہ ہے کہ حکم کے یقین اور عظمت سے اس قدر ماتحت ہو کہ وہ ولولہ کو دبا دے، ولولہ طبیعت سے ناشی ہوتا ہے یہ اگر ہو تو حب طبعی ہوئی اور جب حکم کی عظمت اور فرضیت کے احساس سے ہو تو یہ حب عقلی اور حب ایمانی ہے اگر کبھی ولولہ اور شوق آجائے تو یہ مستقل عطیہ قابل قدر ہے لیکن دراصل قابل التفات نہیں ان شاء اللہ یہ صورت استقامت کی زیادہ امید دلانے والی ہے حق تعالیٰ دولت استقامت (جیسا کہ خاندان نبوت کے شایان شان ہے) سے سرفراز فرما دے رہنمائی اور دعا کی بات یہ ہے کہ مشورہ دے دینا تو میری سعادت ہے ورنہ اس کام کے لئے خلوص کے ساتھ کھڑے ہونے والے کے لئے ایسی موکد قسموں کے ساتھ وعدے ہیں کہ ذکر نہیں

---

(۱) تبلیغی کام کے آغاز میں بعض محلوں میں بچوں سے کام شروع کیا گیا یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) خاکسار نے عرض کیا تھا کہ کام تو ہو رہا ہے مگر جس شوق و ولولہ اور کام کا جذبہ ہونا چاہیے وہ ناپید ہے مولانا کے اس مکتوب گرامی سے بڑی تسکین اور بہت الزائی ہوئی۔

کئے جاسکتے ان کو پیش نظر رکھنے کے ذریعہ یقین میں کوشش فرماویں۔
دعا کے لئے جناب ارشاد فرماتے ہیں دعا کرنے والے کے لئے اس میں شرکت باعث سعادت ہے ورنہ دعا
طلب رحمت کے لئے ہوتی ہے (ف) دین کی ہر چیز کا مقصود قوت دعا کو بڑھانا ہے) یہ کام خود جالب رحمت ہے
یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہے اور کبھی نظر خطانہ کرے کہ مقصود دین کی ہر چیز کا محض قوت دعا کا بڑھانا ہے
اس میں ہر وقت بہت ہی زیادہ سعی کی جاوے اگر جوارح کے کام میں مشغول ہونے کے وقت قلب قوت کے
ساتھ دعا میں مشغول رہنے کی برداشت اور مصروفیت اور بخوبی مشغولیت کر سکے (ف) جسمانی مشغولیت کے وقت
قلب کے ساتھ دعا میں مشغول ہونا افضل ورنہ خالی اوقات دعا سے معمور رکھے جائیں) تو اس میں بہت کوشش فرماویں
ورنہ اس امر کے لئے مکتوبات اور سحر اور اس امر کے لئے نکلنے کے اطراف اور درمیان میں خالی اوقات دعا سے آباد
رکھیں اور ہم خدام کو بھی یاد رکھیں بندہ ناچیز اس کا منتظر ہے کہ جناب کے خدام اپنے تبلیغی مواضع میں ان
امور کو پھیلانے کے لئے دوسرے گاؤں میں نکلنے کی ہمت اور استقلال سے دعوت دیں اور اس میں پوری ہمت
اور استقلال کو کار دیں خصوصاً رائے بریلی کا وہ گاؤں جس میں اثرات تبلیغ کے اللہ نے پیدا فرمادیئے ہیں ان کو
باہر نکلنے کی دعوت زیادہ استقلال سے دیں۔

یہاں میواتیوں کی جماعت کرنال بہت سے مقامات میں تبلیغ کرتی ہوئی پہنچی تین چار روز قیام کیا، کرنال
کی ہوا گویا کہ بالکل بدل گئی دس دس کی پانچ چھ جماعتیں نکل چکیں اور کی خبریں آرہی ہیں وہاں کے نواب
صاحبان بھی شریک سعی ہیں دوسری تازہ خبر میوات کے متعلق نہایت خوشی کی یہ ہے کہ اس وقت کی تحریک
زیادہ تر عوام اور غرباء کے طبقہ میں تھی اب بہت کچھ امیدیں وہاں کے اہل حل وعقد کے کھڑے ہوجانے کی
ہورہی ہیں دعا وہمت سے مدد فرمادیں۔

میری بھی تمنا ہے خدا کرے میوات سے جماعتیں استقلال کے ساتھ لمبے لمبے اور طویل طویل زمانہ کے
لئے نکلنے پر تیار ہوکر جائیں تو دس بارہ کی جماعت چندماہ کے لئے جناب کے زیر نظر کام کرلے اللہ اپنے فضل سے
امیدوں سے بہت زیادہ اپنے شایان شان مدد فرماویں۔

فقط والسلام ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

(۴)

از نظام الدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گرامی نامہ پہنچا اور بڑے انتظار کے بعد پہنچا حالات سے جو کچھ بھی مسرت ہو وہ قرین قیاس ہے بہت سے امور پر مضمون لکھنے کو جی چاہا مگر طبیعت رک گئی الاجر علی قدر النصیب ؟ ڈاکیوں کی اور وسائط کی دوڑ دھوپ ہرگز اپنی ذاتی مشقت کا بدل نہیں ہو سکتی (۱) (ف وسائط اور سہولتیں ذاتی مشقت کا بدل نہیں ہو سکتیں) اور عادات خداوند یہ عموماً اپنی دین میں جدوجہد کی مقدار کے ساتھ وابستہ ہیں آدمی کسی مقصد کے لئے جتنا اپنے کو ذلیل کرتا ہے اور تکلیف کو جھیلنے کے ذریعہ اپنے حالات اور جوارح (ف جوارح اور قلب کی شکستگی نزول رحمت کا سبب ہے) اور قلب اور قوتوں کی شکستگی اور تعب اور انکساری کو پہنچتا ہے بس حق تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوتا ہے **انا عندالمنکسرۃ قلوبھم والذین جاھدوا فینالنھدینھم سبلنا**

کسی راہ کی ذلت کو اٹھائے بغیر اس کی عزت کو پہنچنا عادۃً ہوتا نہیں (ف کسی راہ کی ذلت کو اٹھائے بغیر اس کی عزت کو پہنچنا عادۃً ہوتا نہیں) اس لئے جناب یہاں کے میوات میں ۲۵ مئی کو ہونے والے جلسہ (۲) کی شرکت کے لئے ۲۴ مئی کی شام تک یہاں پہنچنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو اللہ جل جلالہ کی ذات سے امید ہے کہ تثبیتِ ایمان واطمینان وانشراح قلب کے بارے میں ایک طویل مدتوں کی خط وکتابت سے زیادہ بہتر ہوگا۔ خط وکتابت کا ذریعہ ضعیف سبب ہے جیسا کہ وضو کے ناممکن ہوتے ہوئے تیمم۔

فقط والسلام ۔ بندہ محمد الیاس بقلم انعام الحسن

(۱) مکتوب الیہ نے مولانا کے گرامی ناموں سے اپنے استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے اشتیاق ظاہر کیا تھا جواب میں فرمایا کہ یہ خط وکتابت اور نامہ پیام ذاتی مشقت سے مستغنی نہیں کرسکتا۔

(۱) یہ جلسہ ضلع گوڑگانوہ تحصیل نوح میں قصبہ گھاسیرہ میں ہوا تھا جو سڑک پر نوح سے بالکل قریب واقع ہے اس جلسہ میں میوات کے علما ومیاں جی صاحبان اور چودہری صاحبان خاص اہتمام سے مدعو کئے گئے تھے باہر کے علماء میں سے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم مولانا عبد الباری صاحب ندوی وغیرہ شریک ہوگئے تھے مولانا کی تقریر اور جلسہ کا موضوع زیادہ تر علم کو دین کے کام میں لانا تھا۔

(۵)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت مولانا! دل ودماغ اور تمام قوی کچھ ایسے ہارے تھکے ہوئے اور ضعیف ہورہے ہیں کہ کسی مضمون کے لکھنے کی ہمت وتاب نہیں ہوتی اور دراصل یہ تبلیغ کی نوع اور یہ جہت کچھ ایسی ہے کہ اس طرف کو توجہ کرنا ہی مجھ ضعیف کے تھکان کا باعث ہوجاتا ہے کیونکہ اس لائن میں یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ اصل مضمون جو قابل بیان ہے اس اصل مضمون میں ہر وہ عبارت کہ اس کی تعبیر کے لئے طبیعت مضمون تجویز کرتی ہے وہ ایک آزاد کو اور ایک وسیع چیز کو اور ایک نور مطلق کو پابند کر دینا نظر آتا ہے جو اس کی شان کے ساتھ کچھ بھی مناسبت رکھتا نظر نہیں آتا، لہذا اس مضمون کے ساتھ یہ بات صادق آتی ہے اگر گویم (تو بوجہ مقصود کے اظہار میں اور اس کے حاوی ہونے میں بالکل قاصر اور ناکافی ہونے کی بنا پر) تو مشکل وگرنہ گویم (ہم مادیات میں اس وقت ایسے پھنسے ہوئے ہیں طبائع کا طبائع سے حصہ لینے کا دستور چھوٹ چکا (**ف**) طبائع کا طبائع سے حصہ لینے کا دستور جاتا رہا) اور عملی جدوجہد میں خون پسینہ ایک کر کے اور جہد کا حق ادا کر کے جو شریعت کے تعلیم وتعلم کی اصلی صورت تھی وہ معدوم کر کے اب افادہ اور استفادہ بیچاری ایک زبان ہی کے اوپر رہ گیا ہے سو اگر زبان سے کچھ نہ کہا جاوے تو اس مادہ پرستی کے دستور کی وجہ سے صورت ہی نہیں افادہ اور استفادہ کی، لہذا تو مشکل بہر حال معروض یہ ہے کہ ہم خدا کی قدرت اور اس کی حقانیت سے ناشناسی کے خوگر اللہ جلالہ کے کام کے لئے کھڑے ہوتے بھی ہیں تو نارسا! عقل اور اس کے احاطے میں آنے والی مقدار منافع کے ساتھ اپنی سعی کو محدود کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کے یہاں سے قانون ہے **انا عند ظن عبدی بی** تو اللہ کے ساتھ جتنا ظن کرلوگے اتنا ہی ملے گا تو ہم نادان اپنی کوششوں کے معاوضہ کو منافع کی مقدار کے محدود کردینے کے ذریعہ بہت ہی ناقص اور کم کردیتے ہیں، حالانکہ عقل ناقص کے متعلق صرف اتنا تھا کہ ہر کوشش کو اس کے درجہ میں رکھتے ہوئے اس کے معاوضہ کو حق تعالیٰ کی شان کے شایان شان مقدار پر حوالہ کرتے ہوئے اور **لایضیع اجر المحسنین** (**ف**) ہم نادان اپنی کوششوں کے معاوضہ کو منافع کی مقدار کے محدود کردینے کے ذریعہ بہت ہی ناقص کردیتے ہیں) پر ایمان رکھتے ہوئے بے چوں وچرا اپنے اس معاملہ میں جنونی ہونے اور کہلائے جانے کی تمنا رکھتے ہوئے ان کوششوں میں اپنی فنا میں اپنی بقا سمجھے تو ان کوششوں کا دنیا ہی میں جنت

کامزہ پائیے ، لیکن دستور اس کے خلاف ہو گیا تاہم اگر سنت کے زندہ کرنے کی نیت سے ان نیتوں سے کوششوں میں لگنا شروع کر دیں اور اللہ سے مانگتے رہیں تو رحمت ازلیہ اور الطاف سرمدیہ سے اس دولت کے مل جانے میں ہرگز بخل کا خطرہ نہیں۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

بہرحال بندہ ناچیز کا مقصد یہ ہے کہ فرائض میں اور فرائض میں بھی اہم فرائض) کوشش کے معاوضہ کو اور ان کے دینی اور دنیاوی اثرات کو جو اللہ نے کھلے دل کے ساتھ کوششوں پر اپنے اوپر حوالہ کردینے کی صورت میں وابستہ فرما رکھے ہیں وہ بغیر کوششوں کے نصیب نہیں ہو سکتے ، اسی طرح سے منافع محدود کردینے سے بھی بہت ناقص ہو جاتے ہیں - بہرحال مقصد یہ ہے کہ بغیر سعی والے یعنی قاعدین مجاہدین جیسے نہیں ہو سکتے اور اہم فرائض کے مجاہدین نوافل کے مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے اور تخلیوں کو اور تجلیوں کو معمور رکھنے والے اور صحابہ وانبیاء کی زندگی کے نقش قدم پر کوشش کرنیوالے کم چیزوں میں مصروف ہونے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (ف) اہم فرائض میں کوشش کرنے والے اور نوافل میں کوشش کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے) مجھے تعجب ہے کہ ہم ایسے فرائض میں جان توڑ کوششوں کی سنت کو زندہ کرنے میں اپنی جانیں کیوں نہیں دے رہے بہرحال یہاں کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ افراد سے متجاوز ہو کر قومیت کے طور پر اس تحریک کی خوشگوار ہوائیں لپکنے لگیں ، حالانکہ افراد نے بھی کچھ اچھی طرح سے شان کے مناسب لبیک نہیں کہی کیوں نہ قربان جائیے ایسے سید المرسلین ﷺ کے کہ ان کی بتلائی ہوئی چیز کے باوجود اس قدر قلیل اور ضعیف مقدار اتباع کے ایسا نمایاں کھلا اعزاز اور نشوو نما اسلام کا اور اندرونی اور بیرونی نصرتیں خدائے پاک کی ایمان کو تازہ کرنے والی یقین کو سرسبزی دینے والی مادی زندگی کو سرسبزی دینے والی ایسی کھلی کھلی نظر آرہی ہے اگر اپنی کوششوں کی حقیقت پر نظر کی جاوے تو باوجود اس حقانیت کے کھل جانے کے پھر اس بے حرمتی کی کوشش پر اگر گرفت ہو اور بطش شدید ہو اور جس طرح کا بھی عذاب لایا جاوے تو کچھ تعجب نہیں - لیکن اس کی کمی اور ناقدری اور کفران پر سزا اور گرفت کے بجائے عیوب کی ستاری اور ضعف عمل پر غفاری اور جوادی اور کرم اور رحمت کی ایسی بارش صاف نظر آرہی ہے کہ جیسا میں شروع خط میں لکھ چکا ہوں کہ بیان اس کو محیط نہیں ہو سکتا۔ علماء کی جماعت نہایت تدریج اور خوشگواری کے ساتھ استقبال کرتی چلی آرہی ہے تجارت اور ملازمت پیشوں میں ایسی مقبول ہو کر ان کو راہ ہدایت پر لاتی چلی آرہی ہے، انگریزی اثرات سے دہریت میں غرقابوں کو صاف صاف رشد وہدایت پر کھینچنی

بدعات وغیرہ اہوا میں گرفتار اور پھنسے ہوؤں کو تدریجی نہایت رفق کے ساتھ راہ سنت پر کھینچتی چلی آرہی ہے، باوجود ان سب ترقیات کے اس کی ناقدری کا جتنا شکوہ کیا جاوے وہ کچھ کم نہیں اس کی ضرورت ہے کہ جس طرح سے مدارس میں تعلیم اور دین سیکھنے کے لئے مستقل عمریں اس کے لئے خرچ کی جاتی ہیں اسی طرح بڑے استقلال سے اس طرز سے دین محمدی ﷺ کی تعلیم کے لئے وقتوں کو فارغ کرنے کی اپنے سے ابتداء کریں اور دوسروں کو دعوت دیں اس امر کے لئے حوصلوں کو بلند کرنے کی بڑی سخت ضرورت ہے بندہ ناچیز میوات میں قوم کے اہل حل وعقد کو جمع کرکے اس طرز کو جزو زندگی بنانے کی دعوت دے رہا ہے اس دعوت کی آواز کو قوی کرنے اور اس کے اندر باہمی معاونت پر تحریض کی شدید ضرورت ہے، الحمد للہ ثم الحمد للہ ٹوڈا بھیم میں شرفا اہل ارض بھی بطور قومیت کے اس کوشش کے لئے کچھ ہاں کرنے کو تیار ہوتے چلے آرہے ہیں، لیکن اس ہاں کے پودے کو تربیت کرنے کی بڑی ضرورت ہے تاکہ یہ "ہاں" عمل تک اور عمل دیگر نتائج پر مفضی ہو، آں جناب کی وہ الفت و محبت جو جناب کی خوبیوں کی بدولت میری خرابیوں اور گندگیوں کے محسوس کرنے پر خوبیوں کے دیکھنے اور اس کے پسند کرنے میں غالب آگئی، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ کا میرے ساتھ قیامت میں یہی برتاؤ ہے اور ہم سب مسلمانوں کا سب کا اور سب میں سے ہر شخص کا اپنے کے ساتھ یہی برتاؤ ہے۔ بندہ ناچیز کی نظر میں کوئی شخص کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہے ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہوجائے، تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جاویں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑجاوے، مگر دستور اس کے خلاف ہے اس تبلیغ میں ایک نمبر جو چوتھے نمبر سے نامزد ہے وہ درحقیقت صرف یہی ایک نمبر ہے اور حق تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے کہ جو وہ شخص ساری مخلوق کے ساتھ برتاؤ کررہا ہے بہر حال میں آپ کے کرم اور اُس محبت کا صلہ اللہ ہی کے حوالہ کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا اور محبت کے بعد جو انسان کے لئے بہترین سرمایہ اللہ والوں کی محبت کا ہے جو آپ کی بدولت مجھے نصیب ہے حق تعالیٰ شانہ، میرے لئے اس قیمتی سرمایہ کو قیامت تک کے لئے سلامت اور بڑھتا ہوا رکھے اور جس سے مجھے یہ سرمایہ ملا ہے (یعنی آپ کی ذات والا) اس کو بھی اس کے اجر وصلہ سے دارین میں اس کی شان کے مناسب سلامت اور بڑھتا ہوا رکھیں، جناب عالی نے طلبہ میں سے بعض کے اپنے سے زیادہ خلوص اور پرجوش اور بہتر ہونے کو تحریر فرمایا ہے۔ یہ محض مبارک بادی پر اکتفا کرنے کی چیز نہیں بلکہ یہ چند چیزیں بہت زیادہ ملحوظ رکھنے کے قابل ہیں اول یہ کہ جو بات چند میں نظر آتی ہے ہر

ایک کے ساتھ یہ ہی گمان رکھنے میں ریاضت اور سعی اور کوشش کرنی چاہیئے یہ مضمون دو حدیثوں کا خلاصہ ہے ایک "اتھموا انفسکم" اور ایک "ظنوا المؤمنین خیرا" اور یہ بات کیسے نصیب ہو سکتی ہے مستقل مضمون کو چاہتی ہے، (ف) اگر خوبیوں کے ساتھ نظر اندازی اور پردہ پوشی اور خوبیوں کی پسندیدگی اور اعزاز کا مسلمانوں میں رواج ہوجائے تو بہت سے فتنے اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں۔

(ف) حق تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ وہی برتاؤ کرینگے جو وہ شخص ساری مخلوق کے ساتھ کررہا ہے۔

پھر پر رکھوں تو خدا جانے کیا موقعہ ہو اس لئے مختصراً عرض ہے کہ بندہ ناچیز کے نزدیک کوشش کرنے کی اپنے دل میں بنیاد ہی اس پر رکھے کہ اپنے نفس کو تجربہ سے ایسا گندہ ناقص خود غرض اور ہر کام کا بگاڑ دینے والا یقین کرے کہ الطاف خداوندی کا قصہ تو کچھ اور ہے یہ موت تک درست ہوتا نظر نہیں آتا، لہذا سعی اور حضور ﷺ کی باتیں دوسروں میں اس نیت سے پھیلاوے کہ میرے علاوہ جو ساری مخلوق اپنی ذات سے نیک طینت اور پاک نفس ہے وہ دین کے جس کام کو کریں گے وہ ظاہر باطن میں ایک اچھا عمل ہوگا اور ان کی برکت سے حق تعالیٰ بقاعدہ "الدال علی الخیر کفاعلہ" حق تعالیٰ اپنے الطاف سے ان پاک ہستیوں کی برکت سے مجھے بھی اس سے حصہ عطا فرما دیوے۔ جناب غور فرمائیں گے تو بزرگوں کی سوانحوں سے اس کی بڑی تائیدات آپ کو ملیں گی۔

(ف) حضور ﷺ کی باتیں دوسروں میں اس نیت سے پھیلائے کہ میرے علاوہ اللہ کے سب بندے اپنی ذات سے نیک طینت اور پاک نفس ہیں وہ دین کے جس کام کو کرینگے وہ ظاہر و باطن میں اچھا ہوگا، اللہ انکی برکت سے مجھے بھی حصہ عطا فرمائیں۔

بندہ ناچیز ایک امر کا بڑا متمنی ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ کی یہ چند کتابیں ان کے ساتھ تبلیغ کی لائن میں قدم دھرنے والے تین طرزوں کے ساتھ بہت اشتغال رکھیں قلیل وقت ہو مگر مداومت ہو، اول تبلیغ کے نکلے ہوئے زمانہ میں تنہائی میں دیکھنا دیگر مجموں میں ان مضامین کی دعوت دینا، دیگر مجموں میں اور خصوصی تذکروں میں ان مضامین کا اپنے غیروں سے سننا اور وہ کتب تبلیغ یہ ہیں، جو اب تک تجویز ہو چکی ہیں اور بہت سے مضامین ذہن میں ہیں اہل علم کے استقلال سے کھڑے ہوجانے کے بعد ان مضامین میں تصانیف کا خیال ہے۔

جزاء الاعمال، چہل حدیث فضائل قرآن، فضائل نماز، فضائل ذکر، حکایات صحابہ، دونوں رسائل تبلیغ مولوی احتشام و مولوی زکریا والا۔

اس وقت جناب کے گرامی نامہ سے جو عمومی مضمون ذہن میں آیا معلوم نہیں مفید ہے یا غیر مفید، وہ خدمت میں پیش کردیا، خصوصی ہدایات کی طرف اس وقت طبیعت متوجہ نہیں اور آپ جیسی بابرکت ذات خصوص کی محتاج بھی نہیں، ان عموم سے خصوص جناب کی شان اخذ کرنے کی بہت احق ہے، ٹوڈا بھیم سے قاضی صاحبان میں کی دس پندرہ کی جماعت تبلیغ کے لئے سہارنپور تشریف لانے کی کوشش فرمارہے ہیں، زیادہ تر چونکہ ملازمت پیشہ ہیں اور ریاست کا قصہ ہے اور وہ بھی ہندوانی اور پھر وہ بھی ایک وقتی بظاہر دشوار نظر آرہا ہے اور اللہ کو سب آسان ہے دعا فرمادیں کہ اللہ پورا فرمادیں۔ ۶ اپریل کو سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہے، اگر حضرات مبلغین ایسے ایسے موقعوں میں چند دنوں پہلے اور چند دنوں بعد صحیح اصول کے ساتھ تبلیغی سرگرمیوں کے موقعے ڈھونڈھتے رہیں اور اس بارہ میں ہر طرح کی تکلیف اور ناگواریوں کو برداشت کریں تو "**حفت الجنة بالمكاره**" کے وعدہ کے مطابق یہ جنت میں لیجانے والی اسکیم سرسبز ہوسکتی ہے ہر کام کے لئے کوشش شرط ہے اور موقعہ پر کوئی تھوڑا سا بھی ہو تو بے موقعہ کے ہزاروں سے بہتر ہوتا ہے، (ف) موقعہ پر کوئی تھوڑا سا بھی ہو تو بے موقعہ کے ہزاروں سے بہتر ہوتا ہے) بس زیادہ کیا عرض کروں۔

بندہ ناچیز محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

سب دوستوں کی خدمت میں سلام مسنون اور کام کی مبارک باد دیں اور دعا کی درخواست فرمادیں۔

از بستی نظام الدین اولیاء

محترمانم وآماجگاہ آمالم شرفنا اللہ باخلاقکم البهیه(۱)

ومتعنا اللہ بمحاسنکم النبویه

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ! حضرات عالی مقام دونوں کے یکے بعد دیگرے گرامی نامے باعث عزوشرف وکرامت دارین ہوئے حق تعالیٰ شانہ آں گرامی ذاتوں کو اپنی مرضیات میں سابقین پر سبقت کا نمونہ بنادیں اور ہم خدام کے لئے آپ کی محبت کا سرمایہ وافر سے وافر نصیب فرمادیں اللھم آمین! جناب سید ابوالحسن علی صاحب کی

---

(۱) بنام ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبد العلی صاحب وخاکسار ابوالحسن علی

(۲) خاکسار تحصیل فتح پور تبلیغی سلسلہ میں گیا تھا وہاں بارش میں بھیگنے کی وجہ سے سینہ میں درد اور بخار ہوگیا۔ لکھنو آکر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ذات الصدر اور میعادی بخار ہوگیا ہے۔ بھائی صاحب مدظلہ نے مولانا کو اس علالت کی اطلاع دی اور اپنی فکر کا اظہار کیا، مولانا نے اس اطلاع پر یہ گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

علالت مزاج سے رنج وملال ہوا(۲)۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجلہ کاملہ سے ممنون فرمادیں، اور خود بیماری بھی جو صلحاء کے لئے ایک نعمت ہے، جب تک یہ مقدر ہے اس وقت تک بیماری سے بذریعہ رضا بقضا اور بذریعہ تکفیر سیئات کے یقین کے متمتع فرمادیں، میرا جی تو چاہتا ہے کہ اس پرمبارک بادذوں کہ اس چودھویں صدی میں محض خلوص جہد فی سبیل اللہ والاسفر مرض کا سبب ہوا۔ "**بل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ مالقیت**" یہ بیماری اس سے زیادہ صواۃً حیثیت نہیں رکھتی کہ دنیا میں جیسے ہزاروں کو بخار آتے ہیں ایک آپ کو بھی آگیا، لیکن اس نسبت سے روئے زمین پر غالباً ممتاز ہوگا ، کہ بظاہر اس کا سبب ایک ایسی چیز کے لئے قدم اٹھانا ہے۔ کہ وہ طرز زندگی اگر عو جائے اور جانیں جا کر بھی اگر مسلوک ہوجائے تو نہایت مشغول رہنے والے اور اپنے مشاغل سے فارغ نہ ہوسکنے والے تمام امت محمدیہ کے لئے رشد وہدایت کی وافر بہرہ اندوزی کے ایک مردہ طریق کو ایقان اور محکم وپائدار زندگی دینے کے لئے یہ قدم تھا، حق تعالیٰ شانہ اس وجہ وجیہہ پر نظر کو جما کر اس کے شکر کی توفیق نصیب فرمادیں اور مرض میں بھی صحت سے زیادہ رضاجوئی کے طُرق پر قوت بخشیں۔ اللہم آمین ! مولوی احتشام الحسن بھی سفر میں گئے ہوئے تھے رات ہی آئے ہیں۔ مشورہ کروں گا کہ وہاں کے قابل کوئی آدمی مل جاوے تو جناب عالی ارشاد کے مطابق تلاش کے بعد روانہ کروں۔ یہ بندہ ناچیز بھی زیادہ تر باہر رہا اور اگر یہاں رہا تو ایسے اطمینان کا وقت نہ ملا جو گرامی نامہ کے جواب میں عجلت کرتا، تاخیر جواب کی ندامت ہے معاف فرمادیں۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی مدظلہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی نئی بات ایسی نہیں ہے کہ جسے لکھوں، مجھے حیرت ہے کہ کسی کام کی مداومت کو نیا نہیں کہا جاوے مداومت ایک ایسے نئے طرز کے اندر کی کوشش پر آپ ہی جیسوں کا ایک خاص حصہ ہے اور یہ بھی ایک نئی بات ہے، یہاں کوئی شخص (نہ بڑے طبقہ میں نہ چھوٹے طبقہ میں) ملاقات کے اتنے قلیل الوسائل ہوتے ہوئے مجھے نہیں ملا، یہ آپ کی علو حوصلگی کی علامت ہے، اللہ مبارک فرمادیں، مداومت ایک ایسی مقبول اور مبارک چیز ہے (ف) نوافل کے اندر تک کی مداومت بھی محبوبیت کیشان پیدا کرتی ہے) کہ یہ نوافل کے اندر تک بھی ایک محبوبیت کی شان پیدا کردیتی ہے مداومت ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اصل جو حق تعالیٰ شانہ کی رحمت اور انعامات کے وعدے ہیں۔ وہ اسی سے وابستہ ہیں، "**ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ**، اس کے اندر کس قدر کثرت سے اور بڑے بڑے امور کی بشارتیں ہیں وہ سب اسی استقامت اور مداومت سے وابستہ ہیں **احب الاعمال ادومھا**." (ف) عبادات میں بقدر دوام حب خداوندی کا سرمایہ حاصل ہے) بقدر دوام حب خداوندی کا سرمایہ حاصل ہے خیر مجھ جیسا ناواقف آپ کے سامنے لکھے یہ کیا بات ہوئی، بہرحال اس بندہ ناچیز کو اس مداومت کی جتنی قدر ہو، وہ واجب ہے اور بہت قابل قدر ہے۔ یہ ضرور یاد

دلاتا ہوں کہ مولانا موصوف الصدر نے یہاں تشریف آوری کے وقت کچھ وہاں سے آدمی بھیجنے کے لئے بہت خفیف امید میری اعانت کے لئے دلائی تھی وہ اگر ہوسکے تو آدمیوں کو بھیج کر اعانت فرمادیں، مگر شرط یہ ہے کہ اپنا کھاویں اور میوات سے گئے ہوئے مسکین غریب جاہل دریدہ پیرہن لوگوں میں مل جل کر گذارنے کی ہمت باندھ کر جاویں اور پہلے سے یہ طے کرلیں کہ قطعاً اور ضرور وحشت ہوگی اور جی نہیں لگے گا، وحشت کے ہوتے ہوئے پکا ارادہ کر کے جاویں، جناب کے یہاں نٹوں کی قوم اپنے دورہ اور گھومنے کے زمانہ میں ادھر رُخ کرتے تو یہاں نظام الدین کے آس پاس خبر ہونے پر کوشش کریں کہ ان سے مل لیں اور ان اصول کے واسطے ایک جماعت کو پیوست کرنے کی کوئی صورت تلاش کریں (۱)۔ شاید اس وقت کوئی صورت ہوجائے آنجناب جیسا اپنے مقام سے اتنی بعید جگہ کوشش فرما رہے ہیں خود لکھنؤ کے غریب ترین محلوں میں ضرور اور پھر ضرور کوشش کا افتتاح لازمی سمجھیں آدمی کو جس وقت تیار فرمالیں اس وقت بندہ کو مطلع فرمادیں تاکہ مناسب مقام تبلیغ کا مشورہ دیا جاسکے۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمان

ازمولانا احتشام الحسن صاحب بصد اشتیاق نیاز سلام مسنون قبول باد

از نظام الدین

بعالی خدمت مکرمی و محترمی جناب مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض آنکہ حسب ارشاد سامی یہاں سے نٹوں کی تبلیغ و تعلیم کے واسطے مولوی ہدایت خاں صاحب وقاری حافظ احسان صاحب کو روانہ کیا تھا امید ہے پہنچے ہوں گے مگر ہنوز ان کی کیفیت معلوم نہیں ہوئی چونکہ آٹھ دس یوم گئے ہوئے ہوگئے اس واسطے کیفیت کا سخت انتظار ہے۔

فقط والسلام

(۱) نسیل فتح پور اور دوسرے مقامات میں نٹوں کی ایک قوم رہتی ہے جو بارش بھر یہاں قیام کرتی ہے اور باقی دنوں میں ملک میں جا بجا سفر کرکے ڈھول کی مرمت کرکے اپنا پیٹ پالتی ہے مولانا سے اس قوم کے لئے مبلغین اور معلمین کی فرمائش کی گئی اس کے متعلق یہ ارشاد ہے۔

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمان

۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ ۱۶ شعبان ۱۳۵۹ھ بروز جمعرات

مکرم معظم حضرت سید صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! میرے دو مخلص عزیز تبلیغ کے لئے گئے ہوئے ہیں ان کی کیفیت اور ان کی حالت کا ہر وقت انتظار ان کی دلبستگی اور ان کے خور دو نوش کے بندو بست ہونے کی تمنا ہے جو اس راہ میں قدم اٹھانے کو دین کی خدمت سمجھ کر ان دونوں باتوں کی کوشش میں قدم اٹھائیں، یہ بات ذرا دھیان رکھنے کی ہے کہ حافظ احسان شوقین اور صاحب جذبات اور بہت دنوں سے تبلیغ کے کام میں مشغول اور سعی کئے ہوئے ہے لیکن علم اور تدبیر کی دولت سے کم آشنا ہے اور اس کے برخلاف دوسرے صاحب مولوی ہدایت خاں تبلیغ کے کام سے نہایت اجنبی اور متوحش اور ہمیشہ سے بہت اجنبی ہیں دولت علم اور جہد و تدبر اللہ نے نصیب کیا ہے، لہذا دونوں صاحبوں کی حالت کے مناسب دلگیری اور تواضع کے ساتھ ہر ایک کی نصرت واعانت میں جناب عالی ذرا باخبر رہیں مجھے ان دونوں کے خور دو نوش ودیگر راحتوں کا فکر ہے ذرا مطمئن فرمادیں میرا بہت جی چاہتا ہے کہ آنجناب کی اس تجویز کے اثرات سنوں کہ جملہ اہل مدرسہ اس اسکیم کے مطابق تبلیغ کے لئے نکلنے والے ہیں اس کے ظہور میں کیا اور کیوں تاخیر ہے ۔دیگر اعزا کی خدمت میں سلام مسنون اور درخواست دعا

فقط والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ ۲۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ م
شعبان ۱۳۵۹ھ

از نظام الدین

مکرم محترم سلالہ خاندان نبوی مولانا مولوی سید ابوالحسن علی ندوی صاحب ارشدنا اللہ وایاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گرامی نامہ سامی عین شدید انتظار کے وقت کنول قلب کے کھلنے کا سبب ہوا ۔ اللہ تعالیٰ جناب کو مع جناب کے احباب کے مخلوق کے کھلتے رہنے اور سرسبز رکھنے کا راستہ ڈالنے والا بنا دیں بہت ہی جی خوش ہوا مراد آباد میں جو کچھ پیش آیا ۔ (۱)

(۱) نوح کے بڑے جلسے سے واپسی پر مراد آباد چند گھنٹے ٹھہرنا ہوا جس میں مدرسہ شاہی میں اساتذہ وطلبہ کے سامنے اس عاجز نے ایک تقریر کی جس میں مدارس کی اہمیت اور ضرورت بیان کرتے ہوئے دعوت عام اور عوام سے ربط و تعلق پیدا کرنے کی ضرورت پر کچھ عرض کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ آں ذات گرامی کو ایسے ایسے چشموں کے جابجا پیدا ہونے کا مخزن بنادیں۔

سابق تحریر لکھوانے کے بعد خدا جانے کس غفلت سے دن گذرے، باوجود دل پر سخت تقاضا رہنے کے جناب کو نیاز نامہ نہ لکھ سکا۔ آج یوم چہار شنبہ ۲۷ ذیقعدہ کو پھر لے کر بیٹھا ہوں خدا کرے کہ میں مقصد کو پورا کردوں، ذہن بالکل صاف ہے کوئی مضمون ذہن میں نہیں، بہرحال دو ضروری مضمون گذارش کرنے ہیں۔ اول یہ کہ میوات کے ڈیڑھ ہزار آدمیوں کے چار چار مہینے نکلنے کی اللہ جل جلالہ کے فضل سے ایک نعمت تلبیہ اور آمادگی کا بہت ناقابل اِحصا ہم پر انعام جلیل ہے، اس انعام کے مناسب شکر سے استقبال کرنے میں وعدہ لازید نکم جو سراسر حق اور لام کی تاکید اور نون کی تشدید سے جو اس کی توثیق اور تحقیق ہورہی ہے اور متکلم کی ذات گرامی کی طرف نسبت اور کم کے اوپر فعل زیادتی کے وقوع سے بقاعدہ "اذاثبت الشی ثبت بلوازمہ" جو اپنی فروانی اور پھلنے پھولنے کی امیدیں نعمت مذکور کے شکر کے استقبال کرنے سے وابستہ ہورہی ہیں وہ کسی بشر وملک کی انداز میں آنے سے بہت زیادہ نظر آتی ہیں، اس لئے بہت غور کرنا ہے کہ اس کا شکر کیا ہے تاکہ اس کو ادا کیا جائے آپ بھی اس میں غور کرکے اپنی مبارک رائے سے ہم خدام کو مشرف فرمادیں بندہ ناچیز کے خیال میں اس شکریہ کی جڑ ہاتھ میں اور قابو میں آنے کے لئے دو کام شروع کردینے چاہئیں ایک سب سے اہم سب کا مغز یہ کہ مکتوبات (۱) کے بعد اور اوقات سحر میں اور مشاغل حدیث و تفسیر کی تدریس کے اختتام کے وقتوں میں اور اس کے لئے مستقبل اجابت کے شروع کرکے دعاؤں کی کثرت دوسرے ان کی مدد کے لئے جس قدر ہوسکے اپنے سلسلہ تعلقات میں کامیاب بنانے کے لئے فراوانی کے ساتھ کثیر وقت کے لئے آدمیوں کو بھیجنا اگر تھوڑے وقت کو ملیں تو یہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

جناب کے موعود وقت میں تشریف آوری کا شدت سے انتظار رہے گا ان دو میں کی دوسری یہ ہے کہ جناب کے گرامی نامہ میں جس وقت یہ مبارک الفاظ پڑھے گئے ہیں کہ اظہار رائے اور تاثرات کا دائرہ ابھی عام نہیں ہونا چاہیے (۲) تو اس وقت بندہ ناچیز کے دل میں یہ تھا کہ یہ رائے آب زریں سے لکھنے کے قابل ہے اور میاں یوسف بہت کھل کھلا کر بولے کہ ہاں جی جب آپ مولانا سے اس مضمون کو اخبار میں دینے کی تاکید کررہے تھے

(۱) فرض نمازیں (۲) خاکسار نے اپنے عریضہ میں عرض کیا تھا کہ ابھی عام طور پر اس کے طریق کار اور اس کے تاثرات کے متعلق اخبارات میں مضامین لکھنے سے احتراز رکھا جائے تو بہتر ہے۔

تو ہم بھی یہ کہہ رہے تھے کہ یہ نہیں ہونا چاہیے ماموں کی بھی یہی رائے تھی اور شیخ الحدیث کی بھی رائے نہ تھی لیکن بایں ہمہ بندہ ناچیز کے نزدیک بڑے زوروں کے ساتھ ہر طرح کی اشاعتوں میں میرے اس مضمون کی جو اس وقت کہہ رہا تھا اشاعت کی بڑی ضرورت ہے لیکن جب تک مشاورہ میں کوئی مضمون طے نہ ہو جائے اس وقت تک تحریرات کے زور کی ابتدا نہ فرمائیں، کیونکہ میرے ذہن میں ایک ایسی اعتدالی صورت ہے جو اس رائے کے منافی نہیں اس وقت میوات سے الحمدللہ ثم الحمدللہ آمد شروع ہوئی ہے خدا کرے کہ پابندی اور دلجمعی رہے اور نکلنے کے زمانہ میں ایسی صحیح کوششوں میں مصروف رہیں جو دارین کی بہبودی کا باعث ہو اس وقت تک اسی سے زائد سو کے قریب آدمی آچکے ہیں سابق تحریر کی طرح اس کے شکر کی بڑی ضرورت ہے معلوم نہیں شروانی (۱) صاحب کو جناب نے ادھر لگانے کی کچھ ہمت فرمائی یا نہیں فرمائی اس وقت دہلی جانے کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں سب دوستوں کی خدمت میں سلام اور اشتیاق احوال

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم انعام الحسن

از انعام الحسن سلام مسنون گذارش دعا وشوق بقاء

سلالہ خاندان نبوت نقادہ معدن رسالت مکرم معظم مولانا جناب ابوالحسن علی صاحب

دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ گرامی نامہ صادر ہوا جناب والا کو جواب کی وجہ سے بڑی کوفت ہے۔ بندہ تو پہلے ہی والانامہ کا جواب دے چکا ہے نہ معلوم کیا وجہ ہوئی جو آپ تک نہ پہنچا بندہ شوال کی ۳ تاریخ دوشنبہ کو آٹھ بجے کی گاڑی سے روانہ ہو کر ایک بجے سہارنپور پہونچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور پھر زیادہ سے زیادہ ہفتہ کو نظام الدین واپسی ہوگی اس سے پیشتر جناب تشریف لاویں تو نظام الدین میں میری واپسی تک تشریف رکھیں۔ اپنے دوستوں کے لئے ہر وقت دعا گو ہوں۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم نصر اللہ سلام مسنون

۲۹ رمضان المبارک یوم جمعۃ از نظام الدین

(۱) نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمان صاحب شروانی۔

از نظام الدین

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ
بازمیگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ جات کے شرف ورود کے پہلے سے مضمون کی اہمیت بیحد متقاضی تحریر احوال تھی اس پر گرامی نامہ جات کے تقاضہ کو خود خیال فرماویں کس قدر محرک عرض حال کے ہوں گے ، مگر روزانہ حضرت حافظ حبیب الرحمن کو سامنے بٹھا کر اور تحریر کے جواب کے طبیعت پرزور دینے کے باوجود تحریر مقصد کی نزاکت اور مقصد کا عمق اور وسعت اب تک بھی کسی حرف کے لکھنے کی اجازت نہیں دے رہی ، تین اجتماع متواتر ہوئے ایک سہارنپور کا اس کے بعد ، الور کے قریب موضع انٹوال کا اس کے بعد ۴/مئی ضلع متھرا موضع ہاتھیہ کا ہیں ان تینوں میں جو خیریت اور برکت امیدوں کی سر سبزی کے منظر پیش آئے وہ احاطہ تحریر میں نہیں آسکتے ہیں اور نیز ان سب جگہوں میں اصول کی تھوڑی تھوڑی بے رعایتوں کی وجہ سے جو تھوڑی سی ہمت کرنے سے اس کی پابندی ہوجاتی اور اس پابندی پر وہ برکات اور امیدوں کی سر سبزی اور نصرت ازلیہ کی فراوانی قطرہ اور دریا لی نسبت وہ کثیر ہوجاتی پس ان دونوں باتوں پر نظر نے حیرت اور ضیق میں ڈالا ، کسی بات کی تحریر سے قلم کو روک دیا اب تک بھی کوئی بات لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی اگر ہوسکا تو شاید کسی وقت لکھوں والسلام

بندہ محمد الیاس
بقلم حبیب الرحمن ، سہ شنبہ ۶/مئی

از نظام الدین

مکرم محترم بندہ حضرت اقدس جناب سید صاحب **متعنا اللہ بانفاسکم الطیبہ**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کئی روز ہوئے گرامی نامہ سامی عزت بخش اور نفحات طیبہ روائح مانوسہ کے ساتھ عزت افزاء ہوا تھا ، فی الحقیقت تو اپنا ضعف اور غفلت اور عدم تیقظ سبب تاخیر جواب ہوا اور بہانہ اور تسویل کے طور پر معروفیت اور مشاغل سبب تاخیر ہوئے بہر حال جس مذہب کے لئے ہزار جانوں کا طیب خاطر سے پیش کردینا اس کی قیمت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا اور جس مذہب کی اصلی قیمت سوزشِ جگر اور خونِ دیدہ بہانا تھی اس کے

لئے ہمارا یہ برائے نام قدموں کا اٹھانا اور اس قدر ضعیف اور کم مقدار اپنی محنتوں کا وابستہ رکھنا اصلی فریضہ سے کچھ نسبت نہیں رکھتا، لیکن خدائے پاک کی ذرّہ نوازی اور مرحم خسروانہ اور اخیر زمانہ والوں کے لئے ان کی مساعی پر صحابہ کے پچاس کے برابر اجر و ثواب ملنے کی خوش خبریاں اور سچے وعدہ اور "**لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا**" کی جیسی بشارتیں ہماری ان سعیوں کے بارہ میں بڑی بڑی امیدیں دلا رہی ہیں، (**ف**) مذہب کے لئے ہزاروں جانوں کا طیب خاطر سے پیش کر دینا اس کی قیمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔ (**ف**) مذہب کی اصل قیمت سوزش جگر اور خون دیدہ بہانا ہے ۔ میرے حضرات! آپ صاحبوں کے سامنے لب کشائی کسی طرح گستاخی اور جرأت سے خالی نہیں، لیکن نہ اس وجہ سے کہ ان امور حقہ کی میرے پاس رعایت اور آپ کے پاس رعایت نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ آپ جیسے اس کا ارادہ فرماویں تو اس کو کر گزریں گے بوجہ اپنی خوبی طبع اور خوبی استعداد اور حق کے ساتھ حقیقی تناسب کے آپ اس کی قدر کے اہل ہیں ۔ ایک کام کی بات ایک اہل کی طرف پہنچانے کی نیت سے یہ خادم آستانہ عرض پرداز ہے کہ میرے حضرت! انسان ایک بحر عمیق ہے ۔ یہ دنیا میں قاعدہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے سبق لیتا ہے، لہذا جس سے سبق لے رہا ہے کسی چیز کی رغبت اور اس کا اثر اتنے ہی حصے میں لیگا کہ جتنے حصے میں اس اصل کے اندر اثر کئے ہوئے ہے، (**ف**) ایک انسان دوسرے انسان سے کسی چیز کا اثر اتنا نہ لے گا جتنی وہ چیز اس انسان کے اندر اثر کئے ہوئے ہے میرا مقصد اس معروض سے یہ ہے کہ نکلنے کے زمانہ میں ظاہر عبادات میں (جس میں سب سے اعلیٰ طلب علم اور اشتغال فی الذکر ہے) اپنے قلب کی کیفیت پر زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "**التقویٰ ھٰھنا**" لہذا ان چیزوں کے قیامت میں کام دینے کے قائل ہیں یا نہیں جس کا مدار خشیت کے ساتھ ان امور کے قیامت میں کام دینے کے یقین اور ایمان کے بقدر وابستہ ہے لہذا اس مجموعہ میں مشغول رہنے کی سعی کو بہت زیادہ لازمی سمجھا جائے (**ف**) نکلنے کے زمانہ میں جوارح کے عبادات میں مشغول ہونے اور قلب کی کیفیت پر زیادہ نگرانی کی ضرورت ہے) تعلم اور تعلیم کے لئے بندہ ناچیز کی رائے میں مبلغین اور راکنہ تبلیغ میں امور ذیل کی کتابوں کا رچ جانا بہت ضروری ہے جزاء الاعمال رسالہ تبلیغ، چہل حدیث شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب جو قرآن شریف کے بارے میں ہیں ۔ فضائل نماز، فضائل ذکر، حکایات صحابہ، ان سب کتب کو اصل بطور متن ٹھیرا کر ان ہی مضامین کی اور کتب سے تکمیل کی جائے تو اور بہتر ہے، حق تعالی سہل فرماویں ۔ اور قبول فرماویں، ان مضامین کے ذریعہ جذبات کو پرواز دینے کے ماتحت دوئم درجہ میں پھر

مسائل کو ساتھ ساتھ ضم کر دینا چاہیئے۔ حسب ضرورت ہر جگہ کے سید رضا حسن صاحب (۱) پندرہ روز سے تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ ابتدا تو میرے ساتھ ہوئی تھی لیکن میں ہفتہ کو جا کر پیر کو واپس آچکا تھا، موصوف اس وقت تک اب تک تبلیغ کے واسطے ہمت کے ساتھ گشت فرما رہے ہیں اللہ قبول فرما دیں اور مبارک فرمادیں۔ ان کے حاضر ہونے پر آپ کا پیغام عرض کیا جاوے گا۔ اسوقت کوئی خاص مضمون خدمت میں عرض کرنے کے واسطے میرے ذہن میں نہیں ہے باقی اتنا ضرور ہے کہ بندہ ناچیز کے ذہن میں یہ نقشہ ہے کہ جس طرح انگریزی سلطنت کے فوجی فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ دنیاوی معیشت کے لئے اللہ کی سنت حقیقی اعلاء مسلمین کے لئے ان کے اس طرح مذہب کے لئے کوششوں میں لگ جانے کے ساتھ وابستہ ہے **ولن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا.**

فقط والسلام

ان الذين آمنوا و الذين هاجروا و جاهدوا فی سبیل الله اولئک يرجون رحمة الله

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن مدرس ۶ محرم بروز دوشنبہ

از سگ آستانہ عزیزی و احمدی (۲)

بندہ محمد الیاس عفی عنہ،

بسلالہ خاندان نبوت جوہر تاباں معدن سیادت جناب سید صاحب دام مجدکم

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته، ایک اپنے خاندان کے ذرہ بے مقدار خادم سے اپنے ذاتی جوہر اور حسن ظن کے سرمایہ کی بدولت کیسی خدمت وابستہ فرمادی، یہ بندہ ناچیز نہ اس کا اہل ہے اور نہ بندہ کو مضامین پر دسترس ہے، لیکن عادۃ اللہ یہ جاری ہے۔ **انا عند ظن عبدی بی** آپ جیسے حضرات کے حسن ظن کا بھی اثر ہوگا اور نتیجہ ہوگا کہ جو فیاض ازلی سے کچھ نصیب ہو جاوے گا، مومنین کا باہمی حسن ظن ایک عجیب سرمایہ ہے اور حق تعالیٰ کے جود و سخا کے دہانے کھولنے کے لئے بہترین مفاتیح میں کی مفتاح رحمت ہے، اللہ آپ کی جوتیوں کی بدولت مجھے اور میرے سب دوستوں کو اس گرانمایہ دولت سے متمتع اور سرفراز فرمادیں اور مایہ دار فرمادیں۔ **(ف)** مومنین کا آپس کا حسن ظن

(۱) مولوی قاری سید رضا حسن صاحب مرحوم مولانا سید احمد صاحب مدارس اول دارالعلوم دیوبند مشہور عالم ریاضی کے پوتے مولاناؒ کے شاگرد مجاز معتمد خاص تھے سفر حج میں میوات کے کام کے نگران وذمہ دار اور سندھ و بھوپال اور کئی جگہ سلسلہ دعوت کے بانی امیر جماعت تھے اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں جو متفرق ہیں ان کی ذات میں جمع فرمادی تھیں شوال ۱۳۶۵ھ میں بھوپال میں انتقال کیا رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ (۲) حضرت شاہ عبد العزیز اور سید احمدؒ کی طرف اشارہ ہے

حق تعالیٰ کے جود و سخا کے دہانے کھولنے کے لئے بہترین مفتاح رحمت ہے)

میرے قابل قدر اور مخدوم بزرگ! نہایت غور کرنے کی چیز ہے کہ یہ ترددات دنیاویہ (۱) کی اصل کیا ہے اور یہ مادہ کہاں سے اٹھتا ہے اس پر غور کیا جاوے گا تو اس کا سراغ بہت بری جگہ گنگشن کا پتہ دے گا۔ یعنی یہ چیزیں غفلت کی بنا پر اپنے سرمایہ دھیان کو بے جگہ وابستہ کرنے کے ظلم کی وجہ سے ان ترددات کی بدلیاں اور ہوائیں اٹھتی ہیں لیکن واہ رے ہمارے مربی اعظم محمد مصطفیٰ ﷺ اور ہمارے رب اکبر جل جلالہ عم نوالہ کہ ان ترددات پر جب کہ ان کا گنگشن ایسا گندا ہے بجائے وعید اور ان ترددات پر گرفت کرنے سے کس قدر حکمت اور موعظہ حسنہ سے ہمیں ان کا علاج بتاتے ہیں۔ **ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ** الخ یہ تو علاج بتلایا، لیکن اپنی کریمی اور جواد بارگاہ سے باوجود ہمارے ان ترددات کے گناہ ہونے کے (چونکہ ان کا منشا غفلت ہے اس لئے یہ گناہ ہوا، اور جس پر قرآن پاک کی آیات میں جابجا متنبہ فرما رکھا ہے **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم** الخ وغیرہ وغیرہ) (ف) ترددات کی بدلیاں سرمایہ فکر کو بے محل لگانے سے اٹھتی ہیں) اسکے اور استقلال سے امور شریعت کے دھیان میں لگ جانے اور استغفار کرتے رہنے پر ان ترددات کے علاج کا بھی وعدہ فرمایا اور قیامت میں اجر جزیل کا بھی وعدہ فرمایا '**اولئک علیھم صلوٰت من ربھم**" الخ میری معروض کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ناچیز کی نظر میں انسان دو باتوں کا خیال کرے، اول یہ کہ یہ سب اپنی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر پیش آرہی ہیں جس کی بنا پر کثرت سے استغفار کرے، نیز باوجود اس کے چونکہ حق تعالیٰ کا اصول ہے۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** " چونکہ اس کے وجوہ کا معلوم کرنا اس کی وسعت سے زائد تھا اسلئے اس کی گرفت تو نہیں کی اور اس پر صبر کرنے اور اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھنے کی صورت میں ایسے ایسے درجات اور ایسی ایسی عطاؤں کے سچے وعدے حدیث و قرآن میں بھرے پڑے ہیں کہ جن کا احصا دشوار ہے غرض یہ کہ ایک تو اس نیں علاج کی ضرورت ہے وہ تو '**ان فی اللہ عزاء**" ہے اور میرے نزدیک وہ فی اللہ جو ہے وہ تبلیغ کے اندر دلبستگی اور شوق کے ساتھ لگ جانا ہے تبلیغ میں بہت وجوہ سے اللہ کے تقرب اور نسبت یا دداشت کے پیدا ہولے کے ایسے قوی اسباب جمع ہیں کہ اگر قدردان اس میں جانبازی اور سرفروشی کریں تو ہزاروں جان اور سر اس کی قیمت میں ارزاں ہیں اور دوسرے خود ان ترددات میں حق تعالیٰ سے اجر و ثواب کی کامل امید رکھیں، بلا تردد کامل یقین کے ساتھ تو ان ترددات کی تکالیف اپنے معاوضہ کے مقابلہ میں (جو انشاء اللہ ضرور ملے گا) قابل دھیان نہ رہیں گی) (ف)

---

(۱) خاکسار نے اپنے عریضہ میں اپنے بعض افکار و ترددات کی شکایت کی تھی اور دعا کی درخواست کی تھی۔

تبلیغ میں بہت وجوہ سے اللہ کے تقرب اور نسبت یا یاداشت کے پیدا ہونے کے ایسے قوی اسباب ہیں کہ ہزاروں جان اور سر اس کی قیمت میں ارزاں ہیں) یہ بندہ ناچیز جناب کے خاندان کے لئے عموماً اور جناب کی والدہ اور بھائی بہنوں کے لئے خصوصاً دعا گو ہے اور دعا جو ہے)میری طرف سے بھی سب سے درخواست دعا فرمائیں - جناب کی تشریف آوری کا مژدہ روئیں روئیں کو تر و تازہ کر رہا ہے - حق تعالیٰ ہمیں آپ کی ذات گرامی سے دارین میں منتفع فرمائیں یہ دونوں صاحب جو تبلیغ کے لئے تھے - ان کے لئے اور میرے لئے سرمایہ یہ ہے کہ آپ بزرگوں کی تازگی قلب کا سبب ہوا- اللہ تعالیٰ با برکت اور دارین میں نفع بخش فرمادیں اور پھولنے اور پھلنے والا فرمادیں - مجھے بڑا قلق ہوا کہ وہ مولانا عبد الشکور صاحب سے مل کر نہ آئے - اگلی دفعہ خدا کرے کہ کوئی ایسا موقعہ ہو تو بشرط مشورہ میں طے ہو جانے لکھنو میں جتنی جگہ اپنے احباب کی ہیں ان سب جگہوں میں تحریک کے سراغ کو تتبع کرنا چاہیئے ممکن ہو تو دریغ نہ کرنا چاہئے - فقط والسلام

رمضان المبارک کے بعد میرا عزیز مولوی ظہیر الحسن (۱) جو مولوی علاء الحسن اور مولوی بدر الحسن کے بیٹے اور بھتیجے ہیں جناب کے بھائی صاحب کی خدمت میں لکھنو علاج کے لئے جا رہے ہیں خدا کرے موصوف کی ظاہری و باطنی توجہات سبب شفا ہوں، تشریف آوری کی تاریخ اگر مجھے معلوم ہو تو میں اس زمانہ کے قیام کا اہتمام رکھوں - بظاہر تو مجھے کوئی سفر نہیں ہے لیکن پیش آتے کیا دیر لگتی ہے -

بندہ الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

بستی حضرت نظام الدین اولیا متصل دہلی

مکرم و عنایت فرمایم ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ !

کرم نامہ موصول ہوا حالات معلوم ہوئے -

میرے محترم ! یہ تبلیغی کام در حقیقت انسان کی روح کی غذا ہے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو اس غذا سے بہرہ ور فرمایا - اب اس عارضی فقدان یا کمی پر بے چینی لازمی شی ہے (۱) ، آپ اس سے پریشان خاطر نہ ہوں -

اگر کچھ روز کے لئے یہیں تشریف لانا ہو جائے ، تو حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ نفع بخش ہوگا تسکین خاطر بھی ہوگی اور کام کی جڑ بھی مضبوط ہوگی انشاء اللہ فقط بندہ محمد الیاس عفی عنہ

از احتشام سلام شوق یکم اکتوبر ۱۹۴۱ء

---

(۱) مولوی ظہیر الحسن کاندہلوی ایم اے علیگ جو مولاناؒ کے بھائی مولانا محمد صاحب کے حقیقی نواسہ اور مولانا کے ہمزلف تھے بڑے باخبر اور وسیع النظر زندہ دل دوست نواز وسیع الاحباب اور ظہیر بزرگ تھے سنہ ۴۷ کے ہنگامہ میں اپنے مکان پر شہید ہوئے اعلی اللہ درجاتہ۔

از نظام الدین

میرے مکرم و محترم مخدوم و معظم دام مجدکم

السلام علیکم و رحمة اللہ وبرکاته ،جناب کا گرامی نامہ سامی عزت بخش ہوا خدمت عالی میں بندہ نے عرض کیا تھا کہ یہ مبلغین کی جماعتیں میوات سے دہلی جب پہنچیں آنجناب اس وقت اعانت اور مدد کی ہمت فرماویں بندہ ناچیز کو اہل حق کے سامنے اپنے ضعف اور ہر طرح کی کمزوریوں کی بنا پر نہایت دشوار نظر آرہا ہے کہ اس حق بات کو پبلک کے سامنے کس قوت سے اظہار کرسکوں! دعا فرماویں کہ اللہ ہمیں ہمارے حوالہ نہ کریں بلکہ خود ہی اس حق کو علماً اور عملاً کھولنے میں ہماری مدد اور کارسازی فرماویں وہ یہ کہ حق تعالیٰ مسلمین اور مسلمین کے ذریعہ عامہ مخلوق کی طرف رحمت اور فضل و کرم کے ساتھ محض خالص اس طرز کے سرسبز ہونے ہی کے ساتھ متوجہ ہوسکتے ہیں ورنہ کمال قہر اور کمال لعنت اور نہایت غضب کے ساتھ اس وقت مخلوق کے ساتھ ارادہ کئے ہوئے ہیں، اس قہر کی آگ کا پانی اس تحریک کے سوا ہرگز کچھ نہیں (ف) حق تعالیٰ مسلمین اور مسلمین کے ذریعہ عام انسانوں کی طرف رحمت اور فضل و کرم کے ساتھ دین کی کوشش کے سرسبز ہونے ہی کے ساتھ متوجہ ہوسکتے ہیں)مذہب اور شریعت اسلام کا مدار اپنی زندگی کو اور اپنی جدوجہد ومساعی کو اپنی صوابدید اور اپنی عقل کی رسائی سے بالکل مبرا منزہ رکھتے ہوئے محض حق جل جلالہ کے فرمان پر اپنی جہد ناؤ کو دل وجان سے ڈال دینا بس یہی مذہب کی بنیاد ہے حتیٰ کہ جب کرے گا مصالح ضرور دکھاویں گی ایک لازمی چیز ہے (ف) اپنی زندگی اور اپنی کوششوں کی ناؤ کو اپنی عقل کی رسائی سے بالکل مبرہ منزہ رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے فرمان پر ڈالدینا مذہب کی بنیاد ہے۔)اس وقت جب یہ منفعتیں آنکھوں کے سامنے آنے لگیں اور مصلحتیں دکھائی دینے لگیں تو ان مساعی کا اجروثواب ہزاروں گنا گرجاتا ہے اور درد کم ہوجاتی ہے (ف) مصلحتوں منفعتوں کے کھل جانے پر مساعی کا اجر وثواب ہزاروں گونہ گرجاتا ہے) جیسا کہ غزوہ بدر کا واقعہ اصحاب بصیرت کے سامنے ہے کہ اس غزوہ کے بعد والوں کی مساعی گوزیادہ ہیں مگر پہلے والوں کے برابر درجہ نہیں ہے اور دوسری نظیر فتح مکہ ہے جس کو سورہ حدید میں صاف اتاردیا ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل تومقصد یہ کہ مذہب کو مصالح سے اس

(۱) رائے بریلی کے قیام میں بیکاری کی وجہ سے طبیعت میں بدمزگی اور بے چینی تھی خاکسار نے عریضہ میں اس کی شکایت کی تھی۔

قدر بعد ہے کہ مصالح کے آنکھوں کے سامنے آچکنے کے بعد اجرو ثواب نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ بندہ ناچیز اس وجہ سے پریشان ہے کہ ہمارے ہم زمانہ کی پریشانیوں اورآنے والے احوال کے بعوث سے پریشان تو اس قدر ہیں کہ جس کا کوئی حدوحساب نہیں میرااندر سے ضمیر اس قدر مطمئن ہے کہ اس چیز کے ساتھ انشراح صدر لئے ہوئے کھلے دل سے محض اس تحریک کو فروغ دینے میں یقین کرلیں کہ حق تعالیٰ شانہ **من کان للّٰہ کان اللّٰہ** کے وعدہ کے مطابق جب کہ ہم اس تحریک میں (جس میں سراسر سبزیٔ دین ہے) وثوق قلبی کے ساتھ اس میں اپنا علاج یقین کرکے اپنی جہدوں کو اس میں وقف کردیں گے تو حق تعالیٰ اپنے ارادہ غیبیہ کو ہماری سلامتی اور فروغ کی طرف قطعاً متوجہ فرمادیں گے اورآگے ظاہر ہے **واللّٰہ یفعل مایرید**

تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی ساری پریشانیوں کے دفعیہ اور علاج کے اس میں مضمر ہونے کو اس وقت پبلک کے سامنے کس طرح کھول دوں جی چاہتا ہے کہ آپ جیسے حضرات اس طرف متوجہ ہوں اس سے زیادہ کیا عرض کروں اس وقت مہمانوں کی زیادہ کثرت ہوگئی مولوی احتشام سے معلوم ہوا کہ مولوی منظور صاحب کی معیت میں قریب میں آپ کی تشریف آوری ہونے والی ہے حق تعالیٰ زیارت سے مشرف فرمادیں اور بابرکت کریں۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس بقلم حبیب الرحمان

از نظام الدین

مکرم ومحترم بندہ حضرت عالی جناب سید صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ! گرامی نامہ عالی بہت خوشیاں لیے ہوئے آرائش مجلس ہوا لیکن خبروں کے درجہ میں اللہ واقعات پر منتج فرمائیں اور ان خبروں اور واقعات کو اپنی قدرت سے کہ جس پر تن تنہا بلا کسی اور سہارے کے لئے یہ ساتوں زمین اور آسمان ٹکے ہوئے ہیں اپنے فضل سے اور رحمت سے اپنی ذاتی قدرت کے ساتھ ان خبروں اور واقعات میں اس قدرت کا ایسا لگاؤ کردے کہ یہ مدتوں چلنے والی ہو یہ ابال اور سطحی نہ رہے کہ دوچار صدیوں میں ختم ہوجائے۔ بنا کے محکم ہونے کی بہت ہی دعا فرماتے رہیں آج یہ بندہ اس دعوت کو لے کر مدرسہ امینیہ گیا تھا جس میں اللہ کے فضل ولطف اور رحمت نے بہت امید افزا صورت پیدا فرمادی، حضرت مفتی

صاحب نے تمام مدرسین اور طلباء کو جمع فرمایا اور میری تحریص کے بعد مولوی فخر الحسن صاحب نے تحسین فرمائی ان کے بعد حضرت مفتی صاحب نے باوجود وقت کے تنگ ہونے کے اس کی ضرورت ثابت فرمائی عنوان بہت ہی اچھا اختیار فرمایا، اس میں جہاں مدرسہ کے طلباء اور مدرسین سب شریک تھے شہر کے تجار اور مختلف لوگ بھی حاضر تھے۔ بندہ کی نظر میں جب تک تبلیغ کے سیکھنے کے لئے آمد کی ابتداء نہیں ہونے کی اور ساعیان تبلیغ خود مقامات تبلیغ پر تبلیغ کے لئے جانے کے ہر ہر مرکز سے تبلیغکے لئے کھینچنے کی کوشش کو اصل قرار نہیں دیں گے۔ تو یہ تبلیغ سسکی سے گہراؤ کی طرف رُخ نہیں کریگی یہ بہت گہرا قاعدہ ہے۔ (ف) ساعیان تبلیغ دوسرے مقامات پر جانے کے بجائے ہر ہر مرکز سے تبلیغ کے لئے کھینچنے کو اصل قرار دیں) فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

۲۹/جنوری سنہ ۱۹۴۲ء

از نظام الدین

السلام علیکم و رحمة اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ نے دل ہلادیا اور آنکھوں کو تر کردیا (۱) جن بیماروں کے ساتھ آپ کو تعلق خاطر ہے اپنا دل بھی وہیں پڑا ہوا ہے اللہ اپنے لطف سے اور خالص اپنی رحمت سے رضا بقضا کی تکمیل نعمت کے ساتھ **غیران عافیتک اولی بناورحمتک اجمل بنا** صحت اور پھر آپ کے تبلیغی مقاصد میں معاونت کی دولت بھی ساتھ ساتھ نصیب فرمادیں تبلیغ کے لئے کسی خاص جگہ کو مخصوص کرلینا اور باقی مواضع کو اس کے بعد رکھنا (۲) ایک سنگین بنیادی غلطی ہے خطرناک اور زہریلا خیال ہے ہرگز ہرگز اس کو دل میں جگہ نہ دیں اور اس خیال کو قلب میں نہ آنے دیں (ف) تبلیغ کے لئے کسی خاص جگہ کو مخصوص کرلینا اور باقی مواضع کو اس کے بعد رکھنا سنگین بنیادی غلطی ہے)(۳) جو موانع آپ نے تبلیغ کے لکھے ہیں وہ ظاہری اسباب میں سچ ہیں لیکن مسبب حقیقی کو اسباب

---

(۱) خاکسار نے اپنے عریضہ میں بعض مقامات کے لوگوں کی مسلسل بے التفاتی اور تبلیغ کی ناقدری اور استہزا کا ذکر کیا تھا نیز اپنے بھانجہ سید محمود حسن مرحوم کی تشویشناک علالت اور اپنے ایک رفیق تبلیغ مولوی معین اللہ ندوی کی بیماری کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے متعلق خاطر وانتشار طبیعت کا اظہار کیا تھا۔ (۲) بعض دوستوں کی تجویز تھی کہ ایک مقام پر توجہ مرکوز رکھی جائے اور جب تک اس کی اصلاح نہ ہو جائے دوسری طرف رخ نہ کیا جائے (۳) اگر ایک مقام ہی پر اپنی کوشش اور توجہ کو مرکوز نہ رکھا ہوتا اور دوسرے مقام کی طرف قطعاً توجہ نہ کی جاتی تو سخت ہمت شکنی اور شکستہ دلی کا باعث ہوتا اس لئے کہ بعض مقامات قطعاً اہلیت اور استعداد سے محروم ہیں مقامات کے تعدد اور تنوع کی وجہ سے ہمت افزائی اور تازگی کام میں رہی۔

بدلتے دیر نہیں لگتی تفصیلی گفتگو واقعی تشریف آوری پر ہی مناسب ہوگی اور ایک جماعت کا تبلیغ کے لئے سفر کرنا یہ مولوی زکریا کی رائے کے بعد ہو سکتا ہے مولوی احتشام صاحب بھی اس وقت کاندھلہ گئے ہوئے ہیں۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

بقلم حبیب الرحمان ۸ اپریل ۱۹۴۶ء

از نظام الدین

مکرم و معظم و محترم بندہ دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ ! آپ کا وہ گرامی نامہ سامی اس کا جو فوری جواب میری سمجھ میں آیا وہ جناب کی خدمت میں روانہ کر کے وہ نامہ سامی شیخ الحدیث کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا بندہ ناچیز بھی اس تبلیغ کے سلسلہ میں ایک تحیر کی حالت میں ہے مغز کی بات کی اپنے میں ادا کرنے کی اہلیت نہیں عمل تو در کنار اور عادات خداوندیہ اٹل ان کی نصرت اور رحمت اسی راستہ میں ہے جو واقعی ہے اب تک کی کوششوں کا جو خلاصہ ہے وہ ایک کافی مقدار عالم اسلام کا خیال کے درجہ میں متفق ہو جانا ہے کہ واقعی یہ اسکیم صحیح اور ایک کرنے کی چیز ہے اور مخالفت وشبہات کے امراض فی الجملہ ہلکے اور قلیل ہو گئے لیکن اس بندہ ناچیز کو جذبات کے غور کے ساتھ جو محسوس ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال کی سرحد عملی میدان کی حدود میں سنگین جبال ومناد ص خائل ہیں، لہذا ان جبال ومنادص پر نظر کرتے ہوئے توجہ الی اللہ اور توکل اور دعا کے ساتھ متوجہ ہونے کی ضرورت ہے حق تعالیٰ کی نصرت عزم کے ساتھ وابستہ ہے **واذا عزمت فتوکل علی اللہ** منظر کا تصور صحیح کر کے اس پر نظر رکھتے ہوئے توکل صحیح نصرت کا سبب ہوتا ہے بہر حال میرا مقصد یہ ہے کہ اس وقت کے کام کے لئے جدید عزم وہمت کی ضرورت ہے شیخ الحدیث سے جلسہ کے موقع پر آپ کی دعوت وفد کا ذکر آیا تھا انہوں نے ارشاد فرمایا کہ

رائے اور مشورہ کا درجہ تو یہ ہے کہ اول صورت انتفاع کے تتبع کے لئے چند لوگوں کا مشورہ ہو جائے جن میں خود شیخ الحدیث بھی ہوں اور آپ بھی ہوں اور میاں احتشام اور یہ بندہ ناچیز بھی اور میوات کے چند پرانے تجربہ کار بھی ہوں اور باقی جن لوگوں کے ساتھ اور جتنے وقت کے لئے آپ مجھے بھیجنا چاہیں میں سفر میں جانے کو تیار ہوں۔

برمی حضرات طلبہ شاید روانہ ہو چکے ہوں (۱) ان کی طرف سے تعلق خاطر ہے اور ان کی پریشانی سے نہایت طبیعت ملول ہے کاش وہ میرے پاس (دو تین) چلے گذار کر تشریف لے جاتے تو بہت سی برکات اور سہولتوں کی امید تھی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ صرف اب تک کی مقدار فہم پر کام کو کس طرح چلالیں گے بندہ ناچیز کے نزدیک یہ تبلیغ شریعت طریقت حقیقت تینوں کو علی الاتم جامع ہے سو جس نازک زمانہ میں کسی چیز کا ایک تہائی بھی دشوار تر ہو رہا ہو وہ بغیر تعلیم اور بغیر سیکھے اپنے تگنے کے ساتھ ضم ہو کر کیسے کیا جاسکتا ہے ہر حال اللہ ان کے لئے سہل فرماویں اپنی نصرت رحمت غفران ہر طرح کی خیر و برکت شامل حال فرماویں۔

۹ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

از نظام الدین مکرم محترم دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب عالی کے گرامی نامہ میں بستی کے متعلق جو تحریر تھا (۲) اسکے بارہ میں شیخ الحدیث دام ظلکم سے گفتگو ہوئی ان کی رائے جو نہایت مناسب ہے اور عین صواب معلوم ہوتی ہے کہ اہل بستی سالانہ جلسہ کیا کرتے ہیں جس میں مدرسہ مظاہر العلوم سے بھی حضرات تشریف لے جایا کرتے ہیں اگر وہ جلسہ قریب میں ہونے والا ہو تو اس میں تبلیغ کو ضم کردیں تاکہ اہل سہارنپور دوسرے سفر سے بھی سبکدوش ہو جاویں اس میں شیخ الحدیث صاحب بھی تشریف لے آئیں گے اور اگر اس جلسہ میں دیر ہو تو جناب عالی جو تاریخ مناسب سمجھیں مقرر فرما کر مطلع فرمادیں ان شاء اللہ وقت مقررہ حاضری کی کوشش کروں گا سب دوستوں سے سلام فرمادیں۔

فقط والسلام بندہ محمد الیاس بقلم انعام الحسن از انعام سلام مسنون

---

(۱) دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کچھ برمی طلبہ نے جن میں مولوی محمد انور برمی مولوی نجم الدین وغیرہ تھے اپنے ملک میں کام کرنا کا ارادہ کیا تھا۔ (۲) کرمی ضلع بستی میں ہدایت المسلمین ایک بہت قدیم مدرسہ ہے جو مولانا سید جعفر صاحبؒ کا قائم کیا ہوا ہے اسکے مہتمم مولانا ہدایت علی صاحب اس ناچیز کے توسط سے مولاناؒ کو زحمت دینا چاہتے تھے تاکہ تبلیغ کی بنیاد پڑ جائے)

از نظام الدین

مکرمی و محترم سیدی وسید عالم متعنا اللہ بطول حیاتکم وفاض علینا شابیب برکاتکم ونفعنا وجمیع المسلمین لعلومکم وخلوصکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ !

جناب کا گرامی نامہ کنول قلب کے کھلنے کا سبب ہوا اس وقت اس قدر عوائق سامنے ہیں ادھر میاں یوسف کے بوجہ ہاتھ میں کچھ نکلنے کے ادھر مولوی احتشام کے جامع مسجد میں گر کر ہاتھ میں کسر یا ضرب آجانے کے دونوں خاص تکلیف میں مبتلا ہیں شیخ الحدیث کو بخار بھی آیا اور مدرسہ کے خصوصی کاموں میں مصروف ہیں اور ان سب سے قوی مانع بالخیر یہ ہے کہ اس وقت میوات میں تبلیغ کے فروغ دیئے جانے کی شدید ضرورت پیش آئی ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے کچھ ایسے اسباب پیدا فرما دئے ہیں کہ اگر دس پندرہ دن کے لئے قوت مجتمع ہو جائے تو ان کا تبلیغ کے لئے نکلنا ۶۰ - ۵۰ کی مقدار سے ہزاروں کی مقدار کی طرف ترقی کر سکتا ہے اور اس وقت کی تھوڑی سی غفلت سے اس نکالنے میں کمی ہوگی تو پھر ایسا موقع آئندہ کو بظاہر نظر نہیں آتا ادھر یہ بات میں سمجھتا ہوں کہ جب تک پبلک کے سامنے عملی نمونہ نہ ہو تو محض منبروں پر کی تقریر عمل پر پڑنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی اگر تقریر کے بعد عمل پر پڑجانے کی اسکیم نہ ہو تو عوام کے اندر ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت پڑ جائے گی (ف) اگر تقریر کے بعد عمل پر پڑنے کی تجویز نہ ہو تو عوام میں ڈھٹائی اور بے ادبی کے لفظ بولنے کی عادت پڑجائیگی۔) اس لئے میرے خیال میں اس وقت آپ اور مولوی ہدایت علی صاحب اپنے اپنے اثرات سے جتنے آدمی کو لیکر آسکیں لیکر ورنہ اپنی ذوات نفیسہ کے ساتھ جلد سے جلد میواتیوں کو فروغ دینے کے لئے یہاں تشریف لے آویں اور یہ آمد کا زمانہ کسی قدر کافی ہو اس زمانہ قیام میں پھر سفر کے لئے کسی تشکیل کا مشورہ ہو جائے گا۔ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ پھر اس سفر کے لئے کوئی بہترین تشکیل پیدا ہو جائے گی۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ' بقلم حبیب الرحمن

۷ / مئی سنہ ۱۹۴۲ء

از نظام الدین

محترم بندہ دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب عالی کے دعوت نامہ کا اپنے لبیک کی تقصیر سے جو افسوس ہو وہ بجا ہے اور اگر اندرونی نفس کے چور کی وجہ سے اصلی سبب اس کی گرمی کی صعوبت اور سفر کا تپ وشدت ہو تو میں انکار نہیں کرسکتا "وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء" لیکن اصولاً میں اپنے نفس کو اس پر آمادہ کرنا چاہتا ہوں کہ "قل نار جھنم اشد حرا" لہذا میری نظر میں اور سطحی نظر میں میرے لئے جو وجہ مانع ہوئی وہ تو ایک ظاہری موانع مولوی زکریا، مولوی یوسف، مولوی احتشام ان تینوں کو لحوق امراض کی مانعت اور اس وقت تبلیغی منظر اس کا بشدت متقاضی تھا کہ جس قدر بھی ہوسکے خود اس جگہ مساعی کی قوت کو سمیٹ کر یکجا کیا جائے اور ہمت سے اس کو فروغ دینے میں اپنی جمعیت کو مجتمع اور انتشار سے اس کی حفاظت کی جائے اسی قدر آئندہ کے لئے امید افزا صورتیں پیدا ہوسکتی تھیں۔ بس یہ وجوہ بندہ ناچیز کی ظاہر بین نظر میں یا واقعی تھیں، یا تسویل نفس تھیں۔ میرے لئے مانع ہوئیں لیکن بایں ہمہ عدم تعمیل کا قلق ناقابل تحریر ہے۔ آنجناب کے یہاں سے مدد کا پہنچنا بہت ہی امیدوں کو گدا گداتا ہے، سب اعزاء اور دوستوں اور خاندان کے بڑے چھوٹوں خدمت میں ماوجب اور درخواست دعا، مولوی احتشام کے ہاتھ کی ہڈی دوبارہ ٹوٹی گئی اب اس کو اطمینان کی بتلائی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ طمانیت کے ساتھ خیریت سے عافیت کاملہ کو پہنچادیں۔ یوسف کے ہاتھ کا زخم روز دھویا جاتا ہے اور کھولا جاتا ہے۔ بتی ابھی تک اندر جارہی ہے۔ رو بہ اصلاح ہے، سہارنپور سے کئی دن سے مولوی زکریا کے بال بچوں کی خیر وخبر نہیں آئی۔ فقط والسلام

بندہ ناچیز محمد الیاس عفی عنہ

۲۶ / مئی سنہ ۱۹۴۲ء

۷۸۶

مکرم محترم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب نے بہت دفعہ تحریر فرمایا ہے کہ تیری تحریر میرے ایمان کی حیات کا سبب ہے۔ تو حضرت حیات تو جسمانی بھی بہت قیمتی ہے۔ ایمان کی حیات تو کچھ ایسی آسان سہل قبضہ کی چیز نہیں کہ جب چاہے خطوں میں روانہ کردیا کرے۔ بہر حال احوال اللہ کی کیفیت کا ایک تو وہ رخ ہے کہ حق تعالیٰ کے

کی عنایات اور اس کی انواع رحمت سے تعلق رکھے ہے، سو اس کی انوع واقسام ہر نوع سے اس کثرت افضال اور اس کی عنایات اور اس کی انواع رحمت سے تعلق رکھے ہے، سو اس کی انوع واقسام ہر نوع سے اس کثرت

افضال اور اس کی عنایات ہیں کہ بارش یا دریا سے تشبیہ دینا ظلم اور تنقیص ہے، جامعہ ملیہ والے علو ہمت کے ساتھ اپنا جز ادارہ بنانے کی فکر ہے، ہیں کہ بارش یادریا سے تشبیہ دینا ظلم اور تنقیص ہے، جامعہ ملیہ والے علو ہمت کے ساتھ اپنا جز ادارہ بنانے کی فکر

ہیں تشکیل سوچی جارہی ہے اس گذشتہ جمعہ کو، ۲۰، ۲۵ اہل دہلی جس میں جامعہ کا بھی وفد شامل تھا تجویز ڈاکٹر ذاکر

صاحب کی ہی تھی جو بڑے شوق اور خلوص سے تھی مگر علین اس وقت پر شدید بیماری کی وجہ سے تشریف نہ لے جاسکے

اتنی ہی مقدار تقریباً میواتیوں کی لیکن اتنا فرق ہے کہ دہلی والے ۵-۶ روز کام کرکے واپس آگئے۔ لیکن میوات والے

حق تعالیٰ ان کے استقلال کو قبول فرمادیں اور زیادہ سے زیادہ ان کی اقتدا کو روز افزوں فرمادیں۔ وہ اب کا جمعہ کیرانہ

گذار چلے، اللہ چاہے اگلا جمعہ جھنجھانہ گذاریں گے۔ بڑا نمایاں تغیر وانقلاب یہ ہے کہ آپ کے تشریف لے جانیکے بعد کی

مساعی پر میوات کے علاوہ بھی لوگ حرکت کرتے ہیں اور نکلتے ہیں، علماء میوات والی اسکیم (۱) نے کچھ اثر قبول نہیں کیا

حقیقت میں یہ اسکیم بڑی گھری ہے اور بہت ٹھوس ہے، ایمان بالغیب یہی چاہتا ہے کہ بڑی دشواری اور بڑی کوشش

سے جاری ہو، انبیاء علیہم السلام ارشاد وہدایت میں جتنے برحق ہیں۔ شیاطین کا اضلال اتنا ہی یقینی ہے، اس کے واسطے

آپ بہت ہی کوشش کریں قاضی زین العابدین (۲) اور مولوی سلیمان نوحی سے آپ براہ راست گفتگو کریں۔ اندرونی

کیفیت اس کی قبولیت اور ترقی اس قدر ہے جو وجدان سے تعلق رکھے ہے، قید تحریر سے مفید نہیں ہو سکتی اور رہی

دوسری جانب اس بارے میں اپنے قصور اور کوتاہی کی مین اپنی مساعی کو، اپنے درد کو اس بارے میں اپنی آواز کو جس

قدر حق تعالیٰ نے مجھے اس بارے میں وضوح فرمادیا ہے اس سے کچھ نسبت نہین پاتا، لہذا کرم ہو تو اُس کی شایان شان

ہے اور اگر عدل ہو تو ہرگز کوئی صورت نجات نہیں۔ فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ

۷/اگست سنہ ۱۹۴۲ء

از راقم الحروف بندہ محمد یوسف سلام مسنون و گذارش دعا

از نظام الدین دہلی

۱۶/اگست مکرم و محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب عالی کے گرامی نامہ نے عرصہ سے ہم

---

(۱) خبر تل ریاست الور کے ایک جلسہ کے موقع پر اس عاجز نے علماء میوات کو اس دعوت پر متوجہ کیا تھا اور عرض کیا تھا کہ اس میں مدارس کا بقا ہے۔ (۲) قاضی زین العابدین محمد سجاد صاحب میرٹھی۔

لوگوں کو تشنہ کام بنا رکھتا ہے۔ خدا کرے مانع بخیر ہو، آپ کے یہاں کے حالات کا انتظار ہے، میرا ارادہ شعبان کا آخری نصف حصہ سہارنپور گذارنے کا تھا، مگر مبلغین کی جتنی مقدار کی بنا پر یہ ارادہ تھا اتنی مقدار اس وقت وہاں موجود نہیں، صرف تیس کے قریب آدمی وہاں پر اس وقت کام کر رہے ہیں، اگر اس وقت کافی مقدار میں مبلغین وہاں موجود ہوئے تو انشاء اللہ العزیز شعبان کا آخری حصہ وہاں پر گذارنے کا قصد ہے، حق تعالی کامیاب فرمائیں مدرسہ مظاہر العلوم کے طلبہ نسبتاً بہت کچھ آمادہ نظر آتے ہیں۔ اگرچہ حقیقتاً بہت زیادہ بُعد ہے، اس میں آپ حضرات کی اعانت اور توجہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے گذشتہ اتوار کو میوات میں نور کے قریب جلسہ ہوا۔ جس میں شیخ الحدیث صاحب بھی تشریف لے گئے تھے جلسہ دو جگہ ہوا جلسہ کی برکات تحریر میں نہیں آسکتیں۔

جناب عالی کے جوانب میں جو کام ہو رہا ہے اس کی روئداد کے منتظر ہیں سُنا ہے کہ جامعہ ملیہ میں بھی تبلیغی جنبانی ہو رہی ہے۔ بہت نازک مسئلہ ہے اس کی آبیاری کی صورتوں کی شکل نکالیں اور کم سے کم دعا سے ضرور اعانت فرمادیں۔

فقط والسلام

از انعام الحسن کاندھلوی بعد سلام مسنون آنکہ، جناب کے گرامی نامہ کا انتظار بھی عجب کیف آور ہے۔

از نظام الدین

۱۸/ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء

مکرم و محترم بندہ حضرت مولانا صاحب۔ دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حضرت عالی جناب کا ہدیہ سنیہ ہدیہ ناطقہ (۱) موجب عزت اور باعثِ سرفرازی اور ہزار ہا ہزار موجب منت و کرم ہوا۔ جناب کا یہ فرمانا کہ آپ کی پوری کمائی ہے، حضرات! آپ ذرا قوت فکریہ سے کام لیں یہ بات نہیں ہے، بلکہ آپ کی بہت سی کمائیاں ہیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب (۲) آپ کی کمائی ہیں، مولوی ہدایت علی صاحب جو بیسوں بلکہ پچاسوں علماء کے مرجع ہیں وہ جناب ہی کی کمائی ہیں، اللہ جل شانہ' بعض دفعہ کلمہ طیبہ اپنے صلحا سے ایسے موقعہ پر ادا کراتا ہے کہ کہنے والے کو مخاطب کے منتفع ہونے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، پھر

(۱) رمضان المبارک کی تعطیل میں اس خاکسار کے خاص رفقاء تبلیغ میں سے دار العلوم کے طلبہ مولوی قاضی معین اللہ کوالیاری، مولوی عبد الغفور جونپوری، مولوی محمد مصطفےٰ بستوی، اور مولوی محمد ظہور فتحپوری نظام الدین گئے میں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ یہ احباب میرے دست راست اور اسوقت تک کی کمائی ہیں۔ اسپر یہ گرامی نامہ صادر ہوا۔ (۲) مولانا عبد الغفور صاحب ندوی نگرامی (۳) (۱) مولانا ہدایت علی صاحب مہتمم مدرسہ ہدایت المسلمین کرمی ضلع بستی۔

حال بہت گرامی قدر تحفہ جناب نے روانہ فرمایا، اللہ آپ کو جزائے خیر دیں، آپ کی سعی کو مشکور فرماویں، میں اپنی حالت کو کیا عرض کروں، "دو گونہ رنج وعذاب است جانِ مجنوں را" جس وقت سے طلبہ اور علماء کا طبقہ اس کام کی طرف متوجہ ہوا ہے اس وقت سے میری طبیعت پر ایک نیا بار ہے۔ چونکہ کوئی کام کبھی کسی طرح بے کئے نہیں آسکتا، اب جتنی میں یہ کام آسکتا ہے اس کے مکارہ اور اُس کی برداشت اور اس میں استقلال بس رمضان المبارک ہے، اللہ سے دعا کرنے کی چیز ہے۔ (ف) اللہ جل شانہ' بعض دفعہ اپنے بندوں سے کلمہ خیر ایسے موقعہ پر ادا کراتا ہے کہ کہنے والے کو مخاطب کے منتفع ہونیکا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا)

اللہ کو بہت آسان ہے ہمیں قوت دیں کہ ہماری نظر حق تعالیٰ کی بسہولت کردینے پر رہے اور طرفة العین جو ظاہر اسباب کی دشواری یقینی ہے اس پر ہماری نظر نہ جاوے، صرف پہلی صورت ہمت کی بقا کی ہے، بہر حال پورا منظر جناب تشریف آوری کے بعد دیکھیں گے۔ بڑی خوشی کی چیز یہ ہے کہ مظاہر العلوم سے بھی ۱۴ نفر کچھ تکمل سند لئے ہوئے اور زیادہ تر درمیانی طلبہ بھی تبلیغ کے لئے آئے کچھ واپس بھی ہوئے اور زیادہ تر باقی ہیں، خواجہ عبد الحی بھی آخر عشرہ اس مسجد میں اعتکاف کا ارادہ فرمارہے ہیں۔

۷۸۶

سہارنپور، مدرسہ مظاہر العلوم

مکرم محترم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب کا گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا ایک سفر سہارنپور کا درپیش تھا۔ عین روانگی کے وقت موصول ہوا۔ حضرت والا نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ دو باتیں لکھ دینا، جو حاضر خدمت ہیں، اول یہ کہ رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے "نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ" رمضان المبارک افضل الشہور اور ہر نیکی کو سیکڑوں کردینے والے اور مدرسہ کے مشاغل سے اہل مدرسہ کو فارغ کردینے والے ماہ میں اس کام کو شروع نہ کرنا شیطان کا فراغت کے وقت کو نکال دینا ہے، اس کام کو اس مہینہ میں تو خصوصیت سے کرنا چاہیئے کہ اہل مدارس کے فراغت کا وقت ہے نیز ہر چیز کی تجارت کے قیمتی ہونے کے مخصوص اوقات ہوتے ہیں، اس کام کے بیش از بیش قیمتی ہونے کا یہی زمانہ ہے یہ شیطان کا دھوکا ہے کہ اس کام کو رمضان کے بعد تک شروع نہ کیا جائے۔ حضرت ناظم صاحب سے اس کے متعلق گفتگو فرمادیں۔ دویم یہ کہ نماز کی ظاہری صورت یہ لباس ہے اس کا ملبوس اور اصلی حقیقت خشوع وخضوع وحضور قلب ہے، نماز کی ظاہری ترقی سے خوش ہونا آگے کی ترقی سے روک دیتا ہے، جس قدر ممکن ہو اس

کی حقیقت اور مغز پر آمادہ کرنا اور لگانا چاہیئے۔ زبان عربی کی احیاء سنتہ سے مسرت ہوئی۔ (۱) حق تعالیٰ دیگر اہل مدارس کی توجہ کا ذریعہ بنائیں آئیں! تمام دوستوں کو سلام فرمادیں۔

فقط والسلام انعام الحسن کاندہلوی

از انعام الحسن سلام مسنون

حضرت والا کو مستقل جواب لکھانے کی فرصت بظاہر دشوار تھی اِس لئے یہ مضمون بتادیا تھا۔

۲/فروری سنہ ۱۹۴۳ء ۷۸۶

یوم منگل

المخدوم المحترم مکرم بندہ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب زید لطفہ

السلا م علیکم و رحمتہ اللہ و بر کاتہ! امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والا نامہ بروز جمعہ موصول ہو کر باعث صد مسرت ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ عزیزم محمد یوسف ایک جماعت لے کر میوات میں گشت کے لئے گیاہوا ہے اگر ہوسکے تو بہت بہتر ہو کہ آپ اپنے متعلقین میں سے ایک دو یا زیادہ جتنے ہو سکیں ان کے ساتھ کچھ دنوں گشت کے لئے روانہ فرمادیں بالخصوص اگر مولانا محمد منظور صاحب تیار ہو جائیں تو بہت ہی باعث برکت ہوگا۔ نیز ایسے ہی مواقع پر شریک گشت ہونے سے اس کام کی حقیقت سامنے آسکتی ہے۔

فقط والسلام ، بندہ محمد الیاس عفی عنہ

بقلم محمد سلیمان غفرلہ'

۱۴/فروری سنہ ۱۹۴۳ء

مکرمی و محترمی

السلا م علیکم و رحمتہ اللہ و بر کاتہ! مزاج مبارک، کارڈ آپ کا موصول ہوا، حالات معلوم ہوئے، عزیزم محمد یوسف وانعام الحسن وغیرہ کی جماعت نے میوات سے اس دفعہ بہت سی جماعتیں نکالی ہیں۔ بحمد اللہ ان کی مساعی سے کثرت سے آدمی آرہے ہیں۔ کراچی کا وفد جا چکا ہے۔ لاہور تک مولانا محمد احتشام الحسن صاحب تشریف لے گئے

---

(۱) تبلیغ کے لئے باہر جانے میں کچھ دن یہ التزام رہا کہ مدرسہ کے طلبہ آپس میں عربی میں گفتگو کیا کریں، مولانا کو اس کی اطلاع دی گئی تو مسرت کا اظہار کیا۔

تھے۔ کل بروز ہفتہ شام تک پہنچ گئے ہوں گے لاہور میں جماعت نے بہت جم کر کام کیا، بفضلہ حسب منشا کامیابی ہوئی۔ اونچے طبقہ کے لوگوں نے بہت زیادہ دلچسپی لی۔ اس ہفتہ میں غالباً آخر تک مولوی یوسف وغیرہ بھی اپنے ایک ماہ کے گشت سے فارغ ہو کر واپس ہو جاویں گے ۔ **فقط والسلام**

مولوی منظور احمد صاحب (۱) مایہ دار ہیں، چور ہمشہ مایہ دار پر آیا کرتا ہے اس لئے مجھے اطمینان نہیں کہ جو موانع ان کے لئے اس سے پہلے اس طرف آنے سے مانع تھے وہ اب زائل ہو گئے ہیں۔ خیر یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ مولانا کے آنے کا کونسا مہینہ ہے، جس میں انہوں نے آنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ جس کارڈ کا یہ جواب ہے چونکہ اس میں روانہ کرنے والے کا نام نہیں تھا اس لئے یہ مولانا ابوالحسن علی کے نام روانہ کیا جاتا ہے، مضمون اصل صاحب خط کے نام ہے

فقط والسلام

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۴۳

مکرم و محترم جناب مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و بر کاتہ! امید کہ مزاج گرامی بخیر ہو گا، والا نامہ شرف صدور لایا، جواباً عرض ہے، لکھنو کے بارے میں شیخ الحدیث صاحب آپ کے خطوط اور آپ کی برکت سے بہت زیادہ نادم ہیں کہ تشریف نہ لا سکے، خود مجھ پر انہوں نے کئی دفعہ تقاضا فرمایا ہے۔ اول تو جناب کی علالت اس سے مانع رہی کہ آپ کی عدم موجودگی میں جانا نہ جانا، پھر یہاں کے پے بہ پے مشاغل و موانع بھی سامنے آتے رہے، منجملہ ان کے مولانا انتشام الحسن صاحب کی بیماری بھی ہے۔

لہذا اب تک کی تاخیر باعث خیر ہی ہو سکتی ہے اب میں کل بروز ہفتہ ۱۳ مارچ کو بسلسلہ تقریب شادی صاحب زادی مولوی ظہیر الحسن صاحب کا ندھلہ جا رہا ہوں وہاں غالبا شیخ الحدیث صاحب تشریف لاویں گے وہاں کوئی بات جیت کر کے مطلع کروں گا آپ کی تندرستی کے زمانہ کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ مولوی ہدایت علی صاحب کو بھی جواب ارسال کر دیا گیا ہے ان کے پہلے خطوط دستیاب نہ ہو سکے۔

فقط والسلام، بندہ محمد الیاس عفی عنہ، بقلم محمد سلیمان غفرلہ،

راقم الحروف احقر محمد سلیمان کا خدمت والا میں سلام مسنون عرض اور درخواست دعا

محمد سلیمان غفرلہ۔ ۵ ربیع الاول سنہ ۶۲ھ

مولوی محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان"

۲۶ مارچ سنہ ۱۹۴۳ جمعہ

حضرت المکرم زید مجدکم السامی

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و بر کاتہ! امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، آج بعد نماز جمعہ والانامہ صادر ہوکر کاشف حالات ہوا، میں دعاگو ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپس کی خلیج اختلاف رفع فرمادیں (۱) ہمارے لکھنو آنے کے التوا کے متعلق صحیح رائے تو شیخ الحدیث ہی تحریر فرماویں گے۔ لیکن میری اپنی رائے میں مدرسہ کے اختلاف کے رفع کرنے کیلئے یہ صورت زیادہ مناسب اور بابرکت نیز باہمی اتفاق کیلئے داعی ہوگی کہ آپ اہل مدرسہ کو اس کام کے لئے بالخصوص ہماری آمد کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ تیار فرماویں ان ایام میں بہت زیادہ انہماک سے اس میں حصہ لیں تو مجھے امید قوی ہے کہ انشاءاللہ آپس کا اختلاف ضرور زائل ہو جاوے گا۔ مولوی ضیاالنبی صاحب (۲) یہاں تشریف لائے مولانا احتشام الحسن صاحب آج کل کاندھلہ ہیں قریب ہی ہیں، آنے کی امید ہے نہایت مناسب ہے کہ جناب مولوی منظور احمد صاحب کو یہ تحریر فرمادیں۔ کہ جیسے انہوں نے اب سے پیشتر اور دیگر کاموں کے لئے مستقل وقت دیا ہے کچھ وقت مستقل طور سے اس کے لئے بھی عنایت فرماویں، **فقط والسلام،**

بندہ محمد الیاس عفی عنہ راقم الحروف بندہ محمد سلیمان کا بھی خدمت والامیں سلام مسنون عرض ہے۔

۸/جون سنہ ۱۹۴۳ منگل

حضرت المحترم زید مجدکم العالی

سلام مسنون آپ کا گرامی سامی موصول ہوکر باعث صدعز وافتخار رہا، حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو جس راہ پر بھیجا ہے شیطان اسی راہ سے ہٹانے اور اکھاڑنے کے لئے آیا ہوا ہے، جو شخص جتنا لگا ہوا ہے اسی کی مقدار شیطان اس کے اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے علماء کرام بھی ان ہی میں سے ہیں پھر علماء میں سے بالخصوص وہ لوگ جو لگے ہوئے یا لگنے کا ارادہ کرچکے ہیں ان ہی میں سے آپ ہیں جب آپ اس کام میں لگنے کا پورا اور مکمل ارادہ فرماچکے تو پھر اتنی تاخیر کی کیا وجہ یا تو اپنی مقامی جگہ میں کام میں لگے رہنے کی کوئی مستقل صورت پیدا کیجئے یا پھر جلد از جلد یہاں چلے آیئے ۲ جولائی سنہ ۱۹۴۲ مطابق ۲۸ جمادی الثانی سنہ ۶۲ھ یہاں بروز جمعہ نوح

(۱) دارالعلوم میں طلبہ و بعض مدرسین اور منتظمین مدرسہ میں کچھ کشاکش پیش آگئی تھی جس کیطرف اشارہ ہے

کل آپ کے مدرسہ کی تعطیل کا زمانہ ہے طلبہ غالباً فرصت میں ہوں گے جس طرح رمضان میں آپ نے ان کے نکالنے کی کوشش فرمائی تھی اب بھی اگر مدرسہ کے کھلنے تک ان کو آمادہ کر کے یہاں روانہ فرمائیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور مدرسہ کے روبااصلاح ہونے کا اچھا ذریعہ ہے۔ بیں جلسہ ہے اس سے جتنے پہلے آپ آسکیں تشریف لاویں ۔ نیز مولانا محمد منظور صاحب کو بھی اطلاع کر دیں آج

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم محمد سلیمان غفرلہ

مخدومی و محترمی حضرت سید صاحب ادم برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا تاخیرِ جواب بہت سی عوائق کی وجہ سے ہوئی ، منجملہ آں یہ ہے کہ ہمشیرہ مولوی یوسف سخت علیل ہیں سہارنپور سے بغرض علاج دہلی لائی گئی ہے کمزور بے حد ہے اپنی اپنی جگہ سے نقل و حرکت دشوار ہے اور تمام گھر والے ملیریا میں مبتلا ہیں، اپنی فطری کمزوری سے اس کے صحیح علاج کو چھوڑ کر (جو تبلیغ میں لگ جانا اور آپ جیسے حضرات خصوصاً سادات کرام کی خدمت ہے) مادی علاج میں مشغولی ہے بہر حال نہایت ندامت ہے اور یہ تاخیر جواب کا عذر نہیں ہے بلکہ اعتراف قصور واظہار عجز ہے حضرت پھوپھی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کے سانحہ ارتحال کی خبر سے انتہائی قلق وصدمہ ہوا حضرت پھوپھی صاحبہ کا سایہ آپ کے سر سے نہیں اٹھا بلکہ تمام ان متوسلین کے سر سے اٹھا ہے جو حضرت سید صاحب کے دامن سے وابستہ ہیں اور جن کے قلوب میں حضرت صاحب کی عظمت و محبت راسخ ہے سب شریک غم ہیں اور سب کو شریک ہونا چاہیے ، اگر کسی کو احساس نہ ہو یہ اس کی بے حسی ہے حق تعالیٰ مرحومہ کو اپنے محاسن و مکارم اور ان حقوق کے مطابق جو ہم سب پر واجب ہیں بلکہ اپنے فضل و کرم کے مناسب ترقی درجات و رضا عطا فرمائیں۔

آپ کی تشریف آوری کی خبر سے مسرت ہے اور آپ کے غم سے غم۔ آں محترم کی توجہاتِ عالیہ سے تبلیغ کو جس قدر نفع پہنچا ہے اب تک لگنے والوں میں سے کسی سے نہیں پہنچا ، اللہ تالی آپ کی مقدس توجہات کو اس

---

(۱) مولوی ضیاء النبی عباسی صاحب جونپوری حال مقیم کانپور

طرف اور زائد سے زائد مبذول فرمائے۔

مرحومہ کے ایصال ثواب کے لئے اس کارِ تبلیغ سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے خصوصاً جب آپ جیسا صاحب علم و عمل وزہد و تقوی توجہ ہے اس میں لگ کر کرے مرحومہ کے ایصال ثواب کی نیت سے زائد سے زائد اس میں توجہ مبذول فرمائیں آپ کی تشریف آوری کا انتظار ہے حضرت پھوپھا صاحب (۱) حضرت چچا صاحب (۲) اور تمام متعلقین کی خدمات عالیہ میں سلام عرض کردیں۔

مولوی احتشام الحسن صاحب اور قریشی صاحب (۳) ایک جماعت کے ہمراہ ۲۲ دن سے بنگال گئے ہوئے ہیں غالباً جمعرات تک دہلی پہنچیں گے توجہاتِ عالیہ اور دعوات صالحہ کا امیدوار ہوں۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس غفرلہ ۲۷ اکتوبر سنہ ۴۳ء

۶۸۷

مکرم بندہ زادت مکارمکم (۴)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا گرامی نامہ عزیزی مولوی یوسف سلمہ کے نام آیا جس میں تحریر تھا کہ میری تحریرات کے اقتباسات جمع کئے جارہے ہیں (۵) اس جملہ سے بڑی خلش ہوئی کیونکہ میں پہلے عریضوں میں مولانا ابوالحسن علی صاحب کو بھی تحریر کرچکا ہوں کہ تحریرات عمل کا وسیلہ ہیں اور میری تحریرات ہی کیا تحریرات اگر کافی ہوتیں تو حضرت سید صاحب اور حضرت مجدد صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تحریرات کم نہیں اور ان سے اوپر قرآن حدیث بھی اس زمانہ میں بغیر عمل کے ناکافی ہورہے ہیں تو اس وقت عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ سابقہ تحریرات بھی کارآمد ہوں اسی کے ماتحت یہ عرض کرتا ہوں کہ ۱۶ جنوری کو نوح میں میوات کے چوہدری اور سربرآوردگان کو جمع کیا گیا ہے جو خطہ میوات کے ارکان سمجھے جاتے ہیں یہ بہت اجنبی ہیں اور اس کام سے بہت دور، ان کو اس

---

(۱) مولانا سید طلحہ صاحب (۲) جناب سید محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم جو حضرت سید صاحب کے حقیقی نواسہ کے صاحبزادہ اور اس وقت ان کے قریب ترین وارث تھے (۳) جناب محمد شفیع صاحب قریشی مولانا کے معتقد و معتمد خاص اور ایک بڑے تاجر۔ (۴) بنام مولوی عبدالغفار صاحب جونپوری (۵) مولاناؒ کے مکاتیب کے اقتباسات سے الگ ایک رسالہ مرتب کررہا تھا جو بعد میں ایک اہم دعوت کے نام سے شائع ہوا۔

کام میں لگانے کی نیت سے چار پانچ روز قبل اور پانچ سات روز بعد قیام کی نیت سے جتنے حضرات کو ہمراہ لا سکیں تشریف لا کر عمل کی آبیاری میں سعی فرماویں تمام محبین سے سلام فرماویں۔فقط والسلام

بندہ محمد الیاس

باسمہ سبحانہ

حضرت المحترم زید مجدکم السامی

سلام مسنون! مزاج، سامی والا نامہ شرف صدور لایا۔ حالات تبلیغی سے آگاہی ہوئی اپریل میں جماعت کا آنا مبارک ہو (۱) مگر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبل ازیں کہ وہ جماعت یہاں تشریف لاوے اپریل سے پہلے اگر جناب والا کے زیر نگرانی اصول کی پابندی کرتے ہوئے وہیں پر کچھ دنوں کام کرے اور اس طریق سے کچھ کام کی مناسبت پیدا کرلے تو پھر اپریل میں یہاں آنا بہت زیادہ مفید ہوگا لہذا اس وقت مقررہ سے پیشتر اس جماعت سے آپ اپنی نگرانی میں وہاں کام کرائیں میں اپنی تندرستی کے لئے دعا گو ہوں (۲) مگر بدیں شرط کہ میں اپنے اوقات کو نظام الاوقات سے گزار سکوں اور میرے اوقات کا کوئی حصہ لایعنی میں صرف نہ ہو جیسا کہ میری موجودہ حالت اب ہے جو چیز میرے بغیر نہ ہو سکے اس میں دخیل بنوں ورنہ سب کا انصرام جماعت کرلے مجھ سے مشورہ لیتے رہیں، یہ سبق میں نے اپنی اس بیماری سے حاصل کیا ہے۔ محمد رابع چلے گئے (۳) مولوی عبداللہ صاحب (۴) یہاں موجود ہیں طلبہ کل چلے جاویں گے۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم محمد سلیمان غفرلہ

۱۴ مارچ ۴۴ء

---

(۱) مولانا کا مرض وفات شروع ہو چکا تھا اور بیماری کا اشتداد تھا عریضہ میں عرض کیا گیا تھا کہ آپ کی زندگی امت کی امانت ہے اور دین کی ملکیت اس لئے دین کی نصرت سمجھ کر اپنی صحت کے لئے دعا فرمائیں (۲) محمد رابع سلمہ مکتوب الیہ کے بھانجے جو دہلی ساتھ گئے تھے اور ان کو چھوڑ کر خاکسار پشاور گیا تھا (۳) مولوی عبداللہ صاحب پھلواروی ندوی مدرس دارالعلوم

۷۸۶

مکرم و محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب عالی کا ۲۰ اپریل سے مسلسل انتظار ہے۔ جناب کی کام کے ساتھ جو وابستگی ہے اسی کی وجہ سے ہم سب کو آپ کی احتیاج اور ضرورت ہے اور آپ کو اس میں زائد سے زائد وقت اور ہمت صرف فرمانے کی ضرورت ہے، اس وقت فوری اور ایک اہم ضرورت جو درپیش ہے وہ یہ کہ مبلغین کی معتدبہ جماعت کراچی گئی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایک تار جناب کو دعوت کا آیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ حیدر آباد سندھ میں ایک بڑا جلسہ ہونے والا ہے اس میں اکابر مثلاً مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا طیب وغیرہ ہما اکابر علماء امت شرکت فرما رہے ہیں اس میں تبلیغی دعوت کی اہمیت کے ساتھ بیان کرنے اور اس کام پر آمادہ کرنے کے لئے شدید ضرورت ہے۔ آپ اس کو اللہ سے مانگتے ہوئے اور اسی پر بھروسہ فرماتے ہوئے اور استقلال اور دلجمعی کے ساتھ دعوت دینے کے عزم سے حیدر آباد سندھ تشریف لے جاویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ شانہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ جناب کے لئے بہت زیادہ خیر و سعادت کا باعث ہو گا۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس بقلم انعام الحسن

خرچ کی جو جناب کو ضرورت ہو وہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے لے لیں

بنام میاں جی محمد عیسیٰ

از نظام الدین:۔

عنایت فرمایم میاں محمد عیسیٰ صاحب نور کم اللہ بنور الاعمال و ثبتکم علی الاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے یکے بعد دیگرے دو گرامی نامے پہنچے مجھے بہت افسوس ہوا اور تعجب ہے کہ آپ کے پہلے گرامی نامہ کا جواب نہیں گیا۔ میں اپنے دھیان میں کبھی کا جواب لکھ چکا ہوں، شاید فیروز پور وہ جواب پہنچا ہو گا اور میاں الیاس نے روانہ نہیں کیا ہے، بہر حال آپ کے مجموعہ احوال سے آنکھوں کو فی الجملہ ٹھنڈک اور قلب کو راحت اور سرور ہوا۔ میرے پیارے عزیز! نہ کرنا ایک عیب اور کرنا سو عیب رکھتا ہے۔ کار آخرت پر کھڑے ہونے والے کے لئے شیطان

کے حملہ اور رکاوٹ بقدر مایہ کی قیمت اور گرانی کے ہوتی ہے۔ (ف) شیطان کا حملہ اور رکاوٹ مایہ کی قیمت اور گرانی کے بقدر ہوتی ہے) لیکن اللہ کا فضل اور اس کی دستگیری شامل حال رہے تو ان **کید الشیطن کان ضعیفا** حق تعالی آپ کو اس کے مکائد سے محفوظ رکھیں اور رشد و ہدایت اور اپنی رضا کے راستہ پر استقامت بخشیں تمہاری آنکھیں اپنے بیوی بچوں اور والدین کی طرف سے دینی سرسبزیاں دیکھ کر خوش و خرم رکھیں ذکر کے بارہ میں تسبیح میں زیادتی کے متعلق اصل یہ ہے کہ بغیر صحبت بتلا دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، یہ طریقت تین چیزوں کے مجموعوں کا ایک نسخہ ہے سب اقتصار کے ساتھ ہم وزن رہیں تو مفید پڑتا ہے ورنہ نقصان دہ ہوتا ہے وہ تین چیزیں ایک صحبت ہے جب کہ مع اپنے آداب و عظمت وغیرہ کے ہو۔ (ف) طریقت تین چیزوں کا مجموعہ ہے صحبت وآداب و عظمت کے ساتھ نفس کے حقوق جب کہ حظوظ سے ہوں اور اللہ کے حکم کے ماتحت نگہداشت ہو تیسرے ذکر کی پابندی بیدار دلی اور رضا الہی کے لئے مشقت کے ساتھ) دوسرے اپنے نفس کے حقوق جب کہ حظوظ سے محفوظ ہوں اور اللہ کے حکم کے ماتحت نگہداشت ہو۔ تیسرے ذکر کے سب معمولات جب کہ استقلال اور بیدار دلی اور خالص اللہ کی رضا کے لئے نفس کو مشقت میں ڈالنے کی نیت سے ہوں، نفس قدم بقدم اپنے حصہ کی راہ نکالتا رہتا ہے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔ اگر آپ سے ذکر کے بعد ہو سکے تو میرے سے ملنے تک قیامت کے حالات کا جس قدر استقلال سے ہو سکے اس کو حق اور اپنے اوپر آنے والا سمجھتے ہوئے دھیان کیا کرو اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی دل سے تصدیق کیا کرو کہ جو رسول اللہ ﷺ بتلا گئے ہیں وہی آخرت میں کام آنے والا ہے۔ (ف) قیامت کے حالات کا دھیان اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق مراقبہ)

(۱) وتروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھا لینے چاہئیں۔ جیسے تکبیر تحریمہ میں۔

(۲) بھولے سے دونوں میں ایک سورت پڑھنے سے استغفار کرے آئندہ بچے اور نماز ہو جائے گی۔

(۳) "قل اعوذ برب الناس" پہلی رکعت میں پڑھے تو اس بارہ میں یہ ہے کہ عالم گیرؒ اماموں کا انتخاب کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک امام نے پہلی رکعت میں "قل اعوذ برب الناس" پڑھی اور اس کے بعد الم پڑھی تو عالم گیرؒ نے اس کا عہدہ بڑھا دیا بس میرے یہی یاد ہے۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن

عزیزی محمد عیسیٰ صاحب اذاقنا اللہ وایاک حلاوۃ الایمان و ذوق الایقان -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خدائے پاک کا بہت بڑا شکر ہے اور ہزار ہزار شکر ہے کہ حق جل و علی شانہ نے ذکر کی ابتداء پر قبولیت کے آثار مرتب فرمائے بارگاہ اقدس سے دھکے دینے پر ابتداء نہیں فرمائی اس کا جس قدر بھی شکریہ کیا جاوے وہ کم تر از کم ہے اللہ تعالیٰ آپ کے لئے مبارک فرماویں اور ثبات سے روز افزوں ترقیات کرتے ہوئے موت کے وقت نہایت سرگرمی سے اپنے میں مشغول ہوتے ہوئے موت مقرر فرمائیں اصل مدار موت کے وقت سرگرمی کا ہے۔

میرے عزیز! چند باتیں ہمیشہ دھیان رکھنے کے واسطے ذرا سن لیں۔ (ف) اصل مدار موت کے وقت سرگرمی پر ہے) اول یہ کہ دین کے جتنے کام ہیں وہ مزا آنے کے واسطے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کے موافق امتثال امر اور اس کی رضا کا یقین ہونے کے واسطے ہیں، جس کے اندر جی کا لگنا اور گھبرانا دونوں برابر ہو کر نگاہ صرف اس بات پر جمتی چلی آوے کہ اللہ کے حکم (جب کہ اس کے حکم کے موافق بھی اپنا سب عمل ہو) کی تعمیل (سرگرمی کے بقدر) (ف) دین کا کام مزا آنے کے واسطے نہیں بلکہ عظمت حکم کے ساتھ امتثال امر اور اس کی رضا کا یقین پیدا کرنے کے لئے ہیں) حق تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مغفرت سے بھری ہوئی ہے اس کا یقین ہو تو آدمی کی نظر اپنے احوال اور اس کے آثار پر نہ ہونی چاہئے، بلکہ حکم کی موافقت اور حق تعالیٰ کی رضا کے حصول کے یقین پر رہنی چاہئے۔ خوب سمجھ لو اس راہ میں سر پر آرہ کا چلنا اور تخت سلیمانی کا ملنا دونوں ایک درجہ ہو کر نظر انداز ہو جانے ضروری ہیں دوسری بات یہ ہے کہ عمل بلا صحبت اور صحبت بلا عمل خطرہ سے خالی نہیں ہوتی اور ہر ایک کے الگ الگ اصول ہیں بلا اصول کے بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ (ف) بندگی کی راہ میں سر پر آرہ کا چلنا اور تخت سلیمانی کا ملنا دونوں نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں)

میرے عزیز! جو کچھ کر رہے ہو بہت غنیمت ہے مگر نہایت عظمت کے ساتھ پاس آکر رہنے کی بھی ضرورت ہے آنے سے پہلے آداب صحبت سے واقف ہونا بہت ضروری ہے کوئی چیز بلا آداب کے مفید نہیں ہو سکتی۔ آداب کے معنی اصول کے ہیں یہ کبھی جی کا لگنا نہ لگنا صوفیاء کے یہاں قبض و بسط کہلاتا ہے۔ ہر چیز اپنی اپنی لائن پر اتنی بڑھتی ہے کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں، قبض کی لائن کے پھر مصائب ہیں اور مکروہات اور خلاف طبع واقعات ہیں اور بسط کی لائن میں مخلوقات خداوندیہ کی تسخیر اور کثرت ہے اور یہ دونوں حالتیں امتحان کے لئے ہیں ہر ایک دونوں رخ رکھتی ہیں حق تعالیٰ کی رضا کا بھی اور لعنت کا بھی جو شروع ہی سے قبض و بسط دونوں کی لائنوں کے نظر انداز کرنے کا عادی نہ ہو گیا ہو

وہ کبھی نہ کبھی پھسلے بغیر نہ رہے گا جب تک آدمی عالم امکان میں ہے یہ دونوں چیزیں ضرور پیش آئیں گی۔
دنیا کا مفہوم نگاہ میں بہت غلط ہے معیشت دنیا کے اسباب میں مشغول ہونے کا نام دنیا میں نہیں ہے دنیا پر لعنت ہے اور لعنت کی چیز کا خود خدائے پاک کی طرف سے حکم نہیں ہو سکتا۔ لہذا جس چیز کا حکم ہے اس کا حکم سمجھ کر اس کے ماتحت اس کے حلال و حرام کا دھیان کرنا اس کا نام دین ہے اور حکم سے قطع نظر کر کے خود اپنی ضرورتوں کو محسوس کرنا اور حکم کے علاوہ اور وجہ اس کے ضروری ہونے کی قرار دینا اس کا نام دنیا ہے۔ حتیٰ کہ دین کا کام جی لگنے کی وجہ سے کریگا تو یہی دنیا ہے۔ کام میں مشغول ہونے کی وجہ کو دھیان میں رکھے کہ وہ کیا ہے اگر وہ جی لگنے کی وجہ سے ہو تو وہ دنیا ہے گو وہ عبادات ہوں اور ہر حکم کو معلوم کر کے اس کی تحقیق میں لگے رہ کر اس کے موافق کرتے رہنا اس کا نام دین ہے۔ خوب یاد رکھو میں دعا گو ہوں اور سب سے دعا کراؤں گا آپ بھی میرے لئے اور میرے تمام علائق کے لئے دعا فرماتے رہیں۔ روزہ میں مسواک کرنا مستحب ہے۔ کچھ حرج نہیں۔ (ف) دین کا کام جی لگنے کی وجہ سے کرنا بھی دنیا ہے) ختم میں شریک ہونا مستحسن اور آپ کے بزرگوں کا معمول ہے۔ لیکن اگر مبتدعین کے ساتھ تشبہ کا خطرہ ہو تو احتیاط مناسب ہے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک کے اندر بھی یہی بات ہے کہ اگر حضور ﷺ کو حاضر ناظر جان کر یا مبتدعین کے تشبہ کی صورت ہو تو ناجائز ہے اور غلبہ شوق میں اپنی طرف سے پڑھے تو مضائقہ نہیں۔ یہ ایسی نازک چیزیں ہیں کہ ان کے اندر فساد عقیدہ کا موقع شیطان کو ملنے کا بہت امکان ہوتا ہے، لہذا خطرناک ہیں۔ موسیٰ کے متعلق آپ اللہ سے دعا تو زیادہ کرتے رہیں اور اس کے بڑوں کو یہاں بھیجنے کی کوشش کیلئے تقاضا لکھیں تبلیغی امور میں تحریراً تقریراً اور عملاً ہر پہلو سے کوشش کرتے رہا کریں، دین کی تکمیل تبلیغ کے فروغ کے بغیر ناممکن ہے۔ فقط والسلام

جس جس سے مناسب ہو سلام فرمادیں

بندہ محمد الیاس عفی عنہ' از نظام الدین

از نظام الدین بقلم شوکت علی خادم، ۹ شوال المکرم

بخدمت عزیزی میاں محمد عیسیٰ صاحب ارشدنا اللہ وایاکم وثبت قلوبنا علی سعیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کئی دن ہوئے آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ دین کی ترقی سبقت اور اس کے لاؤ کی خبر مبارک باد ہی کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ روز افزوں ترقیات نصیب فرماویں اور اپنی محبت اور یقین کامل کے ساتھ دین کے پھیلانے کی سرگرمیوں کی حالت میں مقدر فرماویں، دنیا میں جتنی سرگرمیاں ہیں وہ حقیقت میں موت کے

وقت کے لئے ہیں اللہ اپنے فضل سے وہ زندگی نصیب فرمائیں کہ سبقت کرنے والے آدمیوں کے سامنے آنکھ ندامت کی نہ ہو۔(ف) اللہ اپنے فضل سے وہ زندگی نصیب فرمائیں کہ سبقت کرنے والے کے سامنے ندامت کی آنکھ نہ ہو) تبلیغ کے سلسلہ میں میرا جی چاہ رہا ہے کہ ایک نصاب مقرر ہو کر وہ ہر ہر شخص کے یہاں رگ و پے میں سما جاوے جس کو یوں جی چاہتا ہے کہ اگر ایک شخص پڑھا لکھا ہے۔ اول تنہائی میں دیکھا کرے اور پھر سنایا کرے اور اس میں جو اعمال ہوں اس پر اول اپنے آپ کو جمانے کی کوشش کرے اس کو مجمع میں پھیلادے، بالفعل پانچ کتابوں کا اہتمام ہے۔ راہ نجات، جزاء الاعمال، چہل حدیث (شیخ الحدیث والی) فضائل نماز، حکایات صحابہ، ان پانچوں کے جزوِ زندگی ہونے پر اہتمام کیا جاوے۔ لہذا آپ بھی اس کی پابندی سے مجھے مطلع فرمادیں۔

تبلیغی جماعتیں اس وقت سب واپس ہو چکیں، اب بیرون ملک میں (۱) کوئی جماعت نہیں ہے۔ کاش ایسا وقت ہو جاوے کہ قوم کے لاکھوں آدمی باہر گئے ہوں، قوم کے لاکھوں آدمی کا باہر پھرتے رہنا جزوِ زندگی بنا دیا جاوے تو یہ بہت سہل ہے آپ کوشش فرماتے رہیں گے تو یہ کچھ بعید نہیں ہے۔ البتہ بڑی خوشی کی خبر یہ ہے کہ رائسینا والی پال (۲) نے اپنے تمام بھائیوں میں تبلیغی امور کو پھیلانے کا کچھ ارادہ کیا ہے آپ کے والد و چچا چوہدری یسین خاں صاحب وغیرہ باہمت چودھریوں کو اس معاملہ میں زور دار کوشش سے ہمت کے ساتھ لگادیں، تو موجب اجر جزیل ہوگا۔ آپ بھی فیروز پور میں اپنے دوست احباب کو اس کی تاکید کریں۔ بڑا تعجب ہے کہ گھر سے مشکلوں سے نکلیں اور باہر نکل کر گھر بڑا یاد آتا ہے کاش تبلیغ کے بجائے گھروں پر رہنا ہی مشکل ہو جتنا آج کل تبلیغ میں رہنا مشکل ہے۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

عنایت فرمایم جناب منشی میاں جی محمد عیسیٰ صاحب **اسئل اللہ لی ولکم الرشد والسلامة**

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ شوال سے محرم تک خدا جانے آپ کے کتنے خطوط آچکے، لیکن تبلیغ کی سرگرمی اور آپ کے بعض سوالات کے جواب کی نزاکت اور سفروں کی کثرت وغیرہ وغیرہ امور سے میرے دل کو قلق ہے کہ جواب نہ جاسکا۔ اور پھر آپ کی تحریروں کے طویل ہونے کو بھی اس جواب میں بڑا دخل ہے بہر حال اس وقت آپ کے تین خط میرے سامنے ہیں ایک سولہ ۱۶ شوال کا، ایک میں آپ کی تاریخ نہیں ملی، ایک ۲/۱۲ فروری کا، میں اللہ

(۱) میوات کے باہر (۲) پال میوات کا بڑا قبیلہ جس میں بہت سے گھرانے ہوتے ہیں۔

سے دعا مانگتا ہوں کہ آپ کے خاطر خواہ تینوں کے متعلق کوئی بات لکھ سکوں۔ قبض و بسط کے لئے اصل تو یہ ہے کہ ابھی ان چیزوں کے فکر میں نہ پڑو۔ دوم یہ ہے کہ اس تحریر کو جسے میں پہلے لکھ چکا ہوں کبھی کبھی دیکھ لیا کرو۔ سوم مختصراً اس کا جواب یہ ہے (گو اس وقت میری طبیعت متوجہ اور حاضر نہیں ہے مگر تم نے کہہ دیا ہے تو میں مختصراً لکھتا ہوں) کہ اللہ نے انسان کی ترقی کا مدار جیسا سانس کے اندر رکھا ہے، تم دیکھ رہے ہو کہ ایک اندر جاتا ہے ایک باہر آتا ہے۔ (ف) جس طرح انسان کی زندگی دو سانسوں پر ہے اسی طرح اس کی ترقی خواہش کے پورا ہونے اور رکاوٹ پر ہے) ان دو سانسوں کی طرح کبھی انسان جو چاہ رہا ہے اس کے پورا ہونے اور کبھی اس کے اندر کی رکاٹوں میں ترقی رکھی ہے جوں جوں اللہ کے ہر حکم میں اللہ کی عظمت پر نظر رکھنے کی عادت کو اتنا بڑھا لیا جائے کہ اس کی عظمت کا دھیان اپنے مقاصد کے پورے ہونے اور نہ ہونے کے تاثرات پر غالب ہو جائے اسی میں انسانؑ کا کمال ہے۔ جی کا لگنا اور جی کا گھبرانا پہلا بسط ہے اور دوسرا قبض ہے۔ (ف) قبض و بسط درجہ نبوت تک انسان کے لئے لازمی ہیں بسا اوقات مقاصد کے پورے نہ ہونے پر طبیعت گھبراتی ہے بسا اوقات پورے نہ ہونے پر طبیعت کھلی رہتی ہے)

یہ انسان کے لئے سانس کی طرح لازم ہیں درجہ نبوت تک یہ انسان کے لئے لازمی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں چیز مقاصد کے پورے ہونے اور نہ ہونے پر منحصر نہیں ہیں بسا اوقات مقاصد کے پورے نہ ہونے پر طبیعت کھلی رہتی ہے آداب کے واسطے آپ مولوی یوسف (۱) مولوی عبد الغفور وغیرہ ذی بصیرت علماء سے کتابیں دریافت کر کے مطالعہ کرتے رہیں مختصر یہ ہے کہ ہیبت اور عظمت اور محبت کے ساتھ چھوٹے سے چھوٹے وہاں کے رہنے والے کے ساتھ محبت رکھتے ہوئے اور اعتراض بچاتے ہوئے اور صفات حمیدہ پر جو کہ واقعی ہیں ان پر نظر جماتے ہوئے وقت گذارنے کا نام ادب ہے اگر دین میں شبہ ہونے لگے تو جم کر یہ کہہ لیا کرے **آمنت بما آمن به محمد** ﷺ پچھلے کے وقت اٹھنے کی ایک دعا ہے آپ تشریف لاویں گے تو میں اپنی حصن حصین کتاب میں دکھا دوں گا اور بہتر ہو کر آپ کہ حصن حصین خرید کر کسی پڑھے لکھے کو سنا دیں اور پھر اس کا ایک ورد روزانہ پڑھ لیا کریں وہ پچھلی میری دعا پڑھ لیا کریں ان شاء اللہ شک نہیں ہوگا۔ نیز زبان سے یہ کہہ لیا کریں اور سوچ لیا کریں کہ اس کا فرمانا تو حضور ﷺ کے ساتھ وابستہ ہے بعض حکیموں تک کی باتوں کا ہماری سمجھ پر مدار نہیں نیز گھبرانے کے وقت میں کسی دینی کام پر جمے رہنا آدمی کو صابرین میں صرف یہی ایک صفت زیادہ تر

(۱) صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب (۲) مولوی عبد الغفور صاحب مرحوم ساکن فیروز پور نمک مدرس مدرسہ مدین الاسلام نوح۔

شامل کرسکتی ہے جن کے متعلق اللہ فرماتے ہیں **ان اللہ یحب الصابرین** بارہ تسبیح ملاقات پر رکھیں ختم کی جو صورت آپ نے تحریر فرمائی ہے (**ف**) چھوٹے چھوٹے آدمی کیساتھ محبت رکھتے ہوئے اعتراض سے بچتے ہوئے اور واقعی صفات حمیدہ پر نظر رکھتے ہوئے وقت گذارنا ادب ہے) دوسروں پر اعتراض مت کرو اور خود اس کو تنہائی میں پڑھ لیا کرو اس کا پڑھنا سوتے وقت مسنون ہے لیکن یہ طرز مشروع نہیں ہے حضور ﷺ کے اوپر کا درود بہترین عمل ہے مگر جو طرز آپ نے لکھا ہے یہ بھی سلف میں نہیں ہے لہذا آپ خود محترز رہیں اور جو آپ کے عقیدے پر اعتماد رکھتا ہو اس سے بھی آپ یہ کہہ دیں اپنے ساس سسر والے گاؤں میں تبلیغ کے لئے جماعتیں بھیجنے کی کوشش کریں، خود ان کو براہ راست خطاب کرنا جبکہ خطاب کی ناقدری شروع کردی ہے ٹھیک نہیں اس کے پاس کے دو چار کوس جو گاؤں ہیں نئی ہے سنگار ہے، بچھوا، ان سب جگہوں کے میاں جیوں (۱) اور ٹھونڈوں (۲) کے حالات تحقیق کرکے ان کو جماعتیں کے لے جانے کی تاکیدیں کرو اس عمومی کوشش سے انداز دیکھتے رہو اور بات تاکتے رہو اس طرح ان کے اندر صلاحیت پیدا ہو جائیگی اور پھر خطاب مفید ہوگا ورنہ پہلے سے زیادہ خطرہ ہے (**ف**) جب خطاب کی ناقدری شروع ہو جائے تو تبلیغ میں براہ راست خطاب نامناسب نہیں اس کے ماحول میں تبلیغ کرے) فیروز پور نمک اور اڈبر چندینی نگلی روپڑا کا وغیرہ کے لوگوں کو بھی تبلیغی جماعتیں نکالنے کی تاکید کرتے ہوئے اس سمت میں جماعتیں نکالنے کی تاکید کرو ہمیشہ آدمی ماحول کا اثر لیا کرتا ہے اس لئے زیادہ تر کوشش عام ہوا کے بدلنے میں رکھنی چاہیے۔ موسی خاں کے متعلق میں نے بھی کوشش کی اور معلوم ہوا کہ تمہارے والد نے بھی کوشش کی لہذا اس کے متعلق یہی وہی بات ہے جو تمہارے ساس سسر کے متعلق ہے عام ہوا کے بدلنے کی کوشش کرو اور اس کی طبیعت کی پرواز کا انداز کرتے رہو اور پھر خطاب کرو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا (**ف**) آدمی کا ماحول اثر کرتا ہے اس لئے زیادہ تر کوشش عام ہوا کے بدلنے کی کرنی چاہیے۔) اس وقت الحمد للہ کہ وہ تبلیغ کو گیا ہے یہ آنے والا جمعہ کرنال پڑھیں گے کوئی شاباشی اور طبیعت بڑھانے والا مضمون بتوسط نواب ذوالفقار علی خاں صاحب کرنال کے پتہ سے لکھ دیں اور اگر ایسے وقت میں خود آسکیں تو بہت ہی اچھا ہو اور اسی جگہ اس کو خرچ بھیجدو تو تبلیغ کے زمانہ میں کسی کی اعانت کرنے میں گھر بیٹھے اعانت کرنے سے ستر ہزار گونہ زیادہ ثواب ہوتا

---

(۱) میوات میں کچھ پڑھے ہوئے لوگوں کو میاں جی کہتے ہیں (۲) ٹھونڈے یعنی مکھیا وغیرہ

ہے بیماری اور ضعف کی وجہ سے جو یہ اوراد لکھنا ہوں ان کا اعادہ نہیں اور نہ پڑھنے سے آہستہ پڑھ لینا بہتر ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادے سعید کو دارین میں سعادت مند کرے آپ میرے اہل وعیال بچوں دوستوں سے محبت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی جزا عطا فرمائیں الحمد للہ اب دونوں خیریت سے ہیں آپ مطمئن رہیں آپ کا تین تسبیحیں پڑھنا جس تفصیل سے آپ نے لکھا ہے مناسب ہے اور مبارک ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت اور سعادت طمانیۃ نصیب فرمادیں آپ کے دوسرے خط میں جو آپ نے ایک ماہ کے انتظار کے بعد تحریر فرمایا اسکے تاخیر جواب سے تو مجھے بھی ندامت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دیں اور میری ان کوتاہیوں کو معاف فرمادیں اس میں تبلیغ کی سرگرمیوں کا ذکر ہے کہ ۸۰ آدمی یہاں تبلیغ کے لئے آئے اور پچیس آدمیوں کی جماعت تیار ہے پہلی خبر الحمد للہ ثم الحمد للہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور کرم واحسان اور نعمت جلیلہ ہے کہ اس نے اسی آدمیوں کی تعداد ایسے نازک زمانہ میں کہ جہاں اس عمل کو حقارت سے دیکھا جارہا ہے اور اس کی ناقدری کی جارہی ہو، ایسے زمانہ میں دین کے فروغ دینے کے لئے گھر سے نکلے مگر میرے عزیز اللہ کا شکر بجالانے کے بعد اپنی کوتاہی پر بھی ندامت کے ساتھ ایک گہری نظر ڈالنی چاہیے کہ پندرہ سالہ کوشش کے بعد تبلیغ کے یہ انوارات یہ برکات اور یہ عزت اور یہ دنیا کے اندر نام آوری اور یہ ہر طرح کی نورانیت اور بہبودی کھلی آنکھوں محسوس کرتے ہوئے پھر کل اسی آدمیوں کی مقدار نکلی تو اتنے لاکھ مقدار میں کتنی قلیل ہے اور پھر نکل لینے کے بعد گھر کے واپس جانے کو اتنا بیقرار کہ ان کا تھامنا مشکل گھر سے نکلیں تو مشکل سے اور نکلنے کے بعد یہ ختم ہونے والا گھر اپنی طرف کھینچتا رہے تو یہ دین کا گھر کس طرح آباد ہوگا جب تک گھروں پر رہنا اتنا دشوار نہ ہونے لگے جیسا اس وقت تبلیغ میں رہنا ہے اور جب تک تبلیغ سے واپس جانا اتنا طبیعتوں پر دشوار نہ ہونے لگے جیسا اس وقت تبلیغ کے لئے دشوار ہے اور جب تک تبلیغ کے لئے چار چار مہینے ملک در ملک پھرنے کو جزو زندگی بنانے کی کوشش کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ آپ لوگ کھڑے نہیں ہونگے اس وقت تک قومیت صحیح دین داری کا مزہ نہیں چکھے گی۔ اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہیں ہوگا اور اب تک جو مقدار ہے ایک عارضی ہے اگر کوشش چھوڑ دو گے تو قوم اس سے زیادہ گرے گی اب تک جہالت اس کی حفاظت کر رہی تھی اور شدت جہالت کی وجہ سے دوسری قومیں ان کو ہستی میں شمار نہ کرنے کی وجہ سے توجہ نہیں کرتی تھیں اب تاوقتیکہ دین کی قلعہ بندی سے اپنی حفاظت نہیں کریں گے دوسری قوموں کا شکار ہو جائیں گے، بہرحال مجھے رنج ہے کہ وہ آدمی بے شک آئے مگر بڑی بڑی تدبیروں سے رکے اور انہی کی وجہ سے

تمہارے جواب میں تاخیر ہوئی دنیاوی معیشت کے اندر کے اسباب کی کوشش اور سعی کو جب تک دین کی درست کرنے والی چیزوں میں کوششوں اور سعی سے مغلوب نہیں کیا جائے گا (الف) دنیاوی معیشت کے اندر کے اسباب کی کوشش جب تک دین کی کوششوں سے مغلوب نہیں ہوگی غیرت خداوندی دین کی دولت سے مالامال نہیں کریگی) اس وقت تک جب غیرت خداوندی دین کی دولت سے مالامال نہیں کرسکتی مجھے بہت ہی رنج وافسوس ہے کہ اب تک تمہاری قوم سنتی نہیں ہے دہلی والوں کی طرح کان بند کئے ہوئے اور آنکھیں پھوڑے ہوئے ہیں اس کے اندر یہ مقدار بہت قلیل ہے اسی طرح فیروز پور کے ۲۵ آدمیوں کا وعدہ اس کم ہمتی کی بدولت پورا نہیں ہوسکا، سال بھر میں دو یا تین یا چار مہینے دین سیکھنے کے لئے ملک بہ ملک پھرنے کا رواج اس وقت ہونے سے دینداروں کی حفاظت کرتا ہے اور دارین کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے بڑی کوتاہ نظری ہے کہ جو اس کی کوششوں کو دنیاوی کاروبار کا حرج سمجھتے ہیں الیاس کی طبیعت الحمدللہ خیریت کی طرف چل رہی ہے لیکن اس کا اپنا شوق جب تک تمہاری تاکیدیں اور طبیعت کا بڑھتا رہنا شامل نہیں ہوگا کافی نہیں ہے اس وقت میرے کہنے سے کرنال گئے ہیں خود ان کے شوق کو زیادہ دخل نہیں ہے (الف) دین ایک قلعہ ہے جو اپنے درست ہونے سے دینداروں کی حفاظت کرتا ہے اور دارین کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔) لہذا آپ تاکید لکھیں کہ دنیوی کاروبار میں مصروف رہنے والے بہتر نے ہیں، دین کے فروغ کے لئے گھر بار چھوڑنا اس وقت اللہ نے میووں کو نصیب کیا ہے، لہذا واپسی کی جلدی نہ کریں اس قسم کا مضمون کرنال نواب ذوالفقار والے پتہ سے لکھ دیں۔ اپنے یہاں کی تبلیغ کا جو حال لکھا ہے اس سے دل خوش ہوا، امید ہے کہ ترقی ہو گئی ہوگی۔ موجودہ حالت سے مطلع فرماویں اور اپنے ملک کی کیفیتوں کی خبر گیری رکھتے ہوئے، ان چیزوں کے ذریعہ اپنے مقامی لوگوں کو خبریں دیتے ہوئے پرزور کوشش کریں اس دوسرے خط میں آپ نے پابندی اور مداومت کا ذکر لکھا ہے اللہ مبارک کرے، اشراق کی چاشت کی چار چار رکعتیں کافی ہیں تبلیغی جماعتوں کو آپ نے سلام کہا تھا مناسب ہے کہ کرنال لکھیں اور ان سے دعا کراویں۔ آپ نے قرض کے متعلق لکھا آپ کے اس رویہ سے اور اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے خوشی ہوئی آپ تبلیغ میں کوشش کرتے رہیں اور اللہ سے دعا کرتے رہیں ان شاء اللہ سب مشکلات آسان ہو جاویں گی اور بندہ کے پاس روپیہ بالکل نہیں ہے اس کی امید دل سے نکال دیں۔ میرے محترم عزیز سود کا گناہ ایسا معمولی گناہ نہیں ہے کہ اتنے بڑے گناہ کرنے کے بعد آدمی سوچے کہ گناہ ہوگیا ہوگا، اللہ نے اس کو اپنے ساتھ اعلان جنگ قرار دیا ہے۔ سود والے کو کھوتے رہنے اور برباد کرتے رہنے کا وعدہ کرلیا یہ اللہ جل شانہ کی دستگیری اور

لطف غیبی ہے کہ توبہ کی توفیق دی اور آئندہ کو بچے رہنے کی توفیق نصیب فرمائی - تم خود اپنے آپ کو اور اپنے لواحق کو تبلیغ میں سرگرم رہنے اور رکھنے میں اس گناہ عظیم کے کفارہ اور توبہ کی نیت کرتے رہو مجھے اللہ سے امید ہے کہ اللہ کا لطف دستگیری فرمادے اور کسی وقت ادا ہو جائے - حافظ محمد اسحاق صاحب کا تعلق ایسا نہیں تھا کہ اگر قرضہ اتارنے کی کوئی سبیل ہوتی تو یہ بندہ اس میں دریغ کرتا لیکن بندہ ناچیز کی استطاعت سے یہ بات باہر ہے لیکن میں دعا کرتا ہوں کہ غیب سے اللہ تعالیٰ سبکدوشی کا انتظام فرماویں - آپ کے تیسرے خط مورخہ ۲ فروری میں گھبرانے اور جی نہ لگنے کا تذکرہ ہے یہ وہی قبض کے آثار میں جو کئی دفعہ تذکرہ میں آچکے ہیں ایسے وقت کی مداومت میں دوگنا اجر ملتا ہے اور ایسے وقت کی استقامت سے دولت استقامت ملتی ہے اور اس استقامت سے عجیب غریب برکتیں اور عالم قدس کی دولتیں اور فرشتوں کی بشارتیں اور دین کے غیبی اسرار اسی استقامت کے کامل ہونے کے بعد نصیب ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ شانہ آپ کو جی گھبرانے اور دل لگنے دونوں صورتوں میں اپنے کاروبار میں مداومت بخشیں، جس سے استقامت نصیب ہوا کرتی ہے اور یہ رونا یہ تو بہت بڑی دولت ہے اس وقت میں آخرت اور اللہ کی عظمت اور وعدوں کو بہت یاد کیا کرو حضور ﷺ کی کوششوں کو ایسے وقت میں بہت زیادہ دھیان رکھا کرو آپ نے تیسرے خط میں ناراضگی کا احتمال ذکر کیا اس کا بالکل خیال نہ فرماویں اور ہرگز دل میں جگہ نہ دیں تاخیر کی وہی وجہ تھی جو شروع میں ذکر کی میں آپ کے اور آپ کے متعلقین والد سب دوستوں کے لئے دعا گو اور دعا جو ہوں کہ دارین میں سب آفتوں سے محفوظ فرماویں اور دارین کی نعمتوں سے مالامال فرماویں - فقط والسلام میں آپ اپنے لئے اور اہل وعیال اور سب دوستوں اور متعلقین کے لئے چاہتا ہوں کہ خود بھی دعا کریں اور سب دوستوں سے کرادیں - فقط والسلام تمہارے دو ٹکٹ دو دفعہ کے واپس ہیں اور تیسرا لفافہ جوابا ارسال ہے

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن یکم ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۸ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کثرت اسفار مہمانوں کی آمد ودیگر مشاغل کی بنا پر جواب میں تاخیر سے دوستوں کی کلفت کے تصور سے ندامت اور افسوس ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا بہترین علاج فرماویں۔

میرے دوست! تم نے اپنے یہاں ہر چیز کو خدا بتلانے والے فرقہ کا ظہور لکھا ہے - میرے دوست! آدمی کا جاہل ہونا اور غافل ہونا اور حق کی کوشش میں سست ہونا یہ ہر فتنہ کی کنجی ہے اور طبائع کے اور جذبات کے ان

نامبارک اور گندہ صفتوں پر رہنے سے خدا جانے کتنے فتنے اٹھتے ہوئے تم دیکھو گے اور تم کچھ نہ کچھ کرسکو گے (ف آدمی کا جاہل ہونا اور غافل ہونا اور حق کی کوشش میں سست ہونا یہ ہر فتنہ کی کنجی ہے) اٹھتے ہوئے فتنوں کو ٹلنے اور آئندہ کے فتنوں کو روکنے کے لئے تمہارے ملک میں آئی ہوئی اسکیم کو مشق کرنے کے لئے یوپی کے لئے نکلنے پر زور دینے کے سوا اور کوئی علاج نہیں جماعتوں کے یوپی کے خطہ میں نکلنے کی کچھ ایسی تاثیرات ہیں کہ باوجود صرف تھوڑی سی مقدار جو دو سو کو بھی نہیں پہنچی ہوئی اور تھوڑی سی مقدار جو اپنے گھروں کے مقابلہ میں کچھ بھی شمار ہونے کی حیثیت نہیں رکھتی، اتنے قلیل زمانے میں اتنا اثر ہوا کہ انقلاب عظیم کا لفظ زبانوں پر آنے لگا اور تمہارے ملک کی ٹھوس اور پوری کامل جہالت والے لوگوں کے ناپاک جذبات دین کے پھیلانے کے مبارک جذبات سے بدلنے لگے، لیکن یہ سب باتیں کھلی آنکھوں ہوچکنے کے باوجود کرنال کے بعد باوجود فراغت کے یوپی کو کوئی نہیں نکل رہا ہے، فیروز پور سے اب تک کوئی جماعت نہیں نکلی جس کا بڑا قلق ہے۔ آپ اگر عملی قدردانی چاہتے ہیں تو صرف اندر کے جوش اور زبان کے بول پر اکتفاہ نہ کریں۔ بلکہ پُر زور لگاتار تحریر کے ذریعہ اور راتوں کو اللہ کے ساتھ مشغولیت کے پابند ہوتے ہوئے اپنے لوگوں کو یوپی کے لئے نکالنے میں سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے رہیں میرے دوست گووالدہ کے چوہدری اور رائسینا کے سر برآور وہ لوگوں نے کچھ ارادے کئے ہیں کہ وہ تبلیغی اسکیم کو اپنی قوم کا جزو زندگی بنانے میں کوشش کریں گے۔ فضائل نماز جو کتاب ہے اس کو پڑھے لکھے خود پڑھیں اور دوسروں کو بھی سنادیں اور نماز کی اہمیت اور بے نمازی کے لئے خدا کی وعیدیں عام لوگوں کے ذہن نشین کرائی جاویں آپ نے سودی معاملہ جو کیا ہے اللہ کی وعیدوں پر نظر کرتے ہوئے نہ کہ موجودہ مسائل پر نظر کرتے ہوئے پہلے ندامت کریں اور دل میں پختہ عہد کریں کہ آئندہ سودی معاملہ نہیں کریں گے پھر اس کے بعد توبہ اور استغفار کریں سودی معاملہ کرنا خدا کی خدائی کے خلاف اقدام پر جرات کرنا ہے۔ آپ حسبنا اللہ ونعم الوکیل ہر نماز کے بعد دو سو مرتبہ اور یہ دعا ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھ کر دعا کرلیا کریں دعا یہ ہے اللھم انی اعوذبک من الھم والحزن واعوذبک من العجز والکسل واعوذبک من غلبۃ الدین وقھر الرجال (ف) سودی معاملہ کرنا خدا کی خدائی کے خلاف اقدام کرنے پر جرات کرنا ہے) ان دعاؤں کا اثر مذکورہ بالا یعنی ندامت اور نہ کرنے کا پختہ عہد خدا کی وعیدوں پر نظر اور پھر توبہ) باتوں بغیر ہرگز نہیں ہوگا اگر تم تبلیغ کی کوشش کے ساتھ ساتھ ذکر پر بھی مداومت رکھو گے تو ان شاء اللہ عجیب و غریب برکات دیکھو گے تہجد کی نماز شروع کردینا یہ قابل مبارک باد ہے۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن

از نظام الدین

بخدمت میاں محمد عیسیٰ صاحب الهمنا الله وایاکم مراشد امورنا

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

آپ کا عنایت نامہ بلکہ یوں کہئے احسان نامہ موصول ہوا حق تعالیٰ شانہ اپنی نعمت اور پھر اس کے اوپر شکر گزاری کی مزید توفیق محض اپنے فضل سے نصیب فرماویں آپ نے بہت سچ احساس فرمایا کہ تبلیغ صحیح اصول میں کوشش کرنے کی اہلیت اور موقع امتیازی شان کے ساتھ آپ کی قوم کو اللہ نے ایسا نصیب فرمایا ہے کہ اگر اس کی ناقدری کرے تو آپ کی قوم زیادہ گرے گی اللہ اس کی ناقدری سے بچاوے اللہ بچاوے اور اگر یہ خلوص کے ساتھ صحیح اصول کے ساتھ شوق و ذوق کے ساتھ ان اصول میں سرگرم ہو جاویں تو نہ صرف سر بلندی کا اس کو شرف حاصل ہو گا بلکہ مسلمین کی دستگیری کا اللہ چاہے اس کوشش کے اندر اعزاز مضمر پاویں گے، لیکن اب تک تو کوشش اس قدر ضعیف ہے کہ ہمارے حافظ اسحاق اور منشی محمد یوسف بڑی مشکل سے کرنال تک گئے اور تھوڑے دنوں میں گھر کی سوچ پڑ گئی کوئی پوچھے گھر پر رہ کر تو خلقت عمریں گزار رہی ہے جو دولت کہ گھر سے نکلنے سے ملتی ہے وہ نکلنے پر ہی ملے گی سچ یہ ہے کہ اس دولت کی قدر ہی اٹھ گئی۔ آپ کا جی چاہ رہا ہے کہ آپ کے آنے کے دنوں میں یہاں جماعتیں آئی ہوئی ہوں۔ میرا بھی جی چاہ رہا ہے کوشش آپ بھی کریں میں بھی کر رہا ہوں لیکن جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں اب تک کسی کو ذی حس نہیں پاتا سارا اجور یہ ہے کہ ان امور کے متعلق جو منافع ہیں ان کو اللہ نے اپنی قدرت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اور اس لائن کی پریشانیوں کو سامنے کر رکھا ہے تاکہ ان چیزوں کے اندر کی کوشش محض اللہ کی بات پر اطمینان پر وابستہ ہو۔ (ف) دین کی کوششوں کے منافع کو اللہ نے اپنی قدرت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اور اس لائن کی پریشانیوں کو سامنے کر رکھا ہے تاکہ کوشش اللہ کی بات پر اطمینان پر وابستہ ہو۔) لہذا اس لائین میں کوششیں جب ہی پائیدار رہ سکیں گی جبکہ ان کوششوں کی وجہ سے جو کچھ بھی اعمال وجود میں آویں گے ان اعمال پر منفعتوں کا موت کے بعد پر جو وعدہ ہے (جس کو اجر و ثواب کہتے ہیں) جس قدر اس کی یادداشت میں کوشش کی جاویگی اسی قدر ثبات قدمی پائدار ہوتی چلی جاوے گی۔

محمد الیاس صاحب نے جو آپ کو جماعتوں کا حال لکھا تھا وہ سچ تھا۔ لیکن عزیز دوست! میں اس دکھ کا کیا ذکر کروں کہ سالہا سال کی کوششوں کے بعد نکلتے ہیں اور مہینوں بھی نہیں نکتے۔ یہ دینی کوشش کے اندر چند مہینے نہیں گزار سکتے۔ میرا مقصد یہ تھا کہ جب تک فی گھر ایک آدمی ہمیشہ باہر دین کا گھر بنانے کا اہتمام یعنی تبلیغ میں باری باری طریق سے

لازمی نہیں کریں گے اس وقت تک دین کے ساتھ انس اور پائداری نہیں ہو سکتی۔ عیسیٰ! تم غور کرو دنیا فانی کے کام کے لئے تو گھر کے سارے افراد ہوں اور اس کے لئے صرف ایک آدمی کہا جاوے اور اس پر بھی نباہ نہ ہو تو آخرت کو دنیا سے گھٹا دیا یا نہیں گھٹا دیا؟ وہ جماعتیں تمہیں دیکھ لو کہ خط لکھے ہوئے کئی دن ہوئے وہ سب واپس بھی ہو گئے۔ جماعتوں کے نکلنے پر خوش ہونے نہیں پاتا کہ واپسی کی آوازیں آجاتی ہیں۔ آپ کے یہاں منشی محمد یوسف اور آپ کے والد نے ایک مہینہ بھی تو پورا نہیں کیا بہر حال نوبت بنوبت نکلنے کی کوشش کرو اور نکلنے کے وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔ میرا جی بھی چاہتا ہے، کہ رجب اور شعبان میں سہارن پور میں تبلیغ بہت زور سے کی جائے ان دو مہینوں کی خصوصیت یہ ہے کہ رجب میں تو مدرسین فارغ ہوتے چلے آتے ہیں اور شعبان میں سب فارغ ہو جاتے ہیں، رجب میں تبلیغ کی سرگرمی جتنی ہوگی اس سرگرمی کے بقدر سب کے سب تبلیغ میں مشغول ہو سکیں گے۔ تو ان کا مشغول ہو جانا ذریعہ علماء میں پھیل جائے گا۔ ہر شعبان میں طلباء کا امتحان ہوتا ہے تو طلباء امتحان کی مشغولیت کی وجہ سے مشغول تو نہ ہو سکیں گے لیکن اپنے اساتذہ کی سرگرمی کے بقدر احساس و بیداری ضرور لیں گے وہ احساس اگر مکمل ہو گیا تو وہ رمضان کو میوات کے اندر کی تبلیغ میں گزاریں گے اور اگر ناقص رہی تو کم از کم اپنے گھروں پر تو جا کر کریں گے۔ تو ان سب کا اجر و ثواب میوات کی جماعتوں ہی کو ملے گا، بہر حال میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کی چھٹی کے وقت سہارن پور میں تبلیغ کی سرگرمی ہو رہی ہو اور میوات کی جماعتیں پہنچ رہی ہوں۔ آپ بھی سہارن پور پہنچ جاویں انشاء اللہ بڑے بڑے علماء کی زیارتیں ہوں گی اور بڑے بڑے انوار و برکات کا سبب ہوگا، لہذا آپ بہت زور دیں کہ اس زمانہ میں وہ جماعتیں لے جاویں اور سہارنپور ہی آپ کو جماعتیں ملیں۔ سہارنپور کی پہنچنے کی تاریخ سے شتاب خاں کو بھی مطلع کر دیں۔ فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

کارکنوں اور دوستوں کے نام

عنایت فرمایم جناب حافظ سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خط تمہارا موصول ہوا اور دیگر خطوط محمد اقبال صاحب کے ہاتھ موصول ہوئے آپ لوگوں کی فرط محبت کی وجہ سے مسرور بھی ہوں اور محجوب بھی ہوں، حق تعالیٰ ہماری تمہاری محبت میں اخلاص پیدا فرما دیں۔ میاں جی محمد داؤد صاحب کو بعد سلام کے یہ سمجھا دیں کہ در حقیقت جو کچھ بھی کام کرنیوالے ہیں وہ باری تعالیٰ ہیں نہ انبیاء بغیر اس کی مشیت کے کچھ کر سکتے ہیں اگرچہ ہزار کوشش کریں اور نہ اولیاء اور نہ بڑی سے بڑی

قوت والے۔ غرض بغیر اللہ کی مشیت کے کوئی بھی دنیا بھر میں کچھ نہیں کرسکتا، اور حق تعالیٰ میں سب قدرت ہے کہ چھوٹے چھوٹے ابابیل پرندوں کو ہاتھیوں پر فتح دلوادی تو جب کہ حق تعالیٰ ہی کام کرتے ہیں اور قوت وزور کو کچھ دخل نہیں تو اگرچہ تم کتنے ہی ضعیف ہو، ممکن ہے کہ حق تعالیٰ تم سے وہ کام لیں جو بڑے بڑے واعظوں سے نہ ہوسکے اور اگر حق تعالیٰ کسی کام کو لینا نہیں چاہتے ہیں تو چاہے اولیاء بھی کتنی کوشش کرلیں تب بھی ذرہ نہیں ہل سکتا۔ غرض جبکہ ہمارے پاس تمہارے جیسے ضعیف ہیں تو حق تعالیٰ تمہیں سے سب کام لے لیں گے تم اپنا کام کئے جاؤ اور اپنی خستہ حالی اور ضعف پر ہرگز نظر نہ کرو اور ظاہر میں کوشش کرو اور باطن میں اللہ کی طرف رجوع کرو۔ راب کے متعلق مناسب موقعہ ہے ابھی پوری مقدار میں بنوالو اور جو کچھ دام ہوں وہ مجھے لکھ دو تاکہ میں اقبال کے ہاتھ یہاں سے روانہ کردوں مگر جلد لکھنا تاکہ اقبال لیتے آویں۔ توے کے متعلق کوشش ہوگئی ہے۔ تیار ہوگیا ہے بھیجدیا جائے گا۔

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن

۱۹ اجنوری سنہ ۱۹۲۹ء

از نظام الدین مدرسہ کاشف العلوم مؤرخہ ۱۰ اگست

بخدمت عنایت فرمایم حافظ محمد سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. آپ کا کئی دن ہوئے عنایت نامہ آیا داؤد کے متعلق آپ بار بار تقاضا کررہے ہیں، اور میں بھی تمہاری تحریر کے اطمینان پر چاہتا ہوں کہ اسی جانب میں داؤد رہے چاہے تبلیغ کے طور پر گشت کرکے اور چاہے بہار کے آس پاس کسی جگہ مدرس ہوکر رہے، بہر حال آپ دونوں صاحب جبکہ باہم ہم خیال ہیں اور خلوص کے ساتھ دین کی ہمدردی میں دین کی اشاعت چاہیں گے۔ تو متفق ہوکر اور ایک جگہ ہوکر زیادہ بہتر اور مناسب ہوگا مگر مجبوری یہ ہے کہ داؤد نہایت مقروض ہے اس لئے قرضہ اُترنے کے لئے آمدنی کی صورت ہونی ضروری ہے میرے پاس ایسی ظاہری اطمینانی صورت نہیں ہے کہ خاطر خواہ خدمت تبلیغ کے مقابلہ میں اس کی خدمت کرتا رہوں اور نہ وہاں کوئی آمدنی کی شکل ہے اس لئے اس کی روانگی میں تامل ہے میں اس کو بالفعل کافی تنخواہ کی جگہ رکھنا چاہتا ہوں۔ البتہ قرضہ اتر جانے کے بعد بلا تنخواہ کے موقعہ پر بھی اس کو اجازت دے سکتے ہیں، جب تک قرضہ ہے اس وقت تک تمہارے پاس جبکہ کوئی آمدنی کی شکل نہیں، بھیجنا مناسب نہیں۔ عبد الصمد کا قصہ حقیقت میں پریشان کررہا ہے وہ اگر تمہارے سے معافی چاہ کر اور تمہارے مطیع ہوکر نہ رہے تو اس کو میرے پاس واپس کردو، پہلے بھی بارہا تحریر کرچکا

میاں شیخ اکبر صاحب کے قصہ سے مطلع کرتے رہو۔ میں ضرور اس قصہ کے لئے آتا مگر ایسی رکاوٹیں بیچ میں پڑی ہوئی ہیں جو نہیں آنے دیتیں بندہ کی طرف سے سب لوگوں کو سلام پہنچادیں اور تمام لوگوں کو سمجھادیں کہ جھگڑے کا انجام بُرا ہے۔ سلوک رکھو اور جھگڑے کو ختم کرو۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ'

بقلم حبیب الرحمن ۱۲/۱۱گست سنہ ۱۹۲۹ء

از نظام الدین

مدرسہ کاشف العلوم عنایت فرما حافظ محمد سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پس از سلام مسنون آنکہ جو طلباء آپ کے مدرسہ میں اس لائق ہوں کہ وہ نماز پڑھا سکتے ہوں ان طلباء کو سہار کی مسجدوں میں مقرر کردیا جائے جہاں پر نمازی اچھے ہوتے ہیں وہاں پر پانچوں نمازیں پڑھا دیا کریں اور جہاں پر زیادہ نہ ہوں وہاں پر کسی ایک دو وقت کی پڑھا دیا کریں تو بہت ہی بہتر ہو اس صورت میں دینی و دنیاوی دونوں منافع ہوں گے تم کو بھی اور عوام کو بھی۔ فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ

بقلم حبیب الرحمن غفرلہ' سنہ ۶۵ھ

از نظام الدین

بخدمت میاں جی قاری داؤد صاحب **زادت فیوضکم ومیاں عشرت زادت عنایتکم!**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ صاحبوں کی عنایت و محبت کا میں شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ ہماری محنتوں کو للّٰہی اور خالص فرما کر ان کی برکات سے دارین میں منتفع فرمادیں، الحمدللہ میں خیریت سے ہوں کچھ معمولی زکام ہے اپنے دوستوں سے دعاءِ خیر کا خواستگار و محتاج ہوں اور ترقی درجات اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے دُعا کرتا ہوں

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ،

بقلم حبیب الرحمن عفی عنہ' سنہ ۲۹ء

از نظام الدین

گوہر معدن سیادت عزیزی مولوی سید رضا حسن صاحب مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج سات دن ہوئے آپ کا عنایت نامہ پہنچا آپ کی کیفیت سے مسرت اور رمضان جیسے وقیع اور مبارک مہینہ کے اندر جماعتوں کی محرومی سے ملال اور رنج ہوا۔ لیکن آپ رحم اور قرابت کے صلہ کی وجہ سے چونکہ تشریف لے گئے ہیں اور تبلیغ کے واسطے بھی طبیعت راہ ڈھونڈھتی رہتی ہے، شاید یہ باتیں اس کا کسی قدر جبر نقصان کردیں۔ میرا بھی اپنے سب عزیزوں سے سلام فرمادیں۔ اب دن بہت ہوگئے ہیں آپ کا انتظار ہے، شاید دوسرے پنجہ کا خط شب وروز میں آنیوالا ہو اس میں شاید اپنے آنے کی تاریخ لکھیں اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ استقلال اور متانت اور اقتصاد کے ساتھ راہ خدا پر مضبوط رکھتے ہوئے اپنی رضا کے ذروۂ عالیہ پر کامران فرماویں۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہٗ

۱۹/رمضان سنہ ۱۳۵۵ھ

از نظام الدین

بندہ محمد الیاس عنایت فرمایانم جناب حکیم رشید احمد و مولوی نور محمد صاحبان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! عرض آنکہ بندہ نے موضع بیواں سے ایک متعلم کے ہاتھ ایک عریضہ بنام حافظ عبد الحمید صاحب چربی والے اور ایک چمڑا حافظ موصوف صاحب کے پاس بھیجنے کے لئے روانہ کیا تھا نہ معلوم کس وجہ سے اب تک دہلی نہیں پہنچا جہاں تک ہوسکے اہتمام کے ساتھ کسی آنے والے کے ہاتھ اہتمام سے روانہ فرماویں۔

ضروری اہم بات یہ ہے کہ میرے احباب اپنی خصوصی کوشش اور اصلی سعی اور اپنے خیالات اور قلوب کی توجہ کا رخ اپنے ان اصول کی نہایت پابندی کے ماتحت تبلیغ کے فروغ دینے ہی میں مشغول رکھیں، یہ نیا کھڑا ہونے والا فتنہ (۱) انشاء اللہ اس رویہ سے خود بخود فرو ہوگا ورنہ بہت خطرہ ہے کہ طبائع کے چھیڑ چھاڑ کے ساتھ خود طبعی مناسبت ہونے کی وجہ سے خدانخواستہ کہیں ضعیف نہ ہوجائے، تجربہ ہے کہ مناظروں کے نتائج ہمیشہ بُرے رہے ہیں البتہ سب کی رائے

(۱) مناظرے جس کا اس زمانہ میں میوات میں کچھ سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

کہیں صریح منکرات کے دلائل کے مطالبہ پر ہوجائے تو کبھی ان دلائل میں قوت اور زور کے ساتھ مطالبہ کرلینے میں مضائقہ نہیں ورنہ میرے خیال میں تو وہی بات ہے کہ تمام ملک کی جامعوں میں اس مضمون کی اشاعت کا اہتمام کرایا جائے کہ جو قوم کلمہ طیبہ اور نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح اور کلمہ شہادت کے مضمون پر ابتک پوری طرح مطلع نہ ہوئی ہو جو اسلام کی بنیادی چیز ہے تو بنیادی چیز کو چھوڑ کر اوپر کی چیز میں مشغول ہونا سخت غلطی ہے۔ اوپر کی چیز بغیر بنیادی چیز کے صحیح ہوئے درست نہیں ہوا کرتی۔ (ف) جو قوم کلمہ طیبہ اور نماز کی چیزوں کی تصحیح اور کلمہ شہادت کے مضمون پر اب تک مطلع نہ ہوئی ہو اس کا اوپر کی چیزوں میں مشغول ہونا سخت غلطی ہے۔)

دیگر ہر جگہ عموماً اور ان کے مجمع اور اجتماع والے گاؤں میں اور اس کے ماحول میں اپنے اصول کی نہایت پابندی کے ساتھ تبلیغی فروغ میں بہت زیادہ کوشش کو بڑھادو۔ جہاں تک ہوسکے چھیڑ چھاڑ سے بہت بچتے ہوئے پھر بھی کہیں ضرورت پڑجاوے تو دلائل کے مطالبہ سے ہرگز کمی اور دریغ نہ کرو، مگر حریفوں کی اسلامی حرمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بہر حال اخیر مضمون کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ سخت گیری کرنے پر ان کے ہمیشہ کو نکل جانے کا خیال ہو تو میں منع نہیں کرتا۔ (ف) دلائل میں کمی اور دریغ نہ کرو مگر حریفوں کی اسلامی حرمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔)

میرے دوستو! آپ مدرسہ کی ظاہری عمارت کی پختگی کے اسباب پر آرہے ہیں میرا دل اندر سے کانپ رہا ہے اور ہول رہا ہے کہ خدا نخواستہ میرے احباب اس کی ظاہری فریفتگی میں باطنی تعمیر میں کچھ ہلکے نہ پڑجاویں میری دلی تمنا ہے کہ اس ظاہری پختگی کو بیہودگی کی نظر سے دیکھتے رہیں، دلی تمنا سے نہ دیکھیں اور اپنی خوشی اور دل کی تازگی کا ذرا سا حصہ بھی اس میں مشغول نہ کریں۔

فقط والسلام

بخدمت شریف مکرم و معظم و محترم جناب حاجی رشید احمد صاحب متعنا اللہ بطول بقائکم وفیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! حضرت حاجی شیخ صاحب! اللہ جل جلالہ' وعم نوالہ نے جو عزت اور ثروت اور خصوصی دولتوں سے آپ کو مشرف فرما رکھا ہے اس پر نظر کرتے ہوئے جو کچھ آپ کے ساتھ یہ ناہنجار بے ادبی اور آپ کی شان کے خلاف گستاخی کرے وہ جس قدر بھی قابل نفرین وندامت اور توبیخ و سرزنش ہو وہ حق بجانب اور حق ہے لیکن جناب کی علو حوصلہ اور ہمت مردانہ اور غریب پرور طبیعت نے ہم خدام کو آپ کی بارگاہ میں ایسا گستاخ بنا رکھا ہے کہ تعلق کی قوت آپ کے اخلاق کی عادت ہمت پیدا کرتی ہے کہ آپ کی خدمت میں عرض معروض کرلیتے ہیں، چاہے بعد میں ندامت ہو اور چاہے اس وقت ندامت کے خلاف کوئی صورت ہو اسی کے ماتحت ایک نہایت ضروری

معروض نظام الدین کے مسئلہ حاضرہ کی بابت جناب کی توجہ مبذول کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل زمانہ کی طبائع کی سیل کو اب سے پندرہ برس پہلے سے اپنی کوتاہ نظر سے لیکن اللہ کی توفیق دی ہوئی بصیرت سے یہ انداز لگا چکا تھا کہ یہ رفتار مکاتب اور مدارس کی جو چل رہی ہے اس میں دو خرابیاں ہیں - اول یہ کہ جس بنیاد سے چل رہی ھیں یعنی لوگوں کا میلان اور ان کی وہ رغبت جس کی وجہ سے مکتبوں اور مدرسوں میں مخلصانہ کوشش کرنیوالے کھڑے ہوتے ہیں اور چندہ دینے والے چندہ دیتے ہیں - یہ عنقریب ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ اس کا مسدود ہے دوسری وجہ یہ کہ علوم جن اغراض کے حصول کے لئے علوم تلاش کئے جاتے ہیں، ان علوم کے ساتھ - وہ اغراض وابستہ نہ رہنے کے باعث علوم بیکار ہوتے چلے آتے ہیں اب علوم سے وہ منافع اور اغراض حاصل نہیں ہوتے، جن کی وجہ سے علوم کی توقیر اور تحصیل تھی ان دو باتوں پر نظر کرتے ہوئے میں نے اس طرز کی طرف اپنی توجہ کو متوجہ کیا کہ جس کو آپ دیکھ رہے ہیں اور جان رہے ہیں اور آپ جیسے سب احباب اور بزرگوں سے طالب رہا کہ آپ میرے معین اور مددگار بلکہ اس کے اندر ایسی ہمت مردانہ (ف) دین کی رغبت جس کی وجہ سے لوگ مکتبوں اور مدرسوں کی اعانت کرتے تھے ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ مسدود ہے) سے کھڑے ہوں کہ آپ ہی اصل ہوں کیونکہ آپ کی ہمت آپ کا حوصلہ آپ کی قوت آپ کی طبیعت آپ کا دماغ اس قابل تھا اور اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ کسی جاندار کام کو اٹھالیں - جاندار کام کے لئے جاندار ہی اہل ہیں - میں نے اس کام کے اندر جس قدر آپ جیسوں کی خوشامد اور ہمت اور تحریض اور اپنے منصب سے نہایت برخلاف گستاخی اور (ف) علوم جن اغراض و منافع کے لئے حاصل کئے جاتے تھے وہ اغراض ان علوم سے وابستہ نہیں ہیں اس لئے علوم بیکار ہوتے جاتے ہیں اور وہ منافع ان سے حاصل نہیں ہوتے -) بے ادبی سے لگانے میں کوشش کی اس میں بے نصیب اور ناکام رہ کر میں نے اخیر اس پر اکتفا کیا کہ میں جس کام میں لگ رہا ہوں اس میں لگے رہتے ہوئے مکاتب کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں صرف اس کی سرسبزی کی ذمہ داری آپ لے لیں - چنانچہ جناب نے مکاتب کا سلسلہ اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ کے سایہ عاطفت میں جتنا ہوسکا اس کی پرورش ہوتی رہی لیکن جو کچھ میں سمجھ رہا تھا وہی پیش آیا کہ پچھلے جو دینے والے تھے ان کو دوام ہو ہی نہیں سکتا اور آئندہ کو رغبتیں پیدا نہیں ہو رہیں، ہوتی رغبتیں زوال پذیر تو بہت زیادہ ہیں اور نہ ہوتیں رغبتیں بڑی بڑی کوششوں سے پیدا ہونی دشوار ہو رہی ہیں، بہر حال جناب کی خدمت میں مکاتب کے فروغ کے لئے میرے نزدیک جو صورت بہتر ہے جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں بے کوشش کوئی کام نہیں ہوا کرتا آپ اپنی طبیعت کو مستقل فرمادیں - جھجک کو پاؤں سے مسل کر الیکشن کے زمانہ میں جن لوگوں کو آپ کی سعی سے مالی منفعت ہوئی اور بے کار لڑائیوں وغیرہ میں ان کا کثیر مال ضائع ہونے سے محفوظ رہا ان کے ساتھ خیر

خواہی اور ان کی ہمدردی صرف اس امر میں ہے کہ آپ ان کو اس امر خیر میں خرچ کرنے پر آمادہ کریں اور اس میں کوشش کریں کہ کارِ خیر میں خرچ کے اندر کوشش کرنے سے ان کی طبیعتوں کا بھی امالہ ہوگا اور مال کے اندر بھی طہارت اور پاکی پیدا ہوگی اور شروع شروع میں ان کو مائل کرنے میں کچھ دیر بھی لگے تو تھوڑے دنوں میں کوشش سے ان شاء اللہ یہ راستے پھر جاری ہوجاویں گے اور ان لوگوں کے یہ بات ذہن نشین کرنے میں آپ ہمت فرماویں کہ سیکڑوں مدرسوں کا سست پڑجانا، یا بند ہوجانا اہل زمانہ کے لئے نہایت وبال اور نہایت باز پرسی کا خطرہ رکھتا ہے کہ قرآن دنیا سے مٹتا چلا جائے اور ہمارے پیسوں میں اس کا کوئی حصہ اور ہمارے دلوں میں اس کوئی درد نہ ہو یہ سب خطرناک ہیں آپ کی تھوڑی سی کوشش سے یہ کثیر مقدار قائم رہ سکتی ہے اور یہ اگر تھوڑے دنوں سرسبز رہ گئے خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے اگر یہ سرسبز ہوگئے، تو اور بھی بہت لوگ جاری کردیں گے اور یہ ہی مضمون باہر کے جو لوگ اہل ثروت کثرت سے آپ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو آنے پر زبانی ذکر کرنے کا اور ڈاک کے ذریعہ ان سے خطاب کرنے کا آپ عزم بالجبزم فرمالیں، نواب چھتاری کے یہاں بہت سارا وقف ہے میرے والد کے زمانہ میں سیکڑوں ماہوار حضرت والد نور اللہ مرقدہ کے واسطہ سے بیوگان اور یتامیٰ اور مساکین کے مقرر تھے میرے آنے کے بعد خود میرے بھی پانچ روپے آتے رہے سلسلہ جنبانی نہ ہونے سے یہ پانچ تک جاتے رہے اہل ثروت سے خیر میں خرچ کرنے کا خطاب اور ان پر زور دینے کی آپ مشق فرمائیں تو یہ تحریک شعبہ دین کا ایک زبردست کام ہے مرنے کے بعد دین کی کوشش میں جتنا حوصلہ بلند ہوچکا ہوگا اتنا ہی کارآمد ہوگا۔

فقط والسلام

(نوٹ) پھر مکرر عرض ہے کہ پہلی صورت جو میں کررہا ہوں اس کو اختیار نہ فرماویں تب ہے یہ دوسری صورت وہ نہ ہو تو یہ ہی کرو جو میں کررہا ہوں وہ اصل دین ہے الحمد للہ ثم الحمد للہ ہمت کو اصل دین کے لئے بلند رکھو کمر ہمت کو چست فرماؤ۔ جناب محمد ﷺ کی روح پاک اس قدر سرسبز (خوش) ہوئی کہ خیال وگمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور اللہ چاہے ایسی کھلی ترقی دیکھو گے کہ کوئی طاقت اس کا ادراک نہیں کرسکتی اور اگر آپ سے یہ تبلیغی کام نہ ہوسکے (۱) تو دوسرا ہی کام کرو (۲) یہ شعبہ دین ہے اور زبردست شعبہ ہے میرے اس خط کو ہمیشہ دیکھتے رہنے کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھیں اور پھر ہمیشہ دیکھتے بھی رہیں۔

(۱) جو میں کر رہا ہوں۔ (۲) اہل دینی امور میں تحریض اور اس میں خرچ کرنے پر آمادہ کرنا۔

ازمکتوب دوستوں اور عزیزوں کی خدمت میں (اواخر سنہ ۱۹۳۲ء)

سلام مسنون کے بعد یہ شعر ہدیہ عید ہے اور میرا بدل ہے

نہ دوری دلیل صبوری بود

کہ بسیاردوری ضروری بود

وطن کی کشش دوستوں کی عنایات کا جذبہ، عزیزوں کے دیدار کا تقاضا، اہل و عیال کا تعلق، ایک ایک چیز مستقل مقناطیس تھا مگران سب کے بعد کوئی ایسی چیزان سب پر غالب ہو کر روک رہی ہے کہ جس کی وجہ سے میں آپ سے خواہاں ہوں کہ میرے اس مطلب کے لئے دعا فرمادیں اور ہمیشہ چین سے ملے جلے رہنے کی جگہ میں بعافیت پہنچادے کہ دارالکدورت میں کدورت سے ملنا جلنا کدورت سے خالی نہیں یہاں کے عیش میں جلااور صفائی نہیں (ف) دارالکدورت (دنیا) میں ملنا جلنا کدورت سے خالی نہیں)

فقط والسلام۔

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

ازمکتوب بنام جناب مولوی حکیم رضی الحسن صاحب

تاریخ تحریر قبل از تیرہ سال خاکسار کو تبلیغ کا جوایک مدت سے خیال ہے جناب پر روشن ہے ہمیشہ جس سلسلہ کو چھیڑا اس سے اعلیٰ اوراس کی جڑاور اصل کی طرف طبیعت راجع ہوتی چلی گئی جوآیت والذین جاہدو ا فینا الآیۃ کی حقیقت کوواضح کرتارہا اس وقت جو میرا خیال ہے وہ یہ ہے کہ سب سے ضروری اوراہم ایک خاص بات ہے اس کی طرف عام مسلمانوں کو متوجہ کئے بغیر اسلامی کوئی کام دنیا میں نہیں ہوسکتا میراجی چاہے ہے کہ وہ حضرت عالی کی خدمت میں بھی عرض کروں خدا کرے حضرت عالی کے یہاں مسموع ومقبول ہو کر میرے لئے تقویت وبصیرت کا باعث ہو وہ امر یہ ہے کہ مسلمان عام طور پر اپنی اسلامی زندگی بھول گئے اسلامی زندگی یہی ہے کہ مقاصد خداورسول کو کامیاب بنانے میں ہر قوت جانی ومالی زور کے ساتھ مصروف رہے مسلمان اس سے نہایت غافل ہیں میراجی چاہتا ہے کہ حضرت عالی اس وقت اس بات کا ارادہ فرمالیں تو اسکے متعلق مناسب معروضات عرض خدمت کروں گا، میرے خیال میں چند اصول ہیں جو نہایت مختصر ہیں اور نہایت ضروری ہیں ان کے

کاربند ہونے سے سب کام سہل ہوسکتا ہے اور دینی امور کو بھی بیحد سرسبزی ہوسکتی ہے فقط والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ (ازمکتوب بنام صاحب زادی ۲۶ مئی سنہ ۱۹۳۶ء

میری بی بی! اگر تو سلیقہ دار بیٹی ہے تو دین کی اور آخرت کے کاموں کے اندر اچھی طرح جی لگانے اور ان کاموں کے ساتھ الفت اور محبت پیدا کرنے کی کوشش میں کمی نہیں کرے گی جیسے نماز، قرآن درود، تسبیح اور غریبوں سے محبت دلداری اور خدمت گذاری اور خوش کلامی شیریں زبانی اور دنیا کی زندگی سے جی نہ لگائے گی اور اس کی تکلیف اور راحت کی پروانہ کرے گی۔

فقط والسلام

بخدمت پیکر صدق ووفا مجسمہ جو دوسخا متعنا اللہ بانفسکم الطیبہ وآرائکم البہیہ(۱)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں اپنی غلط فہمی سے آٹھ سے نو اور نو سے ساڑھے نو تک منتظر رہا کہ کسی کی طلوع آمد کی شعاعوں سے اپنا یہ ظلمت کدہ منور ہو لیکن بعد میں خیال ہوا اور اس پر غور کی نوبت آئی کہ وعدہ پرسوں کا تھا (جو کل یعنی قیامت کے بعد کا دن ہے) اور میں اپنی غلطی سے آج منتظر رہا میرا جی چاہتا ہے کہ اس جہاں میں بھی آپ کی تھوڑی سی زیارت ہوجائے اور آپ کے وعدہ ملاقات والے دن کے لئے صحیح سامان کے متعلق ہم خدام آپ کی مبارک رائے سے مستفیض ہوجائیں۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن عفی عنہ

مکرم محترم بندہ دام مجدکم (۲)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کئی روز ہوئے آپ کا ماء الحیات مسمیٰ بہ گرامی نامہ جس کو چاہیے تھا کہ دل کو بڑی چین اور زندگی بخشے۔ لیکن میرے بزرگ دوست! فتن مظلمہ مدہمہ ایمان سوز جذبات کش کی رفتار ڈاک گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کا مقابل جو حقیقت میں یہی ایک اسکیم ہے اور ظلمت کو نور سے بدلنے والی ہے اسکی رفتار کیرٹی سے بھی زیادہ ضعیف ہے فتنہ کی روانی دیکھ کر یہ مقداریں کچھ پیاس کے بجھانے کے لئے

(۱) مکتوب الہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا (۲) (۱) مکتوب الہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا

کافی نہیں ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں ایسے فتنہ کے زمانہ میں مشغول رہنے کے لئے ترقی درجات اور قرب خداوندی اور خوشنودی ایزدی کی اتنی ہی زیادہ امیدیں ہیں کہ جس قدر فتن میں اظلام اور ادہمام ہے اتنا ضرور زیادہ دھیان فرماویں کہ اپنے احوال کا لکھتے رہنے میں میرے قصور جواب سے کمی نہ فرماویں (ف) فتنوں کی رفتار ڈاک گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کے مقابل کی رفتار چیونٹی سے بھی زیادہ سست ہے یہ بندہ ناچیز آج ہی آگرہ اور ریاست جے پور کی ایک تحصیل ٹوڈہ بھیم وہاں کی نظامت ہنڈون وغیرہ سے واپس ہوا ہے اس جگہ اللہ نے پبلک کو بڑے ذوق کے ساتھ متوجہ کیا اور سب نے بہت استقلال سے کام کرنے کی لبیک کہی مگر میرے بزرگو! ذوق کی لبیکیں سیرابی لانے والی نہیں ہیں اور اس درد کے لئے مرہمی کر نہیں سکتیں عمل سے اس قدر اجنبی ہو چکے ہیں کہ ذوق کے ساتھ صرف ہاں کر لینا ہی منتہائے عمل رہ گیا ہے عمل کے واسطے اگر خصوصی جانبازی کے لئے اگر کچھ ہستیاں نمونہ نہیں بنیں گی تو لبیک کے میدان سے عمل کی سڑک پر پہنچنا نہایت دشوار ہوگا۔ (ف) فتنہ کے زمانہ میں مشغول رہنے میں قرب و رضا کی اتنی ہی زیادہ امیدیں ہیں جتنی فتنوں کے اندر تاریکی زیادہ ہے)

مخزن آمال و امانی ارشدنا اللہ وایاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے اس وقت تک ہمیشہ کام کرنے والوں سے ایک ایسے ذہنی ذہول کا تجربہ ہے کہ اس کے اندر تھوڑے سے فرق کی وجہ سے کام کی نوعیت بالکل بکار سے بے کاری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے بہت تھوڑا کر کے بہت کچھ کمانے کے بجائے "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کا نقشہ ہو جاتا ہے میں بہت ہی متردد ہوں کہ اس کو کس طرح ذہن نشین کردوں زیادہ تر تو اس کو تکلم اور مخاطبت سمجھیں، بہرحال قیادت کتابت میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ سمجھ میں آجائے خدا کرے کہ میری ناقص تحریر سے آپ کی جودت خیال منتفع ہو۔

وہ دو امر ہیں ایک تو وہ جو نہ ہونا چاہیے اور وہ کرتے ہیں دوسرا وہ جو ہونا چاہیے اور نہیں کرتے۔

امر اول کلمہ اور نماز کے صحیح کرنے کو اگر کرتے ہیں تو بمنزلہ مقصود کے کرتے ہیں کہ جیسا کہ اس تحریک کا مقصد ہو، حالانکہ مقصد نہیں اور جو نہیں کرتے وہ یہ کہ ان مخاطبین کے لئے یہ فیصلہ کرلیں کہ جب تک اپنے مشاغل کو چھوڑ کر ترک وطن اختیار کر کے اس تحریک کو لے کر باہر نہیں نکلیں گے مشاغل کی ظلمت اور اس کا شدت تکدر توجہ کا اور قلب کے دھیان کا مشاغل کے ساتھ تزوجیت (چپک جانا) کلمہ کے صحیح کرنے اور ان کے انوار و برکات

کے قبول کرنے کی اہلیت ہرگز پیدا نہیں ہونے دے گی اور نکلنے کے بعد بھی دوسروں میں کوشش کرنے کو جب تک حق تعالیٰ کی رحمت کا ذریعہ نہیں بنائے گا اور دوسروں میں محنت کرنے کے ذریعہ اللہ کی رحمت کا سہارا نہ ڈھونڈے گا تو بقاعدہ سنت الیتمن لایرحم لایرحم اور بقاعدہ ارحموامن فی الارض یرحمکم من فی السماء اس نیت سے جب تک دوسروں میں کوشش کر کے حق تعالیٰ کی رحمت کا سہارا پکڑ کے پھر فراغت کے وقتوں میں محنت نہیں کرے گا اس کی وقت تک یہ کلمہ اور نماز کی اصلی برکات جس سے ساری زندگی درست ہوتی چلی آوے حاصل نہیں ہوں گی۔

میں بہت دل سے متمنی ہوں کہ اس کی دعوت دینے کا باہم مشورہ کر کے سب ہمت کریں شروع میں بہت دشواری ہوگی لیکن مقصد اسی کا احیاء ہے اور یسر دین اسی کے زندہ کرنے سے وابستہ ہے اور تمام ادارے جو مشکلات میں پڑے ہوئے ہیں وہ اسی کے فقدان سے اس مضمون کا سب حضرات باہم مذاکرہ ومشورہ کر کے پھر اس کی دعوت کی ہمت کریں سب جماعتیں کبھی کبھی اپنی کاروائی روانہ فرماتی رہیں

بقلم قاضی معین اللہ ندوی

از نظام الدین اولیاء

بخدمت عنایت فرمایم جناب منشی نصراللہ و نمبردار محراب

وحافظ صدیق و حکیم رشید احمد نمبردار عبدالغنی ودیگر احباب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یکم تاریخ سے تبلیغی جماعتوں کی بڑی گرم خبریں اور بڑے بڑے وعدے ہو رہے تھے لیکن اس وقت تک جماعت کی صورت میں ہو کر ایک جماعت بھی نہیں آئی ایسے امر عظیم کے اندر پہلو تہی کرنی اور کوتاہی کرنی اللہ کی نعمت سے بڑی محرومی اور خسران ہے تمام مرکزوں کے اوپر ایک مستقل جماعت بہت جلد روانہ کردینی چاہیے جو ہر مرکز سے جماعت نکال کر ہٹیں خصوصاً نوح میں جلسہ ہو رہا ہے اس جلسہ کی تقریب میں آجانے والے دوستوں میں بہت کوشش کے ساتھ ایسی جماعت بنادیں جو ہر ہر مرکز پر جا کر پوری کوشش کریں اور جماعتیں نکال دیں ہر جماعت میں تینوں قسم کے آدمی ملا کر جماعتیں روانہ کریں صرف ایک ہی قسم کے آدمی نہ ہوں تینوں قسم کے آدمی ہوں۔

فقط والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ

از نظام الدین

بخدمت جناب مولوی سلیمان صاحب ومنشی بشیر احمد صاحب زادت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے آپ صاحبان کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے ذرا آپ صاحبان دھیان کریں میوات کے اندر اس وقت اللہ کے فضل وکرم سے یہ قابلیت ہو گئی ہے کہ اگر مکاتب کی طرف توجہ دلائی جائے تو تھوڑی سی کوشش سے مکاتب ہوسکتے ہیں لیکن جو لوگ پڑھانے کے قابل ہیں ان میں سے اکثر زیادہ تر تو بے کار ہیں اور جو پڑھنے پڑھانے میں لگ بھی رہے ہیں ان کی بہت سی باتوں کی نگرانی اور خبر گیری نہ ہونے کی وجہ سے جتنا نفع ہوسکتا ہے وہ نہیں ہورہا ان میں بعض آدمی توایسے ہیں کہ وہ تھوڑی سی توجہ سے بہت اچھا کام کرسکتے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ بہت کم کی جارہی ہے اور ماہانہ امتحانات اور نگرانی سے بہت غفلت ہورہی ہے ایسا نہ ہونا چاہیے. اپنے مرکز کے امتحانات کی سختی سے پابندی کی جاوے اس کی سخت ضرورت ہے اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ بہت بڑا کام سنبھال سکتے ہیں لیکن ان کی مفوضہ جگہ ان کی قابلیت کے قابل کام کرنے کی جگہ نہیں ہے، ان میں سے ایک قابل قدر اور اپنے اندر جوہر اور گوہر لینے والے حافظ محمد یوسف چندینی والے ہیں میں جہاں تک سمجھتا ہوں انہیں دنیاوی لالچ نہیں ہے بلکہ پڑھانے سے خود شوق رکھنے والے ہیں ایسے آدمی کم ہوتے ہیں۔ ان کے موافق چندینی میں طلبہ کی تعداد نہیں ہے لہذا انہیں ایسی جگہ رکھنا چاہیے کہ جہاں پر ۵۰-۶۰ طلباء سے کم نہ ہوں وہ بڑی مقدار سنبھالنے والے ہیں لہذا اگر خود چندینی میں ۶۰-۷۰ کی تعداد نہ ہوسکے تو قصبہ سنیہ والوں اور رائنسا والوں سے کہا جائے ان میں کوئی ۶۰-۷۰ طلباء کی ذمہ داری کرلیں تو حافظ یوسف کی جگہ چندینی کے لئے وہاں کے لڑکوں کے مناسب آدمی تجویز کردینا چاہیے اور ان کو دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ تجویز کردینا چاہیے اس میں ایسے آدمیوں کو مقرر کیا جائے کہ تبلیغی کاموں میں بال بھر فرق نہ آئے۔

فقط والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

۹ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء ہفتہ

۷۸۶

محترمانم دینداران میوات ثبت اللہ قلوبنا علی الدین والھمنا اللہ الرشد والایمان والیقین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے دوستو! ایک نہایت لطیف ضروری جو دینی اور ایمانی ترقیات کی باریک سی جڑ ہے اس پر متنبہ کرنے کی نیت سے اس تحریر کا ارادہ ہے خدا کرے اس کے فضل و کرم و رحمت سے موجب برکت ہو آمین مجھ سے اذیتگی بھی ہو جائے اور قلوب میں قبولیت بھی اور اس کے مناسب زندگی پڑنے کی خدائے پاک سے توفیق نصیب ہو اور پھر دین کی جڑوں کی سیرابی اور اللہ کی رضا اور خوشنودی اس پر مرتب ہو اللھم آمین ثم آمین۔

میرے دوستو! یہ تبلیغ کے اندر صحیح اصول کے ساتھ کوشش کرنا جو ہے اس کو خوب غور کر کے سمجھ لو کہ یہ کیا چیز ہے خوب سمجھ لو اور خوب سمجھ لو کہ یہ دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں ان سب دینی امور کے لئے تبلیغی صحیح اصول کے ساتھ ملک بہ ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا باقی سب امور کے لئے بمنزلہ ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں باغات کے ہزاروں اقسام ہیں کوئی کھجوروں کا ہے کوئی اناروں کا ہے کوئی سیبوں کا ہے کسی میں کیلے ہیں اور کوئی پھلواریوں کا باغ ہے باغ ہزاروں چیزوں کے ہو سکتے ہیں لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر پوری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا ہے زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کے بغیر سب قسم کے باغات پرورش نہیں پا سکتے سو دین میں تبلیغی امور کی کوشش یہ تو زمین مذہب ہے اور سب ادارے باغ ہیں اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب ہو رہی ہے کہ کوئی باغ اس زمین پر لگ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ جتنے بھی مذہبی ادارے ہیں زمین کی خرابی کی وجہ سے سب خراب اور برباد ہوتے چلے آرہے ہیں اور زیادہ تر اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ابتلاء و آزمائش کے لئے ہمارا دشمن جو نفس اور شیطان مقرر کیا ہوا ہے وہ ہمارے اداروں، ہماری نیتوں اور ہمارے عملوں پر کچھ ایسا پورا پنجہ گاڑ کر قابو پائے ہوتے ہے کہ وہ ہمارے سب کاموں سے دین کے بگاڑنے کا کام زیادہ لیتا ہے۔ ہم باغات کے سرسبز ہونے کے نشہ میں ایسے بے خبر ہوتے ہیں کہ نیچے کی جڑوں اور زمین کے برباد ہونے کی خبر بھی نہیں رکھتے۔ اگر دونوں چیزوں کے اندر اپنی کوشش کو ہمت اور استقلال کے ساتھ جاری نہ رکھو گے تو نہ زمین ہی درست ہو گی۔ نہ باغات ہی سرسبز ہوں گے۔ اس وقت میرا مقصد مدرسہ نوح کے لئے غلہ کی ضرورت کی طرف توجہ دلانا ہے،

کہ اس وقت موقع دو چیزوں کا ہے یعنی ایک زمین مذہب کی ہمواری کے لئے لوگوں کو باہر نکالنا اور چمن مدارس کے لئے غلہ کی فراہمی کرنی ۔ اگر اس چمن کی جو تمہارے یہاں پہلے سے قائم ہے اسے تم سرسبز نہ کر سکو گے اور غافل رہو گے تو پھر تمہارے اندر دیگر مدارس کے پیدا کرنے کی قوتیں کہاں سے پیدا ہوں گی ۔ اور یہیں سے ایک ضروری بات کہنی ہے اور یہی ہے ۔ اصل اس خط کا مغز کہ ایمان کی جو جڑ ہے ۔ اور ایمان کے صحیح راستہ پر اس وقت تک نہیں پڑسکتا جب تک منافقانہ چال کا اپنے اندر ڈر نہ ہو ۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ یوں سمجھے ، کہ یہ دینی کام جو کہ میں کر رہا ہوں میرے سے شیطان کرا رہا ہے ۔ میں بھلا ایسا کہاں تھا کہ اللہ کے راضی کرنے کے لئے یہ کام کرتا ۔ اور اپنے نفس کے نفاق کے دلائل ڈھونڈنے میں لگا رہے ، اور تنہائیوں میں نفس کو قائل کرتا رہے کہ تو جھوٹا ہے ۔

چنانچہ آپ کے ملک میں اب تک مدارس کے شوق ہی کی مثال کو لے لیجئے ۔ میرے نزدیک مدارس کا شوق خلوص اور اللہ کے واسطے نہیں تھا ، بلکہ شیطان ہماری گردنوں پر سوار ہو کر باہمی جنگ کا حیلہ ڈھونڈ رہا تھا ، تاکہ مدارس کے حیلہ سے مسلمانوں میں باہمی جنگ اور فتنہ وفساد کرنے کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرے کیونکہ اب تک تبلیغ کی برکت سے اس کا یہ داؤ نہ چلا ، اس لئے تم سے وہ گروہ جو اس بات پر تمہیں آمادہ کرے تھا اس نے چھوڑ دیا ، اور یہ رضائے الہی کے واسطے سرے ہی سے نہ تھا لہذا مدارس کا فروغ رک گیا ۔ اگر مدارس کی کوشش رضائے الہی کے لئے ہوتی تو مجھے بتلادیں کہ کیا وجہ ہے کہ اس سال غلہ کی فراوانی بھی بہت ہے اور لوگوں کو دین کا شوق بھی پیدا ہو چکا ہے ۔ لوگوں کے دین کا شوق ہونے اور غلہ کی فراوانی ہونے کے باجود غلہ کی وصولی اتنی بھی نہیں ، جتنی قحط اور دین سے جہالت کے زمانہ میں تھی ۔ میرے نزدیک اگر رضائے الہی کے لئے ہوتا تو اب سیکڑوں مدارس ہوتے ۔ اس وقت دیندار لوگوں کا اس میں کوشش نہ کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ ہمارا دشمن فتنہ وفساد پر ابھار رہا تھا ۔ اس کو اپنی اغراض نظر نہ آئیں ۔ لہذا اس نے چھوڑ دیا ۔ رضوان الہی کی اتنی طلب ہی نہیں کہ خالص اس کے واسطے جان توڑ کوشش ہو جائے میرا مقصد محض الزام نہیں ہے بلکہ ایک طرف متوجہ ہو کر اطمینان کے ساتھ ذکر کی تکثیر اور نمازیں پڑھ پڑھ کر پھر از سر نو پر زور کوشش کی ہمتیں کریں ، اور ان دونوں باتوں میں پوری سعی کریں کہ آدمی بھی کثرت سے نکلیں ، تاکہ زمین تیار ہو ، اور مکاتب کی کثرت ہو اور وہ روش زندگی کی ہو کہ ہر مسلمان کی مسجد وہاں کے بچوں کے مکتب کی صورت ہو ۔ اپنے دشمن کی گھات سے ہوشیار ہو اور حق تعالی جل جلالہ ، کی حصول رضا میں جان دیدینے کے رواج میں پوری کوشش کرو ۔

فقط والسلام بندہ محمد الیاس عفی عنہ ، بقلم بشیر احمد

نوٹ : اس خط کی نقلیں مختلف احباب کی طرف روانہ فرمادیں ۔

۷۸۶

محترم مانم حضرات میاں صاحبان دامت فیوضکم وثبت اللہ علی الدین اقدامکم وشرح للاسلام صدورکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ ہمتوں کو بلند فرمادے اور تمہارے ہاتھوں ہی اپنے دین کو منصور اور مظفر اور پائدار آبدار اور چمکتا ہوا اور تروتازہ فرمائے اس موضع نئی کے جلسہ میں نہایت ضعف وسستی رہی اور آپ صاحبوں کی ہمت اور قوتوں سے جمع تو بہت بڑے بڑے لوگ ہوئے لیکن میری کوتاہ نظر میں اتنی باتوں کی کمی رہی۔

۱۔ اپنے یہاں کے اصلی مقاصد کے چھ نمبروں میں سے ایک بھی خاطر خواہ نہیں بیان کیا گیا صرف اجمالاً باہر نکالنے کو کہا گیا حالانکہ چاہیے تھا کہ اپنے تمام نمبروں کو مع اس کے اندر کی فضیلتوں اور اس کی برکات اس کے اثرات اور ان پر جمنے کے ذریعہ تمام دین میں سمجھ کے پیدا ہونے اور جڑوں کے جمنے اور مسلمانوں کے پہلوؤں کو سرسبز کرنے میں پوری کوشش کرنی چاہیے تھی۔

ہر ہر نمبر کی الگ الگ یہ سب باتیں تفصیل وار ذہن نشین کرنے میں پوری کوشش کرنی چاہیے تھی اور اس کے برخلاف ایک نمبر کی بھی کوئی خوبی نہیں بیان کی گئی۔

۲۔ سب ذیلداروں اور سر برآوردہ لوگوں کو ہر موضع کے دیندار علماء اور میاں جی لوگوں کے ساتھ الگ الگ جماعتیں کرکے ہر ایک جماعت سے الگ الگ ہاں کرانی چاہیے تھی اور اس میں کوشش کا اقرار کرانا چاہیے تھا۔

۳۔ ان سب جماعتوں سے اقرار کرانے کے بعد ہر ایک جگہ کے واسطے کو عمل میں مصروف کرنے کے لئے اپنے پرانے لوگوں کو تقسیم کرکے عمل میں اور گشت میں مصروف کردینا چاہیے تھا۔

۴۔ ہر ہر قوم کی الگ الگ جماعت بنانے کی میں بہت دن سے تاکید کررہا ہوں، اس جلسہ میں ضروری تھا کہ موضع نئی سے ہر ہر قوم سے مستقل جماعت نکالنے کی پوری کوشش کرنے کے لئے ایک جماعت دو چار دن کے لئے مقیم کرکے آنا تھا، جو ہر قوم سے الگ الگ جماعت نکال کر آتی۔

۵۔ صرف تعلیم کے لئے ایک جلسہ کی ضرورت تھی، جس میں تمام مدرسین اور مبلغین جمع ہو کر محض تعلیم والے نمبر کے پہلوؤں پر غور کرکے تعلیم کے فروغ میں پورا زور دیا جائے، اس جلسہ کی کوئی تاریخ مقرر کردینی چاہیے تھی یہ بھی نہ ہوسکا۔

۶- یوپی میں جماعتیں بھیجنے کے لئے ہر ہر طبقہ سے الگ الگ اقرار کرایا جاتا یہ بھی نہ ہو سکا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ میں نے اس واسطے تحریر کیا ہے کہ اس جلسہ میں ان ناکامیوں کی وجہ سے ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کی کوشش کریں اور آئندہ جلسوں میں ان سب نمبروں میں ہمت اور پابندی اور بیدار مغزی کے ساتھ کوشش کرنے کی اللہ جل جلالہ سے کوشش کرتے رہا کریں۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ

از نظام الدین اولیاء

بندہ محمد الیاس عفی عنہ ۳۸/۷/۲۴ء

بخدمت چودھری میاں جی چاند مل صاحب وچودھری امراؤ صاحب و نمبردار فتو صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میرے دوستو! انسان کو اپنے اللہ پاک کے راضی کرنے کی اپنے نفس اور اپنی زندگی کو باقی رکھنے سے زیادہ ضروری ہے اور میرے دوستو! دین کی کوشش میں لگا ہوا شخص مرنے کے وقت تروتازہ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرخروئی سے منہ کر سکے گا اور محمدی دین سے غفلت میں مرنے والا روسیاہ اور جناب محمد ﷺ کے سامنے منہ نہ کرنے کے قابل اور بری موت مریگا۔ دین کے اندر کی کوشش حضور ﷺ کے درد کا مرہم، اتنی بڑی ہستی کے مرہم کی فکر نہ کرنا بڑی جہالت اور سخت بری بات ہے، لہذا میں تمہیں نہایت تاکید کے ساتھ توجہ دلاتا ہوں کہ مردانہ ہمت کے ساتھ ادھر ادھر سے جن کو کوشش کرنے والا سمجھو اپنے ساتھ لے کر اپنے گاؤں میں فی گھر دو دو مہینے کے لئے ایک ایک آدمی دین کے پھیلانے کے لئے نکالنے میں ضرور پوری کوش کرو (ف) دین کے اندر کی کوشش حضور ﷺ کے درد کا مرہم ہے)

میرے دوستو! تم بھی سمجھو اور سب کو سمجھاؤ کہ گھر کے جتنے آدمی ہیں وہ سب تو اس تھوڑی سی زندگی کے سامان میں لگے رہیں اور فی گھر ایک آدمی کا مرنے کے بعد کی اتنی بڑی زندگی کے سامان میں اور وہاں کا سرمایہ حاصل کرنے میں لگے رہنا ضروری ہے، آخر وہاں کے سامان کی بھی تو ضرورت ہے اگر ایسا کرو گے تو تمہاری دنیا میں بڑی برکت اور بڑی ترقی ہوگی تم خود نمبردار محراب کے کام کو دیکھو لو وہ اپنے گھر میں جو باوجود اکیلا ہونے کے دین کے اندر کوشش کرتے رہنے سے اس کی دنیا میں کچھ فرق نہیں آیا بلکہ بڑی برکت ہوگئی۔

میرے دوستو! مرنے کے بعد کا وقت بہت سخت وقت ہے اور مرنے کے بعد کی گھاٹیاں بہت بھاری

گھاٹیاں ہیں ایسے بھاری وقت کے واسطے اتنی بار کوشش کرنا اس مقابلہ میں کچھ بھاری بات نہیں ہے۔

میرے دوستو! اس میں کوشش کرنے سے سیکڑوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ ہوں گی اور ہر ہر سنت پر سو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا، تم خود دیکھو ایک شہید کا کتنا بڑا رتبہ ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اس کام کے لئے نکلنے والوں کے قدم امید کرتا ہوں کہ فرشتوں کے پروں پر پڑتے ہیں اور اللہ کے یہاں بہت بڑا درجہ نصیب ہوتا ہے دنیا کی مخلوق اور آسمان کے فرشتوں کے دلوں میں کام کے کرنے والوں کی محبت اور وقار جمتا ہے۔

میرے دوستو! دین کے ہر کام میں تمہارا اگاؤں آگے رہا ہے اور سب سے زیادہ بہادر رہا ہے فی گھر ایک آدمی نکالا جانا یہ نئی تحریک ہے اس میں سے سب سے آگے رہو! اگر ان شاء اللہ تم نے اس پرچم کے کوشش کی اللہ کی نصرت سے ضرور کامیاب ہوگے اور پھر دوسروں کو بھی رغبت ہوگی اور پھر وہ بھی اس میں کوشش کریں گے اور ان کے ثواب میں تم شریک رہوگے میرے کہنے کو غنیمت سمجھو بھلی بات کہنے والے ملتے نہیں ہیں دیکھو بھلے کام میں کوشش کرلو مرنے کے بعد کوشش کا موقعہ نہیں ملے گا اور تمنائیں ہوں گی۔ فقط والسلام

۷۸۶

بنام مولانا عمران خاں صاحب ندوی

مکرم محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس سے قبل ایک عریضہ ارسال کیا گیا تھا جس میں ۱۶ جنوری کو علاقہ میوات مقام نوح میں ایک اجتماع چودہریوں اور سر برآوردگان کو تبلیغ کے لئے دعوت اور اس پر آمادہ کرنے کے لئے طے ہوا تھا وہ ملتوی کردیا گیا چونکہ بندہ بیمار ہے اور معالج نے حرکت اور گفتگو کرنے کو منع کردیا ہے احباب کی رائے میں میری شرکت کو ضروری سمجھا گیا اس لئے فی الحال ملتوی کردیا گیا اطلاعاً عرض ہے مولانا منظور صاحب کو بھی اطلاع فرمادیں، مولوی عبد الغفار صاحب ادارہ تعلیمات اسلامیہ کو بھی اس کی اطلاع فرمادیں۔

فقط والسلام بقلم انعام الحسن

از راقم سلام مسنون۔ بخدمت جناب مولانا عمران صاحب سلام مسنون اگر مولانا ابوالحسن صاحب موجود نہ ہوں تو ادارہ تعلیمات اسلامیہ میں اس خط کو بھجوادیں۔

بگرامی خدمت احباب باخلاص خصوصاً مولوی سلیمان صاحب زیدت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پس از سلام واضح ہو کہ ایک نہایت ضروری امر کے لئے تکلیف دینے کے ارادے سے رقعہ مزید تحریر میں لارہا ہوں وہ یہ کہ ہماری تحریک ایمان جس کی حقانیت اہل جہاں تسلیم کرچکے ہیں اسکے عمل میں آنے کی صورت بجز اسکے کہ ہر آدمی لاکھ جان کے ساتھ قربان ہونے کو تیار ہو اور کوئی ذہن میں نہیں آتی دنیا کا یہی فیصلہ ہے اور فیض آسمانی کی ہزار ہا مرتبہ آزمودہ ہو کر ہزاروں اقوام کو ترقی اور تنزل کے نمونے دکھلا چکی میں اپنی قوت اور ہمت کو تم میواتیوں پر خرچ کرچکا، میرے پاس بجز اس کے کہ تم لوگوں کو اور قربان کردوں کوئی پونجی نہیں میرا ہاتھ بٹاؤ اس وقت فوری ضرورت یہ ہے کہ میں ہفتہ کو بارہ ٹونٹی سے اس لاری پر جو تقریبا پانچ بجے چلے گی دھولیت کے جلسہ کے لئے روانہ ہوں گا، آپ احباب کی ایک جماعت ایسی تیار ہو کر جلسہ میں پہنچ جانی چاہیے جو آنے والوں کو وعظ وغیرہ سے پہلے ہی آمادہ کرکے یوپی وغیرہ کے لئے تیار کرکے تمام ان مقدمات کو جو اختتام پر کرنے پڑتے ہیں اور ان میں کھنڈت پڑتی ہے طے کرلے تاکہ جلسہ کے ختم پر محض انکا دعا کرکے چلنا ہی باقی رہا کرے، مگر استقلال کے ساتھ خط پر غور کیجیو، جلد فیصلہ نہ ہونے کا نہ کیجیو ہمت محنت اور استقلال تین لفظوں کا دھیان رکھیو۔

فقط والسلام بندہ محمد الیاس غفرلہ

بنام کارکنان میوات

میرے دوستو! اور عزیزو! تمہارے ایک ایک سال دینے کی خبر سے جوابھی سے مسرت ہورہی ہے وہ تحریر سے باہر ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور توفیق مزید عطا فرماویں میں چند باتوں کی طرف آپ صاحبان کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ اپنے اپنے کے ان لوگوں کی فہرست جمع کر کے مجھے اور شیخ الحدیث صاحب کو لکھیں کہ جو ذکر شروع کر چکے ہیں یا اب کر رہے ہیں یا چھوڑ چکے ہیں۔

۲۔ دوسرے جو بیعت ہیں اور ان کو بیعت کے بعد جو بتلایا جاتا ہے اس کو نباہ رہے ہیں یا نہیں۔

۳۔ ہر مرکز میں جو مکاتب ہیں ان کی نگرانی اور جدید مکاتب کی جہاں جہاں ضرورت ہو۔

۴۔ تم خود بھی ذکر اور تعلیم میں مشغول ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو بہت جلد اب تک کی غفلت پر نادم ہو کر شروع کر دو۔

۵۔ نمبر اول سے مراد یہ ہے کہ جن کو بارہ تسبیح بتائی ہیں وہ پابندی سے پورا کرتے ہیں یا نہیں اور انہوں نے ہم سے پوچھ کر کیا ہے یا خود اپنی تجویز سے ذکر کرنے والوں کو دیکھ کر شروع کر دیا ہے ہر ہر شخص سے دریافت کر کے نمبروار تفصیل لکھو۔

۶۔ اپنے مرکزوں سے ہر ہر نمبر کے متعلق نمبروار تفصیل کے ساتھ کار گزاری میرے اور شیخ الحدیث صاحب کے پاس روانہ کرنے کا اہتمام ہو۔

۷۔ جو ذکر بارہ تسبیح کر رہے ہیں ان کو آمادہ کرو کہ وہ ایک ایک چلہ رائے پور (۱) جا کر گذاریں۔

۸۔ حضرت تھانویؒ کے لئے ایصال ثواب کا بہت اہتمام کیا جائے ہر طرح کی خیر سے اس کو ثواب پہنچایا جائے، کثرت سے قرآن شریف ختم کرائے جاویں یہ ضروری نہیں کہ سب اکٹھے ہو کر ہی پڑھیں بلکہ ہر ہر شخص کا تنہائی میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے تبلیغ میں نکلنے کا ثواب سب سے زیادہ ہے اس لئے اس صورت سے زیادہ پہنچاؤ۔

۹۔ حضرت تھانویؒ سے منتفع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے اور ان

---

(۱) رائے پور ضلع سہارنپور حضرت مولانا عبد القادر رائے صاحب خلیفہ شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری کی خدمت میں۔

کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے علم آوے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل اس وقت یہ چند ضروری باتیں عرض کردیں آئندہ تمہاری کارگزاری آنے پر جو چیزیں بندہ کے نزدیک ضروری ہوں گی ان شاء اللہ عرض کرتا رہوں گا۔

۱۰- میرے دوستو! تمہارے نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے ذکر، تعلیم، تبلیغ یعنی تبلیغ کے لئے باہر نکالنا اور ان کو ذکر و تعلیم کا پابند کریں۔(ف) تبلیغ میں نکلنے کا خلاصہ تین چیزوں کا زندہ کرنا ہے ذکر، تعلیم تبلیغ۔)

۱۱- پرانے آدمیوں کو خصوصا جو میرے بھائی کے ملنے والے ہیں ان کو اہتمام سے اس کام میں اپنے ساتھ لگانے میں خصوصی کوشش کریں۔

۱۲- اپنے اوقات کی قدر کریں اور لایعنی سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی ترغیب دیں تمہارا عمل دوسروں کے لئے نمونہ ہوگا۔

۱۳- شیطان کی کامیابی دو چیزوں میں لگا دینا ہے اول لایعنی دوسرے اپنی راحت و آرام کے فکر میں پڑجانا۔

۱۴- اپنی کارگذای کے ساتھ شیخ الحدیث صاحب کو اس کا شکریہ بھی لکھو! کہ تمہارا گھروں سے مکارہ کو برداشت کرتے ہوئے نکلنا محض آپ کی توجہ ہی کی برکت سے ہوا ہے ہمارے تغافل سے جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس کی معافی کے خواستگار ہیں ولکن لا تحبون الناصحین سے نہ بنیں بلکہ اپنے ناصحین کو زیادہ سے زیادہ خوش کرنے والوں میں سے ہیں۔

۱۵- سب سے زیادہ ضروری ان غلطیوں پر ندامت جس قدر بھی زیادہ ہوگی اس کے بقدر تم ان اللہ یحب التوابین کے ماتحت اس کے محبوب ہو جاؤ گے اور آخر شبوں اور فرض نمازوں کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کا بہت زیادہ اس کام کے فروغ کے لئے اہتمام کیا جاوے۔

دعا تمام تمہاری عبادتوں کا مغز ہے، اس کے فروغ کے لئے یسین شریف کا ختم وغیرہ کرا کر اہتمام سے دعا منگواتے رہو۔

میرے محترم دوست! اللہ تعالیٰ تمہارے دینی جذبات کو قبول فرمادیں اور کسی ٹھکانے سے لگادیں۔آپ کے خلوص اور جذبات کی بلندی اور جوش سے طبیعت میں رشک آتا ہے حق تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات میں کوشش کی توفیق نصیب فرمادیں میرے بزرگ دوست ہر کام ہر شخص نہیں جانتا میرے نزدیک جذبات کی درستی اور دین کا

بخدمت فلاں وفلاں وجملہ محبان بندہ بلکہ محبان خداورسول و دوستداران مذہب وملت دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مسلمان کی قطعا اصل زندگی اور اللہ جل شانہ کی مخلوقات کے ساتھ خاص رحمت کے ساتھ متوجہ کرنیوالی زندگی اور محض اور مشغول ہونیوالے اور باقی مسلمین کی بلاؤں کی ہٹانیوالی اور مقاصد کو تروتازہ کرنیولوالی زندگی محض سراسر صرف ان امور میں کوشش کرنیکے بقدر ہے اس طرز زندگی سے غافل ہوتے ہوئے بہبودی کا انتظار اور بلاؤں کے کم ہونیکا وہم ایک مجنونانہ اور غلط خیال ہے، لہذا میں یہ رسالہ بھی روانہ کررہاہوں اور اپنے دوستوں کواور خدا ورسول ﷺ کی دوستی کی تمنا رکھنے والوں کو تقاضے کے ساتھ کہتاہوں کہ ہرگز اس میں کوشش کے ساتھ لگے بغیر خدا کی رحمت کے منتظر نہ رہیں اور بلاؤں کے ہٹنے کا وسوسہ نکال دیں ان چیزوں میں کوشش ہی دافع البلایا اور مفرج الکرب اور دافع غموم اور ہموم ہے۔ مجھے یہ مضمون لکھاتے ہوئے طبیعت بےچین ہوتی ہے لہذا اسی پر اکتفا کرتاہوں۔

محترمانم ومحبان صادقانم ارشدنا اللہ وایاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الور کا واقعہ ایک عبرت اور نہایت سبق دینے والا واقعہ ہے ہمشہ یاد رکھو کام کرنے والے کو ہر کام کرتے ہوئے ایک مشکل اور کسی پھساوڑے کا پیش آجانا یہ اللہ کی عادات میں سے ہے اور وہ وقت جو ہے ایک کتاب ختم ہو کر اس سے اگلی کتاب کے شروع ہونے کے ہم معنی ہے اور اگلی کتاب کے شروع ہونیکی صورت یہ ہے کہ بلبلا کر اور خلقت سے اور دنیا کی زندگی سے استغنا کرے اور مرضیات خداوندیہ میں اپنی حیثیت اور ہمت کے موافق جم کر کوشش کرے تب تو ترقی میں اگلے درجہ پر چڑھ جائے گا اور اگر ایسا نہ کیا تو اپنی پہلی حالت سے بھی نیچے گر جاویگا سو اگر توفیق ایزدی شامل حال رہے اور پھساوڑے کے اڑگڑے سے اللہ تعالیٰ شانہ نجات بخشیں تو اس کے شکریہ کے واسطے شکریہ ایزدی حق تعالیٰ شانہ واجب ہے شکریہ کی حقیقت یہ ہے کہ اب تک جو کچھ بھی پیش آیا ہے یا کامیابی ہوئی ہے اس کو اپنی کوشش کا نتیجہ ہرگز نہ سمجھے یہ شرک ہے صرف فضل خداوندی سمجھے اور

بذریعہ نماز کی کثرت اور تسبیحات کی کثرت خصوصاً ان دو دعاؤں کی تکثیر کے ذریعہ صرف اللہ کے فضل ہونے کا زبان سے اقرار کرے وہ دو دعائیں یہ ہیں۔

۱. الحمد لله الذی بعزته وجلاله تتم الصلحات

۲. اللهم لک الحمد شکرا ولک المن فضلا.

اور دین کے کاموں میں بہت جم کر پہلے سے سو درجہ زیادہ لگ جائے اس نے کل کے بعد اگر یہ دونوں معاملے کئے تو بیشک شکریہ ادا کیا ورنہ کفران نعمت ہوگا اور کفران نعمت پر عذاب کی وعید ہے جس کو فرماتے ہیں وان کفرتم الخ اور جب عذاب ہوا تو پکڑ ہوگی اور ان بطش الخ

سو میرے دوستو! یہ مشکل ہٹنے کا موقعہ آیا ہے لہذا دونوں طرح کا شکریہ ادا کرنا چاہیے اور تمام ملک میں اس طرز کے ساتھ جابجا شکریہ کی ادائیگی میں سعی کرنی چاہیے۔

فقط والسلام

ہر مرکز سے سیکڑوں کی مقداریں نکالنے کی سعی میں سب کو لگ جانا چاہیے اس سے اللہ راضی ہونگے مرتبہ بلند ہوگا دنیا میں بڑی بڑی عزت والوں میں تمہاری عزت ہوگی اور مرنے کے وقت تمام بلاؤں سے چھوٹ کر گویا کہ ایک سلطنت کی شاہانہ زندگی کی ابتداء ہوگی اس کام کے کرنے والے کے لئے اور مرنے کے وقت تمام آلائش سے چھوٹنے کا وقت ہوگا اور اگر ایسا نہ کیا تو یہ زندگی ہماری خنزیر کی زندگی سے بدتر چل رہی ہے لہذا میری تحریر میں سعی کو ضروری سمجھ کر اپنے کو سرسبز کرنے والی زندگی کو دوڑ کر حاصل کرلو! اپنے جملہ مبلغین کی ایک باوقار اچھی جماعت لے کر گوالدہ پر توخصوصاً اور دوسرے مرکزوں میں عموماً اپنی موجودگی میں کوشش کرکے جتنے ہوسکیں روانہ کریں اور آتے ہوئے ایسا بندوبست کرکے آویں کہ مرکز کی جماعت نکلنے والی جماعتوں کا تار نہ ٹوٹنے دیں۔

تبلیغ سے واپس ہونے والی مقدار سے تبلیغ کے لئے نکالنے والی جماعت کی مقدار ہمیشہ چوگنی اور دس گنی ہونی چاہیے اس قسم کی میری تحریر مولوی نور محمد صاحب جیسوں کے پاس خصوصیت سے بھیجدیں مولوی ابراہیم چند دن کے لئے میرے پاس آجائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

کاشف العلوم دہلی

محترمان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی! آپ حضرات کی تحریر سے سرگزشت تبلیغ اور واگذاشت ضروری معلوم ہوئی آپ لوگ خوب یقین فرمالیجئے کہ ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے آپ لوگوں نے بدعتی کے لفظ سے بعض جگہ کے لوگوں کو یاد کیا ہے آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہیے جو اشتعال انگیز ہوں بلکہ اس قسم کے مبہم الفاظ لکھنے چاہیے جس سے کسی خاص فرقہ یا جماعت پر طعن نہ ہو، مثلاً بعض جگہ کے لوگ اب تک شبہات وشکوک میں پڑے ہوئے ہیں ہم اپنی کمزوری اور کوتاہی کی وجہ سے ان کے اشکالات حل نہ کرسکے اور شکوک دور نہ ہوسکے (ف ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے اور نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے) اپنی عیب جوئی اور اس پر توبہ استغفار وندامت اپنے عیب اور کوتاہیوں کا ازالہ وجبر نقصان ہے، دوسروں کے عیب کی کوشش بے ہنری اور کام کو بے رونق کرنیوالی چیز ہے، دوسروں میں عیب نکالنے سے اپنا مایہ بھی جاتا رہتا ہے اور اپنے میں عیب ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنے سے پونجی میں کمی نہیں ہوتی اور اگر اس پر ندامت کیساتھ استغفار توبہ کی تو آئندہ کے لئے رحمت وبرکت نازل ہوتی ہے (ف دوسروں کے عیب کی کوشش، کام کو بے رونق کرنیوالی چیز ہے) بہر کیف تحریر وتقریر میں نہ ایسے الفاظ نکلیں جن سے اندیشہ وخطرہ ہو فساد کا اور نہ ایسے خیالات کا اظہار ہو جن سے بدگمانی اور بدظنی بڑھے سارے مسلمان اپنے ہی بھائی ہیں جب نرمی اور طریقہ سے لایا جائیگا تو خود ہی حق پر آجائیں گے۔ نوح سے جماعت مانگنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کو آپ لوگ خود ہی ابھاریئے اور نگرانی اور جماعتوں کی کثرت کی جانب توجہ دلائیے یہاں مولوی ابراہیم صاحب سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ جماعتیں لیجانے کی کوشش کریں منشی بشیر احمد صاحب کے پچھلے خط کا جواب یہ ہے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ اے میرے دوست بشیر جس خدائے پاک نے انبیاء علیہم السلام کو اس راستہ پر جمانے کے لئے بھیجا ہے اس کی حکمت نے شیطان کو اس سے پھسلانے اور ہٹانے کے لئے بھیجا ہے جب تک تم دعا اور توجہ کیساتھ اس راستہ پر کے موانع کو مغلوب کرکے کوشش نہ کرو گے اس وقت تک اس راستہ پر چل نہ سکو گے۔ حضرت والا بہت نازک حالت میں ہیں، دعا کیجئے اور کرائیے۔

فقط والسلام

محمد الیاس بقلم محمد عبید اللہ بلیاوی یہ خط منشی بشیر احمد صاحب کو بھی دکھلایا جائے۔

از نظام الدین دہلی

۷۸۶

مکرم محترم الحافظ القاری محمد طیب صاحب متعنااللہبطول حیاتک الطیبه وافاض علینا فیوضکم السرمدیه واکرمکم اللہکمااکرمتمونابالذات القدسیة

السلام علیکم ورحمة اللہوبرکاتہ!

حضرت عالی! کوئی کام بغیر اصول اور بنا کے نہیں چلتا اس وقت یہ تبلیغ اس قدر عظیم الشان کام ہونے کو پہنچ گیا ہے کہ تفصیلات ظاہر یہ وباطنیہ اصولیہ وفروعیہ اس قدر کثیر اور وافر ہیں کہ وہ بیان تحریر یا غور کر کے فہم کے احاطہ سے بہت بالاتر ہو چکی ہیں اور جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں یہ سب تفصیلات بہر حال بناؤں پر چل رہی ہیں - ان بنائی امور پر کسی آدمی کو دفعۃ چلانا بہت دشوار ہے اس لئے میرے نزدیک جو کام چلنے کے لئے اس وقت ضرورت ہے وہ مشائخ طریقت وعلماء شریعت ماہرین سیاست کے چند ایسے حضرات کی جماعت کے مشاورت کے ماتحت ہونے کی ضرورت ہے ایک نظم کے ساتھ حسب ضرورت کا انعقاد خاطر خواہ مدام رہے اور عملی چیز سب اس کے ماتحت ہوسوایک تواول ایسی مجلس کے منعقد ہو جانیکی ضرورت ہے اور دوسرے اس وقت جو امت محمدیہ ﷺ کے امراض کہنہ میں سے ہے وہ عملی چیزوں کا بے محل اور بے ضرورت تقریر کی کثرت پر اکتفا ہے اور اس کے بالمقابل قول پر عمل بڑھنے کی ضرورت ہے لہذا آگے جو تبلیغ میں کوشش کرے وہ اس تبلیغ کے میدان میں نکل چکنے والوں کے ساتھ زندگی گزارے۔ (ف) امت محمدیہ ﷺ کے امراض کہنہ میں عملی چیز ان کا بے محل اور بے ضرورت تقریر پر اکتفا ہے)

اس وقت مولانا کی تشریف آوری سے دہلی والوں نے تبلیغ سے وحشت کے بجائے انس کا اثر لیا ہے اور کار خیر سے انس پیدا ہو جانیکی ابتدا یہ بہت اچھی علامت ہے اس لئے اگر جناب عالی جملہ مبلغین کو میوات بھیجدیں اور کم سے کم مولوی عبد الجبار کو بھیجدیں تو امر ثانی کے لئے معین وممد معلوم ہوتا ہے۔

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ
اِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ

تونگری کثرتِ مال واسباب کا نام نہیں، تونگری دِل کی تونگری کو کہتے ہیں

نہ تونگر بُوَد ہر آنکہ بمال کار پرداز و چارہ ساز شود
آں بُوَد کز شہود و فضلِ خدا از زر و مال بے نیاز شود

غنی اُس کو نہ سمجھو جس کے گھر میں نُقرہ و زر ہو
غنی اُس شخص کو کہتے ہیں جو دل کا تونگر ہو

Hadith

Laysa'l-ghinā `an kathrati'l-`irḍi innama'l-ghinā ghinā'n-nafsi.

Sufficiency is not by much good repute (honour): indeed sufficiency is richness of heart.[1]

جمعیتہ علماء اسلام کراچی ضلع جنوبی

ارشادات و مکتوبات

بانی سلسلہ تبلیغ

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

مولانا افتخار احمد فریدی

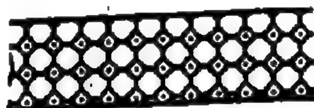
دینی زندگی سیکھنے کا خلاصہ

ارشاد کردہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس کام کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کے زمانہ میں جو خامی رہ گئی ہے اس کو دور کرنے کے لیے کلمہ، نماز، چھوٹے بڑوں کے آداب، باہمی حقوق درستی نیت اور لغزش کے موقعوں سے بچنے کے علم و عمل کو سیکھنے کے لیے ان اصول کے ساتھ اپنے بڑوں سے لیتے ہوئے ان لوگوں کے پاس جائیں جو اس سے بالکل محروم ہیں تاکہ ان کی خامی دور ہو جائے اور ان کو واقفیت حاصل ہو جائے۔

یہ اس کام کا نچوڑ ہے جو خود حضرت کا فرمایا ہوا ہے اور وہ چاہتے تھے ۔ یہ تحریر ہر شخص اپنے پاس رکھے تاکہ بار بار خود بھی غور کرے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔

نوٹ مولاناؒ کی اپنی قیام گاہ مسجد بنگلے والی بستی حضرت نظام الدینؒ اولیاءؒ دہلی میں اس ارشاد کو اہتمام سے لکھوا کر آویزاں کرایا گیا تھا۔



حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ حضرتؒ کی غایت شفقت اور میری کثرت حاضری کو دیکھ کر ایک صاحب نے حضرت قدس سرہ سے میرے سامنے یہ پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں؟ تو حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا۔

"یہ بیٹے سے بڑھ کر ہیں" (آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۸)

(۲) حضرت شیخ کے عم محترم حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس نور اللہ مرقدہ (بانی سلسلہ تبلیغ) آپ کے بارے میں بہت بلند و بالا کلمات فرماتے تھے۔ آپ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحرز فرماتے ہیں۔

"گرامی قدر عزیز محترم۔ منبع الاخلاق، معدن جود و کرم، مخزن فضائل و علم مولانا الشیخ الحافظ الحاج شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب"

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"مجھے آپ اور حضرت حافظ صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا ہے۔ کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی آپ کے قلوب کی ہمت ہے۔ آپ کی متانت و استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے۔ باقی سب آپ کے قلوب کی کٹھ پتلیاں ہیں۔



بانی و امیر اول تبلیغ [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عمل علی سبیل الدعایۃ ہے لاعلیٰ سبیل الحکومت ۔ یعنی دعوۃ الی اللہ کا موضوع یہی ہے کہ ترغیب و تحریص عمل کے منافع و محاسن اور اس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں اور وعیدوں کے ذکر کی کثرت اور اللہ کی صفات و عادات کو کھولنے کے ذریعہ اللہ کی بات قبول کرنے کی طرف بلایا جائے، تاکہ اللہ کی محبت و عظمت قلوب میں پیدا ہو کر دل خداوند تعالی اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں نہ کہ کسی قوت اور زور سے مجبور کرنا۔ ہاں سیاست یہ ہے کہ پیدا شدہ رغبت کو ضیاع سے بچانے کے لیے حسن تدبیر کے ساتھ بلا اکراہ وایذا بالتدریج عمل پر ڈالا جائے اور طرق واسباب اختیار کئے جائیں جن سے عمل میں استقلال و دوام کی اور ترقی کی رفتار بڑھتی رہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ مجھے دو خطرے ہیں ایک یہ کہ اسباب ہوتے ہوئے اسباب پر نظر نہ ہو مشکل ہے مجھے اپنے اوپر بھی خطرہ ہے اسباب پر نظر ہو جانے سے اللہ کی نصرت ختم ہو جاتی ہے، استدلال میں **لقد نصرکم اللہ** کو پیش کیا۔ اسباب نعم ہیں اسباب کا تلبس استعمالِ نعمت کے درجہ میں ہو نہ کہ ان پر نظر جم کر خالق کے بجائے ان سے جی لگ جائے۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہم کام نہ کر رہے ہوں اور سمجھیں کہ کر رہے ہیں۔ کام کے اثرات کو کام سمجھیں کام تو چھ نمبروں کی پابندی ہے۔

نصیحت کے کانوں سے سنے تو تھوڑا بہت ہے۔

اللہ سے علاقہ دو قسم کا ہے ایک بحیثیت مخلوق اور ایک بحیثیت بندہ۔

میں نے اس کے منافع سوچنے چھوڑ دیئے، جتنے سوچے وہ قابو میں نہیں آئے جتنے قابو میں آئے وہ کھے نہیں جتنے کھے وہ سمجھ میں نہ آئے جتنے سمجھے اتنے کیے نہیں۔

دین کے لئے نہ ہجرت کی شان ہو نہ نصرت کی تو کون سے مسلمان ہو۔

میواتیوں کے متعلق میں نے علمائے کرام سے کہا کہ یہ لوگ آپ کو اپنی نادانی اور جہالت کا منظر دکھا کر اپنے اوپر رحم کرنے کے لیے آمادہ کرنے آئے ہیں۔ (مفہوم)

ایک شخص گھنٹے کی آواز سے چونکا تو میں نے اس سے کہا کہ ایک ٹن سے چونکتا ہے اور قیامت کا الارم یعنی

اختتام دین بج رہا ہے اس کی خبر نہیں۔

فرض نماز کے سامنے تو کسی عبادت کا چراغ نہیں جلتا نوافل میں سب سے افضل تہجد ہے، اگر پچھلے کو اٹھ سکے تو تہجد ورنہ اس کی حسرت کے ساتھ سونے سے پہلے دو چار رکعت پڑھ لیا کرے۔

مجھے بڑی امید ہے کہ اگر اس کو لے کر کھڑے ہو جاؤ تو گاؤں کے گاؤں غیر مسلم کثرت سے مسلمان ہوں گے

اسلام میں ایک ذاتی حسن ہے۔

اسلام! اللہ کے اوامر کے زندہ کرنے میں جان دینے والے (جان قربان کرنے والے) اسباب کو ڈھونڈھنا ہے۔

مکاتب کے سلسلے میں فرمایا کہ سو مکتبوں کے اخراجات میں دینے کو تیار ہوں۔ مکاتب قائم کرو ان سے مدارس کو پانی ملے گا، مگر اس طرح کہ ایک عملہ انتظامیہ قائم ہو جو مواقع ضرورت کی تلاش مدرسین کا انتخاب اور مکاتب و مدرسین کی نگرانی کے نظام کو اپنے ذمہ لے کر مجھے مطمئن کر دے۔

اس تحریک کے فروغ سے موجودہ معتمد حقانی مدارس جیسے ہزاروں مرکزی مدارس قائم ہوں گے اور ہر ہر مرکز کے ساتھ لاکھوں مکاتب وابستہ ہوں گے۔

تحصیل علوم کے طریق وہی ہیں جو مروج ہیں۔ یہ تبلیغ ان علوم کا طریق استعمال سیکھنا ہے۔

تحصیل علوم کے مروجہ طرق مدارس اور خانقاہیں تکمیل علوم کے لیے ہیں اور یہ تبلیغ ان کی ابتدائی تعلیم تعلم اور بنیادی پرائمری ہے بنیاد کی صحت بغیر اگلے علوم صحیح نہیں ہو سکتے اور طریق استعمال سیکھے بغیر علوم نفع اور انتفاع بر نہیں پڑ سکتے، بلکہ اپنے لیے اور دوسروں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

لایعنی کا مشغلہ آب و تاب کھو دیتا ہے اور محرمات کا اشتغال گندہ کر دیتا ہے۔

ہر ہر صوبے کے لیے ایک ایک چلہ کو خود تیار ہو اور دوسروں کو دعوتیں دو۔

قل ان کنتم تحبون اللہ کے ماتحت یہ فرمایا اللہ کے ذکر اور دھیان سے غافل تو بے نصیب ہے۔

ذکر کی بھی دو قسمیں ہیں ذکر مردود اور ذکر مقبول، حضور ﷺ نے جس میں ثواب نہ بتایا ہو اس میں ثواب کی امید رکھنا ذکر مردود ہے اور زندگی کے ہر شعبہ کو حضور ﷺ جیسا بنانے کی کوشش کرنا ذکر مقبول اور محبوب ہے۔

اسلام عالم کی ہر چیز کے تسخیر کا عمل ہے تم خدا کے جتنے بندے بنو گے ہر چیز تمہاری بندگی میں آتی رہے گی۔

اسلام کا خلاصہ حضور ﷺ جیسی زندگی کا شوق پیدا ہوجانا ہے۔

راحت نعمت ہے ناقدری کے طور پر چھوڑنا کفران نعمت ہے اور اعلائے کلمۃ الحق میں باعث اجر ہے۔

کام کرنے والوں کا اللہ کے علاوہ کسی سے امید رکھنا اجر کو کھودیتا ہے۔

عقیدہ کے معنی دل میں بسنا اور بندھ جانا عقیدہ کا استخفاف کفر وانکار ہے۔

بندگی یعنی امر خدا کے ماننے میں مزہ آنے لگے۔

تم خدا کے آگے نرم ہوجاؤ تو ہر چیز تمہارے لیے نرم ہوجائے گی۔

حضور ﷺ کا پورا اتباع یہ ہے کہ انہوں نے جس چیز کے پھیلانے میں جتنی کوشش کی اور جتنی تکلیف اٹھائی اس کے لئے اسی نسبت سے کوشش اور اسی قدر مشقت ہو۔

اجمال کے اندر قوت پیدا کرنے کے لئے تفصیل ہے اور تفصیل سے بالذات جی نہ لگاؤ وہ باعث انتشار ہے۔

چار چھ مہینے اتنے لگو کہ مرغوبات میں تمہارے کھینچنے اور باندھنے کی قوت نہ رہے۔

یہ کام شریعت طریقت سیاست کے علوم مع عمل کے لیے ہے۔

مذہب کے اہم اور بڑے تین شعبے ہیں شریعت، طریقت، سیاست اس طریق تعلیم و تعلم اور اس طرز تبلیغ کے اصول کی پابندی کرنے سے ان تینوں کے علوم بھی تدریجاً حاصل ہوتے رہتے ہیں اور صرف علوم نہیں بلکہ ساتھ ساتھ ہر ایک علم کا عمل بھی آتا رہتا ہے گویا تینوں کے علوم مع عمل کے بڑھتے رہتے ہیں۔

اس کے منافع میں ذکر کی حلاوت ہے۔

یہ اپنے آپ کو تقادیر کے حوالے کردینا ہے اسباب کی خاصیتیں انسانی تجربات ہیں اور اعمال کی خاصیتیں بوعدہ خداوندی موعود ہیں جن کا اللہ ضامن ہے کتنی بے نصیبی ہے کہ اللہ کی ذمہ داری میں رہنے کے بجائے اپنے کو تجربہ اور طاقت کے حوالے کردیا جائے۔

کام کی تھوڑی سی برکات کو اللہ کا ماننا سمجھنے لگے اللہ کی دہش اور اپنے ماننے میں امتیاز کرنے لگے۔

فرمایا کہ یہ ایک اسلامی اصول ہے ہر شخص اپنے ماعدا کا ماتحت اور دوسرے کی زیر نگرانی ہو۔

صحابہ کے زمانے میں خیریت کا مفہوم یہ نہیں تھا جو اب ہے اب عرف میں جو مصائب کہلاتے ہیں وہ

پہلے نہ تھے بلکہ مصائب معاصی تھے اسی کو ایک بار یوں فرمایا

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ایک دوسرے سے خیریت معلوم کرتے تھے تو اس کا مفہوم یہ ہوتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ جس طریقہ پر چھوڑ گئے تھے وہ باقی ہے اس میں کچھ فرق تو نہیں آیا۔

اب تک ہماری دعوت کے چھ نمبر وجودی ہیں اور ایک عدمی یعنی تبلیغ کے لیے نکلنے کے زمانے میں چھ اصول ایسے ہیں جن کو عمل میں لایا جائے اور ان کی پابندی کی جائے اور ایک نمبر ایسا ہے جس سے ان اوقات میں بچا جائے لایعنی اور معاصی محرمات کا اشتغال نہ ہو۔

تبلیغ میں نکلنے کا وقت ہانڈی پکانے کے مشابہ ہے ہانڈی پکاتے وقت تھوڑی سی گندگی ساری ہانڈی کو ناپاک کردیتی ہے تیار یا خشک ہونے پر ناپاکی کا اثر تمام پر نہیں ہوتا۔

اگر خود نہ کرسکے تو دوسروں کے ذریعہ بھی نہ کما سکے بڑا شقی ہے اپنے سے زیادہ دوسروں کو تیار کرو کیا خبر کسی کے خلوص کی برکت سے تمہیں بھی توفیق ہوجائے۔

تمہارے کام کرنے کی اصل جگہ اسلامی مقامات اسلامی سلطنتیں اور ریاستیں ہیں۔

کلمہ لاالہ الااللہ کو اقالیم قلب ودماغ وجوارح میں بسنے کی بہت گنجائش ہے اپنے تینوں اقالیم میں بسانے کی نیت سے دعوت دو۔

انسان اللہ کا خلیفہ ہے اس کی ہر صفت کا مظہر ہوسکتا ہے اسی میں خدائی طاقتیں حلول کرتی ہیں جو صفات خداوندی کے رنگ کے بقدر آتی ہیں جو اپنے نفس کے علاوہ کسی کی تحقیر کے پیچھے پڑتا ہے اللہ اس کی تحقیر کا ارادہ کرلیتا ہے۔

ہر ہر نمبر کے نصوص معلوم کرو اور ان کے دھیان کے ساتھ ان میں لگو۔

کلمہ کے بارے میں تکلیف اٹھانے سے اس آفتاب میں چمک ہوگی اور نماز کے لیے تکلیف اٹھانے سے نماز میں رونق ہوگی۔

حضرت محمد ﷺ کا ماننا ان کی بات کا ماننا ہے ان کی بات اور ان کے اعمال کے لیے بے کل ہونا ان کی محبت کا ثبوت ہے دعویٰ بغیر ثبوت کے ثابت نہیں ہوتا۔

جو طرق اغراض کی لائن سے برتے جاتے ہیں وہی سب دین کے فروغ اور اللہ کے لئے کردو۔

جو عمل کرتے وقت اس کے متعلق آئے ہوئے فرمان پر نظر نہ ہو یا مصالح خداوندی کے بجائے اپنی مصلحتوں پر نظر ہو وہ رسمی ہے اور نفس کا اتباع ہے۔

عمل پلیٹ فارم ہے اور اوامر رسیاں ہیں ان اوامر کی رسیوں کے ذریعہ اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

روحانی زندگی ایک سوار ہے اور نفس اس کا گھوڑا ہے اور مادی خوراک اس گھوڑے کی غذا ہے نہ اتنی غذا دو کہ سرکش ہوجائے اور نہ اتنا بھوکا مارو کہ ضعیف ہو کر کام نہ دے۔

انبیاء کی لائی ہوئی زندگی کی ساخت ایسی ہے کہ آمد کے طرق تو بہت مگر اپنے اوپر خرچ نہ ہو سب دوسروں پر خرچ ہو اور اس سے دوسروں کے حقوق ادا ہوں۔

اپنی اس معصیت والی ناپاک زندگی پر حق کی حمایت اور فرمانبرداری کی زندگی کو قیاس نہ کرو۔

راتوں کو قرآن کے اندر ہڈیوں کو پگھلانے والے غور وفکر اور دنوں کو اس کے حلال حرام کے پھیلانے میں جان توڑ کوشش نے ہی حضرت محمد ﷺ کو بڑھایا ہے۔

جب تک تمہاری راتیں صحابہ کرامؓ کی راتوں کے مشابہ ہو کر اس کے ساتھ ضم نہ ہوں گی تمہارا دنوں کا پھرنا رنگ نہیں لائے گا۔

مذہب پر چلنا اسباب کی خاصیتوں کو بدل دیتا ہے۔

خدمت کے معنی ذمہ داری کا بڑھ جانا ہے جس درجہ کی خدمت ہوگی اتنی ہی ذمہ داری ہوگی۔

حقوق کی ادائیگی میں دوسروں کی ضرورت کا احساس کبر پیدا کرتا ہے اور اپنی حاجت تواضع۔

یہ چیز کفر کے مٹنے کے قریب پہنچ چکی ہے ظاہر ہے زیادہ قلوب اندر سے اس کا اثر لے رہے ہیں۔

تواضع اور تذلل کی حقیقت عزت ہے یعنی حقیقی عزت کو تواضع وتذلل کے پردے میں مستور کردیا گیا تاکہ ناقدرے کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے۔

میں اب تک کسی کو سمجھا ہوا نہیں سمجھتا (تبلیغی کام)

(مجمع میں علماء زیادہ تھے) فان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ کے ماتحت فرمایا کہ اس میں دو چیزوں کا فکر ہے کہ دنیا کیوں پیدا ہوئی اور تم کس لیے پیدا ہوئے تیسری چیز ان دونوں پر جو نتیجہ مرتب

ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ اسکیم۔ تم جس قدر اپنے آپ کو آخرت کے لیے خالص کرو گے اسی قدر اللہ اپنی مخلوق کو تمہارا منقاد مسخر کر دیں گے اللہ نے یہ اسکیم آخرت کی دین کے لئے بنائی ہے انبیاء علیہ السلام کی زندگی اس کی تفصیل ہے اور خوارق عادات زمین کا سکڑ جانا، آفتاب کا ٹھیر جانا وغیرہ اس کی دلیل ہے۔

علوم عجب پیدا کرتے ہیں نحن امۃ امیون اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ جتنا بھی آئے اسی ساخت سے آئے کہ نہ سمجھنے کی مقدار بڑھتی چلی جائے، علم کے بعد عالم سمجھنا زعم ہے، یہ کیڑا ہے جو کھالے گا اہل طریقت نے رذائل کو جمع کیا ان سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے کام میں لگے۔

ہر نمبر کماً اور ذوقاً بڑھتا رہے

یہ عمل باقی عملوں میں وہ نسبت رکھتا ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کو ماسوا سے ہے اس کو کرتے رہو گے تو سب نیکیوں سے انتفاع کی صورت نکلے گی، نیکیاں اس کی صحبت سے ایسے ہی فیض پاویں گی جیسے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے۔ یہ عمل حضور ﷺ کا قائم مقام ہے کیونکہ حضور ﷺ اپنی امت کو وہ خدمت سکھانے آئے تھے جو انبیاء کی تھی۔

ہماری تحریک کا خلاصہ علیٰ سبیل الدعایۃ کرنا ہے ہم علی سبیل السیاسۃ کرنے کے اہل نہیں رہے۔

آنحضرت ﷺ رؤف رحیم تھے اور بطریق اتم صفات باری ہونے کی وجہ سے سب کا رحم اپنے اندر بھرے ہوئے تھے جو اپنے اوپر رحم کرنا چاہے تو حضور ﷺ والے رحم کی تلاش کرے۔ یعنی اپنے ہر فعل کو حضور ﷺ کے فعل کے مطابق کرنا ہی اپنے اوپر رحم کرنا ہے اور اپنے تجربے یا اپنی عقل کی تجویز سے رحم کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور صحابہؓ بھی حضور ﷺ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ صحابہؓ کے حالات بہت اونچے ہیں۔ بعد والے گو علم میں بڑھے ہوئے ہیں لیکن اس سرمائے سے بڑھ کر بھی کوئی سرمایہ ہے؟

اہل کو اجتہاد کا حق ہے۔ اولی الامر کے اجتہاد کی معاونت کرو اگرچہ اپنی رائے کے خلاف ہو۔

اس کام کے لئے نکلنے کے زمانہ میں قلب، زبان، آنکھ، قدم، دماغ اور اعضاء کے متعلق جو جو احکام ہیں سب کی رعایت کرو۔ مثلاً قلب کے متعلق یہ ہے کہ اللہ کی عظمت اور ہیبت میں ڈوبا رہے، زبان کی خوبی یہ ہے کہ اللہ کی بات کہے اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہے۔ آنکھ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز سے عبرت حاصل کرے۔ اسی طرح دوسرے اعضاء کے متعلق جو خدمتیں ہیں وہ ان میں لگے رہیں۔ **لا الہ الا اللہ** کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ اغراض کے ماتحت کسی

چیزیں نہیں لگیں گے اور امر کے ماتحت جان اور عزت کی پرواہ نہ کریں گے۔

اللہ نور ہے، پاک ہے اور اغراض گندگی ہے ہر چیز کا تلبس اسی کے اثرات پیدا کرتا ہے۔

لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلینے اور مان لینے کے بعد اوامر میں سے مہا امر (مہتم بالشان) نماز ہے۔

نماز کلمہ کے نور سے کشش کر کے تمام زندگی کو منور کرے گی۔

تنہائی میں کلمہ کا تلبس نفل کے بقدر نور پیدا کرے گا اور ضرورت کی جگہ بقدر فرض۔

نماز اپنی صحت کے بقدر تمام عبادات کو صحیح کرتی ہے۔ جس کی ترتیب یہ ہے۔ نماز پہلے مال کو صحیح خرچ کرنے پر ڈالے گی، پھر علوم کو صحیح خرچ کرنے پر، پھر اخلاق کے صحیح کرنے پر منتہائے صحت ہے، تمام ریاضتوں کے بعد بالترتیب اور بالتدریج صحت اخلاق آخری درجہ ہے۔

خدمت سے استعداد پیدا ہوتی ہے علوم کی

آرام مہیا کرنے کے وقت اپنے آپ کو مقدم کرنا اور اس کے خرچ کے وقت دوسرے کو مقدم کرنا خدمت ہے۔

ہر نکلنے والے کو اپنے مشغلہ کے خصوصی احکام سیکھنے کی ضرورت ہے۔ عمومی علوم کے بعد خصوصی پر محنت کرو۔

اللہ کو اپنے امر کی زیادہ قدر ہے یا مسلم کی؟ مسلم محبوب ہے اور امر اس کی خوراک۔ ہر ایک چھوٹے یا بڑے کے حقوق ترحم و عظمت کی تقدیم تبلیغ سے مقدم ہے۔

اس کام کی غرض اعلیٰ تو یہ ہے کہ جو میرا ہے میں اس کا ہو جاؤں اور دوسرے درجہ میں یہ کہ جو میرے رغوبات ہیں وہ موت کے بعد مل جائیں۔

جب تک مخاطب میں منکر کے قبیح جاننے اور معروف کے مستحسن سمجھنے کی اہلیت نہ ہو اس سے حکم کے درجہ میں کہنا خود امر کی ناقدری کرنا ہے۔ اوامر و نواہی کی حس رکھنے والے کے ذمہ ہے کہ پہلے منکر کے نقصان اور معروف کے نفع کو اپنے قول و عمل سے اتنا ثابت کردے کہ مخاطب پر ضرر و نفع واضح ہو جائے۔ در اصل اپنا نفع محبوب ہے۔ کافر سے محبت نہیں، محبت اغراض سے ہے اور نادانی سے وہ اغراض کافر سے وابستہ ہیں، لہذا جن اغراض و نفع کے لئے کافر کا ساتھ ہے ان کا اللہ کی ذات سے وابستہ ہونا سمجھاؤ، جتنی یہ بات ذہن نشین کردو گے اللہ کی ماننے لگے گا۔

کسی کی ذات سے یا کلام سے اتنا جی لگانا کہ اس کی ذات کو جناب رسول اللہ ﷺ کا بدل اور کلام کو کلام اللہ کا بدل بنالے یہ میرے نزدیک دہریت ہے۔

ابھی ایسے علماء موجود ہیں جو اس کام کو ذرا سمجھ لیں تو مجھے سبق دیں اور میرے مصلح بنیں۔

مذہب کی تکمیل کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس چیز کی جو خاصیت اور تاثیر بتادی گئی اس کے وہ اثرات قیامت تک کے لئے ہیں

میں اپنی صحت کو دیکھوں یا بقول حضور ﷺ آپ کے احیاء کو خود اٹھتے نہیں اور مجھے کرنے نہ دیں۔ اٹھنے کے بعد سیکھنے کی ضرورت ہے، میں جانتا ہوں کہ اب تک اصول کی کسی کو خبر نہیں۔

چھوٹوں سے بڑوں کی عزت ہے اور بڑوں سے چھوٹوں کی ترقی و تربیت

چھوٹے جتنے بڑوں کے محتاج ہیں اس سے زیادہ بڑے چھوٹوں کے محتاج ہیں۔

چھوٹوں کی وجہ سے بڑوں کو اللہ کی طرف سے بہت زیادہ ملتا ہے۔ اصل کرنے کی جگہ اپنا گھر اور اپنا وطن ہے اور سیکھنے کے لئے اصل جگہ گھر سے جتنا دور ہو۔

بلا تفقد احوال کسی پر خرچ کرنا ہویٰ کی اعانت ہے **ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون**۔

اللہ کو حاضر و ناظر کہتے ہو۔ اس کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے اس میں نہ لگنا اور دوسروں میں مشغول ہونا کتنی محرومی ہے۔ اس میں لگنا اس کے کام میں لگنا ہے۔

ہدایت کو جہد کے ساتھ وابستہ کردیا ہے ہم نے جماعتیں بنا کر دین کی باتوں کے لئے نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصل تھی، حضور ﷺ خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔

اے اللہ ہمیں تمام دین کی خدمت کرنے والوں کی محبت اور ان کا جذبہ عطا فرما۔

ہم پیدا ہوئے تھے خدا طلبی کے لئے لیکن ہم لگ گئے رزق طلبی میں۔ خدا طلبی کا ذریعہ دین پروری اور رزق طلبی کا ذریعہ ہے اغراض پروری۔ رزق طلبی کو خدا طلبی سے بدلنا ہے اور غرض پروری کو دین پروری سے بدلنا ہے۔

ننانوے درجے کا یہ کام کرو اور ایک درجے کا وہ کام کرو تو یہ ایک درجہ ہزار گنا ہو جائے گا۔

حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی اسکیم کے علاوہ کسی اور اسکیم کو ذریعہ نجات سمجھنا الحاد ہے۔

بے مطلب کے لئے جاؤ تعلق پیدا کرو، سلام کرنے جاؤ بتدریج ان کے ذہن میں ڈالو۔ بتدریج جو کام ہوگا پائیدار

ہوگا۔ ہنگامی کام میں پائیداری نہیں۔

ابتداء یہ ہوئی کہ علماء کی رائے تو ہے اب آگے ان کی شرکت بھی ہو جائیگی اور علما اکثر شرکت کریں تو مدرسہ کون پڑھائے گا۔ اس لئے ان کے خالی وقت ان سے مانگو۔

تبلیغ کا کام اس طرح کرو، جس طرح نماز پڑھتے ہو۔

ایک شخص نے آکر کہا لڑکی جوان بیٹھی ہے دعا کر دیجئے۔ فرمایا دعا کے معنیٰ طلب رحمت کے ہیں اور رحمت حاصل کرنے کے بھی ذرائع ہیں۔ جس طرح دنیاوی کاموں کے اسباب ہیں کہ اولاد کی ضرورت ہے تو اس کے اسباب اختیار کرو اور پھر دعا کرو۔ اسباب پر بھروسہ مت کر بیٹھو۔ اسی طرح رحمت طلبی کا ذریعہ ہے دین پروری۔ سو تم مستقل ارادہ کرلو کہ تبلیغ کا کام کروں گا اور اب تک کی کوتاہیوں کی معافی مانگو اور تبلیغ میں نکل کر دعا مانگو۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو تمہارا سردار بنایا تھا، تم نے نفس کو اپنی لگام دیدی اس نے شیطان کو دے دی اس بے حیا نے خدا تعالیٰ کے سامنے کہہ دیا تھا سب کو بہکاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا نفس تیرا دشمن ہے تو نے اسکو لگام دیدی اس نے شیطان کو دے دی اور شیطان جہنم میں لے گیا۔

سوم کلمہ صبح و شام ایک ایک تسبیح، ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھا کرو، درود شریف، استغفار، کی دو، دو تسبیح پڑھا کرو۔ وقت مقرر کرو پھر اس کو نباہے اس میں برکت ہے۔ اشراق، چاشت اور مغرب کے بعد اوابین پھر تہجد پڑھے اور کچھ قرآن شریف پڑھے۔ ذوق و شوق کے ساتھ۔

طالب علم خالی وقت میں جو کام کرے گا پھر پڑھ کر جب بالکل فارغ ہو گا تب بھی وہی کام کرے گا جو پہلے کرتا تھا۔ (یعنی طالب علمی میں)

اغراض پروری رزق تک پہنچاتی ہے۔ دین پروری رزاق تک پہنچاتی ہے یہ کہنا ضعیف الایمانی کی بات ہے کہ یہ کام تو ٹھیک ہے مگر ہمیں یہ کام ہے وہ کام ہے۔

مذہب اسلام کو جانتے ہی نہیں از سر نو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تمہارے پاس تو ہے اہل باطل کے پاس کچھ نہیں وہ نقل اتارنا چاہتے ہیں لیکن وہ پیش کیا کریں۔ تم اگر پھر نے لگے تو یہ مٹ جائیں۔

دوکان کوئی کرتا ہے تو وہ کوشش کے موافق سرسبز ہو گی، دوکان سرسبز ہو گی تو رزق ملے گا۔ اسلام کو اللہ تعالیٰ

نے مخلوق کی سرسبزی کے لئے بنایا ہے جتنا اسلام ترقی کرے گا مخلوق سرسبز ہوگی۔ اللہ چاہے گا تو تجارت میں زراعت میں فروغ ہوگا، تمہارے دلوں میں نور پیدا ہوگا یہ بہت بڑی چیز ہے اس کی قدردانی کرو۔

محض دنیا کے کمانے کے قابل بننے کے لئے کتنا وقت اور کتنا روپیہ خرچ کرتے ہو، انگریزی اسکول والے کتنا وقت ۱۵ سال دیتے ہیں تو اس کام کے لئے تین چلے کیوں نہیں دیتے۔ پرانے کام کرنے والوں سے تعلق رکھو۔ کچھ اوقات کی قربانی کیجئے اس تحریک سے بہت فتنے دب گئے۔

تبلیغی کام سیاسی کام کرنے والوں کو ستر کا کام دیتا ہے۔ جب ہم خاموش رہیں گے تو اس کی خوبی کیسے پھیلے گی جو جس کا عزیز ہے اس کے زیر اثر ہے وہ ان کے تقاضوں سے اٹھے گا۔

علماء کے اٹھے بغیر علماء اٹھ نہیں سکتے۔ (اس کا ذریعہ علماء ہی بنیں گے)

معصیت قہر کا دروازہ ہے۔ رسمی نماز منہ پر پھینک دی جاتی ہے نماز ترقی روزگار وسعت رزق سب غموں کا علاج ہے لیکن بے سیکھے آ نہیں سکتی۔

ایک سنت کو زندہ کرنے کا ثواب سو شہیدوں کا ہے جب ایک سنت کو زندہ کرنے کا اتنا زیادہ ثواب ہے تو پھر فرض کو زندہ کرنے کا ثواب کتنا ہوگا اور پھر فرائض میں سب سے بڑے فرض کو زندہ کرنے کا ثواب کتنا ہوگا۔ اس کا ثواب کروڑوں فرضوں کے برابر ہے (تبلیغ ودعوت)

نفس کے واسطے غصہ کرنے سے بچو، بلکہ اللہ کے واسطے کرو۔

اے اللہ ہماری راتوں کو انبیاء علیہم السلام کے مشابہ بنادے! اللہ ہمارے دلوں کو نور سے منور فرمادے، ڈھیلا پن سستی کام کرنے میں نہ ہو اور دوسروں پر شفقت کرنے والا بنادے۔

مدرسے کی تعلیم جڑ ہے مگر وہ ابتداء ہے، انتہا یہ ہی ہے، دونوں کی ضرورت ہے۔ یہ تحریک اس کا بدل نہیں ہے تمام احادیث کی ضرورت ہے۔

ان اصولوں کو سیکھو ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ملک بہ ملک پھرنے کی طاقت کو زندہ کرو۔ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا۔ رفتہ رفتہ عادت پڑ جائی گی۔ تجربہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیا ہے باہو کہہ دیتا ہے جنے کیا ہوگا، ہوگا کیا برکت ہوگی، اللہ راضی ہوگا، آخرت میں ثواب ہوگا، تیرا لگائی پنا ختم ہوگا۔ صحابہؓ بھی نکلے، نبی ﷺ بھی نکلے۔ جو ان کے ساتھ ہوا وہی تیرے ساتھ ہوگا۔ دنیا کا گھر بگڑ بھی گیا تو کیا۔ آخرت کا گھر تو سنبھل جائے گا۔ یہ گھر تو بگڑے گا ہی

پھر بگڑنے والے کا کیا بگڑنا، موت پر سب بگڑ جائے گا۔ کبھی آدمی دولت کو چھوڑ دے، کبھی دولت آدمی کو چھوڑ دے نفس سے لڑنا سیکھ لو۔

ہمارا مقصد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے طریقوں کو زندہ کرنا ہے وہ شریعت، طریقت، سیاست ہے۔

نبی نبی سب برابر لیکن سید الانبیاء ﷺ سب سے افضل ہیں، اس لئے کہ ان کا کام ان کی امت نے بھی کیا۔ یہی نضیلت ہے حضور ﷺ کی باتوں کو پھیلانے کا شوق اور دنیاوی چیزوں سے ہٹ جانے کا ذوق لے کر جو چلے اس کو یہ چیزیں خود بخود ملتی ہیں، یعنی مادی زندگی میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں ہے۔ دنیوی سب چیزیں خدا تعالےٰ نے کافروں کو بھی دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے کچھ چھینا نہیں۔ دنیا میں جو عذاب آتے ہیں وہ نمونے کے طور پر ہوتے ہیں بدلہ نہیں ہوتا۔ سب قوموں کو تباہ کیا گیا تو یہ بدلہ نہیں ہوا، اس لئے مرنا تو تھا ہی۔

حق تعالےٰ شانہ کو خوش کرنے کے لئے جو چلتا ہے اس کے مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے اور چین نصیب ہوتا ہے، اگر دل میں بے کلی پیدا ہو جاوے تو اس پر مسلط ہو جاویں تو اس پر بھی چین ہو جاتا ہے۔

محنت تو ایسی بتائی کہ اس کے ذریعہ کثرت سے مال آوے لیکن دھیان ایسی طرف لگایا کہ وہ دھیان اب اس پر نہیں لگتا بلکہ ان نعمتوں کے بنانے والے کا خیال لگا رہے۔ محنت کے ذریعہ نعمتیں ملیں گی اور نعمت سے نعمت والے کو پہچانوگے۔ اس کے حکم کے مطابق سارے نبیوں کو دیکھو کہ کتنی محنتیں کیں، کتنی کامیابی ہے۔

اس کام کا ارادہ کرنے کے بعد زیادہ مشکلات آئیں گی اس وقت اگر جمنے کے لئے تیار نہ ہوگے تو کام نہیں ہوگا۔ اگر موانع پر رکوگے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہاتھ پیر کچھ اور کمائیں، دل کسی اور طرف لگا رہے، کمانے کا منشا اسی کا حکم ہو۔ تمہاری محنتوں سے ایک طرف تو دنیا تمہارے قبضہ میں آتی رہے، دوسری طرف خدائی صفات آتی رہیں خدا کا رنگ بھرتا جاوے۔

اس زندگی کو نبیوں کی زندگی کے موافق کرو۔ سب تم پر مٹیں گے مگر تمہارے (دین پر) مٹنے کی کمی ہے۔ خدا رسول کے ماننے والوں سے مشورہ کرکے کام کرو، سونے کے وقت سونے کا بھی ثواب ہے۔ دین کا کام کرو جس طرح نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے۔

ایمانی محنتوں کو اس نیت سے کرو کہ اس کا وصل اور دیدار نصیب ہو۔ اس کے کہے ہوئے اعمال کا کرنا شکر ہے، شکر کے برابر کوئی چیز نہیں۔ خدا کی صفات سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر غرض کی خاطر کروگے تو یہی

چیزیں نحوست بن جاتی ہیں۔

طبعی تقاضے سے جس چیز میں لگو گے ظلمت پیدا ہوگی۔ ہر وقت دھیان یہی رہتا ہے کیا کھاؤں گا، کیا پیوں گا بلکہ یہ ہو کہ مرنا ہے قبر میں جانا ہے خدا کے سامنے حاضری ہے۔ نفس پر جبر کر کے اپنی راہ عمل بدلو اس کا بدلہ دنیا میں لوگوں اور تمہاری نسلوں کو فائدہ ملے گا۔ جتنا تم حضور ﷺ کی بات کو بارونق چھوڑ کر جاؤ گے اتنا ہی اجر ملے گا۔

مان کر نکلو کہ اللہ کے کام کے لئے نکلے ہو کبھی کام نہیں بگڑ سکتا ہے۔------- جتنا کر سکتے ہو اتنا کر کے اللہ کے حوالہ کر دو پھر توکل کرو۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام زچہ اور بچہ کو چھوڑ کر کیسے جنگل میں آئے تھے۔ بتلاؤ وہ نسل برباد ہوئی یا رہی وہ تو ایسی آباد ہوئی کہ سب کو جنت میں لے جانے والا دین لے کر وہیں پیدا ہوا۔

ثواب حکم پر ملتا ہے عورت کے پاس جانے کا بھی حکم ہے، نماز پر جو دے گا وہی یہاں بھی دے گا۔ مایوسی نہیں۔ توبہ استغفار ندامت سے گناہ بھی نیکی بن جاتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ نکلنے کا عزم کرو۔ اس کی دعوت دو، تین چلے گزار و علماء کرام کے لئے سات چلے ہیں۔ چلنے والے سے چلانے والے میں زیادہ استعداد کی ضرورت ہے۔

اپنا پیسہ دوسروں پر خرچ کرنا باعث برکت ہے۔ دوسروں کے پیسے کی طمع کرنا بے برکتی ہے دوسروں کی خدمت کرنا باعث نجات ہے۔ جو لوگ تبلیغ کے لئے آئیں پہلے انہیں دوسرے مبلغین سے ملایا جائے۔ بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدینؒ کی خدمت میں بڑے بڑے محدثین آتے تھے انہوں نے ان کو مبلغ بنایا۔

حرکت میں برکت ہے۔

لا الٰہ ۔ اپنی اغراض اور خواہش پر نہیں چلیں گے۔ **الا اللہ** ۔ اللہ کے حکم اور امر پر چلیں گے، دین حق کا کام کرنے والوں پر نصرت مدد برکت پہلے زمانے سے زیادہ ہے۔

اس وقت پچاس درجے زیادہ ثواب ملے گا۔ ہر شخص محنت کرتا ہے مسلمان نہیں کرتا۔

ہماری تکلیفیں حضور ﷺ کے درد کا مرہم ہیں۔ حضور کا درد کیا ہے کہ دین نہ پھیلنا اس درد کا مرہم دین کا پھیلانا ہے تو ہم جو تکلیف دین کے پھیلانے میں اٹھائیں گے تو گویا وہ حضور ﷺ کے درد کا مرہم ہوگا۔

حضور ﷺ کے سامنے امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں جو جتنا دین پھیلائے گا اتنا ہی وہ خوش ہوں گے، روضہ مبارک میں تمہاری تکلیف سے ان کو راحت ہوگی۔

ایک شخص نے کہا حضرت کنٹرول نے ناک میں دم کر دیا ہے۔میں نے کہا حضور ﷺ کی اسکیم کو ٹھکرانے کا ہی نتیجہ ہے۔

اہل مراد آباد تمہاری برکتیں کہ آج میرے پاس مولانا عبید اللہ سندھی آئے ہیں۔ان کے پاس مکہ معظمہ میں گیا، وہ مجھ سے سخت ناراض تھے فرماتے ہیں کہ تم نے بے وقت تحریک شروع کی ہے۔جب تک حکومت نہ بدلے یہ تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔لیکن انہوں نے اب کہا کہ میں دنیا بھر میں پھرا ہر جگہ مایوسی تھی، ہندوستان میں کچھ امید نظر آرہی ہے، اب میں بھی اس تحریک کا مطالعہ کروں گا اور میوات جا کر ان لوگوں کو دیکھوں گا۔

رفتہ رفتہ اس عمل کے۔لئے وقت نکالو اپنے مشاغل میں رہتے ہوئے اس کام کو بھی کرو۔

دین محمدی کیا ہے حضرت محمد ﷺ کا بنایا ہوا گھر قبر کی زندگی، قبر سے لے کے حشر تک کا زمانہ جو پچاس ہزار برس کا ہے۔اس کے بعد جنت اور دوزخ کا ہے۔دین محمدی کا مطلب یہ ہے کہ تینوں زمانوں میں بھی چین ہو۔دنیا میں بھی سرداری ہو۔

سیکڑوں حدیثیں شاہد ہیں تو میرا اور میں تیرا جن غرضوں کے لئے تم اپنے کاروبار میں لگے ہو وہ غرضیں خدا اپنے ہاتھ میں لے لے وہ ذمہ دار ہو جائے وہ کہتا ہے کہ اگر تو خود کرے گا تو میں بگاڑوں گا۔اگر اس کی آواز پر لبیک نہ کہو گے تو وہ تمہاری تدابیر الٹ دے گا۔اگر خدا تعالے کی مرضی کے مطابق کام کروگے تو جو غلطی بھی ہوگی اس کی خاصیت بدل جائیگی جیسے آگ کو گلزار کر دیا۔

الحمد للہ رب العٰلمین اللہ تعالے پرورش کرنے والے ہیں۔پرورش اور تربیت کا قانون اللہ نے بنایا ہے، تم اپنی تربیت خود کرنا چاہتے ہو اگر خدا کے قانون پر نہیں چلوگے تو یہ نفس جو تمہارا دشمن ہے ایسے راستے بتلائیگا جس سے تباہی ہوگی۔گھڑی بھر کا سوچنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔شیطان فورا بھلادے گا۔اگر سوچنے کا وقت نہ نکالو گے تو سب بھول جاؤ گے۔اپنے تجربہ سے سبق نہ لو بلکہ خدا رسول ﷺ کے احکام سے معلومات حاصل کیا کرو، کافروں کا جرم اسلام نہ لانا ہی ہے۔اس کی وجہ سے وہ جہنم میں جائیں گے۔

لا الٰہ اپنی تدابیر پر نہیں چلیں گے۔الا اللہ تیرے حکم پر جان دے دیں گے۔کہنے والا جنت میں ضرور جائے گا۔

یہ دنیا کافروں کے لئے جنت ہے۔مومن کے لئے دوزخ ہے۔آخرت میں وہ دوزخ میں، تم جنت میں جاؤ گے۔

مؤمن کی یہ تکالیف جہنم کے بدلے میں ہیں۔

بس تقریر رہ گئی تحریر رہ گئی جلسے شیطانی دھوکا ہیں یہ کرو وہ کرو، کرتے کچھ نہیں۔ میاں جب تک قدم نہ نکالوگے دل کی ظلمتیں مٹ نہیں سکتیں۔ سمجھ کس طرح ٹھیک ہو سکتی ہے سمجھ پر تو نفس کا کنٹرول ہے۔ حدیث میں ہے کہ شیطان قلب پر چمٹے ہوئے ہیں جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے تب ان پر چوٹ لگتی ہے۔

ہمت کرکے اٹھو پہلے جاؤ پیچھے آؤ۔ ارے میرے دوستو! اس نکلنے کے اندر جس چیز کے خرچ کا اندیشہ رکھتے ہو اسی میں ترقی ہے۔ یا یہ کہو کہ یہ اللہ کی پکار نہیں یا اس میں حرج نہیں پھر کیوں نہیں۔

حضرت مفتی صاحب (۱) نے ایک اجتماع میں فرمایا میں ہمیشہ اسلامی فروغ دینے والے جلسوں کی صدارت کرتا رہا ہوں، ہندوستان کے ہر کونے بلکہ عرب تک گیا ہوں لیکن میں اس عمر میں اسلامی چمک پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔

معصیت سے بچو معصیت سے اللہ کا غضب آتا ہے۔ یہ گھر تو بگڑنے کے لئے ہی ہے آسمان و زمین بگڑ جائیگا۔

محمد ﷺ جیسا ناصح ہو اور قرآن جیسی نعمت ہو لیکن اگر اس کے دل میں نور ایمان نہیں تو وہ قبول نہیں ہو سکتے۔

طالب علم کے کیا معنیٰ ہیں۔ طالب علم کے معنیٰ ہیں کہ جن احکام کا سیکھنا ضروری ہے ان کے حاصل ہونے کے لئے بے چین ہو۔

میں مکہ گیا، علماء کو جمع کیا، امت کی تنزلی کے اسباب پوچھے۔ سب نے ادھر ادھر کے اسباب بیان کئے کہ حکومت نہیں ہے۔ بھلا حکومت سے اسلام کا کیا تعلق ہے، حکومت سے اسلام نہیں پھیلا، اسلام سے حکومت پیدا ہوئی۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان تو موجود ہے، اوپر کی عمارت تعمیر کرلو۔ حالانکہ ایمان کو اندر ہی اندر گھن لگ جاتا ہے۔ خدا کی قسم میری تحریک ایمان کی تحریک ہے جیسے علوم ویسے ہی پیسہ، پیسہ کی طرح علوم بھی بیجا خرچ کرتا ہے جیسے پیسہ کا اسراف کرنے والا دوزخ میں جائے گا، اسی طرح علوم کو بے جا خرچ کرنے والا دوزخ میں جائے گا۔

امارت کی برکتیں احاطہ سے باہر ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ اگر دو بھی باہر نکلیں تو ایک کو امیر بنالیں۔

عالم اسلام کے زندہ ہونے کی پھر امیدیں ہو گئیں۔ عقل سے اللہ کے پہچاننے کا کام لو۔ احکامات میں عقل مت

---

(۱) حضرت مفتی کفایت اللہؒ

دور ثانی- اسلام کی پانچ بنیادوں کے ساتھ جہاد بھی ہے، جہاد ارکان میں سے ہے اور جنگ جس چیز کا نام ہے اس میں امام اور نظام شرط ہے۔

جس دین کو جناب محمد ﷺ بنا گئے ہیں اس کا دروازہ **لا الہ الا اللہ** ہے۔ دوسرا نماز، بغیر اس دروازہ کے تم داخل نہیں ہو سکتے۔

خدا کے یہاں طے شدہ ہے کہ اپنی جان کو بے قیمت کرنے والوں کو بڑھا دوں گا۔

میں بیمار ہوں لیکن اس کام کی بیماری ہے

اپنی تواضع کے بعد اللہ کی بات کہنا بڑے سلجھے ہوؤں کا کام ہے۔ اللہ کی بات بیان کرنے میں اسے گمراہی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جب کام کی منفعت تم نے سیکھی نہیں تو وہ امیدیں دل میں زندہ نہ رہیں گی جن کا وعدہ ہے۔ تو یہ کام تو بیکار ہو گیا۔ کوئی فائدہ نہیں۔ کام کرو اور کام کے طریقوں کو سیکھو۔ کام کرنے کی جو منفعتیں بیان فرمائی ہیں انہیں معلوم کرو۔ جب ان وعدوں کو یقین کی نظر سے دھیان میں رکھو گے تو جماؤ پیدا ہو گا۔

موت کو دن میں پچیس مرتبہ یاد کرنے والا شہیدوں میں اٹھے گا۔

لا الہ اپنی ہویٰ کے پیچھے مت چلو الا اللہ اللہ کے امر کے پیچھے چلو محمد رسول اللہ اور تجھ سے گندے کو اللہ کے امر کا پتہ کیسے چلے گا۔ محمد ﷺ اس کا پتہ بتائیں گے۔

نماز کے اندر سات سو اوامر جمع کر دیئے۔ میرا جی یوں کرے کہ ان سب کو یاد کرو۔ اخلاق کا خرچ ہونا منتہائے ہدایت ہے۔ صحابہ جو اتنے منجھے تھے انہوں نے ہجرت میں تکلیفیں بہت اٹھائیں تھیں۔ اس لئے منجھ گئے۔ جتنا نہ جاننے والوں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرو گے اتنا ہی تمہارے دل میں کلمہ مضبوط ہو گا۔

اس طرز کی زندگی گذارنے کی کوشش میں شیطان (**یعدکم الفقر**) فقر سے ڈراتا ہے۔

چوبیس گھنٹے میں ذکر اور علم کے لئے وقت معین کرو، اس کو خاص مناسبت ہے اس کام سے۔

جب تک تبلیغ کے لئے چار چار مہینے ملک در ملک پھرنے کو جزو زندگی بنانے کو کوشش کے لئے پورے اہتمام کے ساتھ لوگ کھڑے نہیں ہوں گے اس وقت تک میو قوم صحیح دینداری کا مزہ نہیں چکھے گی اور حقیقی ایمان کا ذائقہ کبھی نصیب نہیں ہو گا اور اب تک جو مقدار ہے وہ عارضی ہے اگر چھوڑ دو گے تو قوم اس سے زیادہ گرے گی۔ اب تک جہالت اس کی حفاظت کر رہی تھی اور شدت جہالت کی وجہ سے دوسری قومیں ان کو ہستی میں شمار نہ کرنے کی وجہ سے

توجہ نہیں کرتی تھیں۔اب تاوقتیکہ دین کی قلعہ بندی سے اپنی حفاظت نہیں کریں گے باطل قوموں کا شکار ہوجائیں گے۔

دین کی رغبت جس وجہ سے لوگ مکتبوں اور مدرسوں کی اعانت کرتے تھے ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ مسدود ہے۔علوم جن اغراض ومنافع کے لئے حاصل کیے جاتے تھے وہ اغراض ان علوم سے وابستہ نہیں رہیں اس لئے اب علوم بے کار ہوتے جاتے ہیں اور وہ منافع اس سے حاصل نہیں ہوتے۔

حق تعالیٰ مومنین اور مومنین کے ذریعہ عام مسلمانوں کی طرف رحمت و فضل اور کرم کے ساتھ دین کی کوشش کے سرسبز ہونے کے ساتھ ہی توجہ کرسکتے ہیں۔

اپنی زندگی اور اپنی کوشش کی ناؤ کو اپنی عقل کی رسائی سے بالکل مبرہ ومنزہ رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے فرمان پر ڈال دینا مذہب کی بنیاد ہے۔

مصلحتوں اور منفعتوں کے کھل جانے پر مساعی کا اجروثواب ہزاروں گنا گر جاتا ہے۔

تبلیغ کے لئے کسی خاص جگہ کو مخصوص کرلینا اور باقی مواقع کو اس کے بعد پر رکھنا سنگین بنیادی غلطی ہے۔

اگر اشراف نفس سے محفوظ ہو اور دعوت یا ہدیہ پیش کرنے والے کے متعلق محبت اور کام کی حرمت و تعظیم کا غلبہ ظن یا یقین ہو تو اس کی دعوت یا ہدیہ کو اپنی محتاجگی کے استحضار کے ساتھ قبول کیا جائے۔

مستقبل کی کوشش ماضی کے شکر سے خالی نہیں ہونی چاہیئے۔حق تعالےٰ کے یہاں شکایت مبغوض ہے اور طلب محمود، مذہب ارادہ اور نیت کے اعتبار سے مصالح سوز ہے۔کسی عمل کے موقع پر اس کے دنیوی و دینی مصالح کی نیت اور ان کو عمل کا معاوضہ سمجھنا موجب خسران ہے اور بطور عطاء کے ان کی امید رکھنا باعث رحمت اور موجب ترقی ہے۔

انسان محض خلیفہ خداوندی ہونے سے قیمتی ہے باقی اس کے سب اعتبارات سفلی ہوتے ہیں۔

تبلیغ میں نکلنے والوں کو دوسروں کی ہدایت سے نظر بالکل بند کرلینی چاہیئے اللہ جل جلالہ کی محبت کے بعد سب اعمال سے اور سب نعمتوں سے افضل حب مسلم ہے۔دین کی باتوں کو پھیلانے کے لئے ملک بملک پھرنا اس تبلیغ و دعوت کا جسم ومادہ ہے۔

اللہ کے حکم پر جان دینے کا رواج ڈالنا اس دعوت کی روح ہے۔

تنہائی اور مجمع میں پڑھنے کے الگ الگ خواص ہیں اور اثرات ہیں۔

مکلف چاہے مرد ہو چاہے عورت اپنے فرائض کے ترک سے مورد لعنت و غضب الٰہی ہوتا ہے۔

امتثال امر الٰہی کی حقیقت یہ ہے کہ حکم کا یقین اور عظمت ولولہ کو دبا دے۔ دین کی ہر چیز کا مقصود قوت دعا کو بڑھانا ہے۔ جسمانی مشغولیت کے وقت قلب کا قوت کے ساتھ دعاء میں مشغول ہونا افضل ہے، ورنہ خالی اوقات دعا سے معمور رکھے جائیں۔

ہم نادان اپنی کوششوں کے معاوضہ کو منافع خداوندی کی مقدار کو اپنی مقدار سے محدود کر دینے کے ذریعہ ناقص کر دیتے ہیں۔

اہم فرائض میں کوشش کرنے والے اور نوافل میں کوشش کرنے والے برابر نہیں ہوتے۔

اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی و پردہ پوشی اور خوبیوں کے ساتھ پسندیدگی اور اعزاز کا مسلمانوں پر رواج پیدا ہو جائے تو بہت سے فتنے دنیا سے اپنے آپ اٹھ جائیں۔

نوافل کے اندر مداومت محبوبیت کی شان پیدا کر دیتی ہے۔ عبادات میں بقدرِ دوام حب خداوندی کا سرمایہ ہے۔

مذہب کے لئے ہزار جانوں کا طیب خاطر سے پیش کرنا اس کی قیمت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا۔

مذہب کی اصل قیمت سوزش جگر اور خون دیدہ بہانا ہے۔

انسان ایک بحرِ عمیق ہے۔

ایک انسان دوسرے انسان سے کسی چیز کا اثر اتنا ہی لے گا، جتنی چیز اس انسان کے اندر اثر کئے ہوئے ہے۔

نکلنے کے زمانہ میں جوارح کا عبادات میں مشغول ہونا اور قلب کی کیفیت پر نگرانی کی ضرورت ہے۔

مؤمنین کا آپس میں حسن ظن حق تعالٰے کے جُود و سخا کے دہانے کھلوانے کے لئے بہترین مفتاح رحمت ہے۔

ترددات کی بدلیاں سرمایہ فکر کو بے محل لگانے سے اٹھتی ہیں۔

تبلیغ میں بہت وجوہ سے اللہ کے تقرب اور نسبت یاد داشت کے پیدا ہونے کے ایسے قوی اسباب ہیں کہ ہزاروں جان اور سر اس کی قیمت میں ارزاں ہیں۔

شیطان کے حملے سے رکاوٹ بقدر سرمایہ قیمت اور نگرانی کے ہوتی ہے۔

طریقت تین چیزوں کا مجموعہ ہے صحبت آداب و عظمت کے ساتھ (نفس کے حقوق) حظوظ سے محفوظ ہوں اور اللہ کے حکم کے ماتحت نگہداشت ہو۔ تیسرے ذکر کی پابندی بیدار دلی اور ضیاء الٰہی کے ساتھ مشقت کے ساتھ کرے۔

ماں کے رحم میں دنیا بچے کے لئے بیج کی مانند ہے اور دنیا میں انسان کے لئے آخرت بیج کے مانند ہے اور اس کی منفعت تفصیل سے بے خبر ہے۔

تبلیغ کی راہ میں سر پر آرہ کا چلنا اور تخت سلیمانی کا ملنا دونوں نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔

عمل بلا صحبت اور صحبت بلا عمل خطرہ سے خالی نہیں۔

جو شروع ہی سے قبض و بسط کے نظر انداز کرنیکا عادی نہ ہوگیا وہ پھسلے بغیر نہ رہے گا۔

حکم کے تحت حلال و حرام کا دھیان کرنا دین اور حکم سے قطع نظر کر کے کوئی وجہ ضروری قرار دینا بے دینی ہے۔

دین کا کام جی لگنے کی وجہ سے کرنا دنیا ہے۔

جس طرح انسان کی زندگی دو سانسوں پر ہے اسی طرح اس کی ترقی خواہش پوری ہونے اور رکاوٹ پر ہے۔

قبض و بسط درجہ کمال تک کے لئے انسان کے لئے لازمی ہیں۔ بسا اوقات مقاصد کے پورا ہونے پر طبیعت گھبراتی ہے اور بسا اوقات پورا نہ ہونے پر طبیعت کھلتی رہتی ہے۔ جب خطاب کی ناقدری شروع ہوجائے تو تبلیغ میں براہ راست خطاب کرنا مناسب نہیں۔ اس کے ماحول میں تبلیغ کرے۔

دین ایک قلعہ ہے جو اپنے درست ہونے سے دینداروں کی حفاظت کرتا ہے اور دارین کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے۔

سودی معاملہ کرنا خدا کی خدائی کے خلاف اقدام کرنے پر جرات کرنا ہے۔ دین کی کوششوں کے منافع کو اللہ نے اپنی قدرت کے پردوں میں چھپا رکھا ہے اور اس لائن کی پریشانیوں کو سامنے کر رکھا ہے تاکہ کوشش میں اللہ پر اطمینان کے ساتھ وابستہ ہو۔

جو قوم کلمہ طیبہ اور نماز کی چیزوں کی تصحیح اور کلمہ شہادت کے مضمون پر اب تک مطلع نہ ہوئی ہو اس کا اوپر کی چیزوں میں مشغول ہونا سخت غلطی ہے

دین کی رغبت جس کی وجہ سے لوگ مکتبوں اور مدرسوں کی اعانت کرتے تھے ختم ہونے والی ہے اور آگے چل کر راستہ مسدود ہے۔ علوم جن اغراض و مقاصد کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں وہ اغراض ان علوم سے وابستہ نہیں رہیں۔

اس لئے علوم بے کار ہوتے جاتے ہیں اور وہ منافع ان سے حاصل نہیں ہوتے اسلامی زندگی یہی ہے کہ مقاصد خدا اور رسول ﷺ کو کامیاب بنانے میں ہر وقت جانی و مالی زور کے ساتھ مصروف رہے۔ مسلمان اس سے نہایت غافل ہیں۔

فتنوں کی رفتار ڈاک گاڑی سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس کے مقابل کی رفتار چیونٹی سے بھی زیادہ سست ہے۔

ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے نہ کسی فتنہ فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔

دوسروں کے عیب کی کوشش بے ہنری ہے اور کام کو بے رونق کرنے والی چیز ہے۔

امت محمدیہ ﷺ کے امراض کہنہ میں عملی چیزوں کا بے محل اور بے ضرورت تقریروں پر اکتفا کرنا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کام اللہ کے لئے کرتے تھے۔ جس وقت جس کام میں اللہ کی رضا ہوتی تھی اسی کے لئے سرگرم ہو جاتے تھے وہ چیز جس کو آج رغبت سے کرتے تھے کل اسی کو نہایت لاپرواہی سے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے وہ گھروں کو روزگاروں کو بچوں کو، بیویوں کو، نوافل کو ذکر کو اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ بذاتہ کوئی چیز ہے وہ محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے جسے آج رغبت سے کرتے تھے اسے اسی جذبہ سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ انہوں نے دل صرف ایک کو دیا تھا بس اسی کی خوشی حاصل کرنے کے لئے یہ سب کام کرتے تھے اور اسی کے لئے چھوڑا کرتے تھے۔

اس کام کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کے زمانہ میں جو کچاپن باقی رہ جاتی ہے اس کو دور کرنے کے لئے کلمہ، نماز، چھوٹوں اور بڑوں کے آداب، باہمی حقوق، درستی نیت اور لغزش کے موقعوں سے بچنے کے لئے علم و عمل کو سیکھنے کے لئے ان اصولوں کے ساتھ اپنے بڑوں سے لیتے ہوئے ان لوگوں کے پاس جائیں جو ان سے بالکل محروم ہیں تاکہ ان کی کچاپن دور ہو جائے اور ان کو واقفیت حاصل ہو جائے یہ اس کام کا نچوڑ ہے جو خود حضرت کا فرمایا ہوا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ یہ تحریر ہر شخص اپنے پاس رکھے تاکہ بار بار خود بھی غور کرے اور اسی کو پیش نظر رکھ کر دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کیا جائے۔

اگر اس کام کے بجائے صرف کسی کو دعا دیدوں تو کیا ظلم نہ ہوگا۔ اے اللہ جن گناہوں کی بنا پر تو نے ہم سے دین کے کاموں کو سلب کر لیا ہے تو ہمیں معاف فرما دے کہ ہم نے تیرے دین کو مٹتے دیکھا اور ہم خاموش رہے۔

جان قربان ہو جائے دین زندہ ہو جائے یہ جہاد ہے۔

نماز شب معراج میں ملی اور یہ پہلے دن آئی، تبلیغ حضرت جبرائیل علیہ السلام لائے اور نماز کے لئے خود رسول اللہ

ﷺ کو بلایا گیا۔

تبلیغ کے اس کام میں غلطی بہت جلد تباہ کر دیگی۔

اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے بے تاثیر نہیں رہے گا۔ (حضرت گنگوہیؒ)

اس کارخانہ کا ٹوٹنا حضور ﷺ کی لائی ہوئی چیزوں کے خاتمہ پر ہے۔

دینِ حق کی جدائی پر ابلیس بھیڑیا اٹھالے جاتا ہے۔

جس وقت جو کام کرو اس میں لگ جاؤ اور دوسرا خیال مت کرو، نماز میں نماز اور تبلیغ میں تبلیغ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

علماء سے کہو نہیں، بلکہ اپنا نمونہ پیش کرو۔ (حضرت جی میں تڑپ اور بے چینی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ سے ورثہ میں ملی ہے، سنا ہے کہ حضرت مجددؒ کی حالت بھی اسی طرح کی تھی)

اس گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اپنی برائی اور دوسروں کی خوبی تلاش کرو، شکایت کا دروازہ بند کردو۔ نہ افراد کی نہ امت کی، رحمت کے پھاٹک کھلے ہونے کا یقین، مایوسی حرام قطعی۔ ایک لحمہ کے لئے بھی جائز نہیں جو کر سکتے ہو کر گذرو۔ نہ کسی عمل کو چھوٹے ہونے کی بنا پر حقیر سمجھو نہ وقت کے کم ہونے کی وجہ سے دوسرے وقت کا انتظار کرو۔

کام جتنے بھی ہورہے ہیں سب ضروری ہیں مگر بس تبلیغ میں لگ جاؤ۔ ان کے مضرات دور ہو جائیں گے۔ خیر کی پرورش کرے گی، شر کا دفعیہ کرے گی۔ اغراض چاہے ذاتی ہوں یا قومی، ان کے لئے کروگے تو اللہ کی مدد نہیں ہوگی۔

حاجی (عبد الرحمٰن) کہتے تھے کہ حضرتؒ جی کا مکان کچھ ڈھواؤ سا ہو گیا۔ مگر بنوانے نہیں دیتے تھے۔ ایک دن حضرت سہارنپور چلے گئے۔ میں نے چھ راج لگا کر بنوالیا جب واپس پہنچے تو فرمایا۔ اتنا روپیہ تبلیغ میں صرف ہوتا ہمارا کیا تھا گر جاتا تو مرجاتے مکان پکا ہو گیا، تبلیغ کچی رہ گئی۔ تم دنیا میں پھنس گئے۔

حضرت نے فرمایا میرا دل یوں چاہے کہ بریلوی حضرات کے پاؤں پکڑلوں لیکن ہوگا یہ کہ سب سے پہلے تم ہی بگڑو گے کہ یہ ان میں چلے گئے اور وہ کہیں گے کسی مطلب سے آئے ہیں۔ حقیقت کوئی نہیں سمجھے گا دونوں نفس پرستی پر ہیں۔

بہ روایت حاجی عبد الرحمٰن صاحب مرحوم۔ حضرت جی کو اس کام کے کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تب اس کام کو اختیار کیا۔

اللہ کی دہش رمضان میں پھرنے میں ہے۔ رمضان کو نیکیوں سے زیادہ معمور کرو۔ اس کی یہ مہمانداری ہے۔

تصوف؟ تصحیح نیت ہے۔

شریعت نے جس وقت جو بتلا دیا ہے وہ کرنا۔ تیمم کے وقت وضو کرنے والا نافرمان، اللہ نے کافی رحم کے راستے وا کر دیئے ہیں تم اپنی فکر نہ کرو۔

یہ تحریک اسلام کو جنم دینے والی ہے۔

بابا فرید گنج شکرؒ کے یہاں ۴۰۰ مبلغ رہتے تھے۔

زمین و آسمان عالم اصغر ہیں اور دل عالم اکبر۔ اس میں **لا الہ الا اللہ** کو بھرنا ہے۔ نماز اور کلمہ قاری سے درست کرواؤ۔

پانچ ارکان کی درستی کے بعد بہت سی چیزیں خود درست ہو جائینگی۔ میں اسے کسی غرض کے لئے نہ کروں، تیری رضا کے لئے ہو، اس کی عظمت پر جان قربان کردوں۔

اگر اغراض کو قربان نہ کیا تو علماء کا علم بھی جہنم میں لے جائے گا۔ **صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین**، جسطرح ہم دوسروں پر خرچ کرنے کو بھول گئے ہیں وہ حضرات اپنے اوپر صرف کرنا بھول گئے تھے۔

کام تمام شریعت کے ماتحت، نیت خالص اللہ کے لئے، بس یہ طریقت ہے۔

حضرت جی نے غیر محرم سے ٹیکہ نہیں لگوایا باوجود اس تاخیر سے پچاس روپے والے ٹکٹ کے ۳۰۰ بڑھ جانے کا آگے خطرہ تھا (سفر حج)

اے اللہ جو دین محمد ﷺ کے لئے کھڑا ہو تو اس کی مدد کر اور جو دین محمد ﷺ کے لے کھڑا نہ ہو تو اس کی مدد نہ کر۔

ایسے شخص کے لئے جس کو رسول اللہ ﷺ کی بددعا ہو میری دعا کیسے کارآمد ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہر مرض کا علاج تبلیغ ہی ہے۔

تین چلے آنے سے زندگی کا رخ بدل جائے گا، اسلامی زندگی بن جائیگی کلمہ کی عظمت۔ ستر سالہ کافر مومن بن جاتا ہے یہ کارِ نبوت ہے۔

ساتواں نمبر لایعنی باتوں سے پرہیز۔ یعنی ان نمبروں کے علاوہ اور باتیں نہ کی جائیں۔

تصحیح نیت، دل کا رخ نفس کی بجائے اللہ کی طرف ہو جائے۔

حق کے ساتھ اللہ کی امداد ہے۔

یہ طریقۂ تبلیغ کشتیٔ نوح ہے جو اس میں سوار ہو گا محفوظ ہو جائے گا۔ ایک بے نمازی کی نحوست ۸۰ گھروں تک پہنچتی ہے۔

دعا اضطراب کے وقت قبول ہوتی ہے۔

مومن سے محبت نہ ہونے پر اللہ تم سے کافروں کے کتوں سے محبت کرائے گا۔

گھر سے نکلنے کی برکت نے حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ کے ذریعہ کعبہ شریف، زمزم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمائے۔

قبل نماز گشت ہونا چاہیئے گشت میں نماز پر زور دینا کہ اسی وقت پڑھیں۔

اکرام مسلم یعنی علماء کرام کا احترام ضروری ہے۔ مبلغ سب کو بنانا۔ یہ وہ مردہ سنت ہے جس کے زندہ کرنے سے ہزاروں فرض زندہ ہوتے ہیں۔

تبلیغ کا کام اگر ہم اپنی جانیں دے کر زندہ کر جائیں تو بہت کچھ ہے۔ چونکہ اس کے پھل تو آئندہ نسلیں ہی کھائیں گی۔

برادری کی پنچائتوں کے ذریعہ کام کیا جائے۔

اہل مراد آباد کو تخاطب: تمہارے ذریعہ علمائے کرام میں دعوت کا کام لینا ہے۔

جلسہ کرو جس میں اپنے قرب کے اضلاع کے علماء کو سیکھنے اور بڑے علماء کو سکھانے کے لئے بلاؤ۔

مولانا ظفر احمد صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا محمد طیب صاحب، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو مخاطب کر کے اس کام کے لئے دنیا میں صرف بارہ ہزار کافی ہیں۔ یہ اپنی قلت کے سبب ناکام نہیں ہو سکتے صرف اصول کی بنا پر ہو سکتے ہیں۔ یہ حکومت کے قائم مقام ہوں گے۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی برکت سے انگریزوں کا مقابلہ ہوتا ہے یہ کام بھی نہیں چھوڑنا ہے۔ میرے پاس تمام باتوں کے لئے طریقے ہیں۔ صرف میرے معین نہیں۔

جوش ایسا جان کی پرواہ نہ کی جائے۔ ہوش ایسا کہ چھوٹے بڑے کا لحاظ کیا جائے۔ جوش --- ہوش کے ساتھ ہو۔

ایک دوسرے سے ارتباط پیدا کرنا ہماری تحریک ہے۔ میوات دہریت سے پاک ہے اس لئے وہاں کام جلد ہوا۔

بیرونی ممالک کے لوگ جہاں ہوں ان کو اس کام کے لئے تحریک کرو۔ یہ غیر ممالک کی تبلیغ کا قائم مقام ہوا۔ اِن کو چلّوں کے لئے بھیجو۔

کارخانوں اور پنچائتوں میں کام کیا جائے۔

انگریزی مدرسوں، انگریزی ملازموں کو دعوت دینا ضروری ہے۔

ایک جماعت کا تعلق دوسری جماعت سے کرو۔ تم جاؤ انہیں بلاؤ۔

عربی مدارس میں جماعتیں بھیجو۔

صوبوں میں جماعتیں لے کر جاؤ، اور ملکوں میں جماعتیں لے جانے کا ارادہ کرو اور دعائیں مانگو۔ یورپ میں ایشیا میں، افریقہ میں جتنے لوگ جنگ کے لئے گئے۔ اتنے لوگ دین کے لئے ہمارے جیلوں میں گئے۔ انہوں نے دوزخ انہوں نے جنت۔

چلّوں کے لئے نکلو سالوں کا ارادہ رکھو، عمریں صرف کرنے کے لئے دعائیں مانگو۔

علم ہو نفس قابو میں ہو۔ یہ باعث رحمت ہے ورنہ وہ علم شیطان ہے۔

ان کو نکالو تبلیغ کے لئے جن کو روزہ نماز نہیں آتی۔ انکو نکالو جو کلمہ نہیں جانتے۔

ان کاموں میں اپنے آپ کو ختم کردو۔ کام پھلے گا بڑھے گا۔

یہ تحریک کیا ہے۔ مشغول لوگوں کے لئے مشغول رہتے ہوئے اپنے خدا سے رشتہ جوڑنے کا طریقہ اور قہر سے بچنے کا راستہ، خلاصہ۔ حضور اکرم ﷺ کی بات کو بلند کرنا۔ قہر سے محفوظ رہتے ہوئے مہر کو حاصل کرنے کے لئے سیکھنا۔

حضرت مولانا علی میاں نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت کی محبت حضرت سید صاحب کی وجہ سے فرماتے تھے کہ ہم ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں سابقین کی باتوں کو زندہ رکھنا ہمارا کام ہے۔

اللہ کے بندوں کی خدمت گزاری کے لئے ذلت برداشت کرنا سیکھو۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ کو نہیں پہنچے جو پہلے آئے وہ پہلے

کام کرنے کے بعد شکر کرے۔ ندامت سے سر جھکائے کہ جیسا کرنا چاہئے تھا نہیں کر سکا۔ اس سے نفس مر

جائے گا۔ علماء و مشائخ سے حضرت جیؒ نے فرمایا کہ تم نے میری قدر کی دین کی قدر نہ کی۔

حلیم کالج کانپور میں حضرت جی تصویروں کے سبب اندر کمرے میں نہیں گئے۔ ایک جگہ سے تیس ہزار کا چیک آیا جو واپس کر دیا گیا کہ ہم تمہارے بنک نہیں ہیں۔ وقت فارغ کر کے آؤ اور اس کا طریقہ استعمال سیکھو۔

گشت میں ایسے نکلو جیسے کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں نکلا کرتے ہیں۔

شیطان کی برابر ترقی نماز نہ پڑھنے سے ہے۔ چونکہ سجدہ آدم نہ کرنے ہی نے اس کا یہ حال کرایا۔

(حضرت جی حجاز تشریف لے گئے) جب یہ کام پیش کیا تو ایک بوڑھا عرب اپنی داڑھی کو پکڑ کر کہتا (ھذا شئی عجیب) بحرین، سوڈان، نجد کے لوگوں نے حضرت جی سے کہا کہ ہمارے یہاں چلو ہم ذمہ دار ہیں، حضرت جی دعا کرتے تھے کہ قیامت میرے سامنے نہ آئے، انہیں ڈر تھا کہ میں ایسا گنہگار ہوں کہ میری وجہ سے کہیں قیامت نہ آجائے۔

اے خدا میں وہ مانگتا ہوں جو حضور ﷺ نے مانگا۔ اس سے پناہ مانگتا ہوں جس سے انہوں نے پناہ مانگی تھی۔ تمام خیر مانگتا ہوں، تمام شروں سے پناہ مانگتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اخلاق تمام امت میں بکھر گئے ہیں۔ ان کو حاصل کرنے کے لئے گھروں سے نکلو۔ دوران تبلیغ اپنی ضرورتوں کے لئے بھی دعا مانگا کرو۔

حضرت جی فرماتے تھے کہ حاجی عبد الرحمٰن صاحب کی تعریف ان کے منہ پر کرنے سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

حاجی عبد الرحمٰن صاحب کی روایت حضرت جی ایک دفعہ ڈیڑھ سال تک تبلیغ میں لگے رہے۔ عزیزوں سے نہیں ملے۔ (حاجی عبد الرحمٰن)

مولانا محمد یوسف صاحب: نفس کے دھوکے سے بچو۔ کام نہ کرنے پر کہتا ہے کہ وسعت کے مطابق کر رہا ہوں اور کرنے پر کہتا ہے کہ میں نے بہت کر لیا۔ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے۔ بس اسکو خالص اللہ کے لئے کرو۔

اتباع رسول ﷺ صرف کامیابی کا راستہ ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ ہجرت کے وقت رستہ بتانے والے تھے اور وفات رسول ﷺ کے بعد بھی۔

درود شریف پڑھنے سے تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ دعا کے اول آخر اسے پڑھ لیا کرو۔ تبلیغ کی صلاحیت سنتوں کے عمل کرنے میں ہے خواہ چھوٹی ہی ہوں۔ میوات ایسا تو ہو گیا ہے کہ جب جو چاہے جتنے وقت کے لئے وہاں جا کر اس کام کے لئے لوگوں کو نکال سکتا ہے اور ایسا کبھی نہ ہو گا کہ وہ خود نکلا کریں۔

مرتبہ: حضرت نصر اللہ خانصاحب، نوح والے

خادم بڑے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

اصول تبلیغ: دین کی باتوں کے لئے گھر سے نکلنا۔ مسلمانوں کی خوشامد کی مشق کرنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ کسی کی ناگواری کو پسند نہیں فرماتے تھے پہلے گوار گی کی طرف مائل فرمالیتے تھے تب اس سے گفتگو فرماتے تھے۔

"اسلام" زیرکی کا نام ہے۔

دین سراسر عظمت و وقار کا نام ہے، ادب کا نام ہے۔ نفس کی لائن سے اللہ کی لائن عظیم ہو جاوے۔ یہ چیزیں روح دین ہیں۔

جب مسلمان کی طرف نگاہ کیا کرو تو اس کی طرف وقار کے ساتھ نظر کیا کرو کہ یہ خدا پر ایمان لایا ہوا ہے۔ میرا خدا اس کو پیار کرتا ہے پھر میں کیوں اس کو غیر نظر سے دیکھوں۔

خدا کے ہاں خشیت سے مرتبہ بلند ہوتا ہے۔ خدا کے یہاں ڈرنے والا ہی پسند ہے۔

جو اعلیٰ مرتبہ چاہتا ہے رات کی بیداری اختیار کرے۔

عام مسلمانی، تبلیغ بغیر مٹتی جا رہی ہے۔

اپنی جان سے اللہ کا حکم زیادہ مقدم رکھو۔

مومنین کا آپس کا حسن ظن حق تعالیٰ کے جود و سخا کے دہانے کھلوانے کے لئے بہترین مفتاح رحمت ہے۔

حکم کے تحت حلال و حرام کا دھیان کرنا دین ہے اور حکم سے قطع نظر کر کے کوئی وجہ ضروری ہونے کی قرار دینا دنیا ہے۔

غیبت کرنے والے کو اللہ ارادہ کر لیتے ہیں کہ اس کو بغیر ذلیل کئے ہوئے نہیں رکھوں گا۔

جب تم اللہ پر بھروسہ رکھ کر اس کام کو کرو گے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے قلوب کو اس طرف مائل کر دیں گے۔

تاوقتیکہ جڑیں نہ مضبوط ہو جائیں اس وقت تک آگے کی شاخیں سرسبز نہیں ہو سکتیں اور وہ جڑیں کیا ہیں:
نماز، قرآن، ذکر، مسلمان کا وقار، تبلیغ اخلاص نیت اور اخلاق و اکرام کے ساتھ۔

تعزیت و عیادت کے آداب یہ ہیں کہ ان کے یہاں چکھے تک نہیں بلکہ کچھ لے کر جائے۔

جب تک انسان اپنے کو مخلوق کا خادم اور چھوٹا سمجھتا رہے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرب اور محبوب ہے۔ اگلی زندگی سمندر جیسی ہے اور یہ زندگی بلبلہ جیسی ہے۔

تبلیغ میں مومن کی زیارت آنکھ کا ذکر، چلنا پیر کا ذکر۔

میں اس رستہ کو راہ نبوت سمجھتا ہوں۔

میرے رب کا حکم ہے اس نیت سے مشقیں کرو، جس وقت جی نہ چاہتا ہو اس وقت زیادہ کرو۔

اللہ سے واسطہ عبد ہونے کا ہے۔ جس قدر صفت عبدیت بڑھے گی اسی قدر اللہ سے تعلق ہوگا۔

ان امور میں اللہ کی رضا کس قدر ہے، ان رضاؤں کو تلاش کرو۔

اغراض کو قربان نہیں کیا تو علماء کا علم بھی جہنم میں لے جائے گا۔

عمل بلا صحبت اور صحبت بلا عمل خطرے سے خالی نہیں۔

دین کا کام جی لگنے کی وجہ سے کرنا دنیا ہے۔

ترددات کی بدلیاں سرمایہ فکر کو بے محل لگانے سے اٹھتی ہیں۔

اس چیز میں بال برابر فرق نہ ہوتے ہوئے اور چیزوں کو کرنا عین دین ہے اس کے خلاف بددینی ہے۔

حق تعالےٰ کا وعدہ ہے جو چیز اس چیز کے مقابل میں آوے گی وہ پاش پاش ہو جائے گی۔

قرآن کی ہر آیت عجیب و غریب ہے۔

تبلیغ کا کام رلنا ملنا، کمالات والوں سے ملنے سے کمالات پیدا ہوں گے۔ بلا کو دعاء اور صدقہ رد کیا کرتے ہیں اور دونوں چیزیں آداب رکھتی ہیں بلا شرائط اور آداب اثرات ناممکن بلکہ خلاف ہوجایا کرتے ہیں دعاء توبہ و استغفار کے بعد

دین کیا چیز ہے۔ وہ یہ کہ اللہ جس چیز کا حکم کردیوے اس کو دل و جان سے کرنا جیسے ابراہیم علیہ السلام بچے کو پھینک آئے۔ غرضیکہ جب حکم اسی طریق سے پورا کرے تو پھر یہ دین ہے اس میں مصلحت سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

وضو کے وقت گناہوں کے صاف ہونے کا دھیان کرو۔ پھر مسجد کا ادب کرتے ہوئے اللہ تعالی کا دل میں رعب لیتے ہوئے اللہ تعالی کا ڈر رکھتے ہوئے ادا کرو۔

کلمہ طیبہ پڑھنے سے اطمینان قلب چین اور سکھ پیدا ہوگا۔ اسکے پڑھنے کے وقت چین کی نیت سے پڑھا کرو۔

قانون خداوندی کا نام دین ہے۔

حضور ﷺ کا زیادہ وقت تنہائی میں گذرتا تھا۔ اس واسطے اللہ تعالے کا ذکر معہ فکر کے تنہائیوں میں زیادہ گذارا کرو اور پھر اللہ کا نام للکار کر چلّوں میں بلند کرنے کی جھد کیا کرو۔

آنکھ میں وہ کیا چیز لطیف ہے جو کئی کئی کوس کی چیز کو ذرا سی دیر میں دیکھ لیتی ہے وہ نہایت لطیف ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی طرح دل میں ایک چیز لطیف ہے جو عرش و کرسی کو دیکھ لیتی ہے۔

خدا تعالے کی ذات کی لطافت کا کیا شمار ہے۔ لطیف چیز لطیف سے ملتی ہے۔ اس واسطے اپنے آپ کو رذائل سے پاک وصاف کرنا چاہیے یعنی دل کو حسد، بغض، کینہ، کبر، عجب وغیرہ سے پاک کرنا چاہیے۔

انسان نے جو امانت اپنے ذمہ لی تھی وہ کیا تھی؟ وہ حکم کا ماننا تھا۔ تمام مخلوق نے انکار کر دیا لیکن اس نے اقرار کر لیا، کوئی بات تو تھی جو اس نے اقرار کر لیا۔ حضرت انسان میں ایک خاص تعلق اللہ کے ساتھ ہے جو کسی اور مخلوق میں نہیں۔ انسان خود بڑی چیز ہے۔ اس میں اللہ تعالے نے بڑے بڑے عجائبات رکھے ہیں۔ صفات اس میں سب مخلوق کی ہیں۔ کتے کی اس میں، فرشتے کی اس میں، خاص اللہ تعالی کی اس میں، جس صفت کی طرف یہ ترقی کرے گا وہی اس میں پیدا ہوگی۔

دعوت سے استعداد پیدا ہوتی ہے اس کے بعد قرآن، اس کے بعد نماز

دعا، تزکیہ، تخلیہ، پھر نیت۔ دعاء ہی سب کچھ ہے مگر عمل کرتے ہوئے دعاء کے ساتھ اعمال ایسے ہیں جیسے چاشنی اوپر لگا دیتے ہیں۔

عقل کا سب سے اعلی درجہ تدبیر ہے اور یہ تحریک عقل و شعور ہے۔

اول نمبر اللہ کے دین کو فروغ دینے کے لئے جان دینے کے شوق کو زندہ کرنا پھر دعوت دینا، اوروں کو دعوت کے لئے نکالنا اور نکلے ہوؤں کے بال بچوں کی خدمت کرنا، اس طرح نکلے ہوؤں کے بقدر ملتا ہے۔

نیکیوں میں نقص نکالنے کو اپنے اوپر لازم کر کے ندامت کے ساتھ دعاء کرنا اللہ کی عین رضا ہے۔

تہجد کی نماز اور اس وقت کا قرآن خدا کو محبوب ہے۔

ذکر سے نماز میں نور آوے گا اور سارا دین نماز سے درست ہوگا۔

ذکر نفلی رات کو، دن کو ذکر فرض ناواقف لوگوں کو کلمہ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کا سکھلانا۔

غفلت میں اعمال کا ادا ہونا اور فرق مراتب نہ کرنا، یہ اس عمل کی تحقیر ہے اور تحقیر اللہ کے مستحب کی جیسے امر کی، کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ ذکر نماز کا جزو ہے۔ چور سے محفوظ رہنے کے لئے یہ حصار ہے۔

نماز کے بعد تسبیحات فاطمہ پڑھنا تمام کاموں کو آسان کرتا ہے۔

قرآن کے لئے تجوید ضروری ہے تاکہ ان کی زبان کے موافق ہو جیسے حضور ﷺ پڑھتے تھے۔

اشراق سے ایک حج و عمرہ کا ثواب، چاشت سے رزق کے دروازے کھلتے ہیں۔ تہجد سے ولی ہو کر مرے گا، نوافل مغرب کے بارہ سالہ عبادت کا ثواب۔

ان سب کے لئے اپنے بڑوں کی ماتحتی میں چلنا ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ ہے۔ ان کی صحبت، ان کی خدمت، ان کی محبت سے سب کچھ بنتا ہے۔

نفس کافر ہے اس واسطے دوسروں کا دامن پکڑتے ہوئے چلنا ہے۔

ہر مسئلہ اللہ کا امر ہے اور روح امر ربی ہے۔ اللہ کے امروں کو اپنے بڑوں سے بذریعہ صحبت سیکھنا اور دوسرے چھوٹوں میں سکھانا ضروری ہے۔

ترتیب علوم سیکھنے کی: فرض چیزوں کو معلوم کرنا، پھر ان کے اندرونی فرائض و واجبات کو سیکھنا۔ اور پھر اور فرضوں میں بھی اہم فرض بعدہ دوسرا، تیسرا، چوتھا بعدہ باقی تمام دین سیکھنا۔ سنت، نفل، مستحب ہر عمل میں خلوص اور خشوع و خضوع کا سیکھنا۔ اللہ کو حاضر و ناظر رکھنے کی مشق کرنا۔ بذریعہ اعمال اس کی ذات و صفات کو پہچاننا بذریعہ امہات العقائد کے عقائد کو مضبوط کرنا۔ پھر عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق کو درست کرنا۔

مومن کی محبت سے اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔ شکستہ دلوں کی خدمت عرش عظیم کی کھڑکیاں ہیں۔

مومن کی محبت بذریعہ خدمت گذاری، تحفہ تحائف، اور اخلاق سلام وغیرہ سے کرنا۔ پھر قرآن سے محبت ہوگی، پھر اللہ سے محبت ہوتی ہے۔

دین کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ ہر عمل میں موت تک کچھ نہ کچھ کمی ہی رہیگی آگے بڑھنے کی کوشش میں لگا رہے اور

روتا دھوتا رہے اور بڑوں سے رابطہ رکھے اور اللہ سے ڈرتا رہے۔

ندامت بڑی چیز ہے، بعض دفعہ ندامت عمل سے بڑھ جاتی ہے۔ صفت عبدیت کو بڑھانا اور مانگنے کو لازم کرنا عُجب کو گھٹاتا ہے۔

حلال رزق؟ مالِ غنیمت اور ہدایا ہیں۔

صبر سے شکر کی قدر ہوتی ہے اور اصلی شکر کا ملکہ ہو جاتا ہے۔

توکّل بڑھانا ہے، رضا و تسلیم کو اختیار کرنا ہے، حُبِّ دُنیا کو گھٹانا ہے حُبِّ مولیٰ کو بڑھانا ہے۔

جتنی ہلکی پھلکی زندگی ہو گی اتنی ہی سہولت رہے گی۔

اللہ کی یاد کے بعد تندرستی دوسری نعمت ہے۔ اس واسطے تندرستی کو بحال رکھنا بہت ضروری ہے۔

پرہیز کرنا فرض ہے، علاج سنت ہے۔

بیوی بچوں کے حقوق والدین کے حقوق، پڑوسی کے حقوق اور تمام مسلمانوں کے حقوق، انسانوں کے حقوق، پرندے درندے اور اللہ کی ساری مخلوق کے حقوق، جمادات و نباتات تک کے حقوق ہیں۔ ترتیب وار ضروری ہیں۔

حقوق اللہ، حقوق العباد دونوں اللہ کے حکم ہیں۔

اللہ اپنے حقوق کی کمی کو تو معاف فرما دیں گے لیکن حقوق العباد کو معاف نہیں کریں گے۔ اس واسطے حقوق العباد کے اندر بہت احتیاط اور ہوشیاری سے چلنا ہے۔ چلنا تو سب ہی پر ضروری ہے۔

عظمت خداوندی کے دھیان کے ماتحت امر خداوندی کی قدر اعمال کے ذریعے کرنے کی مشق اللہ کی عین رضا ہے۔

اعمال بھی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، اصل چیز اللہ کے اوامر کی قدر ہے جیسا کے چار رکعت والی نماز میں بیچ کے قعدہ میں اگر کوئی شخص درود شریف پڑھ جاوے تو سجدہ سہو لازم آتا ہے حالانکہ درود شریف کتنی محبوب عبادت ہے۔

اللہ کی چلانا ہے برخلاف خواہشات کے

لا الٰہ کے معنی نفس کے حکم اور **الا اللہ** کے معنی اللہ کے حکم۔ یہ ہوئے **لا الٰہ الا اللہ** کے معنیٰ اب اللہ کے حکموں کو کلمہ کے دوسرے جز **محمد رسول اللہ** سے تلاش کرنا چاہیئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ان کو جو اللہ کے اوامر ہیں لے کر آئے ہیں اور آپ نے ان پر عمل کر دکھایا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملی قرآن ہیں حدیث شریف قرآن کی تفصیل ہے اور صحابہ کی زندگی اس کا خلاصہ ہے۔

اب اہم امروں میں مہا امر کلمہ ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام نے اس کلمہ توحید کی دعوت دی تو گویا یہ دعوت تمام انبیا علیہم السلام کے کاموں میں شریک ہونا ہے اور پھر اس میں ایک بات کا اور اضافہ ہے کہ دوسروں کو دعوت دینے کے لئے کھڑا کرنا۔ یہ ہے امت محمدیہ کا امتیازی کام، یہ کام دنیا میں بالکل ناپید ہو گیا ہے اس کو زندہ کرنا ہے۔

اللہ تعالے نے اپنی محبت کی آزمائش اپنے امر کے ذریعہ سے برخلاف نفس کے حکموں کے آزمائی ہے۔ تو اللہ کے امروں کو تلاش کرو۔ اس کے بغیر زندگی نہیں۔ دینی امروں کی تلاش کا نام طلب علم ہے۔ گویا طلب فرض ہے۔ اس طرق کے ساتھ گھروں سے طلب علم کے لئے بے طلبوں میں نکلو اور ان کو طلب کی دعوت دو اور طلب والوں کو علم کی دعوت دو اور علم ملے گا بزرگوں کی صحبت سے وہ حضرات علم کو معہ عمل کے لئے بیٹھے ہیں۔ وہ خزانہ ہیں علم و عمل کا مہا عمل تو تبلیغ ہے۔ اس سے بچے ہوئے وقتوں میں علم و ذکر میں مشغول رہو۔ کام کرنے کے بعد اسی پر نظر رکھو اسی سے مانگو نہ ملنے پر رؤو۔

مسلمانوں میں اول توکسل ہے اور پھر اٹھنے کے بعد خودرائی ہے۔ اپنے بڑوں کے فرمودہ کے مطابق چلنا چاہیے۔ خودرائی سے چلنے میں محنت زیادہ منافع تھوڑا، ماتحتی میں چلنے میں محنت کم منافع بے شمار۔

عمل میں مداومت، دھیرے دھیرے چلنا۔ ہر وقت کا ذکر فرض ہے۔ غفلت کسی وقت جائز نہیں۔ ذکروں میں مہا ذکر جو ہے وہ اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت ناواقف مخلوق میں دینا اور ان کو دوسروں میں دعوت دینے کے لئے نکالنا ہے۔ اس کے بعد نماز کی دعوت دینا ہے۔ یہ مہا عمل تمام عملوں کے لئے سایہ ہے اس کے بغیر عمل سر سبز اور پرورش نہیں ہو سکتے۔

چھ نمبر: اس کام کے سیکھنے کے لئے اول تفریغ وقت، کلمہ معہ معنی و مفہوم کے خلق کے اندر دعوت دیتے ہوئے کی دعوت دینا۔ اس قسم کی دعوت سے نماز کلمہ سے نور لے گی۔ نماز کی درستی سے مال کا خرچ کرنا، پھر علوم کا خرچ کرنا، پھر اخلاق کا خرچ کرنا، علم معہ ذکر بذریعہ تواضع۔ اکرام مسلم۔ تصحیح نیت۔ نکلنے کے زمانے میں ان چھ کے علاوہ اور کسی کام میں حالانکہ نیک کام ہوں مشغول نہ ہونا۔

ندوہ کے طالب علم آئے تھے، ان سے غلطی ہوئی۔ قطب مینار بغیر مشورہ چلے گئے۔ اس پر حضرت نے

تقریر فرمائی انہوں نے اپنی غلطی کو بہت سی حجتوں کے بعد تسلیم کیا۔ بعدہ حضرت نے ندامت کا تذکرہ فرمایا۔ اقرار قصور جس کا نام ندامت ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل سے بڑھ جاتی ہے۔ پھر تزکیہ کا ذکر فرمایا کہ نفس کی غلطیوں کو دیکھتے رہو اور آگے کے لئے اس کی درستی کا فکر کرتے رہو۔

ہر عمل اللہ کی رضا اس کی ذات، صفات عظمت و محبت کا دھیان کرتے ہوئے جان و مال کو قربان کرنا یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور اس کے خوف و طمع وعدہ وعید سے کرنا یہ عمل کا دوسرا درجہ ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ کے دین کو زندہ کرنے کی فکر میں اپنی جان کی قیمت نکال دو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پرورش فرمائیں گے۔ غیب سے روزی پہنچادیں گے، بلاؤں کو دور فرمائیں گے۔

صبر سے مشکل دور ہونے کا دروازہ کھلتا ہے

۱۔ ارادہ ۲۔ جبل جہد ۳۔ اسکے پرے خدا

اصلی زندگی عسکری ہی ہے۔ بیٹھنا مشورہ کے بعد ہے۔

جب زچ بچ کا معاملہ ہوئے اس وقت جو اضطراب ہوگا اس وقت دعا کو کام میں لاؤ۔

اللہ تعالیٰ مومنین کی محبت سے بہت کچھ دیتے ہیں۔ اللہ سے وصل کرے اللہ کی آڑ میں اپنی بڑائی نہ ڈھونڈے۔

حضور ﷺ مظہر عبدیت ہیں ہمیں عبد بننا ان ہی سے آیا ہے۔

زیارت قبور کے وقت علاوہ موت کے دھیان کے شقاوت لاتا ہے وہاں جا کر لہو و لعب میں مشغول ہونا، ایسا جانا لعنت کا سبب ہے۔

اعتقاد کہتے ہیں بندھن کو

اچھی چیز کا کھانا حرص ہے۔ جو جھوٹی چیز ہو اس کا کھانا برکت ہے اور ترغیب ہے۔

اپنے مظلوم ہونے کی انتہا کو پہنچنا، اپنے حقوق کا خرچ کرنا، جس سے رضا خریدی جاتی ہے۔

دعوت حق دینے کی طمع میں کفار کے ساتھ مادی خدمت کرنا

کفار کی خدمتِ مادی اس خیال سے کرو کہ اس کے ذریعے سے دعوت حق کے پیش کرنے میں سہولت ہو۔

دوسروں کی راحت رسانی کا درد اپنی راحت کے درد پر مقدم رکھو۔

جان کا خیال نکال۔ جان کی کچھ قیمت نہ ہو۔ انسان کی پیدائش کا مدار امروں کی پرورش ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی

ہر ضرورت دنیوی اور اخروی کا ذمہ دار ہوجاتا ہے۔اللہ تعالے نے تو امروں کو انسان ہی کی راحت رسانی کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

تذکرہ اگر اخلاق ذمیمہ کا ہوگا تو ذمیمہ پھیلیں گے اور تذکرہ اخلاق محمودہ کا ہوگا تو صفاتِ محمودہ پھیلیں گی۔

حق کی طمع میں کفار تک کی مادی خدمت کرو کیونکہ دنیا اسکی جنت ہے۔اسکے ذریعے سے تم سے اس کو محبت ہوگی۔اختلاط حق کی طمع میں

دعوت اسطرح دو کہ سننے والے کے جذر قلب (دل کی تہہ تک) میں بشاشت سے اتر جاوے۔

سِرّی ذکر کہ بندہ ہو اور اس کا خدا ہو۔ لیکن مجمع میں سرّی ذکر ہووے تو اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ دعوت ذکر کرتے ہوئے۔

خدمت خلق مادی اس غرض سے تاکہ روحانی خدمت کرنے کا طریقہ نکل آوے۔

روئے نیاز سب کا اللہ کی طرف ہوتا ہے، خواہ کافر ہو خواہ مسلم بہت کم بشر ایسے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے۔ البتہ اس کے بعد جو حکم رسولوں کے ذریعے سے اللہ تعالے کے صادر فرمائے ہوئے ان کے موافق چلنا نور و رحمت کی طرف لے جاتا ہے۔

زہد حقیقی ـ دراصل اللہ اللہ کی لذت میں خود بخود کھانے پینے اور پہننے کی لذت مدھم ہوجائے جو مل گیا کھالیا، نہ ملا کچھ پرواہ نہیں یہ ہے دَراصل زُہد حقیقی ـ ہر مسئلہ اپنے موقعہ پر (مثل) کلمۃ اللہ ہے، خواہ سونے کا ہو خواہ کھانے کا ہو۔

ہر مبلغ تبلیغ کے زمانے میں دس پندرہ منٹ تجوید کے سیکھنے پر خرچ کرے۔

اپنے مقام پر کرتے رہنا جو کچھ ہے وہ زمانہ تبلیغ میں اپنے اعمال کو مضبوط کرنے کے لئے ہے۔اسی طرح کئی دفعہ پھرنے کے بعد مسائل کو سیکھنے کا درجہ درست ہوگا۔ ورنہ اس سے پیشتر جو مسائل آجائیں ان پر عمل نہ ہوگا وہ باعث لعنت و دوزخ کے ہوں گے۔اللہ فرماویں گے جب تم کو معلوم تھا کیوں نہیں کیا۔ (حجت)

صفات محمودہ کی حیات ذکر، زہد، تقویٰ، ـ توکل، صفات ذمیمہ کی موت ذکر ہے

نااہل کو ذکر بتلانا گناہ ہے کیونکہ وہ دنیوی اغراض کی وجہ سے اس کی ناقدری کرے گا۔

اس طریقہ سے اہلیت آجاتی ہے۔

لایعنی میں مشغول ہونا نور کو بجھاتا ہے، پھر گناہ کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

اسباب ختم ہونے کے بعد یاس نہ آنے پائے۔ اللہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ بس اس وقت اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اضطراری حالت کی دعا مقبول ہے۔

ایک زندگی وہ ہے جس کا کارکن اللہ ہوجاتا ہے، یہ نور کی طرف لاویگی۔

تبلیغ کے کام کو کرتے ہوئے تمہاری دنیا بھی دین ہوتی آوے گی۔ برخلاف اس کے اگر اس کو نہ کیا تو تمہارا دین بھی دنیا ہو کر برباد ہوتا چلا جاوے گا۔

دنیا کا اشتغال اس قدر قوی ہے کہ وہ اشتغال حق پر غالب آجاتا ہے۔ علیٰ سبیل الدعایہ کے ذریعہ دین پھیل سکتا ہے۔ علیٰ سبیل السیاسۃ کے ہم اہل نہیں۔

جہل اور معصیت اللہ کی اذیت کی چیزیں ہیں۔ اس لئے اپنی اذیت کے مقابلے میں اللہ کی اذیت کا دور کرنا سب پر فرض ہے۔

اللہ کے امر کی بنا پر چلنا یہ ایمان کی خوبی ہے۔ اسباب اسباب کے درجہ میں ہیں جو مخلوق ہیں، مخلوق سے جی نہیں لگایا کرتے۔

ذکر کو لے کر جاؤ گے تو ہر فاسق و فاجر سے نفع اٹھاؤ گے اور اگر اغراض لے کر جاؤ گے تو کفر لے کر آؤ گے۔

دل کا کام الجھ جانا ہے پھر دماغ تشکیل کرے گا اور جوارح تکمیل کریں گے۔

دل کا کام حُبّ ہے۔

امر کے لگنے میں خیال اعلیٰ اس کی صفات کے ذریعہ سے کرنے میں ہے۔

دوم درجہ اللہ کے وعدہ پر وعید پر جو نفس کا فائدہ ہے اس کے موافق چلنا ہے۔

ذکر نفلی کی یہ خوبی ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں اس بندہ کا کان ہوجاتا ہوں ہاتھ ہوجاتا ہوں۔ اور جب فرض ذکر کیا جاوے گا تو اللہ کی دین کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔

فرق مراتب نہ کنی زندیق شوی

لازم سے متعدی کی قیمت زیادہ ہے۔ پھر متعدی میں فرق اعلیٰ و ادنیٰ کا کرنا اعمال کو ماننے کے بعد ترتیب ضروری ہے۔ اگر قابو میں آجاویں تو بہت ہی خوب ہے۔ ورنہ فرض کو ناقص کرتے ہوئے نوافل میں مشغول ہونا زندقہ

ہے۔

صفات میں لگنا۔ صفات میں بھی اونچا درجہ امہات صفات میں لگنا پھر ذات میں لگنا۔

حق تعالیٰ سے لگاؤ کا رواج مٹ گیا۔ علم کا ڈھنگ غلط۔ تقوے کا ڈھنگ غلط۔ یہ طلب علم نہیں۔ علم کی لذت سے ناواقف ہو چکے ہیں۔ اصل اللہ کے امروں کی قدر دانی ہے۔

خود غرضی میں کوئی کسی کی نہیں مانتا۔ جب خدا کی کوئی نہیں مانتا تو پھر بھلا انسان کی کون مانتا ہے۔

اس کے انوارات سے انس نہیں ہے۔ مشاغل سے دور رہتے ہوئے اعمال کا کرنا نور لاتا ہے۔

کلمہ کی دعوت کے ذریعہ سے اپنے کلمہ کو نورانی کرو۔ پھر نماز میں نور آوے گا اور پھر نماز دیگر اعمال میں نور لاوے گی۔

خدا کو خدا کی وجہ سے ماننا۔

اصل دینے والا قرآن ہے۔ حدیث سے حضور ﷺ نے اس کو کھولا ہے۔

ہمارے کلام سے جی نہ لگاؤ۔ جی تو خدا کے کلام سے لگاؤ۔ اس میں لگنے کی وجہ سے اس کو معاونت کے درجہ میں سمجھو۔

اللہ تعالےٰ کے امر کو زندہ کرنے میں جان دے دو۔ ورنہ اغراض کی وجہ سے روٹیوں کی خاطر مخلوق جان دے رہی ہے۔

جہلا کو علماء سے ملاؤ۔ جہلاء ان کی تعظیم کریں اور علماء ان پر پیار کریں یہ گر ہے۔

بجائے خود کرنے کے علماء کو لگا دو۔ علماء اپنی جہالت کے حالات سناویں ان کو ان پر رحم آوے گا۔ یہ ان کی خوشامد کریں گے تاکہ علوم سے آشنا کریں، دراصل کام بنے گا علماء ہی سے۔

جو شخص اپنے دین کے بڑوں کے پیچھے نہیں چلتا وہ کفار کے بڑوں کے پاؤں تلے اور پنجہ میں دے دیا جاتا ہے۔

حضور کے لائے ہوئے اعمال میں دھیان مقبول ورنہ مردود۔

اب اعمال کے اندر فرق مراتب ہے۔ اگر کوئی شخص حدیث پڑھا رہا ہے اس نے فرض دعوت کو ہلکا سمجھا اس سے کم جانا تو یہی فرق مراتب ہے۔ یہ پھر زندقہ، ہاں البتہ اس کا کچھ وقت نکال کر فرض کی دعوت دینا۔ پھر فرق مراتب درست ہوگا۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

قرآن ہی سے انسان پھلے پھولے گا۔ اس کی تجوید کا وقت تھوڑا سا روزانہ نکالو۔

دین سیدوں اور علماء سے پھیلے گا۔ ان کی بہت زیادہ قدر کرنی چاہیے۔ اور ان کو اس طرف توجہ دلانی چاہیے۔

انسان جس قدر بھی گھر سے دور نکل کر جاوے گا، اسی قدر دین مضبوط ہوگا مشاغل کی ظلمت سے جتنا دور ہوگا

اتنی ہی ظلمت دور ہوگی۔ پھر اعمال کا نور قلب میں مستحکم ہوگا۔

عمل میں جوش کے ساتھ ہوش ہونا چاہیے۔ بڑوں کی ماتحتی بغیر خودرائی کا مادہ زیادہ ہو جائے گا، پھر دہریت

بڑھے گی۔ بڑوں کی ماتحتی میں عبدیت بڑھیگی۔ علم کی یہی قدر ہے کہ اعلیٰ کے واسطے جو چاہت کی چیزیں ہیں ان کی

حب کو کم کر دینا ہی جہاد ہے۔

اہل صفہ سے اہل بیت عموماً اور دیگر خصوصاً استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

اَوامر خداوندی میں نفس کا ذلیل ہو جانا، جان کا بے قیمت ہو جانا۔ مادی چیزوں کو روحانی کے ماتحت کرنا فرق

مراتب ہے۔

بے طلبوں کو طلب دلانا یہ تو ہے تبلیغ اور طالبوں کو رغبت دلانا یہ ہے علم

آج بتاریخ ۲ فروری ۱۹۴۴ء یوم بدھ اشراق کے بعد فرمایا جب کہ اکیلے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے میں بھی

جا بیٹھا، فرمایا: منشی جی راستہ نہیں ملتا۔ پھر رات کو جو جلسہ قرول باغ میں ہوا تھا۔ جس میں طبقہ انگریزی دان کا تھا اور

انکے اثرات کے پھیلنے کا اندیشہ تھا اس پر فرمایا کہ دہریت کیا ہے کاموں کو اللہ کے اوامر کی امیدوں کے خلاف اسباب

کی امید، روپیہ پیسہ سے کام کا چلنا اس پر لگادیں گے جس سے وہ ایمان کی قوت نکل جاوے گی۔ اگر اللہ والے اس پر غلبہ

پائے ہوئے اوامر پیش نہ کریں گے تو دہریت کا غلبہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

دہریت کیا ہے۔ مال روپے پیسے پر بھروسہ کرنا۔ اس واسطے قوت یقین کو اللہ نے جو اپنے اوامر کے ذریعہ بتلایا

ہے اس کو مضبوط کرنا، اسباب کو اوامر کے ماتحت برتو نہ کہ اسباب کو یقین کا درجہ دے دو۔ پھر فرمایا کہ یقین اور وہم

کا فرق۔ یقین تو یہ ہے کہ یہ ہوگا اور پھر ہوگا۔ اور وہم کیا ہے کہ شاید ہو جاوے گا اور نہ ہونے پر ڈگ جانا۔ اس واسطے

بذریعہ اوامر ساتھ یقین کے اعمال میں بڑھتے چلے جانا درجہ اول اعمال کو اللہ کی رضا کے لئے۔ اور طمع و خوف کے ذریعہ

کرنا درجہ دوم۔

اصل یقین یہ ہے کہ ایسا یقین ہو کہ اسباب کے خراب ہوتے یقین کو ترقی دینا اور اللہ کے فرمودہ کی قدر اور

وقعت کرنا اور اس پر جمے رہنا۔ اے اللہ ہمیں توفیق دے۔ گھبراہٹ سے نکال، دکھ اور سکھ کو عارضی سمجھیں۔ اصل دولت تیری رضا کے واسطے مخالفت ہوتے ہوئے اوامر کے ذریعہ اعمال پر یقین بڑھتا چلا جاوے۔ اے اللہ میری دعا کو قبول فرما اور یہ مضمون دوسروں میں پھیلانے کی توفیق عطا فرما۔ اس کا مزہ مادی مزے پر غالب آجاوے۔

عبادات میں کام مقصود نہیں بلکہ اللہ کے امر کی قدر رضائے مولیٰ کے لئے مقصود ہے۔

عبادات بھی ایک مخلوق ہیں۔ اسباب کے درجے میں ہیں مخلوق کو خالق کا درجہ دینا شرک ہے۔

اعمال شرعی کے بغیر اگر کوئی اللہ کو ڈھونڈے غلط ہے۔

تحقیر نام ہے کبر کا۔

نماز روح ہے اندر پرواز پیدا کرتی ہے۔

ندامت نام ہے توبہ کا

اعمال کے اندر بذریعہ فضائل ایمان درست ہوتا ہے اور اعمال کو موافق مسائل کے کرنے سے عبادت درست ہوتی ہے۔ اور نیت سے جو رضائے الٰہی کے لئے ہو اعمال کامل ہوتے ہیں ایماناً احتساباً اعمال کو درست کرنا

کاموں کے کرنے میں مقدم اور مؤخر کا لحاظ رکھا جاوے۔ یہ کلیہ ہے

جہالت کے مقابلے میں علم ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خوشی کے لئے اللہ کے امروں کو سیکھنا فرض ہے۔ جاہل کو عالم کے پاس جانا فرض ہے۔

اور اسی طرح جس قدر عالم جاہل سے بڑا ہے اسی قدر عالم کو جاہل سے ملنا اور علم سکھانا فرض ہے تو پھر جہالت علم سے بدل جائے گی۔

حضور ﷺ کی ایک سنت کو زندہ کرنا ایسا ہے کہ جیسے حضور ﷺ کو زندہ کیا (جیسے حضور ﷺ کے کل دین کو زندہ کیا) اس طریقے سے ہزاروں سنتیں زندہ ہوتی ہیں۔

اصل کرنے کی جگہ اپنا وطن ہے مگر جب تک سیکھو گے نہیں اس وقت تک دور سے دور جانے سے سیکھنا زیادہ آوے گا۔ درمیان میں ہمارے پاس بذریعہ صحبت کے علم سیکھو۔

صحبت سب سے بڑی چیز ہے جو علوم صحبت کے ذریعہ سے آویں گے وہ ہرگز کتابوں کے ذریعہ نہیں آویں گے۔ عام طریقہ علم کے سیکھنے کا حضور ﷺ کے یہاں یہی تھا۔ ہر شخص ایک وقت میں معلم ہے اور دوسرے وقت میں متعلم

ہے جتنا علم آتا جاوے گا اس کا معلم ہے اور بقیہ کا متعلم۔ بہر حال ہر ایک ایک کا چھوٹا ہے اور ایک بڑا ہے، چھوٹوں سے چھوٹوں میں علم کو پہنچاؤ اور بڑوں سے حاصل کرتے رہ کر چھوٹوں میں اس کی مشق کرو۔

کلمہ ایک تخم ہے یا جڑ، اور نماز اس کا تنا یعنی خول ہے اور ڈالیں ارکان ہیں اور پھر ڈالی پر پتے ہیں۔ ہر ایک کا ایک دوسرے سے سلسلہ ہے اسی واسطے قوت ایمان کے ذریعے سے سارے دین کی پرورش ہے تو اس تحریک میں ایمان کو بڑھانا ہے جہاد بھی ارکان میں سے ہے مگر عام طور سے پانچ ارکان کا ذکر ہوتا ہے۔

قتال جہاد کا آخیری درجہ ہے۔ حقیقت میں جہاد دین کے اندر کی کوشش کا نام ہے اس کو تبلیغ کہتے ہیں۔

خدمت خلق کے ذریعہ سے خدا کا راستہ ملتا ہے اس نے اپنا راستہ اپنی مخلوق کی خدمت کے ذریعہ سے ہی رکھا ہے۔

دنیوی یقین یعنی خواہشات نفس ٹھنڈی پڑتی چلی جاویں۔ جیسا خواہشات کے موافق ہو جانے کی خوشی ہوتی ہے اسی طرح یہ خوشی اور یہ خواہش اللہ کی رضا سے بدل جاوے۔

دراصل اعمال کے ذریعہ اوامر اور بذریعہ صفات اللہ کی ذات سے عشق لگانا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اسی طرح سے شیطان کے گروہ کو پھسلانے کے لئے بھیجا ہے، اسی واسطے انسان کا مرتبہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ انسان کو دونوں طاقتیں دے کر بھیجا ہے۔ یہ شیطانی طاقت زیادہ تر سیدوں اور عالموں کے پیچھے بہت پڑے گی۔ یہ مشکل سے کھڑے ہوں گے کیونکہ ان کی صحبت اور علوم سے مخلوق کو ایک دن کا نفع اتنا ہوگا کہ عوام ساری عمر ان کام کو کریں تو برابر نہیں ہو سکتے۔

یہ تحریک دیگر اعمال کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے حضور ﷺ کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے۔ حضور ﷺ کے سایہ تلے ہر شخص محفوظ رہ سکتا ہے اسی طرح یہ عمل دیگر اعمال کے مقابلے میں ایسا ہی ہے۔ اس کے سایہ بغیر کسی عمل میں پرورش اور بقا نہیں ہے۔ یعنی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر عیسیٰ اور موسیٰ بھی آویں تو ان کو بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی طرح اعمال بغیر اس عمل کے بے رونق ہیں۔

حضرت اجمیریؒ حضرت جیلانیؒ کیوں ممتاز ہیں، کلمہ کی وجہ سے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ سے ممتاز ہیں کلمے کی وجہ سے۔ ورنہ سب ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

کلمہ کے الفاظ اس کا جامہ ہیں۔ اسکے اندر کچھ اور ہے، اس واسطے اسکے اندر کی تلاش میں لگے رہو، اسکی انتہا نہیں

ہے۔

ارکان ایمان سے مضبوط ہوں گے۔

نفس کے رذائل میں خبیر جو رذیلہ ہے وہ حب جاہ ہے وہ مشکل سے نکلتا ہے۔ جب جاہ کیا ہے یعنی آبرو کو نفس چاہتا ہے۔

صفت ایمان سے دین میں رونق ہو گی۔

حضرت نے فرمایا میں بیعت کے وقت اللہ کے حکموں کو اس طرح بتلایا کرتا ہوں کہ جو اللہ کی بذات سے چلے ہوئے ہیں اور صفات میں رنگے ہوئے ہیں اور آسمان کی برکت لئے ہوئے ہیں اور پھر کسی ذات سے پہنچے ہوئے ہیں۔

اللہ کے امروں کے اثرات ہیں، جانوروں کو کلمہ کے ذریعہ ذبح کیا تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔

ہر موقعہ کے اعمال کو اللہ کے امروں کے ساتھ کرو وہ درست اور ٹھیک ہو جاویں گے۔

دراصل امروں کے اوپر صفت ایمان کے ذریعہ چلنا ہے اور حیات طیبہ بنانا ہے۔

اللہ تعالے نے اس زمانے یں یہ نعمت عجیبہ عنایت فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کیونکہ ہر نعمت کی بقا شکریہ پر ہے، اس نعمت کا شکریہ مسلمانوں مومنوں کے ساتھ تواضع ہے۔

اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے نکلنے کی بے کلی جو اللہ کو پیاری ہے اس سے زیادہ کوئی عمل نہیں ہے۔

نوافل ذکر فرض ذکر کے خدام ہیں، خدام سے بادشاہ کی قوت ہوتی ہے نہ اس کو اس سے چارہ نہ اس کو اس سے لہذا ذکر کو ہر وقت جاری رکھو۔

ہر جلیس کی صحبت کا اثر ہوا کرتا ہے، لہذا اس سے غفلت دور ہو گی۔ جب غفلت دور ہو گی تو اللہ کے امروں کو اللہ کی رضا کے موافق صحیح نیت کے ساتھ کرنے کی طاقت ہو جاوے گی اور طاقت خواہشات کو دباتی رہے گی اس طاقت کا نام تقویٰ ہے۔

سیدوں اور علماء کی تعظیم ضروری ہے چاہے کیسے ہی ہوں۔ ہاں البتہ تعمیل ضروری نہیں۔ جس طرح غلط چھپے ہوئے قرآن کی تعظیم ضروری ہے اس کا پڑھنا جائز نہیں۔

بیماری ایک مہمان ہے۔ اس کا اکرام کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ موت کا کھٹکا ہے۔

مصائب کے حالات کو بہت تلاش کیا کرو۔ مصائب کے ذریعہ جو قرب حاصل ہوتا ہے اس کو بہت تلاش کرو۔

یہ دین کا آدھا حصہ ہے۔

اللہ کے امروں کے زندہ کرنے میں لگے رہنا ایسا ہے جیسے ایک دوکان ہے استعمال کے بعد بچے ہوئے کو اس دوکان میں لگاتے رہو بڑھتی چلی جاوے گی۔

اللہ کی رضا کے لئے امر کو زندہ کرنے میں جان کی پرواہ کو نکالنا یہی کلمہ کا مفہوم ہے۔ پھر اس میں اوامر کی تلاش پھر اس کے لئے فراغ وقت اپنے مشغلہ میں سے نکال کر جس کی مقدار کم از کم عوام کے لئے تین چلے ہے اور علماء کے لئے سات چلے ہے۔ ترک وطن کرنا۔

خدمت خلق عبدیت ایک ہی چیز ہے۔ اللہ کے اوامر کو لوگوں میں پھیلانے اور پہنچانے کی خدمت کو عبدیت کہتے ہیں۔ اللہ کی رحمت آتی ہے عبد بننے میں عبد بننا آتا ہے خدمت خلق کرنے سے۔

رزق صرف کھانے پینے کا مطلب نہیں ہے بلکہ جاہ و مرتبہ کی خواہش، ملک، دولت، بیوی، بچے غرضیکہ تمام دنیوی اغراض رزق ہیں۔

مومن کا مقصد زندگی خدا طلبی ہے اور دین پروری اس کا راستہ ہے اللہ تعالیٰ اسکے محرک ہیں۔

غیر مومن کا مقصد زندگی رزق طلبی ہے اور اس کا راستہ نفس پروری ہے اس کا محرک شیطان اور نفس کے اوامر ہیں۔

تذلل دین کے کام کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ یہ عبدیت ہے اس سے اللہ کا رنگ آوے گا۔۔ رحم و قہر۔

تبلیغ ایک فن ہے جس کو تھوڑا سا کرنے سے انسان بہت کچھ کما سکتا ہے۔ اللہ تعالی کو کفار تک سے محبت ہے دنیا ان کی جنت ہے تو اغراض کی وجہ سے ان کی دنیا پر حملہ کرنا اللہ کو ناپسند ہے اس میں اللہ تعالیٰ ان کو فروغ دے گا۔

دستر خوان کے ریزوں کی جو قدر نہیں کرتا وہ کھانے سے انتفاع نہیں حاصل کر سکتا۔ یہ کلیہ ہے۔

مال کے خرچ میں سب سے اونچا خرچ ہدیہ ہے۔ اور اخلاق کا خرچ سب سے اونچا تواضع ہے۔

صفت عبدیت بڑھانا یہاں تک کہ اپنے آپ کو راستہ کی خاک سے بھی کم سمجھنا جیسا کہ وہ پیروں میں روندی جاتی ہے۔ اسی طرح دین کے کاموں کے کارن مخلوق کے پیروں میں رندنے کو فخر سمجھنا

دین کے کارن جو انسان کو تکالیف آتی ہیں وہ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اللہ کے ذکر کو تنہائیوں میں اتنا مضبوط کرو کہ مجمعوں میں اس کے اثرات ہونے لگیں۔

آج کل مخلوق اسباب پر نظر جما کر سب کام کو ترقی کا باعث سمجھ رہی ہے حالانکہ اسباب اوامر کے بعد مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کن کہا تب زمین و آسمان بنے۔ یہ فرق اسباب اور اوامر کا ہے

میواتیوں سے: تم اپنے ملک کے اندر سو مکتبوں کے درمیان ایک عربی مکتب اور خانقاہ کا ارادہ فرماؤ۔

بچوں کے ساتھ محبت اللہ کے امر کے ماتحت ہو۔

جو کوئی حضور ﷺ کے نقش قدم کے علاوہ چلے گا وہ شیطان کے پنجے میں ہے۔ اس واسطے جس شخص کی زندگی کسی بزرگ کی ماتحتی میں نہیں ہے وہ شیطان سے بچ نہیں سکتا۔

کلمہ جو خانقاہوں میں سکھایا جاتا ہے وہ نفل ہے اور جاہلوں کو جو انجان ہیں ان کو سکھانا فرض ہے تو مخلوق میں وقت نکال کر اس کی دعوت دو۔ یہ اصل نور لینا ہے۔ تکمیل کے لئے تنہائیوں میں مشق کرو۔ اس کو مخلوق میں پہنچانے کو جزو زندگی بنالو۔ کام کے مقابلے میں دعاء کی مقدار کو زیادہ بڑھاؤ اور کہو کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو مجھ سے یہ کام ہوگیا۔ تبلیغ ہے بے طلبوں میں اور تعلیم ہے طالبوں کے لئے تبلیغ ہے فرض، ہر اک مسلمان کا فرض عین ہے۔

میوات کے اندر تین چیزیں اہم ہیں: مدارس، خانقاہیں، غیر مسلم میں اسلام پیش کرنا۔

چوبیس گھنٹے وہ کام جو خانقاہوں اور مدارس میں ہوتا ہے کرنا ہے اور اسی میں کچھ وقت لوگوں میں دعوت دینے میں۔

عزم یہ ہو کہ خلاف طبع چلنا ہوگا، باکراہ پہلے ہوگا۔ بعد میں جب شوق ہو جائے گا تب آسان ہو جائے گا۔

دنیا کے بڑوں کے حال ان کا وقار بڑھاتے ہوئے دعوت دیں۔

اللہ کا حکم سمجھ کر، بے چینی سے کرنا یہ ہے تبلیغ کا خلاصہ۔

جب تک چوبیس گھنٹے میں کوئی وقت ذکر کا مقرر نہیں کریں گے یہ تبلیغ جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

روزہ سے استقلال ہوگا حج سے جامعیت عشق حاصل ہوگی۔

کلمہ کے نور سے دل کو تنہائیوں میں روشن کرو تو نفس کے عیب معلوم ہوتے رہیں گے اور دین میں ترقی کرتے رہو گے۔

تھوڑے کے بقدر قدر نہ کرنا اس کا قدم ہرگز نہیں بڑھے گا اور جو وہیں ٹھہرا رہا اس کا بھی قدم نہیں بڑھے گا

شوق بہت پیدا کرو اور نماز پڑھتے وقت زیادہ شوق کرو۔ اگر عمل شوق اور رغبت سے نہیں تو کباڑ ہے، پھر اس کے بعد کمی پر ندامت ہو۔

عمل اور علم کی پونجی کو چور چرا لے جاوے گا، جب تک ذکر کے چراغ سے اس کو محفوظ نہ رکھا جاوے۔ ورنہ شیطان چور لایعنی کی آندھی سے اس کو بجھا کر اس کو چرا لے جاوے گا۔

بر اور تقوے کا معاون ہونا فرض ہے تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر۔

میوات میں حسب ذیل نمبروں کا اضافہ اور ہو گیا ہے۔

زکوٰۃ۔ علم فرائض۔ غیر مسلموں میں تبلیغ۔ مکتب۔

اب علم کے حصول کے وقت شروع سے نیت اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوتی۔

اس واسطے وہ علم شروع سے علم ہی نہیں ہوتا۔ **الاعمال بالنیات** (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

سڑک سے اذیت دہ چیز کا دور کرنا سب کا فرض ہے۔

دین کے کام کو چھوڑ دینا یہ خیانت ہے۔

درس گاہیں بمنزلہ سمندر کے ہوں اور یہ پھرنے والے بطور نالیوں کے۔

کلمہ بادشاہ ہے۔ جہد وزیر فوجی۔ مال وزیر مالیات۔ نماز وزیر کل ہے۔

مومنین کے ساتھ ذلیل ہو۔ اس ذلیل ہونے کے اصول سیکھنا یہ سیڑھی ہے اللہ کے عبد بننے کی

سادہ زندگی کی تاکید فرمائی۔ میواتیوں میں سادہ زندگی اللہ نے قدرتی رکھی ہوئی ہے۔ میلے کچیلے لباس کے اندر میواتیوں کی سادہ زندگی ایک دولت عظیم ہے۔ اس واسطے ان پر اس بات کا اثر ہو رہا ہے برخلاف اس کے حکومت سے ملنے والوں کی خوش پوشاکی کے اندر دہریت کے اثرات ہیں، اس واسطے ایسے لوگوں پر میری تحریک جلد موثر نہیں ہوتی۔

مصلے امام کا صف سے ملا ہونا چاہیے تاکہ مقتدی اور امام کا الحاق ایک ہو جاوے۔

فرمایا: یارو نماز، کلمہ اور باقی تمام دین کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

جگہ جگہ جبل جہد آتے رہیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ امتحان نہ آئیں کرتے رہو اور چلتے رہو۔

ہدایا کا ثواب صدقہ سے بہت اونچا ہے۔ جہاں کلمہ اور نماز، ذکر زیادہ ہو چکا ہے وہاں مالی خرچ کا اور مکتب کی

دعوت دینا شروع کریں۔

چھوٹوں سے ملتے رہنا اور بڑوں کے سایہ میں اس سے زیادہ رہنا۔

اللہ تعالےٰ کو جن چیزوں سے اذیت ہوتی ہے انکو مٹانے کی کوشش میں لگ جانا، درد لے کر۔ اسکا مٹ جانا ذمہ نہیں۔ کوشش میں لگ جانا یہ اللہ کی عین رضا ہے۔

اخلاق: شبہ یہ کہ اخلاق بڑا ہے یا ارکان۔ جڑ کے اعتبار سے ارکان بڑے ہیں اور نتیجہ کے اعتبار سے اخلاق بڑا ہے۔ حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے، حقوق العباد کو اللہ معاف نہیں کرے گا۔ اس معنی میں اخلاق بڑی چیز ہے۔

اخلاق وہ ہیں جو ارکان کی رہبری سے ہوں تو وہ اخلاق مقبول ہیں ورنہ مردود ہیں۔ بلا واسطہ ارکان اخلاق اللہ کو پسند نہیں۔ ارکان واسطہ ہیں۔ کلمہ اور باقی تمام دین میں یعنی معاملات، معاشرت اخلاق۔

کرنال کے بارے میں فرمایا کہ جماعتیں جاویں اور نواب لوگوں میں مصالحت کرادیں لیکن اصل مصالحت جو ہے وہ اللہ کے امروں کو دنیا میں پھیلانا ہے۔ ترتیب یہی ہے۔ جب سے امروں کو چھوڑا ہوا تفریق کی شروع ہوئی اور آپس میں طاقتیں فنا ہوتی چلی گئیں۔ بس پھر کفار کا قبضہ ہو گیا۔ اب اس ترتیب سے اللہ کے امروں کو زندہ کرنے میں دنیا میں پھیل جاؤ اور تفریق کو مٹاؤ۔ اپنے حقوق کو لینا اور اس میں مارا جانا جو ہے اس سے شہادت کا ثواب ملتا ہے لیکن دین کے واسطے اگر حق کو چھوڑ دیوے تو فی کھجور احد پہاڑ سونا خیرات کرنے کا اجر ملتا ہے آپس میں مصالحتیں کراؤ۔ جس طرح طاقتیں جمع ہوتی چلی جاویں گی اور کفر میں حق کو پھیلانے کی وجہ سے تفریق پڑتی جاوے گی۔ یہاں تک کہ شیرازہ ٹوٹ پھوٹ جاوے گا اور اسلام کی طاقت بوجہ حق کے پھیلانے کے بڑھتی چلی جاوے گی۔

ایک سے ملنے میں ۷۰ ہزار فرشتوں کو پر بچھانے کا حکم ہوتا ہے جب کہ قوموں کا قوموں سے ملنا ہوتا ہے تو کیا ٹھکانا ہے۔ پھر ایک تو مسلمان سے ملنا، پھر اس میں دین لے کر جانا اور ملنا یہ کسقدر اللہ کو محبوب ہے۔

یہاں یعنی دنیا میں تو صرف خرچ کرنے کے لئے۔ راحت کے لئے نہیں ہے۔

اللہ کے ہاں کی ناقدری ہے کہ اس کو شوق سے نہ اٹھاوے۔ عمل بقدر شوق کے۔

اصل فریضہ حضور ﷺ کا یہی تھا کہ دین کو لے کر گھروں سے نکل کھڑے ہونا۔

دیکھو بھائیو! اس کام کی خاطر انبیاء علیہم السلام کو پریشان کیا گیا اور صحابہؓ کو کٹوایا گیا، یعنی دین کی خاطر۔ اللہ کو اپنا دین کس قدر پیارا ہے۔ ہماری جان دراصل اس پر قربانی کو پیدا کی گئی ہے۔

غزوہ خندق میں وہی ایک ہوا، مومنوں کو راحت تھی اور کفار کے لئے تباہ کرنے والی۔

حکم کی تعمیل کے اندر جان کے دینے کا فکر کرتے رہو۔

اس جان کے قیمتی ہونے نے رضائے جلّ جلالہٗ کے قیمتی ہونے کو روک رکھا ہے۔

مسلمان کی بلائیں ٹلنے کا تبلیغ میں مر مٹنے کے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے، یہ اس کا واحد علاج ہے۔

کوئی مومن خیر سے بھی خالی نہیں اور کوئی مومن شر سے بھی خالی نہیں۔

اللہ تعالٰی کی عظمت اور جلال اور صفات کا دھیان کرتے ہوئے اس کے بتلائے ہوئے اعمال کے اندر جہد کرنے کا نام (خالص رضائے مولٰی کے لئے ہو) دین ہے۔ اس میں بال برابر فرق کرنے کا نام دین نہیں ہے۔

سب اعمال میں نیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ تبلیغ بھی نیت صحیح کرنے کے لئے ہے۔ خواہشات کا ذرہ برابر شائبہ نہ ہو پھر عمل خالص ہوگا۔

اللہ تعالٰی نے اعمال محمدیؐ کے اندر اپنے ملنے کا راستہ بتلایا ہے۔

دعاء اللہ تعالٰی کی رضا کے کاموں کے تحت ان کے معاون بننے کے لئے حاجات بشریہ کا مانگنا خاص اثر رکھتا ہے۔

کام مقصود نہیں بلکہ کام کے اندر کی مشقت مقصود ہے اور پھر مشقتوں کے اندر کی وہ مشقت جس میں کہ جان جا رہی ہو اس وقت دیدار خداوندی کا وعدہ ہے۔

علوم کی صحیح تلاش کرو اعمال کے لئے۔ اعمال محمدیہ کے اندر رضاء الٰہی کی تلاش کرو۔

ہر لائن کے فرضوں کو جب تک نہ کرو گے تو پھر کفر میں اور اسلام میں فرق ہی کیا ہے۔

تنہائیوں میں اپنے گھٹ میں بٹھانے کی نیت سے ذکر اور مجمع میں اس کی پکائی کے واسطے تقریر کرو۔

اخلاق سے اور عبودیت سے تبلیغ کرو۔ حکومت کے طور سے مت کہو بلکہ مشورے کے طور سے کہا کرو۔

دین کے پھیلانے کے لئے ترک وطن سنت طریقہ ہے۔

عمل بالذات مقصود نہیں بلکہ احکامات کی قدر دانی کرتے ہوئے کہنا اصل چیز، حکم کی قدر ہے، حکم کا ماننا۔

صحیح اسلام دکھلانے کی جھلک دکھلاؤ اللہ کی مخلوق کو، یہ ہے اس وقت کا کام

قرآن پڑھنے میں خدا کی آواز سنائی دینے لگے ایسا پڑھو، راتوں کو رونے کی مشق کرو۔

مراقبہ اور قوت فکریہ سے کام میں مضبوطی ہوتی ہے۔

تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کر سوچ سوچ کر باہر نکلو اور باہر نکالنے کی کوشش کرو تبلیغ کے لئے

علم یا تحت ہو فکر کے

بدنی عبادت سے فکری عبادت اتنی ہے کہ ستر سالہ عبادتوں کے مقابلہ میں ایک گھڑی کی فکر زیادہ ہے۔

عمل کرے حکم کی وجہ سے اور پھر عمل پر بھروسہ نہ رکھے۔ڈرتا رہے، اپنی جان دے دینا اور ترک وطن کرنا

دوسروں کی پرورش کا باعث ہوگا

ذکر کے معلوم کرنے کے لئے کسی اللہ والے کے پاس جاؤ۔

یہ جو روح ہے اس کو بھی روح ہے اور وہ کیا ہے امر ربی۔

قرآن کے اندر اللہ تعالے کی صفات اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات پر غور کرو۔

قرآن حضور ﷺ کا راہبر ہے پھر اس پر غور کیجئے کہ قرآن کتنی عظمت والا ہے

قرآن کے اندر عجیب و غریب عجائبات ہیں، اس کی عظمت یہ ہے کہ اس کی محبت کے مقابلے میں سب دنیوی محبتیں نیچی ہیں۔

نماز کی صف کا ٹیڑھا ہونا دلوں کو ٹیڑھا کرتا ہے۔آگے پیچھے کھڑا ہونا تفریق کا باعث ہے اور فصل کا ہونا شیطان کا داخل ہونا ہے۔

اللہ تعالے کے احکامات کو اپنے اندر لانے کی جتنی جہد کرو اور جہد کی مقدار میں اتنی ترقی کرو کہ جان کو خوشی خوشی دے دیوے۔ وہاں پر دیدار خداوندی کا وعدہ ہے۔اب جتنی جہد اس کی رضا کے واسطے اللہ کے اوامر کی ادائیگی میں کروگے اتنا ہی قرب خداوندی حاصل ہوگا۔

قرآن پاک کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں حضور ﷺ جب خود فرمادیں کہ قرآن پاک کے عجائبات کی کوئی تماہ نہیں۔جب حضور ﷺ جیسی ذات پاک اس کے عجائبات کا احاطہ نہیں کرسکی تو پھر اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

قرآن پاک جس مہینہ میں نازل ہوا اس کی عظمت دوسرے مہینوں سے کس قدر افضل ہے اس مہینہ کی فرض نماز کا ستر گنا ثواب اور نفل فرض کے برابر لکھے جائیں یہ سب قرآن پاک کی ہی وجہ سے فضلیت ہے پھر قران پاک کی کس قدر فضلیت ہوگی۔

جس رات میں یہ قرآن پاک اترا آسمان اول پر وہ رات شب قدر کہلائی جس کا ثواب ہزار مہینے کی عبادت سے افضل، یہ فضیلت محض قرآن پاک کی ہی وجہ سے ہوئی۔ اب قرآن پاک کی عظمت کا خیال کیا جاسکتا ہے کہ کس قدر ہوگا۔

زمین و آسمان کے اندر رائی کے دانے بھر دیئے جائیں اور پھر ایک دانہ اٹھایا جائے پھر ہزار سال کے بعد دوسرا اٹھایا جائے۔ اسکی مقدار اگلی زندگی ہے۔

ایمان کی جڑ کا پھل (میوہ) ہے شکستہ دلوں کا جوڑنا، مقروضوں کا قرضہ ادا کرنا، معاف کرنا۔

قرآن پاک نماز میں پڑھایا جاتا ہے تو نماز کی وجہ سے مسجد کی تعظیم کا کس قدر حکم ہے کہ اگر کوئی فضول بات کرے تو چالیس دن تک اس کی عبادت میں رونق نہیں رہتی۔ جب مسجد میں جو نماز کا مکان ہے اور قرآن جو نماز کی روح ہے تو قرآن پاک کی کس قدر افضلیت ثابت ہوئی۔ غور کرنے کا مقام ہے۔

یہ کلام الملوک ہے تمام جس قدر کتابیں گذریں سب کی پادشاہ ہے روز قیامت اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ میں قرآن شریف ہوگا اور اللہ تعالے حکم فرمائیں گے جس نے تیری عظمت کی تھی اس کو بخشوا دے۔

قرآن پاک جب تک کہ بدن میں نہ رچے گا اس وقت تک گویا اس کی قدر نہ کی یعنی قرات سے، احکامات کی بجا آوری سے، آداب سے اس کے ہر حکم پر عمل کرنے سے، پھر یہ دیکھیے کہ اس کی ہر ایک آیت معجزہ ہے۔

حضور ﷺ کو جو شرف ہے اس قرآن پاک کے عمل ہی پر تو ہے غرضکہ جو کوئی بھی اس کو محبوب بنائے گا، اس پر عمل کرے گا، اسی قدر اس سے کرامتیں صادر ہونگی۔ اس کو محض رضائے خدا کے واسطے عمل میں لاوے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے، یہ میرے رب کے احکام ہیں غرضیکہ اس کے علاوہ مسلمانوں کا اور کوئی رستہ نہیں ہے۔

مسلمانوں نے اس سے کس قدر بے التفاتی کر رکھی ہے، اسکے ساتھ کس قدر محبت و عظمت کا برتاؤ ہے۔ یہ تو جس قدر جو محبت کرے گا اور عظمت کرے گا ساتھ عمل کے اسی قدر اس کو بلند کرے گا۔ حضور ﷺ اور صحابہ کی زندگی اس کی تفصیل ہے۔ گویا قرآن پاک دین ہے اس کے اندر اعمال ہیں اخلاق ہیں، خالق و مخلوق کا برتاؤ ہے قرآن کی ہر ہر آیت میں ہزاروں معجزات ہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت ذکر میں شامل ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ کو شیطان نماز میں بہت وسوسے دلاتا ہے۔ حضور نے فرمایا تین دفعہ نماز سے پہلے بائیں مونڈھے پر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر

تھکار دیوے۔

تعلیم کے لئے صبح کا آدھ گھنٹہ گھر گھر میں ہو جاوے۔ گویا ہر ایک گھر ایک حجرہ ہے اور تمام گاؤں ایک مدرسہ ہے

کسی سے اچھی طرح بولنا صدقہ ہے۔

اخلاق دین کی جڑ ہے حتی کہ نماز بھی اخلاق کی درستی کے لئے ہے۔

یقین کہتے ہیں دل میں کسی چیز کے اتر جانے کو

کلمہ طیبہ کے معنیٰ دھیان کے قابل خدا کے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔ صفت عبودیت اس طریقہ سے ہو جاوے گی۔

تیسرا کلمہ سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر خطرے سے ہر کمی سے، ہر تردد سے، شک سے بالکل پاک ہے، اس کی کتاب میں اسکے کلام میں کوئی شک نہیں ہے۔ والحمد للہ تو وہ کسی واسطہ کا محتاج نہیں ہے جب وہ کسی چیز کو چاہ لے۔ لاالٰہ الااللہ پہلی دو باتوں کو مان لینے کے بعد نہیں ہے کوئی جس کے دھیان لگایا جائے لیکن اللہ

جب ماں کے پیٹ کا عالم تم کو معلوم نہیں ہے تو دوسرے عالم کا کیوں تردد ہے۔

اس مجمع کی حقیقت فرشتے زمین سے آسمان تک بھر جاتے ہیں جت تک مجمع رہتا ہے (تبلیغ کے لئے)

خدا اور خدا کا دھیان اس میں چین ہے۔

اس کی عظمت کے سامنے جھک رہا ہو اور اس کے حکم کے آگے مٹ رہا ہو۔ ہر ہر کلمہ میں ہر ہر رکن میں یہ نیت کرتے ہوئے مانگتا رہے۔

دین کیا چیز ہے احکام کے مجموعہ کا نام ہے۔

کردنی چیزوں میں اللہ کا اتنا قرب نہیں ہے جتنا نہ کردنی میں ان سے بچنے میں قرب ہے

خیر کی چیزوں کی بنیاد آدم علیہ السلام سے ہے

جنت خدائی دیدار کا مہمان خانہ ہے۔ دوزخ نفسانی چیزوں کا اعلے سے اعلے عذاب

ہر شے کے اندر جو حسن ہے اور جس پر ہم فریفتہ ہیں وہ منبع حسن سے آتی ہے۔ آپ کو اس سے کتنی محبت ہے (یعنی اللہ سے)

اعلائے کلمۃ اللہ کے معنی ہیں کہ یہ سب سے اوپر ہو اور سارے کام اس سے نیچے ہوں، یعنی کوئی کام تم کو بقدر ہین دن کے نہ روک سکے۔

اول سننا پھر قلب میں جمنا

طریقہ تبلیغ: غصہ کی نوبت نہ آوے اور کہنے میں کمی نہ کرے۔ دندناتا ہوا کہدے۔

اللہ تعالٰی نے مجھ کو یہ نعمت الہام فرمادی ہے نہایت معمولی نعمتیں کس قدر مشقت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جملہ لطیف کار نبوت کس قدر مشقت کو چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ وقت تنہائی میں گزرتا تھا۔ اس واسطے اللہ تعالٰی کا ذکر مع فکر کے تنہائیوں میں زیادہ گذارا کرو۔ مذہب کی رونق سے تمہاری رونق ہوگی۔

بغیر اسلام کے مسلمان نہیں اور بغیر کوشش کے اسلام نہیں۔ کوشش کرنے والوں کو بے نمازوں کو نماز پر لانے کی کوشش سے بہتر کوئی کوشش نہیں۔

مسلمان وہ جو اس کے راستہ کی تکالیف کو خوشی خوشی برداشت کرتا رہے۔

جماعتیں بنا بنا کر دیگر ممالک میں اللہ کے نام کو بلند کرنے کے لئے مسلمانوں نے جانا چھوڑ دیا۔ اس کو اختیار کرو۔

دین کو سب جانتے ہیں۔ لیکن فرق مراتب کو چھوڑ دیا۔ فرق مراتب کا لحاظ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا تعالٰی کی رضا کے مظہر اتم تھے۔ سمجھاتے وقت علوی و سفلی کا لحاظ کرو یعنی تم اس کی رضا کی طرف متوجہ رہو، دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو۔

فرق مراتب میں نظر نہ رکھنا زندیقیت ہے

قطب بننے کا طریقہ: انسان اللہ تعالٰی کے تمام اوامر کو ممالک میں کمی پر دیکھتے ہوئے اس کو دور کرتے ہوئے ان کے ازالہ کا بندوبست کرتا رہے۔

موجودہ پر شکریہ ادا کرتے ہوئے، ندامت اور کوتاہی کا اقرار کرتے ہوئے ہر عمل کرنا

و الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اول ایمان لانا، بعدہ طلب علم کے لئے ہجرت کرنا اور پھر کوشش کرنا یہاں تک کہ جان تک کا ارادہ کر لیوے۔۔ بس دین اس طرح سے آتا ہے اس کے علاوہ نہیں آتا اور دین قرآن سے آتا ہے۔ قرآن والوں کو اس کے ماتحت زندگی گذارنی ہے۔

ایمان روح ہے اور اسلام اس کا وجود

علوم کیا چیز ہیں۔ جس طرف رخ بدل جایا کرتا ہے وہی چیز دکھلائی دینے لگتی ہے تو جب گھر سے نکلیں گے تو یہ کام ہی کام ہوگا تو رخ بدلتا جاویگا تو شریعت شریعت نظر آنے لگے گی۔ اللہ تعالے نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس راستہ میں علوم میں خود دوں گا۔

بڑے اور چھوٹوں کا کنکشن جب تک نہ ملے گا اس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی۔ اصل کمائی یہ ہے۔

دین تو رحمت ہے، یہ در بدر پھرتے ہوئے دین کے کارن ٹھوکریں کھاتے ہوئے، بھوکے مرتے ہوئے، ذلت اٹھائے بغیر ہرگز ہرگز نہیں آتا۔

سوئم کلمہ کا شروع کلمہ طیبہ کی تمہید ہے اور آخر منتہیٰ

نماز نمونہ ہے کمال نیاز کا۔ اسی کے موافق تمام زندگی کو درست کرنا چاہئے۔ ہر ایک خیر کا یہی طریقہ ہے کہ اپنی ضروریات کو پیش نہ کرے اپنے ساتھی کا دھیان کرے۔

مشورہ: مشورہ سے آپس میں الفتیں محبتیں پیدا ہوتی ہیں تم نے مشورہ کو رواج دینا ہے۔ مشورہ ایک مستقل چیز ہے۔

(۱) جماعت ہمیشہ ایک جگہ ٹھہرے (۲) امیر بنا لو جو وہ کہے اس پر عمل کرو، (۳) امیر کو بدلتے رہو آج یہ ہے کل وہ ہو (۴) امیر مامور ہونے کے احکامات کو خوب حفظ اپنے دل میں رکھیں۔ اپنے منصب کو ملحوظ رکھیں۔ مامور ہونے کے وقت اطاعت کو مع حقوق مشورے کے امیر جماعت کے طبائع سے واقف رہے۔ اگر واقف نہ ہو تو مشورے کے بعد ہر تجویز کو تجویز کرے۔ جن لوگوں کے خلاف طبع ہو اول انکے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرے ورنہ مراعات دلداری سے انہیں بدل کرتا رہے۔ (یعنی تالیف قلوب)

بوقت امیر ہونے کے جس سے مشورہ مناسب سمجھے مشورہ لیوے اور بوقت مامور ہونے کے جب امیر مشورہ لیوے تو کھل کر مشورہ دیوے۔

تصوف کیا ہے۔ کھٹکا ہو جانا جو اپنے اعمال کو ہر وقت خطرہ عظیم میں رکھے یعنی ہر وقت ڈرتا رہے اسی کا نام خشیۃ ہے وہ مخلص ہے۔

اللہ کی ذات پر غور سے سخت خطرہ، صفات پر غور کرے۔

جس قدر عبادات ہیں ان سب کے ادا کرنے کے وقت یہ دھیان رکھنا کہ اللہ تعالے اس سے راضی ہوتے ہیں بس یہ کافی ہے۔ اور عقل کو اس میں دخل نہ دیوے، صرف عقل سے اتنا کام لیوے کہ یہ امر موافق اللہ تعالے کی مرضی کے ہے یا نہیں۔

بات کہنے کا طریقہ۔ نرمی سے کہے کہ سننے والے کا دل میلا نہ ہو پھر باوجود نرمی کے اگر برداشت نہ ہووے تو صبر کرے اور برداشت کرے۔

بے نمازی کا وبال ۸۰ گھروں تک جاتا ہے۔

غربت انسانی جوہر ہے۔ اور غرباء کے اندر کثرت سے پھرے، پھر ان کے امراء کے اندر اپنا فریضہ سمجھ کر کرو، دوسروں کی ہدایت کا خیال نکال دو۔

جامع مسجدوں اور مجمعوں میں اس کام کو ڈھنڈورا کر کہنا کہ یہ کام عظیم ہے ان کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے کہ یہ مسلمان ہیں۔

نماز طمانیت سے پڑھنا یعنی چین سے پڑھنا (خشوع و خضوع)

زندگی اللہ کی یاد سے ہے۔ اللہ اللہ کرنے میں چین آنے لگے اس کا نام حیات طیبہ ہے۔

جو کوئی دو راتوں عید اور بقر عید کو اللہ کی یاد میں رونے دھونے اللہ تعالی کی عظمت کے دھیان میں گذار دے اس پر غفلت کا اثر ہونا کم ہو جاوے گا۔ ہر مسلمان ولی ہے اس کی صفت اسلام کی قدر کرو تم کو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔

تنہائیوں میں کثرت سے اللہ تعالے کا ذکر، دنیا میں اس کو پھیلانا۔ یہ تصور کر لیا کرو کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کوئی بیکار نہ تھی۔ ان کے فرمان کی قدر کرو۔ ان تینوں چیزوں کی خاصیت یہ ہے کہ جس قدر ان کی قدر کرو گے یہ سارے دین کو سمجھا دیویں گی اور آسان کر دیں گی۔

خدا اور خدا کے حکموں کو اونچا کرو۔ جس کا ذکر ہوگا اسی کا اثر ہوگا۔ ہر وقت تبلیغ کا ذکر، اور مشورے کرو۔

اللہ تعالی کی شناخت دل کی درستگی ہے۔

اولیاء اللہ کے پاس جانا خدا کے واسطے کہ لباب دین ہے اس سے علم کے چشمے جاری ہو جاویں گے۔

غربت بڑے کام کی چیز ہے۔ غربت کی مشق اس کی پرورش کرو، اس کی قدر کرو۔

(۱) کلمہ کا لفظ بمنزلہ جسم کے ہے، دھیان بمنزلہ روح کے ہے۔ الفاظ کو نہایت صحیح کرو، جسم جیسا پاکیزہ

ہوگا روح ویسی ہی ہوگی۔

(۲) نماز: نماز کے ہر رکن کو تھام تھام کر پڑھا کرو، قلب کو متوجہ اس کی بڑائی کی طرف کرو ہر رکن کے کرنے سے پہلے اس کو نیت کرتے ہوئے ادا کرو۔

(۳) صدقہ: اپنے مال کے خرچ کرنے سے یہ نماز، یہ کلمہ درست ہوگا کیونکہ دل مال کی طرف متوجہ ہے جب اس سے فارغ ہوگا تب ہی تو یہ چیزیں درست ہوں گی۔ مال عالم امتحان ہے۔ اب دیکھو مال بڑا ہے یا خدا۔ خدا کے سوا جس کی محبت ہو اس کو دل سے نکال دو۔ بڑا تو خدا ہی ہے۔ کثرت سے نماز پڑھتے رہو کثرت سے خرچ کرتے رہو۔

(۴) مکتب اپنے خرچہ سے ہر گاؤں میں قائم کرو۔ قرآن کو شائع کرو۔ شائع ہونا عظمت کی دلیل ہے۔

(۵) انہی کاموں کو گاؤں گاؤں پھیلاؤ یہ آقا کا حکم ہے۔ غلام کو اس کا ماننا ضروری ہے۔

(۶) حقوق کا دھیان: جو شخص ان کاموں کو کرے گا اس کا قلب عرش پاک (اللہ کا گھر) ہو جائے گا۔

لا الہ الا اللہ - دھیان کے قابل خدا کرنے میں آسان، مرتبہ میں سب سے اعلیٰ۔

حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جنت کے میووں میں منہ مار لیا کرو۔ مسجدیں جنت کے باغات ہیں۔ سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر۔ اس کے میوے ہیں۔ اللہ کے نام سے جیسا کہ وہ پاک ہے، پاک چیزیں ملیں گی۔ اور کیسی بڑی اور عمدہ ملیں گی۔

اللہ کا نام ایک دفعہ لینا۔ دس سلطنت سلیمان جیسی سے بڑھ کر ہے۔ تیرا سب سے زیادہ جو دشمن ہے وہ تیرا نفس ہے، کفار کی دشمنی محدود اور نفس کی دشمنی غیر محدود ہے۔

ایک کلمہ دوسری نماز ان دو چیزوں کی خدمت کرنے سے تمہاری آنکھیں کھل جاویں گی، سو تم ان دونوں چیزوں کو دنیا میں پھیلانے کی کوشش کرو۔

جو شخص بے نمازی کو نمازی بنانے کی فکر اور گناہ کرنے والے کو گناہ سے بچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے وہ وبال سے بچ سکتا ہے ورنہ ہر شخص ضرور اس کے وبال میں گرفتار ہوگا۔

دین کی باتوں کے لئے مشقت اٹھانا یہاں تک کہ جان خطرہ میں پڑ جائے اسی قدر اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ ارادہ کے بعد جہد کا پردہ ہے اللہ اور بندے کے درمیان۔

جتنی خوبی ایک ایک کر کے سب نبیوں کو دی تھی وہ سب اکٹھی حضور ﷺ کو دے دی تھیں۔ ان سب

ذہنوں کو بے چون و چرا مان لینے کا نام مسلمانی ہے۔

دو چیزوں کے کرنے سے جو بہت آسان ہیں، سارا دین بہت بڑا ہے قابو میں آتا چلا جاتا ہے ایک ان میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دوسری نماز ہے۔

تھام تھام کر پڑھنے والی نماز اور ذکر کو مانگا کرو۔

تمام چیزیں وابستہ ہیں دین سے اور دین وابستہ ہے ایمان سے، ایمان وابستہ ہے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے۔

سارا قرآن کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں جمع ہے۔

اللہ تعالے کا ظاہری برتاؤ تمہارے ساتھ اتنا ہو گا، جتنا تمہارا برتاؤ دین کے ساتھ ہو گا۔

زعم! نکلنے کے بعد عجز کی یہ حالت ہو کہ جان خطرہ میں ہو۔ اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے سے اللہ کی مدد ہو گی یہ گر کی بات ہے۔

مہمان آرہے ہیں اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں دشمن چھری لئے کھڑا ہے۔ اب دیکھو کون سا کام زیادہ ضروری ہے۔ اسی طرح تبلیغ کا کام ہے۔ یہاں تو اسلام کی جان نکل رہی ہے اور وہاں دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔

دنیا کی کمی اور دین کی زیادتی کی عادت موجودہ حالت کا ردو بدل کرنا ہے۔

دین پر جان قربان کرو، اور پیٹ کو کاٹو، معیشت میں کمی کرو۔ فکر ہر عمل پر فکر۔ دھیان کی مقدار محیط ہے۔

دماغ میں خیالات کو صحیح کرنے سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اور پھر ارادہ کے بعد امر کی عظمت روح ہے۔

فقر کا خطرہ نہیں ہے بلکہ تنعم کا خطرہ ہے۔

حیات طیبہ: ہر سکون و حرکت کو مطابق احکامات خداوندی کرنے ارادہ کے ساتھ اور دھیان اسکے امر کی عظمت کا کرے۔ کام کرنے کے بعد کمی سمجھے اور آئندہ کے لئے ارادہ اور ہمت اس کے کرنے کا کرے۔

امر جان ہے جس قدر ادامر ہیں روح ہیں۔ اسباب میں جان امر کی ہے۔ اس بات کو پکار کر کہو اللہ والوں سے۔ مکہ والوں کے ساتھ برتاؤ۔ میرے رب کے پڑوسی ہیں۔ اللہ کے احترام کی وجہ سے کافروں کے ساتھ سلوک کیا (حضور پاک نے)

اپنی قوت فکریہ کو تخلیہ میں بڑھادے۔ اللہ تعالے کی عظمت اوامر کے اندر ہے۔

حضور ﷺ تہائی حصہ وقت کا گھر میں خرچ کرتے تھے اور تہائی تبلیغ کے لئے لوگوں کو بھیجنے میں اور تہائی تخلیہ میں۔

ذکر خلوص کے ساتھ اور دل کو علائق سے صاف کر کے کرے تو کیا ہی عمدہ بات ہے اگرچہ تھوڑا ہو۔

اللہ تعالے چونکہ لطیف ہے اور قاعدہ ہے کہ لطیف چیز کثیف سے نہیں مل سکتی۔

محبت آپس میں رکھنا نماز سے زیادہ درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح ایک روز فرمایا کہ اخلاق نماز سے بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔

خوشبو کی تاکید فرمائی۔ جو چیز دل و دماغ کو راحت دے وہ باعث ہے کام کو عمدہ کرنے کا

تین باتیں: ایک عزم، ۲- ذکر واذکار، ۳- یہ کروں گا یہ نہ کروں گا۔

خدائے تعالی کا ہر وقت اپنے دل میں دھیان اور موجود رہنا۔ اس کا نام احسان ہے

قواعد تبلیغ: (۱) راتوں کو ذکر سے اللہ تعالیٰ کے یہاں رو رو کو بہت اونچی اونچی دین کی باتوں کو اللہ تعالیٰ سے مانگنا (۲) پھر دن میں ان ہی باتوں کا مشورہ کرنا (۳) پھر اس کی کوشش عام مخلوق میں کرنا

اللہ تعالے نے ڈھونڈھنے والوں سے عہد کرلیا ہے ہم ان کو راستہ دکھلائیں گے۔

لایعنی بات نماز کے حسن کو چالیس دن تک کھو دیتی ہے۔

دین میں دو جگہ صرف ستر ہزار فرشتوں کا پر بچھانا آیا ہے۔ ایک طلب علم والے کے لئے، دوسرے مومن کی زیارت والے کے لئے یعنی اس کی صحبت صحبت دین میں سب سے بڑی چیز ہے۔ دراصل علم بھی بغیر صحبت نہیں آتا۔ جو علوم صحبت سے آتے ہیں وہ دیگر طریقے سے نہیں آتے۔

گھر سے نکلنے سے ہی زنگ دل کا دور ہوتا ہے، مالوفات سے دل خالی ہوتا ہے۔ پھر اس طریقہ سے اللہ تعالے کو رحم آتا ہے۔ تو ان کاموں کے کرتے ہوئے گھر سے نکلنا اللہ کی رحمت کا باعث ہوگا۔ تو اصل چیز اللہ کے کارن دین کے لئے نکلنا ہے۔ اپنے سے چھوٹوں کی خوشامد اور بڑوں کی تعظیم۔ اس طریقے سے ان کی جو اچھی اچھی خوبیاں ہوں گی وہ آجاویں گی۔

تبلیغ سے مراد اپنی اصلاح دوسرے کی ہدایت کا ارادہ نہ کرے۔

عظمت عمل میں، تقویٰ بات پکی، عمل میں کمی سراسر سمجھے اور موجودہ پر شکر ادا کرے اپنے کو قابل سمجھنا اندر کا چور ہے۔

محبت کا مقتضا حیرانی و پریشانی ہے۔

دعویٰ نہیں، لبوں پر مہر خاموشی، دلوں میں یاد کرتے رہیں۔

نیت وسعت والی کرو۔

قرآن شریف، یہ آواز خدا کی ہے میں اس کو سن رہا ہوں۔

نفس سے کہا کرو کہ ابے اب تک تو مرا نہیں۔

محبت بڑی چیز ہے۔

جذبات نفسانیہ کو کم کرے اور جذبات محمدیہ کو زیادہ کرے۔

تمہارا فعل ہے سمجھانا۔ کہنا نہیں آتا۔ بغیر خفا ہوئے سمجھائے اور زور دیئے کام کیسے چل سکتا ہے۔ البتہ اس میں خفگی نہ ہو۔

تعلیم اس وقت صحیح مانی جائے گی، جب کہ جذبہ صحیح ہو گا۔

ایماناً یقین کرنا اس بات کا کہ کس کی کہی ہوئی ہے اور کس کے ذریعہ آئی ہوئی ہے۔

احتساباً فکر کرنا، غور کرنا کہ اس امر کا اجر کس قدر ہے۔

جس درجہ کا عمل ہو گا اسی درجہ کا اللہ تعالےٰ علم عطا فرمائیں گے۔

عظمت خداوندی جان ہے سب کاموں کی اور یہ مراقبہ فکر سے حاصل ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ تواضع کرنے کی مشق۔

قرآن شریف پڑھنا فرض نہیں بلکہ اپنی زندگی کو قرآن شریف کے ماتحت کرنا فرض ہے۔

کوئی خوبی ایسی نہ رہی جو باقی ہو ایسی نعمت قرآن پاک ہے۔

تھوڑے سے بھی خلاف کے اندر خیر نہیں۔ جب کہ اللہ تعالےٰ ایک کتے کو پانی پلا کر جان بچانے سے اتنے خوش ہوتے ہیں تو بھلا حضور ﷺ کے دین کو زندہ کرنے سے کس قدر خوش ہوں گے۔ حضور ﷺ کی ایک سنت کو جو زندہ کرے گویا اس نے حضور ﷺ کے طریقے کو زندہ کیا۔

درد پیدا کرو، بے درد کا کام بوجھ ہو جایا کرتا ہے۔

دعاء: اے اللہ اس سنت کے جاری ہونے کے لئے ہمارے حوصلوں کو بلند فرما، اے اللہ تو اپنی رحمت فرما۔

پہلا کام اللہ اور محمد ﷺ کے نام کو بلند کرنا جب تک عیب نظر آویں سمجھیں کہ اپنے میں ابھی نقص ہے۔

اس کی مشق کریں اور یہ بات ہر وقت کے استحضار سے حاصل ہوتی ہے۔

کام کے اندر کوشش کرنے کو کام کا پورا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

دین کے اندر کوشش جس قدر ہوگی اسی قدر دین نصیب ہوگا۔ اس کوشش کے لئے کوشش کرنا دین کے اندر کوشش سمجھنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے بقدر اس کے دین کو سمجھا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر آخرت کے غم کو لے لو تو باقی کا میں ذمہ دار ہوں۔

چونکہ سب سے بلند چیز ہے لہذا یہ رگ و ریشہ میں سما جاوے، جیسی اللہ کی شان ہے۔ اللہ کا دھیان قلب میں بٹھاوے۔ اور جتنی شان محمد ﷺ کی ہے ویسا ہی دھیان قلب میں محمد ﷺ کا بٹھاوے۔

پھر اسکے بعد حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور کیا، اس کے موافق جان و دل سے اس کام کو کرے یہ دین ہے، دستور العمل ہے، اس سے خدا راضی ہوتے ہیں۔ باقی اس کے خلاف مردود ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت تین طرح سے ہے ایک خاص کے ساتھ، ایک عام کے ساتھ، ایک کفار و مسلمان کے ساتھ۔

اپنے دل میں اتارنے کے لئے اٹھو۔ دوسروں کی ہدایت کے لئے نہ اٹھو۔ کلمہ طیبہ دھیان کے قابل خدا کے سوا کوئی نہیں ہے۔ عبادت کیا ہے محبت کے ساتھ جھک جانا۔ امر کے متعلق یہی حال ہے۔

زمین و آسمان دل کے مقابلے میں چھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نہ زمین میں سماویں نہ آسمان میں، اگر سماویں تو مومن کے قلب میں سماویں۔

قلب بادشاہ ہے، بادشاہ بادشاہ سے ملاقات کر سکتا ہے۔

گھوڑوں کو پالو، ان کی پیشانیوں پر خیر ہے۔ روزگاروں میں اس سے برکت ہوتی ہے۔ اس کی سواری سے مردانگی بڑھتی ہے۔ روزی اس کے رکھنے سے دوہری تہری ہو جاتی ہے۔ اس کو کھلانا پلانا ثواب لکھا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کے زخموں کا علاج تبلیغ ہے۔ اٹھو اور اللہ کے بل اٹھو، اپنے بل اٹھنا شرک ہے۔

دعاء: الٰہی اپنے کام اور کلام سے ہمارے دلوں کو مانوس کر۔

دعاء: آخرت کے کاموں میں جو مصائب پیش آویں اے اللہ ان میں ہمیں چین عطا فرما!

غیر قوموں کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو اپنوں کے ساتھ کرتے ہیں تا کہ وہ اسلام میں داخل ہوں اس کو بھی نمبر میں داخل کرو۔

اپنے نفس کے ساتھ یہ برتاؤ ہو کہ یہ خبیث مجھ کو کچھ نہ کرنے دے گا اور اطمینان ہو جائے کہ یہ سراسر گندہ ہے۔

اپنے ساتھ برتاؤ یہ ہو کہ میں تو سراسر نکما ہوں لیکن دوسرے لوگ اس تبلیغ کی بدولت مجھے اچھا کہہ رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ شاید ان لوگوں کے کثرت سے کہنے سے رد نہ فرماویں گے اور مجھے بخش دیں گے۔

فکر کی کوشش کام کرنے کی کوششوں سے ستر حصہ زیادہ ہے۔

ارادہ کرو کوشش کرو۔ اللہ تعالےٰ اس کا راستہ کھول دیں گے۔

دعاء: اے اللہ اس مبارک سنت کی بنیاد کو مضبوط کر دے۔ اے اللہ تو ہمارے ضعف کو دیکھ کر ہمارے اوپر کرم کر۔

بات کو مختصر کہو، ٹھہر ٹھہر کر بار بار کہو۔ اکرام مقدم رکھو۔

ہدیہ دیا کرو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

خدائی طاقت کی مقدار بڑھتی چلی جاوے یہ ہے کام کے مکمل ہونے کی ترکیب، اس کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

بڑائی کو مسکنت کے پردے میں رکھا گیا ہے۔

حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی: اگر الحمد کی تفسیر لکھوں تو پانچ سو اونٹوں پر اس کے دفتر لادے جائیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

ایمان کے معنی حق تعالےٰ کی معرفت۔ خدا شناسی

پیاسے کو پانی پلانا ایسا ہے جیسے اس کو زندہ کرنا

اپنے نفس کو پہچاننا کیا ہے؟۔ یہ سوچنا کہ میں سراسر نکما ہی نکما ہوں۔

تنہائیوں میں اور شبوں میں اللہ تعالےٰ کا ذکر دھیان سے کر لیے سے حکمت کے چشمے جاری ہو جاویں گے۔

مصائب برداشت کرنے اور پیٹ کے کاٹنے سے دین حاصل ہوتا ہے۔

انسان کی فطری چیز مشقت ہے، خود کرو اور پھر پھیلانے کے لئے مہینے میں تین دن سفر کرو۔

نماز پڑھ کر دعا کرو، تبلیغ میں جانے سے پہلے نماز کو لرزتے ہوئے تھام تھام کر پڑھو۔ اللہ کی عظمت سے دل کو بھرنے کی خوب کوشش کرو۔

سوم کلمہ مدلل لا الٰہ الا اللہ ہے

خود نماز پڑھے، گھر ولوں کو حکم کرے نماز کا، اس کام کے کرنے سے روزی کا خود اللہ تعالے نے ذمہ لیا ہے۔

جب تک کہ ذکر سے دل کو چین نہیں ہوتا ہم سے دوسروں کو ہرگز چین نہیں ہو سکتا۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ تنہائیوں میں پچھلی شبوں میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرو۔ اس سے چین ہوگا۔ پھر تمہارے کہنے کا اثر دوسروں کے دل کو چین دے گا، اور اسی کا اثر ہوگا، کسی کی تحقیر نہ کرو۔

ایک دوسرے کو برا کہنا بس کفر کو پہنچا دیتا ہے۔

دل سے کڑھنے کے بعد جو راستہ ملے وہ مضبوط ہے۔

برخلاف اسباب کے دیکھتے ہوئے اگر خدا کے بھروسے پر کروگے تو کامیاب ہوگے۔ اسباب کو برتنا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسباب پر نظر رکھنا توکل کے خلاف ہے۔

اول ذکر کے اوقات میں دلجمعی اور پوری ہمت اور شوق و ذوق کے ساتھ ذکر میں مشغول رہیں۔ دوسرے تبلیغ کے وقت استقلال اور عالی حوصلگی اور نہایت ہمت کے ساتھ اس مشق میں مشغول رہیں کہ مسلمان کی عزت اور اکرام اور ان پر شفقت اور ترحم کے ساتھ اپنے مقصد کے ذہن نشین کرنے اور ان کی طرف سے خلاف طبع امور کی برداشت کی مشق کرنے میں اور ملکہ پیدا کرنے میں تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشغول رہیں گویا لشکر کے سپاہی ہیں۔

اور ان دونوں کاموں کے علاوہ وقتوں کو جس قدر آدمی اپنے ہیں ان کو اور تبلیغ کی جگہ سے جتنے آدمیوں کو لے سکیں ان دونوں جگہوں کے مجموعہ کو ایک مدرسہ کا طالب علم سمجھتے ہوئے ہمت کے ساتھ سہولت سے مشغول رکھیں، چوتھے ان امور کے لئے قدرے ضرورت راحت۔ ان چار کے سوائے پانچویں میں مشغول نہ ہوں۔

تین روز پہلے اہتمام کرو دعاء کا، یہ بہت بڑا کام ہے مجھ کو توفیق دے۔ اور ختم یٰسین شریف کرتے رہو۔

چلنے سے پہلے وضو کرکے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرو اور جماعت کے ساتھ چل دو اور اللہ کا نام لیتے چلو۔

بستی میں داخل ہونے سے پہلے پھر دعا پڑھو اور داخل ہونے کے بعد دو رکعت نفل پڑھو اور دعا کرو۔

دین کی چوٹی کی طرف چلنے کا راستہ اختیار کرو۔

عمل کے لئے حضور کا پیدا ہونا نمونہ ہے اور صحابہ کا طریق زندگی۔ قانون قرآن پاک پر عمل کرنا۔

اللہ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے عمل کرنا ہے۔ توجہ الی اللہ کی قوت کو بڑھانا ہے۔ اسی توجہ کی تمام شاخیں دین ہیں۔

ضعف کی وجہ سے اگر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ضعف کو قبول فرمانے والے ہیں۔

ندامت والوں کو کرنے والوں سے زیادہ دیتے ہیں۔

اسلام خدائی طاقت کا نام ہے۔

اللہ کی عظمت اور جلال کے سامنے دل اور جان اور بدن کو جھکنے کی عادت پڑ جاوے، ہر وقت اس کی عظمت کا دھیان رہے، بذریعہ ان کے نام کے کام کے کلام کے

جھکنے کے معنیٰ ہیں مشغول ہونے کے بذریعہ ذکر، بذریعہ نماز، بذریعہ قرآن۔

مسلمانی کے کام پھیلانے کو عینک سے زیادہ نازک سمجھو۔

خدائی طاقت سکھاتا ہے اسلام

اسلام یہ سکھاتا ہے کہ اپنے جی چاہنے کو ملیا میٹ کرنا۔ جی کو اللہ کے حکم سے مانوس کرنا خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے۔

سارا دین کلمہ طیبہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔

پڑھانے والا خدا کے واسطے پڑھاوے۔ پڑھنے والوں کا کام یہ ہے کہ ہر پڑھانے والے پر اپنی جان قربان کرے۔

اس کام کا غلغلہ سارے ملک میں ہوگا، عرب میں ہوگا، عجم میں ہوگا، ساری دنیا میں ہوگا۔

آخر شب میں اللہ کا دربار ہوتا ہے۔ اس وقت مانگا کرو۔

جس سے لوگوں کے دلوں میں ٹھنڈک ہو ایسا طریق اختیار کرو۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی باتیں بلا کھوٹ ہیں، کوئی نقص نہیں سراسر نفع والی ہیں۔ ان پر یقین لانا ایمان ہے۔ اول خود عمل کرے، جب عمل کا خوب شوق اور غلبہ ہوگا تب ہی تو دوسرے کو اس عمل کی ترغیب دے

گا۔

بغیر ذکر کے عبادات دشوار ہیں اور بے لذت ہیں۔اس واسطے سب سے اول ذکر کی مقدار زیادہ کرنی چاہیے کیونکہ جب محبوب کا ذکر کیا جاوے گا تب ہی اس کو مانا جاوے گا۔اس واسطے اللہ تعالیٰ کا ذکر مع فکر کے کثرت سے کرنا چاہیے۔

جب عبادات شوق اور ذوق کے ساتھ ادا ہوں گی، پھر ان کی برکت سے عادات درست ہو جاویں گی۔ایسا شخص ولی ہو جاتا ہے اس کا ہر کام موافق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ہو گا۔

نماز کے ہر رکن میں تین دفعہ اللہ سے ڈر لیا کرو۔

ذکر عام تو یہ ہے کہ سوم کلمہ کو صحیح اور معنیٰ کے ساتھ دھیان سے اللہ کی عظمت کو دیکھتے ہوئے صبح و شام سو سو مرتبہ پڑھ لیا کرو۔

دوسرے ذکر خاص : تہجد کی نماز کے بعد تنہائی میں نہایت طمانیت کے ساتھ اللہ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے کر لیا کرو۔

قرآن کو تنہائی میں نہایت اہتمام سے اور وقار کے ساتھ پڑھا کرو۔

دو چیزیں : مسلمانوں سے دو چیزیں چھوٹ گئیں ۔ایک دین کے لئے گھر سے نکلنا دوسرے دھیان ۔اول بات ظاہر کے انتظام کے لئے تھی اور دوسری بات باطن کے مکمل کرنے کے لئے تھی۔

نماز کو تمام تمام کر ڈرتے ہوئے کہ اس عظیم الشان کی سرکار میں کھڑا ہوا ہوں، دھیان کے ساتھ معنی کا دھیان کرتے ہوئے اگر ہو سکے پڑھا کرو۔

شریعت کا ہر مسئلہ رحمت سے بھرا ہوا ہے یعنی حضور ﷺ کی ہر بات رحمت سے بھری ہوئی ہے۔

تمام خیروں اور برکتوں کی جڑ خشیت ہے۔ یہ خلاصہ ہے ہماری تبلیغ کا اور یہ خشیت حضور ﷺ کی اتباع کے ساتھ ہے۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین پر کامل یقین کرو۔ کیونکہ یہ دین تمام پہلے دینوں کی روح ہے یعنی کرنے میں کم اور نفع میں بے شمار ہے۔

نماز کو اس کی حرکت کرنے کے وقت سے لے کر اخیر تک اللہ تعالےٰ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے کہ اس سے دل لپٹا ہوا ہوئے، اس طرح ادا کرو۔

اخلاق کیا ہے۔انبیاء علیہم السلام کا خاص پیشہ ہے یعنی اخلاق کیا چیز ہے۔اپنے حقوق کو معاف کرنا اور مظلوم ہونا اور دوسروں کے حقوق کی ہر وقت فکر میں لگا رہنا اور نگہداشت کرنا۔

اللہ نے ایک فن رکھا ہے وہ تنہائی میں آتا ہے یعنی اللہ پر بھروسہ رکھنے کی قوت پیدا کرنا، مگر اس سے پہلے پہلے اسباب میں خوب کوشش کر لیوے اور اللہ پر بھروسہ کرے۔

دعوت کا فریضہ نماز کے فریضہ سے اعلیٰ ہے اس کے بغیر مسلم کی ترقی ہے ہی نہیں۔

ہدیہ دینے والا دیکھ لیا جاوے۔جب وہ خالص رضائے الٰہی کے لئے دے رہا ہو تو اس کا رد کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے اس کے مقابلے میں حرص۔اس ہدیہ کے عوض تذلل کا ہدیہ یا بدلہ صاحب ہدیہ کو دینا اللہ تعالے کی عین رضا ہے۔ اس نے ہدیہ جس انداز سے پیش کیا سر آنکھوں پر لینا ضروری ہے۔**تہادوا تحابوا**۔(ہدیہ لیا دیا کرو محبت بڑھے گی)

مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا۔ہدیہ دیا کرو تو محبت کرنے لگو گے آپس میں اور بخل جاتا رہے گا۔

طلب فرض ہے نماز کے خشوع و خضوع کے بعد اسکے آگے کی طلب فرض ہے۔اسطرح مرنے تک آگے کے درجے کی طلب فرض ہے، بڑوں سے لیتے ہوئے چھوٹوں کو دیتے ہوئے، اللہ سے اپنے آگے کا راستہ مانگتے رہو۔

منشی جی! اس کام میں کیوں دیری لگی۔ تم نے میری بڑائی کر کر کے دیری لگائی جو اپنوں کی بڑائی دوسروں میں کرے گویا اس نے اپنی بڑائی کی جو ناجائز ہے۔اصولی چیز ہے اس کام کے پیش کرنے میں۔ان کی اور ان کے بڑوں کی تعریفیں کرو جن میں دعوت دو۔

مخلوق سے امید باندھنا اللہ کو جتنا غضب میں لاتا ہے، اس طرح اللہ سے امید نہ باندھنا غضب لاتا ہے۔ کہ دین کے کارن اللہ کی مخلوق سے اپنی حاجت روائی میں بالکل مستغنی رہے اور اللہ سے ہر وقت بھکاری بن کر رہے۔ یہ طریقہ اللہ کو بہت پسند ہے۔ہاں البتہ بلا کسی تجسس کے اللہ کی مخلوق خدمت کرے تو اس کا رد کرنا اچھا نہیں۔ یہ اللہ کی جانب سے آئی ہے دینے والے کا احسان سمجھ کر اس کے بدلے میں اس کے لئے دعا کرے۔

اللہ کے دین پر چلنے میں اس کا بدلہ آخرت پر رکھے خواہ بذریعہ شکر کے یا صبر کے۔اس وقت امروں کو پیش نظر رکھے۔

وہ مولیٰ بلا اسباب کے بھی تسلی دے دیتے ہیں۔اصل چیز تسلی ہے۔اللہ کی رضا میں راضی رہے۔

کام کی ترتیب: سب سے پہلے نئے سے مجمع میں تقریر کرا دے اس کی کمی کو اس سے پہلے آنے والا پوری کرے

جلسوں میں ایک فرد یا دو فرد، خود پوری تقریر نہ کرے۔۔ ورنہ تھک جاویگا اور یہ کام متعدی نہ ہوگا اور فروغ نہ پاوے گا۔ جلسوں میں ایک فرد یا دو فرد تقریر کے ذریعہ رجوع کریں، جذبات بلند کریں۔ باقی ایک جماعت کا کام ہے جو کچھ جذبات سامعین نے لئے ہیں ان کو کام میں لاوے اور عمل پر مجمع کو ڈال دیوے۔

نفس کو مومن کے سامنے ذلیل یعنی اس کی بات نیچی کرنے کی گھات میں لگا رہے۔

حضور ﷺ جو مخصوص چیز لائے وہ یہ ہے کہ یہ دعوت دینا اور اسے حضور ﷺ نے عام کر دیا۔

لایعنی، ، زعم، تحقیر، برباد کریں گی، علم ذکر، خدمت خلق آباد کریں گی۔

ہر قسم کی مشغولی اگر مانع اس کام کی ہے تو وہ دنیا ہے۔ آج کل ہر شخص نے اپنا کام جس کو طے کرلیا ہے، سمجھ لیا ہے، خواہ وہ پیر ہو یا عالم ہو۔ اس کا اصول یہ ہے کہ اول تو اپنے بڑوں کے حکم کے ماتحت کرے، دوسرے جس کام کو طے کرلیوے اس میں نقص نکالتا رہے اس کی انتہا نہیں جہاں تک کہ جان کے ساتھ یہ نقص نکالتا جاوے گا۔ اذلۃ علی المومنین کا برتاوا رکھے۔

انبیاء علیہم السلام پر براہ راست اللہ کی جانب سے امر آئے ہیں لیکن مخلوق میں پیش کرنے کی بنا پر ان پر بھی مخلوق کی ظلمت کا اثر ہوتا تھا۔ اس لئے تنہائیوں میں اللہ کے ذکر کے ذریعہ اس زنگ و ظلمت کو دھوتے تھے۔ جب تک علاقہ نائبان رسول سے نہ ہوگا گویا اس نے رسالت کا اقرار نہیں کیا۔ ورنہ وہ شخص شیطان کے پنجہ میں آجاوے گا۔

نیچا بننے میں یعنی اپنے سے نیچے کے لوگوں میں یعنی نادانوں میں دین پہنچانے میں جو ذلت ہے اس میں اپنی عزت سمجھنا۔

انسان جب شریعت کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے تو پھر شیطان و نفس چوری کرتا ہے یعنی عمل کو اللہ کی رضا کے لئے نہیں کرتا۔ اغراض کو شامل کر دیتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے تنہائیوں میں ذکر کی مشغل سے چور کی حفاظت کرنا یعنی علم و عمل سے حفاظت یہ طریقت ہے۔

اصل یہ کہ بصیرت ایسی ہو جاوے کہ دوسرے کے عیوب نظر سے گم ہو جاویں اور دوسروں کی صفات اور خوبیاں نظر آنے لگیں اور ان کی خدمت کے لئے دل خوشی خوشی اللہ کی رضا کے لئے جس میں اغراض شامل نہ ہوں آمادہ ہو یہ خدمت خلق انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے۔

مومنین کے سامنے ذلیل ہونا۔ اس ذلیل ہونے کا اصول سیکھنا۔ یہ سیڑھی ہے اللہ کے عبد بننے کی۔

جب راستہ مل جائے تو اس کو پیچھے کیوں رکھے۔ دین کے سہل ہونے کا طرز ہی بھول گئے۔

جماعتیں بنا کر تین دن کے لئے مہینہ میں سارے گاؤں کے آدمی نکل جاویں۔

کٹھن چیز یہ ہے گھر سے نکلنا۔

علم سے ابتداء نہ ہو بلکہ عمل سے ابتداء ہو۔ عمل کی ضرورت کی وجہ سے علم ہو رہا ہے۔

استقلال، متانت، قوت فکریہ، خشیت یہ سب معین ہیں اللہ تعالی کی عظمت پیدا ہونے کے لئے۔

دین کی قدر مرٹنا ہے۔

دن میں ظاہر کی تبلیغ ہے اور راتوں میں باطن کی تبلیغ ہے۔ دونوں قسموں کے ماہرین کا ادب کرنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا۔

خصوصی اعمال محمدیہ کے ساتھ اللہ کی خصوصی رحمتیں ہیں۔

ہر اشتغال کے اندر نیت ضروری ہے۔

دین کی بات کو ہنسی سے مت کہا کرو۔

جسم سے زبان بہت دیر میں اٹھے گی اور پھر زبان سے دل اور پھر دل کے اندر وہ چیز۔

مومن کی ایذا رسانی خدا سے لڑائی لینا ہے۔

ہر عبادت میں عجز کی چادر اوڑھے ہوئے دل کا رخ اللہ کی جانب کرتے ہوئے صحت الفاظی اور نیت کو بھی درست رکھتے ہوئے اللہ کے راضی ہونے کا ارادہ رکھے۔

اللہ کی رحمت سے شیطان ناامید ہوا۔

اللہ کی ذات اور دین ہم پلہ ہیں۔

کمی پر ندامت کرے اور ہوئے ہوئے کا شکر ادا کرے۔

ایک کام کے کرتے ہوئے دوسرے کا دھیان مت لاؤ۔ ہر امر کی بجاآوری کے وقت جم کر کرو، حوصلہ کے ساتھ کرو۔ اس میں قوت یقین کو خوب بڑھاؤ، اور اس میں جو اللہ نے اجر کے وعدے فرمائے ہیں اس کی امید میں خوب ہشاش بشاش رہو۔ اور اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کا دھیان خوب بڑھاؤ

یہ چار باتیں چار لاکھ حدیثوں کا خلاصہ ہیں:

۱۔ **انما الاعمال بالنیات** (اعمال کا مدار نیتوں پر ہے جیسی نیت ویسا نتیجہ)

۲۔ جو چیز اپنے لئے پسند ہووے دوسروں کے لئے پسند کرنا۔

۳۔ لایعنی سے بچنا۔

۴۔ چھوڑ دے اس چیز کو جو تجھے شبہ میں ڈالے اور اختیار کر اس چیز کو جو تجھے شبہ میں نہ ڈالے۔

یہ سوچو ہی نہیں کہ یہ پھیلے۔ یاس پیدا ہو جاتا ہے۔ تو مخلوق کی طرف نیچے اترو، کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرو۔ اول ان میں شامل ہونے کو اپنی عزت سمجھ کر اللہ کی رضا کے سودے کو حاصل کرنے کے لئے اللہ کی دی ہوئی طاقتوں کو اللہ کے بتلائے ہوئے اعمال کے ذریعہ اعمال میں فرق مراتب کو ملحوظ رکھتے ہوئے لگانا اس کا نام عبادات ہے

اکرام مسلم کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے۔ توقیر کے ذریعہ یا تعظیم کے یا ترحم کے ذریعہ ان تینوں میں سے ہر موقعہ کے مناسب مسلم کا اکرام کرنا۔

درد پیدا کرنا بذریعہ درد کے انسان کا مرتبہ بڑا ہے۔

ان تین باتوں سے دین آوے گا، خدا ملے گا۔ قرآن، نماز، تبلیغ

قرآن میں اللہ نے اپنی صفات جمالیہ و جلالیہ کا نور بھر دیا ہے۔ اور وہ نماز کے ذریعہ سے انسان میں چونکہ نور لینے کا مادہ رکھ دیا ہے اور کسی مخلوق میں بات نہیں رکھی ہے۔ آوے گا ہر ہر اعضا میں اور تبلیغ سے اس کی صیقل ہوگی۔

سب سے بڑا ذکر اللہ کی باتوں کا تذکرہ مجمعوں میں کرنا، گھروں سے نکل نکل کر۔

انسان کو چاہیے کہ علم کو اس طریقہ سے حاصل کرے، خلوت میں بذریعہ کتاب کے پڑھنے کے اور جلوت میں سننے یا سنانے میں مشغول رہے۔

حضوری قلب کی نماز کی کوشش کرے۔

ایمان اللہ کی بات پر اعتماد اور بھروسہ اور اقرار میں مضبوط رہنا۔

سارے دن رو رو کر قرآن شریف پڑھنے سے ایک گھنٹہ ناواقفوں میں کلمہ کی دعوت دینا کروڑوں درجہ زیادہ ثواب ہے، کلمہ کی دعوت دینا سارے دین کے سیکھنے سے بہت زیادہ ہے۔

دعوت دینے میں اگر کمی کی تو یہ الزام دعوت دینے والے کے ذمہ ہے۔ اس کام کو جس طریقے سے انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی تھی اس طریقہ کو سیکھنا ضروری ہے۔ لہذا کچھ وقت نکال کر کام کرنے والوں کے ساتھ رہتے

ہونے سیکھے۔ اس کام کے کرنے سے یہیں دنیا میں ہی جنت کا مزہ آنے لگتا ہے جو دنیا کی بادشاہت سے ہزاروں درجہ بے انتہا مزہ آنے لگے گا۔

علم بذریعہ دل کے، عمل بذریعہ جوارح کے۔ دھیان بذریعہ دماغ کے، جہد مشترک سب کے ذریعہ سے۔

جیسا دنیوی مشاغل بھلا رہے ہیں دین کو، اسی طرح دینی مشاغل کی طاقت ایسی ہوجاوے کہ دنیا کے مشاغل کو بھلانے لگیں۔

حکمت کے معنی ہیں مضبوطی کے۔

تمام فلاحیں خواہ دنیوی ہوں یا دینی صرف دین کے اندر ہیں۔

ہر ہر نمبر کے کرنے کے بعد میرے پاس آؤ جب مجھ سے فائدہ ہوگا۔

بڑوں سے ملنے کا قاعدہ ان سے ملنے والوں کے ساتھ جا کر ملو۔

تبلیغ کی سرگرمی کے زمانہ میں پوری جماعت کے ساتھ اصول کی پابندی کرتے ہوئے امرا و علماء سے ملو، بغیر اس شرط کے ملو گے تو باعث خرابی کا ہوگا۔ بہت خطرناک ہوگا۔

نماز مناجات ہے، کانا پھوسی ہے۔ محرم راز ہے۔ سارے اعمال و عقائد کی توفیق ہوگی۔ اگر نماز اچھی طرح سے ادا ہو۔

خدا وہ خدا جس نے بنایا اور بگاڑا۔ ایسا خدا یعنی انبیاء جیسی ہستیوں کو بنایا اور (ان کے مقابل کو) بگاڑا۔

چلو، اور طاقت سے زیادہ کرنا گناہ اور کم کرنا یہ بھی گناہ، موجودہ طاقت کے موافق چلتے رہو۔

فرائض کو سیکھنا اور پھر واجبات کو سیکھنا، پھر مستحبات کو سیکھنا۔

آخری وصیت ۔ سورہ کہف کی آیت پڑھی ۔واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ و العشی یریدون وجھہ (رکوع) جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ ان کی صحبت کی تاکید ہے۔ اسی طرح جو شام کے وقتوں کو ذکر سے معمور رکھے اور مسجدوں کو نوافل کا گھر نہ بناؤ، قرآن نماز، ذکر دعوت حق سے بڑا کوئی عمل نہیں ہے۔ اگر موقعہ دعوت کا آجائے تو نفل نماز توڑ کر دعوت دیوے اور بعد میں اس کو ادا کر لیوے۔ (نفل نماز)

ملنے کے وقت نری خوبیوں کو دیکھو، ورنہ اس کے برعکس خدا تعالی ہمارے عیوب دیکھیں گے۔

تبلیغ کرنے میں تھوڑی نفع میں بڑی! مگر یہ جبھی معلوم ہو سکتا ہے کہ یا تو گرہ کی عقل رکھتا ہو یا دوسرے پر اعتماد کرے یہ میرا دعویٰ ہے۔ اسکے کرنے میں ۹۹ حصہ نفع ہے۔

صبح و شام ہر نماز کے بعد دھیان کی کوشش کرتا رہے ۵ منٹ اس کے بڑھانے کی کوشش کرے وہ دھیان کیا ہے۔

اللہ سے اقرار اور اس دھیان کو دل کی زبان سے بڑھاتا رہے۔ دھیان کے دو جز ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ سوائے خدا کے دوسرے دھیان کو میٹنے آیا ہوں۔ دوسرے وہ قہار ہے، جابر ہے، حی و قیوم ہے۔ میزی، عزت و ذلت اس کے ہاتھ میں ہے دنیا میں جو آیا ہوں محبت کا اظہار کرنے آیا ہوں، وہ اقرار جو ازل میں کیا تھا۔

دنیا کے مشغلے دو رخ رکھتے ہیں۔ ایک عزت بڑھانے اور دوسرے رخ پر ذلت بڑھانے کے لئے خدا کا دھیان ہونا ہو جو وہ کہے اس کے موافق کرنا۔ برخلاف اس کے دوسرے کا دھیان، اسی کا حکم ماننا ہمارا یہ زندگی کا طرز پڑا ہوا ہے۔ اس واسطے آئے ہیں کہ اس کے دھیان کے سوائے دوسرے کا دھیان نہ ہو۔ یہ کلمہ کا ترجمہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں وہ بارگاہ رب العزت سے احکامات لے کر آئے ہیں۔

نماز کی رفتار یہ ہے کہ آج کے دن دوسرے دن کی نماز ترقی کرتی جاوے۔ اسکے لئے فضائل نماز دیکھو۔

جو شخص دوسروں کو نماز نہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کا بندوبست نہ کرے گویا اس بات پر راضی ہے کہ دین بے شک برباد ہو جاوے ڈھے جاوے۔ یعنی نماز سے دین قائم ہوتا ہے۔ نہ پڑھنے سے دین ڈھیتا ہے۔ تیسری بات یہ ہوتی۔

کوئی وقت مقرر کر کے دنیا میں پھیلانا ہے۔ غرباء امراء سب میں۔

دہلی کے اندر قیام میں ان مقصدوں کو سمجھنا اور دل جمعی کے ساتھ کوشش کرنا اور ہر ہر نمبر کو سمجھنا یہ مطالعہ ہے دریھر ان اصول کے ماتحت یوپی کے تمام بزرگوں میں تبلیغ کرتے رہنا یہ سبق کا پڑھنا ہے۔ اور اپنے ملک میں جا کر سبق رٹ لینا۔ ان تینوں میں اگر کمی ہو گی تو تبلیغ میں خامی ہو گی۔

صفات الٰہی اور حشر کا پیش نظر رکھنا اور قرآن شریف کو رہبر بنانا اور قرآن کی تفسیر کے لئے حدیث کو تلاش کرنا۔ فرائض، علم، ہمت

فرائض کا ادا ہونا۔ صحبت اہل اللہ بذریعہ علم و عمل احیائے سنت نبویہ ۔ جہد و ذکر سب سے پہلا فرض ہے۔

فرائض کے لئے علم کی ضرورت ہوتی ہے ،اور ہمت بغیر علم کیسے آسکتا ہے ۔اس واسطے شروع ہمت کی ضرورت ہے۔

جس اللہ نے تمہارے لئے فرائض کے اندر اپنی رحمت اور رضا رکھی ہے ۔ بھلا پھر اس بغیر چارہ ہی کیسے ہوسکتا ہے۔

سمجھانے میں اور ادب میں کمی نہ کرے ، جو بات عرب میں پیش ہو چکی ہو اور علمائے ہند و دیگر علماء میں ہو چکی ہو اور عوام میں ایک عرصہ سے ہو چکی ہو سوائے نفس کی کوتاہی کے اور کیا وجہ ہوسکتی ہے-۔ جو کوئی بھی آیا اس بات کا ثبوت دینے کو آیا کہ تیرے حکم پر جان دیں گے۔

طاقت سے زیادہ گویا اپنی ناگوار چیز کو دکھارہا ہے۔ اس سے نفع نہیں ہوتا۔

یہ تحریک ہے قدم اٹھانے کی جس قدر اس میں قدم اٹھے اسی قدر اس میں رحمت برکت اور نفع ہے۔

کوئی جماعت یا کوئی شخص زوروں کی کوشش کے علاوہ ذرا بھی وقت نہ گزارے ۔اس کوشش میں بڑی سے بڑی مشقت بھی اٹھانی پڑے تو اس مشقت سے نہ گھبراویں۔

ان کے مشاغل نے ان کو ایسا کھینچا کہ انکے قلوب ہمارے دیدار کے قابل نہ رہے۔

ہر نماز کے بعد اور صبح و شام بیٹھ کر دھیان کر لیا کرو ایک مضمون کا اور وہ مضمون یہ ہے کہ انسان اللہ کے سامنے ایک دعوی کر بیٹھا کہ انسان روز ازل اللہ کی محبت کا دعویٰ کر چکا اور وہ کیا کہ اللہ میرا تیرے سوا کون ہے میں تیرا اور تو میرا اور کسی سے کچھ واسطہ نہیں ۔ایک رب ہے اس کا راضی ہونا بھلا ہے ۔اس کی رضا ہر چیز سے مقدم ہے۔ محبت کے بغیر اللہ کے نیہاں سے نہیں ملتا۔

ہمارے بزرگ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ جب نیک کام کرنے سے خوشی اور گناہ کرنے سے ندامت ہو جاوے ، اسی کی یہی ولایت ہے۔

صبح کی سنت اور فرض کے درمیان ایک تسبیح "**سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم استغفو اللّٰہ العظیم واتوب الیہ** "رزق کشادہ ہوتا ہے اس کلمہ کو روزی سے خاص نسبت ہے اور چلتے پھرتے اللھم اغفرلی پڑھا کرے۔

حیات طیبہ کہتے کس کو ہیں ۔انسان کے اندر قویٰ ہیں اوران قویٰ سے کوئی حکومت کام لیتی ہے ۔حرکتوں کا کنکشن اگر اللہ کے ساتھ ہوا تو وہ حرکت باعث رحمت ہوگی ،ورنہ ہوائے شیطان کی حکومت کے ماتحت حرکت کروگے اس کو حیات طیبہ کہتے ہیں کہ خدا کے حکم کے (ماتحت)مطابق زندگی کو گزارنا۔

ان کی روکی ہوئی چیز کے اندر جان دے دیوے اور ان کی فرمائی ہوئی چیز کے اندر بھی جان دینی ہے۔

اللہ کو راضی کرنے والی چیزوں کو لے کر پھرنا۔آج کل دیکھو کس کام کے لئے حرکتیں ہو رہی ہیں۔انہیں ایسی چیز دے کر بھیجی جو حق ہی حق ہے ،جوان کے منہ سے نکلا وہ ہو کر رہے گا ،اٹل ہے ۔جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا گویا حضور ﷺ کی زبان اور قلب اقدس ترجمان ہے ،ان کی زبان تقدیر کا تیر ہے جو ان کی زبان سے نکلا وہ لوح محفوظ کا لکھا ہوا نکلا پھر انکی نکلی ہوئی بات کے لئے تیار ہو جاؤ پھر حکم کی تلاش کرو۔

اسلام کی ایک ایک چیز میں اللہ تعالی نے اپنی رضا بھر دی ہے اب جس جس قدر کی جو چیز ہے اتنی ہی قدر اس کی رضا میں ہے ۔خیال کرنے کی بات ہے کہ یہ تبلیغ کتنے بڑے درجہ کی چیز ہے، اللہ کے حکم میں رضا بھری ہوئی ہے اللہ بھر بھر کے جام دیوے اور میں اس کو پیوں۔

لا الہ الا اللہ کے معنی انقلاب کے ہیں ہر حال میں کرنا سب کچھ ہے۔لیکن بدلنا حکم کا ہے کہ بجائے نفس کے اللہ کے لئے ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ زبان کو میٹھا کرنے کی کوشش کیجیو یہ بڑی سے بڑی عبادت سے بہتر ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جو اسوہ حسنہ ہے ۔ یہ وہ زندگی ہے جو بلاؤں کا علاج ہے ۔یہ وہ زندگی ہے جو اللہ کے خوش کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حضور ﷺ کی روح پاک کو خوش کرنا ہے۔

طریقہ کہنے کا۔اس کے کہنے سے اس کے دل کو تازگی ہوگی یہ مشق کرنی ہے۔

تبلیغ کی منفعت یہ ہے کہ ہر کام میں اتنے حصے بڑھ جاوے گا کہ جتنا صاحب تبلیغ دوسروں کو اس کام پر لگا دے گا۔

ابتداء کرو غرباء سے اور اپنی سطح کے لوگوں کو بعد میں رکھو۔

اللہ کی کہی ہوئی بات کا یقین اس قدر ہو کہ سارے کہے ہوؤں کے یقین سے غالب ہو،اس کو ایمان کہتے ہیں۔

نماز سارے ہاتھ پاؤں کا ذکر ہے۔

یہ جو طرز زندگی ہے (یعنی تبلیغ) ہر چیز رہبری پر پڑ جاوے گی۔

خاکساری سے رفعت نصیب ہوتی ہے۔

جھوٹ کفر کی لائن ہے

قرآن شریف پہلی کتابوں کا نچوڑ ہے۔ سوئم کلمہ قران شریف کا خلاصہ ہے۔

اللہ کی عظمت اور بڑائی سے ہر رکن نماز کو ڈرتے ہوئے پڑھا کرو، ایک دفعہ بھی ڈر گئے تو کافی ہے۔

کلام مجید تمہارا امام ہے اس سے وابستگی کرو۔

درود کے معنیٰ اے اللہ رحمت کر اور اس رحمت میں برکت کر۔

جو بڑوں سے نہ ڈرے وہ چھوٹوں سے ڈرایا جائے گا۔

رحمت، ہدایت، جہد پر پڑ جانے پر ہے جہد میں الزام اپنے اوپر دو۔ دوسرے پر نہ دو اپنا سوال اپنے سے ہی ہوگا۔

بچنے کی چیزوں کی تاکید کرو۔ اچھی چیزیں آپ ہی آپ آجائیں گی۔

صحبت سب سے بڑی چیز ہے جو علوم صحبت کے ذریعہ سے آویں گے وہ ہرگز کتابوں کے ذریعہ نہیں آویں گے۔ جھوٹ کی پرواہ نہ کرنے والا آخر میں منافق ہو جاتا ہے۔

عبادت چھپی ہوئی بہتر ہے کھلی ہوئی سے۔

تبلیغ کی جڑ اللہ کے خوف اور جنت کی طمع میں ذکر کی کثرت ہے اور حضور ﷺ کی سنت کے شوق میں اور پھیلانے کا چاؤ ہے۔ اس چاؤ سے جب تبلیغ کی جاوے تو بڑی برکت ہوگی۔

عبادات میں مصلحتوں کا سوچنا چھوڑ دے۔ بلا مصلحتوں کے سوچے ہوئے اللہ کی رضا کے لئے عبادات کو کرنے کی عادت بنا دے۔

ایمان بالغیب کمال ہے اور اجر زیادہ ایمان بالعین کمال نہیں اور اجر کم۔

راتوں کو ذکر سے اور دن میں تبلیغ سے اور باقی وقت کو ضروریات سے فارغ ہوتے ہوئے علوم کے سیکھنے میں اپنے آپ کو مشغول رکھے۔ علوم کی تفصیل، کچھ وقت ان علوم میں صرف کرے جس سے جذبات پیدا ہوں اور باقی مسائل وغیرہ کے سیکھنے میں خرچ کرے۔

کوشش انسان کا اصل کام ہے۔ اظہارِ قصور، اقرارِ قصور اللہ تعالٰے کو بہت پسند ہے۔ یقین روح ہے ہر عمل کی۔

دھیان، نیّت، ہمت، حرکت جوارح سے پیدائش ہے عمل کی
تکثیرِ ذِکر، شِدت ذِکر اور صحبت اولیاء سے نماز کو قوت ہوگی۔

حقیقت دُرود شریف۔ یعنی حضور ﷺ نے جو کام کیا ہے اس سنت کو زندہ کرنے سے حضور ﷺ پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں یعنی جب عمل نہیں کیا جاتا وہ چیز مکمل نہیں ہے۔

کلمہ طیبہ کی حقیقت۔ اگر اللہ تعالی کے حکم کے موافق کوئی کام نہیں کیا تو گویا کلمہ مکمل نہیں۔

لا الٰہ الا اللہ اور عمل میں غیر اللہ کا حکم گویا کہنا اور عمل اور

قرآن، نماز، روزہ وغیرہ معاون ہیں، اللہ تعالے کے اسمائے حسنیٰ اور صفات کے معلوم ہونے کے اور صفات کے معلوم ہونے سے ذات معلوم ہوگی یہ طریقہ ہے کام کا۔

خلق اللہ کی خدمت کرنے سے اللہ تعالےٰ خوش ہوتے ہیں اور عبادات سب اپنے نفس کے فائدہ کے لئے ہیں اور خدمت خلق اللہ، اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے۔ شکستہ دِلوں کی خدمت بہت کیا کرو۔

قطب ہونے کا طریقہ: یہ ہے کہ انسان اللہ تعالی کے ہر امر کو ممالک میں کمی کو دیکھتے ہوئے اس کا درد کرتے ہوے اس کے ازالہ کا بندوبست کرتا رہے۔ فرق مراتب میں نظر نہ رکھنا زندیقیت ہے۔

ایک صحابی کا قصہ سنایا۔ تجارت کی مال غنیمت سے وہیں اسی وقت تین ہزار کا منافع ہوا۔ ان صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے تھوڑے سے وقت میں مال غنیمت سے تین ہزار کا منافع ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس سے زیادہ نفع بتاؤں۔ دو رکعت نماز پڑھ لے۔

اب نفل کی قسمیں ہیں۔ جن کی تاکید ہے جن کی تاکید نہیں۔ غرضیکہ سب سے نیچے درجے کے نفل کی یہ قدر و قیمت ہے تو خدائے تعالیٰ کے فرائض کا کیا شمار ہوگا۔ اس سے دنیا کی کمائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عمر عزیز کس طرح ضائع کی جارہی ہے گویا ناپائیداری دنیا اور بہتری عقبیٰ کا منظر ہے اس قصہ میں۔

کلمہ کی مشق نادانوں میں کرو کیونکہ انکے لئے کلمہ جب کہ نہ آتا ہو فرض ہے۔

کلمہ طیبہ مجمل، کلمہ سوم مفصل مدلل سارے قرآن کا خلاصہ ہے۔

ذکر، مراقبہ، فکر، خشیت، ایمان، احسان عمل، احکام، علوم

صوفیوں کے یہاں اس کو صفت احسان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے اس کا حکم ادا کیا جاوے۔

جدھر دل ادھر جوارح یہ کسوٹی ایمان کی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

تبلیغ میں نکلنے کے زمانے میں نکلے ہوؤں کی گھر بیٹھے خدمت کرنا اتنا ہی ثواب ملے گا، اور اگر خود نکلا ہوا ہووے تو اوروں کی خدمت کرے خادم کا مرتبہ بہت ہے۔

زمانہ تبلیغ میں خدمت گذاری اور حفظان صحت کے بعد تبلیغ عظیم تذکیر ہے۔

حکم کے پہنچانے میں یہ دیکھے کہ کس کا حکم ہے اور میں کس ادب سے اس کو پہنچاؤں۔

اے اللہ اسلام جس طرح تجھے محبوب ہے ایسے ہی ہمیں بھی اس کی محبت دے۔

بزرگوں کی صحبت بڑی چیز ہے۔

حاملان عرش جو لوگ اتباع سنت کرتے ہیں ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔

امام غزالیؒ:

اولیاء اللہ کی نظر دوا ہے۔ کلام شفاء ہے اور صحبت سراپا نور ہے۔

عاجزی کرنے والا اور ضعیف جنتی ہے اور سرکش و متکبر دوزخی ہے۔

عصر کے بعد ستر دفعہ استغفار سے ستر برس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

آیۃ الکرسی ہر نماز کے بعد پڑھنے والا مرنے کے بعد فوراً جنت میں جاویگا۔

درود شریف دس، دس مرتبہ نماز کے بعد پڑھنے والا حضور ﷺ کی شفاعت میں داخل ہوگا۔

فکر کی مقدار بڑھاؤ۔

بھلا اس سے اچھی زندگی کیا ہو سکتی ہے جو خدا کی بتائی ہوئی ہووے۔ مسلمانوں کی عادت ہو جاوے کہ پیٹھ پیچھے مسلمانوں کی تعریف کریں۔ بس یہ ہزاروں عبادتوں سے اللہ کے نزدیک بہتر ہے اور وہ شخص اللہ کا محبوب ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

بس تمام کام دین و دنیا کے اللہ کی رضا کے موافق کرے اللہ کے سوائے کسی کو قادر نہ سمجھے، یہ ہے دین کا خلاصہ

جو کچھ دین کے احکامات ہیں سب حق ہیں۔ اللہ ایک ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سچے ہیں کتاب سچی ہے۔

نیابت حق ہے فرشتے حق ہیں۔ نفس کافر ہے۔ اسکی گردن پر پیر رکھے۔ دوسرے قدم پر اللہ ہے۔ گویا اللہ دو قدم پر ہے اس کی مرضی کے خلاف اور اللہ کے موافق کام کرنا دین ہے۔

دل آئینہ ہے۔ اس میں خدا نظر آتا ہے، لیکن اس آئینہ کو صاف کرتا رہے۔ یعنی صفات رذیلہ سے پاک کرنا چاہیے۔ صفات محمودہ اپنی عادت بنانا چاہیے۔ بس پھر صفات رذیلہ کو دور کرنے کے لئے خدمت خلق ہے۔

شکستہ دلوں کی خدمت کرنا عرش عظیم کی کھڑکیاں ہیں۔

زمین و آسمان عالم اصغر ہیں اور دل عالم اکبر ہے۔ یہ زمین و آسمان دل کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ کے کارن اغراض کو پامال کرنے سے کامیابی ہو گی۔

بوستان کے دیباچہ کے اشعار اخیرہ کے مطابق دل کی صفائی کرنا چاہیے۔

علم، عمل، صحبت، ان تینوں کے بغیر دین حاصل نہیں ہو سکتا۔

ریاضت سے عقل پیدا ہو گی پھر عقل سے علم، پھر علم سے اخلاق حاصل ہو گا۔

ہر امر کی قدر اور اللہ کی قدرت کا اگر دھیان ہو جائے بس یہی کافی ہے تمام دین کا خلاصہ ہے۔

ایمان کیا ہے؟ اللہ تعالے کے اسماء کی صفات، صحابہ اور حضور ﷺ کے کارناموں کا منظر اور قبور اور حشر کا منظر پیش نظر ہونا۔

ہر امر کی بجاآوری کے وقت اس کا دھیان اور عظمت کی مداومت کرنا۔ حضرت فرماتے تھے کہ میرے نزدیک یہی ذکر ہے، یہ ہر وقت کا ذکر ہے۔

اعمال باقی کے ساتھ وابستہ ہوں گے تو باقی رہیں گے اور اگر فانی کے ساتھ وابستہ ہوں گے تو فانی ہو جاویں گے۔

اللہ تعالے کی محبت کے بعد انسان کی محبت جو اللہ کے واسطے ہو۔

سب سے بڑا عمل ہے، نماز روزہ، حج، زکوۃ سے بھی بڑا۔

انسان کی محبت بذریعہ تحائف وغیرہ اور خصوصاً شکستہ دلوں کے ساتھ ٹھکانا۔

دین کے حقائق۔ اعمال کے طرز کے مطابق کھلتے ہیں۔

از کتاب مولانا محمد یوسف صاحبؒ۔

سب گناہوں کی جڑ۔ تکبر، حسد، حرص اور پھر چھ ان کی شاخیں۔ پیٹ بھر کھانا، زیادہ سونا۔ راحت طلبی، حب مال حبِ جاہ، حُبِ جماع پھر ان سے گناہوں کی پیدائش ہے۔

ترتیب خرچ کرنے کی: کلمہ، نماز، مال کا خرچ کرنا، علوم، عمل اخلاق، مال کے خرچ سے علوم کا خرچ کرنا آوے گا۔ اور علوم کے خرچ سے عمل آوے گا اور عمل کا پھل اخلاق ہے پھر اخلاق کا خرچ کرنا آوے گا۔

تصوف کا خلاصہ دل کا جاگنا۔

دین کی گاڑی دو پہیوں سے چلتی ہے۔

(۱) اتهموا انفسکم (۲) ظن المومنین خیرا

ذکر، اکرام مسلم، تصحیح نیت، ان تینوں چیزوں سے صفات حسنہ پیدا ہوں گی۔

تصوف کا پہلا رذیلہ بخل ہے اور آخری حب جاہ ہے۔

ان تعبد اللہ تو اللہ کی عبادت کرے کانک تراہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے

شریعت طریقت

بلا نیت کے کہ یہ چیز خدا کی بتائی ہوئی ہے کچھ فائدہ نہیں رکھتی۔

اس کام میں جب کوئی شبہ شیطان کی طرف سے یا نفس دلیل کرنے لگے تو فوراً اللہ تعالے سے مدد مانگو۔ بس یہ ہے طریقہ آسانی سے خطرات سے دور ہونے کا۔

عمل میں نیت کا ہونا بڑا اثر رکھتا ہے۔ جب کوئی کام کرے تو بس ہر کام میں اللہ کی رضا کی نیت کر لیا کرے۔ بغیر نیت عمل میں برکت نہیں ہوتی ہے اور سب دین کا یہی خلاصہ ہے (یہی حدیث)

فجر کے وقت سنت اور فرض کے درمیان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ العظیم واتوب الیہ۔ کی تسبیح کشایش رزق کے لئے۔ اور چلتے پھرتے، سوتے بیٹھتے اللھم اغفرلی پڑھتے رہا کرے۔

ایماناً۔ احتساباً۔ ایماناً بذریعہ امہات عقائد کے۔ احتسابا حضور ﷺ کے وعدوں کے۔ اللہ کے ہر امر کی قدر دلوں میں پیدا کرنا۔ اللہ کے ہر امر کی بجا آوری کے وقت اس کے امر کی طرف دھیان کر کر کام میں مشغول رہنا کام مقصود نہیں ہے۔

فضیل بن عیاضؒ کا واقعہ سنایا تھا کہ یہ ڈاکو تھے پھر تائب ہوئے اور جو کسی سے لوٹا تھا اسکے دینے کی نیت کی صحیح ۔ قرض لیا ۔ قرض دینے والے نے آزمایا کہ اعمال نیت کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ اس واسطے ٹھیکرے تھیلی میں بھر کر دے دیئے ۔ ، نکال کر دیکھا تو تمام اشرفیاں تھیں یعنی صحیح اعمال سے باقی کے ساتھ وابستہ ہوتے ہوئے چیز کی ماہیت بدل جاتی ہے ۔

قبر پر جانے کے اصول ہیں اپنی موت کو یاد کرنا نہ کہ لہو ولعب میں مشغول ہو پھر ایسی جگہ لہو ولعب میں مشغول ہونا زیادہ ظلمت کا سبب ہوگا ۔

اے اللہ تونے جس طرح دین کے لئے کھڑا کر دیا میرے کاموں کو بھی سنبھال دے ۔ موانع کے وقت دین کی خرابی کا خیال بھی کر لیا کرو کہ وہ بھی بگاڑا جا رہا ہے ۔ لڑنا آسان ہے کام کرنا مشکل ہے ۔

اہل اللہ کی محبت ان کی صحبت سے ان کی خدمت کرنے سے آنکھ ہوگی جو یؤمنون بالغیب کو بڑھا دے گی جو نفسانی اغراض سے پاک ہوگی ۔

تقوےٰ : خواہشات نفسانیہ سے رکنے کی طاقت کا نام تقویٰ ہے ۔

روزہ چونکہ خواہشات نفسانیہ کو توڑنے والا ہے اس واسطے وہ معین ہوا تقویٰ کا اسی طرح نماز زکوٰۃ ان سب عملوں سے خواہشات نفسانیہ کم ہوتی ہیں گو بالکلٰ دور نہیں ہوتیں کیونکہ نفس میں خود یہ خباثت ہے ہی اور نفس زائل ہو نہیں سکتا ہاں ان کاموں کے کرنے سے قوت خواہشات نفسانیہ دفع کرنے کی ہو جائے گی خواہشات ہوتیں رہیں گی اور ان ذرائع سے دفع کیا جاتا رہے گا ، برخلاف اس شخص کے جو روزہ وغیرہ پر قادر ہی نہیں ہے ۔

اور یہ سب عمل نماز روزہ درست نہیں ہوسکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت نہ ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ ذکر وشغل نہ کیا جائے اور ذکر وشغل درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ وساوس کو دفع نہ کیا جائے اور وساوس کیا ہیں صفات رذیلہ کا پھل ہیں اور یہ دفع نہیں ہوسکتے جب تک کہ قرآن اور اللہ تعالیٰ کی عظمت نہ پیدا کی جائے اور یہ پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ مسلمانوں سے محبت والفت نہ پیدا کی جائے ۔

مسلمانوں سے گمان نیک رکھا کرے بدگمانی سے دل میں کدورت اور زنگ آجاتا ہے ان کی صفات کی طرف دیکھا جاوے اور عیب دیکھنے کے لیے اپنا نفس کافی ہے ۔

دوسروں کے عیبوں کی اصلاح کا نرم طریقے سے فکر رکھے تاکہ اس سے محبت کامل پیدا ہوجاوے بس لب لباب۔

عیب تو اپنے نفس کے دیکھا کرے اور اصلاح دوسروں کے عیبوں کی کیا کرے محبت کے ساتھ کہ یہ میرا بھائی ہے اس عیب سے ان کو نقصان پہنچے گا اگر اس کی اصلاح ہوگئی تو یہ ہے بھائی کے ساتھ اصلی محبت کہ اس کا نقصان نہیں چاہا کرتا اور اپنی خوبیوں پر نازاں نہ رہا کرے اللہ تعالیٰ کے یہاں ناز کی ضرورت نہیں ہے بلکہ نیاز کی ضرورت ہے وہ نیاز سے خوش ہوتا ہے۔

ذکر و شغل میں جب تک کہ صفات رذیلہ کا اخراج نہ ہوگا نفع نہیں ہوسکتا اس کا طریقہ مسلمان کے ساتھ محبت والفت ہے پھر اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرآن پاک کی محبت ہوجائے گی جب یہ ہوگیا تو سب کچھ ہو گیا۔

مومن کا قلب ایک بڑی چیز ہے اس کا اثر آپ ویسا ہی دلوں پر پہنچے گا جیسا کہ برخلاف اس کے کافر کے دل کا خراب اثر اس کے تعلق رکھنے والے پر پڑتا ہے اس واسطے بزرگوں سے محبت باعث ہوگی اللہ سے محبت ہونیکا۔

ہر کام کی مشکل کے وقت بس خدا سے مدد طلب کرے عقل و خیال کو بالائے طاق رکھ دے، ان شاء اللہ تعالیٰ ہر کام میں نصرت ہوگی۔

انسان کا کام صرف پختہ ارادہ کرنا ہے بس پھر انشاء اللہ تعالیٰ سارے کام خود اللہ تعالیٰ پورے فرمادیں گے۔

دین اور علم: دین کی خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ شکستہ دلوں کو ملتا ہے، جس قدر بھی انسان اپنے آپ کو پستی میں گرائے گا اسی قدر بلند مرتبہ ہوگا اور دین سے بہرہ ور ہوگا یہ آتا ہی دو طرح سے ہے ذکر و شغل اور خدمت خلق سے۔

خودی کا حجاب ہی خدا سے نہیں ملنے دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا برتاؤ تمہارے ساتھ اتنا ہوگا جتنا تمہارا برتاؤ دین کے ساتھ ہوگا۔ غرضیکہ اگر تم اپنی بہبودی اخروی دنیوی چاہتے ہو تو دین کے امور کے اندر ہمت کے ساتھ کوشش میں لگ جاؤ۔

زخم کے نکلنے کے بعد عجز کی یہ حالت ہو کہ جان خطرہ میں ہو، اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے اللہ کی مدد ہوگی۔

دین کی باتوں کے لئے مشقت اٹھانا یہاں تک کہ جان خطرہ میں پڑ جائے، اسی قدر اللہ کی خوشنودی کا باعث ہو

گی۔

ارادہ کے بعد جہد کا پردہ ہے، اللہ اور بندہ کے درمیان صحیح یقین کے ساتھ امر کو ماننا۔ پھر خداوند تعالیٰ خود کام کو پورا فرمادیں گے۔

تمنا اور حرص سے کوئی کام پورا نہیں ہوا کرتا۔

صبر دروازہ ہے کام کے پورا ہونے کا۔ اس پر ایک صحابی کا قصہ جنگ کا کہ ایک کتا جو روزانہ ان کی روٹی اٹھالے جاتا تھا تین دن صبر کیا تو کتے ہی کے ذریعہ قلعہ کا راستہ ایک بدرو سے جس سے کتا قلعہ میں جایا کرتا تھا راستہ مل گیا، جس کے ذریعہ سے قلعہ فتح ہو گیا۔ صبر کرنے سے کامیابی کی صورت نکل آتی ہے۔

مراقبہ موت ذکر ان کی مداومت سے غفلت دور ہو گی بیداری پیدا ہو گی۔

خدمت خلق اپنے اوپر لازم کرے اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھے۔

قناعت کا پیشہ اختیار کرے عمر عزیز کی قیمت کو سمجھے۔

اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کے تحت کرنے کی عادت اگر ہو جائے تو یہ اللہ کی رحمت کی بارش کا طریقہ ہے۔

اصولی چیز خدا کے ساتھ تقویٰ کا برتاوہ رکھے، مخلوق کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاوہ رکھے اپنے نفس کے ساتھ تہمت کا برتاوہ رکھے۔

انتشار خیال سے صحت میں دیر لگتی ہے اور یکسوئی سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔

نفس کے خلاف کرنا یہ کام اللہ کو کیا بھاری تھا وہاں تو یہ دیکھنا ہے خدا کو کہ تو کتنا میرا ہے، نفس کے خلاف بیکلی کہ ہائے اللہ تیرا کام اور میں اتنا ٹھنڈا یہی درد اور بے کلی خدا کے یہاں پسند ہے۔

اس درد کے لئے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اللہ کی بات کے کارن تکالیف کا اٹھانا خدا کو پسند ہے گراؤ اور تواضع اللہ کے ہاں پسند ہے۔

عمل صالح کے لیے چار چیزیں علم، نیت، اخلاص، صبر

تفقہ فی الدین موقع شناسی کو اور سلیقہ کو کہتے ہیں۔

ہر عبارت کے اندر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے ادب اور وقار کے ساتھ خوفزدہ ہیبت زدہ رہے

اور اس کے کرم پر نظر رکھتے ہوئے امید رحمت سے اپنے آپ کو کوشاداں اور فرحاں رکھے۔

کسل نہ ہو یہ جہد، شوق، محنت سے ہوگا غرض نہ ہو، صحیح نیت سے ہوگا موافق شریعت صحیح علم سے ہوگا۔

ذکر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا دھیان کرتے ہوئے شوق اور محبت کے ساتھ مد، شد، تشدید وغیرہ کا خیال کرکے اللہ کے نام کو جپنا درد دین کا درد، اللہ کے حکم کے گرنے کا درد، مسلمان کا درد دل میں اور پھر جو کہ جوارح سے ہوسکے کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا دھیان۔

اللہ تعالیٰ کے ہر امر کو اس نظر سے کرو کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور نتیجہ کا اللہ کی رحمت پر نظر کرنا۔

اگر اپنے کرنے کا دھیان ہوگا تو گویا نظر کی کوتاہی نفس کی آمیزش ہے۔

اسباب کا نہ کرنے والا زندیق اور پھر اسباب پر نظر رکھنے والا مشرک۔

مبدا اللہ اور رسول کو ماننا، معاد قیامت کے واقعات درمیان میں معاش یعنی طرز زندگی۔قرآن شریف کے لیے حافظ ہونا۔

تبلیغ کی کارگذاریاں خود براہ راست اور مجموعی ہمارے پاس بھیجی جائیں ہر وقت تبلیغ ہر گاؤں میں سے پانچ دن کے واسطے سب لوگوں کو چار ہفتے کے اندر یعنی سالم مہینہ سارا گاؤں بالکل جایا کرے ایک دن مقام ہو ۵ یوم باہر سارے گاؤں کے ہر ہر آدمی کو کلمہ، نماز، قرآن خود عمل میں لاوے اور دوسرے لوگوں کو جماعت بنا کر ان ہی تین چیزوں کو ترویج دینا۔

جو جماعت عرب جا رہی ہو اس کے اندر لوگوں کو وہاں جانے کے لئے آمادہ کرو دورے خود اپنے خرچ سے کرو وہاں کے رہتے ہوئے وہاں کا ہر وقت تبلیغ پر خرچ کرنے کی فکر کرو لوگوں کو ایسے جذبہ میں جبکہ ان کی رغبت دیکھو شرکت کراؤ اس کا ثواب ایسا ہی ہے جیسا کہ خود دینا۔

قرآن شریف قرآن شریف بغیر مسلمان کا کوئی راستہ نہیں ہے خود اپنے خرچ سے قرآن شریف کا رواج دینا۔

جب تک قرآن مجید مسلمانوں میں گھر گھر رواج نہ پائے مسلمان ترقی نہیں کرسکتے خود حافظ قرآن صبح وشام قرآن کی تعلیم کو اپنا فخر سمجھتے ہوئے اس کا رواج دینا اور امراء کو اس کی رغبت دلانا کہ وہ خود کریں اور دوسروں سے کوشش کرا کر نگرانی کریں کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں۔

ارشاد کردہ **چھ نمبر**

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

الکلمۃ الطیبۃ لاالہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلمہ طیبہ کے الفاظ کو صحیح یاد کرانا جس میں تجوید کا لحاظ بھی ضروری ہے اصل چیز کلمہ کے مفہوم اور اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا جس کے دوجز ہیں (۱) اللہ سے رابطہ قلبی جوڑنا (۲) صرف خدا پاک کی جانب روئے قلب کو موڑنا جس کی صورت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی مین ہو سکتی ہے ۔ لہذا کلمہ کے معنی میں توحید اور عقائد اور ہر وہ چیز جس سے خدا کی معرفت پیدا ہو داخل ہے نیز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے۔

الصلوٰۃ وما یتعلق بھا

صلوٰۃ اعمال کے اعتبار سے سب سے اہم اور بڑا عمل ہے یہ دروازہ ہے تمام اعمال کا، کلمہ طیبہ میں جس چیز کا عہد کیا تھا کہ صرف خدا ہی کو احکم الحاکمین اور اپنا ہر چیز کا مرجع مانوں گا اور اس کے حکم کے ماتحت اپنی اپنی زندگی گزاروں گا یہ اس کے ثبوت کا پہلا عملی قدم ہے۔

صلوٰۃ کے بھی دو جز ہیں ایک ظاہری دوم باطنی ظاہری مقدمات صلوۃ کو درست اور حسن کے ساتھ ادا کرنا مثلا وضوء کو سنن و مستحبات کیساتھ کرنا اور اس کو صحیح بنانا اور ہر ہر رکن کو سنت کے مطابق ادا کرنا باطنی ہر ہر رکن میں خشوع کے کمال کی کوشش کرنا جس سے نماز میں تنہیٰ عن الفحشاء کی صفت پیدا ہو نماز ایک روشندان ہے جس کے ذریعہ سے تمام اعمال پر نورانیت پہنچتی ہے یہ نماز کی روح ہے۔

العلم وذکر اللہ تعالیٰ

صبح وشام کا کچھ حصہ علم وذکر میں گزارنا۔

عمومی ذکر ہر شخص کے لئے ایک تسبیح سویم کلمہ کی صبح کو اور ایک شام کو اور درود واستغفار کی دو دو تسبیح اگر کسی شیخ سے وابستہ ہو تو اس کے فرمودہ ذکر کا اہتمام علم کے لئے فضائل نماز، فضائل ذکر، فضائل قرآن، حکایات

صحابہ، جزاء الاعمال، اگر قرآن نہ پڑھا ہو تو اس کو سیکھنا اور اہل علم کے لئے کتاب الاعمال، کتاب العلم والاعتقادات یا کتاب السنہ، یا کتاب الجہاد، کتاب المغازی، کتاب الفتن، کتاب الرقا، کتاب الامر بالمعروف۔

اکرام المسلم واحترامہ

اس کا خلاصہ ادائیگی حقوق ہے ہر شخص کے ذمہ کچھ حقوق ہیں ایک عمومی ہر شخص کے ذمہ ہر مسلم کا نفس اسلام کی وجہ سے حق ہے دوم خصوصی خصوصیت کے اعتبار سے مثلاً چھوٹا ہونا اس کے حقوق خصوصی مثلاً شفقت بڑا ہونا اس کا حق اس کی توقیر ہے اور قرابت کے حقوق ہیں ہر ذی حق کے حق کو ادا کرنا ان حقوق کی ادائیگی کو اشاعت دین کا وسیلہ بنایا جائے مقصود نہ بنایا جائے اپنے حقوق کے بارے میں مصالح سے کام لینا اور ان کی وصولی کے درپے نہ ہونا آخرت کے لیے جمع کرتے رہنا۔

تصحیح النیت والاخلاص

ان سب کاموں کو محض رضائے الٰہی خداوندی کے لیے کرنا اور اپنی اصلاح کے لیے کرنا۔ نظر کا کسی غیر کی طرف نہ جانا اثر و نتیجہ کی طرف بھی ملتفت نہ ہونا۔

النفر

کلمہ و نماز کو لے کر ذکر کی پابندی کے ساتھ ان کے فضائل کو معلوم کرتے ہوئے ہر ذی حق کے حق کو ادا کرتے ہوئے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں در بدر کو بکو شہر بشہر اقلیم در اقلیم پھرنا جو ہر مسلم کا جوہر ہے جو اصل ہے دینی شعبہ کی جو خصوصیت تھی تمام انبیاء کرام کی اور امتیاز ہے اس امت محمدیہ ﷺ کا، ہر امتی داعی ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لانے والے ہر فرد کا یہی مشغلہ اور یہی فکر تھا یہی ہر شعبہ دینیہ کی اصل اور جڑ ہے۔ اس وقت ارکان جو کہ اس دینی شجر کی ہر شاخ کو تر و تازہ اور سرسبز و شاداب رکھنے کے لئے کافی تھے اس زمین کو ترک کرنے کی بنا پر خود بے شاخ اور صرف تنے کی صورت میں باقی رہ گئے۔

پرہیز

ہماری دعوت کے چھ نمبر وجودی ہیں اور ایک عدمی یعنی تبلیغ کے لیے نکلنے کے زمانہ میں چھ اصول ایسے ہیں جن کو عمل میں لایا جائے اور ان کی پابندی کی جائے اور ایک نمبر ایسا ہے جس سے ان اوقات میں بچا جائے لایعنی اور معاصی و محرمات کا اشتغال نہ ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد علی جوہر کے نام:-

مخدومی ومکرمی زید مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کی قابلیت وذکاوت اور قدرت علی الکلام وہمدردی اسلام اس خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکہ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کے نیر تابانی کے وقت سے جوہر شناسی وقدردانی ہے اور شیخ الکل یعنی سید مولائی حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ میں نیاز مندی اور آمد ورفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف ومدلل کردیا تھا ہمیشہ سے اس پرزور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طبیعت متمنی اور جویاں رہی - کچھ زمانہ سے خاکسار کے فہم نارسا میں یہ مضمون آرہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص معتدل طریقے سے فطری اور اوسط الملل مذہب یعنی سچے اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور وقوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے سو اس کے لیے آپ کے سوائے کسی پر نظر نہیں جمتی -

اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کررہی ہے سو اللہ تعالیٰ کی عادت **مع الخلق** پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے اہل حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق دیے جانے پر مدعوئین کی دوراہ ہوتی ہیں - دعوت الحق کو قبول کرکے **فوز دارین** اور دین خداوندی اور مذہب آسمانی کی تروتازگی اور یا اسی دین سے استنکاف اور اعراض کرکے استیصال وبربادی اور ہمیشہ کے لیے خسران ونامرادی غرض کوئی نے ایک معاملہ کا ان کے ساتھ متعین ہوجاتا اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد وانکار پر مبنی ہے اسی مدعا کے لیے یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں خدا کرے یہ تخم ایک بار آور شجر کا ہو اور اس مراسلت کو مداومت بخشے - اس کے واسطے پہلی بات اس طرز وطریق کا متعین کرنا ہے کہ جو اس کے لئے اختیار کیا جاوے جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آرہے ہیں ایک یہ کہ مناظرے اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو دوسرے جو جو خرابیاں اپنے مذہب کی ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں ان کا شافی جواب لیے ہوئے ہوں اور اپنے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہی ہو - باوجود اس کے مختصر ہونے کے بنا پر عام اشاعت کے قابل ہو مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے غرض میں ایک نااہل شخص قابل ویگانہ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی رعایت ضروری ہے

ہر آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہ، وماعلیہ پر کافی نظر کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد رسول ﷺ کی بارگاہ کی سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تندہی سے شروع کر دیا جائے پھر حق تعالیٰ اپنے وعدے کے موافق حقاعلینانصر المؤمنین .ان تنصرو الله ینصرکم. کتب الله لاغلبن انا ورسلی.انالننصر رسلناوالذین آمنوا . کشتی کو کسی کنارے لگا ہی دیں گے رائے سامی سے مطلع فرمادیں۔

والسلام .

بقلم مولانا احتشام الحسن کاندھلویؒ

بخدمت شریف جناب مکرمی و محترمی دام مجدہ

پس از سلام و نیاز خادمانہ گزارش یہ ہے کہ حضرت عالی کے مقدس خیالات علوم دانی ودینی دل سوزی پر نظر کر کے عرض ہے اور خدا کرے کہ بارگاہ والا کی جناب سے مردود نہ ہو بلکہ باریاب ہو۔ اللھم آمین۔ جو کچھ خاکسار کا مطلوب وہ بہت ضروری اور نہایت ضروری ہے۔ بلحاظ اپنی ہمت کے نہایت آسان اور بہت ہی آسان ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری غفلت سے ممتنعات ومحالات میں شامل ہو رہا ہے وہ یہ کہ پوری پوری قوت واعانت وہمت کے ساتھ افراد مسلمین کو ان کے گھروں پر جا جا کر اور مختلف ذرائع سے قوت بہم پہنچا کر ہر ہر فرد کو تبلیغ اسلام میں عمر کا ہر ہر لحظہ ہر سانس خرچ کرنا دشوار ہے تو کم از کم ایک ایک سال دو دو سال اپنی تمام عمر سے تبلیغ اسلام میں کوشش کرنے پر آمادہ کیا جائے اس بات کو ضروری سمجھ رہا ہوں لیکن اب تک اپنی غلطی سے متمنع ودشوار سمجھ رہا تھا۔ اب چند ماہ کی خفیف کوشش سے نمایاں آثار دیکھ کر بالبداہت نظر آرہا ہے کہ جب مجھ سے ضعیف ناچیز بے علم وبے زر بے سرمایہ تحلیل التعلقات ایک بے حقیقت کی کوشش خلاف امید اثر رکھتی ہے تو ستونان دین اور معتمدان مذہب وملت کماحقہ اس طرف کو متوجہ ہو جائیں تو اسکے اثر و برکات پہلے ہی سال ان شاء اللہ اس درجہ مامول ہونگیں کہ نہ زبان اس کے بولنے کی ہمت کرتی ہے برائے خدا اس بارے میں کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جائیں مشارق انوار میں حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلے صفحہ میں ایک اثر ہے کہ قیامت کے دن مظلوم ظالموں سے اپنا حق لینے کھڑے ہوں گے ان مظلوں کے گناہوں کے بار ظالموں کے سر دھرے جائیں گے اس جانگداز وقت میں ایک جماعت مظلوموں کی ہوگی یہ اپنا حق جتائیں گے کہ ہم معاصی اور گناہ کے مرتکب ہوئے تھے اور تم ہم کو نہیں

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

روکتے تھے لہذا تمام اہل زمانہ کو ضروری ہے کہ ہر ہر لحظہ اس کے خلاف منکرات کا انہدام اور اطاعت کے انصرام میں پوری پوری سعی کرے جو حق مسلمانوں کے ہر ہر فرد پر فرض ہوگا اس میں علماء اسلام کی جماعت یقینا پیش پیش ہوگی لہذا براہ کرم میری معروض پر نظر کر کے جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے دوست تمہارے متعدد خطوط موصول ہوئے جس میں تم نے حضور اکرم ﷺ کے درد و کرب کے علاج کی کچھ جھلک پیدا کی اور ان لاکھوں ٹوٹے ہوئے دلوں کے مرہم کا نمونہ دکھایا جو اسلام جیسی زبردست نعمت، رحمت نورانیت وروحانیت والی زندگی کے ٹوٹ جانے کی بنا پر اضطراب اور بے چینی میں ہے اور ان بے انتہا مخلوق کی خلاصی کی صورت ایک معمولی سی جھلک دکھلائی جو بے انتہا مصائب کا شکار ہو کر حسرت و یاس اور رنج و کرب میں مبتلا ہو چکے ہیں میرے دوست آج بے انتہا اللہ رب العزت کی وہ مخلوق جس پر اللہ رب العزت کی شفقت ان ماؤں سے کہیں زیادہ ہے جن کو اپنی اولادوں پر انتہائی شفقت ہو اسی لیے تو انبیاء کرام نوازے گئے اور ان کے درجات بلند کیے گئے انہوں نے ان میں گھس کر خود تکلیفیں اٹھا کر اسی طریق حیات پر ڈالا جس پر اللہ رب العزت کی رحمتوں کے دہانے مخلوق پر امڈ پڑے۔ میرے دوست وہ ہی بلند کام انسانوں کو بلا اور مصائب سے نکال کر رحمت وانعامات کے منظروں میں داخل کرنے کے لئے جو زندگی اللہ رب العزت نے انسانوں کو مرحمت فرمائی اسی کا نام اسلام ہے اور جو آج ہم میں سے بالکل مفقود ہے اسی کی جد جہد کے لیے اپنے دوست واحباب کو متوجہ کر رہے ہیں لیکن ذرا مخلوق کے مصائب کی مقدار کو دیکھو اور حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے وجود میں آنے کی جھلک کو دیکھو۔

میرے دوست یہ وقت اپنے دوستوں کے لیے بہت فکر کا وقت ہے اور آج اس کی فکر کے بقدر ہی کل کو موت کے بعد اولین وآخرین کے سامنے آگے بڑھا دیا جائے گا اور بڑے بڑے انعامات کی بارشیں ہوں گی۔ میرے دوست طاقت خرچ کرنے کے دو رخ ہیں۔ اللہ رب العزت پر طاقت خرچ کرنا جو سراپا نور ہے اور نور سے نیکی وجود میں آتی ہے اور نیکیوں سے رب العزت کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور انعامات امن وچین عافیت وعزت اور محبت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور انسان اپنے میں روحانیت محسوس کرتے ہیں اور زندگی کا کیف پیدا ہوتا ہے سارے

عالم اور تعیش کا مزہ اس کے سامنے ہیچ ہے جتنا اس انسانیت کی طاقتوں کے خرچ کرنے کا رخ اللہ پر پڑھے گا اور موت، کے بعد کا میدان سامنے ہوگا اور اللہ رب العزت کی خوشنودی رضامندی مطلوب ہوگی خود اس طاقت میں نیکیاں پیدا ہوں گی اور نیکیوں سے حالات بدلیں گے فضائیں بدلیں گی دوسرا رخ ان کے ماسواء پر طاقت خرچ کرنے کا ہے جو مخلوق ہے اور مخلوق میں ظلمت ہے اور ظلمتوں میں بدی ہے اور بدیوں پر بلاؤں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور انسانوں میں وہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں جوان کی ہلاکت کے مترادف ہوتے ہیں جس پر مادہ اور تعیش کی وقتی جھوٹی لذت پردہ ڈال کر انسانوں کو ہلاکت میں دھکیل دیتی ہے اسلام کی زندگی تبلیغی رخ پر طاقت خرچ کرنے سے آتی ہے اسی واسطے اس کو نوارنی وروحانی طریقہ حیات کہا جاتا ہے اور اللہ رب العزت اس راستے پر طاقتوں کے خرچ کرنے والے کے خود کفیل ہو جاتے ہیں اور اپنے ہاں ہر طرح کے غیبی خزانے ان کے لیے کھول دیتے ہیں اور ان کی وساطت سے اس عالم میں نامعلوم کتنی مخلوق پر رحمت کے اثرات پہنچتے ہیں اسی واسطہ اس طریقہ حیات کے لانے والے کے لیے رحمتہ للعالمین کا لقب اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن میرے دوست بہت ہی افسوس اور ندامت کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہماری طاقتوں کے خرچ ہونے کا یہ رخ مفقود ہو گیا کہ اپنی وقتی ضروریات میں لگ کر ساری طاقتیں اس میں خرچ ہونے لگیں جس سے عالم ظلمت کا گھر منکر بلاؤں کے بے انتہا دروازوں کو کھول چکا اور اس کے بند کرانے والی طاقت بہت ہی قلیل درجہ میں کڑھی کا سا اُبال متوجہ ہے اور ہمارے دوست اس پر خوش ہیں میرے دوست کچھ چمکا کرتے ہیں - انبیاء کرام نے انھوں کو مٹا کرامت کو چمکایا اور ہم ایسوں کو چمکا کر امتوں کے مٹنے پر قناعت کر چکے **فا لی اللہ المشتکی** .

مبارک ہیں وہ لوگ جو مخلوق کی اس پریشانی کے وقت اپنی کسی چیز کو تصور میں نہ لائیں ، اپنا راحت وآرام اپنے بیوی بچے اپنی ضرورتوں اور دنیا کے ہر طرح کے حوادثات کو نظر انداز کر کے حضور اکرم ﷺ اور ان کے بے انتہا متبعین درد وکرب وبے چینی مراقبہ کرتے ہوئے دن انکے انتہائی جدوجہد میں راتیں اللہ رب العزت کے سامنے انتہائی گریہ زاری کے ساتھ اور درد وبے قراری کے ساتھ گزاریں وقتی پسندیدگی اور کچھ معمولی سا وقت دے دینے سے یہ زندگی وجود میں نہیں آئے گی جب تک کہ دنیاوی اغراض سے نگاہیں پھیر کر دیوانوں کی طرح پھرنے والے متعدد مقدار میں وجود میں نہ آجائیں اس کے لیے بہترین زمین غرباء کی ہے مصائب کے تحمل سے بھوک پیاس فقر وفاقہ کی محبوبیت سے اور اپنی ضرورتیں کچل کر حضور اکرم ﷺ کی چیزوں کی محبت میں جدوجہد کرنے سے

ان کی چیزوں کے ساتھ مناسبت جلدی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ مایہ، غرباء کو حاصل ہے۔ تھوڑی کوشش پر وہ اس کے زیادہ اوقات دینے پر آمادہ ہوجاویں گے اور اس کے لیے جتنے اوقات کی مقدار بڑھے گی ایک زندگی موجود ہوتی چلی جائے گی اس مبارک زندگی کے وجود پر ہر طبقہ خود بخود گھستا چلا جاوے گا اس واسطے غرباء کا فکر لگانے کا اور ان کے ٹوٹے دلوں کو حضور اکرم ﷺ کے کام میں لگا کر ان کی اور ان کے مجمع کے ساتھ۔

ڈاک خانہ ڈاسنہ ضلع میرٹھ

بخدمت مولانا برمز اللہ صاحب امام مسجد مکان حکیم صاحب موضع ناہل

مکرم و محترم بندہ مولانا صاحب ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے حالات محمد شفیع صاحب سکندر آباد سے جو ابھی ڈاسنہ مسوری وغیرہ سے واپس آئے ہیں معلوم ہوئے میرے بزرگ آپ نے حضور اکرم ﷺ کے درد و کرب کے علاج کی کچھ جھلک پیدا کی ہے جو اسلام جیسی زبردست نعمت ورحمت نورانیت ، روحانیت والی زندگی کے ٹوٹ جانے کی ایذا پر اضطراب اور بے چینی میں ہے۔ میرے بزرگ یہ وقت اپنے دوستوں اور بزرگوں کے لیے بہت ہی فکر کا وقت ہے اور آج اس کے فکر کی بقدر ہی کل کو موت کے بعد اولین آخرین کے سامنے آگے بڑھا دیا جائے گا اور بڑے بڑے انعامات کی بکھیریں ہوں گی اسلام کی زندگی اس کے سیکھنے اور سکھانے کے لیے دوڑ دھوپ اور نقل وحرکت طاقت خرچ کرنے سے آتی ہے اسی واسطے اس کو نورانی اور روحانی طریقہ حیات کہا جاتا ہے اور اللہ رب العزت اس راستے پر طاقتوں کے خرچ کرنے والے کے خود کفیل ہو جاتے ہیں اور اپنے ہر طرح کے غیبی خزانے ان کے لئے کھول دیتے ہیں اور ان کی وساطت سے اس عالم میں نہ معلوم کتنی مخلوق پر رحمت کے اثرات پہنچتے ہیں آج ہماری ساری طاقتیں وقتی اور فانی ضروریات کی فکر میں خرچ ہورہی ہیں جس کی وجہ سے اللہ کی بے انتہا مخلوق مصائب کا شکار ہوچکی ہے اور کسی کے دل میں کسی کی طرف سے رحم کی بوتک نہ رہی مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنا راحت وآرام اپنے بیوی وبچے اپنی ضرورتوں و دنیا کے ہر طرح کے حوادثات کو نظر انداز کرکے حضور اکرم ﷺ اور ان کے بے انتہا متبعین کے درد و کرب کا مراقبہ کرتے ہوئے دن ان کے لئے انتہائی جدوجہد میں اور راتیں اللہ رب العزت کے سامنے گریہ وزاری وبے قراری کے سات گزاریں اور یہ زندگی وجود میں نہیں آئے گی، جب تک کہ دنیاوی اعزاز سے نگاہیں پھیر کر دیوانوں کی طرح پھرنے والے متعدد تعداد میں وجود میں نہ آئیں۔ اس لئے بہترین زمین غرباء کی ہے۔ مصائب کے تحمل، بھوک وپیاس، فقر وفاقہ کی محبوبیت اور

ان ضرورتوں کو کچل کر حضور اکرم ﷺ کی چیزوں کی محبت میں جدوجہد کرنے کی مناسبت ان میں جلد پیدا ہوجاتی ہے۔ تھوڑی کوشش پر وہ اسکے لیے زیادہ اوقات دینے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ آپ کا اپنے موضع سے معہ احباب اور متعلقین تشریف لانے کا انتظار رہے گا اور قرب وجوار کے ائمہ صاحبان کو بھی حسبہ' یاددہانی فرماکر ان کے وعدوں کے بموجب ہمراہ لانے کی پوری قوت کے ساتھ سعی فرمائیں۔

مولانا کفایت اللہ صاحب

مدرس مدرسہ سعیدیہ محلہ مہندیان شاہجہاںپور

مخدومی ومکرمی و معظمی جناب مولٰنا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

حضرت عالی کے متعدد خطوط موصول ہوئے اور شدّت اہتمام میں ان کا جواب اپنے ہی قلم سے طے کیا اور ہر ان ایام میں اسفار کی بھی زیادتی رہی کئی مرتبہ ہفتہ عشرہ تک کے لیے بھی غیبوبیت رہی۔ اپنا طبعی ضعف، تغافل، تکاسل دکان اور اس دور میں آنے والوں کی کثرت ارادہ کی کامیابی میں مانع رہیں۔ کئی مرتبہ تو لکھنے کے لیے بیٹھا مگر انہی صورتوں میں سے کوئی سی بات پیش آگئی۔ حق تعالٰے شانہ' جناب کو اجر مرحمت فرماویں اور اپنی بے انتہا نعمتوں اور رحمتوں سے نوازیں اور آپ حضرات کے حسنِ ظن و محبت کے صدقہ میں اس عاجز و گنہگار کو معاف فرمادیں۔ جناب عالی بندے کے اس کام کے حقوق کے تحفظ و فکر کے ساتھ ادا کرتے ہوئے اس عالم سے جَانے تک کے لیے خصوصیت کے ساتھ مخصوص اوقات میں متوجہ ہوں اور دعائیں فرمائیں، جناب عالی جیسے مخلص اہل علم سے ناراضگی تو اپنے لیے انتہائی خسران ہے اور اس کا تصور بھی اپنے لیے حد سے زیادہ گناہ۔ جناب کی طرف سے کوئی بھی بات تکدر کی بھی اپنے تصور میں نہیں آئی۔ اور کیسے آتے۔ آپ حضرات اہلِ علم کی محبت ہم پر فرض ہے، آپ کے حقوق پہچاننا اور عظمت واحترام اور آپ کے ساتھ تعلق اپنے لیے ذریعہ نجات ہے۔ اللہ ہمیں اس کے لیے توفیق دیں۔ جناب عالی کی مساعی مبارک اور مداومت کے ساتھ اس مبارک سنت جلیلہ ورفیعہ کی صورتوں میں لگا رہنا اور اہم مواقع پر خصوصیت کے ساتھ اس کے لیے کوشاں ہونا بہت ہی مسرت اور خوشی کی خبر ہے۔ حق تعالیٰ شانہ' جناب عالی پر اپنے بہت انعامات رحمت وانوارات کا نزول فرماویں اور اہل علم کو آنے والے زمانوں اور نسلوں تک پوری طرح سیراب و منتفع فرماویں، مداومت اللہ رب العزت کے یہاں انتہائی محبوب ہے۔ اس کا کہیں وجود انتہائی غنیمت وقابل شکر ہے۔ حضرت عالی کے رمضان المبارک

ہیں، مع رفقاء کے آنے کی خبر ہی نے انتہائی خوشی پیدا کی - حق تعالیٰ شانہ' جنابِ عالی کو انتہائی کامیابی نصیب فرمائیں اور اس سفر کو اس مبارک سنت جلیلہ کے اس کے صحیح اصولوں کے اہل علم اور باب بصیرت واہل حل وعقد کے ہاتھوں میں جانے کا ذریعہ فرمادیں، تاکہ یہ مبارک سنت انہوں کے ہاتھوں میں جاکر انوارات نبویہ سے منور ہو کر چمک اٹھے اور اہل عالم کو بہت سی آنیوالی صدیوں تک اس سے پورا پورا فیضان وانتفاع ہو- اللہ رب العزت آپ کو اس کے لیے پوری طرح ذریعہ فرمائیں- آپ کی مساعی کے ذریعہ اس خالی کو بھی قبول فرمائیں- آپ جیسے اہل علم حضرات کے اس کے اصولوں میں بصیرت پیدا کرنے کے بغیر ایک انتہائی چمکدار و قیمتی شے جاہلوں کے ہاتھوں میں ہونے کی بنا پر محل ضیاع وخطرہ میں ہے- خدا کرے اہل علم آپ کے ذریعہ اس کو پوری پوری کوشش اس کے چالو ہونے کے پورے اصولوں کے ساتھ اور ان پڑھ لوگوں سے اخذ کر کے پورے اہلِ عالم کو سیراب کردیں - جن کو ایک رونے والے نے اپنے کمال خلوص اور مساعی سے اس کے اصول سکھلادیئے تھے-

اے میرے عزیز دل وجان کے اندر گھر کئے ہوئے دوستو!
اللہ آپ کو خوش رکھے-

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

میں آپ کے خط کو دیکھ کر حیران رہ گیا- آپ کو مجھے اس بارہ میں خط لکھنے کی جرات ہوئی- میں جناب کی خدمت میں کئی سال سے کیا بات عرض کررہا ہوں اور اس کے لئے کئی دفعہ آپ کے یہاں آچکا ہوں -اور اس کے لئے ایک مستقل آدمی ایک زمانہ سے مقیم ہے، میری ساری معروض کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو عادات مقرر ہیں -اس کی بارگاہ سے اس کے خلاف حاصل کرنا یہ غلط ہے غلط اللہ نے اپنے محبوب پاک ﷺ کی بے مثل بے نظیر گرامی ذات کے ہاتھ اور ان کے واسطے سے جو طرز زندگی ہمیں کرامت عنایت فرمایا ہے-اس نے اپنی مخلوق کی منفعت کے طریق تحصیل اور تمام مصائب کی حفاظت اور سد سکندری اس طرز زندگی کو بتایا ہے -ہر مصیبت کو نظر انداز کر کے اپنی ہر مصیبت کو چاہے وہ اس عالم کی ہو چاہے مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے اور اس کی ہر خیر و برکت چاہے وہ خیرو خوبی اس عالم کی ہو یا مرنے کے بعد عالم کی ہو اس اسکیم میں منحصر سمجھتے ہوئے تمام شوز مارکیٹ والوں کو اس اسکیم کو اپنے جزو زندگی بنانے میں ہر علاج سے مقدم فرمادیں- اگر تمام شوز مارکیٹ والے اس اسکیم کے پابند ہوتے تو میرے ناچیز نظر میں جو عادات خداوندی سے امید رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ روسیاہ کبھی بھی دیکھنے میں نہ آتا- اور بجائے اس روز

سیاہ کے جو فروغ کہ اب تک مارکیٹ کو تھا اس فروغ کے لئے مارکیٹ ایک جزو بن کر اس کی شاخیں نہ صرف آگرہ ہی آگرہ میں ہوتیں بلکہ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا جانے اس کی کتنے شہروں میں شاخیں آب و تاب کے ساتھ پھیلی ہوئی ہوتیں، اسکیم کو ٹھکراتے ہوئے اور اس کی ناقدری کرتے ہوئے یہ جو کچھ بھی پیش آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں۔ اب جو چیز بلاؤں کے دفع اور جن فروغ کے وجود میں آنے لے لئے وہ ایک منظم اسکیم اللہ کی اتاری ہوئی ہے۔ اس منظم اسکیم کا بدل صرف ایک شخص کی دعا کیسے ہوسکتی ہے۔ اگر واقعی آپ کو اس بلا کا علاج مد نظر ہے تو آپ تمام شو مارکیٹ کو جمع کرکے اس کو شروع کریں اور شروع کرنے کے ایک ہفتہ بعد اطلاع دیں۔ حاضر خدمت ہو کر اول امرا اسکیم کے اصولوں اور اس پر استقامت درستگی کے ساتھ بلا پس و پیش کے بعد میں امید رکھتا ہوں کہ تھوڑی سی دعاء استغفار اس بلا کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ایسی قوی تاثیر رکھے گا جو اللہ چاہے معجزات سابقہ کا ایک نمونہ ہوگا۔ اپنی ہوا و ہوس پر زندگی کی بنیاد ڈالے ہوئے صحیح دین کے فروغ کے منتظر رہنا بہت غلط ہے۔ بقول اس شعر کے

گندم از گندم بر دید جَو ز جَو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

بہر حال مجھے دعا سے انکار نہیں۔ میں آپ سے کچھ جدا نہیں جو ایک مسلمان پر پیش آیا وہ سب ہی پر آیا۔ مگر ہر بارگاہ میں اس کے قوانین کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے اور اس کے قوانین ہی کے ماتحت مقصد برآری ہوسکتی ہے۔

عنایت فرمایم بناب حکیم رشید احمد صاحب و مولوی نور محمد صاحب

عرض آنکہ موضع بیوان سے ایک متعلم کے ہاتھ ایک عریضہ بنام حافظ عبد الحمید صاحب چربی والے اور ایک چمڑا حافظ موصوف کے بھیجنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ نہ معلوم کس وجہ سے دہلی اب تک نہ پہنچا۔ جہاں تک ہوسکے کسی جانے والے کے ہاتھ اہتمام سے روانہ فرمادیں۔ ضروری اہم بات یہ ہے کہ میرے احباب اپنی خصوصی کوششیں اور اصلی سعی اور اپنے خیالات اور قلوب کی توجہ کا رخ اپنے ان اصول کی غایت پابندی کے ماتحت تبلیغ کے فروغ دینے ہی میں مشغول رکھیں۔ ہر نیا کھڑا ہونے والا فتنہ انشاء اللہ تعالیٰ اس رویہ سے خود بخود فرو ہوگا۔ ورجہ بہت خطرہ ہے کہ طبائع کی چھیڑ چھاڑ کے ساتھ خود طبعی مناسبت ہونے کی وجہ سے یہی سلسلہ خدا نخواستہ پائدار نہ ہوجائے اور تبلیغ کا راستہ خدا نہ خواستہ ضعیف نہ ہوجائے۔ البتہ سب کی رائے کہیں صریح منکرات کے دلائل پر ہوجائے تو کبھی کبھی ان دلائل

میں قوت اور زور کے ساتھ مطالبہ کرنے میں مضائقہ نہیں۔ ورنہ میرے خیال میں تو وہی بات ہے کہ تمام ملکی جامعوں اور مجامع میں اس مضمون کی اشاعت کا اہتمام کر لیا جائے جو قوم کلمہ طیبہ، نماز کے اندر کی چیزوں کی تصحیح اور کلمہ شہادت کے مضمون پر اب تک پوری طرح مطلع نہ ہوئی ہو جو اسلام کی بنیادی چیز ہے تو بنیادی چیز کو چھوڑ کر ادھر ادھر کی چیزوں میں مشغول ہونا سخت غلطی ہے۔ اوپر کی چیز بغیر بنیادی چیزوں کے صحیح ہوئے درست نہیں ہوا کرتی۔ دیگر ہر جگہ تبلیغ کی کوشش عموماً اور اس کے مجمع اور اجتماع والے گاؤں میں اس کے ماحول میں اپنے اصول کی نہایت پابندی کے ساتھ تبلیغ کے فروغ میں بہت زیادہ کوشش بڑھا دو۔ جہاں تک ہو سکے چھیڑ چھاڑ سے بہت بچتے ہوئے پھر بھی کہیں ضرورت پڑ جائے تو دلائل کے مطالبہ سے ہر گز کمی اور دریغ نہ کرو۔ مگر حریفوں کی اسلامی حرمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بہر حال آخر مضمون کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے احباب ان کے ساتھ سخت گیری کرنے پر ان کے ہمیشہ نکل جانے کا خیال ہو تو میں منع نہیں کرتا۔ میرے دوستو! آپ کے مدرسہ کی ظاہری عمارت کی پختگی کے اسباب ہو رہے ہیں۔ میرا دل اندر سے کانپ رہا ہے۔ کہ خدانخواستہ میرے احباب اس کی ظاہری فریفتگی میں باطنی تعمیر میں کچھ ہلکے پڑ جائیں۔ میری دلی تمنا ہے کہ ظاہری پختگی کو بہبود کی نظر سے دیکھتے رہیں۔ دلی تمنا سے نہ دیکھیں اور اپنی خوشی اور دل کی تازگی کا ذرا سا حصہ بھی اس میں مشغول نہ کریں۔

بخدمت شریف جناب محترمی منشی نصر اللہ صاحب

ایدنا اللہ و ایاکم بروح القدس

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

آپ کا خوشخبریوں سے بھرا ہوا۔ دل و دماغ کو معطر کرتا ہوا عنایت نامہ روح پرور ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضائے کامل اور رضوان و غفران سے مالا مال فرمادے۔ اور آپکی علالت طبع اور سر کے چکر اور ضعف طبع سے دل کو ملال ہوا لیکن اللہ کی دی ہوئی طاقت جیسے بھی ہے اسکو خرچ کرنا چاہیے۔ اور خوشی سے خرچ کرنا چاہیے۔ لیکن دو باتیں ملحوظ رکھنا ہیں۔ اول اس امر عظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کی نعمت کا دل و جان سے شکریہ اور اسی میں ایک جہان کو جان دینے کے لئے استقامت کے بہترین زمانہ کو اس میں خرچ نہ کرنے کی توبہ استغفار۔

آپ کے خط میں بڑی مسرت اس بات کی ہے کہ آپ نے اپنے پراؤوں کے حالات اور ان مقامات کے آدمیوں کے اسمائے گرامی کو ضبط کر کے تحریر فرمایا۔ اس بات کو تمام جماعتوں کو تاکید کرنی چاہیے تاکہ بعد میں آنے والی جماعتوں

کوکام دے۔اس وقت قاری داؤد کی خبر سے معلوم ہوا کہ اس اللہ کے شیر نے صفر کا پہلا جمعہ دیوبند بغرض تبلیغ پڑھنے کاارادہ کرلیا۔دفعتہ تو میں اس خبر سے چونک گیامیری ہمت سے بالاتر تھا۔لیکن غور کے بعد اس وقت دھیان چلاجانا قرین مصلحت اور نہایت امیدوں کے ساتھ وابستہ ہونا محسوس ہوا۔اسوقت وہ کل ۵-۶ رہ گئے ہیں۔اس واسطے آپ اپنی باگ ڈور ہمت توکلا علی اللہ دیوبند ہی کی طرف متوجہ فرماویں۔پانی پت سے قریب ترین راستہ معلوم کرکے دیوبند کی سیدھی باندھیں اور آئندہ جمعرات تک دیوبند پہونچ جاویں۔

حق تعالی آپ کی ہمتوں کو بلند اور مشکور فرماویں۔

دعامیں مجھے اور میرے سب عزیر واقارب اور دوستوں کو شامل رکھیں۔

فقط و السلام

ناچیز محمد الیاس عفی عنہ

بخدمت عنایت فرمائے منشی بشیر احمد صاحب و نمبردار محراب خاں

زادت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

عرض آنکہ بندہ جلسہ نوح کے بعد سخت پریشان ہے کہ اس مرتبہ جلسہ نوح میں ہمیشہ کے دستور کے موافق مہمانوں کے لیے کھانے کا کیوں انتظام نہیں کیا گیا۔کہ اس مرتبہ ہمیشہ کے کھانے کے لیے منتظمین کے لیے سعادت اور سرمایہ آخرت سے بہرہ اندوز ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی؟ اور کیا اب وہ آخرت کے سرمایہ جمع کرنے سے مستغنی ہوگئے؟ اس کا جواب بواپسی ڈاک بندہ کے پاس جلد بھیجا جاوے کہ کیا وجوہ ہیں جن کی وجہ سے کھانے کا انتظام نہ ہوسکا۔

والسلام

بخدمت عنایت فرمایم مولوی نور محمد صاحب

زادت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

عرض آنکہ سنہ ۵۵ھ کا تمہارا بھیجا ہوا خط نمبرارسال ہے۔اس رمضان المبارک کے اپنے خیالات اور مساعی کا اندازہ کرواور اب سنہ ۵۷ھ کا اس سے مقابلہ کرو۔یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ کام بالکل نہیں ہورہا اور ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ

زمانہ ابتداء کی وجہ سے جوش کا تھا جو کہ پائیدار نہیں ہوتا اور یہ زمانہ جوش کا نہین لیکن جتنا ہے پائیداری کا ہے۔ بہر حال اس وقت آپ کے خط کو مد نظر رکھتے ہوئے خصوصاً اس بات کی طرف توجہ کرنا ہے کہ یہاں سے مولوی عبد الغفور صاحب اور میاں جی محمد داؤد صاحب فیروز پور تبلیغ کے لیے گئے تھے۔ رمضان المبارک کے کئی روز پہلے سے گئے ہوئے ہیں مگر انہوں نے وہاں کی کوئی کیفیت نہیں لکھی۔ جس کا افسوس ہے۔ آئندہ سے روزانہ بذریعہ ڈاک وہاں کی کیفیت میرے پاس پہنچتی رہے۔ اس کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ دوم اس مبارک کام میں ایسے مبارک وقت میں اپنے احباب مثلاً منشی بشیر احمد۔ حافظ محمد صدیق صاحب، حافظ عبد الشکور صاحب، حافظ عبد الرحمن صاحب امام جامع مسجد، اسعد اللہ صاحب، حاجی عبد الغفور صاحب شریک ہوجایا کریں۔ تاکہ ایک تمنا جو عرصے سے چلی آرہی ہے شاید اس مبارک ماہ میں پوری ہوجائے ان دو باتوں کا آپ اور سب احباب خصوصیت سے اہتمام کریں۔ یعنی روزانہ تبلیغی کیفیت اور روزانہ نوح کی جماعت کی شرکت۔

والسلام

بخدمت شریف جناب چودھری میاں جی چاندل وچودھری امراؤ نمبردار فتو صاحب

سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

میرے دوستو! انسان کو اپنے اللہ پاک کے راضی کرنے کی، اپنے نفس اور اپنی زندگی کو باقی رکھنے سے زیادہ ضروری ہے۔

میرے دوستو! مرنے کے بعد والی زندگی کے سامان کی ناپائیدار زندگی کے سامان سے بہت زیادہ ضرورت ہے۔

میرے دوستو! ان دو کوشش میں لگا ہوا شخص مرنے کے وقت تروتازہ اور محمد ﷺ کے ساتھ سرخروئی سے منہ کر سکے گا اور محمدی دین سے غفلت میں مرنے والا روسیاہ اور محمد ﷺ کے سامنے منہ نہ کرنے کے قابل اور بری موت مرے گا۔ دین کے اندر کی کوشش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کا مرہم ہے۔ اتنی بڑی ہستی کے مرہم کا فکر نہ کرنا بڑی جہالت اور سخت بری بات ہے۔ لہذا میں تمہیں نہایت تاکید کے ساتھ توجہ دلاتا ہوں کہ مردانہ ہمت کے ساتھ ادھر اُدھر سے جن کو، کوشش کرنے والا سمجھو اپنے ساتھ لے کر اپنے گاؤں میں فی گھر دو مہینے کے لیے ایک ایک آدمی دین کے پھیلانے کے لیے ضرور پوری کوشش کریں۔ میرے دوستو تم بھی کھو اور سب کو سمجھاؤ کہ گھر کے جتنے آدمی ہیں وہ سب

ذرا اس تھوڑی سی زندگی کے سامان میں لگے رہیں اور فی گھر ایک آدمی مرنے کے بعد کی اتنی بڑی زندگی کے سامان میں اور وہاں کا سرمایہ حاصل کرنے میں لگا رہنا ضروری ہے آخر وہاں کے سامان کی بھی تو ضرورت ہے اگر ایسا کرو گے تو تمہاری دنیا میں بھی بڑی برکت اور بڑی ترقی ہوگی۔ تم خود نمبردار محراب کے کام کو دیکھو وہ خود اپنے گھر میں باوجود اکیلا ہونے کے دین کے اندر کوشش کرتے رہنے سے اس کی دنیا میں کچھ فرق بھی آیا بلکہ بڑی برکت ہوگئی۔

میرے دوستو! مرنے کے بعد کا وقت بہت سخت وقت ہے اور مرنے کے بعد کی گھاٹیاں بہت بھاری گھاٹیاں ہیں۔ ایسے بھاری وقت کے لیے دینی بات کی کوشش کرنا اس کے مقابلے میں کچھ بھاری بات نہیں ہے۔

میرے دوستو! اس کے اندر کوشش کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں سنتیں زندہ ہوں گی۔ اور ہر ہر سنت پر سو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ تم خود دیکھو، ایک شہید کا کتنا بڑا رتبہ ہوتا ہے۔

میرے دوستو! اس کام کے لیے نکلنے والوں کے قدم، میں امید کرتا ہوں کہ فرشتوں کے پروں پر پڑتے ہیں اور اللہ کے ہاں بڑا درجہ ملتا ہے۔ دنیا کی مخلوق اور آسمان کے فرشتوں کے دلوں میں اس کام کے کرنے والوں کی محبت اور وقار جمتا ہے۔

میرے دوستو! دین کے ہر کام میں تمہارا گاؤں آگے رہا ہے، اور سب سے زیادہ بہادر رہا ہے فی گھر ایک آدمی نکل جانا یہ نئی تحریک نہیں ہے۔ اس میں بھی سب سے آگے رہو۔ اگر تم نے اس پر جم کر کوشش کی، اللہ کی نصرت سے ضرور کامیاب ہوگے۔ اور پھر دوسروں کو بھی رغبت ہوگی اور وہ بھی کوشش کریں گے اور ان کے ثواب میں تم شریک رہو گے۔ میرے کہنے کو غنیمت سمجھو۔ بھلی بات کہنے والے ملتے نہیں ہیں۔ دیکھو بھلے کام میں کوشش کرلو۔ مرنے کے بعد کوشش کا موقع نہیں ملے گا۔ اور تمنائیں ہوں گی۔

۲۹/شوال سنہ ۱۳۵۷ھ

بخدمت جملہ محترمان، مخلصان، احباب مجاہدانِ راہ انبیاء

والاصحاب سلمکم اللہ ونصرکم اللہ ورحمکم وغفر لکم ویرضیکم عنہ ویرضی عنکم

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

تمہاری قابلِ رشک زندگی بڑی امیدیں لگائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کاموں کی دل سے عظمت دے اور وہ انشراحِ قلب نصیب فرمادیں جس سے یہ دنیا اور اپنی زندگی اور اپنے نفس ہماری تمہاری آنکھوں میں حقیر و ذلیل دکھلائی

خوشنودی ہر چیز سے بڑھی اور ہر چیز سے افضل اور محبوب و مرغوب ہو کر اس کی راہ میں اس کی رضا کے موافق کوشش کی تکالیف دلوں کی جلن ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری برکت سے مجھے اپنی معرفت رضا و خوشنودی والی حیات طیبہ کا مزہ چکھادیں۔ حقیقت میں مجھے تمہاری قدر کرنے کی بھی اہلیت نظر نہیں آتی۔ مگر میرے دوستو! اپنے وقتوں کو اور اپنی نیتوں کو اللہ جل جلالہ کی عظمت اور ذکر اور دھیان سے مشغول رکھنے میں اور لغو اور فضول امر سے محفوظ رکھنے میں ہرگز ہرگز کمی نہ کرو۔ مسلمان کتنا ہی کم درجہ کا ہو عظمت سے اسکی طرف نگاہ کی مشق کرو اور ذکر سے اپنی خلوتوں کو اور خلوص کے ساتھ اللہ کی نہایت عظمت لیے ہوئے دعوت الی الحق سے اپنی جلوتوں کو مشغول رکھو، ہمتیں بلند رکھو۔ ہاری تھکی طبیعت مت رکھو۔ ہشاش بشاش چلتا پھرتا، خوش خلق آدمی اللہ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے مقابل آخرت کی فکر میں ملال بھی اللہ کو پسند ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ غالب رنجیدہ رہنے کی تھی۔

میرے دوستو! مجھے تمہارے خطوط کا ہر وقت انتظار رہتا ہے موٹریں ہر وقت آتی رہتی ہیں۔ صدر بازار میں حاجی عبدالجید یا محمد نسیم وغیرہ کی دکان پر میرے نام کا خط بھیج دیا کرو۔ دیر سویر پہنچ ہی جایا کرے گا۔

اگر میری یہ بات پوری صحیح نہیں تو پوری غلط بھی نہیں اور میں اپنے عقیدے میں اس خیال کو جان سے زیادہ عزیز سمجھنا فرض سمجھتا ہوں۔ تم میرے دل کی تسلی سمجھ کر خطوط کے بھیجنے میں کمی نہ کیا کرو۔ مولوی نور محمد صاحب کا ایک عنایت نامہ راحتِ دل ہوتا ہوا پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش وخرم رکھیں اور جزائے خیر دیں۔ ہمتوں کو بلند اور مساعی کی توفیق عنایت فرمادیں اور اپنے فضل سے مقبول و مشکور فرمادیں۔ سب دوستوں سے سلام مسنون اور مضمون واحد۔

فقط والسلام

بخدمت محبان و دردمندان اسلام

بعد سلام مسنون کے گزارش ہے کہ جلسہ ہذا میں پھر آئندہ امورِ ذیل کی سعی فرمادیں گے۔

(۱) جملہ اہل جلسہ اور ان میں خاص کر پڑھے ہوؤں کو یٰسین شریف وغیرہ عملیات اور خصوصی نوافل اور مکتوبات کے بعد تبلیغ فروغ اور اسکی جڑوں کے مضبوط ہونے کی دعا میں مشغول رکھیں اور تبلیغ سے اصل مقصود اسی چیز کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کریں کہ قدم بقدم بلکہ سانس در سانس میں اللہ جل شانہ کی جناب میں رجوع اور التجا کی قوت پیدا

ہوتی چلی جاوے۔

(۲) تصحیح نیت کی سب سے زیادہ کوشش کریں یعنی احکامِ خداوندیہ کو سفلی مصالح اور اثرات سے قطع نظر اور کلیۃً نظر انداز کرتے ہوئے محض خدا کا حکم ہونے کی وجہ سے جاں نثاری اور اپنی جان کو ارزاں خیال کرنے کا دستور زندہ ہوتا چلا جائے۔

(۳) ذیلداروں، پٹواریوں، نمبرداروں، اور سفید پوشوں کو بڑی کوشش منت وسماجت سے اس طرف متوجہ کیا جائے۔

(۴) جن گاؤں میں پہلے سے مکتب موجود ہیں ان میں فی گھر ایک بیرونی طالب علم رکھیں جس کا سارا خرچہ گھر والوں کے ہی ذمہ رہے اور میوات میں جس قدر گاؤں ہیں کہ جن میں مدرسہ نہیں ہے ہر ایک میں اسی طرح مدرسہ قائم کریں کہ جس سے مدرس کے اخروی اجر کا شوق لیے ہوئے کوشش کرے اور گاؤں والے مدرس کے خرچہ کو اپنی بہبودی اور دارین کی فلاح خیال کریں۔

(۵) ضلع کے جس قدر اجزاء ہیں ہر ہر جز کی علمی درآمد کی کوشش اور اس کو چالو کریں اور پھر اس کی نگرانی کا انتظام کریں۔

(۶) مدرس اور مدرسہ کی نگرانی کا پورا پورا انتظام کریں اور انتظام ہر جزوی نگرانی کا ہو۔

(۷) میوات کے تمام ملک میں ہر گھر میں ایک آدمی مرنے کے بعد والی زندگی گھر کے درست کرنے کے لیے، ملک بملک پھرنے کے لیے اور باقی تمام گھر والے صرف تین دن کے لیے اپنے ملک میں دین پھیلانے کو لازمی خیال کریں اور یہ مقدار بمنزلہ زکوۃ قرار دے کر باقی سب وقت اپنے معاش کے کمانے میں مگر حرام وحلال کا دھیان رکھتے ہوئے اور شرعی احکام کی پابندی کرتے ہوئے مشغول رہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دارین کی نعمتوں سے مالامال دنیا بھی ہوگی اور آخرت کے لیے بڑا درجہ پائیں گے۔ **دوسروں کے عیبوں کی اصلاح کا نرم طریقے سے فکر رکھے تاکہ اس سے محبت**

فقط والسلام

مکرم عنایت فرمایم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

پس از سلام مسنون واضح ہو کہ ایک خط اس سے قبل روانہ کر چکا ہوں پہونچا ہوگا، تقاضے کے واسطے کوشش کی ہے

جب تیار ہو جائے گا روانہ کر دیا جائے گا- میاں جی عبد القادر صاحب نے یہ جواب دیا ہے کہ روپیہ پندرہ بیس روز میں دے دوں گا- میاں جی محمد داؤد صاحب آج کل کہاں پر تبلیغ کا کام کر رہے ہیں اور کیا کام کیا اور کیا کام دن میں انجام دیتے ہیں - اس کو مہربانی فرما کر مفصل تحریر فرمائیں-

میاں جی محمد داؤد صاحب کو ایک جگہ پر رہنے کے لیے نہیں بھیجا ہے- بلکہ جا بجا مکاتب قائم کرنے کے لیے اور صوم وصلوٰة پر آمادہ کرنے کے لیے بھیجا ہے- مکاتب کی از خد خصوصاً سعی فرمائیں-

والسلام

بندہ محمد الیاس بقلم حبیب الرحمن

عنایت فرمایم جناب عشرت صاحب زادت عنایتکم

عرض آنکہ آدمی کو پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہیئے- اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** کثرت سے پڑھتے رہا کرو- ہر کام اپنے وقت پر مقدر ہے اور جب اس کام کا وقت آتا ہے تو ہو جاتا ہے اگر اس پڑھنے پڑھانے کے درمیان کوئی سختی پیش آجائے تو استقلال سے کام کرنا چاہیئے، پھر انشاء اللہ جلدی خلاصی ہو جائے گی-

فقط والسلام

بخدمت میاں جی داؤد صاحب

عرض آنکہ تم پریشان مت ہو اور خرچ کی تنگی مت اٹھاؤ- جو کچھ ضرورت ہو وہ مجھے لکھ دیں- یہاں سے بھیجدوں گا- اور بیوی کو خرچ کی تنگی کی وجہ سے یہاں پر مت بھیجو- اپنے کام پر اطمینان سے لگے ہو-

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس

بخدمت عنایت فرمایم حافظ محمد سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا کئی دن ہوئے عنایت نامہ آیا- داؤد کے متعلق آپ بار بار تقاضا کر رہے ہے اور میں بھی تمہاری تحریر کے اطمینان پر چاہتا ہوں کہ اسی جانب میں رہے چاہے تبلیغ کے طور پر گشت کرے اور چاہے سہار کے آس پاس کسی جگہ پر مدرس ہو کر رہے، بہر حال آپ دونوں صاحب جبکہ باہم ہم خیال ہیں اور خلوص کے ساتھ دین کی ہمدردی میں دین کی

اشاعت چاہیں گے تو متفق ہو کر اور ایک جگہ ہو کر زیادہ بہتر اور مناسب ہو گا مگر مجبوری یہ ہے کہ داؤد نہایت مقروض ہے اس لیے قرضہ اترنے کے لیے آمدنی کی صورت ہونی ضروری ہے۔ سو میرے پاس ایسی ظاہری صورت نہیں ہے کہ اس کی خاطر خواہ خدمت تبلیغ کے مقابلے میں کرتا رہوں اور نہ وہاں کوئی آمدنی کی شکل ہے۔ اس لیے اس کی روانگی میں تامل ہے۔ میں اس کو بالفعل کسی کافی تنخواہ کی جگہ رکھنا چاہتا ہوں۔ البتہ قرضہ اتر جانے کے بعد بلا تنخواہ کے موقعہ پر بھی اسکو اجازت دے سکتے ہیں۔ جب تک قرضہ ہے اس وقت تک تمہارے پاس جبکہ کوئی آمدنی کی شکل نہ ہو بھیجنا مناسب نہیں۔ عبد الصمد کا قصہ حقیقت میں بہت پریشان کر رہا ہے وہ اگر تمہارے نے معافی چاہ کر اور تمہارے مطیع ہو کر نہ رہے تو اس کو میرے پاس واپس کردو۔ پہلے بھی بارہا تحریر کر چکا ہوں۔۔۔ فقط والسلام۔ میاں شیخ اکبر صاحب کے قصے سے مطلع کرتے رہو۔ میں ضرور اس قصے کے لیے آتا مگر ایسی رکاوٹیں بیچ میں پڑی ہوئی ہیں جو نہیں آنے دیتی ہیں۔ بندہ کی طرف سے سب لوگوں کو سلام پہونچادیں اور تمام لوگوں کو سمجھاؤ کہ جھگڑے کا انجام برا ہے۔ سلوک رکھو اور جھگڑے ختم کردو۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

بخدمت میاں جی قاری داؤد احمد صاحب زادت فیوضکم ومیاں عشرت
زادت عنایاتکم.

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

آپ صاحبوں کی عنایتوں اور محبت کا میں شکر گزار ہوں، اللہ تعالیٰ ہماری محبتوں کو للہی اور خالص فرما کر ان کی برکات سے دارین پر ہمیں متنفع فرمادیں الحمدللہ میں خیریت سے ہوں، کچھ معمولی زکام ہے۔ اپنے دوستوں سے دُعائے خیر کا خواستگار و محتاج ہوں اور ترقی درجات اور پریشانی کے دفعیہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن

عنایت فرمائے حافظ سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

پس از سلام مسنون آنکہ جو طلباء آپ کے مدرسہ میں اس لائق ہوں کہ وہ نماز پڑھا سکتے ہوں، ان طلباء کو سہار کی مسجدوں میں مقرر کردیا جائے۔ جہاں اچھے نمازی ہوتے ہوں وہاں پر پانچوں نمازیں پڑھا دیا کریں اور جہاں پر زیادہ نہ ہوں وہاں پر کسی ایک دو وقت کی پڑھادیا کریں تو بہت ہی بہتر ہو۔ اس صورت میں دینی و دنیوی دونوں منافع ہوں گے تم کو بھی اور عوام کو بھی۔ فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن غفرلہ'

عنایت فرمایم جناب حافظ سلیمان صاحب

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

خط تمہارا موصول ہوا اور دیگر خطوط محمد اقبال کے ہاتھ موصول ہوئے آپ لوگوں کی فرطِ محبت کی وجہ سے میں مسرور بھی ہوں اور محجوب بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری محبتوں میں اخلاص پیدا فرمادیں۔

میاں جی داؤد صاحب کو بعد سلام مسنون کے یہ سمجھادیں کہ در حقیقت جو کچھ بھی کام کرنے والے ہیں وہ باری تعالیٰ ہیں نہ انبیاء بغیر اس کی مشیت کے کچھ کرسکتے ہیں۔ اگرچہ ہزار کوشش کریں اور نہ اولیاء اور نہ بڑی سے بڑی قوت والے غرض بغیر اللہ کی مشیت کے کوئی بھی دنیا میں کچھ نہیں کرسکتا اور حق تعالےٰ میں سب قدرت ہے کہ چھوٹے چھوٹے ابابیل پرندوں کے ہاتھوں سے فتح دلوادی تو جب حق تعالیٰ ہی کام کرنے ہیں اور قوت اور زور کو کچھ دخل نہیں تو اگرچہ تم کتنے ہی ضعیف ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ تم سے وہ کام لے لیں جو بڑے بڑے واعظوں سے بھی نہ ہوسکے، اور حق تعالیٰ کسی کام کو روکنا چاہتے ہیں تو چاہے انبیاء بھی کتنی ہی کوشش کریں تب بھی کچھ ذرہ نہیں ہل سکتا، اور اگر کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ لیں گے۔ غرض کہ جبکہ ہمارے پاس تمہارے جیسے ضعیف ہیں حق تعالیٰ تم ہی سے سب کام لیں گے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ اور اپنی خستہ حالی اور ضعف پر ہرگز نظر مت کرو۔ اور ظاہر میں کوشش کرو اور باطن میں اللہ کی طرف رجوع کرو۔ توے کے متعلق کوشش ہوگئی ہے تیار ہونے پر بھیجدیا جاوے گا۔

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن غفرلہ'

بخدمت میاں جی داؤد و عشرت صاحب

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

تمہاری اس فکر سے ملال ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری فکر کو رفع فرمادیں اور رنج کو دور کریں۔ اللہ کے پاس نظر رکھو۔ اللہ کی رحمت کے دل وجان نے یقین کے ساتھ منتظر اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل کثرت سے پڑھا کرو اور یہاں میں دُعا کرتا ہوں اور وہاں قاری داؤد سے دُعا کراتے رہو۔ خدا چاہے بھلا ہوگا۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن غفرلہ'

بخدمت میاں جی داؤد صاحب

السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ

تم سے ملے ہوئے بہت دن ہوگئے وہاں کے پریشان کن حالات اور لوگوں کی ناقدردانی کی کیفیت سے افسوس ہوتا ہے مگر الحمدللہ کہ تم قدردانی کے لیے وہاں پڑے ہوئے ہو اور نہ یہ قدردانی مطلوب ہے جس ذات کی رضا کے لیے پڑے ہوئے ان شاء اللہ وہاں قدر ہوگی اور وہ کافی ہے۔

پھر لوگ قدر نہ کریں تو نہ کریں امتحان کے بارے میں میاں احتشام بھی قاری صاحب کو سخت بتلا رہے ہیں بعض جگہ سے ان کا نرم ہونا معلوم ہوتا ہے خدا جانے کیا قصہ ہے بہرحال آپ ذوق وشوق اور توجہ کے ساتھ ہمت سے مصروف رہیں اللہ کا حاضر وناظر ہونا کافی ہے، دیانتداری سے محنت کرتے رہیں اس جانب میں کوئی جلسہ ہونا چاہیے میاں سلیمان تو یہاں سے اپنے لڑکپن سے چلا گیا اب کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو ایسے امور میں تندہی کے ساتھ لوگوں کو آمادہ کرکے انجام دیا کرے افسوس انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقط والسلام

برائے خرچ روانہ ہیں۔

تمہارے خطوط سے راحت اور تازگی ہوتی ہے تم خط کے بھیجنے میں دیرمت کیا کرو اپنے اوقات جو کچھ تم نے تحریر کیے ہیں وہ نہایت شکر کے قابل ہیں تم اس طرح سے وقت گذرنے کا کچھ شکر بھی ادا کیا کرتے ہو یا نہیں، قرآن پاک اللہ پاک کی بڑی نعمت ہے اس کو تعظیم وتکریم اور ذوق وشوق اور حلاوت سے پڑھو، پڑھاؤ تم خوش نصیب ہو کہ جو مشغلہ تمہیں نصیب ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میرے اوقات بھی حق تعالیٰ شانہ بہترین مرضیات میں

مصروف فرمائیں ۔ تم نے اپنی اہلیہ کی خیریت اور حال نہیں لکھا ان کو سلام کہدو اور حال لکھو کیا پڑھتی ہیں تمہیں کسی قسم کی تکلیف ہو اطلاع کرو اور تبلیغ کا کچھ حال نہیں لکھا تبلیغ اور اشاعت دین میں گشت کرنے کے لیے تم نے کوئی دوست دیندار مسلمان آمادہ کیے یا نہیں یہ بڑے اجر و ثواب اور اللہ کے بڑے تقرب کی عبادت ہے بڑی کوشش سے کرو، کبھی کبھی سہار تبلیغ اور دین کے کام پر سب کو آمادہ کرنے کے لیئے ہو آیا کرو، ذکر کی مقدار تم نے بہت غلط لکھی ہے ۔ لاالہ الااللہ دو تسبیح پھر الااللہ چار تسبیح پھر اللہ اللہ چھ تسبیح سب میں قوت وہمت اور تعظیم اور حلاوت ملحوظ خاطر رہنی ضروری ہے ہمیشہ مواظبت رہے ترک نہ ہو کبھی کبھی اپنا بندوبست کر کے یہاں بھی چلے آیا کرو۔

اپنے شاگردوں اور نمازیوں کو السلام علیکم کہدیں ۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن عفرلہ'

السلام علیکم ورحمۃاللہ و برکاتہ

پس از سلام مسنون آنکہ اگر یہ مدرس محنتی اور کام کے آدمی ہوں تو دو چار روز اپنے سامنے کام کرالو تب ان کو اپنی جگہ کردو اور اس میں مدرسہ کا بھی کیا حرج ہوگا اور اگر محنتی اور کام کو قابو میں نہ لاسکیں تو مہینہ پورا ہونے پر مجھے لکھ دو اور ان کو بھی کہدو کہ تمہارے واسطے کوئی جگہ نہیں ملی۔ چونکہ اس ماہ کی تنخواہ کا وعدہ کر لیا ہے ، لہذا یہ ماہ تو پورا کرنا ہی ہے اور اگر محنتی آدمی ہوں تو پھر ان کے واسطے کوئی ایسی جگہ کہ جہاں دس پندرہ تنخواہ کے ہوں کوشش کر کے تجویز کرادو اور اپنی پریشانی کے متعلق جو تحریر کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جب تمہارا خدمت گزار ہوں تو مجھے کیوں نہیں تحریر کیا۔ مجھے تحریر کرو، جب ضرورت ہو روانہ کرو، اور دس روپے ماہانہ برابر تبلیغ میں ملتا رہے گا۔ (یعنی تبلیغ میں گشت کرتے رہو۔ تعلیم کے زمانہ میں ماہانہ دس روپے ملتے رہیں گے) اور عبد الصمد کی کوشش میں بھی ہوں۔ تم بھی کوشش اور دعا کرو۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن غفرلہ

عنایت فرمایم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض آنکہ بندہ دعا گو ہے آپ بھی کسی قسم کا فکر نہ فرماویں۔ حق تعالیٰ کی ہر وقت رحمت کے منتظر رہیں حق تعالیٰ کی رحمت کے منتظر رہنے والوں کو رحمت سے محروم نہیں کیا کرتے۔ اگرچہ ہمیں اور آپ کو رنج و ملال از حد اس کی رحمت سے بندوں کو امیدوار رہنا چاہیے۔ اور پریشانی نہ کرنی چاہیے۔

فقط و السلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن غفرلہ

بخدمت میاں جی داؤد صاحب

مبلغ اکل بروز پیر ارسال خدمت ہیں۔ قرضہ حافظ محمد یحیٰ صاحب اور اپنے دیگر حوائج میں صرف کریں۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن غفرلہ

السلام علیکم و رحمۃاللہ و برکاتہ

خدائے تعالیٰ شانہ، کا نام لینے کی توفیق ہونا ہی بڑی نعمت ہے۔ اس پاک ذات تعالیٰ شانہ تقدس سلطانہ کے ذکر اور یاد میں ایک دفعہ بھی دل کو چین اور لذت معلوم ہو جائے دل و جان اور زمین و آسمان بلکہ دونوں جہان قربان کر دینے کے قابل ہیں۔ وہ انسان نہایت محروم اور بہت بے نصیب ہے کہ خدائے تعالیٰ شانہ جل مجدہ کے نام پاک سے عبدیت اور الفت کے سوا کسی اور چیز کی تمنا اور ارادے رکھتا ہو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کے نام سے جی کا لگ جانا خود مقصود ہے۔ یہ کسی اور چیز کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اسکی برکت سے جنت کی دولت اور دوزخ سے سلامتی اور حفاظت فرماویں۔

فقط و السلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

عنایت فرمایم

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ ،

عرض آنکہ تین چار لڑکوں کے علاوہ باقی طلبہ کی پڑھائی کافی ہے **فجزاک اللہ خیرا** - امید ہے کہ آئندہ بھی اپنی محنت اور سعی کرنے میں کوتاہی نہ کریں گے اور جانفشانی اور عرقریزی کا ثبوت دیں گے۔

بیرنگ لفافہ دانستہ نہیں بھیجا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلاف قانون جو کھلے لفافے میں دستی تحریر رکھی گئی ، غالبا اسکی وجہ سے بیرنگ ہو گئی ، آئندہ احتیاط کیجائے گی اور تمہارے چھاتہ کے رہنے کے متعلق یہ ہے کہ رمضان تک تمہارا ارادہ بھی رہنے کا ہے ، رمضان تک تندہی سے کام کئے جاؤ - اور **حتی الامکان** اس درمیان میں دل لگانے کی کوشش رکھو - اگر پھر بھی دل نہ لگا تو رمضان میں تو تم آؤ گے ہی - اسوقت باہمی گفتگو ہوجاوے گی -

فقط و السلام

بندہ الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمٰن عفی عنہ

عنایت فرمایم

السلام علیکم و رحمۃاللہ و برکاتہ ،

عرض آنکہ آپ کے نقشہ والے خط سے تبلیغ کی کیفیت معلوم ہو کر مسرت ہوئی مگر جب تک مداومت نہیں پھر کہاں مسرت - بہرحال جب کہ مخلوق اللہ اسطرف متوجہ ہے تو مکاتب کے اجراء و حسن اخلاق کی کوشش و دیگر احکام دین کی تبلیغ خصوصا کلموں کا صحیح کرانا اور جو نماز کی چیزیں ہیں ان کو صحیح یاد کرانے کی طرف خصوصاً توجہ اور نرمی اور اخلاق مطلق کسی وقت ہاتھ سے نہ دیں اور تبلیغ اور مدرسہ کی کیفیت سے جلد جلد مطلع فرماتے رہا کریں۔

محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن عفی عنہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ،

میرے نزدیک میاں عشرت اپنے صاحبزادے کو سہار حافظ محمد یوسف کے پاس بھیج دیں - جب قرآن شریف ختم کر چکے اس وقت نظام الدین کا ارادہ کریں آپ اپنے مدرسہ کا احوال اور تبلیغ کی کیفیت بہت کم لکھتے ہیں - اسی سے سلسلہ خطوط کی آمد و رفت کا رہ سکتا ہے - پریشانی سے گھبراوٗمت - انشاءاللہ بہتر ہی ہو گا - البتہ سستی بہت بڑا مرض ہے

جس وقت طبیعت سست ہوا کرے اپنے ضعف ہی کے ساتھ قبر کا دھیان ۔قیامت کے حساب و کتاب کا دھیان دوزخ و جنت کا اکثر فکر اور حق تعالی کے انعامات اور فضل کا دھیان کرتے ہوئے ،ذکر خفی شروع کر دیا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں میں سستی رفع ہوجائے گی معلوم نہیں اوراد کی مداومت میں تمہارا کیا حال ہے ،ذکر کو غفلت اور بے دھیانی سے کرنے سے بھی سستی بڑھتی ہے۔اللہ کے نام پاک کو غفلت بے حرمتی سے لینا بعض بزرگوں نے حرام لکھا ہے اور بعض نے بدعت کہا ہے کبھی کبھی آپ سے ملنے کو جی چاہا کرتا ہے۔ بندوبست پڑھائی کر کے آسکو تو آجایا کرو۔

فقط و السلام

محمد الیاس عفی عنہ

بخدمت مکرمان و محترمان مجاہدان فی سبیل اللہ شکر اللہ سعیکم و نور اللہ بمعرفت قلوبکم و اذاق اللہ بحلاوتہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ،

میرے دوستو ! یہ چند اصحاب جذبہ ایمانی کے جوش میں تمہارے ملک ایمانی جذبات کے حصول کی امید لیے ہوئے تمہاری صحبتوں کو غنیمت سمجھتے ہوئے تمہاری خدمتوں میں تشریف لا رہے ہیں ۔آپ سب صاحبان اللہ سے ملتجی ہوتے ہوئے اس کے داعی رہیں۔اور یہ کوشش کریں کہ اللہ جل جلالہ ان کے قلوب میں یہ کام اور طریق عمل ایسی پائیداری کے ساتھ متمکن فرمادیں کہ یہ واپس ہو کر اپنے ملکوں میں اس کی بنیاد قائم کر سکیں۔اللھم سھل ثم سھل ثم سھل۔

میرے دوستو ! ہر نمبر کو ہمت کے ساتھ اسی طرح سے اپنے دلوں میں جگہ دو کہ جس سے یہ خود مطمئن ہو کر سارے دین کو قابو میں لانے کی سعی کر سکیں ۔میرے دوستو ! تمہارے جدا ہونے کے کئی دن انتظار کے بعد ایک خط میاں جی رحیم بخش صاحب کا اور ایک میاں جی حافظ سلیمان بالو کا والے کا آیا جس سے امیدیں سرسبز ہوئیں اور گویا مردہ تن میں جان پڑی ۔لیکن میرے دوستو ! منزل بہت دور ہے ۔ تبلیغ کے زمانہ میں قوت عمل کے ساتھ یہ دعا بھی ضرور کرتے رہا کرو۔ ہمارا یہ طریق مقبول بھی ہوا اور حضور کی اتباع (جو) حقیقت میں رضائے خداوندی کا باعث ہے۔اور اللہ جل شانہ کے محبوب کامل ہونے کا ذمہ دار ہے ۔کے کمال سے دنیوی منفعتوں کے خیال کے سرد ہو جانے سے اور اس خیال کے مٹ جانے سے ہم کھڑے ہونے والوں کو مشرف فرمائیں۔ مجھے اس کام کے شروع اور رونق پر خوش ہونے

سے بہت زیادہ آگے کا فکر لاحق اور دامن گیر ہوتا ہے۔ مجھے خطوط ضرور لکھتے رہا کرو۔

مجھے بہت انتظار رہتا ہے۔ فقط و السلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم نظام الحسن

بخدمت شریف جناب مولوی عبد الغفار صاحب

ہوڈل ضلع گوڑگانوہ اندرون مسجد بیوپاریان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ سے آپ کی کھونٹ اور آپ کی جانبوں میں تبلیغی کیفیت کی کوئی خبر نہیں آئی۔ آپ کے لئے وہاں کا قیام اس سست رفتاری سے گزارنے کے لئے تجویز نہیں کیا گیا تھا۔ تمہارے ساتھی باوجود بے پڑھے ہوئے ہونے کے تم سے بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ ہمت مرداں مدد خدا است، یہ سچ ہے اور حق ہے تم ہمت کرو تو افضال غیبیہ ازلیہ اور نصرت غیبیہ سرمدیہ اور عجیب وغریب رحمت و نصرت کے آثار دیکھو گے کہ آنکھیں چکا چوند ہو جانگی مگر تعجب ہے کہ انسان اپنی ناپاک ہستی کو محض پیش کر دینے میں دریغ کرتا ہے جو اس کام میں اپنے کو پیش کر دیتا ہے پھر حق تعالیٰ کی نصرت کا وہ تماشا دیکھے گا اور ان کے عجائب وغرائب کا تجربہ کرے گا دیکھے گا کہ جن کا ادراک اپنے آپ کو بغیر پیش کئے کسی طرح ممکن نہیں میرے عزیز ہمت کرو قدم بڑھاؤ دنیا کو ناپائیدار سمجھو موت سے قبر میں گذرتے ہوئے حشر میں کھڑے ہونے کو ایک آنے والا وقت سمجھو اس نازک وقت کے لیے تمہارا ان امور میں پیش کر دینے کے سوا کوئی ساز وسامان نہیں ہے یہ بندہ ناچیز چاند کا پہلا جمعہ ہوڈل میں رہنے کا ارادہ کر رہا ہے آپ سے جس قدر بھی جلد سے جلد ہو سکے تبلیغ کے لیے جماعتیں اس قدر پہلے اور کثرت سے نکال دو کہ جمعہ کے دن وہاں پر وہی لوگ خوب تبلیغ کا تجربہ کیے ہوئے اور تبلیغ کوششوں کی حرارت اور تجربہ لیے ہوئے سیکڑوں گاؤں کو تبلیغی حرکات سے حرکت دیئے ہوئے سرگرمی کے ساتھ جمعہ کے دن وہاں پہنچیں۔

آپ کا نمک سلیمانی ایسے وقت میں پہنچا تھا کہ چند ہفتے پہلے سے ختم ہو کر اس کی دقت محسوس ہو رہی تھی اور آپ کے نمک سلیمانی کی بوتل اپنی خوشنمائی میں کچھ کم آنکھوں کو تازگی دینے والی نہیں تھی سب دوستوں سے خصوصاً سیولی ٹیکری، رجپور، سنگار سلام مسنون کا واحد مضمون۔

از نظام الدین بندہ محمد الیاس عفی عنہ

بخدمت شریف مولوی عبدالغفار صاحب

مدرس مدرسہ اسلامیہ ہوڈل محلہ بوپاریان مسجد بوپاریاں ضلع گوڑگاواں

عنایت فرمایم مولوی عبدالغفار صاحب زادت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض آنکہ آپ مندرجہ ذیل صاحبان کو میری طرف سے دعوت دیں کہ وہ سب صاحبان جلسہ پیپاکا میں جو کہ منی کی تیسری اتوار کو قرار پایا ہے شرکت فرماکر شکریہ کا موقع دیں چونکہ ایک نہایت ہی ضروری اور نہایت ہی اہم کام ہے اس واسطے اس مرتبہ یہ خصوصی دعوت نامہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے وہ حضرات یہ ہیں۔

میاں جی محمد یوسف صاحب مدرس سیولی۔ حافظ محمد یوسف سرائے والے، نمبر دار سلیمان صاحب سرائے والے، قمرالدین صاحب سکنہ چھاتہ، پہلوان صاحب سکنہ چھاتہ، حاجی سید محمد فاروق صاحب سہار، نمبردار اکبر خاں صاحب سہار والے۔ ان سب صاحبان کو حتی الامکان کوشش کر کے اپنے ہمراہ لاویں۔

فقط والسلام

محمد الیاس عفی عنہ

بخدمت شریف جناب قاری عبداللہ صاحب

پیش امام مسجد شاہی مرادآباد۔

مکرم عنایت فرمایم جناب قاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پس از سلام مسنون عرض آنکہ میں نے امام خان کو اس واسطے بلانے پر زور دیا تھا کیونکہ معلوم ہوا تھا کہ وہ وہاں پر آوارہ ہے۔ اب جب کہ امام خان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ کام کر رہے ہیں۔ تو مقصود تو کام ہی پر لگانا ہے جب وہ کام کر رہے ہیں تو اگر رمضان کے بعد بھی نہ آویں تب بھی چنداں مضائقہ نہیں اب آپ کی خدمت میں بھی عرض ہے کہ اگر امام خان کے بیان کے مطابق آپ بھی اس کے قول کی تصدیق کریں اور واقعہ میں بھی وہی بات ہو جو امام خان نے بیان کی ہے کہ میں وہاں پر خوب کام کر رہا ہوں تب تو میں اس کو وہاں پر ہی بحال رہنے دوں ورنہ زور دوں کہ وہ میرے پاس آجاوے۔ فقط والسلام۔ بندہ محمد الیاس عفی عنہ بقلم حبیب الرحمن غفرلہ

یہ مضمون امان خان کو دکھلا دیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پس از سلام مسنون ، واضح ہو کہ خط مرسلہ تمہارا موصول ہوا اگر تمہاری رائے اس وقت آنے کی نہیں ہے تو بعد رمضان کے ہی دیکھا جاوے گا اور رمضان کے بعد چنداں تقاضہ نہیں ہے اگر تم وہاں پر اچھی طرح سے کام کر رہے ہو مگر کوئی صورت ایسی ہونی چاہیے کہ داؤد بھی تمہارے ہی پاس آجائے اور تم دونوں وہاں پر پڑھاتے بھی رہو اور گردونواح میں تبلیغ اور مکاتب کے قیام کی کوشش کرتے رہو اور حتی الامکان جتنے مدرسے ادھر قائم ہو جاویں خصوصاً گاؤں میں تو بہت اچھا ہے میں نے جو تم پر تقاضہ آنے کا کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ تمہارا دین و دنیا برباد نہ ہو جائے ۔ خصوصاً دین میں مضبوطی اور ثابت قدمی رکھنے کی بڑی سخت ضرورت ہے ۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہ

دوشنبہ نظام الدین صاحب دہلی

بتوسط جناب قاری عبد اللہ صاحب

امام شاہی مسجد دامت فیوضہم حافظ امام خان صاحب کو ملے

عزیز حافظ امام خاں صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ

پس از سلام ودعوت آنکہ مجھے تمہارے ساتھ جس قدر تعلق ہے وہ تم پر مخفی نہیں ہے ہم دوکاندار نہیں ، مال اور روپیہ دولت ہم جمع کرتے نہیں پھر رہے ۔ ہم قرآن شریف کو پھیلانا چاہ رہے ہیں اور اشاعت اسلام اپنی غرض ہے لہٰذا جس کو قرآن حاصل ہو گیا ہو جیسے تم ہو وہی اپنی مایہ اور پونجی ہیں سو میرے عزیز شوق اور رغبت کے ساتھ تمہیں قرآن شریف پڑھایا سو خدا کا شکر ہے کہ اس دولت سے بہرہ ور ہوئے اور مالا مال ہوئے ہزار تمناؤں اور امیدوں کے ساتھ تمہیں اپنے مدرسہ میں رکھا تو پھر اللہ نے کس قدر مقبولیت نصیب کی کہ میوات میں تمہارا نام ہو گیا اور سب کے قلوب میں تمہاری دھاک بیٹھ گئی ۔ اور عزت وآبرو دلوں میں سما گئی ۔ میرے دل میں تمنا پیدا ہو گئی کہ تم قرأت کے بھی استاد بن جاؤ کہ تمہاری عزت وآبرو اور چار چاند ہو جائے مگر مجھے سخت افسوس ہے کہ تم نیک نامی کی راہ سے کس قدر بھٹک گئے خدا معلوم کیا دل میں سما گیا کہ کوہ کے کیڑے کی طرح گندی دنیا

تمہارے دل میں سما گئی دو دو چار چار روپے کے پیچھے اپنے عزیز واقارب کو کھو رہے ہو میری خواہش ہے کہ تم پھر میرے پاس واپس چلے آؤ اور اس گندہ حالت سے توبہ کرو اور ہمت کو بلند کرو جن کاموں سے خدا اور رسول راضی ہوں دین ودنیا میں بہبودگی ہو عاجزی اور تواضع کے ساتھ دین کے کاموں میں لگ جائیے ۔اب میں تمہارا منتظر ہوں جلد چلے آئیے کچھ دنوں یہاں طالب علمانہ رہو۔ قاری صاحب کے یہاں اپنی خطا کی معافی کرا کر کچھ دنوں مشق کرو پھر تمہاری درستی احوال دیکھ کر تمہاری .بیوی کو بھی یہاں پر بلالیں گے اور تم کو تمہاری جگہ پر پھر بحال کردیں گے ۔ اُو. تمہاری جگہ تم کو دے دی جاوے گی تاخیر تعمیل سے مجھ کو ملول مت کرنا۔

بخدمت حضرت قاری صاحب السلام علیکم ۔آپ کے امتحان کا بہت اچھا جلسہ کر کے انعام دیا گیا براہ کرم یہ خط اور انعام امام خان کے پاس پہنچا دیں اور نصیحت کریں ۔ **فقط والسلام**

از نظام الدین مسجد بنگلہ

نقل خط حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا لکھا ہوا منشی نصراللہ خاں صاحب کے نام :-

عنایت فرمائم زاد صلاحکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ پہنچا آپ کی پریشانی اور فکر سب فضول ہے انسان کو ثبات اور استقلال چاہیئے آپ مطمئن رہیں اپنے کام میں مشغول رہیں ، فراغت اور تنہائی کو غنیمت جانیں یادالٰہی اور ذکر میں مشغول رہیں اس سے اپنے اوقات کو معمور رکھیں اس سے دل لگاویں خدا چاہے گا عنقریب آپ سب سے آملیں گے کچھ فکر نہ کریں ۔آپ اور سب کو یہ تکلیف ایک دینی لگاؤ کی وجہ سے پیش آئی ہے اس لیے بہت بڑا اللہ کا شکر کرنا چاہیئے کہ اللہ نے اپنی محبوب جماعت اور حامیان دین کے تعلق کی وجہ سے اپنی اس نعمت کا حصہ عنایت فرمایا جو اپنے پاک لوگوں کے لیے مخصوص فرما رکھا ہے دنیوی امور کے باعث تو خلقت کیا کیا نہیں جھیلتی الحمدللہ کہ دین کی وجہ سے آج یہ دن پیش آیا حدیث شریف میں ہے کہ اہل اللہ پر تکالیف اس طرح آتی ہیں ۔

جیسے پہاڑ پر سے نیچے کو پانی آتا ہے تو ارشاد ہے کہ جو ہم سے محبت رکھے مصائب کے لیے تیار رہے غرض اللہ پر آپ اپنی نظر رکھیں اس کے لطف کے منتظر رہیں رحمت کے امیدوار رہیں ۔اپنے سب امور کو اسی کے سپرد فرماویں قرآن شریف کی تلاوت اکثر کرتے رہیں مولوی عبدالکریم صاحب کا اور میرا سمن تعمیل نہیں ہوا اس کا

تعمیل ہو چکا ان کی اور تاریخ لگ گئی۔ اللہ چاہے کسی کا کچھ نہ ہو گا آپ بے فکر اپنے خدا سے لگے رہیں اشاعت دین کی وہاں بھی فکر رکھیں آس پاس دورہ فرماتے رہیں۔اللہ پاک مدد فرمادیں گے اور کامیاب کریں گے مولوی عبدالکریم یہاں موجود نہیں ہیں دو ایک روز میں جب آویں گے آپ کا خط ان کو دے دوں گا مولوی عبدالکریم کچھ نہیں ہیں جو نوح کو چھوڑ دیں اللہ ان سے اپنا دین پھیلادیں انشاء اللہ آپ کو وہاں جمعہ کا ثواب ملے گا اور آپ کے لیے یہاں سے زیادہ ثواب ہو گا۔

فقط والسلام

خاکسار ناکارہ دوجہاں بندہ محمد الیاس عفی عنہ

۵/ جولائی سنہ ۱۹۲۷ء

عنایت فرمایم جناب مولوی خورشید علی صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا حالات سے آگاہی ہوئی جلسے کے بارے میں مقررین کا خرچ و کرایہ ان شاء اللہ میں دوں گا اور عوام کے لیے جناب مشتہر کردیں کہ وہ اپنے ساتھ آٹا وغیرہ کا خود انتظام کرکے لاویں اور کوئی تاریخ جلسہ کی مقرر فرمادیں اور اگر جلدی مجھے اطلاع دے دیں تو تھانہ بھون کے پتہ سے کارڈ روانہ فرمادیں ورنہ نظام الدین کے پتے سے اطلاع دیدیں لوگوں کے اس خیال کو کہ دہلی سے اعانت ہورہی ہے کھول کھول کر رفع فرمادیں باقی جلسے کے موقعہ پر لوگوں کے اس شک کو رفع کردیا جائے گا۔

جناب نے کرم فرمایا کہ بندہ کو اس کام کے لئے یاد فرمایا بندہ نے تو دین کے کام کا اردہ کر رکھا ہے ہندوستان ہو یا عرب اس واسطے جناب سے گذارش ہے کہ ریواڑی میں اس دینی کام کو فروغ دینے کی لوگوں میں تحریک فرمادیں اور رغبت دلاویں بندہ کو بھی اپنی سعی میں یاد فرمادیں جناب کی خدمت میں دو باتیں ضروری ہیں غور سے سن لیں ایک یہ کہ خاکسار نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں گوڑگانوہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب جو کہ مسلمان ہیں بھیجا۔ حضرت نے فرمایا مذہبی امور کی پابندی اور فروغ پر اور اس کا خود پابند ہونا اور ہر طبقہ کو حسب حیثیت توجہ دلانا ہر مسلمان کا اہم ترین فرض ہے اور یہ خیالی رواجی فرائض نہیں بلکہ ایسا فرض ہے جس میں حق تعالیٰ کے یہاں سے سوال ہو گا لہذا آپ خود اور دوسرے لوگوں کو جو اس کے اہل ہوں اس پر آمادہ فرماویں سرکاری سب عملہ میں عموماً اور کلکٹر صاحب خصوصاً اس بات پر آمادہ ہوں اور سمجھیں کہ مذہب کی جڑ قرآنی ہے کوئی خیالی چیز نہیں

ہے بلکہ مذہب وہ چیز ہے جو حضور ﷺ آسمان سے لے کر آئے۔
اس آسمانی دین کو اپنی عقل کی کدورت سے خالص رکھتے ہوئے اپنے کو کاربند بنادیں اور اس کی ہر ہر چیز کی ترویج کا ارادہ کریں اور ان سب کی جڑ قرآن ہی ہے اس کا خصوصاً اہتمام کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ میرا یوں جی چاہتا ہے کہ ریواڑی کے سب اصحاب مل کر دینی فروغ کا اس قدر انتظام فرمادیں کہ ریواڑی اور اس کے نواح کا تعلیم اور تبلیغ دونوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ کر کچھ ہمارے ہاں ہندوستان کے نہایت جاہل لوگوں کی تبلیغ کے لیے کچھ رقم مقرر فرمادیں خصوصاً جو مدرسے اس وقت میں قائم ہیں اسٹیشن کی نئی مسجد اور دور دور جو مدرسے ہیں جن کا نام مجھے معلوم نہیں ہے ان کا جلد انتظام فرمادیں ورنہ شکستہ حالی سے جاتے رہیں گے یہ میں آپ کو تنہا نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ آپؐ سارے ریواڑی والوں کو اس پر آمادہ کریں۔

بندہ ناچیز محمد الیاس عفی عنہ

ارشاد کردہ:۔ حضرت جی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی وہ تحریر جو فریدی صاحب کے ذریعہ جماعتوں کو بھیجی گئی۔

تبلیغی عمل کی ترقی وقوت کے لیے اور فرائض کے حیات وسرسبزی کے لیے گشت بمنزلہ جڑ اور بنیاد کے ہے جس کے بغیر تبلیغی طریقہ کا اشتغال سراسر دھوکا ہے البتہ گشت کے جو اصول تجویز کئے گئے ہیں توجہ الی اللہ وذکر واجتماع وطریقہ خطاب وتکلم ان کے اہتمام وپابندی کیساتھ ہی گشت کی برکات وترقیات وعمل میں قوت ہے اور ان کے اہتمام کے بغیر گشت سراسر فتنہ ہے۔

عمومی دعوت کے ذریعہ پوری طرح اس بات پر زور دینا ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت فارغ کرنے اور چلّوں کے لیے نکل کھڑے ہونے کا ذہن ایسے طریقہ سے بنے کہ چھ نمبروں اور اس طریقہ تبلیغ کے اصولوں کے اپنے میں شن کرنے کا ذہن پیدا ہو کر تبلیغ کی مساعی میں ترقی کے ساتھ ہر نمبر کے ذوق واہتمام میں اضافہ ہوتا چلا جائے اوقات کی تفریغ کا ذہن پیدا کرنے کے لئے پوری طرح دعوت دینے اور سعی کرنے کی اہمیت ہے مگر اس کے نازک ترین اصولوں کے تتبع اور اپنے میں جاجسل کرنے کا ذہن بھی بننا اس دعوت کی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

داعی اپنی دعوت میں اپنی توجہ کو اللہ کی طرف رکھے اور پہلے سے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے اور دعوت کے وقت اپنی کوتاہیوں کا استحضار اور استغفار کا اہتمام کیا جائے اور کسی کے نہ ماننے کو اپنی کوتاہی قرار دیا جائے نہ کسی دوسرے کی۔

تعلیم کا مفہوم فضائل کو توجہ وشوق کے ساتھ سننے اور بار بار سنتے رہنے کے ذریعہ اپنے دین اور اس کے اعمال کے انہماک واشتغال کا وہ ذوق وشوق پیدا کرنا ہے جو اس کے صحیح طریقے پر سیکھنے کی طرف مقتضی ومحرک ہو نہ حفظ مقصود ہو نہ اپنے فہم پر اعتماد لیکن فضائل کے کثرت مزاولت کے ذریعہ ان اعمال کا پوری طرح شوق اپنے میں پیدا کر کے اپنے فارغ اوقات میں اہل علم سے اس کے سیکھنے اور استفادہ کرنے کی عادت پڑے۔

پستی کا واحد علاج فضائل، تبلیغ وفضائل، نماز وفضائل ذکر وفضائل قرآن وفضائل صدقات وحکایت صحابہ وجزاء الاعمال عام اوقات میں عمومی مذاکرہ میں رکھی جاویں اور ان کی تعلیم خصوصی کا فارغ اوقات میں ضرور اہتمام رکھا جائے اور رمضان کے مہینے میں فضائل رمضان اور حج کے زمانہ میں فضائل حج کی تعلیم کا اہتمام مزید بڑھایا جائے البتہ شخصی طور پر حسب استعداد وذوق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور ملفوظات وغیرہ کو مطالعہ میں رکھیں یا اس کے علاوہ اور کتب حدیث وفقہ وسیرت اپنے ذاتی مطالعہ میں رکھی جائیں۔

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء —— ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ہماری تبلیغ کا اصل مقصد طاغوت سے ہٹنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ بدون قربانی کے نہیں ہو سکتا، دین میں جان کی بھی قربانی ہے اور مال کی بھی سو تبلیغ میں جان کی قربانی یہ ہے کہ اللہ کے واسطے اپنے وطن کو چھوڑے اور اللہ کے کلمہ کو پھیلائے دین کی اشاعت کرے۔ مال کی قربانی یہ ہے کہ سفر تبلیغ کا خرچ خود برداشت کرے، اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے کسی زمانہ میں خود نہ نکل سکے وہ خصوصیت سے اس زمانہ میں دوسروں کو تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دے اوروں کو بھیجنے کی کوشش کرے، اس طرح الدال علی الخیر کفاعلہ کی بناء پر جتنوں کو یہ بھیجے گا ان سب کی کوششوں کا ثواب اسکو بھی ملے گا، اور اگر نکلنے والوں کی امداد مالی بھی کریگا تو مالی قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر ہم کسی عذر کی وجہ سے اس وقت نہیں کر سکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ دین یہی ہے کہ قاعدین و معذورین مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

ڈاکٹر محمد حسین للّہی
ایم-اے، پی ایچ ڈی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی المعروف حضرت جی نور اللہ مرقدہ

برصغیر پاک وہند میں اگرچہ عہد صحابہؓ ہی میں مجاہدین و مبلغین اسلام پہنچ گئے تھے، تاہم یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس ملک میں اسلام کی زیادہ تر اشاعت مشائخ اہل تصوف و صوفیاء اہلِ طریقت کے ذریعہ ہوئی۔ جن کے ساتھ تعلق رکھنے والے علماء وفقہاء اور اصحاب دعوت وعزیمت کی ایک بڑی تعداد نے اس ملک میں عرصۂ دراز تک اسلام کے چراغ کو روشن رکھا تا آنکہ الف اول کے اختتام اور الف ثانی کی ابتداء میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی کی ذات گرامی نے نہ صرف تصوف بلکہ پورے دین کی تجدید فرمائی۔

مشائخ اہلِ طریقت کے دور میں تبلیغ واصلاح کا سلسلہ اس طرح چلتا رہا کہ عامۃ المسلمین ایک شخصیت کے گرد جمع ہوتے، صحبت صالحین اور سلسلہ کے مخصوص ذکر اذکار کی مواظبت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اپنا تعلق جوڑنے اور دینِ اسلام کے رنگ میں اپنی زندگیوں کو رنگ دیتے۔ حضرت مجددؒ کا طریق کار بھی اگرچہ انہی مشائخ کے طرز پر تھا لیکن آپ کے کام میں امتیازی جدت یہ نظر آتی ہے کہ آپؒ نے شخصیت کی دعوت سے ہٹ کر دین کی تجدید کے ساتھ ساتھ امت کو رسول اللہ ﷺ سے جوڑنے اور سنت رسول اللہ ﷺ پر چلانے کی سعی فرمائی جس میں آپ کامیاب ہوئے۔ اس لئے وقت کے تمام علماء حق اور اہلِ نظر نے آپؒ کو دوسرے ہزار کا مجدد تسلیم کیا۔ چنانچہ اس حقیقت کی طرف خود آپ نے اپنے متعدد مکتوبات میں اشارہ کیا ہے۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اے فرزند! باوجود ایں معاملہ کہ بخلقتِ من مربوط بودہ است، کارخانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند۔ برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقتِ من تکمیل و ارشاد خلق نیست، معاملہ دیگر است و کارخانہ دیگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت وخصائص آں بطریق تبعیت و وراثت کمل تابعان انبیاء نصیب است۔" (مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم)

"اے فرزند! باوجود اس معاملہ کے جو میری پیدائش سے متعلق ہے، ایک اور بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے مجھے اس دنیا میں پیری مریدی کے لئے نہیں لائے ہیں میری پیدائش سے مخلوق کی "تکمیل وارشاد" مقصود نہیں ہے، بلکہ ایک دوسرا معاملہ ہے اور ایک بڑا کارخانہ (یعنی تبلیغ وتجدید دین) میرے سپرد کیا گیا ہے اگرچہ منصب نبوت ختم ہوچکا ہے لیکن انبیاء کرام کے کامل متبعین کو کمالات وخصوصیاتِ نبوت میں سے بطور تبعیت اور وراثت کے حصہ عطا کیا جاتا ہے۔"

حضرت مجددؒ کے بعد دین کی دعوت کے اس کام میں حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قدس سرہ، کا کام بہت نمایاں اور ممتاز ہے جس کے اثرات وآثار عالمگیر اور دیرپا ہیں۔ انہی کے راستہ پر چل کر آپ کے صاحبزادگان اور خلفاء نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ان کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے خلفاء نے اس میں چار چاند لگا دیے اور اسی سلسلۃ الذہب کی آخری کڑیاں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ اور ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ذوات قدسیہ ہیں، جنہوں نے

تصوف کے عطر یعنی اخلاص واحسان، ایمان ویقین اور مغفرت وللہیت کی دولت سے مالامال ہوکر، اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے اور اپنی شخصیت کی دعوت سے بالکل قطع نظر کرتے ہوئے اس مادہ پرستی کے دورِ نامنجار میں لوگوں کو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلایا اور چار دانگ عالم میں "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کی صدا لگائی جس کی صدائے بازگشت آج پورے عالم میں سنی جارہی ہے اور جس کی ایک ہلکی سی جھلک آئندہ سطور میں پیش کی جارہی ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس سرہ کے اجمالی حالات اس کتاب کی جلد اول "بیس بڑے مسلمان" میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اس مقالہ میں داعی الی اللہ، نائب رسول اللہ ﷺ صدیقِ وقت ووارثِ علوم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی قدس سرہ کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسفؒ اپنی مختصر سی عمر میں جتنا کام کرگئے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے ہر اہلِ نظر اور اہلِ دل یہ محسوس کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے آپؒ کو مقامِ صدیقیت پر فائز فرمایا تھا۔ آپؒ اس دور میں دعوت وعزیمت کے امام، طریقہ تصوف کے مجدد اور علوم ومعارفِ نبوت کے وارث کامل تھے۔ صدیق کا ایک ممتاز وصف، یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی ذات کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ حبِ جاہ کا اس کے ہاں سر کٹا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی ساری جدوجہد اور تگ ودو اپنے نبی ﷺ کے دین وشریعت اور علوم ومعارف کی اشاعت کے لئے ہوتی ہے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ "ازالۃ الخفا" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> (ترجمہ) "امت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا جوہر نفس (صفائی اور علو فطرت میں) انبیا کے جوہرِ نفوس کے قریب پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اصل فطرت کے اعتبار سے امت میں انبیاء علیہم السلام کے خلیفہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جس طرح آہنی آئینہ آفتاب سے وہ اثر قبول کرتا ہے جو مٹی اور لکڑی اور پتھر کو میسر نہیں۔ اسی طرح جو لوگ خلاصۂ امت ہیں۔ پیغمبر ﷺ کے نفسِ قدسی سے ایسا اثر پذیر ہوتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں ہوسکتا اور یہ لوگ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے حاصل کرتے ہیں، دلی شہادت سے حاصل کرتے ہیں۔ گویا ان کے دلوں نے خود ہی ان باتوں کو اجمالاً ادراک کرلیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے کلام نے ان اجمالی معانی کی شرح وتفصیل کردی ------- جو لوگ وضع طبعی کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کے خلیفہ ہیں وہ شریعت میں صدیقین اور شہدا اور صالحین کے لقب سے ملقب کئے گئے ہیں"۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ صدیق کو اپنے نبی ﷺ سے مناسبت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کے علوم وانوار، احوال وحقائق کو صدیق کا قلب بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اس طرح اخذ کرتا ہے جیسے شفاف آئینہ میں سورج کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں اور یہ اس کا فطری خاصہ اور طبعی داعیہ بن جاتا ہے۔ نبوت سے اسے ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ نبوت کے انوار و فیوض باطنی اور حقائق الٰہیہ اس کے قلب کو روشن اور روح کو مزکیٰ ومصفیٰ کرکے نبی ﷺ کی شریعت کو اس کا مزاج اور اس کی فطرت بنادیتے ہیں۔ اسے حق الیقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ میں، تفویض وتوکل علی اللہ، رضا و تسلیم، صبروشکر، بے خوفی اور ماسوا سے بے تعلقی اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کی پوری زندگی دین اور اس کی اشاعت کے لئے وقف ہو کررہ جاتی ہے، اور مولانا یوسف دہلویؒ کی پوری زندگی اس کی شاہد ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو مقام صدیقیت پر فائز فرمایا تھا۔

"ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی اس تحریک اور ان کے کام کو بہ نظرِ امعان دیکھ جائے تو ان کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب اور اشبہ معلوم ہوتی ہے۔ اس دعوت کی بدولت پورے عالم میں اسلام کی جو صدائے بازگشت سنی گئی اس کو تفصیلاً ذہن میں مستحضر کیا جائے تو اس کام کی اہمیت و عظمت معلوم ہوسکتی ہے۔ غور فرمایا جائے کہ تبلیغی جماعتوں اور دینی قافلوں کی پاک و ہند، ایشا و یورپ، امریکہ و افریقہ میں نقل و حرکت سے لاکھوں نہیں کروڑوں نفوس میں دین کی طلب پیدا ہوئی۔ لاکھوں نے دین اور اس کی اہمیت کو سمجھا۔ عامۃ الناس اور ان پڑھ دیہاتیوں سے لے کر یونیورسٹیوں کے فضلا اور اہل دانش، ماہرینِ فن، ڈاکٹروں، انجینیروں، فوجی جرنیلوں اور مسلمان ملکوں کے سربراہوں تک ہر طبقہ کے لوگوں میں دین کا ذوق، عبادت و انابت کا شوق، دعا کی تڑپ اور اپنی اخروی زندگی بنانے کی فکر پیدا ہوئی۔ یورپ و امریکہ، چین و روس جیسے بے دین اور مادہ پرست ممالک میں ہزاروں نئی مساجد تعمیر ہوئیں۔ مسلم ممالک میں ہزاروں غیر آباد مساجد آباد ہوئی۔ ہزاروں گمراہ انسان راہ پر آئے کتنوں کے اخلاق درست ہوئے۔ کتنے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں لگے۔ کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں۔ کتنے لوگ دینی علوم سیکھنے میں لگ گئے اور لاتعداد لوگ ذاکر و شاغل بنے۔ الغرض اس دعوت کی بدولت اللہ تعالیٰ کے دین کی آواز دنیا کے ہر ملک، ہر خطہ، ہر شہر، ہر قصبہ حتیٰ کہ ہر قریہ، ہر گلی اور ہر کوچہ میں سنی گئی اور دنیا کے کونے کونے تک پہنچائی گئی۔ دراصل یہ اصلاحی تحریک اور اس کے لئے کام کرنے والی تبلیغی جماعتیں اور دینی قافلے چلتی پھرتی خانقاہیں ہیں اور یہ طریقہ تبلیغ خود ایک مستقل سلوک کی صورت میں سامنے آیا ہے جس کو سلوکِ صحابہ اور قُربِ بالفرائض کا نام دیا جاسکتا ہے جو کہ زمانہ حال کے لوگوں کے مناسب حال اور منجانب اللہ القا کیا ہوا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف کے مختصر سوانح حیات

نام و نسب: آپ کا نام نامی محمد یوسف، والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ثم دہلوی ہے آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ والد ماجد کی طرف سے نسب اس طرح ہے:

مولانا محمد یوسف ابن مولانا محمد الیاس ابن مولانا محمد اسماعیل ابن شیخ غلام حسین ابن حکیم کریم بخش ابن حکیم غلام محی الدین ابن مولانا محمد ساجد ابن مولانا محمد فیض ابن مولانا حکیم محمد شریف ابن مولانا حکیم محمد اشرف ابن شیخ جمال محمد شاہ ابن شیخ نور محمد ابن شیخ بہاء الدین ابن مولانا شیخ محمد ابن شیخ محمد فضل ابن شیخ قطب شاہ۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے نسب حسب ذیل ہے: والدہ ماجدہ بنت مولوی رؤف الحسن، ابن مولانا ضیاء الحسن ابن مولانا نور الحسن ابن مولانا ابو الحسن ابن مفتی الٰہی بخش (از خلفا حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی) ابن مولانا شیخ الاسلام ابن حکیم قطب الدین ابن حکیم عبد القادر ابن حکیم محمد شریف ابن حکیم محمد اشرف۔ الخ

یہ دونوں سلسلے حکیم محمد شریف پر جاملتے ہیں۔

کاندھلہ اور جھنجھانہ (یو۔پی) کا یہ مبارک گھرانہ صدیقی شیوخ کا ایک مشہور اہل الفضل وکمال کا خاندان ہے جو اطراف و جوانب میں

دینی مالی نسبی اور دنیاوی وجاہت میں ممتاز اور دینداری اور زہد وورع میں مشہور و معروف ہے۔ حضرت مولانا محمد یوسف کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل جھنجھانہ سے دہلی چلے گئے تھے جس کی تفصیل حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حالات میں درج کی جاچکی ہے۔

ولادت اور بچپن: حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵، جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۲ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم سہانپور میں مدرس تھے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اس میں مرد تو مرد، عورتیں تک دینداری اور تقوی میں ممتاز تھیں۔ خاندان میں قرآن مجید کا حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا۔ بچے بوڑھے مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے، گھر کی بیویاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں۔ ہر طرف علم و تقویٰ کا چرچا تھا خاندان اور خاندان کے باہر کئی بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن میں سرِ فہرست حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تھے، جن کی دعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ تھیں۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس وقت آپ بستی نظام الدین دہلی میں اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں تھے۔

والدین کی تربیت: مولانا محمد یوسفؒ کی والدہ ماجدہ ایک معزز اور صالح بزرگ مولانا روٴف الحسنؒ کی بیٹی تھیں اور والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ خود ایک بڑے بزرگ اور شیخِ طریقت تھے اس لئے ان دونوں نے اپنے اس ہونہار فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا۔ مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے "ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کہ کوئی مہمان عورت مٹھائی یا پھل وغیرہ تحفہ میں لاتیں اور میں ان کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد اماں جی میرے پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور گھور کیوں دیکھا۔ "ایک دفعہ فرمایا:" میں نے سوائے ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی۔ یہ وجہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنالیا تھا اور اس میں جو پیسے ملتے تھے، ڈال دیتا تھا کہ ان سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کی کتابیں خریدوں گا۔"

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں بستی نظام الدین اولیاء میں مہمانوں کی کثرت رہتی تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ مولانا محمد یوسفؒ کی عمر بارہ تیرہ سال رہی ہوگی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی دوسری خدمتیں اس کم عمری میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور مہمانوں کے فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔ مولانا کے مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں پڑھنے والے طلبا کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، طلبا کی ٹولیاں باری باری سارے طلبا کا کھانا پکاتیں اور اس سلسلہ کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کے ان کاموں میں بھی شریک رہتے۔ ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مسالہ پیستے، اور جنگل سے جلانے کے لئے لکڑیاں وغیرہ گھسیٹ کر لاتے۔

والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے، لہو ولعب میں بیکار وقت ضائع

کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تعلیم کا بے حد شوق تھا۔ صحابہ کرامؓ کے تذکرے اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دلچسپی تھی۔ فتوح الشام کا اردو ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابہ کرامؓ کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے۔ بچپن ہی میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔

ابتدائی و اعلیٰ تعلیم: مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے قرآن مجید اور تجوید کی تعلیم قاری معین الدین صاحب سے حاصل کی، گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ سے عربی کی کتابیں شروع کیں۔ بعض ابتدائی کتابیں حافظ منیر الدین صاحب سے پڑھیں اور صرف اور نحو کی کتابیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھیں۔ فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ سفر حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کر دیا۔ وہاں آپ نے فقہ اور منطق کی کتابیں ہدایہ اور میبذی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولانا کی حج سے واپسی کے بعد مولانا محمد یوسف پھر بستی نظام الدین دہلی میں آگئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ، جلالین وغیرہ والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء میں دوبارہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو کر حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب سے، صحیح مسلم شریف مولانا منظور احمد خان صاحب سے، سنن ابوداؤد شریف، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے اور جامع ترمذی حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب کیمبل پوری سے۔ اس دوران میں مولانا انعام الحسن صاحب بھی آپ کے ساتھ آپ کے ہم سبق تھے۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے ذکر فرمایا کہ ہم دونوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا۔ اور آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی پلا کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے۔ ایک دن حضرت مولانا شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔ لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا محمد یوسف کو علالت کی وجہ سے مظاہر العلوم سہارنپور سے بستی نظام الدین دہلی آجانا پڑا، مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور مندرجہ بالا کتابوں کا جو حصہ رہ گیا تھا وہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ اور نسائی اور انہی کے ساتھ شرح معانی الآثار اور طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس سے پڑھیں۔

بیعت وارادت: مولانا عبد الرحمن صاحب نبیرہ حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری کی روایت ہے کہ مولانا محمد یوسف کی طالب علمی کے زمانہ میں حضرت مولانا محمد الیاس ان کو اپنے ساتھ لے کر حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر رائپوری، کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضرت رائپوری جالندھر میں ایک دینی مدرسہ میں قیام پذیر تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس نے حضرت رائپوری کی خدمت میں عرض کیا کہ یوسف کو بیعت فرمالیں۔ چونکہ اس وقت مولانا محمد یوسف کی عمر کم تھی اس لئے حضرت رائپوری نے انکار فرمایا لیکن پھر مولانا دہلوی کے اصرار پر حضرت رائپوری نے مولانا محمد یوسف کو بیعت فرمالیا۔

تکمیل علوم کے بعد، جبکہ مولانا کا عنفوانِ شباب تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تحریک سے مولانا محمد

یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحب (جو اس وقت حضرت مولانا کے جانشین اور تبلیغی تحریک کے نگران وامیر ہیں) نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ حضرت دہلوی نے بڑے اہتمام سے دونوں کو بیعت فرمایا اور بڑی خوشی کا اظہار فرمالیا۔

علمی و تصنیفی مشغولیت: مولانا کی طالب علمی کا دور تو سراپا علمی دور تھا شب وروز یہی مشغلہ رہتا۔ لیکن فراغت کے بعد بھی اس ایک مشغلہ میں اپنی عمر کا اکثر حصہ صرف کیا۔ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات کی تقریباً پوری مدت مولانا علمی مشاغل میں منہمک رہے اور تصنیفی شوق غالب رہا۔ یہ ذوق اتنا غالب آچکا تھا کہ ضروری سے ضروری کام کی طرف پوری توجہ رکھنا مشکل ہوتا۔ حتیٰ کہ وہ دعوت جس کی خاطر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اپنی زندگی گھلا رہے تھے اور اسی تبلیغی کام اور دینی دعوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے۔ اس دعوت سے بھی مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا، اس دور کی کیفیت مولانا محمد منظور نعمانی نے ان الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:-

> "اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجہ کتابی مطالعہ اور تصنیف وتالیف کی طرف تھی۔ فنِ حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے۔ ان کے اوقات کا بڑا حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کی سراسر عملی اس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمہ اللہ نے اپنی روح کو تحلیل کر دیا تھا، اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی ان کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مربی واستاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کا تھا اور ہے۔ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصہ تو لیتے تھے لیکن یہ ان کے لئے دوسرے درجہ کا کام تھا، اصل شغف اور انہماک حدیثِ نبوی کی علمی و تصنیفی خدمت سے تھا"۔

حج اور دعوت کا کام: ۱۳۵۶ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے دل میں بڑی شدت سے یہ داعیہ پیدا ہوا کہ تبلیغ ودعوت کا جو کام ہندوستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل سے جم بھی گیا ہے وہ اب باہر بھی پہنچنا چاہیے خصوصاً دیارِ عرب میں جہاں سے یہ کام چلا تھا۔ چنانچہ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ جنوری ۱۹۳۸ء میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کی ہمراہی میں مولانا احتشام الحسن صاحب، مولانا محمد یوسف صاحبؒ، مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا نور محمد میواتی، حاجی عبد الرحمن صاحب، مولانا ادریس صاحب اور بہت سے دوسرے حضرات بھی تھے۔ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی۔ عربوں کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عربی میں تقریر فرمائی جس کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس سال کی تھی۔ یہ حج مولانا محمد الیاسؒ کا آخری حج تھا اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا پہلا حج تھا۔ اس کے بیس سال بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے دوسرا حج ۱۳۷۶ھ میں کیا اور تیسرا اور آخری حج ۱۳۸۴ھ میں کیا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی فکر و خواہش: مولانا محمد الیاسؒ باوجود اس کے کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی علمی اور تصنیفی مشغولیتوں کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے اور اس کی قدر کرتے تھے لیکن تبلیغ سے عدم مناسبت یا برائے نام تعلق کو ناپسند فرماتے اور بار بار تبلیغ کے کاموں اور پروگراموں میں شرکت کرنے پر مجبور کرتے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو جو تڑپ اور بے چینی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان

کا فرزند بھی اس بے چینی اور بے قراری میں ان کا سہیم وشریک ہو۔ اس لیے بعض دفعہ اس سلسلہ میں سختی کی نوبت آجاتی اور مولانا محمد یوسفؒ کو حکماً میوات بھیجتے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو ورثہ میں سعادت، ذہانت اور دین سے تعلق و محبت کا جذبہ عنایت فرمایا تھا۔ اس لیے وہ والد ماجد کے حکم پر اپنی مشغولیتوں کو چھوڑ کر اور وقت نکال کر بعض اجتماعات میں شرکت فرمالیتے اور تھوڑے عرصہ کے لیے جب وہ اجتماع میں رہتے یا تبلیغی سفر میں رہتے دینی جذبہ اور تبلیغی شوق بیدار ہوجاتا اور دبی ہوئی چنگاری سلگ اٹھتی۔ لیکن جب واپس آکر اپنے علمی کاموں میں لگ جاتے تو وہ جذبہ پھر دب جاتا۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں آپ نے میوات کے متعدد اجتماعات میں شرکت کی اور قصبہ نوح، کنسالی، خیرتل اور گھاٹ میکا کے اجتماعات میں تقریریں بھی کیں۔ جس سے مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے اور آپ کی حوصلہ افزائی کی۔ اسی دور میں آپ نے کراچی وسندھ میں بھی ایک چلہ لگایا۔

خلافت و نیابت: ۱۲-جولائی ۱۹۴۴ء کو بروز چہار شنبہ جبکہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ سفرِ آخرت کی تیاری فرمارہے تھے گویا کہ زندگی کا یہ آخری دن تھا۔ بستی نظام الدین دہلی میں علماء ومشائخ جمع تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہم اللہ ان حضرات کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتماد ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر لوگوں کو بیعت کرادیں جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ ۱- حافظ مقبول حسن صاحب۔ ۲- قاری محمد داؤد صاحب۔ ۳- مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی۔ ۴- مولوی محمد یوسف صاحبؒ۔ ۵- مولوی انعام الحسن صاحب۔ ۶- مولوی سید رضا حسن صاحب۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں کہ میری رائے حافظ مقبول حسن کے متعلق تھی کیونکہ وہ بہت قدیم اجازت یافتہ تھے اور بہت عرصہ سے انہماک سے ذکر وشغل کر رہے تھے۔ لیکن حضرت مولانا رائپوری قدس سرہ کی رائے مولوی محمد یوسف کے متعلق تھی۔ مولانا محمد الیاس کے سامنے جب دونوں رائیں آئیں تو انہوں نے فرمایا۔ "اہلِ میوات جتنا یوسف پر جمع ہوسکتے ہیں کسی پر نہیں ہوسکتے۔"

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کرکے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحبؒ ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت کے لئے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھی ہیں وہ سب بحمد للہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں۔ فرمایا اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا۔ مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے بڑا کھٹکا اور بے اطمینانی تھی۔ اب بہت اطمینان ہوگیا ہے امید ہے انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

ان تمام گفتگوؤں اور مشوروں کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو اجازت وخلافت عطا کی گئی اور وہ اپنے نامور والد داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے جانشین اور نائب ہوگئے۔ خلافت واجازت کی سند حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے تحریر فرمائی جس میں انہوں نے حسبِ ذیل الفاظ تحریر فرمائے۔ "میں ان لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

انتقالِ نسبت: انتقالِ نسبت صوفیائے کرام کے یہاں ایک اصطلاح ہے اور وہ کبھی کبھی اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ لوگ خدا کی اس شانِ عطائی پر حیران رہ جاتے ہیں۔ جو لوگ علما و مشائخ اور صوفیا کے حالات سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اکثر لوگ بڑے بڑے مجاہدوں اور برسوں محنت مشقت کے بعد اپنے شیخ کی خلافت و نیابت کے اہل اور شیخ کی جانشینی کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ دولت علمی وہبی طور پر کسی کو مل جاتی ہے اور عام قاعدہ کے خلاف وہ اس عالی مرتبہ پر فائز ہوجاتا ہے۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ بھی خدا کی اسی شانِ عطائی کا معاملہ ہوا اور دیکھنے والی آنکھوں نے بخوبی دیکھا کہ کس طرح اس کا ان کی زندگی میں ظہور ہوا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے انتقال کے کچھ ہی دیر پہلے اپنے فرزند مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو پاس بلایا، محبت بھری نگاہ ڈالی اور فرمایا: "یوسف! آمل لے، ہم تو چلے۔"

خدا جانے اس پر محبت نگاہ میں کیا جادو بھرا تھا اور اس شفقت بھرے جملے میں کیا مقناطیسیت تھی، جس نے دردو فکر، فیضانِ الٰہی، یقین وایمان کی ایک نہ بجھنے والی آگ، بجلی کے کرنٹ کی طرح ایک سے دوسرے کے اندر منتقل کردی اور وہ خلا جو ایک عظیم شیخ اور داعی الی اللہ کے دنیا سے جانے سے پیدا ہو رہا تھا وہ اسی انتقالِ نسبت سے اور خدا کی شانِ عطائی اور فضلِ سرمدی سے پُر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے جو خصوصی صفات وکمالات حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو عطا فرمائے تھے اور جن کا ان صفاتِ عالیہ میں کوئی ثانی نہیں تھا، ان کے انتقال کے بعد ہی یہ صفات وکمالات مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اندر نفوذ کرگئے اور دردوسوز، دین کا فکر، اس کے لئے بیقراری اور ان پر اعتماد کلی اور یقینِ کامل ان کے رگ وپے میں سما گئے اور ان کی زبان معارف وحقائق کا گنجینہ بن گئی۔ وہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ جو کل تک دینی دعوت کے لیے بے چین و بیقرار ہونے کے بجائے خالص علمی مشغلہ میں منہمک تھے، آج اپنے عالی مقام والد ماجد کے انتقال کے بعد ہی سے دین کے فکر اور دعوت الی اللہ کے لئے تڑپنے والے بن گئے۔ ان کے اس انقلابِ حال کو دیکھنے والے چشم دید گواہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:۔

> "چچا جان (مولانا محمد الیاس صاحب) کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی، جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہ کی نسبتِ خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی کہ کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی کے ساتھ کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائپوری نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار و تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت ومحبت کا یہ ثمرہ ہو۔"

حضرت مولانا محمد الیاس کی خصوصیات اور ان کی امتیازی صفات سے پوری طرح واقف اور مولانا محمد یوسفؒ کی دونوں زندگیوں پر نظر رکھنے والے دوسرے چشم دید گواہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجہ میں دیکھیں۔ ۱۔ دین کا درد و فکر۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین۔ ۳۔ معارف و حقائق کا فیضان۔ دین کے درد و فکر کے لحاظ سے ان کا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا باکمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اس کی مدد پر ان کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آخرت کے بارے میں، دین کے بارے میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحاب درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہو رہا ہے اور "ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً" کی تفسیر سامنے آجاتی۔ پھر حضرت مولانا رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ میں آگئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے۔"

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی: حضرت مولانا محمد الیاس کا انتقال ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳، جولائی ۱۹۴۴ء کو صبح کی اذان کے وقت ہوا۔ اس وقت تبلیغی کام کی نوعیت محدود قسم کی تھی۔ میوات کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں اور شہروں سے مرکز (بستی نظام الدین) میں جماعتیں آنے لگی تھیں اور بعض شہروں میں کام شروع ہوچکا تھا۔ ان شہروں میں سرِفہرست مراد آباد کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جہاں کے بعض علماء سرگرم اصحاب اور اجتماعی کاموں کا تجربہ رکھنے والے کارکن، مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت سے وابستہ ہوچکے تھے، اس کے علاوہ لکھنؤ، کانپور، سہارنپور اور مظفر نگر کے علاقے، پشاور، سندھ کے بعض مقامات اور کراچی میں بھی کام شروع ہوچکا تھا۔ دہلی سے سہارنپور تک جماعتوں کا تسلسل تھا۔ باقی اور علاقوں سے جماعتیں آتی بھی تھیں اور جاتی بھی تھیں۔ بہت سی درسگاہوں اور عربی مدارس میں بھی کام پہنچ چکا تھا اور ان مدارس کے علماء وطلباء مرکز آنے جانے لگے تھے۔ مشائخ اور اکابر نے اس کام کی طرف توجہ شروع کردی تھی اور ہندوستان کی بعض اہم اور دینی شخصیتیں حضرت مولانا کی خدمت میں آچکی تھیں اور دینی دعوت سے تعلق قائم کرچکی تھیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس کے انتقال سے بظاہر ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا تھا اور بہت سے متعلقین اور مخلصین پر کام کی طرف سے مایوسی طاری ہوگئی تھی لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ جس کام کی بنیاد اخلاص اور رضائے الٰہی پر رکھی گئی تھی اور جس کو اس منزل تک پہنچانے میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا، خود قربان ہوگئے تھے اور بڑی محنتوں اور مسلسل جدوجہد کے بعد دینی دعوت کے اس درخت کو لگایا تھا وہ بارآور ہو اور دینی دعوت کا کام ہندوستان سے نکل کر دنیا کے سارے علاقوں میں پھیل جائے اور دین کی دعوت دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے۔

جس رات حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا انتقال ہوا، اس کی صبح کو نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی جانشینی عمل میں آئی۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا عمامہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے

سر پر باندھا اور برابر میں بیٹھ کر مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے لوگوں کو بیعت کرایا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے پیچھے مسجد کے اندر ایک مجلس میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہ۔ حضرت حافظ فخر الدین صاحب دہلویؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ موجود تھے۔

ظہر و عصر کے درمیان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی تدفین ہوئی، دوسرے روز صبح کی نماز مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے پڑھائی اور اس کے بعد اس مقام پر کھڑے ہوئے جس پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ مدتوں کھڑے ہو کر دینی دعوت کا پیغام دیا کرتے تھے۔ آج وہ نہ تھے۔ ان کے قائمقام ہونے کی حیثیت سے مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے دینی دعوت کے اس فریضہ کو انجام دیا، اب لوگوں کی نظریں انہی کی طرف تھیں اور انہی کو ان کی قیادت سنبھالنی تھی۔ لوگ اس وقت تک مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی نئی صلاحیتوں سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ مولانا کو علمی کام کرتے یا کبھی کبھار تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتے دیکھا تھا اور اگر کوئی تقریر سنی بھی تھی تو وہ عام علمی تقریر ہوتی۔ لیکن آج خدا نے ایسی طاقت گویائی اور جذبہ و ولولہ کی قوت و دولت عطا فرمائی تھی جس کو دیکھ کر ہر ایک پکار اٹھا کہ یہ مولانا محمد یوسفؒ نہیں حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حمد و ثنا کے بعد تقریر شروع کی اور فیضانِ الٰہی کا نزول شروع ہوا۔ مضامین کی روانی اور جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ چوٹ کھایا ہوا انسان ہے جو اپنا دل نکال کر رکھے دے رہا ہے۔ مجمع پر بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا زمانہ پھرنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب حجرہ میں موجود ہیں اور وہ یہ مضامین کہلوا رہے ہیں۔ ہر سننے والے میں نئی امنگ، نیا جذبہ اور کام کرنے کی نئی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

ہندوستان کے تبلیغی مراکز کے نام ایک خط: ہندوستان میں جہاں جہاں بھی دعوت دین اور تبلیغ کا کام ہو رہا تھا اور جن جن علاقوں میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے تعلق رکھنے والے موجود تھے ان سب پر حضرت مولانا کے انتقال سے افسردگی اور بے دلی چھا گئی تھی اور مولانا کے انتقال کے بعد مرکز میں جو تبدیلی ہوئی تھی اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو جانشین مقرر کیا گیا تھا اس سلسلہ میں ایک مفصل خط سارے مراکز اور متعلقین کو لکھا گیا۔ اسی خط میں اس بڑے حادثہ پر جو درحقیقت کسی کا ذاتی حادثہ نہ تھا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا، خصوصاً دعوت دین کا کام کرنے والوں کا حادثہ تھا، صبر و عزیمت کی تلقین کی گئی تھی اور اس کام میں جی جان سے لگنے اور مسلسل محنت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ استفادہ کی خاطر وہ خط یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ یہ خط حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا لکھا ہوا ہے جو انہوں نے مرکز نظام الدین سے اہل شوریٰ کے مشورے سے تحریر فرمایا تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین اولیاء

اخواننا فی اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، غالباً آپ حضرات کو ریڈیو، اخبارات کے ذریعہ یہ غمناک خبر مل چکی ہو گی کہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ طویل علالت کے بعد ۲۱ رجب بروز پنجشنبہ صبح صادق کے وقت واصل بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

واقفین کو معلوم ہے کہ حضرت مرحوم کا وجود دعوت الی اللہ کا پیکر تھا۔ بالخصوص اس آخری علالت میں اور خصوصاً اس کے بھی آخری ایّام میں جبکہ حالت نازک سے نازک تر ہو چکی تھی اور جبکہ پورے جملے کے تلفظ پر بھی قدرت نہ تھی اور چھوٹے چھوٹے ایک ایک جملہ کو کئی کئی سانس میں ادا کیا جاسکتا تھا اس وقت بھی خدّام کو قریب بلا کر اور ان کے کان اپنے لبوں پر رکھا کر اپنا کام پورا کرتے رہے اور الحمد اللہ پورا کر گئے۔

ان سطور کے ذریعہ حضرت قدس سرہ کے محبّین اور مخلصین کو خصوصاً اور جملہ اہل ایمان کو عموماً یہ پیغام پہنچانا ہے کہ حضرت کا ظاہری وجود اب ہماری آنکھوں سے اگرچہ اوجھل ہو گیا ہے لیکن جس کام کو آپ نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے زندہ کیا اور اللہ کے بندوں کو نصرت وخدمت کے جس سلسلہ میں لگادیا وہ بحمد اللہ حضرت کی ہدایت و وصیّت کے مطابق انہیں اصولوں کے ساتھ جاری ہے اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔ حضرت مرحوم کی اس دینی دعوت کا پیغام جہاں جہاں اور جن جن حضرات تک پہنچ چکا ہے، بالخصوص جن حضرات کو کچھ عملی حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اور ان میں خاص کر وہ حضرات جو اپنے یہاں جماعتیں قائم کر چکے ہیں ان کی خدمت میں خصوصیّت کے ساتھ گزارش ہے کہ حضرت کے وصال کو معاذاللہ ان کے کام کے اختتام کے مرادف ہرگز نہ سمجھ لیں اور اٹھے ہوئے قدم کو ہرگز نہ روکیں۔ حضرت مرحوم کا اصل کام ہی غافلوں کو بیدار کرنا اور کام پر لگادینا تھا، سو حضرت اس کو کرکے تشریف لے گئے۔ اس وقت ہم میں سے ہر ایک کے سامنے سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ خطبہ ہونا چاہیئے جو آپ نے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد مسجد نبوی میں صحابہ کرام کے سامنے دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے فرمایا تھا۔---------لوگو! جو تم میں سے حضرت محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا ہو اسے مایوس ہوجانا چاہیئے کہ حضرت محمد ﷺ کی وفات ہو چکی اور جس نے حضور ﷺ کی رہنمائی سے اللہ سے بندگی کا رشتہ جوڑا ہو اور وہ اللہ کی عبادت کرتا ہو، وہ مطمئن رہے کہ وہ اللہ زندہ ہے اور اسی طرح ہمیشہ زندہ رہے گا۔

قرآن مجید ہم کو پہلے ہی سنا چکا ہے۔ **"وما محمد الارسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاً وسیجزی الله الشاکرین"۔**

(ترجمہ: "حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ بے شک آپ سے قبل بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر آپ انتقال فرما جاویں یا (خدانخواستہ) شہید کردیئے جائیں تو تم دین سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اللہ شاکرین کو اجر دیں گے۔")

اس وقت مایوس ہو کر ہم لوگوں کا بیٹھ رہنا اور دین کی جس خدمت میں ہم لوگ لگ چکے ہیں صرف حضرت کی وفات کی وجہ سے اس کو چھوڑ بیٹھنا ہی شیطان کی بڑی فتح ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ناراضگی کا موجب۔ اس کے معنی خدانخواستہ یہ ہوں گے کہ ہم جو کچھ اب تک کر رہے تھے وہ اللہ کے لئے نہیں بلکہ حضرت مرحوم کے لئے اور انہیں کے بھروسہ پر کر رہے تھے۔ یہ ہمارا خود اپنے اوپر بھی ظلم ہوگا اور حضرت مرحوم کی روح مبارک پر بھی کیونکہ انہوں نے کسی ایک دن بھی اپنی طرف نہیں بلایا۔ بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ ہی کی طرف بلانے میں وقف تھا۔ انہوں نے ہمیشہ اور

بالخصوص اس آخری علالت میں بار بار مبلغوں اور خاص خادموں کو ہدایت کی ہے کہ ہرگز ہرگز اپنی شخصیت کی طرف دعوت نہ دی جائے۔ بلکہ بندگانِ خدا کو براہِ راست اللہ کے نام کی دعوت دی جائے۔ لہٰذا اب اس کام کو اسی طریق پر جاری رکھنا ہمارا اور آپ کا اولین فرض ہے۔ دوستو! اس وقت حضرت کی وفات سے عمومی تاثر کی لہر دوڑ گئی ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس کام میں لگانے کی جدوجہد کرنا ہمارا اور آپ کا خاص کام ہونا چاہیے۔ دیکھو یہ وقت پھر نہ آئے گا۔ بس کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہوجاؤ۔ یہی چیز حضرت کی روح مبارک کو ہماری طرف سے خوش کرے گی اور انشاء اللہ حسب وعدہ احادیث نبویہ اسی کے ذریعہ حضرت والا کی روح پاک کو درجات عالیہ نصیب ہوں گے۔ نیز ہم خدام و پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی و تعزیت بھی یہی ہے کہ حضرت کے اس کام کو جاری رکھنے کی جو ذمہ داری ہمارے ضعیف کاندھوں پر ہے اس میں ہمارا ہاتھ بٹایا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت اقدسؒ کے وصال کے بعد کام کو اسی طرح جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری اب ہماری اور آپ کی ہے اور خود اپنے فریضہ کی ادائیگی بھی ہے اور اپنی ذاتی فلاح اور ترقی بھی نیز اللہ و رسول ﷺ کی رضا اور حضرت والا کی روح مبارک کی خوشی بھی ہے اور یہی ہم متوسلین کی تعزیت کی صورت بھی ہے۔ حضرتؒ کا جاری کردہ کام انشاء اللہ ان کے متوسلین اور خدام جاری رکھیں گے اور حضرت کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحبؒ اور دیگر خدام بستی حضرت نظام الدین میں قیام کریں گے۔ اس سلسلہ میں تمام خط و کتابت وغیرہ صاحبزادہ مولوی محمد یوسف سلمہ سے کی جائے۔ والسلام۔" (خدام و متوسلین حضرت رحمہ اللہ)

چنانچہ اس خط نے اس نازک وقت میں جب کہ کام کرنے والوں کے دل ٹوٹے ہوئے اور جی چھوٹے ہوئے تھے بہت اثر کیا اور اس خط سے سارے کام کرنے والوں کا خواہ وہ قریب کے ہوں یا دور کے مرکز سے دلی تعلق پیدا ہوگیا اور وہ تعلق جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے تھا وہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے قائم ہوگیا اور کام ازسرِ نو پوری سرگرمی اور گرم جوشی سے شروع ہوگیا۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا عہد امارت اور تبلیغی دورے اور اجتماعات: خلافت و جانشینی کی مسند پر فائز ہوتے ہی مولانا محمد یوسف تبلیغی کام میں اس طرح مصروف ہوگئے کہ نہ کھانے پینے کا ہوش رہا نہ آرام کرنے کا۔ بس اسی کام کو اپنی زندگی کا مشن اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا اور اسی فکر میں آپ کے شب روز بسر ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ نے میوات کے علاقہ کے دورے شروع کئے۔ کیونکہ میوات کا پورا علاقہ حضرت مولانا محمد الیاس کا حلقہ بگوش تھا اور اس میں مولانا نے دینی مدارس اور تبلیغی مراکز کا ایک جال پھیلادیا تھا۔ اور میوات کے اکثر لوگ اسی دینی دعوت کے کام میں لگے ہوئے تھے۔

میوات کے ضلع میں گوڑگانواں میں نوح نامی ایک مشہور قصبہ تھا جس میں تقسیم ملک سے پہلے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد تھی اس قصبہ میں مولانا محمد الیاسؒ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جس کا نام "معین الاسلام" تھا اس میں ہر سال ایک جلسہ ہوتا تھا جس میں دہلی کی تبلیغی جماعتیں اور مدرسہ مظاہر العلوم اور دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ اور بعض دوسرے دینی مدارس کے علما

ومدرسین وطلبا بڑی تعداد میں شرکت کرتے تھے، اس طرح یہ جلسہ ایک بڑا دینی اور روحانی اجتماع بن جایا کرتا تھا۔ مولانا محمد الیاس کی وفات کے ایک مہینہ دو دن بعد ۱۳ اگست ۱۹۴۴ء کو یہاں ایک بہت بڑا اجتماع کیا گیا جس میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ بہت سے اکابر علماء مشایخ نے شرکت کی جو مولانا محمد الیاسؒ کے زمانہ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ تبلیغی اجتماع اسی شان وشوکت اور اسی نورانیت وروحانیت کے ساتھ ہوا جیسے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی میں ہوتا تھا۔ اس میں دوسرے بہت سے علما ومشایخ کے علاوہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث نے بھی شرکت کی اگرچہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی امارت وقیادت میں یہ پہلا اجتماع تھا لیکن میواتی حضرات مولانا محمد یوسف پر اسی طرح اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے اور اپنے تعلق اور گہری عقیدت کا اظہار اسی طرح کررہے تھے جس طرح آپ سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس کے ساتھ کرتے تھے۔

اس کے بعد رمضان کا مہینہ آگیا حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنے والد ماجد کی طرح یہ رمضان مرکز بستی نظام الدین میں اعتکاف میں گزارا اور آپ کے ساتھ بہت سے علما ومشایخ اور تبلیغی کام کرنے والے پرانے کارکنوں نے بھی آپ کے ساتھ اعتکاف کیا اور تبلیغی کام کے سلسلہ میں سابقہ رمضانوں میں جو نظام چلا کرتا تھا اس پر عمل ہوا اور جماعتوں کی نقل وحرکت اور معمولات میں پہلے کی نسبت بہت زیادتی ہوئی۔ رمضان المبارک کے اختتام پر آپ نے کاندھلہ کا سفر کیا، اس کے بعد سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے پاس تشریف لائے اور ان کو ساتھ لے کر حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت رائپوری نے بڑا احترام اور بڑی شفقت کا معاملہ کیا۔ اس کے بعد متعدد بار سہارنپور اور رائپور میں حاضری دی، اور پرانے منتسبین اور تبلیغی کام کرنے والوں کو بھی برابر رائپور حضرت کی خدمت میں اور دیوبند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے اور وہاں کچھ وقت صرف کرنے اور ان حضرات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے پر زور دیتے رہے۔ ایک پرانے تعلق والے ساتھی کو حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ رائپوری کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"آپ کے لئے باہمی مشورہ سے رائپور کا قیام طے ہوا ہے۔ نہ صرف ایک چلہ کے لئے بلکہ تین چلوں تک۔ آپ حضرت (مولانا شاہ عبد القادر رائپوری) کے پاس بخوشی رہیں۔

حضرت عالی کی صحبت مبارکہ کو کیمیا اور اخلاق کو بلند ہونے کا بہت بڑا علاج تصور فرماتے ہوئے وہاں کے آداب کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے ذکر الہیٰ کا شوق اور محبت ربانیہ کی پیداوار کی کوشش میں رہیں۔ ہم سے تو کچھ نہ ہوسکا، آپ ہی اس عظیم ترین دولت کی تحصیل میں لگ جائیں۔ اللہ پاک وہاں کے قیام کو ہماری نجات ومغفرت کا ذریعہ قرار دے۔ حضرت سے بعد سلام مسنون اس عاجز وناچیز کے لئے دعا کی درخواست عرض کردیں اور تمام منتسبین ومقیمین بارگاہ کو بھی۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ۔

گالنہ کا اجتماع اور میوات کا دورہ: رائے پور شریف کی حاضری کے بعد آپ نے میوات کے ایک بڑے قصبہ گالنہ میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا جس میں میوات کے علاقہ کے بیشمار لوگ اور مرکز نظام الدین دہلی اور مرادآباد وغیرہ کے بہت لوگ شریک ہوئے۔ اس کے

بعد آپ نے میوات کے علاقہ کا ایک طویل تبلیغی دورہ کیا۔ متعدد مقامات پر تبلیغی اجتماعات ہوئے اور ان میں پیدل اور سواری پر آنے والی جماعتوں اور بہت سے علماء ومشائخ نے شرکت کی۔ یہ دورہ میوات کے گاؤں رائے سینا سے شروع ہوا پھر سونا، پیپاکا، باولا، گوالہ، نیا بیرمی، حمیرا کا، روب باس، تجارہ (ریاست الور) وغیرہ ہوتے ہوئے میوات کے پہاڑی علاقوں تک پہنچے اور سنگھار، آکی، کوٹ، اٹارو، روپڑاکا وغیرہ میں چھوٹے بڑے تبلیغی اجتماعات اور جلسے کئے۔

ان اجتماعات کا سب سے بڑا دلکش منظر وہ ہوتا تھا جب کہ ایک ساتھ بارہ بارہ پندرہ پندرہ لڑکوں کے نکاح نہایت سادگی سے ہوتے اور مولانا ایک خطبہ پڑھ کر سب سے ایجاب قبول کرا دیتے۔ دوسرا دلآویز بیعت کا ہوتا۔ ایک عمامہ یا کوئی کپڑا پھیلا دیا جاتا بسا اوقات ایک کپڑے کے ساتھ دوسرا کپڑا جوڑ دیا جاتا اور کپڑے کے دونوں طرف پچاسوں آدمی جوان اور بوڑھے اور کم عمر میواتی بیٹھ جاتے اور کپڑا تھام کر بیعت ہوتے۔ ہزاروں آدمی اس منظر کو دیکھتے اور بڑا تاثر لیتے۔

۱۲ محرم ۶۳ھ میں میوات کے قصبہ مالب میں جو کہ نوح ضلع گوڑگانواں سے تقریباً تین چار میل کے فاصلہ پر ہے ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا گیا جس میں میوات کے علاقہ کے لوگوں کے علاوہ کلکتہ اور پشاور تک کی جماعتیں شامل ہوئیں، دہلی سے بھی ایک بڑی جماعت نے شرکت کی جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین خان شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ (سابق صدر جمہوریہ ہند) بھی شریک تھے اور مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث اور قریشی محمد شفیع صاحب، حاجی محمد ارشد صاحب پشاوری نے بھی شرکت کی لکھنؤ سے بھی ایک بڑا قافلہ شرکت کے لیے پہنچا جس کے امیر وقائد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی تھے۔

اس کے تھوڑا عرصہ بعد یو۔پی کے علاقہ مراد آباد میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع ۱۴، ۱۵، ۱۶ جنوری ۱۹۴۵ء کو شاہی مسجد مراد آباد میں ہوا۔ اس میں بڑے بڑے اکابر علما ومشائخ شریک ہوئے، بالخصوص حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ علیہم وغیرہ شریک ہوئے۔ اس اجتماع کا انتظام مولانا محمد منظور نعمانی، افتخار احمد صاحب فریدی، فضل عظیم صاحب مراد آبادی، مولوی عبد المالک صاحب جامعی مراد آبادی نے بڑی خوبی اور حسن انتظام کے ساتھ کیا۔ یہ یو۔پی کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ اس اجتماع سے علاقہ بھر کے لئے بہت سی جماعتیں باہر نکلیں اور مراد آباد کے اس اجتماع سے مقامی اور بیرونی کام کو بڑی تقویت پہنچی۔ یہیں سے ایک بہت بڑی جماعت پشاور کو روانہ کی گئی جس نے راستے میں جگہ جگہ قیام اور گشت کئے۔ یہ جماعت پورا ایک چلہ گزار کر واپس ہوئی اور اس نے جن جن مقامات پر کام کیا وہ حسب ذیل ہیں:۔

دیوبند، سہارنپور، لدھیانہ، امرتسر، لاہور، پشاور، کوہاٹ، راولپنڈی، گجرات، گوجرانوالہ وغیرہ۔ اس کے بعد مراد آباد تبلیغی کام کا ایک اہم مرکز بن گیا اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ اکابر علما ومشائخ کے ساتھ یہاں کئی بار تشریف لائے اور یہاں کے حضرات بھی برابر مرکز نظام الدین دہلی آتے جاتے رہے۔ اس کے بعد کاندھلہ، گنگوہ، سہارنپور وغیرہ میں متعدد تبلیغی دورے کئے گئے۔

لندن میں گشت کی ابتداء: مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دینی کاموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کے ابتدائی عہد ہی سے بیرونی ممالک میں تبلیغی کام شروع ہو گیا تھا۔ مولانا نے اس کام کی قیادت سنبھالتے ہی اپنے ساتھیوں اور عقیدت مندوں کو باہر جانے اور غیر ممالک میں پھیل جانے کی دعوت دی اور اس کی ابتداء مراد آباد کے اجتماع میں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد الیاس کے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہل علم اور مغربی علوم سے واقف اور یورپ کے تمدن و تہذیب سے گہری واقفیت رکھنے والے تھے ان میں سر فہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خان شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ (سابق صدر جمہوریہ ہند) کا نام آتا ہے۔ ایک عرصہ سے یہ حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق رکھتے تھے نیز اس تحریک کے مؤیدین میں سے تھے۔ اسی طرح لکھنؤ کا ایک دیندار گھرانہ جو کلکتہ میں بہ سلسلہ ملازمت مقیم تھا اور جس کے ایک فرد راحت رضوی صاحب تھے۔ حاجی ارشد صاحب پشاوری کے ذریعہ اس کام میں لگ چکا تھا اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے گہرا تعلق پیدا کر لیا تھا۔ اس گھرانے کے سارے بھائی اس کام میں دل و جان سے لگ گئے۔ ۲۰ جنوری ۴۶ء میں انہی مذکورہ دو صاحبان کے ذریعہ لندن میں تبلیغ کا ابتدائی گشت شروع ہوا۔ جو لوگ یورپ کے لوگوں کی معاشرت و مشغولیت، فضا کی ناہمواری اور تہذیب و تمدن سے واقف ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس ملک میں خالص دینی اور تبلیغی کام جبکہ اس میں گشت جیسے عمل کو ایک ضروری جز قرار دیا گیا ہے۔ کتنا مشکل اور نامانوس ہو گا۔ اور جن لوگوں نے اس کام کو شروع کیا ان کے سامنے کتنے دشوار مسائل آئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان لوگوں کو جنہوں نے یورپین ممالک میں اس کام کو شروع کیا۔ اور برابر کرتے رہے۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے انہوں نے وہاں اس گشت کا افتتاح کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب علمی دنیا میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اور عالمگیر شہرت کے مالک تھے اس لئے لندن کے رہنے والوں نے ادھر توجہ کی۔ یہ گشت ہندوستانی آبادی کے علاقہ میں ہوا۔ مقامی لوگ بھی شریک ہوئے۔ گشت کی اس جماعت کے امیر و قائد راحت رضوی صاحب لکھنوی تھے۔ یہ گشت بڑا مبارک ثابت ہوا اور اس سے مقامی کام کی ابتداء ہوئی۔ اس کے بعد جماعتوں کی اس ملک میں آمد و رفت شروع ہوئی۔

رحیم آباد کا اجتماع: لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ میں کام کی بنیاد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی لکھنؤ میں آمد سے پڑ چکی تھی اور لکھنؤ اور اس کے اطراف میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی کے کام کرنے کی وجہ سے تبلیغی کام خوب جم چکا تھا۔ لکھنؤ سے ۲۵ میل دور رحیم آباد میں حاجی فیاض علی صاحب نے اس کام کی بنیاد رکھ دی تھی اور اس علاقہ میں کام کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کی درخواست پر رحیم آباد میں ایک بڑا اجتماع ۶ تا ۸ مئی ۴۶ء کو رکھا گیا جس میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے ساتھ بہت سے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ ان میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی، مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی، مولانا عبد الحق صاحب مدنی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا سید ابوالحسن ندوی، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سلونوی، ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عمران خان صاحب بھوپالی اور ندوۃ العلماء کے سارے اساتذہ کے علاوہ لکھنؤ، مراد آباد، کانپور، رائے بریلی، بارہ بنکی، دہلی، میوات، اور قرب و جوار کے علاقوں کی بکثرت جماعتوں نے شرکت کی اور ایک عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع ہوا جس میں علماء نے ولولہ انگیز اور ایمان افروز تقریریں کیں اور اس اجتماع سے کثیر تعداد میں جماعتیں گرد و نواح میں تبلیغ کے لئے روانہ کی گئیں۔

کلکتہ کا اجتماع: تقسیم ملک سے پہلے ۱۹۴۶ء میں جب حاجی ارشد صاحب کا کلکتہ تبادلہ ہوا تو وہاں انہوں نے تبلیغی کام کی بنیاد رکھی اور بہت جلد لوگوں نے اس کام کو اپنالیا۔ ان کام کرنے والوں میں رضوی برادران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب لوگوں نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو دعوت دی۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ بہت سے اکابر علما و مشایخ کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے اور حافظ جمال الدین صاحب کی مسجد میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا اور کلکتہ میں تبلیغی فضا قائم ہو گئی۔ محلہ محلہ گشت ہوا اور شہر کے مختلف مقامات پر چھوٹے بڑے کئی اجتماعات ہوئے اور متعدد جماعتیں باہر نکلیں۔

قلات کا دورہ: ریاست قلات (بلوچستان) کے وزیر صاحب کے قریشی محمد شفیع صاحب سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔ قریشی محمد شفیع صاحب حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے معتمد علیہ رفیق اور دہلی کے ایک بڑے تاجر اور بارسوخ آدمی تھے۔ وزیر صاحب سے تعلقات کی بنا پر قلات اور اس کے قرب وجوار میں جماعت کا تعارف ہوا۔ چنانچہ ریاست قلات سے ایک جماعت جس میں ریاست کی بعض ذمہ دار دینی شخصیتیں تھیں اپریل ۱۹۴۶ء میں مرکز بستی نظام الدین دہلی آئیں اور یہاں کے کام کو دیکھ کر جب واپس گئیں تو اسی طرز پر قلات میں کام شروع کر دیا۔ نیز قلات والوں کی درخواست پر (۸۰) آدمیوں کی ایک جماعت دہلی سے قلات گئی جس کے امیر حافظ مقبول حسن تھے۔ اس کے بعد ۲۸- مئی ۱۹۴۶ء کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ اپنے مخصوص ساتھیوں کے ہمراہ قلات تشریف لے گئے اور وہاں ایک ہفتہ تک مختلف مقامات پر اجتماعات میں تقریریں کیں۔ قلات کے سفر سے پہلے کراچی میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس اجتماع سے بھی ایک بڑی جماعت کراچی سے شکارپور، کوئٹہ کے راستہ قلات گئی اس نے بھی مختلف مقامات پر تبلیغی کام کیا۔

لکھنؤ اور رائے بریلی کا سفر: لکھنؤ میں کام کی ابتداء حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کے زمانہ میں ہو چکی تھی اور حضرت مولانا کے انتقال کے بعد لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ کے اجتماعات میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ تشریف لے جا چکے تھے۔ فروری ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں ایک بڑے قافلہ کے ساتھ اہل لکھنؤ کی دعوت پر پھر لکھنؤ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ پیر ہاشم جان مجددی سرہندی رحمہ اللہ کے علاوہ اور بہت سے علما بھی تشریف لے گئے تھے۔ لکھنؤ میں ندوۃ العلماء کی جامع مسجد اور شہر میں مختلف مقامات پر اجتماعات ہوئے۔ لکھنؤ سے یہ سب حضرات مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی درخواست پر رائے بریلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ (جد امجد سید احمد شہید رحمہ اللہ) کی مسجد میں قیام پذیر ہوئے اور رائے بریلی اور اس کے مضافات میں گشت اور تبلیغی اجتماعات ہوئے۔

کراچی کا سفر: کراچی اور بمبئی کی بندرگاہوں سے ہر سال کثیر تعداد میں جہاز روانہ ہوتے تھے۔ ان ساحلی مقامات پر عرصہ سے تبلیغی کام ہو رہا تھا۔ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۲ء سے جماعتوں کی جہاز روانگی شروع ہوئی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی اس زمانہ میں حج کو تشریف لے گئے ان کا حج مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی تحریک پر ہوا تھا تاکہ جہاز میں تبلیغی کام کیا جائے۔

چنانچہ مولانا علی میاں مدظلہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جہاز تشریف لے گئے اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ اس موقعہ پر مولانا

احتشام الحسن صاحب کے ہمراہ شعبان میں کراچی پہنچے۔ نودن یہاں قیام کیا اور حجاج کے کیمپوں میں اجتماعات ہوئے۔ مولانا نے حجاز جانے والی جماعتوں کو حجاز میں کام کرنے اور اوقات کو صحیح طریقہ پر خرچ کرنے کے بارے میں ہدایات دیں۔ اس سفر سے تبلیغی جماعتوں کی حجاز روانگی کی بنیاد پڑی۔

تقسیم ملک کا خونی دور: ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ بدنما اور خونی دور جس میں انسان پہاڑ ڈالنے والا درندہ بن گیا، جس نے معصوم سے معصوم مخلوق تک کو نہ چھوڑا اور اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء کا دور تھا جب ملک تقسیم ہوا اور دونوں طرف سے تبادلہ آبادی کا اقدام عمل میں آیا۔ بستی حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ دہلی کے بالکل دہانے پر واقع ہے اور مشرقی پنجاب کے رہگزر میں ہے۔ پھر ہندوستان کے اس دارالحکومت میں مسلمان آبادی کا ایک اہم جزو تھے اور تجارت و صنعت میں ممتاز۔ اس لیے ان کا آفت و مصیبت کا نشانہ بننا قدرتی تھا۔ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ اگست ۱۹۴۷ء بستی نظام الدین رحمہ اللہ میں بڑا پرآشوب گزرا حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی ۲۹ شعبان کو رمضان گزارنے وہاں تشریف لے گئے۔ ۲۷ رمضان المبارک کی شب میں جبکہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک تقسیم ہوا جگہ جگہ فسادات شروع ہوگئے۔ پہلے کلکتہ میں فساد شروع ہوا۔ پھر مشرقی پنجاب میں چنانچہ مشرقی پنجاب، الور، بھرت پور کی ہندو ریاستوں اور میوات کے مسلمان اپنے اپنے گھروں سے اُجڑ کر دہلی آگئے انہوں نے جامع مسجد دہلی کے سامنے والے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ آسمان کے نیچے بارش اور دھوپ میں زندگی گزارنے لگے۔ ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اخلاقی پستی، ذہنی بدحالی اور دنیاوی مصیبت کو دیکھ کر ہر دردمند دل رونے پر مجبور تھا۔ تبلیغی جماعت کے لوگوں نے اس حالت کو دیکھ کر اور موت سے بے پرواہ ہو کر سر سے کفن باندھا اور بے خطر شب و روز کام کرنا شروع کردیا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا یہ حال تھا کہ وہ ان پناہ گزینوں میں دوڑتے رہتے تھے ان کو اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ پیروں میں چھالے پڑجاتے، پیدل، سوار جیسے بن پڑتا ہر جگہ پہنچتے دربدر پھرتے اور ان کو جمع کر کے تقریریں کرتے ان کی ہمت بندھاتے۔ ایمان و توکل کا سبق دیتے۔ اس پوری مدت میں حضرت مولانا کو بھوک پیاس کا ذرا بھی ہوش نہ رہتا۔ رمضان المبارک کے بعد دہلی اور اطراف دہلی میں فساد شروع ہوگیا۔ راستے بند ہوگئے اور اب فساد اور کشت و خون خاص شہر میں ہونے لگا۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد یوسف مرکز میں مقیم حضرات کے سامنے برابر خطاب فرماتے۔ شہر کے مسلمان جن کا تبلیغی کام سے تعلق تھا دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو بستی نظام الدین آجاتے اور رات وہیں گزارتے کئی بار یہ لوگ فسادیوں کی زد میں آئے مگر عزم و ثبات میں فرق نہ آیا۔

اس کے بعد پورا شہر فساد کی آگ میں جھلسنے لگا۔ کسی کی عزت، مال و جان محفوظ نہ تھی۔ مگر تبلیغی کام کرنے والے حضرات مولانا کی بے چین طبیعت سے متاثر ہو کر اس آگ میں کود کود کر دین کا کام کررہے تھے۔ دہلی سے اجڑنے والے مسلمان ہمایوں کے مقبرہ، عرب سرائے اور نظام الدین کی سڑکوں پر اور پرانے قلعہ میں پناہ گزین تھے اور میوات کے اُجڑنے والے مرکز نظام الدین رحمہ اللہ میں بسے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کی بستی بالکل اجڑ گئی تھی لیکن تبلیغی مرکز اسی طرح آباد رہا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ ہر اس شخص سے جو مرکز میں مقیم تھا، فرماتے جو کچھ تمہارے پاس ہے ان مصیبت زدہ لوگوں پر خرچ کردو، ان کو کھلاؤ، پلاؤ ان کی حفاظت کا سامان

کر، ان میں دین کا کام کرو، تم کو معلوم نہیں یہ لوگ کس سبب سے لٹے پٹے ہیں۔ یہ اس لیے لٹے اور پیٹے گئے ہیں کہ یہ مسلمان ہیں۔ ایمان اور کلمہ والے بننے کے جرم میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں۔ اب یہی چیزیں ان میں پیدا کرو تاکہ صحیح طور پر اور سچے طریقہ سے مسلمان ہو کر رہیں۔ اس کے ساتھ حضرت مولانا بے دریغ روٹی کپڑا ان لوگوں میں تقسیم کرتے۔

ہزاروں کی تعداد میں پڑے ہوئے پناہ گزینوں میں کام کرنے کا مسئلہ بڑا پیچیدہ تھا۔ ایک تو راستہ خطرناک تھا۔ دوسرے ان میں پہنچ کر ان کی مصیبت اور بدحالی کا دیکھا نہ جانا اور سیکڑوں مسائل کا درپیش ہونا، جو لوگ ہمت کر کے ان میں پہنچ جاتے تو ان کی بیکسی، بے بسی کا قیامت خیز منظر دیکھ کر بے قابو ہو جاتے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں ہزاروں رکاوٹیں تھیں۔ ذرا قدم باہر نکالا کہ موت نے آدبوچا یا پولیس اور فوج کے حوالہ ہونا پڑا۔ بڑے بڑے ہمدرد و تعلق رکھنے والے آنکھیں پھیر لیتے۔ ان حالات میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ برابر مرکز میں پہنچ کر مرکز والوں کی سرپرستی فرماتے رہے اور سب سے بڑھ کر اس موقعہ پر حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی رحمہ اللہ نے اپنی مجاہدانہ زندگی، دیرینہ تعلق اور احساسِ فرض کی صفت کا پوری طرح مظاہرہ کیا، دامے، درمے، سخنے تبلیغی جماعتوں کا ساتھ دیا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں کی خبر گیری شب و روز رکھی۔ جب بھی کوئی تبلیغی جماعت ان کے پاس جاتی وہ باوجود اس کے کہ سیکڑوں مسائل ان کے ذہن و دماغ کو مشوش بنائے ہوئے ہوتے۔ اس جماعت کی بات کو غور سے سنتے اور فوراً پرچہ لکھ دیتے۔ "یہ جماعت ہماری جماعت ہے" اس پرچہ کو لے کر جماعت جہاں جانا چاہتی چلی جاتی کہیں بھی پولیس یا فوج مزاحم نہ ہوتی اس کے علاوہ خود مولانا اپنا وقت نکال کر گشت کرتے اور بستی نظام الدین رحمہ اللہ آتے اور حالات دریافت کرتے۔

مرکز بستی نظام الدین رحمہ اللہ چونکہ اس وقت قدم جمانے والے اہلِ محبت کا مرکز اور پناہ گزینوں کا مرجع بنا ہوا تھا اس لیے فسادیوں کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکتا تھا۔ کئی بار انہوں نے حملہ کی تیاری کی، مگر خدا نے حفاظت کی اور اپنی خاص نصرت سے اس کو محفوظ رکھا۔ ہر وقت اس کا خوف لگا رہتا تھا کہ کب فسادیوں کا مرکز پر حملہ ہو جائے۔ ان حالات میں بڑے بڑے صاحب ہمت لوگوں کے بعض اوقات قدم اکھڑ جاتے مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ پورے عزم و ثبات کے ساتھ ڈٹے رہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"کئی مرتبہ بہت سی کوششیں مسجد پر حملہ کی ہوئیں مگر ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی غیبی مدد کھلی ہوتی تھی کہ اس کو اللہ کے انعام کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ بھوگال سے پرلی طرف کئی ہزار کا مجمع لاٹھیوں اور بندوقوں سمیت جمع ہے اور آج رات کو مسجد پر حملہ ہونا طے ہے۔ مغرب کے بعد ایسی زور کی بارش، بجلی کی کڑک اور اولے پڑے کہ راستے پانی سے بھر گئے اور ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ پڑی۔ مسلسل حملہ آوروں کے ہجوم اور صبح شام فسادات کے تلاطم خیز سمندر میں مرکز کا ہچکولے کھاتے ہوئے جہاز کی مانند بن جانے کی وجہ سے اہل الرائے حضرات کا اصرار تھا کہ کم سے کم مرکز چھوڑ دینا چاہیے اور کسی محفوظ مقام پر منتقل ہو جانا چاہیے مگر اس وقت بھی مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی مرکز کا کام جس طرح پہلے سے چل رہا تھا مصائب و تکالیف کے اس دور میں بھی اسی طرح چلتا رہا"۔

دہلی کی تباہی اور مسلمانوں کے خون کی ارزانی خصوصاً اہل تعلق کے گھر بار کے اُجڑنے سے مولانا کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ برسوں جس چمن کی آبیاری میں مولانا اور ان سے پہلے ان کے والد محترم نے اپنی ساری توانائیاں خرچ کردی تھیں اور جس کام کے لیے اپنی زندگی جیسی متاعِ عزیز قربان کردی تھی۔ اس کے کارکنوں کے اس طرح اُجڑنے اور بے گھر ہونے سے مولانا کے دل میں رستا ہوا ناسور پیدا ہوگیا تھا۔ مولانا کو ان کے جان ومال کی بربادی سے زیادہ ان کے ایمان و دین جیسی متاع کے لٹنے کا غم تھا۔ وہ میوات جس کی اصلاح کے لیے حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے ساری زندگی ختم کردی تھی۔ جہاں صدہا مدرسے اور مکاتب کھولے، جہاں سیکڑوں حفاظ اور قراء تیار ہوئے۔ وہ آگ کی لپیٹ میں آگیا اور چشم زدن میں ویران ہوگیا۔

مشرقی پنجاب کا فساد: تقسیم ہند کا سب سے زیادہ اثر دہلی اور اطراف دہلی کے علاوہ مشرقی پنجاب پر پڑا تھا۔ وہ مشرقی پنجاب جہاں مسلمانوں کی غالب آبادی تھی اور سیکڑوں چھوٹے بڑے مدارس اور خانقاہیں تھیں، جہاں تقسیم سے پہلے تبلیغی جماعتوں نے کام کیا تھا اور بیشمار لوگ تبلیغی تحریک سے وابستہ ہوچکے تھے۔ خطِ تقسیم کے کھنچتے ہی یہ علاقہ آگ کی ایک بھٹی بن گیا، مدرسے اجڑ گئے۔ خانقاہیں بند ہوگئیں، علماء ہجرت پر مجبور ہوگئے اور بڑی آبادی اپنے محبوب وطن کو چھوڑ کر پاکستان منتقل ہوگئی۔ بے شمار آدمی شہید کئے گئے، اور جو لوگ انتقالِ وطن نہیں کرسکتے تھے وہ یا تو پہاڑوں کے دامنوں میں چھپ گئے یا اپنے دین کو چھوڑنے پر مجبور کئے گئے اور انہوں نے بادلِ ناخواستہ ترکِ دین کیا۔ اس خونی انقلاب نے سارے علماء و اکابر کو بے چین کردیا جن کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دل وجان سے زیادہ تعلق تھا اور مشرقی پنجاب میں ان کے معتقدین اور محبین اور اہل تعلق آباد تھے۔ خصوصاً حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ اور ان کے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائپوریؒ کا لگایا ہوا باغ اس پورے حصے میں آباد تھا۔ وہ دیکھتے دیکھتے اجڑ گیا اس لیے قدرتی طور پر حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کے دل ودماغ پر اس کا بڑا اثر پڑا اور دل کو ایسا زخم لگا جو آخر تک مندمل نہ ہوسکا۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ ان پر آشوب دنوں میں بڑی قوت وطاقت اور خداوند تعالیٰ کی قدرت پر پورے یقین سے دین کی دعوت پھیلانے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے طریقہ کو اپنانے پر زور دیتے۔ جن لوگوں نے مولانا کی اس وقت کی تقریریں سنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ مولانا کے اندر کتنا عزم اور بڑی سے بڑی باطل طاقت کو حقیر جاننے کی قوت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے سامنے فسادات کا یہ خونی منظر کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا اور یقین کامل تھا کہ اگر صحیح دین کی دعوت دی جائے اور چند اصحاب دعوت وعزیمت اپنی جانوں کو پیش کردیں تو بڑی سے بڑی طاقت پاش پاش ہوسکتی ہے۔ مولانا کی ان دنوں کی ایک تقریر کے مندرجہ ذیل اقتباس سے مولانا کے عزم وثبات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا:۔

> "تم حضور ﷺ کے نمونہ پر بننا شروع کرو جتنا بننا ہوگا بن جائے گا اور جو بننے والا نہیں ہوگا اور بننے والوں کے لئے رکاوٹ بنے گا خدا تعالیٰ اسے اس طرح توڑ دے گا جیسے انڈے کے چھلکے کو توڑ دیتا ہے۔ تم جن کو بڑی طاقتیں کہتے ہو خدا وند کریم کے نزدیک ان کی حیثیت مکڑیوں کے جالے کے برابر بھی نہیں۔ اس دنیا میں پاکیزہ انسانوں کے نہ ہونے کی وجہ سے مکڑیوں کے بڑے بڑے جالے لگ گئے تھے جب حضور ﷺ کی سعی سے پاکیزہ انسان بن گئے تو خدا کے عذاب کی ایک جھاڑو سے روم وفارس کے جالے صاف کردیئے گئے تھے بالکل یہی صورت روس وامریکہ کی ہوگی"۔

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں مولانا کے دورے اور اجتماعات: تقسیم ملک کے چند ماہ بعد تک مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تبلیغی کام زیادہ تر دہلی اور اس کے اطراف میں جو مسلمان پناہ گزین آ کر بس گئے تھے، ان میں کیا اور زیادہ سے زیادہ جماعتیں فسادات سے متاثر مسلمانوں میں بھیجیں۔ چند مہینوں کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے اور مختلف علاقوں میں اجتماعات کرنے کے راستے کھلے تو مولانا نے اجتماعات کی ابتدا فرمائی اس لئے کہ اجتماعات سے ٹوٹے ہوئے دلوں کو قوت اور اکھڑے ہوئے قدموں کو ثبات ملتا تھا۔ جہاں جہاں پر اجتماعات ہوئے وہاں پر ہمت وجرأت کی فضا پیدا ہوگئی اور جو مسلمان کھلے عام نکلنے سے ڈرتے تھے، وہ بے جھجک سفر کرنے لگے۔ تبلیغی جماعتیں نہ عین فسادات کے دنوں میں رکیں نہ ویران جگہوں میں سفر کرنے سے ڈریں۔ جس ذات باری تعالیٰ کا کام وہ کررہی تھیں اس پر پورے ایمان ویقین کے ساتھ فسادات کے الاؤ میں کود پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے فضا کو ہموار کردیا اور دینی دعوت کے راستے کھول دیئے۔ جب عام مسلمانوں میں اعتماد اور جرأت اور بے خوفی کی قوت پیدا ہونے لگی تو مولانا نے عام اجتماعات کی طرح ڈالی۔

رائے پور شریف کا اجتماع: مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے تقسیم ملک کی لائی ہوئی مصیبت اور وحشت پیدا کرنے والے دور میں اجتماعات کی ابتدا ایسے مقام سے کی جہاں پر ذکر کی فضا قائم تھی اور برسوں سے اللہ اللہ کرنے والے وہاں پر موجود تھے اور ایک ایسے مردِ باخدا اور بزرگ شخصیت کا سایہ تھا جس نے برسوں ایمان ویقین اور یادِ الٰہی کا سبق دیا۔ رائے پور سہارنپور سے تقریباً بیس بائیس میل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے اس قصبہ کے ساتھ گلشنِ رحیمی میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کا قیام تھا۔ اسی رائپور میں تقسیم ہند کے بعد سب سے پہلا تبلیغی جلسہ ہوا جس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی نے بھی شرکت کی۔ یہ جلسہ ۱۲، ربیع الثانی ۶۷ھ مطابق ۱۴، فروری ۱۹۴۸ء کو ہوا۔ رائے پور کے اس قیام میں حضرت مولانا رائے پوریؒ نے مولانا محمد یوسف صاحبؒ سے اصرار فرمایا کہ آپ ہندوستان کے دوروں سے فارغ ہو کر پاکستان کا سفر کریں اور وہاں تبلیغی اجتماعات کئے جائیں۔

یاد رہے کہ فسادات کے دنوں میں حضرت اقدس رائے پوری رائے پور ہی میں مقیم رہے۔ اس دوران دوسرے تیسرے روز سہارنپور تشریف لے جا کر سہارنپور کے مسلمانوں کو تلقین فرماتے رہے کہ تم لوگ ہرگز ہجرت نہ کرو اور یہیں جیو مرو اور اسی استقامت کا سبق حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریاؒ مسلسل دیتے رہے۔ چونکہ سہارنپور یو۔پی کا سرحدی ضلع تھا اگر یہ اکھڑ جاتا تو سارا یو۔پی مسلمانوں سے خالی ہوجاتا۔ چنانچہ ان حضراتؒ کی تلقین سے سہارنپور کے مسلمان وہیں ڈٹے رہے اور ان کی وجہ سے دوسرے ملحقہ اضلاع مظفر نگر، لکھنؤ وغیرہ کے لوگ بھی وہیں جمے رہے۔ اور آج ہندوستان میں مسلمانوں کی معتدبہ تعداد اپنا ایک وزن رکھتی ہے اور ان کی وجہ سے آج بھی اس کفرستان میں ہزاروں مساجد، ہزاروں دینی مدارس اور کئی مسلم یونیورسٹیاں (دیوبند، مظاہر العلوم، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی دار العلوم ندوۃ العلماء) آباد ہیں۔ اسی طرح حضرت رائے پوری کی تلقین سے حضرت کے خلفا اور اہلِ علم مریدین نے رائے پور کے آس پاس کے پہاڑی علاقوں میں جا جا کر مسلمانوں کو ارتداد سے روکا اور مشرقی پنجاب جو مسلمانوں سے بالکل خالی ہوگیا تھا وہاں ازسرِ نو مسلمانوں کو آباد کیا چنانچہ آج مشرقی پنجاب میں بھی مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد آباد ہے۔

ہندوستان میں مختلف مقامات پر اجتماعات اور ان کی کیفیت: رائے پور شریف کے اجتماع کے بعد مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر سیکڑوں اجتماعات کئے اور ان میں شرکت کی۔ جن کی تفصیل آئندہ سطور میں مختصراً بیان کی جارہی ہے۔

ان اجتماعات کے انعقاد کی شرائط کیا تھیں اور ان کا طریقہ کار کیا تھا۔ پہلے اس کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ اس پر زور دیتے تھے کہ اجتماعات منعقد ہونے سے پہلے بھی کثیر تعداد میں لوگ اوقات لگائیں۔ کچھ تو اپنے اپنے مقامات اور ان کے اطراف وجوانب میں اجتماع کو کامیاب کرنے کے لیے کوشش کریں اور کچھ لوگ چلّہ لگائیں اور دور دور تک سفر کریں۔ مولانا کے نزدیک یہ ضروری تھی کہ اجتماع کے لیے لوگوں میں خوب جم کر کام کیا جائے اور فضا اتنی ہموار کردی جائے کہ اجتماع سے اوقات دینے والے بکثرت نکل سکیں۔

جب بھی کسی شہر یا علاقہ والے بڑا اجتماع کرتے تو ان کے لیے ضروری ہوتا کہ وہ جماعت کو لے کر مولانا کی خدمت میں جائیں اور اجتماع کی تاریخ طے کرائیں۔ یہ علاقہ والوں کے تعلق اور کام سے دلچسپی پر منحصر ہے کہ وہ کتنی بڑی جماعت لے کر جاتے ہیں۔ عموماً بڑی جماعت جایا کرتی تھی اس صورت میں جو لوگ جایا کرتے تھے ان کا کام سے تعلق بڑھتا تھا۔ وہ مولانا کے صبح شام کے خطاب سنتے تھے اور ان کے دل ایمان ویقین سے معمور ہوتے تھے۔ ان کے سامنے کام کے نشیب وفراز آتے اور وہ جب اپنے علاقے کو لوٹتے تو بڑی ذمہ داریوں کے ساتھ اور بڑی کیفیات، شوق وذوق اور کام کی لگن لے کر لوٹتے تھے ان کے اس سفر سے اجتماع کو بڑی مدد ملتی تھی۔

خطاب ختم ہونے پر مطالبے شروع ہوجاتے سیکڑوں نام جو پہلے آچکے ہوتے وہ لکھے جانے لگتے نئے لوگ کھڑے ہوکر اپنا اپنا نام لکھواتے جماعتوں کی تشکیل کا ایک کمرہ الگ ہوتا۔ اس میں ان تمام لوگوں کو جمع کیا جاتا جو نام لکھا چکے ہوتے اور وہیں اندرون وبیرون ملک کے لیے جماعتیں بنتیں۔ اوقات مقرر ہوتے۔ پیدل، ریل کے ذریعے، سائیکلوں کے ذریعے اور بیرونِ ملک کے لیے ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعے جانے کا نظم بنتا۔ اجتماع کے خاتمے پر عمومی طور پر تیسرے دن صبح سے دوپہر تک تقریباً گیارہ بجے تک مولانا کا آخری خطاب ہوتا جس میں کام کا اصول، طریقہ کار، گشت واجتماع اور سفر کے متعلق ایک مرتب اور منظم ہدایت نامہ ہوتا، تاکہ جماعتوں میں جانے والے اس کے مطابق اپنے اوقات گزاریں۔ اس خطاب کے بعد مولانا بڑی مؤثر دعا فرماتے جس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے اور پوری فضا آمین سے گونج اٹھتی۔ دعا کے بعد ہزاروں افراد جماعتوں کی شکل میں مولانا سے مصافحہ کرتے ہوئے اور دعائیں لیتے ہوئے رخصت ہوتے۔ یہ منظر بھی دیکھنے والے کو انتہائی متاثر کردیتا اور سیکڑوں آنکھیں محبت وتعلق سے اور اپنی محرومی کے احساس سے اشکبار ہوجاتیں۔ ان بڑے بڑے اجتماعات سے جن میں مولانا شرکت فرماتے ہزاروں کی تعداد میں لوگ نکلتے۔ دس دس بارہ بارہ جماعتیں دوسرے ملکوں کے لیے نکلتیں۔ سیکڑوں جماعتیں اندرونِ ملک کے صوبوں، شہروں اور قصبوں کے لئے نکلتیں۔ اوسطاً بڑے اجتماع سے دو اڑھائی ہزار آدمی نکلتے اور مولانا کے آخری دور میں تو اس سے بھی زیادہ تعداد بعض اجتماعات سے نکل چکی ہے۔ عام طور پر لوگ تین تین چلوں کے لئے نکلتے۔

اجتماع کے بعد کی کیفیات: مولانا جن جن اجتماعات میں شریک ہوتے وہ مہینوں پہلے سے فضا کو جذب وشوق اور جدوجہد کی کیفیات سے معمور کرا دیتے اور لوگ ذوق وشوق سے مولانا کی آمد کا انتظار کرتے، لیکن اصل کیفیت اور نورانیت اجتماع کے بعد پیدا ہوتی ہے اور مہینوں تک دین کا غلغلہ اور خدمتِ دین کا جذبہ فضا میں سرایت کئے رہتا اور عوام وخواص سب کئی مہینے تک اس کا تذکرہ کرتے رہتے اور اپنے دل ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال پاتے۔ مولانا مسلسل بولتے۔ آخری تقریر میں مولانا کا جوش وخروش انتہا کو پہنچ جاتا اور ہر شخص دم بخود ہوتا کہ گھنٹوں سے بول رہے ہیں مگر تکان نہیں۔ عزم ویقین کا پیکر بنے سارے انسانوں کو دعوتِ حق دے رہے ہیں۔ سارا مجمع ایمان ویقین کے سمندر میں ڈوب جاتا۔ اجتماع ختم ہوتا۔ مولانا رخصت ہوجاتے اور اپنے پیچھے ایسے دیرپا اثرات چھوڑ جاتے کہ مہینوں تک فضا ان سے معمور رہتی۔ ہر شخص کی زبان پر ان کی تقریروں کا تذکرہ، ان کے اعتماد علی اللہ، یقین وتوکل کا چرچا رہتا۔ جو لوگ اجتماع سے پہلے مخالف ہوتے وہ مولانا کے ایمان افروز خطاب اور روح پرور گفتگوؤں کی بے پایاں تعریف وتوصیف کرتے۔

پاکستان کے دورے اور اجتماعات

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان کے مختلف حصوں سے بیشمار مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے تھے خصوصاً دہلی اور میوات سے بہت سے پرانے کام کرنے والے اور ان اکابر سے تعلق رکھنے والے اپنے عزیز وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ ان میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جن میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے پاکستان پہنچ کر پناہ گزینوں اور مہاجروں میں کام کرنا شروع کردیا۔ نیز تقسیم سے پہلے ہی پنجاب، سرحد، وسندھ میں کام شروع ہوچکا تھا۔ اسی طرح مشرقی پاکستان میں بھی کام کرنے والے پہنچ چکے تھے۔ اس لئے نئی اور پرانی طاقتیں مل گئیں اور تبلیغی کام کی مضبوط بنیاد پڑگئی اور اس کا مرکز مغربی پاکستان میں رائے ونڈ کو قرار دیا گیا جو لاہور سے ۲۸ میل دور تحصیل قصور (اب ضلع) میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ مقامی طور پر لاہور (باغبانپورہ) میں بلال پارک اور کراچی میں مکی مسجد کو مرکز بنایا گیا۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں ڈھاکہ بھی کام کرنے والوں کا بڑا مرکز بن گیا اور مولانا محمد یوسفؒ کے دوروں سے ہر ہر شہر اور قصبے میں کام کرنے والے پیدا ہوگئے۔

مغربی پاکستان میں شروع شروع میں کام کو جمانے کے لیے سات مرکز قائم کئے گئے۔ (۱) کراچی (۲) راولپنڈی (۳) لاہور (۴) حیدرآباد سندھ (۵) پشاور (۶) کوئٹہ اور (۷) ملتان۔ ان مراکز میں ہر سال اجتماعات ہوتے رہے اور مسلسل جماعتوں کی نقل وحرکت ہوتی رہی۔ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں تین مرکز قائم کئے گئے۔ (۱) ٹنگرائل (۲) چاٹگام (۳) کھلنا۔

رائے ونڈ کا مرکز: مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی رائے ونڈ کے مختلف اجتماعات میں بیشمار تقریریں ہوئیں جن سے ہزاروں افراد نے یقین واعتماد کی دولت پائی اور اپنی عمروں کو تبلیغی کام میں لگایا۔ عرب اور دوسرے ممالک کے اہلِ علم حاضر ہوئے اور ملکی اور مقامی باشندوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور آج بھی اس مرکز سے تبلیغی شاخیں پھوٹ پھوٹ کر مشرق ومغرب کے علاقوں میں اپنی روشنی پھیلارہی ہیں۔ یورپ کے ممالک کے کتنے ایسے مسلمان ہیں جو اس مرکز میں برابر آتے رہے ہیں اور واپس جاکر اپنے ملک میں تبلیغی کام کرتے رہے ہیں۔ پاکستان کے اہلِ تعلق نے جس تندہی، جفاکشی اور محنت ومجاہدہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کی اس تحریک کو پھیلایا اور ایمان ویقین اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ خروج فی سبیل اللہ کو جس طرح رواج دیا اور اس کو عام کیا اس کی کوئی مثال برصغیر کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ پاکستان کی تبلیغی جماعتوں نے صرف یہی نہیں کہ اپنے ہی ملک میں تبلیغی کام کیا ہو بلکہ دوسرے ممالک جیسے حجاز، شام، مصر، عراق، اردن، ترکی، انگلینڈ، جاپان، امریکہ نیز دوسرے یورپین ممالک اور افریقہ اور ایشیا کے ملکوں میں اوقات لگائے اور تکلیفیں اٹھا اٹھا کر پیدل اور سواریوں کے ذریعہ مسلسل کام کیا۔ دوسرے ممالک کے افراد اور جماعتوں کو اپنے ملک میں لائے اور ان کو اپنے یہاں پھرایا اور تعاون واشتراک سے پوری دنیا کو ایک صحن بنادیا اور حدود قیود کی تفریق مٹادی۔

جس طرح ہندوستان کے دوروں اور اجتماعات میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا معمول تھا اور جن قواعد اور شرائط کے ساتھ اجتماعات ہوتے تھے اور ان اجتماعات سے فضا پر جو اثرات مرتب ہوتے تھے وہی ساری چیزیں کچھ زیادہ بڑے پیمانہ پر پاکستان میں ہوتی تھیں۔ یہاں صرف چند اجتماعات کا سرسری ذکر کیا جاتا ہے۔

کراچی کا پہلا اجتماع: تقسیم ملک کے تین چار ماہ بعد ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے مع اپنے رفقاء کے شرکت کی۔ اس کے بعد کئی اجتماعات ہوئے جو آج تک ہوتے چلے آرہے ہیں۔

لاہور کا پہلا اجتماع: ۱۵ تا ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان اجتماع کیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ہندوستان و پاکستان دونوں جگہوں کے مسلمانوں بالخصوص مہاجرین کو کئی بڑے مسائل درپیش تھے۔

راولپنڈی کا اجتماع: ۷ تا ۹ مئی ۱۹۴۸ء کو راولپنڈی میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع کیا گیا۔ مولانا محمد الیاسؒ کے معتمد خاص محمد شفیع قریشی صاحب اور ان کے رفیق کار ملک دین محمد صاحب تقسیم کے بعد دہلی سے راولپنڈی منتقل ہوگئے تھے ان کے اصرار پر یہاں اجتماع رکھا گیا اور مرکز کی بنیاد ڈالی گئی۔ اب یہاں جماعت کا ایک مستقل مرکز ہے۔

پشاور کا اجتماع: ۲۰ تا ۲۲ اپریل ۱۹۵۰ء کو پشاور میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد کیا گیا جس میں پنجاب و سندھ کے علاوہ سرحد کے ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ اور حضرت مولانا حافظ فخرالدین صاحب خلیفہ مجاز حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی شرکت کی (اسی اجتماع میں راقم السطور کو حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ کے دست مبارک پر بیعت ہونے کی سعادت حاصل ہوئی)

سکھر کا اجتماع: ۱۱ اپریل جولائی ۱۹۵۲ء کو سکھر میں ایک عظیم الشان اجتماع کیا گیا اسی کے ساتھ ساتھ مولانا نے متعدد مقامات کا دورہ کیا لاہور، لائلپور، سرگودھا، کراچی، ٹنڈو اللہ یار اور حیدرآباد میں اجتماعات کئے گئے جن میں مولانا محمد یوسفؒ نے خطاب کیا۔

کراچی کا اجتماع: جولائی ۱۹۵۳ء میں مولانا نے کراچی، ملتان اور بہاولپور کے اجتماعات میں شرکت کی اور اسی دوران پاکستان کے مختلف شہروں اور قصبات کے اجتماعات میں خطاب فرمایا۔

ڈھاکہ اور اس کے مضافات کے اجتماعات: جنوری ۱۹۵۴ء کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے رفقاء کے ساتھ ڈھاکہ تشریف لے گئے وہاں ایک ہفتہ قیام کیا اور ڈھاکہ اور اس کے مضافات میں مختلف مقامات پر متعدد اجتماعات سے خطاب کیا۔

رائے ونڈ کا اجتماع: ۱۱ اپریل ۱۹۵۴ء کو رائے ونڈ تشریف لائے اور ایک بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ تین دن قیام کیا اور صبح شام تقاریر کیں اس کے بعد لاہور تشریف لے گئے اور چھ روز قیام کیا اور متعدد اجتماعات سے خطاب فرمایا۔

کھلنا کا اجتماع: ۷ تا ۹ نومبر ۱۹۵۴ء کو کھلنا (بنگلہ دیش) میں اجتماع ہوا جس میں مولانا کی نیابت میں مولانا عبید اللہ بلیاوی تشریف لے گئے۔

رائے ونڈ اور راولپنڈی کا اجتماع: ۴ مارچ ۱۹۵۵ء کو رائے ونڈ میں مولانا نے ایک بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا اس کے بعد راولپنڈی تشریف لے گئے اور تین روز قیام فرمایا اور رات دن مسلسل خطاب فرماتے رہے۔

چاٹگام کا اجتماع: ۲۹، تا ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ء کو مولانا اپنے گیارہ ساتھیوں کے ہمراہ چاٹگام (مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش) تشریف لے گئے اور وہاں کے ایک بڑے اجتماع میں شرکت کی۔ یہ بنگال کا ایک ممتاز اور عدیم المثال اجتماع تھا۔ یہاں سے فراغت کے بعد ڈھاکہ اور اس کے مضافات میں متعدد مقامات پر خطاب کیا۔

رائے ونڈ کا اجتماع: ۵ تا ۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو رائے ونڈ میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا۔ اس میں مولانا نے اپنے پرانے رفقا سمیت شرکت کی۔ بیرونی ممالک کے لیے کثیر جماعتیں اس اجتماع سے ملیں۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد رائے ونڈ کا سالانہ اجتماع ہوا۔ (جو کہ ہر سال ہوتا ہے اب تک ہو رہا ہے) اس میں مولانا نے اپنے ساتھیوں سمیت شرکت کی یہاں سے فارغ ہو کے کوہاٹ تشریف لے گئے اور وہاں سے واپسی پر راولپنڈی میر پور کے اجتماعات میں خطاب کیا اور اس کے بعد کراچی تشریف لے گئے اور وہاں متعدد اجتماعات میں خطاب فرمایا۔

پنجاب اور سرحد کا دورہ: ۱۰، رجب ۱۳۷۸ھ سے ۲، شعبان ۱۳۷۸ھ تک مولانا نے مغربی پاکستان کا دورہ کیا اور رائے ونڈ، لاہور، راولپنڈی، گوجرانوالہ، لائلپور (فیصل آباد) اور پشاور کے مقامات پر متعدد اجتماعات سے خطاب فرمایا اور صبح شام کی سیکڑوں مجالس میں ارشاد فرماتے رہے۔

بنگال کا دورہ: یہاں سے فارغ ہو کر مولانا ڈھاکہ (بنگلہ دیش) تشریف لے گئے اور بنگال کا پندرہ دن کا دورہ کیا اور متعدد شہروں اور قصبوں اور دیہات میں صبح شام تقاریر کیں۔ دوبارہ ۲ اپریل ۱۹۶۰ء کو مولانا اپنے رفقا سمیت کلکتہ اور وہاں سے ڈھاکہ تشریف لے گئے اور ڈھاکے کے اطراف وجوانب میں مختلف مقامات پر اجتماعات کئے گئے جن میں مولانا نے خطاب فرمایا۔

سندھ اور پنجاب کا دورہ: ۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء کو کراچی تشریف لے گئے اور سندھ کا دورہ کیا۔ یہ دورہ اٹھارہ دن رہا اس میں سندھ کے مختلف شہروں اور قصبوں میں متعدد اجتماعات میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔

شوال ۱۳۸۰ھ میں دوبارہ سندھ اور پنجاب کا ایک طویل دورہ کیا۔ آپ کے ساتھیوں میں مولانا انعام الحسن صاحب، حاجی فضل عظیم صاحب، مفتی زین العابدین صاحب بھی تھے۔ اس دورہ میں آپ نے رائے ونڈ، لاہور، راولپنڈی، پشاور، سیالکوٹ، بلگن، وڈھالہ، لائلپور (فیصل آباد) کراچی، حیدرآباد، سکھر، بہاولپور، ملتان، بھکر، سرگودھا، بھنبر، پتوکی وغیرہ مقامات کے علاوہ دوسرے بہت سے قصبات کے اجتماعات میں خطاب فرمایا۔

مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کا دورہ: ۱۰ نومبر ۱۹۶۲ء کو مشرقی پاکستان کا طویل دورہ کیا۔ یہ سفر ایک مہینہ پانچ دن کا تھا۔ اس میں کلکتہ، ڈھاکہ اور چاٹگام اور ان شہروں کے مضافات میں متعدد مقامات پر اجتماعات منعقد کئے اور ان میں خطاب فرمایا۔

مغربی پاکستان کا دورہ: ۲۱ مارچ ۱۹۶۳ء کو مولانا نے مغربی پاکستان کا دورہ کیا اور یہ دورہ ایک ماہ بارہ دن کا تھا۔ لاہور سے رائے ونڈ پہنچے۔ تین دن کے اجتماع میں مسلسل خطاب فرمایا۔ بڑا عظیم اجتماع تھا۔ بیشمار جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر پاکستان کے متعدد شہروں، قصبوں اور دیہات کا دورہ کیا اور خطاب فرمایا۔

آخری حج سے واپسی اور مغربی پاکستان کا دورہ: ۱۹۶۴ء میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ہمراہ حج کیا۔ یہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا آخری حج تھا۔ ۲۵، جون ۱۹۶۴ء کو جدہ سے دونوں حضرات کراچی پہنچے اور کی مسجد میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ پھر کراچی سے ملتان، لائلپور (فیصل آباد) سرگودھا، ڈھڈیاں شریف (مدفن حضرت اقدس رائے پوریؒ) لاہور وغیرہ مقامات سے ہوتے ہوئے واپس دہلی پہنچے۔

حجاج اور اہلِ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا

اگرچہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بندرگاہوں اور جہازوں میں حجاج کے اندر تبلیغی کام کرنے کا پروگرام بنالیا تھا مگر اس کو عملی جامہ پہنانے اور اس کو ترقی دینے میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا ہاتھ ہے۔ اس لیے حجاج اور حجاز میں تبلیغی کام کی اشاعت اور ان لوگوں کو داعی الی اللہ بنانے کا کارنامہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ ہی کے احسانات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ حجاز چونکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا عظیم مرکز ہے اور دنیا کے ہر ہر خطہ سے مسلمان کھنچ کھنچ کر حجاز مقدس فریضہ حج ادا کرنے جاتے ہیں اور اس پاک دیار میں علما ومشائخ، عوام وخواص، عمائد سلطنت کا اچھا خاصا اجتماع ہوجاتا ہے اس لیے ان میں اگر دینی دعوت کا کام کیا جائے تو اس کا اثر نہ صرف حجاز بلکہ اس سے زیادہ دنیا کے تمام خطوں پر پڑسکتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دل میں اس کا داعیہ پیدا ہوا اور اس داعیہ نے آپ کو بے قرار کردیا۔ چنانچہ آپ نے تقاریر اور مکاتیب کے ذریعہ لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا اور حجاج میں کام کرنے کا ایک وسیع اور مرتب پروگرام بنایا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ ان تمام علاقوں اور مرکزی مقاموں پر جماعتوں کے ذریعہ تبلیغی نقل وحرکت جہاں حجاج جمع ہوئے ہیں جیسے بڑے بڑے اسٹیشن اور جنکشن، مسافر خانے وغیرہ۔

۲۔ ان بندرگاہوں اور ساحلوں پر جماعتوں کا گشت جہاں جہاں سے حجاج کے جہاز روانہ ہوتے ہیں۔

۳۔ جہازوں پر تعلیم ومذاکرہ جبکہ حجاج بالکل فارغ ہو کر اپنے اوقات گزارتے ہیں۔

مولانا کے بتلائے ہوئے ان طریقوں پر تبلیغی جماعتوں نے اپنے اوقات لگائے اور دوسروں کو اس کا احساس دلایا اور چند ہی سال میں عام لوگوں کی ادھر توجہ ہونے لگی۔ اسی طرح مولانا نے اس کا بھی اہتمام فرمایا کہ حجاج کی پیدل جماعتیں کام کرتی ہوئی جائیں۔ اس طرح ان کے اوقات بھی صحیح طور پر گزریں گے اور حج کرنے کا صحیح طریقہ بھی آئے گا۔

اس مبارک سفر میں کام کرنے کے لیے جو پہلی جماعت تیار ہوئی اس میں مراد آباد اور دہلی کے کام کرنے والے حضرات تھے جن میں حاجی فضل عظیم مراد آبادی، اور حافظ مقبول حسن دہلوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان حضرات نے بڑے مجاہدے اور ریاضت سے اس

کام کو حجاز میں چلایا اس کے بعد مولانا عبید اللہ بلیاوی کو مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے حجاز میں کام کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کے علاوہ جناب محمد شفیع قریشی صاحب مولانا نور محمد میواتی، مولوی عبد المالک صاحب مرادآبادی، حاجی عبد العلیم صاحب میرٹھی، چوہدری نواز خان میواتی بھی حجاز گئے اور ان میں سے بعض نے ایک سال قیام کر کے وہاں کام کیا۔

۲۶، جون ۱۹۴۷ء کو، مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو حجاز کے مبارک سفر پر روانہ کیا یہ سفر مولانا عبید اللہ بلیاوی کی درخواست پر اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے ایما پر ہوا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے حرمین شریفین کے ذمہ دار علما اور عمائد اور اہلِ علم واہلِ قلم میں اس کام کا تعارف کروایا جس کے نتیجہ میں دعوت اور جماعت کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور دعوت اصلاح و تبلیغ سے جو اجنبیت پہلے علمی حلقہ میں تھی وہ دور ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد تیسری جماعت جولائی ۱۹۴۷ء میں حجاز گئی جس کے امیر مولانا سعید احمد خان صاحب تھے۔

۱۹۴۹ء میں مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندویؒ حج کو تشریف لے گئے مولانا سید سلیمان ندوی سے عرب کے علما بہت پہلے سے واقف تھے ان کی حجاز پہنچنے سے تبلیغی جماعت کے افراد نے بڑا فائدہ اٹھایا اور کئی ایسے اجتماع کئے جن میں عرب کے علما بکثرت شریک ہوئے اور حجاز، یمن اور شام و عراق کے علاوہ سوڈان، مصر، مراکش، ٹیونس کے علما نے شرکت کی۔ اس سلسلہ کا پہلا اجتماع حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر ہوا (جو کہ مسجدِ نبوی کے ساتھ تھا اور اب توسیع مسجد کے سلسلہ میں منہدم کر دیا گیا) اور بڑا کامیاب رہا۔ اس اجتماع میں مراکش و تیونس کے فاضل علماء اور خواص جمع تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے نہایت اچھے انداز میں اور علمی اسلوب میں دعوت و تبلیغ پر روشنی ڈالی۔ اجتماع کے اختتام پر سبھی علما و خواص نے اپنے اپنے پتے دیئے۔ علما نے کام کو خوب سراہا اور اس کام سے اپنے تعلق کا اظہار کیا۔

اس سال مرکز نظام الدین کی طرف سے مولوی معین اللہ ندوی اور مولوی عبد الرشید ندوی طویل قیام کے لیے حجاز گئے اور ان دونوں ندوی نوجوانوں نے عربوں کے حلقہ میں تبلیغ کا کام کیا اور مشہور شخصیات سے تعلقات قائم کر کے بڑی حد تک اس کام سے اجنبیت کو دور کیا اور حجاز اور حرمین شریفین میں مختلف عرب ممالک سے آئے ہوئے حجاج میں کام کیا۔ حجاج میں تبلیغی کام کا عروج اس وقت ہوا جب کہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے آخری حج کیا اس زمانہ میں حجاج کے جتنے بڑے بڑے اجتماع ہوئے اور مختلف ممالک کے علما و مشائخ، عوام و خواص سے جتنی تبلیغی گفتگوئیں ہوئیں اور ان اجتماعات و مجالس سے جتنی زیادہ تعداد میں جماعتیں نکلیں اور تبلیغی کام کا تعارف ہوا، اس کی مثال نہیں ملتی۔

عرب ممالک میں تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت

حرمین شریفین، حجاز اور حجاج میں کچھ عرصہ تک تبلیغی جماعتوں کے کام کرنے کی وجہ سے عرب ممالک میں جماعت کا تعارف ہوا اور پھر یہیں سے عرب ممالک کو تبلیغی جماعتوں کے جانے اور وہاں کام کرنے کی راہیں کھلیں۔

تیرھویں صدی کے آخر میں چونکہ مغربی طاقتیں پورے عالم اسلام پر چھا گئی تھیں اور خود مختار اور آزاد مسلمان عرب حکومتیں ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ گئیں تھی۔ یورپ کے غلبہ کی وجہ سے مغربی تہذیب و تمدن کا ایک ایسا سیلاب آیا کہ عرب ممالک سے عربی خصائل، تہذیب و تمدن، امتیازی خصوصیات تک کو بہا کر لے گیا۔ دینی غیرت و حمیت ایمان و یقین، جذبہ جہاد جیسی متاع کو ڈبو کر رکھ دیا۔ چودھویں صدی ہجری میں مغربی تہذیب کے اثر کی وجہ سے پورے عالم عرب میں سادگی و جفاکشی اور سادہ معاشرت تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ امرء اور علما آرام و آسائش کی زندگی گزارنے لگے تھے۔ تبلیغی جماعتوں نے جب پہلے پہل کام شروع کیا تو حال یہ تھا کہ عرب ممالک میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی اس لئے ان کو مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اجنبی صورتوں، اجنبی باتوں اور اجنبی طور طریقوں کی وجہ سے شروع شروع میں مقامی لوگ ان سے دور دور رہتے تھے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے بڑی قربانیوں کے بعد کامیابی کی راہیں کھولیں اور ہر جگہ غیبی نصرت کے سامان پیدا ہونے لگے۔ جماعت والوں نے اصول کے طور یہ طے کر لیا تھا کہ کسی پارٹی یا حکومت سے کسی قسم کا ربط و تعلق یا مقابلہ اور ٹکراؤ نہ کیا جائے گا۔ نہ کسی سے امداد و تعاون کا طلبگار ہوا جائے گا۔ جب بھی کوئی رکاوٹ پیش آئے گی تو بجائے حاکم کے پاس جانے کے صلوۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مشکل کے حل ہونے کی دعا کی جائے گی۔ ان اصولوں پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادیں۔

یہاں چند عرب ممالک کے نام لکھے جاتے ہیں جہاں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دور میں پہلے پہلے جماعتیں گئیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ۔

مصر: ۱۹۴۶ء سے حجاز میں کام ہو رہا تھا۔ انہی ایام میں عرب ممالک کے حجاج میں کئی اجتماع کئے گئے خصوصاً مصری حجاج کے کئی اجتماعات ہوئے۔ ان اجتماعات سے عرب ممالک کے علما اور خواص و عوام اس تبلیغی کام سے روشناس ہوئے۔ چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے مولانا عبید اللہ بلیاوی کی امارت میں ایک جماعت مصر بھیجی۔ اس جماعت میں مفتی زین العابدین صاحب لائلپور، مولانا سعید احمد خان صاحب اور مولانا ابراہیم صاحب میواتی شریک تھے۔ ان لوگوں نے وہاں کے قصبات اور شہروں میں کام کیا۔

جنوری ۱۹۵۱ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے دو رفقا مولوی معین اللہ ندوی اور مولوی عبد الرشید ندوی کے ہمراہ مصر گئے اور ساڑھے پانچ ماہ قیام کر کے قاہرہ اور اس کے مضافات میں کام کیا۔ اور مصر کے اہم دینی اداروں اور مدارس میں اجتماعات کئے اور مصر کے عمائد، علما اور اہلِ علم کو اس کام سے متعارف کروایا۔ اس طرح مصر میں تبلیغی جماعتوں کے کام کرنے کا راستہ کھلا۔ اس کے بعد متعدد جماعتیں مصر میں گئیں۔

سوڈان: ۱۹۵۱ء میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا عبید اللہ بلیاوی مصر سے سوڈان گئے۔ ان دونوں حضرات نے یہاں کی مختلف شخصیات، عمائد اور علما و مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور مختلف اجتماعات میں تقریریں کیں۔ اس طرح سوڈان میں تبلیغی کام سے لوگ واقف ہوئے اور ان دونوں حضرات کی واپسی کے بعد تبلیغی جماعتوں کی آمد و رفت سوڈان میں شروع ہوئی اور آئندہ کے لیے تبلیغی کام کا راستہ کھلا۔

عراق: ہندو پاکستان کی تبلیغی جماعتیں حجاز اور دوسرے عرب ممالک میں دو راستوں سے جاتی ہیں۔ ایک راستہ عدن اور کامران ہو کر جاتا ہے دوسرا راستہ کویت، بصرہ، عراق ہو کر جاتا ہے۔ ان دونوں راستوں پر جماعتیں مسلسل کام کرتی ہوئی جاتی ہیں۔ ان میں کچھ جماعتیں پیدل اور کچھ بحری جہازوں پر جاتی ہیں۔ چنانچہ عراق میں بھی مولانا محمد یوسف کے دورِ امارت میں متعدد جماعتیں گئیں اور عراق کے مختلف مقامات بصرہ، بغداد، قریہ الزبیر اور دوسرے متعدد شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں میں کام کیا۔ پہلے پہل ایک جماعت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی امارت میں اور ایک مولانا ضیاء الدین احمد کی امارت میں عراق گئی۔ اس کے بعد متعدد جماعتیں عراق گئیں۔

شام: ابتداءً ایک جماعت مولانا عیسیٰ محمد پالنپوری کی امارت میں شام گئی۔ اس جماعت نے شام کے متعدد شہروں حلب، دمشق، حماۃ، حمص وغیرہ میں تبلیغی کام کیا۔ ۱۹۶۱ء میں ایک جماعت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کی امارت میں شام گئی اور متعدد شہروں اور قصبات میں تبلیغی اجتماع اور گشت کئے۔ اس کے بعد اب تک وہاں کئی جماعتیں جا چکی ہیں۔ شام سے اردن، فلسطین اور لبنان میں بھی متعدد جماعتیں گئیں اور عمان، بیت المقدس اور الخلیل اور بیروت وغیرہ میں متعدد مقامات پر تبلیغی کام کیا گیا۔

حضر موت، یمن: مکہ معظمہ سے ایک جماعت یمن کو روانہ ہوئی۔ راستے میں حضر موت کے علاقے سے گزرتے ہوئے حضر موت کے مختلف مقامات پر قیام اور تبلیغی گشت کئے۔ پھر یہ جماعت یمن پہنچی اور حضر موت اور یمن کے علما و عمائد سے جماعت کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد متعدد جماعتیں ان علاقوں میں تبلیغ کے لئے گئیں۔

لیبیا: لیبیا میں سنوسی خانوادے کی وجہ سے چپہ چپہ پر اسلامیات اور دینداری کے اثرات ہیں۔ کثیر التعداد خانقاہیں اور چھوٹے بڑے مدارس ہیں اور عوام پر علما و مشائخ کا اثر بہت ہے۔ اس ملک میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک جماعت بھیجی جس نے بیضا، بن غازی، طرابلس اور متعدد قصبات و دیہات کا دورہ کیا اور علما و عامۃ المسلمین سے جماعت کا تعارف کروایا۔

تیونس: لیبیا میں کام کرتی ہوئی وہی جماعت تیونس پہنچی اور تیونس کے مختلف شہروں تیونس، ریدمس، باجا، قیروان وغیرہ مقامات پر تبلیغی اجتماعات اور گشت کئے۔

الجزائر: مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حکم سے ایک جماعت الجزائر پہنچی۔ اس جماعت نے بڑی تکلیفیں اٹھا کر، پہاڑوں اور جنگلوں تما ہو کر مختلف قصبوں اور دیہاتوں میں تبلیغی کام کیا۔ نیز الجزائر کے بڑے شہروں، عنابہ، العاصمہ، وھران، تلمسان کے مقامات پر تبلیغی اجتماعات اور گشت کئے۔ یہاں کے بہت لوگ جماعت کے ساتھ جڑے۔

مراکش: افریقہ میں مراکش عرب ممالک کا آخری ملک ہے، اس کے بعد جبل الطارق ہے اور سپین کی حد شروع ہوجاتی ہے۔ اسی زمانہ میں ایک جماعت مراکش پہنچی اور وجدہ، تازہ، فاس، مکناس کے مقامات پر تبلیغی کام کیا۔ اس کے علاوہ قنطرہ، دار بیضا، رباط، سلہ، طرقہ، محمدیہ وغیرہ مقامات پر مختلف اجتماعات کئے اور وہاں کے علما ومشائخ وعمائد سے جماعت کا تعارف کرایا۔ عربوں کی بہت جماعتیں یہاں سے تبلیغی سفروں کے لئے نکلیں۔

افریقی ممالک میں تبلیغی جماعتوں کی نقل وحرکت

افریقہ میں اول اول تبلیغی جماعتیں ۱۹۵۲ء میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے دور امارت میں مندرجہ ذیل ممالک میں پہنچیں۔

(۱) کینیا، (۲) یوگنڈا (۳) تنزانیہ (۴) ملاوی (۵) زمبیا (۶) موزنبیق (۷) مشرقی افریقہ (۸) رہوڈیشیا (۹) جنوبی افریقہ (۱۰) موریشس یونین وغیرہ۔

ان ممالک میں ہندوستان کے تبلیغی کام کرنے والے، جن میں گجراتی غالب تھے مولوی محمد موسیٰ سواتی کی امارت میں گئے اور وہاں کی مقامی آبادیوں میں جن میں ہندوستانی تاجر تھے، کام کیا، ان لوگوں نے آنے والوں کا فراخدلی سے استقبال کیا اور اپنے اوقات دے کر تبلیغی کام کو اپنے اپنے ملکوں میں پھیلایا۔ اس کے بعد ۱۹۶۵ء تک مشرقی اور جنوبی افریقہ میں تبلیغی جماعتوں کا ایسا تسلسل قائم ہوگیا کہ افریقہ میں بعض بڑے ذی استعداد اور دین کا درد رکھنے والے لوگ پیدا ہوگئے اور انہوں نے اپنی زندگیاں اس کام میں لگادیں۔ اور محض اس کام کے لیے ہندوستان کے سفر کئے اور بار بار مرکز نظام الدین میں حاضر ہوئے اور ہندو پاکستان کی جماعتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اوقات دے کر اور یہاں کی جماعتوں کو ساتھ لے کر افریقہ میں پھرنے اور مختلف ملکوں، شہروں اور علاقوں میں بڑے بڑے اجتماعات کئے اور بعض ملکوں میں پیدل جماعتوں کا نظام بنایا جنہوں نے افریقہ کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر تبلیغی کام کیا۔

ایشیائی ممالک میں تبلیغی جماعتوں کا کام

عرب ممالک تبلیغی کام کے شروع ہونے کے بعد دنیا کے دوسرے ممالک میں (خواہ وہ مسلم ملک ہوں یا غیر مسلم، افریقہ، وایشیا کے ملک ہوں یا یورپ کے) تبلیغی کام کی بنیاد پڑ گئی۔ جو لوگ حج کو جاتے وہ اس کام کو حرمین شریفین میں دیکھ کر واپس اپنے وطن آتے تو اپنے اپنے ملکوں میں اسی طریقہ سے کام کرنے لگ جاتے۔ ادھر مولانا محمد یوسف صاحبؒ بڑی تیزی سے ہندو پاکستان کی بکثرت جماعتیں دوسرے ممالک میں بھیجنے لگے۔ ان ممالک میں افغانستان، ترکی، انڈونیشیا، ملایا، برما، سنگاپور، لنکا، نائیجیریا اور اس کے متصل دوسرے افریقی ممالک ہیں، جن میں اکثر مسلم ممالک ہیں، بکثرت جماعتوں کی نقل و حرکت ہوئی۔ ان ممالک میں کئی کئی مہینے جم کر کام کیا گیا۔ مقامی باشندوں نے بڑھ چڑھ کر ان جماعتوں کا استقبال کیا۔ اس استقبال کی وجہ یہ تھی کہ تبلیغی جماعتیں مقامی سیاست اور قومی عصبیت کا شکار نہ ہوئیں۔ وہ صرف اسلام کے بنیادی ارکان اور اعمال صالحہ، اخلاقِ نبوی کی تبلیغ واشاعت اور دین سیکھنے کی ترغیب وتحریص سے کام رکھتیں۔ ان جماعتوں کی محنت، مشقت، اور راہ خدا میں قربانیوں، اخلاص وسادگی کے اختیار کرنے اور انتشار وافتراق سے بچنے اور لینے کے بجائے دینے کے اصول کو دیکھ دیکھ کر ان ملکوں کے باشندے ان کی طرف کھنچتے اور عوام وخواص اور ارکان حکومت سب ہی ان کو اور ان کے کام کو بنظر استحسان دیکھتے اور ان کے اجتماعات میں شرکت کرتے۔ متعدد جماعتیں ان ممالک میں گئیں اور وہاں کے سیکڑوں لوگ مرکز نظام الدین دہلی آئے اور یہاں سے کام سیکھ کر اپنے اپنے ممالک میں جا کر اس کام کو پھیلایا۔

یورپ وامریکہ اور جاپان میں تبلیغی نقل وحرکت

یورپ اور امریکہ کے مادہ پرست اور خدا فراموش ممالک میں جہاں انسان صرف کھانے اور کمانے کی ایک مشین بن کر رہ گیا ہے اور جہاں غیرت، عفت اور حیا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ان ممالک میں خدا کے چند اہلِ عزم ویقین اور سراپا دعوت وتبلیغ بندے گئے جن کے پاس نہ مادی وسائل تھے نہ جدید علوم کا سرمایہ۔ بس ایک یقین اور عزم وولولہ کی کیفیت سے سرفراز تھے۔ انہوں نے اسلام کی دعوت پورے اعتماد ویقین کے ساتھ پیش کی اور یورپ کی زرق برق زندگی سے اپنی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے بجائے اس کو نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچایا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ ان ممالک میں کام کرنے والے لوگوں سے فرماتے۔ "یورپ وامریکہ کے مادہ پرست ملکوں میں جا کر دعوت دین کا کام کرنے والے ایسے باعزم اور اہلِ یقین مردانِ خدا کی ضرورت ہے جو ان ممالک کی زرق برق اور پر کشش زندگی اور معاشرت کو دیکھ کر ذہنی رال نہ ٹپکائیں بلکہ خلاف اسلام زندگی اور رسول اللہ ﷺ کے لائے اعمال کے خلاف ہوتا ہوا دیکھ کر اپنے آنسو گرائیں"۔

برطانیہ میں کام کی نوعیت: یہاں نہایت اختصار کے ساتھ مغربی ممالک میں کام کرنے والی جماعتوں کی کارگزاری کا اندازہ لگانے کے لیے ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ جن حضرات نے ان ممالک میں کام کیا ان کے چند خطوط کے اقتباسات یہاں پیش کیے جاتے ہیں جن سے ان ملکوں میں تبلیغی کام کے نتائج کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ ایک صاحب جو برطانیہ کی جماعتوں کے ساتھ گئے تھے اپنے مکتوب

میں لکھتے ہیں:-

"الحمد للہ اس مبارک کام کی برکت سے یہاں مختلف شہروں میں مساجد قائم ہو چکی ہیں اور اذان اور نماز باجماعت کا اہتمام ہونے لگا ہے۔ جہاں مساجد نہیں ہیں وہاں بہت سے احباب اس کی فکر کر رہے ہیں۔ مقامی طور پر ہفتہ وار گشت، اجتماع، تعلیم اور شب بیداری بھی کئی جگہوں پر شروع ہو گئی ہے مگر ایسے مقامات چند ہی ہیں۔ اطراف میں جماعتوں کا نکلنا بھی شروع ہو گیا ہے۔ اس سرزمین پر اس عالی عمل کا ہونا جماعتوں کی نقل و حرکت اور مساجد والے اعمال کا اہتمام بس اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے۔ ویسے یہاں کے حالات بڑے نازک ہیں، بے حیائی کا بازار گرم ہے۔ شیطان کا زبردست جال پھیلا ہوا ہے۔ بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اصولوں کی پابندی کے ساتھ اس مبارک عمل کو یہاں جاری فرمائیں اور اپنے ان چند ٹوٹے پھوٹے بندوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں"۔ اسی طرح لندن جانے والی ایک پاکستانی جماعت کے امیر نے مولانا سعید احمد خان صاحب مہاجر مکی کو اپنے خط میں حسب ذیل تاثرات لکھ کر بھیجے:-

"ہماری پانچ دوستوں کی جماعت ۱۵ جولائی کو کراچی سے براستہ بصرہ روانہ ہوئی، بغداد، حلب اور استنبول ہوتی ہوئی ۹ اگست بروز بدھ عصر کے وقت لندن پہنچی۔ یونان، یوگوسلاویہ، اٹلی، پیرس، فرانس کے ملکوں میں سے بذریعہ گاڑی گزرتے ہوئے آئے۔ راستہ میں مختلف جگہ گاڑیاں تبدیل کرنا پڑیں، اسٹیشنوں پر باجماعت اذانوں کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی۔ سلام پھیرنے کے بعد بے انتہا مرد اور عورتوں کا مجمع ہمارے گرد جمع ہو جاتا اور بڑی محبت اور عظمت سے اللہ کی اس اہم ترین عبادت کے منظر کو سب دیکھتے تھے۔ ایک سٹیشن پر بڑے اصرار سے ہماری جماعت کو تربوز پیش کیا۔ اسٹیشن بلگراڈ (یوگوسلاویہ) پر ایک غیر مسلم نے مصلیٰ پر تھوڑی دیر بیٹھنے کی اجازت مانگی اور اسے اپنے لئے بڑی چیز سمجھی۔ اللہ کی مخلوق ہر جگہ پیاسی ہے۔ راستہ بتانے والے نہیں مل رہے ہیں"۔

۱۹۶۱ء میں ایک جماعت لندن گئی تھی۔ اس کے ایک رکن اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:-

"جماعتوں کی آمد اور ہفتہ کی شام سے اتوار کی شام تک چھوٹی سی نقل و حرکت کی قربانی کی برکت ہے کہ گزشتہ سال پچھتر دوست یہاں سے حج کو گئے۔ مسجدیں بنیں، بچوں کے ایمان بچانے کا فکر والدین کو ہوا۔ قرآن پاک کی تعلیم دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔ جمعہ میں مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ نیو کاسٹل، گلاسگو اور لندن میں تین چار انسانی بھائیوں کو اللہ نے بغیر کوشش کے ہدایت کی دولت سے نوازا۔ گلاسگو اور مانچسٹر میں عورتوں میں بھی دینی طلب پائی گئی۔ بڑے شوق سے اللہ کی بات سنی"۔

اسی دوران لندن میں ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا اس میں شریک ہونے والے ایک اہل علم برمنگھم سے لکھتے ہیں:-

"دسمبر میں کرسمس کی چھٹیوں میں لندن میں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوا۔ مانچسٹر، برمنگھم، شفیلڈ کی جماعتوں نے اس میں حصہ لیا۔ قریب قریب ایک سو دوست اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ چار روز کا اجتماع تھا۔ لندن والے یہ بتلاتے تھے کہ یہ انگلینڈ کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ اس طرح لوگ دین کی فکر کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل سے حالات بدل رہے ہیں۔ برمنگھم میں بھی اب کام شروع ہو رہا ہے"۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ

اسی طرح مانچسٹر میں ایک تبلیغی اجتماع کیا گیا۔ اس میں شریک ہونے والے ایک صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"رات کچھ بات ہوئی اور تین صاحب مقامی ہمارے ساتھ مسجد میں سوئے۔ صبح لیڈز کی جماعت آگئی۔ ان کے ساتھ ظہر کی نماز ہوئی اور اس کے بعد گشت کے لیے جماعتیں بنیں۔ جماعت باہر مسجد سے نکلی تھی کہ منور حسین صاحب اور برمنگھم کی جماعت آگئی۔ ہم لوگ گشت پر چلے گئے۔ لوٹ کر آئے تو معلوم ہوا کہ لندن سے کاروں کے ذریعہ جماعت سترہ اشخاص کی آگئی۔ اس موٹر میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے چار پانچ حضرات ٹرین سے آئے اور شاید دو ایک نہ آسکے۔ گلاسگو کی جماعت آرہی ہے۔ لیورپول کی جماعت آرہی ہے کیا یہ بھوپال کا اجتماع ہے؟ نہیں یہ انگلستان میں مانچسٹر کا اجتماع ہے جس میں داڑھی والے بھی ہیں، سوٹ والے بھی ہیں۔ انجنیئر بھی ہیں تاجر بھی ہیں فیکٹریوں والے بھی ہیں ہوٹل والے بھی ہیں۔ ڈاکٹر بھی ہیں، سائنسدان بھی، طالب علم بھی، بچے بھی بوڑھے بھی برٹش کھانا کے لوگ بھی۔ کوئی ٹرین سے آیا ہے کوئی موٹر سے آیا ہے، کوئی کار سے آیا ہے یہ کس چیز کی تیاری ہے۔ یہ کیوں جمع ہو رہے ہیں، یہ کیوں گھر چھوڑ کر مسجد آگئے ہیں۔ یہ اس ماحول میں گھروں سے نکلنے والے ہیں۔ یہ اللہ کا کلمہ اونچا کرنے آئے ہیں۔ یہ ایمان کو لینے اور ایمان کو بانٹنے آئے ہیں۔ آج دیکھیں وہ لوگ جو کہتے تھے لندن انگلینڈ میں تبلیغ کہاں۔ کئی جماعتیں تبلیغ کرنے نکل گئیں۔ مسجد سے باہر نکل کر خوب رو رو کر دعائیں ہوئیں۔ مغرب کے بعد بات چیت ہوئی۔ لندن والوں نے بتایا کہ راستہ میں موٹر روک کر انہوں نے نمازیں گھاس پر پڑھیں۔ انگریز اپنی موٹر روک کر دیکھتے رہے بعد میں سلام کیا۔ یہ صرف نماز کا وقار تھا جو ان پر اثر انداز ہوا۔ بریڈ فورڈ سے قریب (۱۶) سولہ اشخاص آئے۔ گلاسگو اور لیڈز میں مسلمانوں نے مسجد میں بچوں کے مدرسے کھولے ہیں۔ اس اجتماع میں تقریریں بہت پرجوش ہوئیں اور اس کے بعد تین تین چلوں کی مانگ ہوئی۔ اجتماع بہت اچھا رہا۔ جماعتوں میں یہاں کے لوگ پہلے بھی نکلے تھے اب خوب جڑ کر کام کرتے ہیں۔ بریڈ فورڈ میں بہت مسلمان ہیں۔ مسجد کے لیے ایک عمارت بھی خرید لی ہے۔"

امریکہ میں تبلیغی کام کا انداز: ایسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں جہاں ہر آدمی مشغول ترین زندگی گزارتا ہے اور کسی کو کسی سے بات تک کرنے کی فرصت نہیں ملتی، کس طرح تبلیغی جماعتوں نے کام کی ابتدا کی اور اپنی محنت اور مسلسل کوششوں سے تبلیغی کام کی کیا راہیں کھولیں اور وہاں کے لوگوں کو کس طرح دعوت دین سے روشناس کیا۔ اس کے لئے وہاں تبلیغی کام کے لئے جانے والے بعض حضرات کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں جس سے ان کے کام کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"منا پولس Minna polis پہنچا، جو نیو یارک سے تقریباً ۱۲۰۰ میل ہوگا یا کچھ کم، ٹیلیفون کی ڈائریکٹریوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر چند نام مسلمانوں کے نکال سکا۔ بعض سے بات کی لیکن فائدہ مند نہ ہو سکی۔ اللہ کی ذات سے امید لگی رہی کہ وہ ضرور مدد فرمائیں گے۔ تنہائی نے زیادہ آگے نہ بڑھنے دیا۔ اکیلے ہی نماز ہوتی رہی ایک جمعہ تو ظہر ہی پڑھنا پڑا۔ اگلے جمعہ یونیورسٹی

کی ایک بلڈنگ میں نماز شروع ہوئی -------- جمعہ کی نماز کے وقت مسلم طلبا سے ایک ربط رہتا ہے۔ ہر جمعہ ایک الگ شخص پڑھاتا ہے کوئی دس پندرہ طالب علم آتے ہیں ------ ہر اتوار کی شام کو دو گھنٹے اور جمعہ کی شام کو ایک گھنٹہ وقت نکال کر یہاں کے مسلم نوجوانوں سے (جو ۷۰، ۸۰ کی تعداد میں ہوں گے) ملنے کا پروگرام فی الحال بنایا ہے"۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ایک جماعت جو امریکہ گئی تھی اس کے امیر صاحب کے ایک خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"۲۱ کو کراچی سے سوار ہو کر لندن پہنچے، طہران، دمشق، روم، جنیوا جہاز ٹھہرا۔ ملک ملک کا پانی پینا نصیب ہوا، ہوائی جہاز میں دقت تو ضرور تھی لیکن نمازیں جماعت سے ہی ادا کی گئیں لندن کی کچھ مساجد میں کام کیا۔ ۲۳ کو لندن سے سوار ہو کر اگلے دن صبح دس بجے نیویارک اترے۔ نیویارک کے امیر صاحب ہمیں لینے کے لئے ہوائی اڈہ پر آگئے تھے۔ یہ شہر کاروں کا ہے برساتی کیڑے مکوڑوں کی طرح ہر طرف کاریں ہی کاریں ہیں۔ ہمارا قیام مسلمانوں کی خریدی ہوئی چار منزلہ بلڈنگ میں ہے، ہڈسن دریا کے نزدیک پر رونق جگہ ہے اس میں نہانے دھونے، پکانے، رہنے اور نماز پڑھنے کے لئے الگ الگ بندوبست ہے۔ دراصل ہمارے یہاں سے جو امریکن بھائی جماعتوں میں پھر کر واپس آتے ہیں انہوں نے اس بات کو محسوس کیا کہ پاکستانی تو ہماری پوری پوری مہمان نوازی کریں اور ہم انہیں رہنے کے لئے کوئی جگہ بھی نہ دے سکیں اس لئے انہوں نے کوشش کر کے یہ مسئلہ اٹھایا اور کئی ملکوں کے حضرات نے مل کر ۵ لاکھ ڈالر میں یہ بلڈنگ خریدی ہے۔ اور تبلیغی مرکز بنایا ہے۔ جمعرات کو اجتماع ہوتا ہے۔ اب یہاں کے مسلمان اس کام سے مانوس ہوگئے ہیں۔ اور اپنی ذمہ داری سے تبلیغی پروگرام چلاتے ہیں۔ ہفتے میں دو مرتبہ گشت کرتے ہیں۔ اتوار کو بھی جمع ہوتے ہیں۔ روزانہ شام کو نوجوان قرآن پاک سیکھ رہے ہیں۔ ایک لاہوری قاری صاحب فی سبیل اللہ پڑھاتے ہیں۔ ہم بھی روزانہ پندرہ بیس میل کا سفر کر کے مختلف جگہ جاتے ہیں اور گشت کرتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور جماعت جو امریکہ گئی اس کے ایک ساتھی کے خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"ڈیٹرائٹ۔ ۱۹ اکتوبر تین ہفتے یہاں آئے ہوئے ہو چکے ہیں لیکن ابھی تیسرا حصہ بھی ملک کا نہیں ہو سکا ہے۔ اس جمعہ کو کناڈا میں لنڈن (امریکہ کے ایک مقام کا نام) جانا ہوا۔ وہاں ایک سو کے قریب عرب اور یوگوسلاویہ کے مہاجر مسلمان ہیں۔ ماشاء اللہ بہت محبت سے پیش آئے، اس کام کو سراہا اور کرنے کا عزم کیا۔ گو تھوڑے سے ہیں لیکن سرگرم ہیں ----- آئندہ ہفتہ شکاگو اور کیلیفورنیا جانا ہوگا۔ انشاء اللہ یہ دو ہزار میل کا لمبا سفر ہوگا۔ ایک نو مسلم امریکن ہمارے ساتھ ہے اس کی بڑی گاڑی میں سفر ہوگا اس ملک میں اب تک مشرقی کنارے سے مغربی کنارے تک تین ہزار میل کا سفر کر چکے ہیں۔ ------ ڈاٹرائٹ کا شہر موٹر کے کارخانوں کے لئے مشہور ہے۔ ہمارا قیام یہاں مسلمانوں کی مسجد میں ہے۔ یہاں کے تین حضرات ہمارے ملک میں آکر تبلیغ کے کام کو سیکھ گئے ہیں اس لئے یہاں تبلیغی فضا ہے، یہاں روزانہ ملاقاتیں کر رہے ہیں۔ یہاں کی جماعت کو لے کر ۵۰-۶۰ میل دور ٹولیڈو (Toledo) شہر میں گئے۔ وہاں عربوں کی آبادی ہے۔ وہاں کئی لاکھ کے خرچ سے ایک جامع مسجد بنائی ہے لیکن صرف اتوار کو کھلتی ہے ان حضرات کو مقامی طور پر کام کرنے اور باہر نکلنے پر آمادہ

کیا۔ اگلے ہفتے ڈربن (Derbon) گئے وہاں جامع مسجد میں حاضر ہوئے۔ اس کے ارد گرد دس ہزار عرب آباد ہیں لیکن سستی کا یہ عالم ہے کہ جمعہ کو مسجد میں چھ سات، اتوار کو دس بارہ (آدمی ہوتے ہیں) ان کی آبادی میں گشتیں کر کے دعوتیں دیں اور کوشش کی"۔

جاپان میں تبلیغی کام: جاپان میں جو کچھ تبلیغی کام ہوا اور جو شاندار نتائج برآمد ہوئے ان سب میں جناب حاجی محمد ارشد صاحب پشاوری ثم مکی کا ہاتھ ہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ حاجی ارشد صاحب نے جس ذہانت اور ذکاوت اخلاص و محبت سے جاپان میں تبلیغی اور دعوتی سلسلہ کو جاری کیا اس کو کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

آج جاپان میں جتنے بھی اسلام کے نام لیوا رہتے بستے ہیں اور خدمت دین کا کام کرتے ہیں اکثر ارشد صاحب کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ جناب حاجی ارشد صاحب جاپان سے واپسی پر مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا، لیکن اس کے بعد جاپان میں تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے اور سیکڑوں ہزاروں لوگوں تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پہنچائی جاچکی ہے۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا نظام الاوقات: مولانا محمد یوسف صاحبؒ بستی نظام الدین میں قیام فرما ہوتے تو آپ کا شب و روز کا قیام اس طرح رہتا صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے، بعد نماز دعا فرماتے۔ عموماً نماز خوب اسفار میں ہوتی۔ دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً دو گھنٹہ تک رہتی۔ بعض اوقات دھوپ کافی نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق تقریر سنتے۔ مولانا کبھی بیٹھ جاتے اور جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔ اس کے بعد مولانا اپنے حجرہ میں مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی گفتگو جاری رکھتے۔ باہر سے آنے والی جماعتوں کی سرگزشت اور کام کے متعلق دریافت حال فرماتے۔ اس مجلس میں اجتماعات کی تاریخیں بھی طے ہوتیں۔ پھر مہمان رخصت ہوتے تو ان کی ہدایات دیتے۔ گیارہ بجے کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت مولانا رخصتی تقریر فرماتے جس میں اصول، طریقہ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ پھر مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نماز ظہر کے بعد مطالعہ اور درسِ حدیث جو قریب عصر تک جاری رہتا۔ بعد نماز عصر خطوط کے جوابات لکھواتے، نئے مہمانوں سے ملتے، اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے۔ بعد نماز مغرب سورہ یسین کا ختم ہوتا۔ اس کے بعد دعا ہوتی۔ اس کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا جن کی تعداد عموماً سیکڑوں تک ہوتی۔ اس کے بعد نماز عشاء ہوتی۔ نماز کے بعد عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا۔ پہلے تو یہ کام اکثر "البدایہ والنہایہ" سے لیا جاتا تھا لیکن جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی کتاب "حیات الصحابہ" تیار ہو گئی تھی وہی سامنے رہتی۔ ادھر چند سالوں سے بعد نماز عشاء کا یہ درس دوسرے حضرات کے سپرد ہو گیا تھا۔

دین کے لئے محنت و قربانی کی دعوت مولانا کی روح بن گئی تھی۔ ہر تقریر اور ہر گفتگو کا موضوع یہی ہوتا تھا۔ شروع میں تو تین چلوں اور سات چلوں کی دعوت دی جاتی تھی لیکن آخر زمانے میں عمر کی اور ہر سال آٹھ آٹھ ماہ کی دعوت دیتے تھے۔ مولانا کی دعوت اور اس کی کیفیت میں مسلسل ارتقا جاری تھا او مولانا نے ۱۳۸۳ھ میں جب آخری حج کیا تو اس کے بعد مولانا پر اپنے کام اور دینی دعوت کا اور زیادہ غلبہ ہو گیا تھا۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور بیعت طریقت: مولانا محمد یوسف صاحبؒ شیخ طریقت بھی تھے اور چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہ کے واسطے سے بیعت کرتے تھے۔ پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے اس کے بعد سلسلہ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لئے جان ومال کی قربانی دینے کا بھی عہد لیتے تھے۔ آپ کی بیعت کا منظر عجب رقت انگیز اور پر اثر ہوتا تھا ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی، بیعت کرنے والے کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا کہ کئی حضرات مکبر کی طرح پکار پکار کر الفاظِ بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے۔ عجب دلکش منظر تھا۔ اس کو دیکھ کر بعض بزرگ کہنے لگے آج تو حضرت جی نے امام شہید سید احمد رائے بریلویؒ کی یاد تازہ کردی۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مقبولیت: مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اپنی زندگی کو ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر وفات تک پورے عرصہ حیات کو دین کی اشاعت اور اس کی سرسبزی کے لئے وقف کردیا تھا آپ کی ساری زندگی کی دلچسپیاں اس ایک بات میں سمٹ کر رہ گئی تھیں کہ کس طرح پوری دنیا میں اور پوری بنی نوع انسان تک دین کی بات پہنچائی جائے پھر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبولیت بھی ایسی نصیب فرمائی کہ اس دور میں کم ہی کسی انسان کو نصیب ہوئی ہوگی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں: حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے اپنے کو کلی طور پر وقف کردیا تھا۔ اپنی ساری توانائیاں اور اپنی ہر چیز اس کی راہ میں اس طرح لگادی تھی کہ اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لئے بچا کے نہیں رکھا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہزاروں بلکہ لاکھوں بندوں کو ان کے لئے مسخر کردیا۔ اس کے کہنے میں انشاء اللہ کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی دنیا کے کسی بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے مقبول اور بااثر لیڈر یا ڈکٹیٹر، کسی جمہوریہ کے محبوب صدر یا وزیر اعظم کی حکومت اتنے دلوں پر نہ ہوگی جتنے دلوں پر مولانا مرحوم کی حکومت تھی۔ انہوں نے کوئی پارٹی نہیں بنائی۔ اپنے کام یا پیغام کی نشر واشاعت کے لئے کوئی اخبار یا رسالہ جاری نہیں کیا (بلکہ وہ دل سے چاہتے اور امکان بھر اس کی کوشش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات ان کا اور ان کے کام کا کوئی ذکر نہ کریں اور وہ اپنے مقصد کے لئے اسی کو مفید سمجھتے تھے) انہوں نے کبھی کوئی فنڈ جمع نہیں کیا۔ بس خود قربانی دی اور اللہ کے بندوں کو قربانی کے لئے پکارا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہزاروں پھر لاکھوں بندوں کو ان کے گرد جمع کردیا۔ اور اسلام کی اس غربت کے دور میں چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھنے والے ایک درویشِ عالمِ دین اور اللہ کے داعی کی ترغیب ودعوت اور محنت کے نتیجہ میں اللہ کے ہزاروں لاکھوں بندے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شہروں اور قصبوں میں اور دیہاتی آبادیوں میں ہر وقت پھر رہے ہیں۔ ان میں اردو بولنے والے بھی ہیں اور عربی بولنے والے بھی، فارسی بولنے والے بھی ہیں اور ترکی بولنے والے بھی، بنگالی بولنے والے بھی ہیں اور پنجابی اور پشتو بولنے والے بھی۔ انگریزی بولنے والے بھی ہیں اور فرانسیسی اور جرمنی والے بھی۔ "ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار"۔

علوم الٰہیہ کا فیضان: حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ گھنٹوں مسلسل بیان کرتے رہتے تھے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے قلب پر علوم الٰہیہ کا فیضان ہر وقت ہوتا رہتا ہے جس سے ہر وقت مخلوقِ خدا مستفیض ہوتی ہے۔ مولانا محمد اشرف خانؒ لکھتے ہیں:۔

یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں کہلوایا جارہا ہے علوم الہیہ کا فیضان موسلادھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرت کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت وحال میں سوتے جاگتے، بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ اور سب توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ، دقائق احسانیہ اور سب سے بڑھ کر حقائق نظام تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا"۔

آخری حج: آپ نے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء میں اپنی زندگی کا آخری حج بذریعہ ہوائی جہاز کیا۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے علاوہ تبلیغی کام کے تعلق رکھنے والے خواص بھی بڑی تعداد میں حجاز گئے تھے۔ پہلے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور صبح شام حضرت مولانا کی تقریریں ہونے لگیں، حرم شریف میں اور اس کے علاوہ مکہ معظمہ کے مختلف مقامات کے اجتماعات میں آپ نے خطاب فرمایا۔ حج سے فارغ ہو کر ۲ ذی الحج کو مدینہ منورہ پہنچے وہاں بھی صبح شام اجتماعات ہوتے اور ہر ہر طبقہ میں الگ الگ خطاب فرماتے ہندوستانی مجمع، بخاری مجمع، عربی مجمع، الغرض کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں مولانا کا خطاب نہ ہوتا۔

اس مبارک سفر میں طالبین حق کا ایسا رجوع عام ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لئے جماعتیں نکلیں۔ جن میں سے اٹھارہ یورپ وغیرہ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے۔ اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لئے نکلیں۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور سولہ روز قیام فرما کر وہاں سے کراچی تشریف لائے اور مغربی پاکستان کے مشہور شہروں کا دورہ کیا اور ہر جگہ خطاب فرمایا۔ یہ خطاب مسلسل کئی روز تک رات دن ہوتا رہا۔ صبح شام گھنٹوں بولتے بولتے گلے میں سوجن ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے امراء کو مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے بولنا چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت مولانا اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور حسب عادت تقریروں سے مرض ترقی کرتا گیا۔

پاکستان کا آخری سفر: حضرت مولانا فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر اجتماعات ہوئے اور تقریروں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد پھر مغربی پاکستان تشریف لائے اور کراچی سے لے کر کوہاٹ تک مختلف اہم مقامات کے اجتماعات میں خطاب فرمایا۔ اس کے بعد رائے ونڈ کے اجتماع میں شریک ہوئے اور خطاب فرمایا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء کو رائے ونڈ سے ستر جماعتیں رخصت کیں۔ رائے ونڈ کے بعد لاہور تشریف لائے، پھر وہاں سے نارووال کے اجتماع میں تشریف لے گئے۔ اس دوران اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے، مگر اپنے بے پناہ صبر و تحمل کی وجہ سے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ احباب کو آخر وقت پر جاکر علم ہوا کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ کے قبل اور اس کے بعد تقریریں فرمائیں۔ عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو دو گھنٹہ تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا۔ پونے دس بجے ٹیلیفون کمپاؤنڈ میں عورتوں کے اجتماع سے خطاب

فرمایا۔ ۴ دوشنبہ کو پھر رائے ونڈ تشریف لے آئے تین دن قیام فرمایا۔ روزانہ صبح کو خواص سے خطاب فرماتے ان تینوں دنوں میں بڑی اہم ہدائتیں اور نصیحتیں کام کرنے والوں کو فرمائیں۔

لاہور کا دورہ اور انتقال: ۲، اپریل ۱۹۶۵ء کو جمعہ کے دن لاہور سے بذریعہ ٹرین سہارنپور کو آپ کو روانگی طے تھی اس لئے جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لائے۔ ایک دن قبل سانس کی نالی میں چبھن محسوس کرتے تھے۔ لاہور پہنچے تو طبیعت تقریر کے لئے آمادہ نہیں تھی۔ مولانا کے لئے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی۔ بلال پارک میں حسب معمول بعد نماز مغرب جمعرات والا اجتماع شروع ہوا۔ چونکہ مجمع غیر معمولی تھا اس لئے بعض مخلصین نے عرض کیا کہ ضرور کچھ ارشاد فرمائیں۔ مولانا نے ارادہ فرمالیا اور طبیعت کے انتہائی ضعف کے باوجود ہمت اور قوت ارادی استعمال کر کے کھڑے ہوگئے اور سوا گھنٹے تک تقریر فرمائی۔ صاف محسوس ہورہا تھا کہ مولانا زبردستی تقریر فرمارہے ہیں پیشانی تک سے پسینہ پھوٹ رہا تھا اور آواز میں بہت نقاہت تھی۔ تقریر کے بعد تشکیل شروع ہوئی اس وقت بھی طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ایک نکاح پڑھانا تھا وہ بھی پڑھایا۔ لیکن اس موقعہ پر تقریر نہیں فرمائی اور دعا بھی مختصر فرمائی جو ان کے عمر بھر کے معمول اور طریقہ کے لحاظ سے بالکل نرالی بات تھی۔ اس لئے خاص رفقا کو اندازہ ہورہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مجلس نکاح سے اٹھ کر قیام گاہ کی طرف چلے جو بالکل برابر میں تھی تو چلتے ہوئے فرمایا مجھ کو سنبھالو۔ ساتھیوں نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ چند قدم بڑھتے ہی لڑکھڑا گئے اور غشی طاری ہوگئی اٹھا کر کمرہ میں لایا گیا۔ اور اسی بیہوشی کی حالت میں لٹادیا گیا۔ ایک حکیم صاحب نے جواہر مہرہ دودھ میں گھول کر پلایا چند منٹ کے بعد کچھ ہوش آگیا۔ لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا انہوں نے دیکھ کر کہا کہ قلب پر ایسا شدید حملہ ہوا تھا کہ اس سے بچ جانا بس ایک کرامت ہے۔ آدھی رات گزرنے کے کافی دیر بعد حضرت مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی، صبح تک طبیعت سنبھل گئی اور دوپہر تک طبیعت ٹھیک رہی۔ لیکن جمعہ کی نماز کے وقت پھر اچانک طبیعت بگڑ گئی اور سانس بے قابو سا ہوا فرمایا مجھے مختصر سی نماز پڑھوادو۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے مختصر سی نماز پڑھادی۔ ڈاکٹر اسلم صاحب نے آکر دیکھا تو کہا کہ مرض کا دوبارہ حملہ ہوگیا ہے فوراً ہسپتال لے جانا چاہیئے تاکہ وہاں آکسیجن دی جائے۔ مولانا نے سنا تو فرمایا وہاں نرسیں بھی ہوں گی۔

مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ اس کا پورا انتظام کرلیا جائے گا کہ کوئی نرس یا کوئی عورت قریب نہ آئے، اس پر لے چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ مولانا کو موٹر میں لٹادیا گیا اور وہ ہسپتال کی طرف روانہ ہوئی۔ حضرت مولانا انعام الحسن، مولوی الیاس میواتی اور ڈاکٹر اسلم ساتھ بیٹھے۔ اس وقت سانس زیادہ اکھڑنے لگی اس وقت زبان پر تھا ربی اللہ ربی اللہ۔ مولوی الیاس صاحب میواتی کا بیان ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے شام کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنی شروع کردیں اور کلمہ شریف پڑھنے لگے۔ گڑھی شاہو کے قریب پہنچے تو دریافت فرمایا کہ ہسپتال کتنی دور ہے۔ عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ باقی ہے۔ اس کے بعد زبان صحیح طور پر اپنا کام کرنے کے لائق نہیں رہی، آنکھوں میں تغیر آگیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے سورۃ یٰسین شریف شروع کردی اور بس چند لمحوں میں حضرت مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرے کے ساتھ جان، جان آفرین کے سپرد کردی یعنی ۲۹ ذیقعد ۱۳۸۴ھ مطابق

۲ اپریل ۱۹۶۵ء جمعہ کے دن دو بجے کے قریب اکیس برس تک مسلسل اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے جان کھپانے والی یہ ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ و تدفین: نعش مبارک بلال پارک واپس لائی گئی۔ جو سنتا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی مجمع بڑھتا گیا۔ عشاء کے وقت نماز جنازہ ہوئی۔ ہزاروں لوگوں نے شرکت کی مولانا انعام الحسن صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب گمتھلویؒ (جانشین حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوریؒ) سرگودھا سے ایک قافلہ کے ساتھ اس وقت پہنچے جب نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ حضرت ممدوح نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اگرچہ مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا کو وہیں دفن کر دیا جائے لیکن حافظ صدیق صاحب وغیرہ میواتی حضرات کے شدید اصرار پر اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے فون کے ذریعہ استصواب کے بعد ہوائی جہاز سے دہلی جنازہ لانے کا فیصلہ ہوا۔ جنازہ ڈیڑھ بجے رات لاہور سے روانہ ہو کر تین بجے دہلی کے ہوائی اڈہ پر اترا اور ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لے آیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سہارنپور سے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ تشریف لائے۔ خبر دہلی اور اطراف میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حضرت شیخ الحدیث کی اقتدا میں نماز جنازہ صبح نو بجے پڑھی گئی جس میں دہلی اور اس کے قریب علاقوں اور میوات کے قریباً اسی (۸۰) ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور حضرت مولانا مرحوم کو اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ (مولانا محمد یوسف کی وفات کے صدمہ کی وجہ سے) کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی ہر وقت روتی رہتی تھی بار بار وضو کرتی تھی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی تھی وہ اسی حالت میں ایک دفعہ وضو کر کے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی ہو گئی اس نے عزیز مرحوم کو دیکھا وہ فرمارہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی ہو؟ مرنا تو سب ہی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں، بندے سے نہیں۔ اس پر اس نے والہانہ انداز سے یوں کہا حضرت جی آخر یہ ایک دم ہو کیا ہوا؟ مرحوم نے کہا کہ کچھ بھی نہیں، کچھ دنوں سے جب میں تقریر کیا کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ مراقلب ان کا متحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا اس کے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اس کے ساتھ میری روح نکل گئی بس اتنی ہی سی بات ہوئی۔ فقط"۔

پسماندگان: مولانا محمد یوسف کا پہلا نکاح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ ہوا جن کے بطن سے صاحبزادہ محمد ہارون صاحب تولد ہوئے۔ جو کہ عالم فاضل صالح نوجوان اور اپنے والد کے نقش قدم پر ہیں ان کی پہلی اہلیہ محترمہ (والدہ مولانا محمد ہارون صاحب) نے طویل علالت کے بعد ۲۹ شوال ۱۳۶۶ھ (ستمبر ۱۹۴۷ء) بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کر کے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں، جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ ۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کو دوسرا نکاح ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ آپ کی وفات کے وقت بقید حیات

نہیں۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ بھی جو کہ اپنے وقت کی رابعہ تھیں بقید حیات تھیں اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جو آپ کے چچازاد بھائی اور خسر ہونے کے علاوہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد ان کے استاد اور مربی بھی تھے، بقید حیات تھے جن کا انتقال بعد میں ہوا۔ اسی طرح مولانا کی ہمشیرہ صاحبہ جو کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی اہلیہ تھیں بقید حیات تھیں جن کے صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ صاحب ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے ہم زلف مولانا انعام الحسن صاحب ہیں۔ جو اس وقت تبلیغی تحریک کے امیر اور روح رواں ہیں، اور حضرت مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشینِ خاص کی حیثیت سے اس دینی جدوجہد کی سب سے بڑی ذمہ داری اب انہیں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ امّت کو ان سے ویسا ہی نفع پہنچائے جیسا کہ حضرت مرحوم نے پہنچایا۔ آمین۔ افسوس کہ مولانا انعام الحسن بھی ۱۰ محرم ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء کو فوت ہوگئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

تصانیف: مولانا محمد یوسفؒ کی یہ کرامت ہی ہے کہ دن رات اپنی دعوت میں منہمک رہنے کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان سیکڑوں مکاتیب کے علاوہ جن کی حیثیت مستقل رسائل و مقالات کی ہے دو ضخیم تصانیف چھوڑیں جن کی کیفیت حسب ذیل ہے۔

امانی الاحبار: مولانا مرحوم نے ۱۳۵۵ھ میں اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاسؒ سے حدیث کی دوسری کتابوں مستدرک حاکم وغیرہ کے علاوہ امام طحاوی کی کتاب شرح معانی الآثار بھی پڑھنی شروع کی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب کی شرح بھی لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر دم تک جاری رہا۔ اس کی پہلی دو جلدیں مولانا کی زندگی ہی میں چھپ کر شائع ہو چکی تھیں۔ تیسری جلد بھی مکمل ہو گئی تھی لیکن مولانا کی زندگی میں چھپ نہیں سکی تھی۔ پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور قریباً چالیس صفحے کا مقدمہ فنِ حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

حیات الصحابہؓ: یہ کتاب دراصل عہدِ نبوت اور دورِ صحابہ کا عربی زبان میں ایک مستند اور مکمل مرقع ہے، اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ دائرہ المعارف حیدر آباد میں اس کی طباعت ہوئی۔ پہلی جلد کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا پیش لفظ ہے۔ پوری کتاب کے صفحات دو ہزار سے زیادہ ہیں محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

مولانا کی ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو حیرت ہوگی جنہوں نے مولانا کے نظام الاوقات اور دن رات کی مصروفیات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف حضرت مولانا مرحوم کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو ان کتابوں سے مستفیض فرمائے۔

حضرت مولانا کا اصل امتیاز اور کارنامہ

ایمان بالغیب کی دعوت: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی آپ کی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کے وسعت وقوت میں اس ناکارہ نے اس دور میں مولانا محمد یوسف صاحب کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا، یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے جن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ان کی ایمانی قوت، ان کا اعتماد و توکل، ان کی ہمت و جرأت، ان کی نماز اور دعا، صحابہ کرام کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباع سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعات انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت و تصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور جس کے لفظ لفظ کی تصدیق وہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت، یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن در حقیقت یہ سب اور ان کا ماسوا اور بہت سے پہلو ان کی سوانح اور سیرت کا موضوع ہیں، اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وہ ہیں جن میں ان کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں، اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں، لیکن راقم (مولانا سید ابوالحسن علی) نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے ان میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) ان کا کوئی سہیم و شریک اور ان کا کوئی مد مقابل نظر نہیں آتا۔ والغیب عند اللہ۔

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے ہم نے غیبی حقائق، اللہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرت کن فیکون، اس کے بلا شرکت غیرے پورے نظام عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسوسات و مشاہدات کی تغیر و نفی، احکام الٰہی اور نظام تشریعی کے سامنے نظام تکوینی کی سپر اندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملین نبوت اور اہل ایمان و دعوت کا ارباب اقتدار، اہل حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سنت اللہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پوری طاقت اور اپنے والہانہ انداز بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لیے اس حواس اور مادہ پرستی کی دنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دنیا میں پہنچ جاتے اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترک اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے۔ لیکن اس دور مادیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور

ایک عالم کا عالم اپنی قسمت کو مادی اسباب، اپنی ذاتی کوشش وقابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے اور کسی دینی دعوت تحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق "آتش نمرود" میں بے خطر کود کر عقل کو "محو تماشائے لب بام" کر دے۔ بلکہ اس تھوڑے سے ایثار وقربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے۔ جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت وتقدس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ وتلقین نے خود اس امت کو متاثر کر لیا ہے جس کی ساری طاقت اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت، رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا۔ مسلمانوں نے ذرائع معاش کو اپنا رزاق سمجھ لیا ہے، مادیت کی اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سیکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبہ سے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار وقربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگتے تھے جن کو عقل ودلائل، حکمت ومصلحت اور علم وخطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہنچ گئی ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے مہینوں کے لئے گھر بار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا اور دعوت وتبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انہوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو وہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دور میں مشکل سے کسی جماعت کو میسر آئی ہوگی) معاشرہ کی اصلاح وانقلاب اور دنیا کے حالات میں تبدیلی ... زیادہ وسیع وعمیق کام لیتے، اور افراد کی یہ قوت ایمانی اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی، ان کی ان مجالس میں کبھی کبھی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے مجالس وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی، جس وقت آدمی ان کے ان مواعظ کو جو "فتوح الغیب" اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں، پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بے باکی اور قوت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیت کے ہزاروں بت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب ومسببات کے باہمی تعلق سے کبھی آزاد نہیں ہونے پاتا اور جو مادی سعی وجہد کو بھی دین وشریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف ومامور سمجھتے ہیں اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو ان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اتار سکے اور ان کے ذہن نے عین ان مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا۔ لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوت ایمانی نے وہ نتائج پیدا کئے جن سے ہماری "متوازن ومعتدل" دعوتیں (جن کی عصر حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں اور صاف اندازہ ہوا کہ

"لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف"۔

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف وانہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں

کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی، والہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آئی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہنے اور کبھی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا، چند دن ساتھ رہ کر آدمی ان کی مشغولیت وانہماک اور ان کے جذب واستغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا، اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت وتازگی کہاں سے آتی ہے اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائید الٰہی اور نصرتِ غیبی کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینہ کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر ڈھائی تین گھنٹہ سے کم نہ ہوتی (آخر میں آٹھ آٹھ گھنٹے روزانہ بولنے کی نوبت آئی) اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی وزیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان مبارک میں بہت بڑھ جاتا، جب کہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے رمضان میں ان کی رات کا بڑا حصہ شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا، اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت، تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے۔ اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں جانے کے دوران اور جانے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دعا کی ہے نہ اس کے بعد کریں گے۔ سب کچھ اسی دعا میں مانگ لینا ہے اور سب کچھ اسی دعا میں کہہ دینا ہے۔ اس کے بعد بھی مختلف تقریبوں سے گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا۔ پھر کچھ دیر تصنیف وتالیف کا کام کرتے، ملتے جلتے اور ڈاک دیکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہتا۔ کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی اور اس میں بھی تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا۔ عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرام کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا۔ کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو، اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ بیٹھنے والے کو محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے ہم جیسے پست ہمتوں کے لیے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا۔

ان کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے ان کی تقریروں اور صحبت کا وہ اثر ہے جو سامعین وحاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل ودماغ دوسرے اثرات سے آزاد، اور ان کی طبیعتوں میں "تسلیم انقیاد" کا مادہ غالب ہوتا۔ ان کی کیمیا اثر صحبت، اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے اتنی زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت سیرت، زندگی، معاشرت اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا۔ سیکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان

بڑھنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہوگئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دعاؤں میں ان کی دعاؤں کا رنگ آگیا۔ کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سرتاپا مغربی اور رئیسانہ تھی اور وہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور ایک فقیر منش اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں اور جن کی گرانقدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصہ تبلیغ و دعوت، رفقا کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے اور ان میں ان کے گھر والوں کا اور ان کا اپنا وہی حصہ ہے جو ایک متوسط ملازم اور ایک اوسط درجے کے تاجر کا ہے۔ کتنی بڑی تعداد ان رفقا اور نیازمندوں کی ہے، جن کی زندگی، جن کا ذوقِ عبادت، جن کا جذبہ خدمت اور جن کی خشیت و انابت اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے، حقیقی علم تو علام الغیوب کو ہے لیکن ان کے اخلاق و اخلاق کو دیکھ کر ان کی ذہنی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دنیا کے دور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بدل گئی اور ان کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان و یقین کی کیفیت، دعوت کی سرگرمی، دعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیت اور ایثار کی عادت پیدا ہوگئی۔ ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے براعظموں میں بھی ملیں گے۔

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر انکی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کیجائے اور الٹا انکو برا بھلا کہا جائے، الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور ملول نہ ہوں، اور ایسے موقع پر یہ یاد کر لیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاء ﷺ کی خاص سنت اور وراثت ہے، راہ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے، اور جہاں ان کا استقبال، اعزاز و اکرام سے کیا جائے، انکی دعوت و تبلیغ کی قدر کیجائے، اور طلب کے ساتھ انکی باتیں سنی جائیں اور مانی جائیں تو اسکو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز اس کی ناقدری نہ کریں۔ ان طالبوں کی خدمت اور تعظیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں، اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقہ کے لوگ ہوں۔ قرآن پاک کی آیت عبس و تولی ان جاءہ الاعمی (الایۃ) میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے۔ ہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں۔ نفس اس مقبولیت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے۔ نیز اس صورت میں "پیرپرستی" کے فتنہ کا بھی سخت اندیشہ ہے لہذا اس سے خاص طور سے خبردار رہیں۔

عبدالرشید ارشد

تبلیغی جماعت ایک تجزیہ

جھنجانہ ضلع مظفر نگر (یو-پی) کے ایک بزرگ مولانا محمد اسماعیلؒ نامی بستی نظام الدین دہلی کی ایک چھوٹی سی مسجد میں یاد الٰہی میں مصروف رہتے۔ بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے اور ادھر ادھر سے گرمی میں آنیوالوں مزدوروں کا بوجھ اتار کر رکھ لیتے اور ان کو ٹھنڈا پانی پلاتے اور دوبارہ ان کا سامان ان کے کندھوں اور سروں پر رکھ دیتے۔ مزدور دعائیں دیتے ہوئے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتے ان دنوں بستی نظام الدین میں اتنی گنجان آبادی نہ تھی یہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے کی بات ہے۔ مولانا کبھی صبح آبادی کی طرف نکل جاتے جہاں مزدور قطار میں کام کے انتظار میں بیٹھے ہوتے ان سے پوچھتے کہ کیا مزدوری لوگے، وہ تین چار آنہ بتاتے، آپ ان کو مسجد میں لے آتے، وہ پوچھتے مولوی صاحب! کیا کام کریں آپ کہتے کہ غسل یا وضو کرو نماز پڑھو قرآن پاک کی تلاوت کرو اور جن کو کلمہ یا نماز نہ آتی ان کو کلمہ اور نماز سکھاتے، یاد کراتے، شام کو ان کی مزدوری دے کر رخصت دے دیتے۔ مزدوروں کو پانی پلا کر اور ان کو ذکر الٰہی اور نوافل یا تلاوت قرآن کرتے ہوئے دیکھ کر خود علیحدہ اللہ کا شکر بصورت نوافل ادا کرتے کہ اللہ! تونے مجھے اپنے بندوں کی خدمت کرنے کی توفیق بخشی۔ آپ کو مرزا الٰہی بخش کے بچوں کو پڑھانے پر جو کچھ ملتا وہ اس طرح مسافروں پر خرچ کردیتے اور تھوڑا بہت اپنے اور اہل وعیال پر خرچ کرتے۔ مولانا محمد اسماعیل کو اللہ تعالٰی نے تین فرزند عطا کئے حضرت مولانا محمد یحییٰؒ خادم خاص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور مولانا محمد صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کے ہاں مولانا محمد زکریا پیدا ہوئے جو مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھنے کے بعد وہیں مدرس ہو کر شیخ الحدیث کے مقام تک پہنچے اور تقریباً پچپن سال بخاری شریف پڑھائی اور شیخ الحدیث کا لقب آپ کے نام کا جزو بن گیا آج اگر شیخ الحدیث کہہ کر بات کی جائے تو اس سے مراد مولانا زکریاؒ ہوتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ آپ کا ۱۹۸۲ء مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

آپ نے کئی ایک عربی کتب اور حدیث کی شروح لکھی ہیں عوام میں آپ کی فضائل پر لکھی ہوئی کتاب "تبلیغی نصاب "فضائلِ اعمال" کو اتنی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ دینی کتب میں اس کی اشاعت کی نظیر اپنی مثال آپ ہے ایک سرسری اندازے کے مطابق پانچ کروڑ کی تعداد میں اردو اور دوسری زبانوں میں ترجمہ ہو کر شائع ہوچکی ہے اور روزانہ پوری دنیا کی ہزاروں مساجد میں اعمال کے فضائل اس کتاب سے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کے بعد اس کتاب کو جو کتاب وسنت اور صحابہ کرامؓ کے اعمال واقوال پر مشتمل ہے، سب کتابوں سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ حکایات صحابہؓ فضائل نماز، فضائل رمضان شریف، فضائل قرآن شریف، فضائل ذکر اور فضائل تبلیغ پر مشتمل یہ کتاب نو سو صفحات پر محیط ہے اور نہایت آسان اور عام فہم زبان میں لکھی گئی ہے۔ کتاب وسنت سے مندرجہ بالا عنوانوں پر تشریحات پر مشتمل ایسا خوشبودار گلدستہ ہے کہ جس سے پوری دنیا معطر ہے اور اس کو دنیا کا ہر آدمی شائع کرسکتا ہے۔ پہلے پہل یہ کتاب شیخ الحدیث کے ایک عزیز نے شائع کی اس کی مقبولیت دیکھ کر کسی اور ناشر نے بھی اس کو شائع کرلیا۔ اس عزیز نے عدالت میں دعویٰ کردیا کہ اسے شائع کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ شیخ الحدیث کو علم ہوا انہوں نے فرمایا کہ تم عدالت میں بیان دینا کہ کسی کو اس کا حق نہیں کہ شائع کرنے اور میں بحیثیت مرتب ومولف یہ بیان دوں گا کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں کوئی بھی فرد اس کو شائع کرنیکا حق رکھتا ہے۔ شیخ الحدیث اگر حقوق محفوظ کرالیتے تو کم از کم دو کروڑ معاوضہ آج تک مل گیا ہوتا لیکن

اس کتاب میں وہ برکت نہ ہوتی جو آج ہے اور شاید پھر اتنی مقبول بھی نہ ہوتی۔ اس کے علاوہ دو کتابیں فضائل حج اور فضائل صدقات بھی شیخ نے ترتیب دیں ہر ایک کی ضخامت تبلیغی نصاب جتنی ہے اور ان کی اشاعت بھی کم نہیں۔ ان کتب میں کوئی اختلافی امور نہیں کہ یہ کتب مسائل کی نہیں اعمال کے فضائل پر ہیں۔ تاہم بعض لوگوں نے عند اللہ اور عند الناس مقبولیت سے حسد کرتے ہوئے کئی تنقیدی کتب لکھ ڈالیں بلکہ سنی تبلیغی نصاب بھی شائع کر ڈالا لیکن وہ بات کہاں مالوی مدن کی سی (۱)۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

غیریت اور فرقہ واریت نے ہمیں اس قدر مسموم کر رکھا ہے کہ ۱۹۱۰ء سے شائع ہونے والی کتاب بہشتی زیور کے مقابلہ میں سنی بہشتی زیور بھی چند سال قبل شائع ہو گیا ہے۔ (۲)

شیخ الحدیث کی یہ کمائی ان کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد اسماعیل کی کمائی ہے اور تا قیامت شیخ الحدیث کو ان کے آباؤ اجداد کو اور ان کے شیوخ و اساتذہ کو اس کمائی کا اجر و ثواب ملتا رہے گا یہ کمائی کا مضمون ایک حدیث شریف سے مستفاد ہے۔

مولانا محمد اسماعیلؒ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولانا محمد دہلیؒ آ گئے اور تیسرے بیٹے مولانا محمد الیاس مظاہر العلوم سہارنپور میں پڑھانے لگے لیکن پڑھاتے ہوئے اکثر یہ خیال آتا کہ یہ کام تو بہت ہو رہا ہے کوئی اور کام کرنا چاہیے آپ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کر کے تزکیہ نفوس کرنے لگے اور اس کے بہت عمدہ نتائج نکلنے لگے لیکن اس کام پر بھی خیال ہوا کہ یہ کام بھی بحمد للہ دوسرے اکابر کر رہے ہیں۔ طبیعت میں ایک خاص قسم کا درد تھا جو انہیں ہر وقت مضطرب رکھتا تھا ایک طوفان تھا جو دل میں انتشار رہتا تھا۔ اس اضطراب کی وجہ یہ تھی کہ جو طلباء مدارس میں پڑھنے آتے ہیں ان میں علم کی طلب ہوتی ہے۔ مولانا یوں بے قرار تھے کہ جو لوگ قرار سے بیٹھے ہیں ان کو طالب بنایا جائے جن کا (کوئی دین کا) ارادہ نہیں انہیں مراد دکھائی جائے تاکہ بے مراد نہ رہیں جو سکون سے بیٹھے ہیں انہیں متحرک کیا جائے جو بے یقین ہیں ان میں یقین پیدا کیا جائے۔ جو غفلت میں ہیں انہیں عمل کی ترغیب دی جائے جو دین کی طرف متوجہ نہیں انہیں پیغمبر ﷺ کی سنتوں پر نہ صرف چلایا جائے بلکہ دوسروں کو سنت سکھانے پر لگایا جائے اور تبلیغ کا جو کام رک چکا ہے اس کو رواج دیا جائے اور حضور ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا جائے جو آپ نے صحابہؓ کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر دی تھی کہ میری ان باتوں کو ان لوگوں تک پہنچایا جائے جو یہاں حاضر نہیں ہیں، اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ بوجہ یہ اضطراب علم حاصل کرنے کے بعد ہی سے محسوس کر رہے تھے جن دنوں گنگوہ اپنے شیخ کے پاس تربیت حاصل کر رہے تھے جب ذکر اللہ کرتے تو عجیب سا بوجھ محسوس کرتے شیخ سے عرض کیا تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے فرمایا کہ یہی شکایت مولانا محمد قاسمؒ نے مرشدوں کے مرشد حاجی امداد اللہؒ سے کی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ آپ سے کوئی کام لے گا" ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۶ء میں آپ حضرت مولانا خلیل احمدؒ سہارنپوری کی معیت میں دوسرے حج کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے تو مدینہ منورہ میں آپ کو (خواب میں) امر ہوا کہ "ہم تم سے کام لیں گے" کچھ دن بہت زیادہ بے چینی میں گزرے کہ میں کس اہل ہوں۔ ایک عارف سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ "پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں فرمایا کہ تم کام کرو گے یہ کہا

(۱) شیخ الحدیث پر مستقل مفصل مضمون اس کتاب میں آ رہا ہے۔ (۲) جماعت کے حل و عقد نے تبلیغی نصاب کا نام "فضائل اعمال" رکھ دیا اب سنی "فضائل اعمال" بھی بازار میں آ گیا۔

گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے بس کام لینے والے کام لے لیں گے" اس سے آپ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی لیکن پہلے اضطراب میں اضافہ ہو گیا کہ پتہ نہیں کام کی نوعیت کیا ہو گی۔ حج سے واپسی پر آپ کے بھائی کا جو دہلی میں تھے انتقال ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں نے آپ سے اصرار کیا کہ ان کے مقام پر کام کیجئے آپ نے حضرت سہارنپوریؒ سے اجازت لی اور دہلی بستی نظام الدین آ گئے۔ والد اور بھائی نے زمین ہموار کی ہوئی تھی اور قرب وجوار کے علاقوں سے لوگ آ کر اصلاح نفس کراتے تھے خصوصاً میوات کے بعض حضرات کی آمد و رفت تھی آپ نے جب میوات کے علاقہ کا دو تین دفعہ سفر کیا تو دیکھا کہ وہاں کے لوگوں کے نام مسلمانوں کے ہیں لیکن کام اور رسم ورواج تمام تر ہندوؤں جیسے ہیں۔ بس یہیں سے آپ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ نے کام کا خاکہ ڈال دیا۔ آپ نے میوات میں مکاتب اور مدارس قائم کئے اور دیہات وقصبات میں دینی تبلیغ شروع کر دی۔ شروع شروع میں بڑے روح فرسا حالات پیش آئے ایک گشت میں ایک جگہ چند چوہدری بیٹھے تھے ان کو مناسب انداز سے حکمت کے ساتھ تبلیغ شروع کی تو ان کو اتنا بھی ناگوار ہوا کہ ایک ملا اور درویش ہمیں نصیحت کر رہا ہے، مارنا شروع کر دیا آپ کمزور و نحیف تھے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش آئی تو پھر وہی کام انہوں نے پھر مارا لیکن بالآخر ان کا دل پسیج گیا کہ آخر یہ مولوی کیوں مار کھاتے جا رہا ہے اس کی بات سن لو۔

"پہاڑیوں پر چڑھتے، تیز دھوپ اور لو میں کام کرتے۔ مئی جون کی سرگرمیوں میں میوات کا دورہ کرتے، سخت سردی میں شہروں شہروں پھرتے اور گاؤں گاؤں جاتے اور فرماتے "محنت کے پہاڑ کے پیچھے خدا ہے جس کا جی چاہے مل لے۔ محنت انسان کی فطرت ہے مگر موجودہ دور میں انسان دن رات دنیا کے لئے محنت کرتا ہے اور بے انتہا جدوجہد کرتا ہے جو ناپائیدار ہے اور دین کے لئے کچھ بھی نہیں کرتا جو پائیدار اور باقی ہے"۔

ایک ساتھی کو تبلیغی سفر میں بخار ہو گیا فرمایا:۔

"ایسے زمانے میں کہ روٹی کے لئے جانیں دی جا رہی ہوں دین کی کوشش میں بخار آ جانا کچھ بڑی بات نہیں" استقامت کے پہاڑ تھے ابتدا ہی سے دبلے پتلے اور کمزور تھے گنگوہ کے قیام میں آپ کی صحت اور زیادہ خراب ہو گئی آپ کو دورے پڑنے لگے حکیم مسعود احمد گنگوہیؒ نے علاج شروع کیا اور پانی بند کر دیا چنانچہ آپ نے سات سال پانی نہیں پیا۔ یہ مثال عزم، حوصلے اور استقامت کا پتہ دیتی ہے۔ اسی استقامت کی بناء پر انہوں نے میوات جیسے علاقے میں اس محنت سے کام کیا کہ ان پڑھ میواتی ایسے دردمند بن گئے کہ ان کو تبلیغی شغف میں دیکھ کر بڑے واعظ اور عالم رشک کرتے تھے اور کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو اثر ان کی ملی جلی پوربی زبان میں ہے وہ دوسروں کی فصیح وبلیغ اردو میں نہیں"۔

مخلص اور صحیح مبلغ شاہین کی طرح پرواز سے تھک کر کبھی نہیں گرتا اور نت نئے آسمان تلاش کرتا رہتا ہے آج جب تبلیغی جماعت کی عالمگیریت کو دیکھا جاتا ہے۔ تو حیرانی ہوتی ہے کہ یہ ایک نحیف ولاغر شخص نے کام شروع کیا تھا؟ اس میں کس قدر اخلاص اور یقین ہو گا اللہ اکبر۔ بڑ کے درخت کا بیج خشخاش کے دانے کے برابر ہوتا ہے لیکن جب اسے زمین میں چھپا دیا جائے مناسب پانی اور موافق آب وہوا مل جائے تو اس سے اتنا تناور درخت بنتا ہے کہ جس کے ٹھنڈے سائے کے نیچے سیکڑوں آدمی راحت پاتے ہیں۔ لیکن مومن کے عزم وحوصلہ کو ناسازگار حالات زیادہ جلا بخشتے ہیں، وہ باد مخالف کی تندی سے گھبراتا نہیں بلکہ یہ اسے اور اونچا اڑاتی ہے۔ راہ عشق ومحبت میں

منزل کی طرف چلتے رہنا ہی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اپنے رب کی عبادت کرتا رہ حتیٰ کہ تجھے یقین (موت) آجائے" (۱) اور عبادت بھی یقین (لغوی معنی) سے کی جاتی ہے مولانا محمد الیاس کو اپنی دعوت اور خدائی وعدوں پر کتنا یقین تھا اس کے متعلق مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ فرماتے ہیں کہ:-

"مولانا ایک دن ایک قصبہ (غالباً نوح) میں لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے کا تقاضہ کر رہے تھے اور وقت مانگ رہے تھے۔ لیکن کوئی ایک آدمی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا کہ مولانا میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور فرمایا کہ یہی قصبہ ہوگا کہ جس سے غیر ممالک کے لئے جماعتیں نکلیں گی لیکن اس وقت دور دراز جانے پر اتنا اجر نہیں ہوگا جتنا اب اپنے ہی ضلع یا تحصیل میں نکلنے کا ہے، اور میں عقل کا مارا سوچ رہا تھا کہ اتنی وعظ و تقریر کے باوجود ایک آدمی قرب وجوار کے لئے تو نکل نہیں رہا اور آپ فرما رہے ہیں کہ غیر ممالک کے لئے جماعتیں نکلیں گی یہ مجذوب کی بڑ نہیں تو اور کیا ہے۔ لیکن فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے اسی قصبہ سے دیکھا کہ غیر ممالک کے لئے جماعتیں نکل رہی ہیں کسی نے سچ کہا ہے"۔

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اور مولانا کے اخلاص ویقین کی ہی برکت تھی کہ میوات کا تقریباً سارا علاقہ جو اپنے اکھڑپن میں مشہور تھا، اس کے ہزاروں افراد داعی اور مبلغ بن گئے جن میں سے بہت سے اب بھی زندہ ہیں ان کی باتیں سنو تو کانوں میں رس گھول جاتی ہیں۔ مولانا کی زندگی ہی میں تبلیغی گشت اور چلت پھرت انڈیا سے باہر تک پہنچ گئی تھی۔ آپ نے ۱۴، جولائی ۱۳۸۳ھ/۱۹۴۴ء کو دہلی میں انتقال فرمایا۔ بستی نظام الدین کی اسی مسجد کے صحن کے باہر آپ کی قبر ہے جہاں آپ اور آپ کے بھائی اور والد ماجد نے دینی کام کا آغاز کیا تھا۔ انتقال سے قبل فرمایا کہ "لوگ اپنے پیچھے آدمی چھوڑ جاتے ہیں میں اپنے پیچھے پورا ملک (میوات) چھوڑے جا رہا ہوں"۔ آپ نے اپنے آخری دنوں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کو فرمایا کہ اس کام کے لئے کسی شخص کا انتخاب میری زندگی ہی میں کردو تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے، چنانچہ ان حضرات نے باہمی مشورہ سے آپ کے فرزند مولانا محمد یوسف کو جماعت کا امیر اور آپ کا جانشین مقرر کردیا۔ بعض لوگوں کو اس پر کچھ اشکال تھا کہ مولانا محمد یوسف متبحر عالم اور بڑے متقی اور پرہیزگار تھے لیکن کام سے زیادہ مناسبت نہ تھی۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد مولانا محمد یوسف نے قبر کے متصل جو بیان شروع کیا تو سب دنگ رہ گئے۔ ایک دم ان کی کایا پلٹ گئی تھی اور راہ سلوک و تزکیہ کے بزرگوں کی اصطلاح میں اپنے والد کی دعوتی نسبت پوری قوت سے ان کی طرف منتقل ہوگئی تھی، اور انہی لوگوں کی زبانے میں ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ احسان دانش مرحوم کہا کرتے تھے کہ تم لوگ ان دونوں کو (باپ بیٹا کو) دہلوی لکھتے ہو جب کہ دونوں کاندھلہ کے تھے احسان دانش خود کاندھلہ کے تھے عام طور پر یہی ہے کہ لوگ مولانا محمد یوسف دہلوی اور مولانا محمد الیاس کو دہلوی لکھتے ہیں اور ان کا دادھیالی گاؤں جھنجانہ تھا نہ کہ کاندھلہ، البتہ مولانا محمد الیاس کی والدہ ماجدہ جو رابعہ وقت تھیں وہ کاندھلہ سے تھیں۔ مگر مومن تو آفاقی ہوتا ہے اس کا وطن ثمرقند ہے نہ بخارا دہلی ہے نہ کاندھلہ۔ البتہ پیدائش کی نسبت یقیناً اس جگہ سے ہوتی ہے جہاں وہ پیدا ہوتا ہے۔

(۱) واعبد ربک حتی یاتیک الیقین. سورۃ حجر آخری آیت.

انڈیا میں تبلیغی مرکز بستی نظام الدین دہلی رہا اور ہے اور سابقہ امیر حضرت مولانا انعام الحسنؒ کا قیام دہلی ہی تھا لیکن سال کا اکثر حصہ پوری دنیا کا سفر کرتے گزرتا تھا (۱) مولانا محمد یوسفؒ نے جب کام کو سنبھالا تو پھر اتنی تیزی اور برق رفتاری سے کام کیا کہ ایک دنیا ان کے کام کی معترف ہوئی اور ان کی نظر کیمیا اثر نے ایک دنیا کے قلوب کو گرما دیا۔ سائنسی دنیا بھی تو ایٹمی دور میں داخل ہو گئی تھی ۱۹۴۴ء میں مولانا محمد الیاس کا انتقال ہوا اور ۱۹۴۵ء میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم پھینکے۔ آپ کے دل ودماغ اس بات سے بہت زخمی تھے کہ دنیا مادی لحاظ سے کس قدر ترقی کر رہی ہے لیکن روحانی قدریں تباہ ہو رہی ہیں لہٰذا بہت تیز چلے ان کی ذات اس شعر کی صحیح مصداق تھی،

ہیں مرد مجاہد کے بھی انداز نرالے   رفتار قیامت کی ہے پاؤں میں ہیں چھالے

مولانا محمد یوسف صاحب گفتار و کردار اور علم و عمل میں اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی برہان تھے۔ دریا و صحرا ان کی ٹھوکر سے دو نیم تھے پوری دنیا ان کی تگ ودو کے سامنے سمٹ کر رہ گئی تھی ان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کوئی خواہش ان کی اپنی خواہش نہیں تھی وہ اللہ تعالیٰ کے مقاصد واحکام کے عیار (کسوٹی) وعکاس تھے ان کی پوری زندگی اپنے گرامی قدر والد اور چچازاد بھائی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی طرح کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف تھی۔ ان کا مقصد زندگی ایک ہی تھا کہ مسلمان کی تخلیق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہوئی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جیتا ہے اور اسی کی رضا کی خاطر جان، جان آفرین کے سپرد کرتا ہے، مادی اغراض اس کا مطمح نظر نہیں ہوتیں، یہی وجہ ہے کہ وہ حوادثات میں بھی مسکراتے اور طوفانوں سے ٹکراتے رہے۔ جہالت، مغربی تہذیب کی چکاچوند اور راہ کی تاریکیاں ان کا راستہ نہ روک سکیں، حالات کی ناسازگاری کو وہ کبھی خاطر میں نہ لائے تکالیف ومصائب کے پہاڑ ان کے وقار و تمکنت میں فرق نہیں ڈال سکے، وہ تاریکیوں میں شمع ایمان جلاتے مردہ دلوں میں حیاتِ تازہ دوڑاتے، دنیاوی امور میں غرق انسانوں کو فکر آخرت دلاتے اور روحانی واخلاقی اقدار کو زندہ کرتے ہوئے ایک تبلیغی سفر میں اس جہان سے اور اپنی جان سے گزر کر زندہ جاوید ہو گئے۔ انہوں نے اپنے والد ماجد کی زندگی کے بعد تقریباً اکیس سال جماعت کی قیادت وامارت میں گزارے۔ ان کی زندگی مسلسل جہاد تھی اور اس قدر تبلیغ میں انہماک تھا کہ ایک دفعہ ان کا لڑکا بیمار تھا اہلیہ محترمہ نے توجہ دلائی کہ سفر نہ فرمائیں، فرمایا کہ "اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کام کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے گا ورنہ مجھے اس کی زندگی وموت سے کوئی دلچسپی نہیں اور تبلیغ میں نکل گئے"۔ اتنے برسوں میں شاید ہی کوئی نجی سفر کیا ہو۔ ہر وقت ایک ہی دھن اور ایک ہی لگن تھی کہ امت اس یقین کو پالے جو کچھ ہوتا ہے خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے بندوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اسی لاہور میں ان کا انتقال ہوا حضرت شیخ الحدیث جو ان سے عمر میں یقیناً بڑے اور علم و عمل میں بھی بظاہر بڑے تھے انہوں نے انتقال پر فرمایا کہ محمد یوسف نے ایسی جست لگائی کہ آسمان پر پہنچ گیا اور میں زمین پر پڑا تکتا رہا نیز فرمایا:۔

کان مملوکی فاضحیٰ مالکی   هذا من اعا حبیب الزمان

(ترجمہ) "وہ میرا غلام تھا لیکن ایسا ہوا کہ میرا مالک بن گیا اور یہ عجائبات روزگار میں سے ہے"۔ بیٹے، باپ، دادا کے اخلاص کا اثر ہے کہ جو کام مزدوروں کو پانی پلانے ان کو مزدوری دے کر نماز پڑھانے اور چوہدریوں کی بے تحاشہ مار کھانے سے

(۱) افسوس کہ مولانا بھی ۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء کو دہلی میں انتقال فرماگئے۔

شروع ہوا تھا۔ اس کی ہمہ گیری اور عالمگیری کی اب یہ شان ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ہوگا کہ جہاں اس جماعت کے افراد کے مبارک قدم نہ پہنچے ہوں۔ مولانا محمد یوسف کے الفاظ میں تحریک کا مقصد یہ ہے کہ:۔

"اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہوجائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو، اس کے لئے حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہ پھر نقشے ہیں کامیابی دے کر دکھائیں گے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے" (بیس بڑے مسلمان ۵۹۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور)

تفصیل کی ضرورت نہیں کہ تقریباً ہر مسلمان نے تبلیغی جماعتوں کو کام کرتے دیکھا ہوگا۔ اصل میں تو جماعت میں نکلنے والے اپنی اصلاح کے لئے نکلتے ہیں۔ عام افراد کے لئے یہ نصاب مسلسل چار چلے تبلیغی سفر میں رہنا ہے اور علماء کے لئے سات چلے، علماء کو اپنے علم کا پندار ہوتا ہے۔ اس سفر میں اپنے کلمہ ونماز کی تصحیح۔ ذکر وفکر تعلیم، اخلاص نیت، اکرام مسلم کی مشق ہوتی ہے یہ تو الفاظ ہیں جماعت کا صحیح علم جماعت میں وقت لگا کر ہوتا ہے جس طرح کہ سیب یا آم کے ذائقے کا صحیح پتہ ان کے کھانے سے ہوتا ہے، ویسے اگر ایک پوری کتاب پڑھ جائیں تو پتہ نہیں لگ سکتا کہ کیا ذائقہ ہے بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تبلیغی جماعت اس دور کی سب سے بڑی بین الاقوامی اسلامی تبلیغی تحریک ہے جس کے افراد آج پوری دنیا کے تقریباً ہر ملک میں نہایت خاموشی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے دین کی اشاعت میں مصروف ہیں جس میں زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد شامل ہیں۔ ہر کوئی اپنا خرچ کرتا ہے۔ امیر کی اطاعت لازمی ہے۔ آپ جماعت کے ساتھ کسی شہر میں جائیں وہاں آپ کے کتنے ہی قریبی عزیز یا احباب کیوں نہ ہوں امیر کی صوابدید پر ہے کہ آپ ان سے مل سکتے ہیں کہ نہیں۔ سیر یا ادھر ادھر گھومنے کی اجازت تو امیر بھی نہیں دے سکتا۔ خرچ اجتماعی ہوتا ہے سادہ کھانا جماعت کے افراد خود پکاتے ہیں بہت کم خرچ کرتے ہیں کہ ہر غریب بھی ساتھ چلنے کی استطاعت رکھے۔ ہر کوئی اپنا سامان جو مختصر ہی ہوتا ہے خود اٹھاتا ہے۔ کروڑپتی تاجر، فوج اور پولیس کے جنرل اعلیٰ حکام۔ علماء وحکما عام کسان ومزدور اپنا سامان کندھوں پر اٹھائے پوری دنیا میں یہ کام کر رہے ہیں اور انتہائی حیرت در حیرت کی بات کہ اس جماعت کا کوئی اخبار نہیں۔ روداد نہیں۔ چندہ نہیں۔ جھنڈا نہیں۔ جماعتوں کے معروف قواعد وضوابط میں سے ان کے ہاں کوئی قاعدہ وضابطہ نہیں سوائے امیر کی اطاعت کے جس کا حکم کتاب وسنت میں ہے۔ پاکستان کے ہر شہر میں اس کا ایک مرکز ہے اور وہ مرکز کسی گھر، حویلی یا کوٹھی میں نہیں مسجد میں ہے۔ یہی حال تمام ممالک کا ہے انڈیا میں بستی نظام الدین میں برطانیہ میں ڈیوز بری اور پاکستان میں رائے ونڈ میں صدر مراکز ہیں۔

رائے ونڈ میں ایک مخلص میواتی نے جو بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کے ملنے والوں سے تھے جگہ وقف کردی ابتدا میں چند سو افراد کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا۔ ۶۴-۶۵ میں بارہ تیرہ ہزار ہوا پھر ۷۶-۷۷ میں لاکھ سوا لاکھ ہوگیا۔ ۱۹۷۸ء میں برطانیہ میں ڈیوز بری میں تیس ہزار کا اجتماع تھا۔ جو اخباری اور اشتہاری اصطلاح میں ضرور ڈیڑھ لاکھ ہوگا۔ رائے ونڈ میں مسجد اپنی وسعت کے باوجود اب تنگ نظر آتی ہے اور بارہ تیرہ ایکڑ زمین سالانہ اجتماع کے لئے ناکافی ہوگئی تو اب کئی سالوں سے ایک بہت کھلی جگہ میں اجتماع ہوتا ہے جماعت کے ارباب بست وکشاد نے تقریباً ایک سو بارہ ایکڑ جگہ لی تھی جو اب ناکافی ثابت ہورہی ہے۔ چونکہ مسلسل محنت ہورہی ہے، لہذا

بانی وامیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جدوجہد

ہر سال پہلے سال سے تقریباً سو گنا لوگ ہوتے ہیں۔ چند سال قبل امریکہ میں بڑا ملک ہونے کی وجہ سے جولائی میں تین جگہ اجتماع ہوا۔ برطانیہ میں ڈیوز بری اور فرانس میں بھی اجتماع ہوا۔ برطانیہ میں پہلا بین الملکی اجتماع شیفیلڈ میں ہوا۔ یہ ۱۹۵۷ء کی بات ہے پولیس کی خاصی نفری پہلے دن موجود رہی انہیں خیال تھا کہ نہ معلوم مسلمان آپس میں لڑ پڑیں کہ برطانیہ میں مسلمانوں کے فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہو چکا تھا لیکن پولیس نے دیکھا کہ اچھا خاصا اجتماع ہونے کے باوجود بڑا امن اور اطمینان تھا بلکہ ضرورت سے زیادہ ہی تھا، دو تین سپاہیوں کے علاوہ پولیس کی پوری نفری چلی گئی۔ پولیس کو علم اور یقین ہوگیا کہ یہ لوگ "امن کے پیامبر" ہیں ۱۹۷۸ء ڈیوز بری میں اتنا بڑا اجتماع تھا کہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کا عیدین کے علاوہ اس کا عشیر عشیر بھی اجتماع نہ ہوا ہوگا۔ برمنگھم اور لندن (ریجنٹ پارک کی مسجد میں) پانچ چھ دفعہ نماز عید ہوتی ہے کہ ایک دفعہ لوگ پڑھ نہیں سکتے۔ لیکن یہ بھی مل ملا کر اتنا بڑا اجتماع نہیں ہوتا۔ تو اتنے بڑے اجتماع میں چند سپاہی ٹریفک کو کنٹرول کرنے اور کاروں کو صحیح جگہ پر پارک کرانے کے لئے تھے اجتماع میں کسی ہنگامے یا نعرہ بازی کا کوئی احتمال وامکان نہ تھا لہٰذا اجتماع کی طرف کوئی پولیس کا آدمی نہیں آیا۔

امریکہ میں پہلی جماعت بحری جہاز کے ذریعہ ڈیڑھ دو ماہ کے بعد پہنچی تھی یہ غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے میں اب شہر کا نام بھول رہا ہوں شاید نیویارک تھا، کوئی مسلمان نہ ملتا تھا (ان دنوں یہی حال تھا، آج کل تو تقریباً نیویارک میں دو لاکھ ہوں گے۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری سے پتہ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن ناکامی ہوئی۔ پھر ایک مسلمان ایک چوک میں ترکی ٹوپی اوڑھے کھڑا ہوگیا۔ ایک سکھ نے بار بار دیکھا اور پھر پاس آیا کہ اسے پتہ تھا کہ ترکی ٹوپی مسلم کی نشانی ہے اس نے آکر پوچھا کہ مہاراج کیوں کھڑے ہو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان یا انڈیا سے آئے ہیں اور نئے ہیں۔ اس مسلمان نے جواب دیا کہ ہمیں کسی مسلمان کے گھر یا دکان کا پتہ بتاؤ اور یوں وہاں کام کی ابتدا ہوئی۔ اور پھر ایسا ہوا کہ چند سال پہلے امریکہ کی ایک ریاست میں ایک وسیع پارک میں بہت بڑا اجتماع ہوا۔ اجتماع کے بعد امیر جماعت مولانا انعام الحسن صاحب نے شہر کے میئر کو کچھ کھجوریں ایک رومال اور ساتھ شاید تسبیح بھیجی اور شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ہمیں اس شہر میں اجتماع کرنے کی اجازت دی۔ میئر نے بصد شکریہ تحائف قبول کئے اسے رپورٹ پہنچ گئی تھی کہ یہ لوگ کیسی دعا مانگتے ہیں۔ اس دعا کا ایک جزو یہ ہوتا ہے کہ "یا اللہ ہمیں اس شہر کے شر سے اور ہمارے شر سے اس شہر کو محفوظ فرما۔ یا اللہ اس شہر اور علاقے کو ایمان اور اسلام کی دولت عطا فرما۔ یا اللہ اس شہر اور علاقے کو اپنے فضل سے امن اور اطمینان نصیب فرما۔ یا اللہ اس شہر میں ایمان واسلام اور امن واطمینان کی ہوائیں چلا دے"۔ تبلیغی جماعت والوں کی دعا مشہور ومعروف ہے اور پھر یہ کہ جس سوز اور اخلاص اور درد و تڑپ سے دعا مانگی جاتی ہے اس سے پورے مجمع میں گریہ وزاری اور آہ وبکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ میئر نے امیر جماعت کو سلام کے ساتھ شہر کی چابی بھیجی امیر صاحب کے پاس جب چابی پہنچی تو آپ نے بے ساختہ برجستہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت پر اس ملک کے دروازے وا فرما دئے ہیں، یہ چابی اس بات کی علامت ہے۔ اور جماعت کو اس قدر ترقی ہوئی کہ اب ہر سال کئی شہروں اور ریاستوں میں اجتماع منعقد ہوتے ہیں۔

جماعت کی باتوں میں اپنی بات کرنا عجیب سا لگتا ہے لیکن یہ ذکر جماعت کی نسبت سے ہے لہٰذا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ میں دو دوستوں کے ہمراہ ایک سال امریکہ گیا۔ ریاست فلوریڈا میں ڈزنی ورلڈ کے قریب ایک چھوٹا سا شہر ملبورن ہے ہم وہاں سے ایک کار کرایہ پر لے کر سوچ رہے تھے کہ ڈزنی ورلڈ پہلے جائیں یا امریکہ کے اس مقام کی طرف سفر کریں کہ جہاں سے خلائی شٹل چاند گاڑی کو لے کر

ہانڈ کی جانب روانہ ہوئی تھی کہ راستے میں ایک نوجوان آیا اور اس نے مجھ کو السلام علیکم کہا اور مصافحہ کیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کوئی عربی سٹوڈنٹ ہے اور ٹوٹی پھوٹی عربی میں کہا کہ میرے دوستوں سے بھی علیک سلیک کرو (میرے دونوں ساتھی ریاض سے آئے تھے)، میں نے ان سے کہا کہ اس نوجوان سے پوچھو کہ اس نے مجھ کو السلام علیکم کہہ کر مصافحہ کیا لیکن آپ سے میرے کہنے پر کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے تمہیں تمہاری ٹوپی۔ اچکن اور شلوار سے پہچانا، کیونکہ یہاں پاکستان سے آئی تبلیغی جماعت کو دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے تو ان میں اکثر اس لباس میں ہوتے ہیں اور ظاہر ہے وہ مسلمان ہوتے ہیں لہذا یہ لباس اسلامی اور پاکستانی ہے۔ تمہارے ساتھیوں کے اگرچہ داڑھی ہے لیکن بش شرٹ اور پتلون پہنے ہیں نیز ان کے سر کے بال بہت لمبے ہیں، جیسے ہیپی ہوں اور رنگ بھی خاصے گورے چٹے لہذا مجھے تذبذب تھا۔ میں بہت حیران ہوا، اور معاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جس ملک میں پہلی تبلیغی جماعت کو کسی ایک مسلمان کی تلاش تھی اب اس ملک میں ایک سوٹڈ بوٹڈ عربی کے لئے تبلیغی جماعت کا لباس اسلام کی پہچان اور علامت بن گیا۔

یہیں ایک بات اور سن لیجئے کہ ہم کار پر فلوریڈا سے کیلیفورنیا تک تقریباً چار ہزار میل گئے اور واپس آئے باجماعت نماز پڑھتے تو لوگ متعجب ہو کر دیکھتے کہ کیا کر رہے ہیں کہ اس شاہراہ پر اتنا طویل سفر باجماعت نمازوں کے ساتھ کرنے والے شاید ہم پہلے تھے اور پھر یہ کہ لوگ ہر جگہ مجھے غور سے دیکھتے تھے میرے دونوں ساتھی اکثر کہتے کہ لوگ تمہیں بڑے غور سے دیکھتے ہیں ہماری طرف کوئی نہیں دیکھتا، میں انہیں یہی کہتا کہ تمہارے لباس ایسا لباس پہنے یہاں لاکھوں ہی نہیں سارا ہی ملک ہے میں نے اپنا قومی لباس پہنا ہے اور یہ ان علاقوں کے لوگوں میں نیا ہے اور الحمد اللہ مجھے خوشی ہوتی۔ کاش ہماری قوم اپنے ملی واسلامی تشخص کو شکل وصورت اور اخلاق وعمل کے اعتبار سے پوری دنیا میں اجاگر کرے۔ جب کہ معاملہ کچھ برعکس ہے۔ اس نواجوان نے اس کے بعد کہا کہ آپ حضرات اس شہر کی مسجد میں جانا پسند کریں گے ہم نے کہا کہ کیوں نہیں پھر ہم اس کے ساتھ مسجد میں گئے مکان کا نچلہ حصہ مسجد ہے اور اوپر رہائش ہے اور وہاں کے انچارج مری کے ایک طالب علم و لیکچرار راجہ صاحب تھے جن کا نام ذہن سے نکل گیا۔ امام مسجد ایک مصری عالم ہیں۔ دو دوست ہمیں یونیورسٹی کے ہوسٹل کی مسجد میں لے گئے جہاں ایک عربی سٹوڈنٹ کے بچہ کا عقیقہ تھا۔ ایک خوشی اس سفر میں یہ ہوئی کہ جس شہر میں گئے وہاں مسجد کم ازکم ایک تو ضرور تھی ورنہ کئی جگہ آبادی کے لحاظ سے زیادہ بھی تھیں ریاست کا اب نام یاد نہیں، اس کے شہر فینکس میں یونیورسٹی کے ساتھ ہو بہو بیت المقدس کی شکل کی بہت خوبصورت مسجد تھی۔ تقریباً ہر مسجد رابطہ عالم اسلام کی جانب سے عربی اور انگریزی میں قرآن پاک اور احادیث واسلامی تعلیمات پر مشتمل عربی وانگلش کی کتب خاصی تعداد میں دیکھیں۔ خدا کرے کہ کوئی صاحب دل جو اپنی آستین میں ید بیضا لئے ہو وہ امریکہ میں جا کر بیٹھ جائے تبلیغی جماعت کے اثرات بحمد اللہ بہت اچھے ہیں--------- بات تبلیغی جماعت ہی کی ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کو متحرک وفعال رکھے۔ اس کے اکابر میں جمود یا سکون پیدا نہ ہو۔ اور اصل مقصد ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو۔ بہت سے لوگ جماعت کے کام پر اصلاحی تنقید کرتے ہیں۔ جو لوگ جماعت میں برسہا برس کام کرتے آرہے ہیں وہ اگر مل جل کر منزل کی طرف رواں دواں رہتے ہوئے کبھی پیدل چلتے کبھی ریل پر سفر کرتے، کبھی بس پر سوار، کبھی بحری جہاز کے ذریعہ اور کبھی ہوائی جہاز پر سفر کا فیصلہ کرتے ہیں ان کو تو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حالات اور جماعت کی ہمہ گیر مقبولیت کے پیش نظر کتاب وسنت اور اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کام کے انداز میں ساتھیوں کو جوڑنے کے طریق میں کوئی مناسب ترمیمیں کرتے رہیں لیکن ساحل پر

کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے والوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ موجوں سے کھیلنے والوں کو کوئی مشورہ دیں۔ مجھ سے بہت سے ایسے لوگ جماعت کے بارے میں بحث کرتے ہیں جنہوں نے نہ کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ ہی کوئی دین کا کام کیا وہ مجھے بعض امور میں اپنا ساتھی سمجھ کر جماعت پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں، لیکن میرا ان کو ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ میں آپ کی اس بات کو ایک مفروضہ سمجھ کر مان لیتا ہوں کہ جماعت سو فیصد کام نہیں کرتی لیکن نوے فیصد۔ اسی فیصد ستر فیصد ساٹھ فیصد یا پچاس فیصد تو یقیناً آپ کے نزدیک کرتی ہے تبھی تو آپ اصلاح کے لئے صلاح و مشورہ دیتے ہیں اگر جماعت آپ کے اور ہمارے خیال میں پچاس یا ساٹھ فیصد کام کرتی ہے اور ہم پانچ فیصد بھی نہیں کرتے تو وہ ہماری بات کیوں مانیں ہم ستر ابھی فیصد کام کریں تو پھر ان کو مشورہ دیں یا پھر یہ کہ جماعت میں سات آٹھ چلے مسلسل لگائیں پھر دیکھیں کہ آیا ہمارا مشورہ دینا ٹھیک ہے یا نہیں۔

"ہمارا حال تو ایک باپ کے اس بچے کی طرح ہے جو خود تو کچھ کماتا نہیں لیکن جو بھائی آٹھ سو روپے ماہوار کما کر والدین کی خدمت میں پیش کرتا ہے اس پر اعتراض کرتا ہے، کہ اباجی یہ نکھٹو ہے ہزار روپیہ کیوں نہیں کماتا۔ والد صاحب یقیناً کہیں گے کہ چار پیسے کبھی کما کر تم بھی لاؤ تو اعتراض کرو وہ تو آٹھ سو روپیہ کما کر لاتا ہے اور پورے کنبہ کی کفالت کرتا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ جو خون پسینہ ایک کرکے آٹھ سو کیوں کماتا ہے۔ تبلیغی جماعت کی بنیاد مولانا محمد الیاسؒ نے رکھی اور جس اخلاص واحسان کے مقام پر چلتے ہوئے انہوں نے کام کیا اس کے زمین وآسمان گواہ ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مولانا محمد الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا اور پھر مولانا محمد الیاس نے اس راہ میں جس تن دہی سے اور محنت سے جان کھپائی اس پر دنیا شاہد ہے اور جماعت کی پوری دنیا میں چلت پھرت۔ گشت کرنا۔ اپنی نمازوں کی اصلاح کرنا اخلاص پیدا کرنا، نیت درست کرنا، دوسروں کو متوجہ کرنا، اپنی کوتاہیوں پر رات کو اللہ کے سامنے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا، یہ سب کام کے ثمرات ہیں اس کو آپ کے کہنے پر کہ جب آپ نے جماعت میں کام کرتے نہ علیحدہ تھوڑا بہت کرتے ہیں کیوں تبدیل کیا جائے یہ بات مناسب نہیں میرا یہی جواب ہوتا ہے"۔

بعض افراد یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سیاست میں کیوں حصہ نہیں لیتے اگر ایسا ہو تو پھر یہ جماعت کسی ایک ملک میں تو کام کرسکے بین الاقوامی نہ ہو۔ "ان کو اسی حال پر رہنے دو"۔ یہاں مجھے علامہ اقبالؒ کا ایک تاثر یاد آرہا ہے حکیم احمد شجاع اپنی کتاب خوں بہا حصہ اول ص ۴۳۹ پر رقم طراز ہیں:۔

"لاہور آکر میں نے پاک پتن شریف (منٹگمری) کے مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی وہ پہلے تو حسب عادت میری باتیں غور سے سنتے رہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے۔ پھر آنکھیں بند کرکے سوچنے لگے جب میں اپنی کہانی سنا چکا تو فرمایا "جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی تھی میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو انقلاب ایک ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کردے علامہ اقبال نے فرمایا کہ ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان ہی مکتبوں میں پڑھنے دو اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اگر سپین کے مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور

الحمراء اور باب الاخوتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا تو ہندوستان میں بھی آگرے کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا" (انتہی کلام اقبال)

بحمد اللہ انڈیا میں سیکولر حکومت کے باوجود مدارس دینی، تبلیغی جماعت اور ایسے ہی دوسرے اداروں کے دم قدم سے اسلامی حمیت و غیرت موجود ہے اور انشاء اللہ اس کو کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ تبلیغی جماعت بنگلہ دیش اور انڈیا میں خاص تبلیغی انداز میں جو کام کررہی ہے اس کا وہاں جا کر پتہ چلتا ہے وہاں کے مرکزی اجتماع میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ان لوگوں کے چہروں پر ایمانی استقامت اور عملی استقلال کا نور جھلکتا صاف نظر آتا ہے۔ انڈیا کی حکومت نے بہت چاہا کہ کوئی بہانہ بنا کر ان کو تبلیغ سے بند کردے لیکن "ید اللہ علی الجماعت" کے آگے دنیا کی تمام قوتیں ہیچ ہیں۔ پاکستان کی حکومت اور دوسرے ملکوں میں بھی اس کا تجزیہ کیا گیا، مسلسل نگرانی کی گئی لیکن اللہ کی نصرت جماعت کے شاملِ حال ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو خاصے متردد رہے، سی آئی ڈی کی رپورٹوں کے باوجود پریشانی نہ جاتی تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے کہا کہ جماعت اور اس کے کام سے ڈر لگتا ہے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں اور پورے ملک میں قافلے رواں دواں رہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا "میرے بھائی! یہ لوگ نہ دنیا کی بات کرتے ہیں اور نہ ہی زمین کی۔ آسمان کی یا آخرت کی بات کرتے ہیں خوف کھانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ پنڈت صاحب مطمئن ہوگئے۔ تاہم بہت سی طاقتیں پوری دنیا میں جماعت کے خلاف بہت کام کر رہی ہیں اور کروڑوں روپیہ کا لٹریچر جماعت کے خلاف شائع کیا جارہا ہے، لیکن جس چراغ کو اللہ تعالیٰ جلا رہے ہیں اسے کون بجھا سکتا ہے۔

چراغے کہ ایزد برفروزد کسے کو پف زند ریشش بسوزد

"کلمہ کی مثال ستھرے درخت کی سی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور ٹہنے آسمان میں ہیں" (القرآن سورۃ ابراہیم)

یہ کیا کم نصرت الہیٰ ہے کہ عالم اسلام میں حج کے بعد مسلمانوں کے سب سے بڑے اجتماعات (رائے ونڈ) پاکستان انڈیا اور بنگلہ دیش تبلیغی جماعت کی برکت سے ہوتے ہیں اور ان میں مسلمانوں کو جوڑنے اور پیغمبر ﷺ کے طریقوں پر چلنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہاں آکر اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی کچھ تحریروں کے اقتباسات پیش کردئے جائیں تاکہ پتہ لگے کہ جماعت کے پروگرام کا اجمالی خاکہ کیا ہے۔

مکتوبات سے اقتباسات

اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہوجائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد ﷺ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔

حضور ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی نماز کو سنانا خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا اہتمام سے وضو کرنا دھیان جمانا قیام میں قعدہ میں، رکوع میں اور سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔ علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہوجائے میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے۔ ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے۔ ہر امتی کے آگے بچھ جانا ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا۔۔۔۔ جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ جل شانہ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ ہر عمل میں اللہ جل شانہ کی شان کی رضا کا جذبہ ہو کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔

صحابہ کرامؓ ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں۔ نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت، گھر میں اولاد کے موقع پر اور وفات کے موقعہ پر سردی میں گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں، ضعف میں، جوانی میں اور بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں۔ دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آئی۔ خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت اور نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں۔ دل رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو۔ فضائل کا مذاکرہ ہو حضور ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر، تسبیح میں مشغول ہوا جائے، یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت میں جایا جائے یہ چار کام پورے تبلیغی سفر میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے اور اتنے کئے جائیں گے کہ یہی عادت و مزاج بن جائے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کئے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کئے جائیں گے وہ چار یہ ہیں (۱) کھانا پینا (۲) قضاء حاجت (۳) سونا (۴) باہم بات چیت کرنا۔ یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو سونے کے لئے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں وہ ہیں جس سے پورے تمام سے ساتھ بچا ہے۔۔۔۔ (۱) کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے یہ بھی ایک طرح کا سوال ہے (۲) شرف سے بچا جائے کہ زبان سے تو سوال نہ ہو لیکن دل میں طمع ہو کہ کسی بندہ سے کچھ حاصل ہو جائے (۳) اسراف فضول خرچی سے بچا جائے (۴) بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔ (ماخوذ از بیس بڑے مسلمان ص ۵۹۸)

مولانا محمد یوسف کے اقتباسات میں اکرام مسلم کے متعلق کچھ بیان ہوا ہے بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی ایک تحریر اس بارے میں مطالعہ فرمائیں۔ ایک کارکن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"کوئی شخص اور کوئی مسلم ہر گز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور انکے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جاتیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے"۔ (بیس بڑے مسلمان ص ۵۹۴)۔

مولانا محمد یوسفؒ کا اللہ تعالیٰ پر یقین حق الیقین کے درجے پر پہنچا ہوا تھا اور ایک مسلمان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ وہ مرتبہ احسان پر فائز ہو۔ مولانا کو جن لوگوں نے دیکھا ہے ان میں سے بہت سے آج بھی زندہ ہیں۔ وہ اس کے گواہ ہیں مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعتی لحاظ سے اگرچہ نہایت نحیف و ناتواں تھے مگر اس مقدس مقصد کے لئے ایسی ان تھک اور اس قدر بے پناہ جدوجہد کرکے دکھا گئے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دل فریبیوں کے ساتھ اور جہنم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کردی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اگر یہ کام کروگے تو یہ جنت ملے گی اور اگر نہیں کروگے تو اس جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو شاید اس کی سعی وجُہد اس سے زیادہ نہ ہو سکے گی جو مولانا محمد الیاسؒ کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی"۔ (بیس بڑے مسلمان ۵۹۳)

اس حال کے ساتھ آپ کا قال کیا تھا وہ بھی سنئے مولانا محمد منظور نعمانی ہی آپ کے ملفوظات میں رقم طراز ہیں:۔

"فرمایا کہ اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین اور اعتماد ہی کی بناء پر کام کرنے کی مشق کرو اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یوں ہی مانگو کہ اپنی شان اور قدرت کے شایان ان وعدوں کو پورا فرمائے اخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کرسکتے ہو اور کیونکر وہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے۔ <لاعین رات ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر> (۱)۔ (حوالہ ایضاً)

---

(۱) (کہ ان نعمتوں کو) نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گذرا ہوا۔

مولانا محمد حسین للٰی تحریر کرتے ہیں، "مولانا کی دوسری اہم صفت مولانا کا سوزدروں اور بلند ہمتی ہے مولانا کا دل اس زمانہ کی دینی ویرانی کو دیکھ دیکھ کر جلتا تھا اور مخلوق خدا کی عام گمراہی اور جہالت وبد علمی کی ہمہ گیری کا تصور کرکے آپ ماہی بے اپ کی طرح تڑپتے تھے گویا کہ اس شعر کی مجسم تفسیر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ:۔

"کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ کر ٹہلنے لگتے ایک رات والدہ مولانا محمد یوسف صاحب نے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی فرمایا کہ کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجاتے تو جاگنے والے ایک نہ رہے دو ہوجائیں"۔ (ایضاً)

تاریخ مشائخ چشت کے مولف پروفیسر خلیق احمد نظامی نے کیا عمدہ تجزیہ کیا ہے۔ "مولانا محمد الیاسؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل سے ملے گی گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاس نے کیا تھا"۔ (حوالہ ایضاً)۔

موجودہ دنیا پروپیگنڈا اور لٹریچر کی دنیا ہے بعض جماعتیں اسی بل بوتے پر آگے بڑھ رہی ہیں، لیکن تبلیغی جماعت کے جلسہ کا نہ کبھی اشتہار ہوتا ہے نہ کوئی کوئی لٹریچر تقسیم ہوتا ہے نہ کوئی چندہ مانگتا ہے اور نہ کوئی اس طرح کے مروجہ ضوابط یا رسوم کو پسند کرتا ہے میرے اپنے علم کی حد تک آج تک ان کے کسی اجتماع کا کبھی کسی اخبار میں فوٹو نہیں آیا جب کہ یہ بات وبا کی طرح پھیل گئی ہے۔ اگر کوئی آیا ہے تو کسی نے چھپ کر یا جلدی سے لے لیا اور اخبارات کو بھیج دیا۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے زمانہ میں جماعت کا نظام اور کام میوات میں زیادہ تھا برصغیر میں کم اور برصغیر سے باہر بہت کم۔ ان کے ہونہار وقابل جانشین نے ۲۱ سال میں اتنا کام کیا کہ کام برصغیر پاک وہند سے نکل کر دنیا کے تمام براعظموں میں پہنچ چکا تھا۔ مرحوم کو دیکھنے اور سننے والے جانتے ہیں کہ ان کے دل میں اس کام کی کس قدر عظمت اور کس انداز کی تڑپ اور لگن تھی۔ آخری رات کہ طبیعت میں بہت زیادہ اضمحلال اور تھکاوٹ تھی اور صاف آثار نمایاں تھے کہ!

جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

لیکن لوگوں کے عرض کرنے اور خود اپنی اندرونی خلش وجذب کی بناء پر جماعتی کام کے متعلق ایسا بیان کیا کہ دل کھول کر رکھ دیا تقریر کے بعد ایک نکاح پڑھایا۔ اس کے بعد قیام گاہ کی طرف جاتے ہوئے طبیعت خراب ہوئی اور فرمایا کہ مجھے سنبھالو اور بے ہوش ہوگئے۔ ایک حکیم صاحب نے جواہ مہرہ دودھ میں گھول کر پلایا جس سے ہوش میں آگئے لیکن ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے۔ لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ کو بلایا۔ انہوں نے بتایا کہ قلب پر سخت حملہ ہوا تھا لیکن اس سے بچ جانا کرامت ہے۔ اگلے دن بعد از زوال پھر طبیعت خراب ہوئی اور آپ کو مختصراً جمعہ پڑھا کر میو ہسپتال کی طرف لے چلے۔ اس سے قبل فرمایا کہ وہاں نرسیں ہوں گی۔ عرض کیا گیا کہ ان کی بجائے مرد ڈاکٹر ہی کام کریں گے۔ تب راضی ہوئے۔ گاڑی شاہو کے قریب پہنچ کر پوچھا کہ ہسپتال کتنی دور ہے تو بتایا گیا کہ آدھا فاصلہ باقی ہے اس پر فرمایا ہم تو چلے اور کلمہ پڑھتے ہوئے واقعتاً آنکھیں موند لیں۔ آناً فاناً شہر اور نواح میں خبر پہنچ گئی۔ دو دفعہ جنازہ پڑھایا گیا اور پھر دہلی رابطہ اور مشورہ پر دہلی بستی نظام الدین لاش لے جائی گئی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے نماز جنازہ پڑھی۔۔۔۔۔۔

جیسا کہ گزرا حضرت مولانا انعام الحسن کو جانشین بنادیا گیا۔ دونوں حضرت شیخ الحدیث کے داماد اور شاگرد تھے۔ دونوں کا آپس میں کتنا گہرا تعلق تھا وہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں کہ:-

ہم دونوں نے آپس میں طے کرلیا تھا کہ رات کے ابتدائی حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا۔ آدھی رات ہوجانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اس کے ساتھ چائے پی کر سوجائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے" لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے"۔ ایک دن حضرت مولانا مرحوم (مولانا محمد یوسف) شروع رات میں مطالعہ کرتے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔۔۔۔۔۔

کہ حضرت شیخ کو (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) جب معلوم ہوا کہ ہم ابھی تک حضرت سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (مولانا محمد الیاسؒ) سے بیعت ہوچکے ہو۔ بہر حال اب دیر نہ کرو ہم لوگوں نے حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور فرمایا کہ "اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے"۔

(تذکرہ مولانا محمد یوسف، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

جو شخص کسی دینی تحریک کو شروع کرتا ہے اس میں اخلاص، احسانی کیفیت اور قوم کے مرض کا تشخص اور علاج شامل ہوتا ہے۔ اس میں ایک ایسا درد اور سوز ہوتا ہے کہ جس کی اصل تپش اور گرمی کو وہی جانتا ہے۔ بانی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ ایک رات صحن میں سونے کے وقت چل پھر رہے تھے، اہلیہ مرحومہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ اس کو تم محسوس کرنے یا جاننے لگو تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں ۔۔۔۔ بہر حال انہی کا سوزِ دروں تھا کہ جنہیں امت کے غم نے اس حال میں پہنچا دیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے نے وقت کے علماء کے مشورے سے سنبھالا تو اپنی قوت بیانیہ زورِ استدلال اور فکر و عمل سے تیز تر کر دیا اور ان کی وفات کے بعد ان کے ساتھی حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے سنبھالا تو اس تیز رفتاری اور قوتِ عمل کو زندہ رکھا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بیمار امت کی تشخیص وعلاج دریافت کیا اور کامیاب نسخے سے علاج جاری رکھا۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد یوسفؒ نے جب سنبھالا تو اپنے والد ماجد صاحبؒ، حضرت مدنی شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور آخر میں قطب دوراں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری کی توجہات اور ان کی وفات کے بعد ان کی نسبتیں ان کی طرف منتقل ہو گئیں۔ اس تیز رفتار گارمی کو جو خاص رفتار سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے سنبھالا اور اپنی استقامت، قوت ارادی جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی۔ اس رفتار کو مزید تیز کر دیا اور اس جماعت کا میدانِ عمل پوری دنیا بن گئی۔ **فالحمدللہ۔**

حضرت مولانا انعام الحسن بہت متحمل، بردبار اور ذہین وفطین شخص تھے۔ پیشرو حضرت کی روایات سامنے تھیں بلکہ ان کو کام کرتے دیکھا تھا، لہذا کام کو تیز تر کیا لیکن اصولوں میں سرمو انحراف نہ آنے دیا۔ ویسے علمی استعداد بھی بہت تھی۔ مختلف کتب لکھیں اور حیاۃ الصحابہؓ عربی پر کام کیا۔

امریکہ کی کسی ریاست کے ایک شہر میں اجتماع کی اجازت لی گئی۔ جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ جماعت میں بیان کرنے والوں کا ترجمہ ساتھ ساتھ انگریزی، عربی اور متعلقہ زبانوں میں کہ جن کی ضرورت ہو کیا جاتا ہے، اور آخر میں امیر جماعت دعا کرتا ہے۔ جس میں تمام عالمِ اسلام کی بہتری، تمام دنیا کی اسلام کی طرف رغبت، اجتماع کے خیر سے اس زمین کو بابرکت اور خدانخواستہ اگر کوئی شر ہو تو اس سے مقامی آبادی کی حفاظت، مقامی شر سے جماعت کی حفاظت اور اس علاقہ کے لئے خیر و برکت کے لئے دعا کی جاتی ہے۔ شہر کے میئر کو منٹ منٹ کی خبر جاتی تھی۔ اجتماع کے خاتمہ پر حضرت مولانا نے کھجور، تسبیح، اور کچھ ایسے ہی تحائف میئر کو بھیجے اور شکریہ ادا کیا کہ اس نے اجتماع کی اجازت دی۔ موصوف نے شکریہ ادا کیا کہ نیک لوگ اس کی زمین پر آئے اور نیک اعمال اور نیک دعائیں کیں اور ساتھ جیسا کہ رواج ہے شہر کی کنجی خیر سگالی کے طور پر بھیجی۔ حضرت مولانا نے کنجی آنے پر بے ساختہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک کے دروازے جماعت پر کھول دیئے ۔۔۔۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب پہلی جماعت امریکہ گئی تھی تو وہاں کسی مسلمان کو تلاش کرنا کارے دارد تھا، اور آج ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پچاسوں جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ہر بڑے شہر میں تبلیغی مرکز ہیں، اور پھر کوئی اشتہار نہیں، چندہ نہیں، جھنڈا نہیں، آج دنیا بھر میں تبلیغی جماعت کی شکل وصورت اور لباس عرب ملک کے سٹوڈنٹس کے لئے اسلام کی پہچان کے لئے اسلام کی پہچان کی علامت بن گیا ہے۔ لوگ کھالوں، چندوں اور ایسی چیزوں کے لئے دوڑے پھرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اس جماعت کے ساتھ نصرت ہے کہ جو لوگ مدت سے ساتھ کام کرتے ہیں ان کی رقم تو قبول کی جاتی ہے کسی اور کی نہیں ۔۔۔۔ میں نام نہیں لیتا۔ ایک

شخص نے جو تقریباً نووارد تھا اس نے ایک کروڑ روپیہ مولانا ۔۔۔۔۔۔۔ کو رائے ونڈ پیش کیا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کو حیرت ہوئی اور شاید کچھ تکلیف بھی۔ اس نے کہا کہ مولانا آپ کو کوئی اور ایسا شخص نہیں ملے گا کہ جو ایک کروڑ پیش کرے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ کو بھی کوئی فرد یا جماعت نہیں ملے گی جو اتنی بڑی خطیر رقم ٹھکرا دے۔ اور پھر سمجھانے کے انداز میں کہا کہ ہمیں آپ کی رقم کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقت لگائیے یہ ہماری دعوت ہے اور ہم سب کو اس کی ضرورت ہے۔ ہمارے لئے اصل سرمایہ اپنے آپ کو دین کے لئے وقف کرنا یا وقت لگا کر دین سیکھنا اور سکھانا ہے۔

ملک میں اور دنیا میں دین کا کام بہت افراد اور جماعتیں کر رہی ہیں، لیکن جو اثر اور قبولیت تبلیغی جماعت کو حاصل ہے وہ سب کو معلوم ہے تاہم لوگ مختلف قسم کی باتیں کرتے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ امر بالمعروف تو کرتے ہیں۔ نہی عن المنکر نہیں کرتے۔ طول کلام مقصود نہیں۔ نیکی نہ کرنا نماز نہ پڑھنا "منکر" ہی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "ان الصلوة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر" (بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور برے کاموں سے)۔ اور تبلیغ میں جو لگ جاتا ہے وہ باجماعت نماز پڑھتا ہے اور اس کی ترغیب دیتا ہے۔۔۔ تو عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ ایسی صفات رکھنے والی عالمگیر جماعت کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن ۱۰، جون ۱۹۹۵ء کو دہلی میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دنیا میں اس وقت یہ واحد عالم دین تھے جو اپنے فقر وزہد اور توکل وقناعت کے باوجود کروڑوں نیک کام کرنے والوں کے امیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ کام تیس سال دو ماہ نو دن لیا۔ اس دنیا سے جانا تو ہر شخص نے ہے مگر حضرت مولانا مرحوم کو دیکھو کہ جب دنیا سے گئے ہیں تو کروڑوں افراد کو اللہ کے فضل اور مدد سے ایسے کام پر لگا گئے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، ان کے اپنے نیک اعمال اور کروڑوں انسانوں کی دعاؤں سے امید ہے کہ حضرت مولانا کو جوارِ رحمت میں جگہ ملی ہوگی۔



بانی وامیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد وجہد

راہِ خدا میں نکلنے والوں کے لئے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہدایات

مرتب ـــــ مولانا محمد منظور نعمانی

[تبلیغی اجتماعات کا پروگرام عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک دو دن پورے زور و قوت کے ساتھ حاضرین کو اس کی دعوت اور ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ایمان و یقین اور ایمان والے اعمال اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کچھ مدت کے لئے اپنے ماحول اور روزمرہ کے مشاغل سے نکلیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی اللہ کی دعوت دینے کے لئے ایک خاص پروگرام کے مطابق وہ محنت و مجاہدہ کریں ـــــ اللہ کے جو بندے اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان کی جماعتیں ترتیب دے دی جاتی ہیں اور اجتماع کے اختتام پر ان کو ہدایات دے کر اور دعا کر کے رخصت کر دیا جاتا ہے ـــــ اپریل ۶۲ء میں کلکتہ کے قریب گرا ہاٹ میں ایک اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا، پہلے دو دن کی دعوت و ترغیب کے نتیجہ میں ایک ہزار سے کچھ اوپر بندگانِ خدا نے اپنے نام لکھائے جن کو قریباً سو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا، آخری دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جماعتوں کو رخصت کرتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ اس عاجز نے اشارات میں قلمبند کر لی تھی ـــــ وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ مضمون کی حد تک حضرت مولانا مرحوم کا ہے، لیکن الفاظ کے بارہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔]

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا نے فرمایا۔

آفتاب نورانی ہے۔ اس کے اندر نور ہے۔ وہ اپنے نور کے ساتھ چکر لگاتا ہے۔ تو دنیا میں نور پھیلاتا ہے۔ اگر بجائے نورانی کے وہ خود ظلماتی ہوتا اور اس نور کے بجائے ظلمت ہوتی تو وہ دنیا میں ظلمت پھیلنے کا ذریعہ بنتا ــــ آپ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر نکل رہے ہیں اور دور قریب کی دنیا میں پھریں گے۔ اگر آپ میں نور ہوگا تو آپ کے ذریعہ نور پھیلے گا۔ اور اگر آپ کے اندر ظلمت ہوگی تو وہی ظلمت پھیلے گی، اس لئے آپ کو کوشش کرنی ہے کہ آپ کے اندر نور ہو اور آپ خود نورانی بنیں ــــ کسی انسان کی ذات میں نور نہیں ہے، نور والے اعمال سے انسان میں نور آتا ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو نور والے اعمال کرنے ہیں تاکہ آپ کے اندر نور آئے اور آپ کے ذریعہ نور پھیلے، اور ظلمت والے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ آپ ظلمت پھیلنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

نور والے اعمال وہ محمدی اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لیئے کیئے جائیں۔ ان اعمال کو اتنی کثرت سے اور تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ اُن کے نورانی رنگ میں رنگ جائیں ــــ وہ نُورانی اعمال یہ ہیں:۔

(۱) اخلاص کے ساتھ، ایمان و یقین حاصل کرنے کی دعوت جو انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

(۲) نماز اور جملہ عبادات جس میں ذکر و تلاوت، دعا و استغفار سب شامل ہیں۔

(۳) علم میں مشغولیت۔ خاص کر وہ علم جس میں انسانوں کے اعمال و افعال کے آخرت میں ظاہر ہونے والے نتائج کا بیان ہو۔ یعنی ترغیب و ترہیب۔

(۴) اچھے اخلاق جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور جن کی آپ نے تعلیم دی۔ جس کا خلاصہ اور حاصل ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

یہی وہ نورانی اعمال جن کے مسلسل اور کثرت سے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے اور زندگی نورانی بنتی ہے، آپ کو انہی اعمال میں مشغول رہتے ہوئے پھرنا ہے۔

یاد رکھیے آپ صرف اپنے گھر، اپنے گھر والوں، اور اپنے خاص ماحول کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، نفس اور شیطان کو چھوڑ کر نہیں جا رہے ہیں۔ یہ دونوں دشمن ہر قدم پر اور دن رات آپ کے ساتھ رہیں گے، آپ کی بُری عادتیں بھی آپ کے ساتھ جا رہی ہیں، یہ سب چیزیں آپ کو ان اعمال کی طرف کھینچیں گی جن سے آپ میں ظلمت آئے اور آپ خدا سے دُور اور اس کی رضا سے محروم ہوں، آپ ان دشمنوں کے شر سے صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ سونے کے چھ سات گھنٹوں کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں اپنے کو نورانی اعمال میں مشغول رکھیں —— یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلم میں لگے ہوں، یا کوئی خدمت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔ "خانہ خالی را دیو می گیرد"

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جب کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کئے جائیں۔ اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنم میں کھینچ لے جائیں گے —— حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنم کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔ اور جہنم میں سب سے پہلے انہی کو جھونکا جائے گا۔ ان میں ایک وہ عالم دین اور عالم قرآن ہو گا جو عمر بھر قرآن سیکھنے سکھلانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولت مند سخی ہو گا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا، اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا اور تیسرا شخص ایک شہید ہو گا

جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا — لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کئے تھے۔ بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت و عزت حاصل کرنے کے لئے کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لئے نہیں کئے تھے اور یہ چیز تمہیں دنیا میں مل چکی، اب تمہارے لئے یہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد ان کو ان کے انہی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ پہلے یہ جہنمی ہوں گے جن کے لئے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

سوچئے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب ایک تابعی نے یہی حدیث حضرت ابو ہریرۃ سے سن کر حضرت معاویہ کے سامنے نقل کی تو حضرت معاویہ اتنے روئے کہ لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ ہو گیا۔ بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی اور انہوں نے فرمایا:۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل سچ پہنچایا ہے کہ جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہے گا، اسکو اسکے اعمال کا پورا بدلہ دنیا میں ہی دے دیں گے اور اسکے لئے اس میں بالکل کمی نہیں کی جائیگی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا اور جو عمل انہوں نے کئے تھے وہ ضائع ہو جائیں گے اور بیکار رہا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔

بہرحال نورانی اعمال نور پیدا کرنے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب کہ وہ خالصاً اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے لئے جائیں۔ اس لئے آپ کو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انہی اعمال میں مشغول رکھنے ہیں اور دوسری طرف اس کا بھی اہتمام کرنا ہے کہ نیت صحیح رہے۔ شیطان جب کسی بندہ کو اچھے عمل سے ہٹا نہیں سکتا تو اس کی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے —— اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کے لئے کئے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی اور اگر اللہ کی رضا کے لئے وہ اعمال کئے جائیں جو درحقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں۔ تو ان میں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے۔ اس لئے دونوں کوششیں ضروری ہیں۔ ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہمہ دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے اور نیت کی صحت کا اہتمام جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو۔ ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے، اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے۔ سب سے پہلی چیز ہے ایمان و یقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کے لئے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے۔ جن کے اصول و آداب گشت کے لئے نکلنے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کے لئے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا اس لئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شیطان و نفس کے شر سے بچائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفات عالیہ پر نظر رہے۔ نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے۔ جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جی سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کر کے ان کے پاس سے اٹھ آنا چاہیے، اور ان کے لئے دعا کرنی چاہیے اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہیے اور وقت فارغ کرنے کے لئے بھی کہنا چاہیئے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ عمومی گشت کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے۔ اور ان کے سامنے ایمان و یقین، نماز، ذکر اللہ، علم دین اخلاق اور دینی جدوجہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے۔ پھر تشکیل کر کے مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کئے ہیں اور نام لکھائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گذرے —— جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کر سکیں ان کو مقامی گشت، مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔ اور ان کاموں کا نظام بنا دیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہی مقلب القلوب ہے وہی جس کو چاہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے۔ اور جس کے لئے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے۔ جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں، دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول کیا جائے یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں یا قیام میں ہوتا ہے یا رکوع میں یا سجدہ میں، یا قعدہ میں، اسی طرح اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم اور تعلم میں، یا ذکر عبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں —— یہ چار کام اس پورے زمانے میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے اور اتنے کئے جائیں گے کہ یہی عادات و مزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کئے جائیں گے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور ان کے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں۔ انفرادی دعوت انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہوگی جو جماعتی پروگرام کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے۔ مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ کا نہیں ہے۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے۔ اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جا کر دعوت ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونہ میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی۔

بہرحال اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کئے جائیں، اور حاجات بشری کے علاوہ اپنے کل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں تب ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا۔ پھر ان شاء اللہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا۔

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کئے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کئے جائیں گے۔ وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ کھانا پینا ۲۔ قضاء حاجت ۳۔ سونا ۴۔ باہم بات چیت کرنا۔

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو۔ سونے کے لئے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے۔ یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے۔ ۲۔ اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل کرنے کی طمع ہو، گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو۔ ۳۔ اسراف سے بچا جائے۔ اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے، لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت بُرے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ ۴۔ بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔ بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہونچتی ہے۔ اور شرعاً یہ قطعاً حرام ہے۔ ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بس یہ ہیں ضروری ضروری باتیں جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے ۲۴ گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گذرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لئے اور پوری امت مسلمہ کے لئے اور عام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

ایک اہم مکتوب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمین ومکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جہدا وسعیاً فی سبیلہ والعنا وایاکم صراطہ امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوند کریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔ آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعثِ مسرت اور باعث تقویت ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرماویں، بارآور فرماویں، ترقیات عطا فرماویں۔ آمین۔

اللہ رب العزت جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دارومدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے۔ باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی وناکامی نہیں۔ عزت و دولت، آرام وتکلیف، سکون و پریشانی، صحت وبیماری، انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے۔ ان حالات کے بننے اور بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں۔ اللہ جل شانہٗ ملک ومال کے ساتھ انسان کو ذلیل کرکے دکھا دیں۔ اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھا دیں۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک

بانی وامیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد وجہد

ہوں گے تو اللہ جل شانہ اندر کامیابی کی حالت پیدا فرما دیں گے۔ خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔ اللہ جل شانہ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور ہر فرد کے مالک و خالق ہیں ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے والے ہیں خود بنے نہیں اور جو بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے۔ ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور اژدہے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال، برق کی ہو یا بھاپ کی ان ہی کا قبضہ ہے اور وہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لاکر دکھا دیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لاکر دکھا دیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں ساری چیزوں کے بغیر ربیت پر ڈال کر پال دیں اور سارے ساز و سامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں۔ جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہ ہر نقشے میں کامیابی نصیب کر دکھائیں گے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔ صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔ جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرما دیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے۔ اللہ کی بڑائی سمجھانی ہے، ان کی ربوبیت سمجھانی ہے، ان کی قدرت سمجھانی ہے۔ انبیاء اور صحابہ کے واقعات سنانے ہیں۔ خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے دل میں اسی یقین کو اتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

اللہ جل شانہ کی قدرت سے براہ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو۔ آنکھوں کا، کانوں کا، ہاتھوں کا، زبان کا، پیروں کا استعمال ٹھیک ہو۔ دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو۔ یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہ اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری کریں گے۔ ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرما دیں گے رزق میں برکت بھی دیں گے۔ طاعت کی توفیق بھی ملے گی۔ ایسی نماز سیکھنے کے لئے دوسرں کو خضوع و خشوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے۔ اس پر آخرت اور دنیا کے نفع سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی نماز کو سنانا خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا، اہتمام سے وضو کرنا، دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں، نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے، جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے فضائل سنائے جائیں۔ خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے۔ علماء کی خدمت میں حاضری

دی جائے۔ اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے۔ اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہ علم کی حقیقت عطا فرمادیں۔ ہر عمل میں اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ جو آدمی اللہ جل شانہ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہ اس کو یاد فرماتے ہیں۔ جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں اللہ جل شانہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا۔ ترغیب دینا، خود دھیان جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے ہر امتی کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا۔ جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ جل شانہ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنے حق کو معاف کر دے گا اللہ جل شانہ اس کو جنت کے بیچ میں محل عطا فرمائیں گے۔ جو اللہ کے لئے دوسروں کے آگے تذلل اختیار کرے گا اللہ جل شانہ اس کو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے۔ اس کے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرامِ مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ مسلمان کی قیمت بتانی ہے۔ حضور اکرم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں۔ خود اس کی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

ہر عمل میں اللہ جل شانہ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔ اپنی نیت کو درست

کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعہ تصحیح نیت کا ظاہر شوق پیدا کیا جاتا ہے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں، اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دے کر توبہ و استغفار کی جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہ سے اخلاص مانگا جائے۔

آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے۔ گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی۔ اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہ سے قائم ہو جائے۔ اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا، اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا ان پر رحم کرتا ہے۔ جو دوسروں کا تعلق اللہ جل شانہ سے جوڑنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی محنت کریں گے اللہ جل شانہ ان کو سب سے پہلے ایمان و عمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے، اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار اعمال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے۔ اس راستے میں ہر مال کے خرچ اور ہر اللہ کے ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب، لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہ السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل عالم کے قلوب میں ان کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے

لئے آمادہ کرنا ہے۔ اس کی اہمیت اور قیمت بتانی ہے۔ انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے
واقعات سنانے ہیں، اور خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے
اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں نکاح
کے وقت اور رخصتی کے وقت، گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقعہ پر
سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں ضعف
میں، جوانی میں، بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے مانگنا ہے کہ
ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرمالے۔

ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبہ سے متعلق
ہو، چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان
چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک، اقلیم بہ اقلیم
قوم بہ قوم، قریہ بہ قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلعم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا۔ مسجد
کے کچھ مخصوص اعمال دیئے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا۔ مسجد
میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کے ٹھیک کرنے کے
لئے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے
کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں یہاں
تعاون، ایثار، ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم، محکوم، مالدار، غریب
تاجر، زارع، مزدور مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جاکر اپنے شعبہ میں مسجد
والے تاثر سے چلتا تھا۔ آج ہم دھوکے میں پڑگئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے
مسجدیں اعمال سے خالی ہوگئیں اور چیزوں سے بھر گئیں۔ حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں
کے تابع نہیں کیا۔ حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا۔ نہ غسل خانے تھے۔ خرچ کی
کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا، معلم اور متعلم بنتا تھا۔ ذاکر بنتا تھا۔ نمازی بنتا

تھا۔ مطیع بنتا تھا۔ متقی زاہد بنتا تھا۔ خلیق بنتا تھا۔ باہر جا کر ٹھیک زندگی گذارتا تھا۔ مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جا کر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں واپس اپنے مقام پر آ کر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کر کے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا، اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلنا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر اور بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے۔ "اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِہَا" کے مصداق تین یوم پر حکماً تیس دن کا ثواب ملے گا۔ پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے۔ اس کے لئے ہر سال اہتمام سے چلہ لگایا جائے۔ عمر میں کم از کم تین چلے، سال میں چلہ، مہینے میں تین یوم، ہفتہ میں دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت، یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی ہے۔ اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سبب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا، تو اس کے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم از کم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں اور دو تہائی اپنے مشاغل میں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بٹھائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم از کم تین چلوں کی دعوت خوب جم کر دیں، اس میں بالکل

نہ گھبرائیں۔ اس کے بغیر زندگیوں کے رخ نہ بدلیں گے۔ جن احباب نے خود ابھی تین چلے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہٗ اس کے لئے ہمیں قبول فرمالے۔

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ عمل صحیح ہوگا قبول ہوگا، دعوت قبول ہوگی۔ دعوت قبول ہوگی، دعا قبول ہوگی۔ دعا قبول ہوگی ہدایت آئے گی...... اور گشت قبول نہ ہوا تو دعوت قبول نہ ہوگی۔ دعوت قبول نہ ہوئی، دعا قبول نہ ہوگی۔ دعا قبول نہ ہوئی ہدایت نہیں آئے گی۔

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ہماری دنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گذارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں، اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کے لئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کرکے لوگوں کو روکا جائے، اعلان کوئی بستی کا با اثر آدمی کرے یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کر دیں۔ پھر گشت کی اہمیت، ضرورت اور قیمت بتائی جائے، اس کے لئے آمادہ کیا جائے، جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں۔ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہٗ کی ذات سے ہے۔ ان بازار میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلے کا تعلق نہیں۔ چیزوں پر نگاہ نہ پڑے، دھیان نہ جائے۔ اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈلے معلوم ہوں۔ ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جا رہے ہیں اُن کا دل ان چیزوں سے کیسے پھرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے۔ مل جل کر چلیں۔ ایک آدمی بات کرے۔ کامیاب ہے وہ آدمی جو مختصر بات کرکے آدمی کو مسجد میں بھیج دے۔ "بھائی ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے

اللہ پالنے والے ہیں۔ نفع و نقصان، عزت و دولت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمدؐ کے طریقے پر زندگی گزاریں گے۔ اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنا دیں گے ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہ کے حکم کے مطابق حضرت محمدؐ کے طریقے پر آ جائے۔ اس کے لئے بھائی مسجد میں کچھ دین کی بات ہو رہی ہے۔

نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیج دیں۔ ضرورت ہو تو آگے نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنا لیں۔ "اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیں گے۔ گناہوں کو معاف کر دیں گے دعاؤں کو قبول فرمائیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔ نماز کا وقت جا رہا ہے مسجد میں چلئے۔"

امیر کی اطاعت کرنی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔ اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں۔ گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کر لیں، مکانات نہ ہوں تو بازار میں کر لیں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کر لیں۔ مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں۔ نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کر دیں۔ نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی آنے والوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کر دیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں۔ جس ساتھی کے بارے میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت دے۔ یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا، تو دنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا۔ اور اگر اللہ جل شانہ سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نقصان ہوگا۔ جیسے

اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس طرز پر ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادے انداز میں بیان ہو۔ اس سے انشاءاللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر محتاج بن کر سنیں۔ جو بات کہہ رہا ہے ہم اپنے دل میں کہیں کہ حق ہے اس سے دل میں ایمان کی لہریں اٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے۔ نقد نام لئے جائیں۔ اس کے بعد چلوں کے لئے وقت لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو اس کو قبول کر لیا جائے۔ مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتا ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی۔ اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے ایک آدمی کھڑے ہو کر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے، ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے۔ فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں۔ اعذار کا دل جوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں نبیوں اور صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارہ کریں اور پھر آمادہ کریں۔ آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت روزانہ تعلیم۔ تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت میں انبیاء اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہ نے جو مددیں فرمائی ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور ہمارے ساتھ جو مددیں ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے۔ دعوت میں فضائے حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آ چکیں، ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہیئے اس کی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم میں دھیان، عظمت، محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے سہارا نہ لگایا جائے۔ باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو۔ طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھایا جائے۔ باتیں نہ کی جائیں۔ اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے۔ اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہوگا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئے گا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھتے ہی آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو۔ انفرادی سیکھنے سکھانے میں اس کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیئے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اوّل دوم، فضائل رمضان فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہ کی (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے۔ اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو۔ ساتھیوں سے نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کے لئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵، ۲۰ منٹ بعد وہ آجائیں، تو دوسرے دو ساتھی چلے جائیں۔ اس طرح بستی والوں کو تعلیم میں شامل کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جائے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹے تعلیم ہو یا ابتداً اتنی

دیر احباب جُڑ سکیں۔ کام کے تقاضوں کو سوچنے، ان کی ترتیب قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں ان کی مناسب تشکیل میں جو اور مسائل ہوں احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے۔ اللہ جل شانہٗ کے دھیان اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں۔ مشورہ میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانے کا جذبہ نہ ہو اس سے اللہ کی مددیں ہٹ جاتی ہیں۔ جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر اپنے دل میں جو بات ہو کہہ دی جائے۔ رائے رکھنے میں نرمی ہو۔ کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو۔ میری رائے میں میرے دل کے شرور شامل ہیں۔ یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہو گیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہو گئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف ہو اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں۔ ہمارے ہاں فیصلے کی بنیاد کثرت رائے نہیں ہے۔ اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے۔ دلجوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کے فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہٗ صحیح بات کھول دیں گے۔ امیر اپنے آپ کو مشورہ کا محتاج سمجھے۔ رائے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے۔ بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت کے ساتھ آمادہ کرلے اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے۔ اسی میں تربیت ہے۔ اگر اس کے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے زیادہ مناسب تھی۔ پھر بھی ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے۔ اسی میں خیر کا یقین کیا جائے، جو امیروں کو طعنہ دے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

جب محلوں کی مساجد میں ہفتوں کی دو گشتوں کے ذریعہ فی گھر ایک آدمی تین چلے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہوگی۔ تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جُڑ رہے

ہوں گے۔ ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی۔ تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورت میں بستر اور کھانا ساتھ لے کر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں۔ مشورے سے ایسے احباب سے عموماً عزمت دلوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں۔ بہت ہی فکر و اہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول نہ ہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے رو رو کر مانگا جائے۔ صبح کو جماعتوں کی تشکیل کر کے ہدایات دے کر روانہ کیا جائے۔ تین دن کی محلوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں۔ ہر شب جمعہ سے تین چلوں اور چلوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رُخ پڑنا چاہیئے۔ اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہ ہو سکے۔ تو سارے ہفتے اپنے محلوں میں پھر اس کے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلوں میں تقاضوں کے لئے لوگوں کو تیار کر کے لایا جائے۔

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنت فرمائی۔ اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے، کھانے، بیاہ شادی، میل ملاپ، عبادات، معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت کے کتنے طریقے بتلائے ہوں گے۔ ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہوگا جب ایمان و یقین اللہ کی محبت، اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف و خشیت، زہد و تقویٰ سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مزین ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھنچے کھنچے پھریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اللہ رحم کرے خالدؓ پر، اس کے دل کی تمنا صرف یہ

تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی" ابھی جو ہم کو کام کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کے لئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہٗ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ اس کو بنائیں گے جن کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی۔ جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی اللہ جل شانہٗ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے۔ یہ نبیوں والا کام ہے۔

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہ کو تین دن تک ترغیب دی۔ اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا ہے بالکل اسی طرز پر باہر جا کر بھی کرنا ہے اس کام کی نوعیت یہی ہے۔ مقام، زبان، معاشرت، موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اصول نہیں بدلتے۔ اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کے لئے اس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا انتہائی ضروری ہے جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جد وجہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اس کے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پہ آئے

اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے ہے۔ اگر عمل ٹھیک ہوں گے اللہ جل شانہٗ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے۔ اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہٗ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کر کے دکھائیں گے۔ کامیاب ہونے کے لئے اس نقشے میں ٹھیک عمل کرو۔ ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلے پر محنت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت، مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلہ پر تشریف لائے۔ آپ کی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپ کی محنت مجاہدں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اٹھانے سے پھیلتا ہے۔ باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے۔ جتنے نقشے ملک و مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جا رہے ہیں ان کا توڑ حق کے لئے فقر و غربت اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے۔ اب اس کام کے ذریعہ امت میں مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کے لئے بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے۔ اس سے کام کی جان نکل جائے گی۔ اس کام کی حفاظت اس میں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کے لئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ غریبوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے۔ پیدل جماعتیں چلائی جائیں لوگ آئیں گے کہ .... یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے، پھر نقشہ کی قربانی دینی ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے۔ پھر محل تلاش کر کے خود خرچ کر دیجئے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ

اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی، اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں۔ مشوروں کی ضرورت ہو، مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقعہ پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالجوں کے طلبا میں اس کام کو اٹھایا جائے۔ ہاسٹلوں میں مقام کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جا کر گشت کریں۔ ہاسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینہ میں تین یوم کی بھی ترتیب اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ بے پردگی کا احتمال ہو۔ عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات سے عورتیں کسی روز جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں۔ اس کی ابتدا اس طرح کریں کہ مرد جو بات اجتماعات، دعوت، تعلیم وغیرہ سے سُن کر جائیں اپنے گھر والوں کو سنائیں۔ اس سے انشاء اللہ تھوڑے عرصہ میں ذہن بننا شروع ہو جائے گا پھر محلوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتہ میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو۔ وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے۔ کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لئے قرب وجوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ مستورات کی جماعت کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھہریں۔ مرد مسجد میں ٹھیر کر کام کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل و حرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ عمرے کا سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط۔ اور اس کام میں یکجہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ محترمی حاجی حنیف صاحب اور بھائی محمد ادریس صاحب کی عمرے کے سفر کی تیاری کا حال معلوم کرکے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ جل شانہ قبول فرماوے۔ دیگر پرانے احباب کو بھی ہمراہ لانے کی سعی فرمادیں۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہوگیا۔ آپ حضرات اس کے ہر جز اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے۔ آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے پندرھویں روز مطلع فرمادیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ

ارشاداتؒ و ملفوظاتؒ

اسلامی اعمال کی ترتیب قائم کرنے میں آؤگے تو چیزوں کی ترتیب بدل جائے گی اعمال کی ترتیب کو قائم کرنا چیزوں کی ترتیب قرآن مجید کے مطابق بدلنا۔ اسلام اسی کا نام ہے جو چیزوں کی ترتیب قائم کرتے ہیں اور عملوں کی ترتیب کو بگاڑتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو ذلیل کرے گا۔ اور دلوں میں نور ہدایت پیدا نہیں ہوگا۔ جو اعمال محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب قائم کریں گے وہ محبوب و مرجع خلائق بنائے جائیں گے۔ نماز کی حقیقت پیدا کرنے کے لئے محنت کرو۔ اسلام دو حرکتوں پر چمکتا ہے۔ ایک نماز میں محنت، دوسری نماز والی حرکت میں محنت اور اس کو عام کرنا۔ اندر کا نور ان دو حرکتوں میں دیا جائے گا۔ دعا قبول ہوتی ہے، جب حرام کے کھانے سے بچو گے اور خوب قبول ہوگی جب مکروہ تک سے بچو گے۔ سوال کرنا حرام ہے۔ اشراف (یعنی اندر ہی اندر مخلوق سے مانگتے رہنا اور مخلوق سے ملنے کی توقع رکھنا) مکروہ ہے۔ منہ سے مانگ لیا تو سوال اندر ہی اندر غیر سے جزا مانگنے کا جذبہ باقی رہتا۔ یہ تو اشراف ہے۔ خدا کے جاننے کے اعتبار سے تو دونوں یکساں ہیں۔ مخلوق سے مانگ کر جو چیز کھاؤ گے وہ حرام ہے۔ اشراف کے ذریعہ جو آئے گی اس کا کھانا مکروہ ہے۔ مخلوق سے مانگ کر کھاؤ گے تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ خواہ سنجیدگی سے مانگا خواہ ہنسی مذاق سے مانگا۔ یہ مانگنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اصل ان کی سوال ہی ہے ان دونوں سے بچنا ضروری ہے اور دو چیزوں پر محنت کرنا ضروری ہے۔ اشراف سے بچنے پر محنت

دعا مانگنے پر محنت۔ مخلوق سے مانگنا سوال ہے خدا سے مانگنا خواہ دل سے ہو یا زبان سے۔ یہ دعا ہے۔ اصل دعا دل کی ہے۔ شیطان اشراف پر ڈالے گا۔ تم دعا میں لگ جاؤ۔ یہ اس کا علاج ہے دین و دنیا کا جہاں کوئی مسئلہ آوے تم دعا میں لگ جاؤ۔ تو اشراف سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ جب اشراف سے محفوظ ہو گئے تو سوال سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اگر اشراف سے جڑ نہ کٹی۔ تو ایک نہ ایک دن سوال کی لعنت میں پھنس جاؤ گے۔

کسی کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا حرام ہے۔ اس سے بہت بچو۔ خواہ چیز کتنی ہی معمولی اور عام استعمال میں آنے والی کیوں نہ ہو۔ ممکن ہے جس وقت تم اس کی چیز استعمال کرنے کو اٹھا کر لے گئے اسی وقت اس کو بھی ضرورت ہو

غریبوں اور کس مپرسوں کی خدمت سے خدا ملتا ہے۔ تکبر ٹوٹتا ہے۔ تواضع پیدا ہوتی ہے۔ غرض والی خدمت سے خدا نہیں ملتا۔ حکام، امراء، مشائخ اور علماء کی خدمت مطلب برآری، وجاہت پرستی اور شہرت کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے۔ اس سے خدا نہیں ملے گا۔ (مفہوم) جس سے گھن آتی ہو، نفرت آتی ہو۔ اُن کی خدمت سے قلوب کھنچتے ہیں۔ جب کہ اس میں کوئی غرض شامل نہ ہو۔ مشائخ عظام کے خدام کی بابت ہم بنتے ہیں۔ وہ صاحبِ کمال بنے۔ یہ وہ خدام تھے جو خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ غرض والی خدمت کرنا بہت آسان ہے۔ لوگ پیروں کی خدمت کرتے ہیں کہ اُن کی دعاؤں سے ہمارا فلاں کام بن جائے گا۔ ہماری سفارش کر دیں گے۔ پھر ان حضرات کی خدمت سے نفس کو مفت کی شہرت ملنے کی وجہ سے لذت آتی ہے۔ یہ تمام اغراض ہیں۔ ان سے پاک ہو کر خدمت کرو۔

جتنا محنت کا میدان وسیع ہوگا اسی قدر نور زیادہ نصیب ہوگا۔ ہمارے اور تمہارے سب کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و محنت عالمی تھی۔ دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محنت علاقائی اور مخصوص اقوام تک تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کا میدان سارا عالم اور قیامت تک آنے والی تمام اقوام کو شامل ہے۔ زہد اور تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو پلٹ دیتے ہیں۔ اس کے ذیل میں حضرت داؤد طائی نور اللہ مرقدھم کا قصہ سنایا۔ فرمایا یہ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کی کمائیوں کی آمدنی ٹھیک نہیں رہی تو لوگوں سے ہدیے لینے چھوڑ دیئے اور باہر نکلنا چھوڑ دیا اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کرتے رہتے۔ جب ان کے والد مرحوم کا انتقال ہوا۔ تو بہت ہی قلیل رقم چھوڑ کر گئے تھے۔ جس پر انہوں نے تیس سال گذار دیئے۔ جب یہ بھی ختم ہو گئی تو مکان کے پتھر اور چھت کی کڑیاں کو بیچ کر گذارا کیا۔ مگر لوگوں سے نہیں لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا۔ تو صبح سے شام تک جنازہ چلا۔ تب جا کر کہیں قبرستان پہنچا۔ لوگوں کے ہجوم کی کثرت کی وجہ سے چودہ چارپائیاں ٹوٹیں۔ اور اس دن ان کی برکت سے چھ لاکھ یہودی مسلمان ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت شیخ المشائخ سیدنا شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدھم کی برکت سے شاہان تیمور اور تاتاریوں کی بہت بڑی اور جنگ جو قوم جس کا اس زمانے میں جھکانے والا کوئی نہ تھا۔ جن کی تلواروں کے سامنے سب کی تلواریں کند ہو گئی تھیں اور جس قوم نے ایک دفعہ ساری دنیا کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ جو مسلمان کے نام سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔ اسلام لانا ذکر فرمایا۔ فرمایا اگر مقصد اچھا ہے اور اس کی اجتماعی نوعیت اچھی ہو جائے۔ تو خداوند قدوس سے بے انتہا منافع کی امید کی جا سکتی ہے۔ ایک دفعہ اجتماع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ میرے بھائیو اور دوستو! ہم جو اپنے عیش و راحت

کو چھوڑ کر جمع ہوئے ہیں۔ سو وہ بہت اُونچے مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ مقصد اجتماعی ہے انفرادی نہیں۔ وہ مقصد مجمع کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ انفرادی زندگی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور مقصد جب حاصل ہوتا ہے جب کہ تمام مجمع متفکر رہے۔ مقصد اگر نیک ہوتا ہے تو خیر و فلاح کی امید ہوتی ہے۔ اور جب مقصد خراب ہوتا ہے بُرے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ جس طرح ہم تین دن کے لئے یہاں مختلف شہروں سے آکر جمع ہوئے ہیں اور یہ تین دن کا وقفہ مختصر سا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیوی زندگی بہت تھوڑی ہے جو جلد ختم ہو جانے والی ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔

اس عالم کی تمام اشیاء فنا ہو جانے والی ہیں۔ اس عالم میں جب انسان ہوتا ہے تو وہ بھی یہاں فنا ہو جاتا ہے۔ اور جب بقا والے عالم میں چلا جاتا ہے تو بقا والا بن جاتا ہے خواہ جنت میں بقا والا بن کر رہے، خواہ دوزخ میں بقا کے لئے رہے۔ اس فنا والے عالم میں جس نے اچھی زندگی گذاری یعنی ایمان و اسلام والی زندگی گذاری۔ تو بقا والے عالم میں بھی اچھی زندگی گذارے گا۔ جس نے اس عالم میں بُری زندگی گذاری۔ اس کو بقا والے عالم میں بھی خراب زندگی گذارنی پڑے گی۔

فرمایا۔ حقیقت کے خلاف کو دھوکہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقائق بتلائے ہیں۔ یہ دیکھو کہ ہماری محنت اس کے مطابق ہے یا اس سے ہٹی ہوئی ہے؟ جو لوگ حقائق کو تلاش نہیں کرتے اور اس کے بغیر محنت اٹھاتے ہیں وہ دھوکہ پر محنت کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں حقیقت۔ یہی دھوکہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کامیاب اور اصل میں نکلنے میں ہیں ناکامیاب۔ جب حقیقت میں زندگی گذارنے کے

لئے اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ کا عادی نہیں بنائیں گے، تو وہ دھوکہ میں پڑیں گے۔ ہمارے جمع ہونے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آیا ہم حقیقت پر محنت کر رہے ہیں یا دھوکہ پر۔ اس پر غور کریں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو تکالیف کے برداشت کرنے کے حقائق پر ڈالا تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تکالیف برداشت کرنا محبوب ہو گیا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ موت حق ہے اور حیات دھوکہ ہے۔ حیات ختم ہو جانے والا ایک وقت ہے جس کے متعلق یوں معلوم نہیں کہ کب ختم ہو جائے گا۔ انسان موت کی طرف ترجیح کرتا ہے اور زندگی کی طرف نہ کرتا، زندگی کی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز دیکھے اور موت کے اتنے بڑے مسئلہ کو نہ دیکھے کہ جہاں ہزاروں برس رہنا پڑے گا یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ دھوکہ والے انسان ہیں جو موت سے پہلے کی زندگی کا تو اہتمام کرتے ہیں اور مرنے کے بعد والی زندگی کو بھولے بیٹھے ہیں۔ ایسے انسان دوزخ میں جائیں گے۔

فرمایا۔ انسان چیزوں کی لائن سے تو ایک ایک ذرہ کو یہاں ہی چھوڑ جائے گا۔ اور اعمال کی لائن سے چھوٹے چھوٹے عمل کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔ اگر ہم چیزوں کا فکر تو کریں اور اعمال کا فکر نہ کریں تو یہ زبردست دھوکہ ہے۔ زمین سے جو چیزیں نکل رہی ہیں وہ تو فنا ہو جائیں گی اور وہ اعمال جو انسان کے بدن سے نکل رہے ہیں، وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں خواہ بد ہوں یا نیک۔ چیزوں میں سے تو ایک شخص بھی دنیا سے ایک چیز بھی ساتھ لے کر نہیں جائیگا یہاں تک کہ میدان حشر میں یہ شخص ننگا اٹھایا جائے گا۔ لیکن اعمال میں سے ایک ایک عمل اس کے ساتھ ہوگا۔ مجرمین میدان حشر میں خداوند قدوس کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ دیکھیں گے کہ اعمال نامے کے دفتر موجود ہیں۔ اور ایک ایک عمل ان کا لکھا ہوا ہے۔ اگر شر کا ایک ذرہ برابر عمل کیا ہوگا۔ اور ان سے توبہ کر کے دنیا میں معاف نہ کرایا ہوگا۔ تو وہ بھی سامنے آجائے گا۔

فرمایا۔ محنت کی دو لائنیں ہیں۔ ایک حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام والی لائن جنہوں

نے انسانوں کی پاکیزگی کے لئے محنت کی ۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے جائیدادوں اور حکومتوں کے نقشے بنائے اور انسانوں کی بھیڑ کو جمع کیا ۔ جو نقشے والے اور چیزوں والے ہیں اور اعمال اچھے نہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کو دنیا ہی میں موت سے پہلے پہلے ذلیل کر کے دکھلا دیا ۔ اصل جگہ تو موت کے بعد آئے گی ۔ جہاں ہر شخص حقیقت کو معلوم کرلے گا لیکن مرنے سے پہلے بھی بعضوں کو نقشہ دکھلا دیا ۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے لائن قائم تو کر دی ۔ ایک تو اعمال کے اچھے کرنے کی محنت ۔ انسان کے ہر عضو سے رات دن اعمال نکل رہے ہیں ۔ عمل تو ضرور نکلیں گے ۔ اگر ہم چاہیں کہ اچھے عمل نکلیں تو اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے ۔ اگر محنت کرنی چھوڑ دی تو پھر بُرے عمل خود بخود نکلیں گے جس طرح زمین پر محنت کرنے سے غلے نکلتے ہیں سونا چاندی نکلتا ہے ، پٹرول نکلتا ہے ۔ اور اگر محنت نہ کی جائے تو نفع والی چیزیں تو نکلیں گی نہیں ۔ ان کانٹے دار جھاڑیاں جو جلانے کے قابل ہوتی ہیں خود بخود نکل آئیں گی ۔ جو اعمال خدا وند قدوس کو راضی کرائیں ۔ آسمان اور زمین کے فیصلے ہمارے موافق کرا دیں تو اس کے لئے بہت بڑی محنت کرنی پڑے گی ۔

سلسلہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے چل رہا ہے ۔ وہ اپنے وجود میں اصل ہیں ۔ اور سب اس کے تابع ہیں ۔ وہ جس طرح چاہیں گے کر کے دکھلا دیں گے اور سارے وجود اس کے محتاج ہیں ذات کو پہچاننے کے لئے صفات آتی ہیں ۔ اس کے لئے دیا گیا لا رب الا اللہ انسان کے سارے مسائل خدا کی ذات سے ہوتے ہیں ۔ عزت و ذلت ، فساد امن ، صحت ، بیماری وغیرہ جتنے مسائل ان کا تعلق ایک خدا کی ذات سے ہے ۔ رب کی ایسی صفت جو اپنے اندر تمام کو لئے ہوئے ہے ۔ جب چاہیں گے فقیر کر دیں گے ۔ جب چاہیں گے غنی کر دیں گے ۔ جب چاہیں گے بیمار کر دیں گے جب چاہیں گے تندرست کر دیں گے ۔

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ خالی نماز سے کیا ہوتا ہے ۔

آخر کچھ اسباب بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اور ہم بھی کہتے ہیں کہ خالی نماز سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کچھ محنت نماز سے پہلے کی ہیں اور کچھ نماز کے بعد کی۔ تین نماز سے پہلے اور تین نماز کے بعد۔ پھر دیکھو نماز سے کیا کچھ نہیں ہوتا۔ پہلی تین یہ ہیں

(۱) یقین ٹھیک کرنے کی محنت۔ ہر چیز جو مشاہدہ میں ہے اس کا نکالنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سن کر دل میں یقین جمانا کہ اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور اللہ پاک نے جو اعمال بتائے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس بات کو دل میں بٹھانا

(۲) محنت علم والی چیز ہے۔ جن اعمال پر محنت کرنے سے اللہ پاک دنیا و آخرت میں عزت سے پالتے ہیں ان اعمال کو صحیح بنانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقہ کے مطابق کرنے کے لئے علم پر محنت کرنا۔

(۳) محنت ذکر پر محنت کرنا۔ ذکر پر ہم ایسی محنت کریں کہ ہر عمل کو کرتے وقت خدا کا دھیان نصیب ہو جائے۔ خدا کے ذکر سے دل کی بوتل اس قدر پُر ہو جائے کہ غیر کا دھیان دل میں گھسنے نہ پائے۔ قلعہ کی طرح دل کی حفاظت کی جائے۔ یہ محنتیں تو نماز کے اندر ہیں۔

اور نماز کے بعد کی تین محنتیں یہ ہیں۔ اپنی کمائیوں کو ٹھیک کیا جائے۔ اب تک جو کسی کی زمین کو یا مکان کو دبا رکھا ہے ظلم و ستم کر کے، اس کو واپس کیا جائے اور آئندہ کے لئے توبہ کی جائے کہ پرورش خدا کے حکم پورا کرنے میں ہے۔ جتنا میں خدا کے حکموں کو اپنی کمائیوں کے طریقہ میں پیدا کروں گا اتنا ہی اللہ پاک راضی ہو کر میری پرورش فرما دیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲۔ دوسری محنت نماز کے بعد والی یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی ترتیب سے خرچ کرنا اور اپنی خواہشات پر، مکان پر، بنگلہ پر، موٹر پر، برادری پر، برادری کے کہنے پر بیاہ شادی کے موقعہ پر، قوم پر، ناک پر، نام و نمود پر خرچ نہیں کروں گا۔ اور نہ بیوی کے کہنے پر زیور، کپڑے، کھانے وغیرہ پر خرچ کروں گا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ سے خرچ کروں گا۔ اوّل جان ومال کا صحیح مصرف دیکھوں گا پھر خرچ کروں گا۔

۳۔ تیسری محنت نماز کے بعد والی یہ ہے کہ معاشرہ کو ٹھیک کرنا۔ ہر حال میں اللہ پاک کے حکم کو دیکھوں گا۔ قوم کو، برادری کو، اپنے کو، غیر کو نہیں دیکھوں گا۔ مسلمان کو، غیر مسلم کو نہیں دیکھوں گا بلکہ اللہ پاک کے حکم کی اتباع کروں گا۔ انصاف کی طرف داری کروں گا مظلوم کا ساتھ دوں گا۔ ظالم کا ساتھ نہیں دوں گا۔ اگر اپنا بیٹا کسی پر ظلم کر رہا ہے تو غیر مسلم کا ساتھ دونگا چاہے عیسائی ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے یہودی ہی کیوں نہ ہو۔ ان چھ محنتوں کے درمیان نماز ہے اب پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ نماز سے کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں۔

ہمارا علم دھوکا ہے۔ اور اللہ والا علم حقیقت ہے۔ مشاہدہ والا علم کہہ رہا ہے مال خدا کے راستہ میں خرچ کرنے سے کم ہوگا۔ مگر اللہ والا علم کہہ رہا ہے کہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ پاک اس کو بڑھائیں گے۔ مشاہدہ کہہ رہا ہے زکوٰۃ دینے سے مال کم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ہمارا وعدہ سچا ہے کہ نہیں ہوگا وہ بڑھائیں گے۔

انسان اصل ہے اور کائنات اصل نہیں ہے۔ اگر اصل کو نہیں بنایا اور اصل کے اندر بگاڑ پیدا ہو گیا تو ساری کائنات کے اندر بگاڑ پیدا ہوگا۔ جن چیزوں میں نفع نظر آ رہا ہے۔ اُن سے نقصان لیں گے۔ جس میں عزت نظر آ رہی ہے اس میں سے ذلت آ جائے گی۔ اور جس میں حفاظت دکھائی دے رہی ہے اس میں سے ہلاکت نکل آئے گی۔ غرضیکہ اگر انسان صحیح استعمال ہوگا تو کائنات بھی اپنی صحیح استعمال ہوگی۔ تیری محنت اصل ہے کائنات اصل تھوڑا ہی ہے۔ اگر ہم نے محنت کر کے اپنے اعمال کو ٹھیک کر لیا اور اچھے اعمال آسمان پر بھیجے تو وہاں سے غیب کے فیصلے ہو کر آئیں گے۔ اگر بگڑے ہوئے اعمال آسمان پر بھیجے تو فیصلہ

اچھا نہیں ہوگا۔ چاندی، لوہا، سونا، لکڑی یہ اصل نہیں ہیں۔ حالات کا تغیر اعمال کے بننے اور بگڑنے پر ہے۔ اگر محنت کر کے حالات کو اچھا بنا لیا ہے تو ساری دنیا میں خیر آئے گی۔ برکت آئے گی۔ رحم آئے گا۔ عدل آئے گا۔

ایک دھوکا ہے ایک حقیقت ہے۔ دھوکہ یہ ہے کہ چیزوں سے حالات بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اعمال سے حالات بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اچھے اعمال سے حالات بنتے ہیں اور برے اعمال سے حالات بگڑتے ہیں۔ اعمال کا تعلق دنیا کی کسی چیز سے نہیں۔ انسان کے اعضاء اور جوارح سے ہے اور اعضاء اور جوارح کا تعلق دنیا کی کسی چیز سے نہیں، ان کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ دل پہ کسی کا قبضہ نہیں۔ دل پہ خدا کا قبضہ ہے اب دنیا دار الاسباب ہے۔ اگر دنیا کی چیزوں پر محنت کرو گے۔ تو اللہ پاک تمہارے دلوں کو غیروں (غیر اللہ) کی طرف پلٹا دیں گے۔ اگر اعمال پر محنت کرو گے تو اللہ پاک تمہارے دلوں کو اپنی طرف پلٹا دیں گے۔

آپس میں بے تکلفی سے بچو کہ اس سے بے اکرامی شروع ہو جاتی ہے اور بے اکرامی سے دل پھٹتے ہیں۔

اشیاء کو معبود نہ بناؤ، اشیاء پر اعتماد نہ کرو، صورتوں پر متوجہ نہ ہو، ان سے کچھ نہ ہوگا۔ وسائل کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اعمال سے ہوتا ہے۔ صفات سے ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا ہے رب الاشیاء اور رب الصور کرتے ہیں۔ اسی کو جانو۔ اسی کو پہچانو۔ اسی کو مانو۔ وہی جو نوحؑ کا رب تھا۔ اسی نے موسیٰ کو دریائے نیل سے محفوظ رکھا تھا۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے بچایا تھا۔ وہی رب تمہارا رب ہے۔ تم اس پر

اعتماد رکھو۔ اس پر توکل کرو اور اسی پر ایمان لاؤ۔

فرمایا۔ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کیا۔ حضور نے اُن کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا تھا۔ وہ یہ تھا کہ سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم جتنے اوقات معاش کے لئے وقف کئے ہوئے ہو ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لئے فارغ کردو۔ دوسرا ارشاد یہ ہوا کہ تم فلاں طریقہ کو ترک کردو۔ یہ ناجائز ہے۔ فلاں معیشت سے دستکش ہو جاؤ، یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے۔ معیشت پر ان دو حملوں کے بعد تیسرا وار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کماتے ہو، یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے۔ اس میں تمہارے اُن بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں۔ اور چوتھی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ، اس میں سے بہت سا دین کی خدمت، خدا کے لئے کلمۃ الحق کی سربلندی، اور بنی نوع انسان تک اپنی دعوت کو پہنچانے اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو۔ گویا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ کہ صحابہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو کچھ کماتے تھے، اس کا دائرہ محدود کیا جتنے اوقات کمانے پر صرف کرتے تھے ان کی مقدار کم کرکے ان اوقات کو دین کے لئے وقف فرمانے کا حکم دیا، جو کچھ کماتے تھے اس میں دوسروں کا حصہ مقرر فرما دیا۔ اور اس کے بعد بھی جو بچا۔ اس کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اسلام پر خرچ کرو۔ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس زندگی کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا۔

انسانیت اس قدر خطرناک موڑ پر آچکی اور نظام عالم اس قدر خراب ہو چکا کہ سمندر سے پانی نکل کر انہیں تباہ کر دے، آسمان سے بجلی گر کر انہیں ختم کر دے یا آگ انہیں جلا دے تو کوئی بعید از قیاس نہیں۔ یہ عدالت کے فیصلے اور یہ نظام کتوں، سوؤروں اور بھیڑیوں سے

بڑھ کر نہیں۔ اس میں انسانوں کا خون چوسا جاتا ہے۔ یہ جو تم بڑی بڑی سڑکیں۔ محلات اور کوٹھیاں دیکھ رہے ہو۔ اس میں بے چارے بے کس انسانوں کے خون و پسینہ کو ظلم سے نکال کر ایسا کیا گیا ہے۔

بڑے بڑے اونچے حضرات دین کے کل نظام کے احیاء کے متعلق مایوس ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مشکل نہیں۔ ایک آن واحد میں تمام نظام عالم کو بدل سکتا ہے۔ اور دین کی طرف مائل فرما سکتا ہے۔ ہم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے محنت کے میدان کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس وقت تمام عالم کا دین کی طرف مائل ہونے کا بہترین موقعہ ہے۔ کیونکہ آج کل لوگ اور حاکم، کتوں اور بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں۔ اہل یورپ کے لئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد ہدایت کی طرف پڑ جاویں گے۔

ہماری پریشانیاں محض نمازوں وغیرہ کے پڑھنے سے ہرگز دُور نہیں ہو سکتیں۔ ہم نمازیں تو پڑھ لیتے ہیں۔ جس میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح اپنے کاروبار میں اسی ظالم نظام کی پیروی کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ جب تک اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو۔ اس وقت تک ہماری پریشانیاں دور نہیں ہو سکتیں۔....... اگر ہم اسلامی معاشرہ کو دُنیا کے سامنے عملاً پیش کرنے والے بن جائیں، تو دنیا اسی وقت باطل نظام کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے اندر آ جائے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اب اپنے کاروبار، کھیتی باڑی اور اہل و عیال کو نہ دیکھو۔ یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور لوگوں کے ہدایت پر پڑنے کا بہترین موقعہ ہے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ محنت کے میدان میں اپنے تمام مالوں، اور اسبابوں کے ساتھ کُود پڑو اور انسانیت کی خدمت کر جاؤ۔

میں قسم کھا کر کہتا ہوں جس طرح یہ تلواروں کو زیر کرنے والا راستہ ہے (تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ کا رستہ مراد ہے) اسی طرح اس زمانے کی ایجادات، ایٹمیات و سائنس کو زیر کرنے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کے نبی نہ ہوتے۔ یہ قیامت تک کے فیصلے ہیں۔

ہمیں ملک کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہتھیار کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں امریکہ اور روس کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہو جائے گا۔ تو ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہم کو گورنروں، وزیروں، کروڑپتیوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ امریکہ و روس ہمارے آگے جھکیں گے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو جائیں گے۔ وہ کائنات کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے گا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے کامیاب زندگی گذارنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایک طریقہ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں پیش آنے والے تمام اعمال کے طریقے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر یہ طریقے زندگی میں آجائیں۔ تو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ ترین عزت نصیب فرمائیں گے خواہ ان کے پاس ایٹمیات وغیرہ کچھ بھی نہ ہوں۔

انسانوں کی جو زندگی بنے گی، دنیا میں انسان جو چمکیں گے تو خواہش دبانے کے بعد پھر خواہش پوری کرنے کے لئے حدود قائم رکھیں۔ عورت، مکان وغیرہ کی خواہش کی ایک خاص حد رکھی ہے۔ خواہشات کے مقابلے میں احکامات والے طریقے ہیں۔ احکامات میں جیسا مکان کو بنانے کو کہا گیا ہے ویسا بنایا جائے۔ شادی کا ایک طریقہ خواہش کا ہے۔ اس طریقے سے

شادی نہ کی جائے بلکہ احکام کے مطابق شادی کرے۔

جو علم انسان اپنے پاس رکھتا ہے وہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔
جہالت کی دو قسمیں ہیں۔ نہ جاننا اور غلط جاننا۔ اس لئے تعلیم کا لفظ بول کر دنیا کے علم کو جاننے پر محمول کر لیتے ہیں۔ جو غلط استعمال ہے لفظ علم کا۔ علم انسانی یہ ہے کہ یوں سے یہ ہو سکتا ہے۔ راکٹ سے یوں ہو جائے گا۔ کارخانہ سے یہ ہو جائے گا۔ گویا جن سے ہوتا کچھ نہیں، اس کا علم ہے۔ مگر جس سے سب کچھ ہوتا ہے اس کو جانتے نہیں۔ اس لئے یہ حقیقت میں علم نہیں۔

من تو شدم، تو من شدم، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم، تو دیگری

یہ حضرت امیر خسروؒ کا مشہور ترین شعر پڑھ کر فرمایا "اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم خدا ہو جاؤ۔ خدا تمام انبیاءؑ، تمام صحابہؓ، تمام اولیاءؒ، غوث، قطب، ابدال، صلحاء، شہداء اور سب سے بڑھ کر سید الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہو سکے۔ بلکہ بندے رہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اپنی چاہت اور اپنی مرضی نہ رہے۔ جو چاہت اور رضا خدا تعالیٰ کی ہو، وہی بندے کی ہو جائے۔ وحدت کا بھی یہی مفہوم ہے اور فنائی کو مٹانے کا بھی یہی مطلب۔ حلول وغیرہ کا مفہوم تو کفار و مذاہب باطلہ کا ہے۔ حجاب خودی بھی یہی ہے۔ کہ بندے کی خواہشیں اللہ تعالیٰ کی خواہشوں پر چلنے سے مانع نہ آئیں کلمہ بھی یہی چاہتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو تمام عالم، تمام حکومتیں اور زمین و آسمان کے خزانے حتیٰ کہ فرشتے بھی اس کے تابع کر دیئے جاتے ہیں۔

میں عرض کیا:-

"حضرت! جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو میں نے اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! اگر اس لڑکے سے تجھے دین کا کام لینا مقصود ہے۔ تو اسے زندہ و سلامت رکھ۔ ورنہ مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اللہ پاک کو اس سے دین کا کام لینا مقصود ہوا۔ تو یہ ضرور زندہ و سلامت رہے گا۔ میں تو جاتا ہوں۔" از ملفوظات حضرت جی

محترم المقام حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ العالی!

راقم نے حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب کو بھکر خط لکھا کہ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب مدظلہ "یکے از عزیزان حضرت رائے پوری" سے حضرت مولانا محمد یوسف کی بیعت کا قصہ تحریری لکھوا کر اگر بھجوا دیں تو ممنون ہوں گا جس پر انہوں نے حضرت مولانا کو یہ خط لکھا۔ (ارشد)

آپ کا تحریر کردہ نوازش نامہ موصول ہوا جواب عرض خدمت ہے احقر کو جگراؤں ضلع لدھیانہ میں تعلیم کے زمانہ میں جب چھٹیاں ہوئیں احقر جالندھر پہنچا مدرسہ فیض محمدی محلہ پرانی کچہری میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کا قیام تھا اور حضرت شاہ قدس سرہ کو بخار تھا اس دوران حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ دہلی سے بمع صاحبزادے حضرت صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اس وقت تک حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی کوئی خاص شہرت نہیں تھی دریں اثنا حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ میرے بچے کو بیعت فرمالیں حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بچہ ہے میں اس کو کیا بیعت کروں اس پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے دو وجہ بیان کیں ایک یہ کہ بیماری نشانی موت کی ہے اس لئے بھی، پھر حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ للبرکت بیعت فرما لیں تب جا کر حضرت صاحب نے بیعت کی اور یہ بیعت میرے سامنے ہوئی اس حد تک تو مجھے یہ قصہ یاد ہے مزید مجھے معلوم نہ (نہیں) ہے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کو میرے ساتھ خصوصی پیار و محبت تھی جس کی وجہ سے ایک دفعہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ سکھر سے بھکر تشریف لائے اور احقر کو لاہور تک اپنے ساتھ لے گئے اور رائیونڈ کے تمام چکوک جن میں میواتی آباد ہیں پھرا کر احقر سے فرمایا کہ میں آپ کے گھر سے اجازت نہیں لے کر آیا ورنہ تو میں آپ کو راولپنڈی لے جاتا کہ وہاں میرا بواسیر کا اپریشن ہونا ہے اب میں آپ کو اس شرط پر اجازت دیتا ہوں کہ آئندہ جب میرا سفر پاکستان کا ہو آپ میرے ساتھ نگران کی حیثیت سے رہیں کہ آپ بچپن میں بھی ہمارے نگران رہے ہیں یہ جو خصوصی تعلق تھا وہ صرف حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ کی وجہ سے تھا۔

اگر ایک شخص ایسے مکان میں ہو جس میں سو شیشے لگے ہوئے ہوں۔ اس میں ایک چڑیا اڑ رہی ہو۔ تو بلاشبہ سو جگہ اڑتی نظر آئے گی۔ لیکن اس ایک چڑیا کے سوا سب کے سب اس کے ظل اور شیشوں میں اتری ہوئی تصویریں ہیں۔ جو شخص اس ایک اصلی چڑیا کو پکڑ لے گا۔ سب کے سب اس کے ہاتھ آجاویں گی اور جو اسے چھوڑ کر دوسروں کو پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ عمر بھر محنت کرتا رہے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی اسی ایک ذاتِ حقیقی کو حاصل کرے گا تو تمام ضروریات خود بخود اس کے قبضہ میں آجاوینگی اور اسے چھوڑ کر جتنی بھی محنت کرو۔ سب رائیگاں اور فضول۔ او کما قال رحمہ اللہ تعالےٰ

انسان عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے۔ ہر عنصر میں خاص اثر ہے۔ ان کے نامناسب اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ابتداءً آذان میں چار بار تکبیر کہلوائی گئی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد ہارون صاحب (جو ان دنوں مولانا محمد یوسفؒ کے جانشین مقرر ہوئے تھے) بیمار پڑ گئے۔ ان کے سر پر ایسا خطرناک پھوڑا نمودار ہوا تھا کہ نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔ معاملے کی سنگینی کو دیکھ کر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا محمد یوسف صاحب کو مطلع کیا۔ کہ وہ گھر میں جلد پہنچنے کی کوشش کریں ادھر دینی و تبلیغی کاموں میں حضرت جی کی روایتی مصروفیت و مشغولیت کے باعث کچھ دیر ہو گئی۔ گھر پہنچے تو ایک نگاہ اپنے مریض لختِ جگر کو دیکھ کر پھر بسلسلۂ تبلیغ اسلام اپنے سفر پر روانہ ہونے لگے۔

حضرت شیخ الحدیث نے صورت حال کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کچھ توقف کرنے کا اظہار فرمایا۔

حضرتؒ مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے قابل صد احترام شیخ کی خدمت

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دعاء

جن لوگوں نے حضرت مولانا مرحوم کو دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور نہیں سُنا وہ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دُعا میں یہ حال بھی ہوتا ہے اور کوئی اس طرح مجسم دُعا بن کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا اُن میں سے ایک عظیم ترین نعمت حقیقت دعا تھی۔ ہماری بڑی آرزو تھی کہ اللہ کے کسی بندہ نے کسی اجتماع میں مولانا کی دُعا کو لفظ بلفظ لکھا ہو اور وہ ہم کو مل جائے لیکن اس کی امید اس لیے نہ تھی کہ اُن کی دعا کے وقت ہر شخص اپنے امکان کی حد تک ظاہر و باطن سے ان کی دُعا میں شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے جو حضرات تقریروں کا لفظ بلفظ لکھنا چاہتے تھے وہ دعا کا ایک لفظ بھی نہیں لکھتے تھے —— لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ مراد آباد کے آخری اجتماع میں آپ کی دُعا کے وقت ایک صاحب نے خفیہ طور پر ٹیپ ریکارڈ لگا کر آپ کی دُعا ریکارڈ کر لی تھی، اس کی مدد سے آپ کی دعا لفظ بلفظ قلمبند کر لی گئی اور وہ بالکل حضرت مولانا مرحوم کے الفاظ میں ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر ذیل میں درج کی جا رہی ہے اللہ تعالیٰ مراد آباد کے ان احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کو اہتمام اور محنت سے قلمبند کر کے مرحمت فرمایا۔ دُعا میں جو الفاظ مکرر مکرر ہیں وہ اصل دُعا میں اسی طرح تھے۔ (درود شریف کے بعد بالجہر دُعا اس طرح شروع فرمائی)

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم، الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم وعنت الوجوہ للحی القیوم لا الہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین، یا احد الصمد

الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہٗ کفواً احد، یا ارحم الراحمین. یاذا الجلال
والاکرام. یاربّنا یا سیّدنا یا مولٰنا و یا غایۃ رغبتنا یا خالق انفسنا ظلمنا
انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخٰسرین. ربّنا اغفرلنا وتب
علینا انک انت التواب الرحیم. رب اغفر و ارحم و تجاوز عما تعلم
انک انت الاعز الاکرم. اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک
یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک، اللّٰھم ان قلوبنا و نواصینا وجوارحنا
بیدک لم تملکنا منہا شیئاً فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولیّنا واھدنا
الی سواء السبیل اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً و
ارزقنا اجتنابہ. اللّٰھم ارزقنا حبک وحب رسولک وحب من ینفعنا حبہ
عندک و العمل الذی یبلغنا حبک اللّٰھم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ و
اجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی. اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہٗ سھلاً وانت
تجعل الحزن سھلاً اذا شئت لا الٰہ الّا اللہ الحلیم الکریم، سبحان اللہ رب
العرش العظیم الحمد للہ رب العٰلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک
والعصمۃ من کل ذنب و الغنیمۃ من کل برّ و السّلامۃ من کل اثم لا تدع
لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھمّا الّا فرجتہٗ، ولا کربا الا نفستہٗ ولا ضرّا الّا کشفتہ
ولا حاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین. الیک رب فحببنا و فی انفسنا
فذللنا و فی اعین الناس فعظمنا و من سیّئ الاخلاق فجنبنا و علی صالح الاخلاق
فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء، اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا
اللّٰھم انصرنا ولا تنصر علینا اللّٰھم اکرمنا ولا تھنا اللّٰھم اٰثرنا ولا توثر علینا
اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا اللّٰھم امکرلنا ولا تمکر علینا اللّٰھم ارحمنا ولا تسلط علینا
من لا یرحمنا، اللّٰھم اشرح صدورنا للاسلام اللّٰھم حبب الینا الایمان و زینہ فی

قلوبنا وكرّه الينا الكفر والفسوق والعصيان، اللّهم اجعلنا من الراشدين المهديين. اللّهم اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم من النبيّين والصدّيقين والشهداء والصّالحين وحسن اولئك رفيقا. اللّهم اهد امة محمّد صلى الله عليه وسلم، اللّهم علمهم الكتاب والحكمة، اللّهم الهمهم مراشد امورهم، اللّهم اجعلهم دعاة اليك والى رسولك، اللّهم ثبتهم على ملة رسولك، اللهم اوزعهم ان يشكروا نعمتك التى انعمت عليهم وان يوفوا بعهدك الذى عاهدتهم عليه، اللّهم انصرهم على عدوك وعدوهم اله الحق امين. اللّهم اهد هذه البلدة اللّهم اهد هذا الملك، اللّهم اهد هذه الحكومة، اللّهم اهد النّاس جميعًا. اللّهم اهد النّاس جميعا، اللّهم عليك بصناديد اليهود والنصارى والمشركين، اللّهم عليك باشداءهم على الاسلام والمسلمين، اللّهم اقطع دابرهم، اللّهم خذ ملكهم اموالهم اللّهم فل اسلحتهم، اللّهم اهلكهم كما اهلكت عادا وثمود، اللّهم خذهم اخذ عزيز مقتدر، اللّهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب. اللّهم اخرج اليهود والنصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيدنا محمّد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب، اللّهم اخرج اليهود والنّصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب، اللّهم اخرج اليهود والنّصارى والمشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب، اللّهم اخرج اليهودية والنّصرانية والمجوسية والشيوعية والشرك عن قلوب المسلمين، يا مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شئ قدير، اللّهم ايّد المسلمين فى مشارق الارض ومغاربها بالامام العادل والخير والطلعات واتباع سنن سيّد الموجودات، اللّهم وفقهم لما تحب وترضى

واجعل اٰخرتہم خیرًا من الاولٰی۔ اللّٰھم انصر الاسلام والمسلمین فی مشارق الارض و مغاربھا۔ اللّٰھم اعزّ الاسلام والمسلمین فی العرب والعجم اللّٰھم اعلِ کلمۃ الاسلام والمسلمین فی المملکۃ الھندیۃ وغیرھا من الممالک الملحقۃ اللّٰھم ربّنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اللّٰھم انا نسئلک العفو والعافیۃ والفوز فی الدنیا والاٰخرۃ اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاٰخرۃ، اللّٰھم ارحمنا بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنا، اللّٰھم اعنّا علٰی تلاوۃ القراٰن وذکرک وشکرک وحسن عبادتک، اللّٰھم جنّبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن، اللّٰھم جنبنا و اولادنا واحبابنا واقاربنا وجمیع المبلّغین والمعلمین والمتعلمین عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وجنّبنا الحرام حیث کان واین کان وعنہ من کان وحل بیننا وبین اھلہ۔ اللّٰھم انا نسئلک من خیر ما سئلک منہ نبیّک محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونعوذبک من شر ما استعاذک منہ نبیک محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، اللّٰھم انا نسئلک رضاک والجنۃ اللّٰھم انا نسئلک الجنّۃ وما قرب الیھا من القول والعمل، اللّٰھم انا نعوذبک من عذاب جہنّم ونعوذبک من عذاب القبر ونعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال، ونعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال ونعوذبک من فتنۃ المحیا والممات ونعوذبک من المأثم والمغرم ونعوذبک من ان اموت، فی سبیلک مدبر اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسٰی علیہ السّلام، اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسٰی علیہ السّلام، اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسٰی علیہ السّلام، اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید، اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید، اللّٰھم نصرا کما نُصر محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصرا صحابہ اللّٰھم نصرا کما نُصر محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصرا صحابہ۔ اللّٰھم نصرا کما نصر محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ، اللّٰھم ربّنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اغفرلنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکٰفرین ۔

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما یا اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہم قصوروار ہیں ہم خطاکار ہیں ہم گنہگار ہیں۔ ہم مجرم ہیں۔ ہماری ساری زندگی خواہشات کی اتباع میں گزر گئی۔ اے خداوند قدوس ہم دنیا کو سامنے رکھ کر اس سے متاثر ہونے اور اسی کے یقین میں جذب ہو گئے۔ اور اسی کے طالب بن گئے اور اسی کے اندر اپنی ساری صلاحیتوں کو ہم نے ضائع کر دیا۔ اے خدا ہماری محنت کے بگڑ جانے کے اس جرم عظیم کو معاف فرما جس جرم عظیم سے ہزاروں خرابیاں ہم میں پیدا ہو گئیں اور ہزاروں ہمارے اندر کی دولتیں لٹیں۔ اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا جرم عظیم ہے ساری امت کے اس جرم عظیم کو معاف فرما اے خدا ساری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرم کو معاف فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس محنت پر ڈال کر گئے اس محنت کو چھوڑ کر ان محنتوں میں الجھ گئے جن محنتوں سے نکال کر وہ گئے تھے اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ معاف فرما اور اس محنت کو چھوڑ دینے کی بنا پر پھر جتنے جرائم میں مبتلا ہوئے ایک ایک جرم کو اپنے کرم سے معاف فرما۔ اور ایک ایک عصیاں کو معاف فرما ایک ایک گناہ کو معاف فرما۔ اے اللہ کمائیوں کی لائن کی ہماری عصیاں اور خرچ کی لائن ہماری عصیاں اور معاشرت کی لائن کی ہماری عصیاں اے اللہ ہر لائن میں ہم عصیاں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اے اللہ نکلنے کے ہمارے لئے کوئی صورت نہیں ڈوبا ہوا خود کہاں نکل سکتا ہے۔ جو ڈوبا نہیں ہے وہی نکال سکتا ہے۔ اے خدا ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں اور تو ہی نکالنے والا ہے۔ اے اللہ عصیاں کے دریاؤں میں سے ہم کو نکال لے اپنے فضل سے نکال دے اپنے کرم سے نکال دے۔ اے کریم نافرمانیوں کے دریاؤں میں سے اپنے کرم سے نکال دے اے اللہ اپنی رحمت کی رسی ڈال اور ہمیں کھینچ لے اور ہمیں عصیاں کی دریاؤں میں سے نکال دے اور ہمیں طاقت کی سڑک پر ڈال دے اے اللہ ہمیں قربانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پہ پہنچا دے۔ اے اللہ ہمیں دین کی

محنت کے لئے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما۔ اور اے اللہ سو فیصد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لئے قبول فرمالے علم کی محنت کے لئے ایمان کی محنت کے لئے عبادت کی محنت کے لئے ذکر کی محنت کے لئے اخلاق کی محنت کے لئے، نمازوں کی محنت کے لئے حج کی محنت کے لئے روزوں کی محنت کے لئے زکوٰۃ کی محنت کے لئے ان سارے فرائض وعبادت کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے پر آجانے کے لئے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق ومحنت نصیب فرما ۔ اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما، کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما اور کمائی کے اعمال صالحہ کو زندہ فرما، گھر کی زندگیوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما اور اعمال صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما، معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما، اے اللہ عدل وانصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما، اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرما دے اور برے اعمال سے ہم کو نکال دے اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ ونماز پر محنت کی صورت پیدا فرمادی اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہوتے کی اور کہنے سننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی۔ اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرما کر اس کام کے کہنے سننے کا رخ پیدا فرما دیا۔ اور اس کام کی نقل وحرکت کا رخ پیدا فرما دیا اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرمالے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کہ یہ نقل وحرکت تجھے پسند آجائے تو ہی اپنے کرم سے اس تربیت کی نقل وحرکت کی تربیت فرما تو ہی مربی ہے تو ہی تربیت کرنے والا ہے تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک وصاف کرنے والا ہے۔ اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما۔ اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما، اے اللہ اس نقل وحرکت کو قبول فرما، انتہائی رقت کے ساتھ، اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما۔ اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما۔ اے اللہ ہم سب کو اخلاص نصیب فرما اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما، ہم سب کو یقین نصیب فرما ہم سب کو اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرما دے اور اس محنت کے لئے ہمارے اندر وہ جذبات پیدا فرما دے! اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ پر منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا انسان تیرا دوست بن جاتا ہے۔ اور جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما دے۔ اے اللہ جس کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اب اس کام کو تکمیل کو پہنچا دے، اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، ملک و مال کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، اقتدار کی ہوس ان کے دلوں سے نکال دے، دنیا کے نقشے کے بارے میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرما دے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما، قناعت کی دولت ان کو نصیب فرما، اے اللہ صبر و اخلاص، مجاہدے کی طاقت ان کو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگا جاتا ہے اور تیرے صفات، اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہنچ جاتا ہے اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت ہم سب کو نصیب فرما۔ اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کے پوری دنیا میں آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دے دے، اے اللہ سارے انسانوں کے لئے اور سارے ملکوں کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے ہدایت ملنے کا سبب اس کو قرار دے دے سارے زمانوں قوموں ملکوں میں اس محنت کے پہنچے کے لئے قبول فرما لے، اور یا اللہ ہدایت عام فرما، ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں کو ان کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور ان سے تعلق و محنت رکھنے والوں کو اس ہدایت میں سے نصیب فرما جو تو مجاہدین کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی۔ اور تو نے انبیاء سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت دی

زبانی عطا فرمائی تھی۔ اے اللہ اس ہدایت سے ہم سب کو بھرپور حصہ نصیب فرما۔ اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھر دے اور ان خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھر دے۔ اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لئے فرما دے۔ یا اللہ پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انہیں ضلالت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں سے انہیں چھوڑا دے اور جو انہیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں کی طرف ان کو منتقل کر دے۔ اے خدا اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑا دے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پر ان کو کھڑا کر دے۔ اے اور ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، ان کو ایمان کی قوت نصیب فرما، ان کو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما۔ اسلام کی دولت ان کے سینوں میں اتار دے۔ اور اپنا ذکر ان کے دلوں کو نصیب فرما دے اور دنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علم دین سیکھنے کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت نصیب فرما۔ عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو یہاں کی اقلیت و اکثریت کو اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما، اے اللہ درندوں کی اور اژدہوں کی قسم کے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جن کو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں۔ اے خدا ایسے ایسوں کو چن چن کر ہلاک فرما۔ ایسوں کو زمینوں کو اس کے پیٹ پھاڑ دے۔ ایسوں کے مکانوں کو ان پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی چھین لے۔ ایسی عبرتناک سزائیں عطا فرما کر دنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اس کی صورتوں کو اس طرح بدلتا ہے۔ اے خدا ظالم ترین مفسد ترین انسانوں کو چن چن کر ہلاک فرما جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے۔ ان کو ہدایت نصیب فرما۔ اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں اور ملکوں کے ضلالت و فساد ختم ہو جائیں اے اللہ ان کو چن چن کر ہلاک فرما دے۔ اے خدا لوٹ کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر، ظلم و ستم کے

ماحول کو ختم کر، عدل وانصاف کے ماحول کو قائم کر، علم وذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمت خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون وہمدردی ومحبت کے ماحول کو قائم کر، اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی فرما، ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطا فرما، جو آنکھ کے بیمار ہیں ان کو آنکھ کی شفا عطا فرما، اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں ان کو معدے کی شفا عطا فرما، اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسے میں ہم سے دعاؤں کے لئے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم سے دعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ دعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پورا فرما، اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما، اے اللہ اس جلسے کو سارے ہی انسانوں کے لئے اور سارے ہی مسلمانوں کے لئے اس جلسے کو انتہائی باعث خیر وبرکت باعث رشد وہدایت، باعث لطف ورفعت اور باعث فلاح وفوز اپنے لطف وکرم سے فرما، ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما۔ ان نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما۔ آمین۔

تاریخِ وصال

اے نُورِ عینِ حضرتِ الیاسؒ دہلوی
اے یُوسفِ زمانہ و اے صاحبِ جمال

اسلام کا نمونہ تری زندگی رہی
لاریب تیری ذات تھی روشن ترین مثال

ہر گُنبدے میں تیری اذاں گونجتی رہی
اللہ نے دیا تجھے نُطق و لبِ بلالؓ

تبلیغِ دینِ حق میں گزاری تمام عُمر
اس راستے میں جان بھی دے دی زہے کمال

وارد ہُوا یہ قلبِ حزینِ نفیس پر
"رائسِ مبلغاں" ہے ترا سالِ ارتحال۔

۱۳۸۴ھ

سیّد نفیس الحسینی



اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ لِلسَّائِلِ صَدَقَۃٌ

سائل کو نیک کلمہ کہہ کر رخصت کرنا بھی صدقہ ہے

سُخنِ نرم گوئی با سائل　　گر ز مالش نمے دہی نفقہ
زانکہ در رُوی اہلِ حاجت ہست　　قولِ خوش از مقولۂ صدقہ



اگر خالی ہو جیب اور مرتبہ سائل کا پہچانو
تو میٹھی بات کو خیرات کا نِعْمُ الْبَدَل جانو

Hadith

Al-kalimatu't-tayyibatu li's-sa'ili sadaqatun.

A good word to the begger is a charity.1

حضرت مولانا اِنعام الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ

۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۸ء

۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء

عکس تحریر مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی

۷۸۶

مخدوم مکرم معظم محترم زادت عنایاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، چودہ روز مسلسل موت

اور حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر آج ساڑھے گیارہ

محمد عبید عزیز بجے دن ہم سے رخصت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون

اور ان کے لیے مغفرت کی دعا اور پسماندگان کیلئے صبر و سکون

اور نعم البدل کی فرما دیں رمضان المبارک کے اوقات مبارکہ

ادعیہ کا اہتمام فرماویں حضرت شیخ کو یاد کر دیا گیا

محمد انعام الحسن غفرلہ

جمعہ ۲۹ شعبان

حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے آباؤ اجداد

مولاناؒ کا سلسلہ نسب با اختلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد امجد کاندھلہ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش ہیں۔ جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور ان کا مختصر تذکرہ قارئین حضرات مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت اور اس کے شروع میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے قلم سے پڑھ چکے ہیں اور ویسے اس نمبر میں سہ ماہی "احوال و آثار" سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پورا شجرہ اور حضرت مفتی الٰہی بخشؒ کی اولاد ذکور واناث کا نقشہ دے رہے ہیں۔ حضرت مولاناؒ سے مفتی صاحبؒ تک یہ سلسلہ یوں ہے۔

مولانا انعام الحسن بن مولانا اکرام الحسن بن مولانا حکیم رضی الحسن بن حکیم مولانا محمد ابراہیم بن مولانا محمد نور الحسن بن مولانا ابوالحسن حسن بن مفتی الٰہی بخش رحمہم اللہ تعالیٰ

مولانا اکرام الحسن کاندھلویؒ ——— سن ولادت 1309ھ 1891ء- داخلہ ایم اے او کالج علی گڑھ سال اول (فسٹ ایئر) 1337ھ 1909ء بی اے کرنے کے بعد ایل ایل بی کیا۔ کچھ عرصہ وکالت کی لیکن غلط مقدمات کی بناء پر دو دفعہ کر کے چھوڑ دی۔ اپنے والد ماجد کے شیخ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے سہارنپور میں بیعت کی' اس وقت مولانا محمد الیاسؒ بھی موجود تھے۔ سرپرستان مظاہر العلوم سہارنپور نے آپ کی دیانت صلاح و تقویٰ دیکھ کر آپ کو بھی مظاہر العلوم کا سرپرست بنا لیا۔ بستی نظام الدین دلی میں مولانا محمد الیاسؒ کے پاس اکثر آتے اور خاصا خاصا عرصہ قیام کرتے۔ مولانا کے خطوط لکھنے کا کام سرانجام دیتے اور ان کی مرض الوفات میں دوا کھلانے کی ذمہ داری انہی کی تھی۔ 21 شعبان 1391ھ 13 اکتوبر 1971ء کو مظاہر العلوم سہارنپور میں ظہر کی سنتیں پڑھتے ہوئے سجدے میں انتقال ہوا۔ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کے والد مولانا افتخار الحسن کی روایت کے مطابق آپ کو اپنے شیخ سے اجازت بیعت تھی لیکن اس کو اخفاء میں رکھا چند ہی احباب کو معلوم تھا۔ اونچے درجے کے ادیب و شاعر تھے شاد تخلص کرتے تھے۔

مولانا حکیم رضی الحسن کاندھلویؒ 8 جمادی الاخریٰ 1289ھ 13 اگست 1872ء کو تولد ہوئے کاندھلہ میں دینی تعلیم کا آغاز ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے والد مولانا محمد یحییٰؒ آپ کے تعلیم میں ہم سفر تھے۔ 1312ھ 1313ھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دورہ حدیث شریف پڑھا صاحب تالیفات اور اچھے شاعر تھے ——— یکم شوال 1350ھ 9 فروری 1932ء عید پڑھا کر واپس آکر ظہر پڑھی لیکن اچانک باتیں کرتے کرتے انتقال کر گئے۔

مولانا حکیم محمد ابراہیم کاندھلویؒ ——— 20 جمادی الاولیٰ 1249ھ 15 اکتوبر 1833ء کو پیدا ہوئے۔

تقریباً تمام دینی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر دہلی جا کر حکیم احسن اللہ خاں سے طب پڑھی اور وطن کاندھلہ آکر مطب شروع کیا لیکن علاقہ کی دینی و فقہی خدمت بھی آپ کے ذمہ تھی۔ درس کا معمول نہیں تھا تاہم خاندانی افراد کو پڑھا دیتے تھے۔ مولانا محمد الیاسؒ اور مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ نے ابتدائی کتب آپ سے پڑھیں حضرت گنگوہیؒ سے خاصا تعلق تھا مدیر "احوال و اثار" نے حضرت گنگوہیؒ کے ایک والا نامہ کی فوٹو شائع کی ہے 1909ء 1327ھ میں وفات پائی۔

مولانا محمد نور الحسن کاندھلویؒ ——— 26 ربیع الثانی 1227ھ 9 مئی 1813ء کو اپنی ننھیال تھانہ بھون میں پیدا ہوئے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ حفظ قرآن کے بعد اپنے دادا مفتی الٰہی بخش سے فارسی، عربی کی ابتدائی کتب پڑھیں اور باقی کتب دہلی میں پڑھیں۔ مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں قیام رہا اور حضرت شاہ محمد اسحاق کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھا۔ مولانا فضل حق سے ان کی تحصیلداری کے زمانے میں نکوڑ ضلع سہارنپور میں مزید استفادہ کیا۔ اور مولانا شاہ محمد اسحاق سے دو دفعہ بخاری شریف پڑھی۔ اونچے درجے کے عابد و زاہد تھے۔ آپ کا اکثر وقت تلاوت قرآن پاک اور درود شریف پڑھنے میں بسر ہوتا۔ اساتذہ مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی استاد ہونے کے باوجود جب کوئی نظم یا قصیدہ لکھتے تو اپنے اس کامل شاگرد کو ضرور دکھاتے حتیٰ کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے **"ازالۃ الاوہام"** لکھی تو اصلاح و نظرثانی کے لئے آپ کو بھیجی۔ راقم الحروف نے مولانا کا وہ خط مع ترجمہ "بیس مردان حق" میں ترجمہ سے بر صفحہ 80 تا 82 شائع کیا ہے جو "ازالۃ الاوہام" بھیجتے وقت ساتھ لکھا اور ایسے ہی سر سید احمد خان نے بھی رد عیسائیت میں ایک کتاب انجیل کی تفسیر "تبیین الکلام" لکھی تو وہ اپنے استاد مولانا نور الحسن کو بھی بھیجی اور پوچھا کہ پڑھ کر بتائیں کہ میں مسلمان، کافر، مرتد یا نصرانی کیا ہوں۔ یاد رہے کہ سر سید احمد خاں، مولانا کے شاگرد تھے آپ کے تلامذہ میں مولانا محمد حسین بٹالوی۔ مولانا عبداللہ بلگرامی، مولانا عبدالحق بن مولانا فضل حق خیر آبادی جیسے یگانہ روزگار افراد شامل ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا کتنے بڑے عالم تھے 11 محرم 1285ھ 5 مئی 1868ء کو کاندھلہ میں وفات پائی۔

مولانا ابوالحسن حسن کاندھلویؒ: تقریباً 1200ھ 1786ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے گرامی قدر والد ماجد مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی۔ طب پڑھی اور مثنوی مولانا روم کا درس لیا والد ماجد سے بیعت ہو کر انہی سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ خوبصورت وجیہ اور قادر الکلام خوش فکر شاعر تھے۔ مثنوی مولانا روم کا ترجمہ منظوم والد ماجد نے شروع کیا تھا لیکن پہلی جلد مکمل نہ ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا اور اس کی تکمیل (یعنی دفتر اول کی) مولانا ابوالحسن نے کی۔ اس کے علاوہ آپ کی مثنوی گلزار ابراہیم (قصہ ابراہیم بن ادھم) تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور "یہ بہت مقبول ہوئی۔ حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ "مجھے اس طریق معرفت و سلوک کا ذوق اسی مثنوی سے پیدا ہوا۔" اس کے علاوہ کئی اور مثنویاں لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں میراث کے مسائل پر آپ کو بہت عبور تھا۔ طب کی مشہور اصطلاح بحران پر ایک کتاب "بحران"

لکھی جو اگرچہ رسالہ ہے لیکن بہت علمی اور سیر حاصل بحث ہے بہرحال یہ یگانہ روزگار شخصیت اس مطلع عالم سے 21 جمادی الثانی 1269/ 2 مارچ 1853ء کو غروب ہوئی اور کاندھلہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ تدفین عمل میں آئی۔

مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مفتی صاحب کی ولادت 1162ھ 1749ھ میں ہوئی۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد فارسی۔ عربی کی ابتدائی کتب اپنے والد سے پڑھیں اس کے بعد اس وقت کے علمی مرکز دہلی کا سفر کیا جہاں الامام المحدث شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے پہلی جماعت کے تلامذہ کے ساتھ پڑھا جس میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ (ہر دو نے اردو میں علی الترتیب قرآن پاک کا تحت اللفظ اور بامحاورہ ترجمہ کیا) جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیر عزیزی (اردو میں) مشہور و معروف ہے) مفتی صاحب نے حضرت شاہ صاحب سے بیعت بھی کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے لیکن باوجود مشہور و معروف ہو جانے کے باطن میں ابھی طلب موجود تھی۔ بھوپال کے سفر میں ایک کامل درویش سے ملاقات ہوئی جس نے کہا کہ اپنے چھوٹے بھائی کمال الدین سے بیعت کرو' دلی مقصد پورا ہو گا۔ ذات میں فنائیت اس قدر موجود تھی کہ اپنے چھوٹے بھائی اور شاگرد سے بیعت کی اور اجازت و خلافت ملی۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہاد کے ارادے سے بیعت شروع کر دی تھی چنانچہ مفتی صاحب نے اپنے استاد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اشارے پر حضرت سید احمد شہید سے بیعت کی جو کہ آپ سے عمر میں 38 سال چھوٹے تھے اور آپ اس وقت درس و افتاء کی مسند پر متمکن تھے اور عمر بھی باسٹھ سال تھی حضرت سید احمد شہیدؒ سے آپ کی بیعت 1234ھ 1819ء کے لگ بھگ ہوئی حضرت سید احمد شہید شہید ان دنوں جوان تھے لیکن جب مقصد دین ہو اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہو پھر عمر اور سنین کا تفاوت حائل نہیں ہوتا مفتی صاحب نے اپنے شیخ سید احمد شہید کی تعلیمات کو "ملہمات احمدیہ" کے نام سے مدون کیا موصوف کا علمی مقام بہت بلند ہے اور آپ نے ہمہ جہت ملت کی خدمات سرانجام دیں۔ افکار باطلہ اور رسوم و رواج کے خلاف قلمی جہاد کیا جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ شعروشاعری میں بھی آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ مولانا رومؒ کی مثنوی معروف اور تاریخ میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کر چکی ہے لیکن مولانا ایک قصہ بیان کرتے کرتے رک گئے اتمام کا کہا گیا تو فرمایا کہ میری دنیا سے روانگی کا وقت آگیا ہے اب اس کو ایک زندہ و بیدار دل رکھنے والا پورا کرے گا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ کی وفات 672ھ میں ہوئی اس کے بعد لاتعداد (لوگوں نے اس پیشن گوئی پر پورا اترنے کی کوشش کی لیکن مرید ہندی اقبال مرحوم کے پیر رومیؒ کی خواہش کی کماحقہ تکمیل مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے حصے میں لکھی تھی لہٰذا آپ نے اپنے استاد و شیخ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے رجوع کرنے پر ان کی ہدایت پر عمل کیا تو مولانا روم کی زیارت ہوئی انہوں نے فرمایا کہ " تمہی ہو جو اس کو مکمل کرو گے"۔ آپ نے اس حکم کی تعمیل کی اور خاتم مثنوی کہلائے ——— آپ اپنے دور کے کثیر التصانیف بزرگ تھے عربی' فارسی اور اردو میں آپ نے سو سے زائد مختلف اصناف میں کتب تالیف فرمائیں ان میں تفسیر و حواشی قرآن سے لے کر تلخیص و حواشی تفسیر

مدارک التنزیل (سے لے کر) حدیث و فقہ اور طب کی کتب موجود ہیں حتیٰ کہ اس دور کی معروف "بکٹ کہانی" یا بارہ ماسہ" میں بھی آپ کا حصہ موجود ہے جو خاصی مقبول و معروف ہوئی اس میں آپ نے اپنے قلبی واردات کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ آپ کی معلوم و معروف تصانیف و تالیفات کے علاوہ بیسیوں مزید کتب ایسی ہیں جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔ بہرحال یہ مجموعہ علم و فضل شخصیت بیاسی سال کی عمر 10 جمادی الاخری 1245ھ 13 دسمبر 1829ء کو مغرب کے وقت اس دنیا سے رخصت ہو گئی اور کاندھلہ کو شہرت عام اور بقائے دوام بخشنے والی یہ شخصیت کہ جس کے اخلاف میں مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور مولانا انعام الحسن کاندھلوی ہیں۔ جنہوں نے تبلیغی جماعت کی صورت میں دنیائے اسلام کی جو خدمت کی آج وہ عالم اسلام کی سب سے بڑی دینی و اصلاحی تحریک ہے آپ سب بانیان کے ایک طرح کے جد امجد اور دہلی کے محدث حضرات کے شاگرد و احباب میں سے تھے۔

مولانا انعام الحسن کے آباء و اجداد کا حال راقم نے بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا جبکہ سہ ماہی "احوال و آثار" میں اس سائز کے 140 صفحات پر یہ حالات مشتمل ہیں گو وہ بھی پوری تفصیل نہیں تاہم تشنگان کے لئے سیرابی کا سامان موجود ہے جو یہ تفصیل دیکھنا چاہیں وہ سہ ماہی "احوال و آثار" مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، مولویان کاندھلہ ضلع مظفر نگر (یو پی انڈیا) میں دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔ ویسے قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ عام کتب میں اس خاندان کو ایک بزرگ قطب شاہ تک ملاتے ہیں مدیر سہ ماہی "احوال و آثار" نے اس سے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے مگر ہمیں اس اختلاف سے چنداں سروکار نہیں کہ ہمیں تو "تبلیغی جماعت اور اس کی دینی جدوجہد" کو بیان کرنا ہے تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کرتے رہیں گے۔ تاہم اتنا عرض کرنا ضروری سمجھ کر تحریر ہے کہ مفتی الٰہی بخش رحمہم اللہ کے جد امجد مولانا محمد شریف کے بیٹے فیض محمد، حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے پردادا تھے اور مفتی الٰہی بخش کے سگے بھتیجے مولانا مظفر حسین کی نواسی مولانا محمد الیاسؒ کی والدہ تھیں، اسی طرح مولانا محمد الیاسؒ کی سگی بہن حمیرا خاتون، مولانا انعام الحسنؒ کی دادی تھیں گویا مولانا محمد الیاسؒ، مولانا انعام الحسنؒ کے والد مولانا اکرام الحسن کے سگے ماموں تھے جھنجھانہ، کیرانہ اور کاندھلہ کے ممتاز علماء کرام اور مشائخ سب کی آپس میں قرابت اور رشتہ داری تھی۔



مولانا انعام الحسن کاندھلوی

ولادت سے امارت تک

مولانا انعام الحسن، مولانا اکرام الحسن کے گھر 8/ جمادی الاول 1336ھ 20 فروری 1918ء کو پیدا ہوئے۔ انعام الحسن و اعجاز الحسن دو نام رکھے گئے دوسرا نام مشہور ہو گیا۔ ابتدائی وقت اپنے نانا مولانا عبدالحمید کے پاس گذارا اور انہی سے حروف شناسی اور اردو سیکھنا شروع کیا۔ بڑے ہوئے تو کاندھلہ کی جامع مسجد کے قدیم مدرسہ میں مشہور زمانہ استاد حافظ رحیم بخش عرف منگتو کے پاس قرآن مجید حفظ کر کے اپنا نانا ہی سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھ کر بستی نظام الدین حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے عربی کی کتب شروع کیں اس جماعت میں مولانا محمد یوسف، سید رضا حسین دہلوی، دہلی کے ایک بڑے عالم کے پوتے مولانا انعام اللہ، اور مولانا عبداللہ گنگوہی تیسیرالمبتدی کے مصنف کے بیٹے اور مولانا محمد ادریس انصاری شریک تھے گویا سب صاحبزادے اور ذی استعداد تھے۔ تین سال بستی کے مدرسہ کاشف العلوم میں پڑھنے کے بعد مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور پھر تمام کتب مظاہر العلوم میں پڑھیں اور پڑھنے کی کیفیت و کیت گذر چکی کہ دونوں نے جاگنے اور سونے کی باری مقرر کی ہوئی تھی۔ لیکن مولانا محمد یوسف دائیں ہاتھ کے ایک زخم کے اپریشن و علاج کی وجہ سے دہلی میں تھے لہٰذا دوبارہ مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں علاج و تعلیم جاری رہی اور یوں دونوں نے دورہ حدیث شریف بجائے مظاہر العلوم کے بستی نظام الدین میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے کیا۔ دورہ کے سال مستدرک حاکم بھی تہجد کے وقت پڑھی۔

ڈاک کی ذمہ داری ——— تعلیم مکمل ہونے کے بعد مولانا انعام الحسن بستی نظام الدین ہی رہے ذی استعداد ہونے کے ساتھ آپ کا خط عمدہ تھا لہٰذا حضرت مولاناؒ کے اکثر خطوط آپ ہی لکھا کرتے اور حضرت مولانا کی حیات تک یہ سلسلہ جاری رہا اور حضرت مولاناؒ کو آپ سے اتنا تعلق تھا کہ آخری وقت ایک دعا آپ سے پوچھی کہ وہ کیا ہے اور اپنی جانشینی کے لئے جو چند نام تجویز کئے ان میں ایک نام مولانا انعام الحسن کا تھا

حضرت مولاناؒ کے آخری سفر حج میں مولانا ساتھ تھے وہاں بھی ڈاک کا سلسلہ آپ ہی کے متعلق تھا کئی خطوط چار چار پانچ صفحات کے ہوتے اور روزانہ کئی ایک خطوط لکھنے پڑتے کہ دن کا اکثر حصہ شرعی و بشری حاجات کے علاوہ اس میں صرف ہو جاتا اور یہ وقت حضرت مولانا کے انتہائی فکر و تدبر اور درد و سوز کا تھا اس سے محسوس کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کی کیسی عمدہ تربیت ہو رہی تھی اور آئندہ کے لئے آپ کو تیار کیا جا رہا تھا۔

پہلا بڑا تبلیغی سفر ——— دونوں حضرات کو ابتدائی دنوں میں تبلیغ کے متعلق پورا شرح صدر نہ تھا جو حضرت مولانا کو تھا لیکن استاد اور بڑے سمجھ کر، مولانا محمد یوسف والد سمجھ کر تعمیل حکم میں تبلیغی کام میں شرکت کرتے لیکن جب ان حضرات کو شرح صدر ہو گیا تو حضرت مولانا کو بھی اس کا ادراک ہو گیا اور ایک ماہ کی

جماعت میں میوات کے لئے بھیجا۔

مزید ایک طویل سفر: اس میوات کے سفر کے تین ماہ بعد حضرت مولاناؒ نے سندھ اور کراچی میں کام کرنے کے لئے 26 افراد کی ایک جماعت کو بھیجا اس سفر میں سب افراد بہت اہم تھے اور سبھی نے خوب محنت و خلوص سے کام کیا۔ اس جماعت میں بھی دونوں حضرات شامل تھے۔

حضرت مولانا سے بیعت: جیسا کہ ڈاکٹر محمد حسین للّٰہی کے مضمون میں گذر چکا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے از خود بطور تبرک مولانا محمد یوسف کو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے جالندھر لے جا کر مدرسہ نعمتی محمدی جالندھر میں بیعت کرایا جس کے گواہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب اب بھی بھکر میں زندہ ہیں۔ لیکن مولانا انعام الحسن تو بیعت نہ ہوئے تھے لہٰذا شیخ الحدیثؒ مولانا محمد زکریاؒ کے حکم پر دونوں حضرات کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت کروایا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو مستقل حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ جوڑ دیا جائے تاکہ یہ بعد میں ان کے کام کو ہر دو معنی میں سنبھالیں۔ یہ ضروری نہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کو مولانا محمد یوسف کی بیعت کا علم ہو اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے بھی مصلحتاً اس کو ظاہر نہ کیا ہو جیسا کہ مولانا انعام الحسن نے مولانا محمد یوسف کی اس پختہ وصیت کو مولانا محمد یوسف کی میت دہلی پہنچنے کے بعد شیخ الحدیث سے عرض کیا کہ مولانا محمد یوسف کی وصیت تھی کہ میں جہاں اور جس جگہ انتقال کروں وہیں دفن کیا جائے۔ شیخ الحدیث نے فرمایا کہ تم نے اس وقت یہ بات مجھے کیوں نہ بتائی جب مولانا محمد یوسف کا لاہور میں انتقال ہوا اور لوگ مجھ سے استصواب کر رہے تھے تو مولانا انعام الحسن نے کہا کہ میں نے خاموشی اور سکوت اس لئے اختیار کیا کہ کہیں نزاع نہ پیدا ہو جائے میں نے خیال کیا کہ لوگ جب آپ سے رجوع کر رہے ہیں تو آپ ہی کا فیصلہ صحیح اور قطعی ہو گا یہ تفصیل مدیر سہ ماہی "احوال و آثار" نے مولانا انعام الحسن نمبر کے صفحہ 239 اور 240 پر دی ہے حضرت مولانا الیاسؒ نے مرض الموت میں جن حضرات کو اپنا جانشین مقرر کیا وہ ایک قسم کی اجازت و خلافت ہی ہے۔

نکاح و اولاد: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی دونوں بڑی صاحبزادیوں کا نکاح کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ مظاہر العلوم کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا۔ 2/ محرم 1354ھ مطابق مطابق 1935ء کو یہ جلسہ تھا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جلسہ میں تقریر کے لئے آئے ہوئے تھے حضرت مولانا محمد الیاسؒ بھی تشریف لایا کرتے تھے۔ چنانچہ جلسہ کے دوران ہی سٹیج پر حضرت نے دونوں کا نکاح پڑھا دیا۔ مولانا انعام الحسن کی اہلیہ شیخ الحدیث کی دوسری بیٹی تھیں جن کا 5 شعبان 1408/ 23/ مارچ 1988 کو انتقال ہو گیا آخر عمر میں مرحومہ کو کئی بیماریوں خصوصاً اختلاج قلب، ذیابیطس نے آگھیرا تھا لیکن بڑے صبر شکر سے وقت گذارا۔ دو بچے اور ایک بچی کم سنی میں فوت ہو گئی۔ ایک صاحبزادے مولانا محمد زبیر الحمدللہ زندہ ہیں، 1950ء 1369ھ کو پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ نے بسم اللہ کرائی۔ باقی ساری کتب مظاہر العلوم میں پڑھیں۔ تعلیم کے بعد حضرت شیخ الحدیث سے

بیعت ہوئے اور 3/ ربیع الاول 10/1398 فروری 1978ء کو شیخ الحدیث نے اجازت و خلافت سے نوازا اور اپنے والد ماجد سے بھی تربیت حاصل کی اور مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں مدرس ہوئے آج کل حدیث شریف کی اونچی کتب پڑھا رہے ہیں۔ 25/ شوال 1388ھ 15/ جنوری 1969ء کو شیخ الحدیث کی نواسی سے نکاح ہوا۔ تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ مولانا انعام الحسن کی ایک بیٹی زندہ رہی جس کا نکاح مولانا محمد شاہد خلف حکیم محمد الیاس سے ہوا دو بچے اور دو بچیاں ہیں۔

جیسا کہ گذرا حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے زمانہ ہی سے ہر دو حضرات نے دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ حضرت مولاناؒ کی وفات سے قبل ہی مولانا محمد یوسف کو جانشین مقرر کر دیا گیا تھا لہذا ان کے بعد مولانا محمد یوسف امیر رہے (اس کی تفصیل گذر چکی) مولانا محمد یوسف کی وفات کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے مشورہ و حکم پر مولانا انعام الحسن امیر مقرر کئے گئے جو تادم واپسیں امیر رہے تفصیل آ رہی ہے۔ گویا مولانا انعام الحسنؒ تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر تھے۔ "البنوریہ کے نمبر میں مفتی خالد محمود صاحب کا مضمون "تبلیغی جماعت کے تین امیر" بہت عمدہ مضمون ہے۔ خیال تھا کہ اس کو شریک اشاعت کیا جائے لیکن اس سے نمبر کی ضخامت میں اضافہ ہو جاتا اور مضامین میں تکرار بھی۔

معیار فضیلت صرف اخلاق و کردار ہے

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو ۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے ۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ الحجرات : ۱۳

O

وفات

مولانا انعام الحسن صاحب کی زندگی علم و فضل کے اعتبار سے تو ممتاز ہے ہی' لیکن ایک امتیاز ان کا یہ ہے کہ 1946ء میں وہ بیمار ہوئے پھر تا وفات تعلیم و تربیت' نکاح و اولاد' تبلیغی اسفار مولانا محمد یوسف صاحب" کے ساتھ مستقل تبلیغی رفاقت رہی۔ کئی بچے بچپن میں فوت ہو گئے۔ اور خود تقریباً پچاس سال تک ادویات و پرہیز کا سلسلہ چلا اور اس کو مولانا نے کمال استقامت سے' استقلال سے "مرضی مولیٰ از ہم اولیٰ" سمجھ کر برضا و رغبت برداشت کیا۔ مولانا محمد یوسف" کے ساتھ تو تبلیغی اسفار ان کی معیت میں ہوتے تھے۔ لیکن 1965ء میں امیر بن جانے کے بعد پوری دنیا کی جماعتوں کی ذمہ داری آن پڑی اور کسی جگہ مستقل قیام سے زیادہ اسفار میں زندگی گذری لیکن پورے صبر و ثبات کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے ہوئے مستقل ادویات و پرہیز کا سلسلہ چلتا رہا اور آخری چار سال تو قلبی مرض کی وجہ سے دورے پڑتے رہے اور دو دفعہ تو خاصے خاصے دن ہسپتال میں رہنا پڑا لیکن کام اور بیرونی دورے جاری رہے۔ آخر مقررہ وقت آ پہنچا ۱۰ محرم الحرام 1416ھ ۱۰ جون 1995ء عشاء کی نماز ہشاش بشاش پڑھی نماز کے بعد جلد سو جانے کے عادی تھے سونے کے لئے لیٹتے ہی دل میں درد محسوس ہوا جو آناً فاناً بڑھ گیا۔ خاموشی سے کہ کسی کو اطلاع نہ ہو ساڑھے دس بجے کے قریب وہیل چیئر پر اوپر کی منزل سے اتار ہسپتال کی جانب خدام لے کر روانہ ہوئے یہ روانگی ایسی حالت میں ہوئی کہ ' -جن لگی ہوئی تھی ڈاکٹر خلیل اللہ ہمراہ تھے انہوں نے راستے ہی میں چہرے اور آنکھوں کے تغیر کو دیکھا لیکن آخری وقت تک جب تک سانس تب تک آس کے مصداق ہسپتال لے جایا گیا لیکن تمام تر انتظامات کے باوجود تدابیر پر تقدیر غالب آئی اور عاشورہ کی رات تقریباً ایک بجے وقت کے سب سے بڑے داعی نے' داعی اجل کو لبیک کہا **انا للہ وانا الیہ راجعون** صبح تہجد کے وقت ذمہ دار حضرات نے فیصلہ کیا کہ مولانا محمد یوسف" کے برابر تدفین ہو اور ہمایوں کے مقبرے سے ملحق نرسری میں بعد نماز عصر نماز جنازہ ادا کرنے کا اعلان ہوا۔ —— پوری دنیا میں ایک گھنٹے کے اندر اندر مولانا کی وفات کا علم ہو گیا فون اور فیکس کے زمانے میں یہ بہت آسان ہے۔ خاصے محتاط اندازے کے مطابق ڈھائی لاکھ افراد ملک اور بیرون ملک سے آ گئے تھے بعض جگہوں سے چارٹرڈ جہازوں پر ہزاروں افراد آئے۔ پاکستان میں مولانا فضل الرحمان کی کوشش سے انڈیا سفارت خانے کے امیگریشن کے عملے کو مری سے اسلام آباد آنے کی زحمت دی گئی انہوں نے ایک بجے کے قریب دفتر کھولا لیکن جانیوالے افراد کے پاسپورٹ نہ پہنچ سکے البتہ عمر بھر کے ساتھی مولانا مفتی زین العابدین اور بھائی عبد الوہاب بغیر ویزے کے لاہور ایئرپورٹ پر پہنچ گئے اور پی آئی اے کے افسران سے بات کی کہ ہم کو بغیر ویزے کے لے چلو دہلی ایئرپوٹ سے باہر نکلنے کی سبیل بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیں گے اور یوں وہ دہلی پہنچ گئے اور پاکستان کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ مولانا سعید احمد خاں اردن میں تھے ایئرپورٹ پر پہنچے اور پر عزم گفتگو' نورانی چہرہ' فصیح عربی زبان میں کہا کہ ہمیں دہلی جانا ہے۔ امیگریشن والوں نے کہاں کہ ویزہ کہاں ہے فرمایا کہ ویزہ لینے کا وقت کہاں ہے عالم اسلام

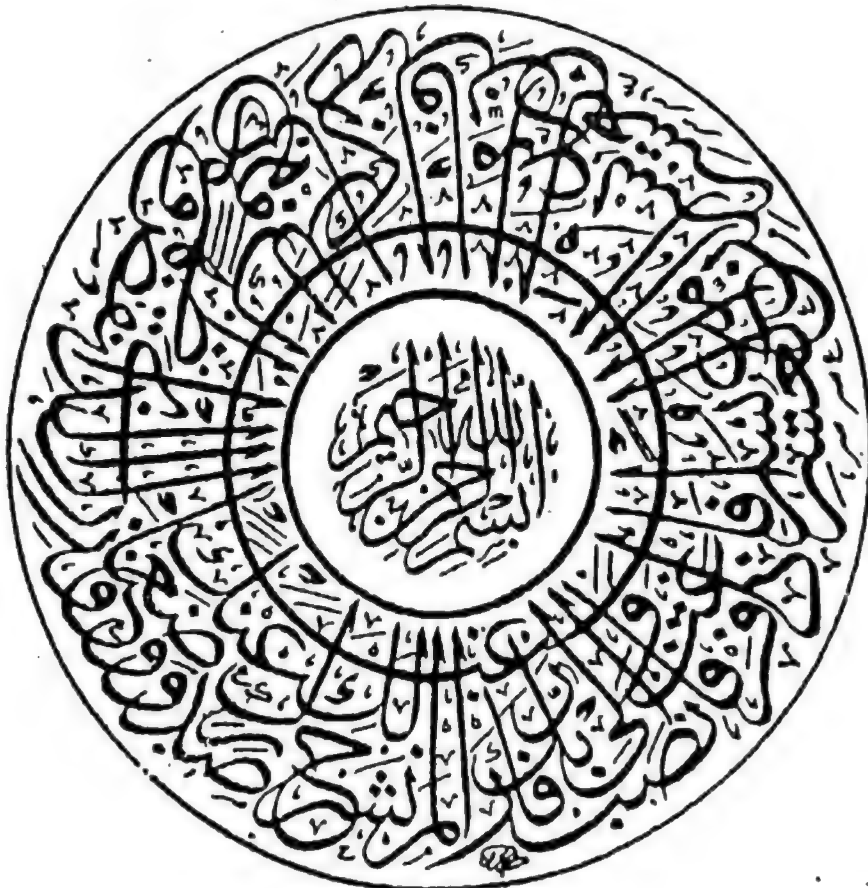
کے کروڑوں مسلمانوں کے رہنما کے جنازہ میں شرکت کرنا ہے اور یوں حضرت مولانا بھی دہلی پہنچ گئے "ہمت مرداں مدد خدا" یہ ان بزرگوں کی کرامت ہے کہ اپنے امیر کے جنازے میں شریک ہو گئے۔

بے پناہ ہجوم کی وجہ سے انتظام میں کچھ بدنظمی ہوئی جنازہ جا کر واپس آ گیا دوبارہ پولیس کی نگرانی میں پولیس کی گاڑی پر لے جایا گیا مغرب سے ذرا پہلے حضرت مولانا کے شیخ الحدیث بیٹے مولانا محمد زبیر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور واپس لا کر عمر بھر کے ساتھی اور دینی بھائی' جماعت کے امیر دوم کے ساتھ تقریباً تیس سال بعد 10 محرم الحرام 1416ھ / 10 جون 1990ء کو تدفین عمل میں آئی اس کے ساتھ ہی مولانا محمد اسماعیل جد امجد (مولانا محمد یوسف") مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد رحمہم اللہ کی قبور ہیں۔

سائبان مسجد بنگلہ میں جب لاش حضرت قبر میں رکھی گئی
درد سے دل کروٹیں لینے لگا بندھ گئی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی
انتہائے درد میں بے ساختہ آیا لب پر شعر خسرو دہلوی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

ملخص از مضمون مولانا نوالحسن راشد کاندھلوی
و مفتی محمد جمیل خاں کراچی'



بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس" ' مولانا محمد یوسف" ' مولانا انعام الحسن" اور جماعت کی دینی جد و جہد

جماعتوں کی تشکیل و ترتیب

قاری عبد العلیم

حق نے کر ڈالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے سپرد
خود تڑپنا ہی نہیں اوروں کو تڑپانا بھی ہے

سرکار دو عالم ﷺ کی ختم نبوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پوری امت کو دعوت الی اللہ والی محنت عطا فرمائی ہے کہ جسطرح انبیاء کرام اپنی جان و مال کو دین کیلئے جھونکا کرتے تھے اسی طرح یہ امت بھی انبیاء کے طرز پر جان و مال دل و دماغ غرض ہر دولت و نعمت کو دین کیلئے جھونک دے اس منزل تک پہنچنے کے لئے مشائخ تبلیغ نے ایک ترتیب مرتب فرمائی ہے اور یہ ترتیب الہامی ہے اور اسپر چل کر ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں لوگوں کی زندگی میں تبدیلی آچکی ہے۔

کیسے بیان کروں یہ حکایت دراز ہے

اسکے لئے ابتداءً عام مسلمان سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ اس محنت کے ماحول میں چار ماہ لگا کر اس جذبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی محنت کریں اور علماء کرام سے ایک سال لگانے کی درخواست کیجاتی ہے۔

عام آدمی کے اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانے کے معمولات

جب عام آدمی پاکستان میں چار ماہ لگانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسکی مسجد کے ساتھیوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسکے ساتھ کم از کم دس بارہ ساتھ ہو جائیں اگر نہیں ہوتے تو اس شہر کے مرکز (جو دین کی اس ترتیب کو چلانے کیلئے شہر کی کسی مسجد کو مخصوص کیا جاتا ہے) میں جو اور ساتھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے کی تیاری کر کے آئے ہوئے ہیں اسکے ساتھ دس یا بارہ ساتھیوں کی جماعت بنادی جاتی ہے اور ان میں سے ایک سمجھدار ساتھی کو جو پہلے بھی وقت لگا چکا ہو اور اسمیں جماعت جوڑنے اور چلانے کی صلاحیت ہوتی ہے امیر بنا دیا جاتا ہے جسے ذمہ دار کہا جاتا ہے اور اسکے بعد جماعت کی تشکیل کی جاتی ہے (ساتھیوں کو جوڑ کر جماعت بنانے اور اس جماعت کو کام کرنے کے لئے بھیجنے اور کام کرنے کا عرصہ اور جگہ و مقام مقرر کئے جانے کو تشکیل کہا جاتا ہے) عموماً یہ تشکیل دس دن کی ہوتی ہے اور کسی دوسرے شہر میں ہوتی ہے اسکے بعد جماعت کو رائیونڈ پہنچنا ہوتا ہے۔

اس نکلنے کے زمانے میں عموماً ترتیب کچھ یوں ہوتی ہے۔

فجر کی نماز کے بعد سے اشراق تک جماعت کا ایک ساتھی ایمان و یقین، اتباع سنت، نماز، حصول علم، اہتمام ذکر اللہ، خلق خدا کیساتھ حسن سلوک اور للہیت کی باتیں کرتا ہے اور جماعت کے بقیہ ساتھی اور اس مسجد کے احباب جس میں جماعت قیام پذیر ہے اسکی باتیں سنتے ہیں۔ بات کرنیوالا بھی اپنے کو محتاج سمجھ کر اور عمل کی توفیق کا طالب ہو کر اور اپنے بات سننے والوں کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہوئے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بات سننے والوں کو بھی انہی اصولوں پر کاربند رہ کر بات سننے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آخر میں بات سننے والوں کو اللہ کے راستے میں نکلنے کی ترغیب دیجاتی ہے۔ اسکے بعد مقامی احباب کے ساتھ محلہ میں خصوصی ملاقاتوں کی کوشش کی جاتی ہے۔ خصوصی ملاقاتوں میں تفصیل کیساتھ دعوت والی محنت کو سامنے رکھا جاتا ہے اور اسکی اہمیت کو سمجھانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ ملاقات پر جانے سے پہلے جماعت کے ساتھی نماز حاجت پڑھ کر اور اللہ سے مانگ کر ملاقات کیلئے نکلتے ہیں ملاقات کے دوران اللہ کے راستے میں نکلنے کی ضرورت و

اہمیت پر زور دیکر آخر میں اللہ کے راستے میں نکلنے کا ارادہ کرایا جاتا ہے اور نقد وصول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اگر نقد وصولی نہ ہو تو مسجد میں لانیکی کوشش کیجاتی ہے تاکہ جماعت کے ساتھ وقت گذرے اور نکلنے کی اہمیت واضح ہو پھر آئندہ کیلئے نکلنے کا ارادہ کرایا جاتا ہے۔ جس میں کوشش یہ کیجاتی ہے کہ پہلی فرصت میں ہی اللہ کے راستے میں وقت لگایا جائے۔ پھر اشراق کی نماز کے اہتمام کی بھی ترغیب دیجاتی ہے اور جماعت کا ذمہ دار اسکے فضائل سنا کر ساتھیوں کو آمادہ کرتا ہے۔ اشراق کے بعد عموماً ناشتہ کیا جاتا ہے۔ مسجد میں کام کسطرح کیا جائے اور کس کس ساتھی سے کیا کیا کام لیا جائے اسکے لئے مشورہ ہوتا ہے لیکن مشورہ سے پہلے مشورہ کے آداب کا مذاکرہ ہوتا ہے جو کہ مختصراً یہ ہیں " مشورہ کو امانت سمجھ کر مشورہ دیا جائے (۲) مشورہ خواہش نفس کو مدنظر رکھنے کے بجائے دین کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر دیا جائے۔

(۳) اللہ کا حکم سمجھ کر اور اتباع سنت کی نیت کر کے مشورہ کیا جائے

(۴) خوب سوچ سمجھ کر اور ذہن پر زور ڈال کر رائے قائم کی جائے پھر مشورہ دیا جائے اور مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام کیا جائے (۵) اپنی بات منوانے کی بجائے امیر کے فیصلے کو ماننے کے جذبے کے ساتھ مشورہ کیا جائے اور امیر کے فیصلے کے مطابق عمل کیا جائے چاہے وہ طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو۔ (۶) کسی کی بات کو کاٹا نہ جائے نہ مخالفت کیجائے بلکہ تمام ساتھیوں کو اور انکی رائے کو بہتر سمجھ کر اور اپنے آپ کو اور اپنی رائے کو حقیر سمجھ کر مشورہ دیا جائے۔ (۷) کسی کا مشورہ مان لیا جائے اور امیر کا فیصلہ اسکی موافقت میں ہو تو عجب کا شکار نہ ہو اور دل ہی دل میں خوش نہ ہو بلکہ فکر مند ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے خیر مانگے ایسے ہی کسی کا مشورہ نہ مانا جائے اور امیر کا فیصلہ اسکی موافقت میں نہ ہو تو وہ اپنے دل میں تنگی نہ محسوس کرے۔

مشورے کے بعد تعلیم کا حلقہ لگتا ہے۔ اللہ کے راستے میں نکل کر تعلیم کے اہتمام سے اللہ کے وعدوں پر یقین اور علم و عمل کا جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ اس عمل کے تین جز ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اس عمل کے آداب کی رعایت کرنیکی ترغیب دیجاتی ہے۔ جن میں سے چند یہ ہیں وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر خوشبو لگا کر دو زانوں ہو کر اور اپنے آپ کو محتاج سمجھ کر بیٹھا جائے جب اللہ تعالیٰ کا نام آئے تو سبحانہ وتعالیٰ کہا جائے حضورﷺ کا نام آئے تو درود پڑھا جائے، صحابی یا صحابیہ کا نام آئے تو بالترتیب رضی اللہ عنہ اور رضی اللہ عنہا پڑھا جائے کسی بزرگ کا نام آئے تو رحمہ اللہ پڑھا جائے۔ اسکے بعد فضائل قرآن سے ایک یا دو حدیثیں اور انکی تشریح پڑھی جاتی ہیں اور اسکے بعد تمام ساتھی آپس دو دو یا تین تین ہو کر بیٹھتے ہیں پھر پہلے سورۃ فاتحہ اور سورۃ الفیل سے لیکر والناس تک کی سورتیں باری باری ایک دوسرے کو سناتے ہیں اس سے لیکر والناس تک کی سورتیں باری باری ایک دوسرے کو سناتے ہیں اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرآن کو پڑھنے تک قواعد یعنی تجوید میں جو کمی کوتاہی ہو وہ سامنے آجائے اور اسے دور کرنے کا احساس پیدا ہو جائے۔ تاکہ نماز اچھی ہو جائے یہ اس عمل یعنی تعلیم کا پہلا جز ہے۔ اگر جماعت میں صحیح قرآن پڑھنے والے ہوں تو انکو یہ ذمہ داری دیجاتی ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو انکی غلطیوں سے آگاہ کریں پھر اگر موقع پر ہی اصلاح ہو سکتی ہو تو وہیں کوشش کیجاتی ہے ورنہ کسی قاری صاحب سے وقت لے کر اصلاح کرانے کی ترغیب دیجاتی ہے۔ پھر دوسرا جز یہ ہے کہ فضائل اعمال اور فضائل صدقات (وہ کتابیں جو تعلیم میں پڑھی جاتی ہیں) کے ہر ہر باب سے کچھ حدیثیں اور انکی تشریح یا قاعدہ پڑھا جاتا ہے۔ اسکے بعد چھ نمبر کا مذاکرہ ہوتا ہے یہ تیسرا اور آخری جز ہے اس میں ہر ہر ساتھی کھڑا ہو کر چھ نمبر بیان کرتا ہے اور ان چھ نمبروں کے ہر ہر جز کو کھولتا ہے۔ وہ چھ نمبر مختصراً یہ ہیں۔

(۱) کلمہ (۲) نماز (۳) علم و ذکر (۴) اکرام مسلم (۵) تصحیح نیت (۶) دعوت تبلیغ

کلمے کے دو جز ہیں یعنی لا الٰہ الا اللہ اور دوسرا محمد الرسول اللہ پہلے جز یعنی لا الہ الا اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے سب کچھ ہونیکا یقین دل میں بیٹھ جائے اور اللہ تعالیٰ کے غیر سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ نہ ہونیکا یقین دل میں راسخ ہو جائے اور دوسرے جز یعنی محمد الرسول اللہ کا مطلب یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کے طریقوں میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کا یقین ہو جائے اور آپ ﷺ کے طریقوں سے ہٹ کر زندگی کے گذارنے میں دنیا اور آخرت کی ناکامی کا یقین ہو جائے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو شخص روزانہ سو مرتبہ اس

مبارک کلمے کو پڑھے تو قیامت کے دن اسے اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اسکا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور سرکار دو عالم ﷺ کے طریقے کس طرح زندگی میں آئیں گے اسکی استطاعت کیسے پیدا ہو گی؟ اسکے لئے نماز کا اہتمام کرنا پڑیگا اور نماز کو بنانے کی محنت کرنی پڑیگی اگر نماز میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور ﷺ کے طریقے زندہ ہو گئے تو پھر زندگی کے ہر شعبے میں یہ حکم اور طریقے زندہ ہو جائیں گے حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو شخص نماز کو اچھی طرح پڑھنے کا اہتمام کرے تو اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کر لیا ہے کہ اسکو عذاب نہیں دیا جائیگا۔ نماز کیسے جاندار بن جائے اور اللہ تعالیٰ سے دلانے والی بن جائے اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی پاک ﷺ کے طریقے زندہ ہو جائیں اسکے علم کی ضرورت ہے علم دو طرح کا ہے یعنی فضائل کا اور مسائل کا فضائل کا علم تعلیم کے حلقوں میں بیٹھ کر سیکھا جائے اس سے اعمال کی قیمت پتہ چلے گی اور اعمال کے کرنے کا شوق ہو گا اور مسائل کا علم علمائے کرام سے وقت لے کر سیکھا جائے۔ اس سے اعمال میں کمی کوتاہی سے حفاظت ہو گی۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے اپنے گھر سے نکلا تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے حتیٰ کہ واپس لوٹے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کا استحضار حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور حاضر و ناظر ہونیکا احساس پیدا ہو جائے اسکے لئے ذکر میں تین تعلیمات بتائی جاتی ہیں اول سوم کلمہ دوم درود شریف سوم استغفار ایک ایک تسبیح صبح اور ایک ایک تسبیح شام میں اسکا اہتمام ہو حدیث شریف میں ہے حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ ذاکر کو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پھر اعمال کی حفاظت کا دارو مدار اور انکی قبولیت کا دارو مدار دو چیزوں پر ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمارا سلوک اور ہمارے اخلاق حضور اکرم ﷺ والے ہوں۔

ہر مسلمان اور کلمہ گو کی ہمارے دل میں عظمت ہو اور اسے اپنے سے بہتر سمجھیں اور جن لوگوں کے حقوق ہماری طرف متوجہ ہوں، ہم انکو ادا کریں اپنے گھر والوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں کے حقوق کو ہم ادا کریں۔ اور سب سے بڑا حق ایک مسلمان کا دوسرے پر یہ ہے کہ اسے جہنم والے راستے سے ہٹا کر جنت والے راستے پر ڈالدے اور اس سلسلے میں اپنی کوشش و محنت سے اور دعاؤں سے اسکی مدد کرے حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتے رہتے ہیں اسوقت تک جبتک کہ وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔ اس سے اعمال نیک کی حفاظت ہوتی ہے اور انکے دنیا اور آخرت میں فوائد مرتب ہوتے ہیں دوسری چیز جس کا تعلق اعمال کی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت سے ہے وہ نیت کا صحیح ہونا ہے اور ہر عمل میں اخلاص کا ہونا ہے یعنی ہر عمل اللہ ہی کیلئے ہو مخلوق کو دکھانے اور اس سے تعریف کرانے کی نیت نہ ہو بلکہ یہی نیت خالق کیطرف منسوب ہو حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اخلاص والے ہدایت کے چراغ ہیں اور انکی برکت سے فتنے دور ہوتے ہیں۔ نیک اعمال پر آنے کیلئے اور ساری امت کو لانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہماری ذمہ داری لگائی ہے کہ دعوت کی محنت کو قائم کیا جائے اور اسکا اہتمام کیا جائے اسی محنت کو سیکھنے کیلئے اور اپنے آپ کو اس محنت کا عادی بنانے کیلئے اوقات کو فارغ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلا جاتا ہے۔ مسجد کے ماحول کو اختیار کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی پاک ﷺ کے طریقوں میں کامیابی تکرار کے ساتھ بیان ہوتی ہے۔ یہاںتک کہ وہ قلب میں اتر جاتی ہے حدیث شریف کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکل کر جو گرد و غبار جسم پر لگی ہے وہ اور جہنم کی آگ ایک جگہ اکھٹے نہیں ہو سکتے۔

تعلیم کے حلقے کی فضیلت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ دو حلقے لگے ہوئے ہیں ایک ذکر کا اور دوسرا تعلیم کا آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو حلقے خیر پر ہیں اور تعلیم کے حلقے میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد عموماً کسی چیز کا مذاکرہ کیا جاتا ہے۔ کبھی خصوصی گشت کا، کبھی بیان کا، کبھی اعلان کا اس مذاکرے میں ان تمام مذکورہ اعمال کے آداب سامنے آتے ہیں اسکے بعد عموماً کھانا کھایا جاتا ہے۔ کھانے اور ناشتہ وغیرہ کیلئے جماعت کے دو ساتھیوں کو مقرر کر دیا جاتا ہے اور جماعت کے سب ساتھی نظم کیلئے پیسے جمع کر کے جماعت کے کوئی سے دو ساتھیوں کے پاس رکھوا دیتے ہیں اور خدمت والے ساتھی بقدر ضرورت ان سے پیسے لے لیتے ہیں یہ دو ساتھی جو خدمت والے ساتھی کہلاتے ہیں جماعت کے تمام ساتھیوں کیلئے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور اس دوران اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں خدمت والے ساتھی مناسب وقفے سے بدلتے رہتے ہیں۔ کھانے کے بعد

اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے (القرآن)

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان کا اہم پیغام

اللہ کے نیک بندوں کے نام

ہماری قوم آئے روز ایک سے ایک بڑے سانحہ سے دوچار ہو رہی ہے۔ جن کاموں سے اللہ نے منع فرمایا ہے وہ کھلے عام ہو رہے ہیں۔ برائیاں مسلسل بڑھ رہی ہیں جبکہ خوبیاں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ ظلم، جبر اور کشت و خون جاری ہے۔ جھوٹے، مکار اور دھوکے باز غالب آتے جا رہے ہیں۔ رشوت ستانی، حرام خوری، بدی، عریانی، فحاشی، بے حیائی اور بدکاری کی یلغار ہو چکی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا روز حساب سے پہلے ہی ہم جہنم میں پہنچا دیئے گئے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ایسے حالات صرف ان قوموں میں پائے جاتے ہیں جن پر بحیثیت قوم اللہ کی لعنت برس رہی ہو۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری قوموں کے لوگوں سے تو قیامت والے دن انفرادی حساب ہو گا مگر خدشہ ہے کہ ہماری قوم پر اجتماعی مقدمہ چلانے کے بعد کہیں یہ کہہ کر پوری قوم کو جہنم میں نہ پھینک دیا جائے کہ اس قوم کے اچھے افراد نے برے افراد کو برائیوں سے روکنے کی کوئی کوشش نہ کی تھی بلکہ بدی اور جہنم کی راہ سے روکنے کے بجائے خاموش تماشائی بنے رہے تھے۔ اس خدشے کی تائید بنی اسرائیل پر گزرنے والا عذاب بھی کر رہا ہے۔ اس قوم کے تین گروہ تھے۔۔۔ ایک گروہ برے کام کرتا تھا، دوسرا گروہ اچھے کام کرتا تھا مگر برے لوگوں کو برائی سے نہیں روکتا تھا۔ تیسرا گروہ خود نیک کام کرنے کے ساتھ ساتھ برائی سے روکتا بھی تھا۔ جب اللہ کا عذاب آیا تو عذاب سے صرف وہی تیسرا گروہ بچا رہ سکا جو نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکنے کا کام بھی کرتا تھا۔ ایک اور بستی کا واقعہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ بستی والے گناہوں میں غرق تھے مگر اس بستی کے ایک بزرگ ہر وقت مصروف عبادت رہتے تھے اور بستی والوں کو گناہوں سے روکنے کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے۔ اللہ نے جب اس بستی کی تباہی کا حکم دیا تو فرمایا کہ اس بستی کو اٹھا کر اسی عابد و زاہد شخص پر دے مارو کیونکہ اسے اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو تھی مگر بستی والوں کو جہنم کی آگ سے بچانا اس کی ترجیحات میں شامل نہ تھا۔

ہماری اللہ کے نیک بندوں سے گزارش ہے کہ وہ عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے صرف اپنی نیکیوں اور عبادات پر ہی بھروسہ نہ کریں بلکہ عملی طور پر صراط مستقیم سے بھٹک چکے اللہ کے باغی اور شیطان کے پجاری لوگوں کو راہ راست پر لائیں۔ ان کے دلوں میں اللہ پر یقین اور فکر آخرت کا جذبہ پیدا کریں۔ ان کو کوئی ایسا کام کسی صورت نہ کرنے دیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہو۔ بدی کے خلاف آپ یہ کام جذبہ جہاد سے کریں۔ آپ کی نیکیاں اور عبادات آپ کو اسی صورت میں عذاب الٰہی سے بچا سکیں گی۔

تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان پوسٹ بکس نمبر 6216
MOVEMENT FOR REFORMING SOCIETY PAKISTAN P O BOX 6216 LAHORE

جماعت کے ساتھی اتباع سنت میں قیلولہ کرتے ہیں۔ ظہر میں اذان سے کچھ دیر پہلے ساتھی بیدار ہوتے ہیں اور وضو وغیرہ کر کے صفوں میں بیٹھ جاتے ہیں نماز سے پہلے یا نماز کے بعد جب بھی موقع ملے ساتھی اپنے دائیں بائیں نماز پڑھنے والے مقامی احباب سے مصافحہ کر کے ان سے تعلیم میں بیٹھنے کی درخواست کرتے ہیں جو نماز کے بعد ہوتی ہے یہ تعلیم تقریباً پندرہ منٹ جاری رہتی ہے اسکے بعد بھی مقامی احباب کے ساتھ خصوصی گشت کیا جاتا ہے اور جماعت کے ساتھی اپنا وقت مذاکرے کرنے یا تعلیم میں گذارتے ہیں پھر عصر کی نماز کی تیاری کرتے ہیں عصر کی نماز کے متصل بعد جماعت کا ایک ساتھی اعلان کرتا ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ دوستو اور بزرگو ہماری اور سارے عالم کے انسانوں کی کامیابی اللہ تعالیٰ نے دین میں رکھی ہے دین ہماری زندگی میں کیسے آئے اسکے لئے حضور ﷺ والی محنت سبب ہے اسی محنت کے سلسلے میں دعا کے بعد کچھ بات ہوگی اور محلہ میں گشت کا عمل ہوگا آپ تمام حضرات تشریف رکھیں۔ دعا کے بعد مشورے کے مطابق جماعت کا ایک ساتھی کھڑا ہو کر گشت کے مقاصد، اسکے آداب اور فضائل بیان کرتا ہے اور تمام سننے والوں کو گشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے اسکے بعد مقامی ساتھیوں میں سے کسی کو رہبر بنا کر پانچ یا سات ساتھی گشت پر نکلتے ہیں اور جماعت کا ایک ساتھی مسجد میں بیٹھ کر بات کرتا ہے جسے جماعت کے دوسرے ساتھی اور مقامی احباب سنتے ہیں اور جماعت کا ایک ساتھی ذکر میں بیٹھ جاتا ہے جو مغرب کی اذان تک جاری رہتا ہے جو جماعت گشت میں نکلتی ہے اس میں ایک امیر ہوتا ہے جو جماعت کو جوڑ کر چلتا ہے ایک رہبر ہوتا ہے جو مقامی ساتھی ہوتا ہے اور لوگوں سے متعارف کراتا ہے کہ یہ حضرات مسجد سے آئے ہیں اور آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جماعت میں ایک متکلم ہوتا ہے اور یہ رہبر جن صاحب کے پاس جماعت کو لے جاتا ہے اگر انکو جانتا ہو تو انکا تعارف کراتا ہے کہ ماشاء اللہ انمیں یہ یہ صفات ہیں یہ متکلم ان سے کلمہ نماز اور قبر آخرت کی بات کرتا ہے اور نقد مسجد میں لانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جن آداب کے تحت گشت کیا جاتا ہے وہ مختصراً یہ ہیں کہ اپنے آپ کو محتاج بنا کر گشت پر جانا ہے اور تمام مخلوق کو اپنے سے بہتر سمجھنا ہے اور انکی خوبیوں پر نظر رکھنی ہے انکی شفقت اور محبت اپنے دل میں رکھنی ہے، مسجد سے سنت کے مطابق نکلنا ہے اور دعا کرنی ہے۔ نظروں کو اعتدال کے ساتھ نیچے رکھنا ہے، سیدھے ہاتھ کیطرف چلنا ہے۔ ذکر اللہ یعنی تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے راستہ چلنا ہے۔ گشت کے دوران اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کیطرف نگاہ رکھنی ہے اور کسی چیز کا اثر نہیں لینا، بات صرف متکلم کریگا اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو امیر بات کریگا، جس گھر پر پہنچیں اسکے دروازے کے ایک طرف کھڑے ہونا ہے، متکلم کی بات کو محتاج بنکر اور اپنا ذکر روک کر غور سے سننا ہے، واپسی کے وقت ندامت کی کیفیت کے ساتھ مسجد کیطرف لوٹنا ہے اور استغفار کرتے ہوئے لوٹنا ہے۔ وہاں پر جاکر یہ منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے،

حقیقت میں جدھر دیکھو منزل ہی منزل ہے ترقی کی طرف تہذیب انسانی نہیں جاتی

مغرب کی نماز سے دس پندرہ منٹ پہلے گشت سے واپسی ہوتی ہے۔ بعض جگہوں پر گشت مغرب کے بعد بھی ہوتا ہے اگر مغرب کے بعد گشت ہوا ہو تو عشاء کی فرض نماز کے متصل بعد اور اگر عصر کے بعد گشت ہوا ہو تو مغرب کی فرض نماز کے بعد جماعت کا ایک ساتھی اعلان کرتا ہے جس میں مختصراً تمام نمازیوں کو دعوت دیجاتی ہے کہ بقیہ نماز کے بعد جو بات ہوگی اس میں بیٹھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کامیابی دین میں رکھی ہے اور ایک ساتھی بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضور ﷺ کے طریقوں میں کامیابی کو بیان کرتا ہے اور ان احکام اور طریقوں کو سیکھنے اور سکھانے کیلئے وقت فارغ کرنے کی درخواست کی جاتی ہے عام لوگوں کی آسانی کیلئے یہ کہا جاتا ہے کہ بیان چھ نمبروں کے اندر رہتے ہوئے کیا جائے اگر کوئی عالم ہو تو اسکے لئے اجازت ہے اسکے علاوہ بھی بات کرے جنت دوزخ قبر آخرت وغیرہ مگر کسی کی تنقیص یا تردید و تذلیل نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس کام کی اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں بتا کر انکو دور دراز کیلئے تیار کرے۔

بیان کے اختتام پر وہاں موجود ساتھیوں کے اوقات وصول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسے تشکیل کہتے ہیں اور جماعت کا کوئی ساتھی یا مقامی ساتھی تشکیل کرتا ہے اور نقد اوقات وصول کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکالنے کی کوشش کیجاتی ہے ورنہ کم از کم یہ ارادے تو ضرور کرائے جاتے ہیں کہ ہر ایک جلد سے جلد وقت نکال کر حضور ﷺ والے کام کو سیکھے گا۔ اسکے بعد دعا ہوتی ہے۔ اور مجمع کو چھوڑ دیا جاتا

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں

ہماری تبلیغ کا اصل مقصد طاغوت سے ہٹنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ بدون قربانی کے نہیں ہو سکتا، دین میں جان کی بھی قربانی ہے اور مال کی بھی سو تبلیغ میں جان کی قربانی یہ ہے کہ اللہ کے واسطے اپنے وطن کو چھوڑے اور اللہ کے کلمہ کو پھیلائے دین کی اشاعت کرے۔ مال کی قربانی یہ ہے کہ سفر تبلیغ کا خرچ خود برداشت کرے، اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے کسی زمانہ میں خود نہ نکل سکے وہ خصوصیت سے اس زمانہ میں دوسروں کو تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دے اوروں کو بھیجنے کی کوشش کرے، اس طرح الدال علی الخیر کفاعلہ کی بناء پر جتنوں کو یہ بھیجے گا ان سب کی کوششوں کا ثواب اسکو بھی ملے گا، اور اگر نکلنے والوں کی امداد مالی بھی کریگا تو مالی قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر ہم کسی عذر کی وجہ سے اس وقت نہیں کر سکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ دین یہی ہے کہ قاعدین و معذورین مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

ہے بیان کے بعد ساتھی ذکر، تلاوت یا دعاؤں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ عشاء کے بعد تعلیم ہوتی ہے جس میں فضائل اعمال سے عموماً کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھا جاتا ہے تا کہ صحابہ کی قربانی کو سامنے رکھ کر اپنے اندر بھی دین کیلئے قربانیاں دینے کا جذبہ بیدار ہو اور نئے عزم کے ساتھ دین کی محنت میں لگیں۔ عشاء کی تعلیم کے بعد مقامی ساتھیوں سے اختلاط ہوتا ہے اور جماعت کے ساتھی مقامی لوگوں کو فرداً فرداً دعوت دے کر اللہ تعالٰی کے راستے میں نکلنے کیلئے تیار کرتے ہیں بعض ساتھی اپنے وظائف پورے کرتے ہیں۔ پھر جماعت کے ساتھی خصوصی ملاقاتوں کی بھی ترتیب بناتے ہیں اسکے بعد جماعت کے احباب سونے کی تیاری کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی کے راستے میں نکلنے کے بعد تہجد پر بہت زور دیا جاتا ہے اور یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ ہر ساتھی کسی نہ کسی سے یہ کہہ کر سوئے کہ تہجد کے وقت مجھے اٹھا دینا۔ الحمد للہ جن ساتھیوں کا جماعتوں میں تہجد کا اہتمام ہوتا ہے وہ گھر واپسی کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد فجر کی نماز تک تمام ساتھی ذکر و تلاوت اور تسبیحات میں مشغول رہتے ہیں۔ جماعت کے ساتھی مسجد میں بھی جاتے ہیں وہاں قیام کے دوران وہاں کے مقامی ساتھیوں کو تیار کرتے رہتے ہیں اور اس مسجد سے یا اس علاقے سے رائیونڈ واپسی کے وقت جتنے ساتھیوں کے ارادے ہو جاتے ہیں انکو وصول کر کے جماعت ساتھ رائے ونڈ لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ رائے ونڈ کے مرکز پہنچنے کے بعد وہاں استقبال کا ایک شعبہ قائم ہے اس شعبہ کے ساتھ رائے ونڈ کے معمولات کی پابندی کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور کھانے اور نماز کے اوقات کے بارے میں بتاتے ہیں پھر جماعت کے ساتھ اپنا سامان اور بستر وغیرہ سب ایک جگہ پر رکھتے ہیں۔ پھر جماعت کا ذمہ دار پوری جماعت کو کار گذاری کیلئے لے جاتا ہے۔ جماعت کی جو تشکیل اس جماعت کے شہر سے ہوئی تھی یا رائیونڈ سے، تشکیل سے واپسی کے بعد وہاں کے احوال اور جماعت کے معمولات کے متعلق رائیونڈ کے ذمہ داروں کو جو باتیں بتائی جاتی ہیں اسے کار گزاری کہا جاتا ہے یہ کار گزاری دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو کار گزاری لینے والا جماعت کے ہر فرد سے یا کچھ افراد سے چوبیس گھنٹے کے معمولات کے بارے میں سوالات کرتا ہے۔ مثلاً تعلیم کے کیا آداب ہیں اور مشورہ کس طرح کرتے ہیں چھ نمبر کس کو کہتے ہیں اور بیان کسطرح کرتے ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جماعت سے اجتماعی طور پر تشکیل کے دوران کے احوال پوچھے جاتے ہیں اور جماعت کیطرف سے کوئی ساتھی کھڑے ہو کر ان کا جواب دیتا ہے۔ اس پورے عمل کے دوران اکرام مسلم کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے سوال کرنے والا اپنے آپ کو ممتحن نہیں سمجھتا نہ ہی جس سے سوال کیا جاتا ہے وہ یہ سمجھے کہ میرا امتحان لیا جارہا ہے ہر بات پر کار گذاری سننے والا ہمت افزائی کرتا ہے اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہو وہاں بڑی نرمی کے ساتھ اصلاحی بات بیان کرتا ہے۔

اسکے بعد تمام ساتھی مسجد کے اعمال میں مشغول ہو جاتے ہیں صبح نماز کے بعد تقریباً دو گھنٹے کا بیان ہوتا ہے اور اس میں ایمان و یقین کی باتوں، دعوت کے کام کی اہمیت اور اللہ تعالٰی کے راستے میں لگنے تھے۔ لہذا رائے ونڈ میں بھی یہ تین قسم کی تشکیل ہوتی ہیں۔ پھر سب ارادہ کرنیوالوں کو انکے ارادوں کی مناسبت سے جماعتیں بنائی جاتی ہیں جو لوگ چلے کے سلسلے میں دس دن اپنے شہر میں یا اپنے شہر سے باہر لگا

کر آتے ہیں انکی بقیہ دنوں کی تشکیل کر دی جاتی ہے۔ آخر میں دس دن اور تین دن والوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسکے بعد ساتھی ناشتے کیلئے چلے جاتے ہیں ناشتے وغیرہ سے جلدی جلدی فراغت حاصل کر کے ساتھی مسجد میں آتے ہیں جہاں رائیونڈ کے مقیمین میں سے ایک صاحب فضائل اعمال سے تعلیم کراتے ہیں اور پھر جماعت میں نکلنے والوں کیلئے ہدایات بیان ہوتی ہیں کہ نکلنے کے زمانے میں کیا کیا جائے اور اپنا نظام کیسے بنایا جائے۔ ظہر کے بعد تقریباً دو گھنٹے تعلیم ہوتی ہے آخر میں ایک یا دو ساتھی کھڑے ہو کر چھ نمبر کہتے ہیں اور یہ مجلس اختتام کو پہنچ جاتی ہے عصر کے بعد ہر ہر ملک والوں کا جو پاکستان میں دین کی محنت کو سیکھنے کیلئے آتے ہیں انہی کی زبانوں میں بیان ہوتا ہے یہ منظر بڑا عجیب اور قابل دید ہوتا ہے ایک طرف ترکی والوں کا ترک زبان میں عرب والوں کا عربی میں اور انگریزی سمجھنے والوں کا انگریزی میں بیان ہوتا ہے جو چار مہینے پہلے لگا چکے ہوں ملکا الگ بیان اور اور جو چار مہینے میں چل رہے ہوں انکا الگ بیان ہوتا ہے اور دین کی محنت کی اہمیت اسکے کرنے کے فائدے اور نہ کرنے کے نقصانات سامنے آتے ہیں مغرب کی نماز کے بعد ان جماعتوں کی کارگزاری ہوتی ہے جو بیرون ملک سے وقت لگا کر آرہی ہوں ان جماعتوں کے ذریعے بیرون ملک دین کی محنت کی ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے اور ایمان افروز اور فکر انگیز واقعات سننے کو ملتے ہیں جس سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ نکلنے والوں کو جو ہدایت دی جاتی ہے ان میں چند باتوں پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ان میں ایک یہ کہ اپنے اوقات کو چار کاموں میں مشغول رکھا جائے۔ (۱) ایمان یقین کی دعوت (۲) تعلیم و تعلم کہ ایک دوسرے کو آداب، دعائیں، وغیرہ یاد کروایا جائے (۳) پھر اس سے بھی جب فارغ ہو جائے تو پھر نوافل یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول ہو جائے (۴) اس سے بھی وقت فارغ ہو جائے تو پھر خدمت میں اپنے آپ کو لگایا جائے۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

اور چند کاموں میں بقدر ضرورت اپنے آپ کو لگایا جائے

(۱) کھانا پینا (۲) سونا (۳) باہم بات چیت (۴) سونا

اور چند کاموں سے بالکل بچا جائے:

(۱) کسی سے سوال نہ کیا جائے۔

(۲) اشراف سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے لیکن دل میں کسی بندے سے کچھ حاصل ہونے کی طمع ہو۔ گویا بجائے زبان کے دل سے سوال کیا جائے۔

(۳) اسراف سے بھی بچا جائے۔ اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں جو ہر حال میں مضر ہے۔

(۴) بغیر اجازت کے کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے شرعاً یہ قطعاً حرام ہے۔

اور رات کو اٹھ کر امت کے لئے دعا کرنے کی خاص ہدایت کی جاتی ہے کہ دن میں لوگوں پر محنت کی جائے تو رات کو خوب اللہ کے سامنے رو رو کر خوب امت کی ہدایت کی دعا کی جائے۔

ہدایات کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ جس میں خوب اللہ سے ہدایت کی طلب اور پوری امت میں ہدایت کے عام اور دنیا میں دین کے عام ہوجانے کے لئے خوب دعا کی جاتی ہے۔

دعا کے بعد دعا کروانے والا جانے والے ساتھیوں سے مصافحہ کرکے ان کو رخصت کرتا ہے مصافحہ کرنے کے بعد اگر دیر ہوجائے اور ظہر کی اذان ہوجائے تو نکلنے والی جماعتوں سے عرض کیا جاتا ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ کر اپنے مقام تشکیل کی طرف روانہ ہوا جائے اور اگر ابھی ظہر کی اذان میں تاخیر ہوتی ہے تو نکلنے والی جماعتیں باہر جاکر نماز پڑھتے ہیں تاکہ جلد سے جلد اپنے مقام تشکیل پر پہنچ جائیں۔

عمومی طور سے روزانہ ہونے والی جماعتیں ۱۵۰ کے لگ بھگ ہوتی ہیں۔

یہ تو عام آدمی کا نظم اوقات تھا اور اگر کوئی عالم دین ہوتا ہے تو ابتداء ان سے ایک سال مانگا جاتا ہے کیونکہ یہ امت کا بہترین طبقہ ہے اور انہی لوگوں نے امت کی قیادت کرنی ہے اور جو عالم سال کے لئے تیار ہوجائے تو اس سے عرض کیا جاتا ہے کہ وہ راستہ میں دس دن لگائے

بغیر رائے ونڈ تشریف لائیں اور جب یہ رائے ونڈ پہنچتے ہیں تو ان کا استقبال کیا جاتا ہے ان سے بھی مسجد میں جو اس وقت اعمال ہو رہے ہوتے ہیں اس میں شرکت کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور عصر کی نماز کے بعد جہاں پر مختلف زبان والوں کے لئے الگ الگ بیان ہوتا ہے وہاں پر ایک بیان علمائے کرام کے لئے ہوتا ہے مغرب کے بعد ان نئے علمائے کرام کا نام ایک رجسٹر میں لکھا جاتا ہے اور پھر دوسرے دن جب رائے ونڈ کے احباب کا مشورہ ہوتا ہے تقریباً ۹ بجے تو اس میں ان سے آنے کی درخواست کی جاتی ہے اور پھر صحیح مشورہ میں بہت سے امور کے ساتھ ان علمائے کرام میں سے ایک ایک نام لے کر سب مل کر فکر کرتے ہیں کہ ان عالم دین کی کیا ترتیب بنائی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ عموی طور سے چار ماہ تک تو عام تشکیل ہوتی ہے اور پھر عرب کے آئے ہوئے ساتھیوں کے ساتھ ان کی ترتیب ہوتی ہے اسی دوران کبھی ان کو کچھ دنوں کے لئے مشورہ میں بٹھاتے ہیں تو کبھی تشکیل کے کام میں اور کبھی عربوں کے اختلاط میں اور کبھی اعتکاف اور کبھی ہدایات کے سننے اور کبھی واپسی کی جگہ میں بیٹھنے کے لئے عرض کیا جاتا ہے۔ رائے ونڈ والوں کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جتنے بھی شعبہ جات ہیں ان سب میں ہی ان کو کچھ دنوں کے لئے لیا جائے تاکہ وہاں کے شعبہ والوں کی ترتیب بھی ان علماء کرام کی برکت سے زیادہ موثر اور زیادہ سے زیادہ قرآن وحدیث کے مطابق ہوتی رہے اور دوسری طرف ان علمائے کرام کے سامنے بھی ہر ہر شعبہ میں کام کرنے کا عملی نمونہ بھی سامنے آجائے۔

سال کے دوران متعدد مرتبہ ان علماء کرام کو جماعت کا ذمہ دار بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

اور جب عام آدمی کے چار ماہ اور عالم دین کا سال ختم ہوجاتا ہے تو پھر دو دن واپسی کی ہدایت ہوتی ہے اس میں گھر پر جاکر اور محلہ میں رہ کر کیسے کام کرنا ہے اس کو چند نشستوں میں بیان کیا جاتا ہے جس میں عموی طور پر دو نشستوں اور دو تعلیم، ایک گھر کی اور دوسری محلہ کی مسجد کی اور ہر ہر مسجد کو چوبیس گھنٹہ آباد کرنے کے سلسلہ میں کم از کم ڈھائی گھنٹہ دینے درخواست کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ماہ تین دن کی بات بھی کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ موت تک استقامت کے ساتھ جما کر رکھے اور ہم سب کے لئے آسان کردے۔ بقول مولانا الیاس صاحب

کاٹ لینا ہر کٹھن منزل کا کچھ مشکل نہیں   پر ذرا انسان میں چلنے کی ہمت چاہیئے

جو احباب بفضل تعالیٰ چار ماہ لگا لیتے ہیں ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ پوری دنیا میں کام کرنے کے لئے اپنے کوائف مکمل کرلیں۔ کوائف مکمل کرنے کے لئے ہر سال چلہ اہتمام سے لگا ہو کم از کم دو سال میں متواتر دو سال چلہ لگا ہو مزید یہ کہ مہینہ میں تین دن (سہ روزہ) کا اہتمام ہو۔ روزانہ کم از کم ڈھائی گھنٹے دعوت کے کام کے لئے وقت مقرر کیا جائے۔ مقامی، بیرونی گشت کا اہتمام کیا جائے اور روزانہ فضائل اعمال کی تعلیم کا اہتمام ہو اسکے ساتھ ساتھ اپنے گھر میں مستورات کا ذہن بنانے کے لئے گھر میں فضائل تعلیم کا اہتمام کروایا جائے تاکہ مستورات اپنے مردوں کو ملکوں میں بھیجنے کے لئے معاون ثابت ہوں۔

تین دن (سہ روزہ) کی ترتیب: سہ روزہ سے دوسرے قریبی علاقے اور بستیاں جو کم از کم اپنے شہر (محلے) سے پانچ میل دور ہوں ان علاقوں کی مساجد میں محنت کر کے محلے کے احباب کو دین کی محنت کے لئے اللہ پاک کے راستے میں نکلنے کی ترغیب دے کر انکو نقد نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مقامی گشت: اپنے محلے کی مسجد میں ہفتہ میں ایک دن ساتھیوں کے مشورہ سے طے کر کے گشت ہے اس گشت کی نوعیت عموی ہوتی ہے جماعت بنانے کی ترتیب وہی ہوتی ہے جو چار ماہ میں عموی گشت کی ہوتی ہے۔ پورے ہفتہ کی روزانہ محنت کا اندازہ اس بیان کے بعد تشکیل کی تکمیل پر ہو جاتا ہے۔

بیرونی گشت: بیرونی گشت کرنے کے لئے تمام مساجد کے احباب سے مشورہ کر کے مقامی (عموی) گشت کے دن کے علاوہ دوسرا کوئی دن طے کر لیتے ہیں اور بیرونی گشت کے ذریعہ قریب کے دوسرے محلے کی مسجد کے کام کی فکر کی جاتی ہے۔

اگلی ترتیب عام طور پر اس طرح بناتے ہیں کہ چند ہفتہ ایسی مسجد طے کی جاتی ہے جہاں کام نہ ہو یا کچھ کمزوری ہو چار سے چھ ہفتے مستقل

اس دوسری مسجد میں محنت کر کے اس محلے کے احباب کو مقامی کام کی ترتیب سمجھائی جاتی ہے۔ بیرونی گشت کے ذریعہ دوسرے محلے کی مساجد کے کام میں خوب اضافہ ہو جاتا ہے اور گشت کرنے والے احباب میں کام کرنے کی صلاحیت واستعداد پیدا ہوتی ہے۔

مقامی تعلیم، ڈھائی گھنٹے روزانہ کی ترتیب: دین کی محنت کو زندگی کا مقصد بنانے کیلئے روزانہ کم از کم ڈھائی گھنٹے دعوت کے کام کے لئے فارغ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ایمان کی سطح میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے اسکے لئے روزانہ ساتھی مشورہ سے اپنے محلے میں فرداً فرداً ساتھیوں سے ملاقات کرتے ہیں اور اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے طفیل دین کی محنت کی ذمہ داری ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور یہی زندگی کا مقصد ہے۔

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھئے تو بہت کم خیال ہے

مندرجہ بالا ترتیب پر چلتے ہوئے احباب کو بیرون ملک کے تقاضوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اسکے لئے مسلسل دو چلہ سالانہ (تین چلوں) کے بعد اور شادی کو کم از کم ایک سال ہونے والے احباب اپنے آپ کو پہلے اپنے شہر کے مرکز کے مشورہ کے احباب کے سامنے پیش کرتے ہیں انکی مکمل کوائف تفصیلات تحریر کرنے کے بعد مشورہ کے احباب کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگر یہ ساتھی بیرون ملک کے تقاضوں کے لئے موزوں ہوتے ہیں اسکے بعد انہیں رائے ونڈ کے ماہانہ مشورہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ جہاں پورے ملک کے مراکز سے مشورہ کے احباب جمع ہوتے ہیں۔ مشورہ میں ساتھیوں کے پیش کرنے کے بعد جماعتیں بنائی جاتی ہیں اور ممالک طے ہوتے ہیں بیرون ممالک کے تقاضوں کی نوعیت۔ ایک سال، سات ماہ، ساڑھے چار ماہ ہے۔

ایک سال بیرون ملک جماعتوں کی ترتیب: ایک سال بیرون ملک کی جماعتوں میں عمومی طور پر ۶ سے ۸ افراد شامل کئے جاتے ہیں جماعتیں بناتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ ہر ایک جماعت میں کم از کم ایک ساتھی عربی و انگریزی زبان جاننے والا ہو۔ علمائے کرام جو ایک سال اندرون ملک لگانے کے بعد چلہ (سالانہ) لگا چکے ہوں انکو بھی جماعتوں میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے اکثر جماعتوں میں ایک عالم کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ جب جماعت متوازن بن جاتی ہے تو جماعت کے ساتھیوں کی نوعیت کے اعتبار سے ملک طے ہوتے ہیں۔ ابتداء میں جماعت کو چلہ (۴۰ یوم) پاکستان کے اندرون شہروں میں کام کرنا ہوتا ہے جسکی تشکیل رائے ونڈ کے بیرون ملک کے لئے بنائی گئی مشورہ کے احباب کی جماعت کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ تشکیل ایک ایک ہفتہ (۷ یوم) کی ہوتی ہیں اور درمیان میں کارگزاری بھی رائے ونڈ میں سنائی ہوتی ہے اسکے علاوہ جماعتوں میں شامل ساتھیوں کی نوعیت بھی اچھی طرح سامنے آجاتی ہے اور جماعت کے بنانے گئے ذمہ دار ساتھی سے باقی ساتھیوں کی مکمل نوعیت و تفصیلات معلوم کرلی جاتی ہیں تاکہ بیرون ملک میں چلنے کے اعتبار سے کوئی مسئلہ سامنے نہ آئے۔ ۷ یوم کی تشکیل میں جماعتوں کو پیدل چلنے کی ہدایت ہوتی ہے اور اپنا مکمل سامان جو وہ بیرون ملک میں لے جانے کے اعتبار سے لائے ہیں لے کر چلنے کی خاص ھدایت ہوتی ہے دو دن ایک بستی میں کام کرنے کے بعد اگلی بستی میں پیدل جانا ہوتا ہے جو ۱۰ کلو میٹر تک ہوتی ہے ان چھوٹی تشکیلوں کے ذریعہ جماعتوں کو بیرون ملک میں چلنے کے لئے پہلے پاکستان میں مشق کرائی جاتی ہے۔ چلہ کے دوران ۳ + ۵ + ۲ میں بٹھایا جاتا ہے جسکی ترتیب اسطرح ہوتی کہ ہے پہلے تین دن کارگزاری کے عمل میں گذریں جماعتیں مشغول ہیں جو دو وقت صبح ۹ بجے اور ظہر کی مختصر تعلیم کے درمیان اور اسکے علاوہ عصر اور مغرب کے درمیان ان احباب سے مختلف عنوان سے خصوصی مذاکرے ہوتے ہیں جن میں خصوصی دعوت، عمومی دعوت، آپس میں جوڑ کے مذاکرے ہوتے ہیں۔ ۳ دن کے بعد ۵ دن اعتکاف میں خصوصی اہتمام کرایا جاتا ہے اور صرف مسجد کی حدود میں فجر سے عشا تک جو اعمال ہوتے ہیں انکی پابندی کرائی جاتی ہے اسطرح ساتھیوں میں اجتماعی اعمال میں شروع سے آخر تک بیٹھنے کی دل جمعی و استعداد پیدا ہوتی ہے۔ ۵ دن کے بعد ۲ دن واپسی کی (نشستوں) بات "ھدایات" میں جماعتوں کو بٹھایا جاتا ہے اسطرح دعوت والے کام کی مکمل ترتیب سامنے آجاتی ہے اور جماعت کے ساتھیوں میں کام کرنے کا جذبہ اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے چلہ میں الحمدللہ جماعتوں میں آپس میں خوب جوڑ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چلہ کے دوران جن جماعتوں کو جو ملک طے کئے ہوتے ہیں انکو ان ممالک کی فائلیں و نقشے بھی دیئے جاتے ہیں۔ فائلوں میں گذشتہ جماعتوں کی کارگزاری جو انہوں نے خطوط کے ذریعہ بھیجی

ہوتی ہے ان خطوں میں ممالک کے شہروں کی مساجد کی تفصیلات اور ان میں کام کی ترتیب اور شہر کے فکر مند و ذمہ دار احباب کے نام و پتے بھی لکھے ہوتے ہیں۔ بیرون ملک جانے والی جماعت کو کام کرنے کی ترتیب کے متعلق ھدایت نامہ بھی دیا جاتا ہے جس میں کام کرنے کی ترتیب تحریر ہوتی ہیں۔ جسکو جماعتیں بیرون ملک بھی ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھتی ہیں۔ چلہ مکمل ہونے کے بعد جماعتیں ویزے کے حصول کے لئے اللہ رب العزت سے خوب دعاؤں میں لگ جاتی ہیں۔ اور اعمال میں پابندی کرتی ہیں اور اللہ پاک کے فضل وکرم سے تمام جماعتیں ویزے حاصل کر کے اپنے ملکوں میں روانہ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ سال کے سفر میں دو ترتیب جماعتوں کو سمجھائی جاتی ہیں جس میں اول درجہ میں اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ خشکی کے راستے سفر کیا جائے جس کے لئے راستے کے تمام ممالک کے ویزے بھی حاصل کرنے پڑتے ہیں اسطرح سفر کرنے سے کئی ممالک میں جماعتوں کے گذرنے کے اثرات پڑتے ہیں۔

دوسرا طریقہ ایک سال بیرون ملک کی جماعتوں کا اسطرح ہوتا ہے کہ وہ ملک سے براہ راست ہوائی جہاز کے ذریعہ اپنے دیئے ہوئے رخ والے ملک میں تشریف لے جائیں۔

ایک سال بیرون کی جماعتوں کی ترتیب اپنے کام کرنے کی کچھ اسطرح ہوتی ہے کہ وہ بستیاں جن میں الحمدللہ مسلمان خاندان آباد ہیں یا ایسی بستی یا شہر جہاں ایک مسلمان گھرانہ موجود ہو وہ مسلمان بستی شمار کی جائے اور وہاں دو دن کام کیا جائے۔ اگر مسجد شہر میں موجود ہو تو مسجد میں رہتے ہوئے بستی میں محنت کر کے شہر، بستی کے تمام مسلمان مردوں کو مسجد میں جمع کرنے کی محنت کی جائے۔ الحمدللہ اسطرح کرنے سے مسلمانوں کا ایک مجموعہ مسجد میں آجاتا ہے۔ وہاں ان سے دین کی محنت کی ذمہ داری و مقصد زندگی کو ترغیباً سمجھایا جاتا ہے اسکے علاوہ نقد اللہ جل شانہ کے راستے میں نکلنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اگر کوئی ذمہ دار ساتھی فوراً تیار ہو جائے تو اسکو جماعت کے ساتھ بھی مشورہ سے (مقامی احباب کے) جوڑ لیا جاتا ہے۔

ایسی بستی یا شہر جس میں کوئی مسجد نہ ہو اور مسلمان گھرانے آباد ہوں وہاں دو دن کسی مسلمان بھائی کے گھر میں یا کیمپنگ ایریئے میں کیمپ لگا کر بستی میں کام کرتے ہیں بعض ممالک جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے خصوصاً یورپی ممالک وہاں مساجد ہر شہر میں نہیں ملتیں لیکن الحمد اللہ جماعتیں مقامی مسلمان لوگوں کو مسجد یا مصلے کی ترغیب دے کر نماز باجماعت کی ترتیب بناتی ہیں اور ہر جماعت کے ذریعہ مختلف شہروں میں مساجد کا قیام بھی آرہا ہے۔ اسکے علاوہ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے اور مسلمان ممالک شمار کئے جاتے ہیں وہاں بکثرت مساجد ملتی ہے وہاں مساجد میں مقامی جماعتیں اہتمام سے دعوت والے کام کو کر رہی ہیں۔ ایک سال (اگر کسی شہر میں ۵ سے زائد مساجد ہوں تو صرف ۵ مساجد میں کام کرنے کی ترتیب ہوتی ہے اور اگر ۵ مساجد ہوں تو ۲ مساجد میں کام کرتی ہیں) کی جماعتیں ان کو ترغیب دے کر مزید آگے بڑھنے کی اور وہ تمام تقاضے جو نظام الدین دہلی انڈیا، سے چل رہے ہوتے ہیں پورے کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔
ایک سال کی جماعتیں ایک شہر میں دو دن کام کر کے کم از کم ۱۰ کلو میٹر پیدل چلتی ہیں اور اگلی بستی یا مسجد میں جانے تک مقامی ساتھیوں کو بھی جماعت میں رہبر بنا کر پیدل چلتی ہیں جماعتوں کے پیدل چلنے سے (نہ صرف) جماعتوں کو کام کرنے کا حوصلہ و ہمت ملتی ہے بلکہ مقامی احباب پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے جب لوگ جماعتوں کو سنت کے مطابق لباس و حلیہ میں دیکھتے ہیں تو ان پر سنتوں کا اثر پڑتا ہے اور ان کے لئے اللہ پاک کے حکم کو ماننا اور حضور اکرم ﷺ کے طریقوں پر چلنا آسان ہوتا ہے خصوصاً ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہیں (غیر مسلم ممالک) وہاں جماعتوں کی نقل و حرکت سے نہ صرف مسلمان متوجہ ہوتے ہیں بلکہ غیر مسلم بھی اسلام کی تحقیق میں لگ جاتے ہیں۔ جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گذر گیا

ایک سال کی جماعتوں کی نقل و حرکت سے تمام دنیا میں لوگ دعوت کے کام سے متاثر ہو رہے ہیں اور الحمدللہ دعوت کے کام میں لگ رہے ہیں اور دنیا کے اندر بے شمار زمین کے حصے جو اللہ کے ذکر سے محروم تھے اور برسوں سے اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کی کثرت تھی وہاں جماعتیں خوب اللہ پاک کا ذکر کرتے ہوئے گذر رہی ہیں اور اللہ پاک کی رحمت متوجہ ہو رہی ہے اور اللہ کے نافرمان اور منکر لوگ اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے اللہ پاک کو ماننے والے بن رہے ہیں۔

جب سال کی جماعت اپنا سفر مکمل کر لیتی ہے واپس پاکستان آجاتی ہیں دوران سفر تمام جماعتیں اپنے کام کی کارگزاری اور احوال ہر پندرہ دن کے بعد رائے ونڈ مرکز روانہ کرتی ہیں۔ واپسی پر چلہ رائے ونڈ میں لگانا ہوتا ہے جو سال میں شمار ہوتا ہے جماعتیں ۴۰ یوم پہلے پاکستان پہنچ جاتی ہیں واپسی پر عموماً جماعتوں کی تشکیل مختلف ایسے علاقوں میں ہوتی ہے جہاں ایک سال بیرون ملک کے لئے مکمل کوائف والے احباب کو تیار کرنا ہوتا ہے۔ چلہ کے دوران یہ جماعتیں مختلف علاقوں سے سال کے ساتھی (احباب) تیار کر کے نقد رائے ونڈ لاتے ہیں اور مقامی ذمہ دار احباب بھی ساتھ ہوتے ہیں ان احباب کو ماہانہ مشورہ میں پیش کر کے سال کی جماعتیں بنائی جاتی ہیں۔

چلہ کے دوران ۲ + ۵ + ۲ میں دوبارہ سابقہ ترتیب کے مطابق کارگزاری + اعتکاف + واپسی کی ہدایات میں جماعتیں وقت لگاتی ہیں۔ اس طرح سال مکمل کر کے رائے ونڈ کے ذمہ دار فکر مند کر کے ان جماعتوں کو مصافحہ کے بعد واپس مقام پر کام کرنے کی ترغیب دے کر رخصت کرتے ہیں

۷ ماہ جماعتوں کی ترتیب : یہ جماعتیں سال کی طرح تمام ترتیب بنا کر چلہ مکمل کرنے کے بعد اپنے طے شدہ ملک کے رخ پر روانہ ہوتی ہیں یہ جماعتیں صرف ہوائی جہاز سے سفر کرتی ہیں اور ان جماعتوں پر دو دن کی پابندی نہیں ہوتی اور نہ ہی ۱۰ کلو میٹر پیدل چلنا ضروری ہوتا ہے۔

عام طور پر ۷ ماہ کی جماعتیں ایسے ممالک میں بھیجی جاتی ہیں جہاں مساجد میں کسی نہ کسی درجہ میں دعوت کا کام ہو رہا ہے۔ یہ جماعتیں ایک مسجد سے دوسری مسجد تک پیدل چلتی ہیں جو عام طور پر ۴، ۵ کلو میٹر کے فاصلوں پر ہوتی ہے۔ ۷ ماہ کی جماعتیں مساجد میں کام کرنے والے احباب میں فکر مندی پیدا کر کے ان کو کام جمانے کی ترغیب دیتی ہیں اور اپنے سامنے کام کی واضح شکل بناتی ہوئی اگلی مساجد میں کام کرتی ہیں۔ ۷ ماہ مکمل ہونے سے ۴۰ یوم قبل یہ تمام جماعتیں بھی رائے ونڈ مرکز میں پہنچ جاتی ہیں اور چلہ سال والی جماعتوں کی طرح مکمل کر کے اپنا وقت پورا کرتی ہے اور واپسی میں مصافحہ کر کے اپنے گھروں پر، مقام پر کام کرنے کی نیت عزم اور ارادے لے کر واپس ہوتی ہیں۔

ساڑھے چار ماہ کی جماعتوں کی ترتیب: ان جماعتوں میں صرف ان احباب کو شامل کیا جاتا ہے جن کے دو تفصیلی سفر ہو چکے ہوں خواہ وہ ۷ ماہ کے ہوں یا سال کے یا ایک سال کا ایک ۷ ماہ کا۔ ان جماعتوں کی ترتیب ایک سال اور ۷ ماہ کی جماعتوں کی ترتیب سے مختلف ہوتی ہے ساڑھے چار ماہ کی جماعتیں تمام دنیا کے ان شہروں میں عام طور پر جاتی ہیں۔ جہاں شہروں میں مراکز کی سطح پر مساجد کی سطح پر جماعتیں خوب فکر مندی سے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ ساڑھے چار ماہ والی جماعتوں میں ایسے احباب شامل ہوتے ہیں جو مقامی ساتھیوں کو خوب کام کرنے پر آمادہ کر لیتے ہیں۔ یہ جماعتیں سفر شروع کرنے کے وقت چلہ کی بجائے ابتداء میں ۲۰ یوم رائے ونڈ میں کام کرتی ہیں اس طرح سفر مکمل کرنے پر بعد میں بھی ۲۰ یوم رائے ونڈ میں گزارتی ہیں۔ اور واپسی میں ۲۰ یوم مکمل ہونے پر اپنا ساڑھے چار ماہ کا سفر مکمل کر لیتی ہیں۔

بیرون ممالک کے تقاضوں کے علاوہ اندرون ملک پاکستان میں بھی جماعتیں چلتی ہیں۔

جن کی ترتیب اسطرح ہوتی ہے شروع میں چلہ رائے ونڈ سے چھوٹی تشکیلوں سے مکمل کرتے ہیں جس میں ۲ + ۵ + ۲ میں بٹھایا جاتا ہے اسکے بعد ۹ ماہ کی (۱۰، ۵) کی تشکیل ہو جاتی ہے اندرون ملک سال کی جماعتیں ایک گاؤں بستی سے دوسرے گاؤں بستی میں پیدل چلتی ہیں اور ایک مسجد میں دو دن کام کرتی ہیں۔ عام طور پر اندرون ملک سال کی جماعتوں کی تشکیل ملک کے کناروں پر اور ایسے علاقوں میں ہوتی ہے۔ جہاں عام جماعتوں کا پہنچنا قدرے مشکل ہوتا ہے اندرون ملک جماعتوں کے ذریعہ پورے ملک میں لوگوں میں دین کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور بے شمار ایسے مسلمان ملتے ہیں جو کلمہ نماز تک سے محروم ہیں مساجد ویران ہیں برسوں سے کوئی اذان نہیں ہوئی نہ نماز ادا کی گئی جماعتیں مساجد کی صفائی کر کے بستی کے لوگوں کو فکر مند کر کے مسجد کو آباد کرنے کی ترغیب دے کر دین کی محنت کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔

یہ جماعتیں عام طور سے ۵۰۰ سے ۸۰۰ کلو میٹر تک پیدل سفر کرتی ہوئی اپنی تشکیل مکمل کر کے رائے ونڈ پہنچتی ہیں۔ بعد میں چلہ رائے ونڈ لگا کر اپنے مقام پر پہنچتی ہیں۔

اللہ امت محمدیہ کو اس کے اصلی کام پر آنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ پورے عالم میں پورا دین اللہ اپنے فضل سے پھیلا دے۔



مولانا محمد رابع حسنی ندوی

حضرت جی کا مقام

تجدید واحیاء دین کی عالمگیر تحریک



حضرت مولانا انعام الحسن صاحب جو تبلیغ و دعوت کے عالمگیر کام کے تیسرے رہنما وامیر تھے۔ ان کا انتقال نئے ہجری سال کے آغاز میں ہوا۔ ایک بڑی اور غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف علوم دینیہ میں واقفیت و قابلیت کا بڑا مقام رکھتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی وفات ایک بڑے عالم دین کی وفات سمجھی گئی۔ دوسری طرف وہ تبلیغی جماعت کی خصوصیات اور اس کے کام کے جذبہ و نظریہ کے بڑے محافظ اور اس کے روح رواں تھے۔ جس کی وجہ سے اس کام کے لئے آپ کی وفات ایک بڑا خسارہ ہی، تیسری طرف وہ جماعت کے امیر اور اس کے اعلیٰ منتظم تھے اس کی بنا پر آپ کی وفات جماعت کی قیادت کے لئے بڑا سانحہ ہوئی، لیکن ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر کرنے کے لئے جماعت کی امارت کا جو نظم بحسن و خوبی کیا گیا ہے۔ اس سے جماعت کو نئی روح اور نیا جذبہ حاصل ہوا۔ جو جماعت کے لئے فال نیک ہے، اس بناء پر اس بات کے پورے پورے آثار ہیں کہ یہ عظیم کام اپنے معیار کے مطابق جاری رہے گا۔ اور ترقی کرتا رہے گا یہ کام ایک بڑا عظیم دعوتی کام ہے۔ اور یہ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے۔

اس وقت دنیا میں اسلامی زندگی کو استوار کرنے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے اعمال اختیار کرنے اور ایمان وعقیدہ پر خصوصی دھیان دینے کے لئے جو بھی کام کئے جارہے ہیں ان میں تبلیغ و دعوت کا کام جو نظام الدین دہلی کے تبلیغی مرکز کے زیر سرکردگی کیا جارہا ہے، نہ صرف یہ کہ بہت نمایاں اور ممتاز ہے بلکہ اس کے اثرات بہت وسیع دائرے میں پڑے ہیں اور پڑ رہے ہیں، ہزاروں کی زندگیوں میں غیر معمولی تبدیلیاں آئی ہیں اور برابر آرہی ہیں۔ ان میں سے بہت سے وہ لوگ جو پہلے دین اور ایمان وعبادت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ جب اس کام سے وابستہ ہوئے تو یکسر بدل گئے، ان میں ایسے ایسے لوگ جو اپنی سابقہ زندگی میں یہ بھی محسوس نہیں کئے جاتے تھے کہ وہ مسلمان ہوں گے، لیکن بدل کر ایسے ہو گئے، جیسے اب دنیا اور دنیاوی معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اور نہ وہ جدید تعلیم و ثقافت سے واقف ہیں۔ بلکہ ان میں بہت سے لوگ دیکھنے میں مولوی اور عالم معلوم ہونے لگے۔ تبلیغی جماعت کے کام میں منہمک ہو جانے والوں میں یہ بات عام طور پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر داری نہیں ہوتی بلکہ ان پر پڑنے والے اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے ان کا کثرت سے اللہ اور اس کے

رسول ﷺ کی باتیں سننا، ان میں ایسا ایمان و یقین پیدا کر دیتا ہے کہ ان کی نظر میں اصل اہمیت اللہ کی رضا اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی ہو جاتی ہے وہ کہنے لگتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے۔ اور ہر کام میں صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ صرف اسی سے لو لگانا چاہئے۔ اس تحریک و دعوت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحب نے شروع سے ہی ایمان بڑھانے اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرنے کے کام پر زور دیا۔ انہوں نے اس کے لئے اپنی دعوت کے یہ اصول مقرر کئے جن میں خاص طور پر کلمہ، نماز، علم، ذکر، اکرام مسلم وغیرہ پر زور دیا، چنانچہ اس کام کے کرنے والوں کی تمام محنت ان اصولوں کے محوروں پر چلتی ہے سب سے پہلے وہ کلمہ توحید پر زور دیتے ہیں۔ کلمہ شہادت کی تصحیح کرتے ہیں اور اس کے سلسلہ میں اس بات کو سمجھاتے ہیں کہ ساری عظمت، ساری قدرت، سارا اختیار خدائے واحد کا ہے اور تنہا وہی لائق عبادت ہے اور اس کی عبادات کے سب سے بنیادی رکن نماز پر زور دیتے ہیں پھر ذکر الٰہی۔ اکرام مسلم اور حصول علم کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی نے اس کا آغاز شمالی ہند کے علاقہ "میوات" سے کیا تھا کیوں کہ وہاں کے مسلمانوں کی زندگیاں اتنی بگڑ گئی تھیں کہ ان کو مسلمان سمجھنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ حتی کہ بت پرستانہ رسوم تک ان کی زندگیوں میں سرایت کر گئی تھیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اس کو دیکھ کر بہت بے چین ہوئے اور انہوں نے والہانہ جذبہ سے ان میں کام شروع کیا اور ایسے اخلاص و بے نفسی کے ساتھ کام کیا کہ وہاں کے لوگ ان سے متاثر ہوئے اور ان کی زندگیاں بدلنا شروع ہوئیں اور پھر دعوتی کام میں ان کے لگنے سے وہ اپنے داعی کے انداز و اخلاق کا حامل بنتے چلے گئے، پھر حضرت مولانا ان کو لے کر میوات سے باہر نکلے، دوسرے علاقوں میں کام پھیلانا شروع کیا، آہستہ آہستہ بڑے اچھے آثار پیدا ہونے لگے اور کام کا تعارف بڑھتا گیا اور مولاناؒ سے وابستہ لوگوں کی ایک کامیاب داعیانہ جماعت تیار ہو گئی۔ جن میں سرفہرست ان کے صاحبزادے اور متعدد عزیز اور مریدین تھے۔

مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی ۱۹۴۴ء میں وفات کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے اسی رنگ و ڈھنگ اور جذبہ سے کام کو آگے بڑھایا اور کام ہندوستان سے باہر ملکوں تک پہنچا اور اس کی بڑی وسعت ہوئی، مولانا محمد یوسف صاحب بھی اپنے والد صاحب کی طرح کام میں بالکل مستغرق اور ہمہ وقت اس میں مشغول تھے۔ ان کی تقریروں میں بڑے ایمانی نکتے ہوتے تھے اور ان کی تقریروں کا دلوں پر بے حد اثر پڑتا تھا۔ وہ ایمان و یقین کی باتوں سے بھرپور ہوتی تھیں۔ ان کے متعدد رفقاء بھی کام میں ان کے شریک تھے اور یہ سب رفقاء کام کے رئیس اول مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خصوصی تربیت یافتہ تھے ان میں مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی کی شخصیت سب سے ممتاز تھی۔ وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے عزیز قریب اور ہم وطن بھی تھے۔ اور انہوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مولاناؒ کی تربیت میں گذارا تھا، چنانچہ مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات پر جو ان کی نسبتاً کم عمری میں ۱۹۶۵ء ہی میں پیش آئی، ان کا انتخاب امیر کی حیثیت سے ہوا۔ اس وقت سے ۱۹۹۵ء تک انہوں نے تیس سال جماعت کی قیادت کی، اس تیس سال کی مدت میں تبلیغی کام دنیا کے بیشتر ملکوں میں پھیل گیا اور ہر جگہ سے وفود آنے لگے، اور نظام الدین کے مرکز میں رہ کر کام کا طریقہ سیکھنے اور پھر اپنے ملکوں میں پھیلانے لگے۔ اسی طرح لاکھوں افراد جو دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کام سے وابستہ ہو گئے۔

اس کام کے بانیوں نے اس کام کا مزاج ایسا رکھا کہ وہ اہل حکومت و سیاست کی نظر میں بے ضرر تھا کیوں کہ انہوں نے دعوت کے صرف مثبت اور تعمیری پہلو کو اختیار کیا۔ اور وہ بھی انسانوں کی اصلاح اور ان کو اسلام کی اور ایمان و عمل صالح کی تعلیمات سے وابستہ کرنے کا کام، اس طرح اس جماعت کا کسی پارٹی سے یا کسی سیاست سے کوئی تعلق یا ٹکراؤ نہیں ہوا۔ اسی طرح اس سے دلچسپی لینے والوں میں ہر سطح کے اور ہر طبقے کے لوگ شریک ہوئے ان میں یونیورسٹیوں کے پروفیسران، تجارت پیشہ و صنعت پیشہ حضرات، دولتمند اور غریب علماء دین اور کم پڑھے لوگ، اصحاب و جاہت اور عام لوگ شریک ہوتے ہیں، جماعت کی غیر جانبداری کے سبب اس کے کام سے کسی کو بدگمانی یا مخالفت نہیں پیدا ہوئی۔ البتہ فکری و نظریاتی سطح پر جائزہ لینے والے اہل علم نظری سطح پر اس میں بعض وقت کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں لیکن جماعت کے اہل نظریہ جواب دیتے ہیں کہ یہ کام عوامی پیمانہ کا ہے اور اس میں نظری سے زیادہ عملی کی ضرورت ہے اور کسی مخصوص نظریہ کو

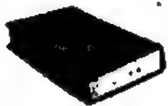
مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں

"تبلیغ و دعوت کے وقت بالخصوص اپنے باطن کا رخ اللہ پاک ہی کی طرف رکھنا چاہئے نہ کہ مخاطبین کی طرف، گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے کسی کام اور اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اور اس کے کام کے لئے نکلے ہیں۔ مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جب اس وقت یہ دھیان ہوگا تو انشاء اللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمت ٹوٹے گی۔"

اپنا کر یہ اس کام کو خود کسی جماعت یا نظریہ کے ساتھ جانبدارانہ بنانا اس کا طریقہ نہیں ہے۔

مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی ۳۰ سالہ امارت کا زمانہ کام کی وسعت، یکسوئی اور وقار کا حامل ہے ا اس میں مولاناؒ کی بصیرت و تحمل، انہماک اور اصولوں کی پابندی پھر مولانا کا علمی وزن اور دینی مقام اور زمانہ کے حالات سے واقفیت کو بڑا دخل رہا ہے۔ مولاناؒ سے جو لوگ بھی ملتے ان کے اعلیٰ صفات اور گہرے داعیانہ انداز سے متاثر ہوتے، مولاناؒ امیر منتخب ہونے سے قبل ایک طرف تو سابق امیر کے ہمہ وقتی رفیق اور تمام امور میں مشیر تھے اور دوسری طرف مرکز نظام الدین میں قائم دینی درسگاہ کے ممتاز استاذ و مدرس تھے، وہ اپنے علم میں ہمہ وقت اضافہ کے شائق رہتے، نئی طبع ہونے والی کتابوں اور علمی مضامین کے مطالعہ کا بھی اشتغال رکھتے تھے، اسی طرح وہ مختلف النوع امور سے واقف ہوتے رہتے تھے اور ان کا علمی پلہ بھی بلند ہوتا گیا تھا، جماعت کے کام سے انتہائی قرب، بانی جماعت کی تربیت اور امیر ثانی سے ہر وقت کی رفاقت کی وجہ سے کام کے نشیب و فراز سے بھرپور واقفیت حاصل ہوئی تھی۔ یہ دونوں خصوصیات ان کے امیر منتخب ہونے کے بعد ان کی شخصیت کی وقعت اور صلاحیت عمل کی اہم بنیادیں بنیں، اور ان کے امیر منتخب کئے جانے کی وجہ بنیں، پھر ان کی جیسی عظیم شخصیت کے نہ رہنے کی وجہ سے یہ مسئلہ سب کے ذہن کے سامنے ابھر کر آیا کہ ان کی جانشینی کس کے حصہ میں آتی ہے کیوں کہ کوئی ایسی قائدانہ شخصیت سامنے نہ تھی جس میں ایسی ہمہ جہتی خصوصیات ہوں جو مولانا انعام الحسن صاحبؒ میں تھیں۔ تبلیغی کام کے موسس سے تربیت و استفادہ اور پھر ان سے عزیزانہ و رفیقانہ تعلق پھر علمی وزن اور وقار، یہ صفات کسی ایک فرد میں نظر نہیں آتے تھے، چنانچہ جماعت کی شوریٰ نے امارت کا بوجھ کسی ایک فرد کے بجائے متعدد افراد پر اجتماعی طور پر ڈالا۔ ان میں خود مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے صاحبزادہ مولانا زبیر الحسن صاحب جو خاص ان کے تربیت یافتہ ہیں اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے بعض کاموں میں معاون رہے۔ پھر مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے پوتے مولانا محمد سعد جنھوں نے اپنے والد مولانا محمد ہارون صاحبؒ اور دادا مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور پردادا سے بعض صفات ورثہ میں پائی ہیں اور دونوں نوجوانوں کے خاندانی بزرگ و بڑے مولانا محمد اظہار الحسن صاحب کاندھلویؒ جو مرکز میں جماعت کے کاموں میں مولانا انعام الحسن صاحب کے معاون خصوصی تھے، مشترکہ امارت کے ذمہ دار طے ہوئے ان کے ساتھ دیگر اہم حضرات کو ایک مشاورتی کمیٹی کے طور پر شریک کیا گیا جن میں سرفہرست تبلیغ کے عظیم خطیب مولانا محمد عمر پالن پوری ہیں۔ (افسوس کہ موصوف بھی)

یہ جماعت تبلیغ، ایمان و تقویٰ کی مخلص جماعت ہے۔ اس نے اپنے بہت محدود وسائل و ذرائع کے باوجود اتنے وسیع پیمانہ پر امت کے بے شمار افراد کی سیرت و کردار میں تبدیلی پیدا کی اور بکثرت افراد کی زندگیوں پر اثر ڈالا کہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے اس کے اہم قائدین کے اٹھ جانے پر اس کے کام پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت و مدد ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے وفات کے بعد بھی یہ کام اپنی خصوصیات اور صحیح جذبہ کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ مولاناؒ کے بعد جماعت کی موجودہ قیادت اگرچہ اصلاً نوجوان عنصر کے ہاتھ میں آگئی ہے لیکن اخلاص عمل کے ساتھ اور جماعت کے اہم معاونین کے مشورہ و تعاون کے ذریعہ امید ہے کہ یہ نوجوان اپنے مرحوم بڑوں کی جگہ بخوبی پر کریں گے۔





حضرت جی کا تذکرہ


مولانا مرغوب احمد لاجپوری (ڈیوزبری۔ برطانیہ)

★★★★★

شب شنبہ ۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ جون سن ۱۹۹۵ء کو تقریباً ڈیڑھ بجے تبلیغی جماعت کے قائدو امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

راقم الحروف نماز مغرب کے لیے قُبیل مغرب مرکزی مسجد ڈیوزبری حاضر ہوا تو ایک صاحب نے پرنم آنکھوں اور لرزتی زبان سے یہ دلخراش خبر سنائی حضرت جی کا انتقال ہوگیا۔ مغرب میں تھوڑا سا وقت تھا دعا میں مشغول ہوگیا۔ نماز سے فراغت پر امام صاحب نے اعلان کیا، سنت نوافل کے بعد سورہ یٰسین کا ختم ہوا۔ حافظ پٹیل صاحب مدظلہ (امیر تبلیغی جماعت برطانیہ) نے چند منٹ بات کی اور مختصر دعا فرمائی۔ زبانیں خاموش، جسم ساکت، بعضوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور بعض صبرو عزیمت کا منظر دکھا رہے تھے۔

حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ شانہ کی خاص عنایت اور الطاف بے پایاں کا مورد تھے، افسوس کہ حضرت جیؒ کی وفات سے لاکھوں مبلغین اپنے امیر سے اور لاکھوں مریدین و معتقدین اپنے شیخ طریقت کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ حضرت جی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ نے زہدو قناعت، ورع و تقویٰ، علم و حلم، تبلیغ و دعوت کی پرکیف فضاؤں میں آنکھ کھولی اور انہیں پرکیف فضاؤں میں زندگی کے اوقات گذارے۔

ولادت:

۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۰ فروری سن ۱۹۱۸ء بروز چہار شنبہ اپنے آبائی وطن کاندھلہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم کا نام مولانا الحاج اکرام الحسن صاحب اور جد محترم کا اسم گرامی مولانا رضی الحسن صاحب تھا۔

تعلیم:

حافظ منگتو صاحب سے حفظ قرآن پاک کی تکمیل کی۔ ابتدائی فارسی و عربی کتب اپنے نانا حکیم عبدالحمید صاحب سے پڑھ کر دہلی چلے گئے اور میزان الصرف، ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ ۱۳۵۲ھ بمطابق سن ۱۹۳۳ء میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو کر شرح جامی، میر قطبی، کنزالد قائق، اصول الشاشی وغیرہ کتابوں سے سہارنپور میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب، مفتی اعظم سہارنپوری، حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

سن ۱۳۵۸ھ میں دورہ حدیث کی کتابیں بخاری شریف جلد اول اور ابو داؤد شریف حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے، بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد خانصاحبؒ سے، ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کامل پوری سے پڑھیں۔ دورہ حدیث کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی شدید بیماری کی بنا پر حضرت دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعمیل وارشاد میں آپ مولانا محمد یوسف صاحب کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور امتحان میں شریک نہ ہو سکے، نظام

الدین آکر باقی ماندہ حصہ کی تکمیل کے ساتھ کتب حدیث میں ابن ماجہ، نسائی، شرح معانی الآثار اور مستدرک حاکم حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے پڑھیں۔

علمی صلاحیت واستعداد پختہ تھی، کتب درسیات توجہ اور محنت سے پڑھیں، حضرتؒ خود اپنی طالبعلمی کے زمانہ کا معمول اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"ہم دونوں (مولانا محمد یوسف صاحب و مولانا انعام الحسن صاحب) نے آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کریگا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اسی کی ساتھ چائے پی کر سو جائیگا اور اس دوسرے کا ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو جگائے۔ ایک دن مولانا محمد یوسف صاحبؒ شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی۔ (سوانح مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ صفحہ ۱۷۱)

امتحانات میں اعلیٰ نمبرات حاصل فرماتے، ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے طلبا دورہ حدیث کے لئے مخصوص نمبرات متعین فرما کر چند انعامی کتب تجویز فرمائیں جو حضرت شیخؒ کی طرف سے ان کے متعینہ نمبرات حاصل کرنے والے کے لئے بطور تحفہ کے تھیں، طلباء کی اطلاع کے لئے یہ اعلان آویزاں کیا گیا کہ

"جو شخص ابوداؤد میں سب سے زیادہ نمبر بلا شرکت غیرے حاصل کرے گا اس کو بذل المجہود فی حل ابوداؤد کامل بطور انعام بندہ کی طرف سے موعود ہے اور بشرکت غیرے جتنے بھی شرکا ہوں سب کو ایک ایک الکوکب الدری موعود ہے" (زکریا)

چنانچہ اس اعلان کے بموجب کوکب دری کامل آپ (مولانا انعام الحسن صاحب) کو انعام میں ملی۔ (تاریخ مظاہر صفحہ ۱۱۵ جلد ۲)

نکاح اور رخصتی

۲ محرم الحرام سن ۱۳۵۳ھ میں مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں حضرت اقدس مولانا زکریا صاحبؒ کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ حضرت کا نکاح، علماء و مشائخ کی بابرکت مجلس میں حضرت اقدس مدنیؒ نے پڑھایا۔ حضرت شیخؒ نے آپ بیتی صفحہ ۲۸۳ نمبر ۲) میں پانچ چھ صفحات پر اس نکاح کی تفصیل دلچسپ انداز میں تحریر فرمائی ہے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمارے خاندان کا قدیم دستور اصول موضوعہ کے طور پر یہ طے شدہ تھا کہ جب کوئی لڑکی پیدا ہو تو اس کا اقرب ترین نا محرم گویا شادی کے لئے متعین تھا۔ والدہ زبیر کے متعلق ذہنوں میں تو سب کے مندرجہ بالا قاعدہ کے موافق طے شدہ تھا، لیکن دو ایک سال بعد بھائی اکرام صاحب کا ایک کارڈ آیا کہ والد صاحب کے تعمیل حکم میں لکھ رہا ہوں، تمہاری دوسری بچی سے عزیز انعام کے نکاح کی تجویز کو فرمایا ہے۔ میں نے اس کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مجھ کو مجھ سے بڑے ہیں اس کے بھی بڑے ہیں میرے سے کیا پوچھنا؟ یہ ہوا منگنا مولانا انعام الحسن صاحب کا، چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں شنبہ کی شام کو تشریف لایا کرتے تھے، حسب معمول مورخہ ۲ محرم سن ۵۳ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ ہمارے "میوات میں جلسوں میں نکاح کا دستور پڑ گیا ہے کل کے جلسے میں حضرت مدنیؒ سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوا دوں، میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجئے، مجھ سے کیا پوچھنا، میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا۔ اہلیہ مرحومہ نے کہا تم دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا تو ان کیلئے سلوا دیتی (حضرت نے جواب دیا) اچھا مجھے خبر نہیں تھی یہ ننگی پھر رہی ہیں، میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کپڑے پہنے پھرتی ہیں۔ جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنیؒ سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف و انعام کا نکاح پڑھنے کے لئے چچا جان فرما رہے ہیں حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا۔ کہا ضرور پڑھوں گا ضرور پڑھوں گا اور جامع مسجد میں دونوں لڑکوں یوسف و انعام کو ممبر کے پاس کھڑے کر کے خطبہ پڑھ دیا"۔

"ربیع الاول سن ۵۵ھ میں چچا جان نے ارشاد فرمایا خیال یہ ہے کہ کل کو جاتے وقت یوسف و انعام کی بیویوں کو لے کر جاؤں، میں نے کہا جیسے رائے عالی ہو مگر لڑکے تو دونوں یہاں پڑھ رہے ہیں، حضرت عائشہؓ کی بناء تو ان ہی کے گھر میں ہوئی تھی میرا خیال ہے کہ ان دونوں

لڑکیوں کی بلا دو یہیں کرادیں۔ چچا جانؒ نے فرمایا کہ مجھے اپنے کام کی حدیثیں بہت یاد رہتی ہیں، پھر فرمایا بہت اچھا، میں نے عصر کے وقت گھر میں سے کہہ دیا کہ اپنی بہنوں کو کپڑے پہنا دو، رات کو ان کی یہیں رخصتی ہے، مولانا یوسف مرحوم کو اپنے کمرے میں اور مولانا انعام الحسن صاحب کو کچے گھر میں تجویز کیا۔" (ملخص از آپ بیتی) دوسرے دن صبح مختصر دعوت ولیمہ ہوئی۔

تدریس

نظام الدین میں قیام فرما کر دعوت و تبلیغ کی محنت میں مصروفیت و مشغولیت کے ساتھ درس و تدریس کا مشغلہ بھی بڑے اہتمام سے جاری رکھا، متعدد فنون کی مختلف کتابیں پڑھائی، سالہا سال تک حدیث پاک کا درس دیا آخر میں کئی سال بخاری شریف پڑھائی۔ ابواب و تراجم پر بڑی محنت فرمائی، تراجم پر آپ کی تحقیقات مسودہ کی شکل میں محفوظ ہیں۔

بیعت و خلافت:

حضرتؒ کو حق تعالیٰ نے بچپن ہی سے ایسے دینی ماحول میں پروان چڑھایا جہاں حضرت شیخؒ حضرت مدنیؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ جیسے صاحب نسبت بزرگوں کی آمد ورفت رہتی، ان حضرات کی صحبت کی برکت اور خصوصاً حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے فیض نظر نے آپکو بھی صاحب نسبت بنا دیا تھا، آپ کے صاحب نسبت ہونے کی شہادت ایسے صاحب نسبت بزرگ و ولی کامل نے دی جس کے صاحب نسبت ہونے پر عصر کے تمام ہی اصحاب نسبت کا اتفاق تھا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اپنی وفات سے دو تین روز قبل حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے اس بات کا اظہار فرمایا۔ حضرت شیخؒ آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

چچا جان نور اللہ مرقدہ نے اپنے سے مایوسی کی حالت میں وصال سے دو تین دن پہلے اس سیاہ کار سے کہا کہ میرے آدمیوں میں چند لوگ صاحب نسبت ہیں، عزیز مولانا یوسف صاحب قاری داؤد، سید رضا صاحب بھوپالی، مولانا انعام صاحب۔ میرے بعد ان ۴... کسی ایک کو مولانا رائے پوری کے مشورے سے بیعت کے لئے تجویز کردو" (آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۱۲۳)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے حضرت جی کی صفت نسبت بہت پہلے سے تاڑلی تھی، اسی لئے آپ نے مولانا محمد یوسف صاحب اور انعام الحسن صاحب کو بیعت بھی بڑے اہتمام سے فرمایا۔ بیعت کا تذکرہ حضرت جی کی زبانی سنیئے فرماتے ہیں:

"جب حضرت شیخ مدظلہ العالی کو یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے بیعت نہیں ہوتے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) سے بیعت ہوچکے ہوگے، بہرحال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس) سے بیعت ہونے کی درخواست کی حضرت جی نے اسے منظور فرمالیا، خود غسل فرمایا، اور بڑے اہتمام کے بعد خوشی و مسرت کے ساتھ ہم لوگوں کو بیعت فرمایا اور ارشاد فرمایا اللہ مبارک فرمائے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے" (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محمد علوی صفحہ ۱۸۱ تیسرا باب)

سن ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے آپکو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا یہ فیض آپ کے ذریعہ اطراف عالم میں خوب پھیلا، ہزاروں نہیں لاکھوں افراد نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی وفات اور آپکی امارت

سن ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کا حادثہ پیش آیا، مولاناؒ کے انتقال کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جس کی نزاکت اور اہمیت کا احساس ہر دردمند اور خصوصاً دعوت تبلیغ کے متعلقین کو ہو رہا تھا وہ مولانا مرحوم کی جانشینی کا تھا، مولاناؒ کی نیابت کی ذمہ داری کوئی آسان و سہل نہ تھی اس عالمگیر کام کی امارت کے لئے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسے اللہ پاک نے اصابت رائے، دور بینی دور اندیشی کی نعمت عطا فرمائی ہو، حاضر دماغی، قوت قلبی اور معاملہ فہمی کی صفات سے بھی متصف ہو۔ مولانا انعام الحسن صاحبؒ کی اپنی اصابت فکر، صلاح و تقویٰ اور طویل عرصہ تک مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں رہنے اور شروع ہی سے اس کام سے وابستگی، اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہمہ وقت کی مصاحبت اور دعوت کے کام میں مسلسل شرکت، اور اس کام میں اپنے فہم و تجربہ کی وجہ سے جماعت اور اس کام کی صحیح

رہنمائی کرسکتے تھے، اس لیئے نظریں آپ کی طرف پڑ رہی تھیں۔ چنانچہ شیخ الحدیث صاحبؒ نے مشورہ سے آپکو مولانا کا نائب اور دعوتی کام کا امیر بنادیا اور اس بات کا اعلان مولانا فخر الحسن صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیو بند نے ہزاروں پرانے کام کرنے والوں کے مجمع میں کیا دعوت کی موجودہ ترقی و مقبولیت اور عالم گیر وسعت نے یہ ثابت کر دیا کہ امارت کیلئے حضرت کا انتخاب اور حضرت شیخؒ کا یہ فیصلہ صحیح اور نہایت موزوں و حق بجانب تھا۔

مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد متعلقین کے قلوب رنجیدہ و مغموم تھے، اس خیال سے آپ نے مولانا ہارون صاحبؒ کے ساتھ ملکر ایک خط سارے تبلیغی مراکز کو تحریر فرما دیا جس میں مولانا یوسف صاحبؒ کی وفات پر تعزیت کے ساتھ دعوت تبلیغ کی محنت میں اپنے اوقات کو لگاتے رہنے کی ترغیب دی گئی تھی وہ خط آج حضرت جیؒ کی وفات پر کام کرنے والوں کے لئے رہنمائی کا سامان ہو سکتا ہے جو درج ذیل ہے۔

مدرسہ کاشف العلوم، بستی نظام الدین اولیاء

نئی دہلی ۱۳ ذی الحجہ سن ۱۳۸۴ھ

مکرم و محترم بندہ

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداوند کریم سے امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوں گے یہ تو جناب کے علم میں آگیا ہو گا کہ حضرت اقدس جناب الحاج مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ لاہور میں مورخہ ۲ اپریل سن ۶۵ء کو بعد نماز جمعہ معمولی علالت سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ حضرت اقدس بہت ہی کمالات و خوبیوں کے حامل تھے اور ہماری بہت سی بیماریوں کے علاج کی صورت تھے۔ ان کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ظاہری طور پر صورت پریشانی ہے لیکن حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور ﷺ کے دین کی محبت ظاہری صورتوں کا نعم البدل اور بدل حقیقی ہے۔

حضور اکرم ﷺ جیسی بابرکت اور باعظمت ہستی جن کے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد و کرب اور بے چینیوں سے امت کا نشونما اور جنکی گریہ و زاری سے امت کی دارین کی فلاح و نجات اور جن کے چہرہ انور کی زیارت ہزار ہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی، اگر وہ بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لے جاویں اور امت ان کی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر دین کے لئے قربانیوں او محنتوں کا انہماک اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور اس محنت کا دنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کے لئے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لیے ہوئے ہے۔

وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم وما کان اللہ معذبہم وھم یستغفرون۔

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے لطف و کرم اور فضل سے دین کی محنت کے جس عالی کام کی طرف ہم جمیع احباب کی رہبری فرمائی ہے اس میں پوری طرح امت محمدیہ مرحومہ کے دارین کے مصائب کا علاج ہے، آپ پورے انہماک کے ساتھ سارے مصائب کے علاج کا یقین اس میں کرتے ہوئے اس صورت کے بڑھنے اور اس کی شکل کے وسیع ہونے کے لئے پوری طرح محنت کریں تاکہ اس امت کے علاج کیلئے ایمان کی قربانی والی محنت کی فضاؤں میں بہت سے باہمت، بے لوث، نفس کش، داعی الی اللہ پیدا ہوں۔ اور آپ ان کے وجود میں آنے کے لئے بھر پور کوشش کریں اور کرائیں؛ صدقات خیرات اور کثرت تلاوت قرآن پاک خصوصاً ذکر و دعا، مقامی و بیرونی گشت، روزانہ کی تعلیم و تسبیحات کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کی صورتیں اختیار کی جائیں، حضرت جی کی آخری تمنا یہ تھی کہ جو شخص دین کا درد و فکر رکھتا ہو وہ مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح تمامی جان و مال اس دینی محنت کے زندہ کرنے کے لئے خرچ کرنے والا بن جائے، اس تمنا کو پورا کرنے کا یہ عین وقت ہے۔

فقط والسلام

بندہ محمد انعام الحسن غفرلہ، محمد ہارون غفرلہ۔

حضرت جی کے زمانہ امارت میں الحمدللہ کام میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، دنیا کے چپہ چپہ میں جماعتیں روانہ ہوئیں جس میں آپ کی پر خلوص محنت و دعا کا بہت بڑا حصہ ہے، مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی وفات کے بعد آپنے کوئی الگ امتیازی رنگ پیدا کرنے کے بجائے اپنے اسلاف کے قدیم طرز پر برقرار رہتے ہوئے اسی نہج پر محنت کو جاری رکھا اور رکھوایا ایک موقع پر فرمایا۔

"ہم تو لکیر کے فقیر ہیں، مولانا الیاس صاحبؒ ہی کے اصول پر جم کر کام کریں گے اور کروائینگے"۔

اپنے تیس سالہ دو امارت میں دنیا بھر کے مختلف الالوان، مختلف اللسان کام کرنے والوں مین یکجہتی و اتفاق رکھنا آپ کا عظیم کارنامہ ہے، کسی بھی تنظیم میں اختلاف کا ہونا یقینی امر ہے مگر اختلاف کی صورت پیدا ہو جاتی اور حضرت کے سامنے ایسے امور پیش کیئے جاتے تو حضرت اپنی خداداد معاملہ فہمی سے لمحوں میں ایسا فیصلہ فرماتے کہ فریقین کو بغیر رضا مندی وطاعت کے چارہ نہ رہتا۔

حضرت جیؒ کا خدام کے ساتھ حسن سلوک

کتب سیرو احادیث میں نبی کریم ﷺ کے حسن اخلاق کے متعلق ہزاروں واقعات موجود ہیں۔

ان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے حضرت ابو طلحہؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! انسؓ ہوشیار و ذکی لڑکا ہے آپ ﷺ اسے اپنی خدمت میں رکھ لیجئے۔ حضرت انس فرماتے ہیں، میں نے سفرو حضر میں آپ ﷺ کی خدمت کی، خدا کی قسم آپ ﷺ نے میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا اور میرے کسی کام کے نہ کرنے پر یہ نہیں فرمایا تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ (حیاۃ الصحابہ صفحہ ۵۴۰ ج ۲) باب حسن خلقہ علیہ السلام مع خادمہ انس)

سنت نبوی ﷺ کی اتباع حضرت جیؒ کا طرز اپنے خدام کے ساتھ بالکل ویسا ہی تھا جسکی شہادت صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے متعلق دی۔ حضرت جیؒ کے سفر و حضر کے خاص خادم مولانا سلیمان صاحب کی زبانی سنیئے، موصوف فرماتے ہیں "میں پندرہ سال سے زیادہ عرصہ سے حضرت جیؒ کی خدمت میں ہوں کبھی حضرت نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا ایسا کیوں کیا، یہ کیوں نہیں کیا۔ (روایت مولوی اسمعیل مایت صاحب)

ملفوظات

حضرت جیؒ لمبی تقریر کے عادی نہ تھے، آپ کے سفرو حضر میں تقریر و وعظ کی ذمہ داری حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مدظلہ العالی پر ہوتی۔ حضرت آخر میں چند جملے ارشاد فرما دیتے، مگر عجیب تاثیر تھی نہ معلوم کس درد دل سے زبان سے نکلتے اور دل میں اترتے

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں — اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ارشادات نقل کروں

(۱) فرمایا، دو راستے انسان کی زندگی گذارنے کے ہیں، ایک اعمال والا دوسرا مادیت والا، اور دونوں راستوں پر چلنے والے دو قسم کے انسان ہیں، اور اللہ تعالی نے دونوں راستوں کا اور دونوں طرح کے انسانوں کے انجام کا ذکر کیا ہے۔

(۲) اللہ کے لئے اپنی مالوفات اور مرغوبات کو چھوڑ دینا حتی کہ ضرورت پڑنے پر اپنے وطن کو چھوڑ دینا ہجرت کہلاتا ہے۔

(۳) حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم دو طبقوں میں منقسم تھے یا مہاجر تھے یا انصار پہلا درجہ ہجرت کا ہے اور دوسرا نصرت کا لولا الھجرت لکنت امرامن الانصار" (ترمذی جلد ثانی)

آج بھی اگر امت ان دونوں حصوں میں تقسیم ہو جائے ایک دعوت کے لئے ہجرت کرے دوسری نصرت تو پورے عالم میں دین زندہ ہو جائے۔ ساری امت کی فکر کرو اور انھیں جہنم سے نجات دلانے کی تدبیر سوچو، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تمہاری کمر تھام تھام کر جہنم سے روک رہا ہوں مگر تم ہو کہ تیزی کے ساتھ اسی طرف بڑھے جا رہے ہو۔

(۴) عبداللہ ابن مبارکؒ محدث تھے، چھ ماہ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اور چھ ماہ اللہ کے راستے میں گذارتے تھے اور اسی سفر میں جو غبار

جسم پر لگ جاتا تھا اس کو جمع کر لیتے جسے اینٹ بنا کر رکھدیتے اور اسی طرح قرآن وحدیث کی تحریر جو قلم لیتے تھے ان کے تراشے جمع کر لیتے تھے وفات کے موقع پر فرمایا کہ قلم کے تراشوں سے میرے جنازہ کا پانی گرم کیا جائے اور قبر کو ان اینٹوں سے بند کیا جائے۔

(۵) اللہ تعالی جب کرنے پر آتے ہیں تو اصنام کے پیٹ سے توحید ظاہر ہوتی ہے باطل کے نقشوں سے حق کی آواز اٹھتی ہے۔

(۶) ایک مرتبہ دستر خوان پر فرمایا کھلانے والے میں بخل نہ ہو اور کھانیوالے میں حرص وطمع نہو اس کھانے میں برکت ہے۔

(۷) کام خوب ہو رہا ہے قربانی بھی دیجارہی ہے رات کو رونے والوں کی کمی ہے۔

(۸) یہ دنیا کی زندگی جو اجیرن بنی ہوئی ہے اگر احکامات کا ان میں لحاظ کر لیا جائے تو زندگی جو اجیرن بنی ہوئی ہے اگر احکامات کا ان میں لحاظ کر لیا جائے تو زندگی کا مزہ آئے۔

(۹) یہ ساری محنتیں ایک اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہوں، مادی نفعت کیلئے ہرگز نہ ہوں، نہ کسی جاہ اور عہدہ کا ارادہ ہو۔

(۱۰) اللہ کی راہ میں ایک صبح گذار دینا یا ایک شام دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے حتی کہ سواری کا کھانا اور لید تک کو ثواب شمار کیا گیا ہے۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

کیفیت دعا

نظام الدین میں روزانہ اجتماعی وانفرادی دعا کا حال تو مجھے معلوم نہیں البتہ تبلیغی اجتماعات میں آخری دعا حضرت جی رحمہ اللہ تعالی ہی کی ہوتی۔ راقم الحروف کو مختلف اجتماعات کے موقع پر آپکے ارشادات سننے اور دعا میں شریک ہونیکا موقع نصیب ہوا، اکثر دعا کے دن لاکھوں کا مجمع ہوتا، بڑے بڑے علماء اور اہل اللہ شرکت فرماتے، دعا اکثر طویل ہوتی، شروع میں عربی پھر اردو میں، بہت گریہ وزاری و دل کی گہرائی اور اعتقاد ویقین کے ساتھ دعا فرماتے، لاکھوں کا مجمع ہوتا ہر جملہ پر آمین کہتا، ساری فضا میں آمین کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی، سارے دعائیہ جملوں پر لاکھوں آنکھیں پر نم ہوجاتیں تھیں، بعض نرم دل لوگوں کی تو چیخیں نکل پڑتیں دعا کے اختتام پر گھنٹوں دل پر اثر رہتا۔

اسفار:

حضرت جیؒ نے ہندوستان، پاکستان و بنگلہ دیش کے علاوہ بیرونی ممالک میں یورپ و امریکہ کے بھی سفر فرمائے۔

حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت تو بیسیوں سے زائد مرتبہ نصیب ہوئی۔ کئی سالوں سے یہ معمول قضا نہ ہوا کہ ہر دوسرے سال حج کا سفر فرماتے، زندگی کے آخری سال میں بھی حق تعالی نے یہ دولت نصیب فرما دی اور اپنے در پر بلا کر تسکین عطا فرمائی۔ گویا حضرتؒ کا یہ آخری سفر آخرت کا مقدمہ تھا۔

مرض و وفات

حضرتؒ بیمار تو تھے ہی ضعف و نقاہت بھی تھی، معذوروں کی کرسی پر اکثر سفر فرماتے، چلنا پھرنا دشوار تھا، آخری رات میں درد دل شروع ہوا اور چند گھنٹوں میں یہی درد مرض الموت ثابت ہوا۔ بالآخر نصف صدی سے دین کی محنت کرنے والا، آسمان علم وفضل اور اتقی ورشد و ہدایت کا چمکتا دمکتا سورج اپنی زندگی کی ستر منزلیں طے کر کے، دہلی نظام الدین میں غروب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالی شانہ آپکو اپنی آغوش رحمت مین جگہ عطا فرمائیں اور اپنے نیک اور مخلص بندوں کے ساتھ آپ کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔

مقبرہ ہمایوں کے میدان میں نماز جنازہ آپ کے صاحبزادہ مولانا زبیر صاحب مدظلہ نے پڑھائی لوگوں کا ہجوم بے انتہا تھا، سنا ہے ڈھائی لاکھ کے قریب مجمع تھا۔ نظام الدین میں تدفین کا فیصلہ ہوا۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ، اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ



باتیں ان کی جن سے خوشبو آئے

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے دعوت و تبلیغ کا جب سلسلہ شروع کیا تو تائید الٰہی و نصرت ایزدی آپ کے شامل حال رہی۔ علوم و معارف کا آپ کے دل میں القاء ہوتا اور آپ پوری شدت اور پوری قوت سے انہیں بیان فرماتے، آپ کے بیانات و تقاریر میں ایسے ایسے نکات و رموز ہوتے جو کتابوں کے علم سے ماورا ہوتے۔ مگر اس کے باوجود تبلیغ کے اصول طریقہ، کار اور اس سلسلہ میں ہدایات اجمالی طور پر تھیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے آپ کی زبان بنایا اور آپ نے ان علوم و معارف کو خوب کھول کر بیان کیا کئی کئی گھنٹے تقریر فرماتے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے۔ اس لئے حسب توفیق انکے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلمبند بھی کئے۔ بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے) مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ وہی علم ان کو بھی عطا ہوا ہے اور قوت بیان مزید برآں ہے اس لئے انکی تقریر بھی لکھنے کو جی چاہتا تھا، مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات ان کی تقریریں لفظ بہ لفظ قلمبند کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی، پھر بھی اپنے لئے ان کے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا، اس عاجز کو پوری بصیرت کے ساتھ یقین ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا"

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب تقریر و بیان بہت کم فرماتے تھے البتہ جس اجتماع میں آپ شرکت فرماتے اس کے آخر میں آپ کا مختصر بیان ہوتا جس میں زندگی گذارنے کا طریقہ دین کا مفہوم و معنی، اس کیلئے محنت اور اس کیلئے ہجرت و نصرت کا تذکرہ فرماتے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مفصل بیان کرنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ "مولانا عمران خان کہتے تھے اس دعوت کے بانی بھی الکن تھے (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں لکنت تھی) اور آپ بھی قلیل الکلام ہیں۔ بیچ میں ابو الکلام آگئے تھے ان کی مراد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ تھے جو گھنٹوں تقریر کرتے اور دعوت کے اصول بیان فرماتے۔ (ماہنامہ الفرقان اگست ۱۹۹۵ء)

یہاں ہم نے حضرت جی کے بیانات بسیار محنت کے بعد تلاش کر کے کیسٹ کی مدد سے نقل کئے ہیں جن میں سے دو بیان قدرے تفصیلی ہیں جو رائیونڈ کے اجتماع میں مغرب کے بعد کئے گئے باقی بیانات رائیونڈ کے اجتماع میں دعا سے قبل کئے گئے ہیں۔ آخر میں ۱۹۹۴ء کے اجتماع کا بیان و دعا ہے جو رائیونڈ کے اجتماع میں آخری بیان اور آخری دعا ہے ان بیانات کے نقل کرنے میں میرے ساتھ برادرم محترم محبوب الحسن صاحب نے اور مولانا عبد الغفار صاحب نے تعاون کیا ہے اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اگلے صفحات میں آپ یہ بیانات پڑھیں گے۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

اُمّت کا فرضِ منصبی

بیان حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ اجتماع رائے ونڈ ۱۹۸۰ء بعد نماز مغرب

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ونبینا ومولٰنا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک تسلیماً کثیراً کثیرا۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افان مت فھم الخلدون۔ کل نفس ذائقة الموت۔ ونبلوکم بالشر والخیر فتنة والینا ترجعون۔ وقال اللہ تبارک وتعالیٰ وھدینٰہ النجدین۔

اما بعد! میرے دوستو اور بزرگو اور عزیزو۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے قرآن پاک میں پہلی جو آیت مبارکہ تلاوت کی اس میں یہ ارشاد فرمایا کسی انسان کو حضور ﷺ سے پہلے دائمی اور ہمیشہ کی زندگی نہیں دی گئی یعنی کوئی آدمی جو دنیا میں خدائے پاک نے بھیجا وہ ہمیشہ رہنے کیلئے باقی رہنے کیلئے نہیں بھیجا۔ سوچیں تو حضور پاک ﷺ سچ فرماتے ہیں جو آیا ہے وہ جانے کیلئے آیا ہے۔ جو آیا ہے اسے موت کا پیالا پینا ہے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ جتنی چاہے دنیا میں باقی رہنے کی کوشش کرلے۔ اسے باقی نہیں رہنا۔ اسے یہاں چھوڑا نہیں جاوے گا۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے انسانیت میں سب سے اونچا طبقہ انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے اور انبیائے کرام میں سب سے اونچے، زیادہ بلند جناب رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اگر دنیا میں کوئی باقی رہتا تو حق یہ ہے کہ رسول پاک ﷺ جو سید الاولین والآخرین اور حبیب رب العلمین ہیں۔ انہی کو باقی رکھا جاتا۔ انہی کو یہاں ٹھہرایا جاتا۔ لیکن جب وہ ہی نہیں رہے تو پھر اور کس کی مجال ہے کہ وہ دنیا میں رہے۔ بہرحال جو آیا ہے اسے جانا ہے اور یہاں رہنا نہیں مگر تھوڑے سے وقت کیلئے، تھوڑی سی مدت کیلئے تھوڑے سے عرصے کیلئے خدائے پاک نے اس دنیا کے اندر انسان کو بھیجا ہے اور بھیجنا بھی ایسے نہیں بیکار بھیجا ہو بلکہ آزمائش کیلئے۔ امتحان کیلئے کہ دنیا کی زندگی کے اندر یہ انسان کیسے زندگی گذارتا ہے۔ آیا وہ زندگی کہ جس سے دنیا کی زندگی بھی جنتی ہے دنیا کی زندگی کے اندر بھی نظام قائم رہتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی امن و امان اور عافیت ہوتی ہے۔ اور موت کے بعد کی زندگی میں بھی انسان بامراد ہوتا ہے۔

یا یہ اس دنیا کی زندگی کے اندر ایسے زندگی گذار کر جاتا ہے جس سے دنیا کی زندگی یہ اجیرن بن جاتی ہے یہ بھی ایک اس کیلئے جہنم کدہ بن جاتی ہے۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی جہنم کا راستہ یہ تیار کرتا ہے۔ یہ دیکھنے کیلئے تھوڑے سے وقت کیلئے بھیجا۔ دو راستے ہیں۔ اس میں وہ کون سا اختیار کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے بتلایا دونوں راستے ہم نے بتلا دیئے ہیں وھدینٰہ النجدین۔ دونوں راستے ہم نے بتلا دیئے ہیں ایک راستہ وہ جسے انسانیت کہتی ہے۔ آدمیت کہتی ہے جسے اس دنیا کے نظام کے اندر بھی عافیت رہتی ہے۔ اور موت کے بعد کی زندگی میں بھی یہ انسان نجات پاتا ہے۔ عافیت کے ساتھ رہتا ہے جب وہ راستہ اختیار کرتا ہے۔ جس راستے میں چلنے میں دنیا کی زندگی میں بھی یہ پریشان ہی رہتا ہے حیران ہی رہتا ہے۔ سرگردان ہی رہتا ہے اور موت کی بعد کی زندگی میں یہ ناکام رہتا ہے۔ دو راستے ہیں۔ وہ راستہ کہ جس راستے پر چل کر اس دنیا کی زندگی میں بھی پریشان ہوتا ہے اور وہ راستہ ہے۔ اس کا اپنی خواہشات کا اپنی نفسانیت کا۔ اپنی من مانی کا۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

اپنی جی چاہی کا یہ راستہ ہے اس دنیا کی زندگی میں پریشان ہونیگا۔ اور موت کی زندگی میں ناکام ہونیگا۔ آدمی خواہشات پر چلتا رہے۔ جی چاہی پر چلتا ہے۔ خدا کا بندہ بن کر چلنے کے بجائے نفس کا بندہ بن کر چلتا ہے۔ تو یہ دنیا کی زندگی اس کے اندر بھی ایک افراتفری، اس کے اندر بھی ایک بے ترتیبی اس کے اندر بھی ایک نظام میں جو ہے فساد پیدا ہوتا ہے۔ یہ آدمی اگر اپنی جی چاہی پر چلے گا۔ تو یہ سب کو معلوم ہے کہ جتنے آدمی ہیں۔ جتنے جی ہیں۔ جتنے جی ہوں گے۔ اتنے اس کے جذبات ویسے دل میں ہونگے اور جتنے جذبات ہونگے ہر ایک اپنے جذبے پر چلنے کی کوشش کرے گا۔ تو کشاکش ہوگی کشمکش ہوگی۔ اور کھینچا تانی ہوگی تنازع ہوگا ایک دوسرے کے دامن کھینچنے کے اندر لگا رہے گا ہر آدمی اپنی جی چاہی کے پورا کرنے میں جب لگے گا تو اسی کی کوشش کرے گا تو اسی کی فکر کرے گا۔ تو ہر آدمی اپنی زندگی کے اندر کسی چیز کا پابند نہیں ہوگا سوائے جی کے۔ خواہش کے پورا کرنیکے اپنی نفسانیت پر قدم اٹھانے کے اور جو ہے اس دنیا کے اندر اپنی جی چاہی کے پورا کرنیکے اور کوئی اس پر ضابطہ حیات نہیں ہوگا۔ وہ اپنا جی چاہی کے پورا کرنے کے اندر سرگرداں و حیران، پریشان رہے گا۔ اس واسطے کہ ایک آدمی اس کی خواہشات بھی محدود نہیں ہیں۔ آدمی کی ایک خواہش پوری ہوتے میں نہیں آتی دوسری خواہش سر ابھارنے لگتی ہے۔ وہ پہلی خواہش کے پورا کرنے مین ابھی فارغ نہیں ہوا کہ دوسری خواہش سامنے آئی۔ اس کے پورا کرنے میں لگتا ہے وہ پورا ہونے سے پہلے تیسری خواہش، تیسرا جذبہ وہ موجیں مارنے لگتا ہے۔ اور وہ اسی چکر میں پڑا رہتا ہے۔ اسی بھنور کے اندر پھنسا رہتا ہے اور جب آدمی اسی راستے پر چلے گا تو آپس کے اندر کبھی محبت پیدا نہیں ہو سکتی کبھی دل جو ہے نہیں جڑ سکتے کبھی آپس کے تعلق صحیح نہیں ہو سکتے اگر ظاہر داری ہوگی تو خالی دکھاوے کی۔ لیکن دلوں کے اندر محبت نہیں ہوگی۔ دلوں کے اندر الفت نہیں ہوگی۔ دلوں کی اندر مودت نہیں ہوگی۔ اور شعبہ حیات اس کے اندر بھی کوئی خیریت نہیں ہوگی اس کے اندر بھی عافیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہر شخص اس کے اندر بھی اپنے جو ہے دل چاہی کے پورا کرنے میں اپنی خواہش کے پورا کرنے میں مست ہوگا اسے کام کے ٹھیک سے کام کے بگڑنے سے کوئی سروکار نہیں۔ خواہشات کے پورا کرنے میں کسی کے حق کے ادا کرنے کسی کی ذمہ پورا کرنے کی فکر نہیں ہوگی۔

بلکہ اپنی خواہش کے پورا کرنے میں، چاہے کسی کا حق مارا جاتا ہو، چاہے کسی کی جان ماری جاتی ہو، چاہے کسی کی آبرو لی جاتی ہو۔ اسے کسی چیز کے کرنے میں کوئی عار نہیں ہوگا۔ کوئی جھجک نہیں ہوگی۔ بس وہ اپنے نفس کا بندہ جو نفس میں آئیگا وہی کرے گا اور یہ کرے گا ہر ایک ایسا کرے گا تو یہ دنیا کی زندگی کے اندر دیکھو کتنی افراتفری ہوگی۔ اور کتنی جو ہے بے ہنگامی ہوگی۔ چوریں، ڈکیتیں، غارتگریں، لڑائیں ہیں۔ یہ ساری چیزیں وجود میں آئیں گی۔ جب آدمی اپنے نفس کا بندہ ہوگا۔ خدا کی بندگی کو بھولا ہوا ہوگا۔ ایک راستہ دیکھیے یہ تو دنیا کی زندگی کے اعتبار سے ہے لیکن جب موت آئیگی اگلی زندگی جو اصلی زندگی جہاں پر انسان کو ہمیشہ رہنا ہے جہاں سے انسان کو واپس نہیں آنا اور زندگی کے اندر بھی یہ انسان ناکام ہوگیا۔ نامراد ہوگا اتنا ہی نہیں بلکہ وہاں پر اسکی دنیا کی زندگی گزارنے پر سزا دی جاوے گی۔ خدا کے یہاں سے گرفت ہوگی۔ اور اس سے باز پرس ہوگی۔ ایسے ہی نہیں چھوڑا جائیگا۔ اور بھائی ایک راستہ زندگی گزارنے کا یہ ہے۔ جو خدائے پاک کے بندوں کیلئے تجویز فرمایا ہے جب انسان اس راستے پر چلے گا اس کو اختیار کرے گا دنیا کی زندگی کے اندر بھی امن امان، چین و عافیت ہوگی اور موت کے بعد کی زندگی کے اندر بھی خدائے پاک نجات دے دیں گے۔ اسکو جو ہے کامیاب فرمادیں گے اس کو بامراد فرما دیں گے۔ خدائے پاک نے جو انسان کو زندگی گذارنے کا طریقہ مرحمت فرمایا ہے وہ انسانیت کے جتنے طبقات ہیں سب کیلئے ہے۔ کسی ایک طبقے کیلئے نہیں ہے۔ جب ہر طبقہ اپنی زندگی گزارنے میں خدائی حکموں کا پابند ہوگا۔ خدائی طریقوں کا پابند ہوگا۔ زندگی کے جتنے شعبے ہیں تمام شعبوں کے اندر خدائے پاک کی تائید ہوگی مدد ہوگی اور نورانیت ہوگی اور خیر و برکت ہوگی۔ دو راستے ہیں بالکل اس زندگی کے اندر انسان کو اختیار کرنا ہے کونسا راستہ اختیار کرتا ہے جونسا راستہ اختیار کرے گا انجام کے اعتبار سے اس کے مقام پر پہنچے گا۔ اور دنیا کی زندگی میں بھی جونسا راستہ چلے گا۔ اس راستے کے اثرات اس کے اوپر ظاہر ہو کر رہیں گے۔ کوئی خاردار راستے پر چلتا ہے تو کانٹے چبھتے ہی ہیں۔ راستہ جو اختیار کرتا ہے جو خار دار ہو تو کانٹے دار راستہ جو آدمی چلتا ہے وہ کانٹے اگر اس کے بدن کو زخم نہیں کریں گے تو کم سے کم اس کے کپڑے تو پھاڑ دیں گے اور آدمی اگر پھول دار راستے کو اختیار کرے گا۔ پھول اگر اس کے ہاتھ نہیں آئیں تو کم سے کم خوشبو تو اس کو آئے گی۔

جب آدمی دنیا کے اندر زندگی گذارنے کا وہ راستہ اختیار کرے گا۔ جس کے اندر عداوتیں، جس کے اندر دشمنیاں جس کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ عناد پیدا ہوتا ہے تو بھائی وہ یہ چیزیں ظاہر ہو کر رہیں گی۔ آدمی جتنی چاہے ظاہری ڈھکی میں کر دے۔ لیکن اس راستے کے اثرات ظاہر ہوئے بغیر رہیں گے نہیں۔ لیکن اگر وہ راستہ اختیار کیا جس راستے پر چلنے میں محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے۔ جس سے خدا راضی ہوتے ہیں۔ تو بھائی اس راستے پر چلنے میں تو اثرات ظاہر ہو کر رہیں گے۔ خدائے پاک۔ نے وہ راستہ دیا جس راستے پر چلنے میں دنیا کی زندگی وہ بھی بنتی ہے اور آخرت کی زندگی وہ بھی بنتی ہے۔ دونوں زندگیوں کے اندر یہ انسان بن کر چلتا ہے۔ دونوں زندگیوں کے اندر اس کی زندگی اپنے عافیت کی اور چین کی گذرتی ہے وہ احکامات والی زندگی، خدا کی بندگی والی زندگی، آدمی جونسے طبقے میں ہو چاہے حاکم، چاہے محکوم، چاہے تاجر ہو۔ چاہے کاشتکار، چاہے مزدور ہو چاہے ملازم وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ بن کر چلنے کی راہ اختیار کرے گا۔ وہ جہاں بھی ہوگا حکم خداوندی کے پورا کرنے میں اس کے بجا لانے میں متفکر رہے گا۔ اس کی فکر رہی گی۔ اس کا ڈر رہے گا۔ کہ کہیں میرے سے خدا کا حکم نہ ٹوٹ جائے۔ اس سے میرا خدا راضی ہو جاوے۔ چاہے حاکم ہو۔ چاہے محکوم ہو، چاہے بڑا ہو چاہے چھوٹا ہو چاہے مالدار ہو چاہے فقیر ہو چاہے غریب۔ میرے عزیزو اور دوستو۔ بات تو ہے اتنی۔ بالکل ہے اتنی۔ اللہ کے بندے دونوں قسم کے گذرے جنھوں نے اپنی زندگی کی راہ خواہشات کے پورا کرنے کی جی چاہی پر چلنے کی اختیار کی ہے وہ بھی گذرے ہیں خدائے پاک نے ان کے واقعات بھی قرآن میں بیان کیئے۔ فرعون ہے، قارون ہے، ہامان ہے۔ یہ سارے کے سارے انھوں نے خدا کو بھول کر خدا کی بندگی کو چھوڑ کر اپنی من مانی کی ہے۔ خدائے پاک نے دنیا کے اندر بھی ان کا انجام دکھلایا ہے کیا انجام ہوا ہے اور آخرت کے بارے میں بھی خدائے پاک نے بتلایا ہے کہ وہاں پر انتہائی شدت عذاب کے اندر یہ رہیں گے۔ اور ان کے تابع دار رہیں گے۔ خدائے پاک نے فرمایا۔ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب راستہ کیا تھا کہ وہ اپنی خواہش اور اپنی جی چاہی میں سب کچھ کرتے تھے۔ جاؤ بے جا فرعون اپنی حکومت کے باقی رکھنے میں اپنی سلطنت کے پائے کو مضبوط کرنے میں قتل عام کرتا تھا۔ قارون اپنے پیسے کے جمع کرنے میں وہ جا بے جا ہر طرف سے پیسہ کھینچتا تھا۔ لیکن خدائے پاک نے دکھلایا کہ اس کے پیسے نے اس کی دولت نے اس کا ساتھ دیا نہ فرعون کی حکومت نے اور اس کی سلطنت نے اس کو غرق ہونے سے اور ڈوبنے سے بچایا۔ یہ گویا دولت کے اعتبار سے سلطنت کے اعتبار سے خدائے پاک نے بتلایا۔ اور جو خدا کے بندے بنے ہیں اور خدا کے بندے بن کر جنھوں نے زندگی گذاری ہے خدائے پاک نے ان کے قصے بیان کئے۔ اور حضرت سلیمان علیہم السلام باوجودیکہ انکی سلطنت اور حکومت تھی۔ کتنے پر انسانوں پر ہی نہیں جانوروں تک کے اوپر جنات تک کے اوپر انسانوں کے اوپر لیکن وہ خدائے پاک کے بندے تھے۔ خدا کے حکموں پر چلنے کے پابند تھے۔ خدائے پاک نے ان کو بتلایا کہ باوجودیکہ ساری ظاہری راحتوں اور آرام کے اللہ نے انکو نبوت سے نوازا خدائے پاک نے دنیا کے اندر بھی انکو بلند فرمایا اور آخرت میں بھی وہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں ہو کر اپنے نبیوں کے مقام پر اٹھائے جا رہے ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو آج بھی اللہ کا وہی دستور ہے آج بھی خدائے پاک کا وہی قانون ہے۔ جو اپنی جو ہے خواہشات کے راستہ کو اپنائیگا دنیا کی زندگی بھی اسکی چین کی نہیں گزرے گی۔ اور موت کے بعد کی زندگی بھی اس کے اندر بھی اسے آرام نہ ملے گا۔ اور جو خدا کے بندے دنیا کی زندگی کے اندر بھی اللہ کی مان کر چلیں ہیں دنیا کی زندگی کے اندر بھی چین اور آرام، راحت اور عیش پایا ہے ظاہر کی تکلیف بلکی ہوئی ہے لیکن دلوں کو سکون روح کو راحت انکو حاصل ہے۔ وہ اپنی حکومت میں وہ اپنی تجارت میں وہ اپنی خلافت میں وہ اپنی سلطنت میں ہر چیز کے اندر حکم خداوندی کو وہ اپنے سامنے رکھتے تھے۔ اس سے غیر بال برابر بھی نہیں سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو خدا کا بندہ ہی بنا کر چلتے تھے۔ کوئی خدا کا حکم ان سے چوک جائے خدا کا حکم ان سے ٹوٹ جائے اس سے وہ ڈرتے تھے چاہے حکومت ہو چاہے سلطنت اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریاں جو ہوتی تھیں انکو پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور اس کے اندر اپنی کمی کے اوپر روتے تھے اور ڈرتے تھے۔

حضرت عمرؓ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے راتوں کو گشت کیا کرتے تھے اپنی رعایا کی ضرورتوں کے پورا کرنے کیلئے اور انکی حفاظت کیلئے اور انکی خبر گیری کیلئے۔ ایک دفعہ رات کو جا رہے تھے دیکھا کہ کچھ تاجر ہیں جو ٹھہرے ہوئے ہیں مدینہ کے باہر شہر کے

باہر گئے وہاں پر دیکھا کچھ آدمی ٹھہرے ہوئے ہیں اور ایک بچہ جو رو رہا ہے ماں اسکی اسکو خاموش کرنے کی اور اسکو چپکا کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ بچہ ہے تھوڑی دیر کو چپکا ہو جاتا ہے پھر رونے لگتا ہے۔ پھر ماں جو ہے خاموش کرتی ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ رونے لگتا ہے حضرت عمرؓ بار بار اسکے پاس آتے ہیں اور جاکے اسکی ماں سے کہتے ہیں کہ مائی اپنے اس بچے کو خاموش کیوں نہیں کرتی ہے اپنے اس بچے کو سنبھالتی کیوں نہیں۔ بار بار ایسی صورت پیش آئی تو اس عورت سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تو بہت بری ماں ہے جو اپنے بچے کو نہیں سنبھالتی اور اسکو جو ہے خاموش نہیں کرتی رو رہا ہے اسکا علاج کرو اس عورت نے یوں کہا اے اللہ کے بندے تو نے مجھے پریشان کر دیا ہے بات یہ ہے کہ امیر المومنین کا یہ حکم آیا ہے کہ بھائی جو بچہ دودھ پیتا ہوگا اس کا وظیفہ نہیں مقرر کیا جاوے گا۔ بیت المال سے اس بچے کا وظیفہ مقرر کیا جاوے گا جس کا دودھ چھوٹ گیا ہوگا۔ یہ دودھ پیتا بچہ ہے میں کوشش کر رہی ہوں اس بات کی کہ یہ دودھ چھوڑ دے تاکہ بیت المال میں امیر المومنین کے یہاں اسکا وظیفہ مقرر کر دیا جاوے اور یہ بچہ ہے یہ ضد کر رہا دودھ پینے کی۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر واپس آئے اور رونا گریہ ان کے اوپر طاری ہوا صبح کی نماز پڑھائی ایسی گریہ کی حالت تھی کہ وہ جو ہے قرات نہیں ہو رہی تھی۔ رونا جو ہے ظاہر ہو رہا تھا اور نماز پڑھنے کے بعد سب سے پہلی بات جو فرمائی یہ فرمائی آج سے جتنے بچے ہیں جتنے مولود ہیں جو بھی پیدا ہوا ہے اس کا وظیفہ مقرر کیا جاتا ہے یہ قید کہ جس کا دودھ چھوٹ جاوے اس کا ہی وظیفہ ہوگا یہ قید ختم کی جاتی ہے۔ اور اپنے آپ پر ملامت کرتے رہتے تھے عمرؓ تو نے کتنے بچوں کے اوپر ظلم کیا ہوگا کہ انکی ماؤں نے وقت سے پہلے ان کا دودھ چھڑا دیا محض وظیفہ کی وجہ سے ایسے ہی حضرت عمرؓ ایک مرتبہ گشت فرما رہے تھے۔ گشت فرماتے ہوئے گئے اور جاکے دیکھا کہ ایک بیچارہ مسافر ٹھہرا ہوا ہے پریشان ہے پوچھا کیا ہے کہاں سے آیا ہے بیوی ساتھ ہے ولادت کا درد ہو رہا ہے کوئی جان پہچان نہیں کوئی ہاتھ بٹانے والا کوئی ساتھ دینے والا نہیں۔ وہیں سے واپس گئے لوٹے اپنے مدینہ منورہ اور جا کر اپنی بیوی سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے جو حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی حضرت علیؓ کی صاحبزادی جناب رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ انکو فرمایا کہ اللہ پاک نے تمہارے لئے ایک خیر کی چیز بھیجی ہے وہ یہ کہ ایک مسکینہ ہے اجنبیہ ہے ایک مسافر عورت ہے اسکو ولادت کے درد کی تکلیف ہو رہی ہے کوئی اسکا ساتھی نہیں ہے اگر تمہارا بھلائی لینے کا ارادہ خدائے پاک کی رضاء حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو چلو اسکی خدمت کرنے کیلئے۔ اور ولادت کیلئے زچگی کیلئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہی وہ اپنے ساتھ لیں چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھ لی۔ اور ساتھ لیکر پہنچے اور جا کر آپ خیمے سے باہر بیٹھ گئے۔ اپنی بیوی محترمہ کو اس عورت کے پاس بھیج دیا جاکر اس کی خبر لیوے اس کی خدمت کرے اس کی ضرورت پوری فرما دیں۔ اور آپ جو ہے اس مرد کے پاس بیٹھ کر اس کا دل بہلانے لگے۔ بیچارہ اجنبی۔ مسافر راہ گیر کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ اس کو تسلی دینے لگے یہاں تک کہ تھوڑی دیر کے اندر، اندر سے آواز آئی خیمے کے اندر سے افسر یا امیر المومنین۔ امیر المومنین خوش ہو جائیے ولادت ہو گئی، لڑکا ہوا۔ جب اس بدو کو اس دیہاتی کو یہ پتہ چلا کہ اتنی دیر سے جو تیرے دل لگانے میں دل بہلانے کے اندر جو آدمی مصروف تھا یہ امیر المومنین ہیں یہ خلیفۃ المسلمین ہیں کیا ان کے سامنے اپنے جی چاہی کا پورا کرنا اپنی حیثیت کا باقی رکھنا اور اپنے آپ کو بہت اونچا لے جانا یہ نہیں بلکہ اس وقت کے اندر جو ذمہ داری خدا کی طرف سے ان کے اوپر عائد ہوئی تھی۔ اس کے پورا کرنے کی فکر تھی۔ سمجھتے تھے کہ ہر انسان اس کی خبر لینا اور اس کی ضرورت کا پورا کرنا یہ میرے ذمہ ہے۔ یہ اتنا ہی نہیں بہت سے واقعات اور ہیں حضرت عمرؓ ہی کا واقعہ ہے ایک جگہ تشریف لے گئے دیکھا کہ آدمی ہے۔ بچے اس کے چاروں طرف ہیں۔ سو رہے ہیں۔ اور ایک ہنڈیا چڑھی ہوئی ہے۔ بچے رو رہے ہیں ہچ سے تسلی دے رہا ہے کہ گھبراتے کیوں ہو۔ دیگچی چولہے پر چڑھی ہوتی ہے ابھی کھانا تیار ہوتا ہے تمھیں کھلاتا ہوں۔ عمرؓ آئے اور آکر پوچھا بھائی بات کیا ہے۔ اس نے آقا کے حضور آکر کہا کہ میرے پاس بچے ہیں ان کے پیٹ بھرنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے جھلملا رہے ہیں۔ بلبلا رہے ہیں میں انھیں بھلا رہا ہوں انھوں نے فرمایا کہ اس دیگچی کے اندر کیا ہے۔ کچھ نہیں پانی ہے خالی بچوں کو بہلانے کیلئے ان کو جو ہے تسلی دینے کیلئے خالی پانی دیگچی میں بھر آگ پر چڑھا رکھا ہے۔

بس آگئے اور واپس آکر یوں فرمایا۔ اپنے غلام سے اپنے اسلم سے، اسلم انکا غلام تھا۔ اے بھائی ایک بوری کے اندر کھانے پینے

چیزیں، غلہ، گھی اور کچھ پیسے بھرو اور بھر کر یوں فرمایا میری کمر کے اوپر ڈال دو۔ عرض کیا غلام نے کہا کہ حضور میں لے جاؤں گا کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ بندہ موجود ہے، یوں ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اس کا جواب تو دے گا یا میں دوں گا۔ اللہ کے بندے تھے۔ اللہ کا خوف تھا، ہر وقت کے اندر اسی کی فکر رہتی تھی۔ چنانچہ اپنی کمر پر انکو لاد کر لے گئے اور لے جا کر اس کو پیش کیا یہاں تک کہ اس نے پکانا شروع کیا اور پک کر جب تیار ہوا تو بچے اس کو کھا کر بچے جو بھوک کی وجہ سے رو رہے تھے ان کا پیٹ بھر جاوے تو پھر کھیل کود میں لگ جائیں۔ جا کر اس کو پکانا شروع کیا خود عمرؓ وہ اس کے اندر آگ کو پھونکیں مار رہے تھے دھواں ان کی داڑھی میں سے نکل رہا تھا کام خود کر رہے تھے۔ حالانکہ غلام ساتھ تھا، حالانکہ کسی کو حکم فرمادیتے وہ اتنا کھانا تیار کر دیتا نہیں بلکہ چونکہ جانتے تھے خدا نے اس ساری رعایا کی ذمے داری میرے اوپر رکھی ہے اس کو پورا کرنا ہے اور اس کو بجا لانا یہ میرے ذمہ ہے۔ خدا کے سامنے مجھے جواب وہی کرنی ہے اس واسطے مجھے خود یہ ساری تکلیف خود یہ مشقت برداشت فرما رہے تھے۔ آگ جلا کر جب کھانا تیار ہوا بچوں کے سامنے رکھا، اور خود بیٹھ گئے۔ بچے جب کھیلنے میں اور ہنسنے میں لگ گئے تو اٹھ کر چلے تو پوچھا، حضرت آپ اتنی دیر بیٹھے کیوں رہے فرمایا ان بچوں کو روتے ہوئے میں نے دیکھا تھا میرا جی چاہا کہ میں انہیں ہنستا ہوا دیکھ لوں جب جاؤں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا ایک راستہ ہے خدا کی بندگی کا خدا کی مان کر چلنے کا خدا کے احکامات کو اپنانے کا۔ اس راستے پر جو چلتا ہے جہاں تک، جہاں جس طبقے کا ہوتا ہے وہ اس کے اندر خدا ہی کے حکموں کو سامنے رکھ کر چلتا ہے۔ وہ اپنے جی کی خواہش کو اپنے نفس کے جذبے کو سامنے رکھ کر نہیں چلتا۔ چاہے حاکم اور چاہے تاجر ہو۔ حضرت علیؓ ایک مرتبہ کرتہ خریدنے کیلئے بازار تشریف لے گئے۔ ایک دکاندار سے بات کی۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ امیر المومنین، چھوڑ کر چل دیئے دوسرے دکاندار کے پاس گئے۔ دوسرے دکاندار سے بات چیت ہو رہی تھی اس نے بھی پہچان لیا کہ یہ امیر المومنین ہیں اسے بھی چھوڑ دیا کہ کیونکہ بھائی امارت کی وجہ سے خلافت کی وجہ سے کوئی اپنے جو ہے کمی نہ کر دے۔ پھر ایک دکان پر پہنچے۔ جہاں پر ایک لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ جا کر وہاں سے ایک کرتہ خریدا چار درہم میں۔ تقریباً چودہ آنے۔ خرید کر لے کر آئے۔ واپس پیسے دیکر۔ اتنے میں اس لڑکے کا باپ آیا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین جو ہے تمہاری دکان کی وہ خرید کر لے گئے ہیں ایک کرتہ اور تمہارے بچے نے چار درہم میں دیا۔ وہ دکاندار وہیں سے واپس آیا اور آکر حضرت علیؓ سے یہ عرض کیا کہ یہ کرتہ جو آپ نے خرید کر لائے ہیں۔ اس کی قیمت چار درہم نہیں تین درہم ہیں۔ میرے بچے نے چار درہم میں آپ کو دے دیا۔ یہ فرمایا کہ کیا مطلب کہ بھائی وہ چار درہم کے دینے پر راضی ہوا اور میں چار درہم پر میں لینے پر راضی اور تم کون ہو بیچ میں دخل دینے والے میں چار درہم میں لینے پر راضی ہوں اور اس نے چار درہم میں دیا ہے ہمارا معاملہ چار درہم پر تراضی کے ساتھ دونوں کی رضامندی کے ساتھ ہو گیا ہے اب جو ہے اس میں تمہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

میرے بھائیو دوستو اور بزرگو، احکامات والا راستہ یہ ہے۔ کہ ہر شخص جو جس جگہ پر بھی ہو وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ بن کر لیکر چل رہا ہو۔ ہر جگہ میں۔ خدا کے حکم کے پورا کرنے کی اس کو فکر ہوتی ہو۔ چاہے وہ امیر المومنین ہو چاہے وہ خلیفۃ المسلمین ہو یہ حضرت علی خود جبکہ امیر المومنین تھے۔ خلیفۃ المسلمین تھے۔ ان کی ایک زرہ کھو گئی۔ ایک دن ایک آدمی آکر عرض کیا کہ حضور آپ کی وہ زرہ جو کھوئی گئی تھی وہ بازار میں بک رہی ہے گئے جا کر پہچان لیا کہ ایک یہودی اس زرہ کو بیچ رہا ہے۔ جو ان کی زرہ تھی گر گئی تھی انہوں نے جا کر کہا کہ یہ میری ہے اور اس نے کہا کہ یہ میری ہے۔ دونوں کے اندر جو ہے بات چیت ہوئی۔ امیر المومنین کہتے ہیں میری ہے اور وہ یہودی کہہ رہا ہے میری ہے مقدمہ قائم ہو گیا۔ مقدمہ قائم ہو گیا وہ مقدمہ قاضی کے پاس گیا جج کون قاضی شریح رحمہ اللہ تعالی حضرت علی ہی کے قاضی بنائے ہوئے انہی کے مقرر کئے ہوئے امیر المومنین ان کے سامنے پیش ہو رہے ہیں۔ بقول مدعی کے کہ یہ زرہ تھی میری تھی گر گئی تھی یہ یہودی اس کو بیچ رہا ہے یہ اپنا دعوی کر رہا ہے قاضی نے جو کہا گواہ لاؤ۔ گواہ لاؤ۔ کیونکہ ہر دعوی کیلئے ایک گواہ کی ضرورت ہے گواہی کی ضرورت ہے۔ فرمایا ایک گواہ تو انہوں نے اپنا غلام اسے بتلایا کہ یہ ہے دوسرا گواہ جو ہے میرا یہ بیٹا حسن صاحب ہیں فرمایا کہ آپ کے قاضی نے یہ فیصلہ دیا کہ آپ کی گواہی پوری نہیں ہے وہ ناتمام ہے۔ غلام کی گواہی تو آپ کے بارے میں معتبر ہے لیکن حسن کی گواہی معتبر نہیں۔ فرمایا تم حسن کی گواہی کو غیر معتبر کر رہے ہو۔ حالانکہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا حسن حسین (رضی اللہ تعالی عنہما) جنتی

سرداروں کے، جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ تو قاضی صاحب یوں فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ہی سے یہ سنا ہے کہ آپ نے یہ بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے کہ بچے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں کیجاتی۔ یہ نہیں کہ یہ حسن ہی یا حسین۔ بلکہ یہ اس واسطے کہ یہ آپ کے بچے ہیں اور بچے کی شہادت باپ کے حق کے اندر قبول نہیں کیجاتی۔ اس واسطے اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس قاضی نے جو امیر المومنین ہی کا مقرر فرمودہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا اور فیصلہ کیا یہ کہ زرہ کی یہ شہادت تمہاری ناتمام ہے اور یہودی کا قبضہ ہے لہذا یہ زرہ جو ہے یہودی ہی کی ہے ناشکست، نا پیشانی پر شکن پڑی، نا غصہ آیا، نہ کہ میں امیر المومنین ہوں یہ مقرر کردہ میرا ہے ہماری بلی ہمیں میاؤں۔ ہمارے خلاف کر رہا ہے قبول فرمالیا کہ بھائی شریعت کا جب خدا کا یہ حکم ہے تو اچھی بات کہ اگر یہ۔ لیکن یہ فیصلہ ہونے کے بعد پھر وہ یہودی وہ اسلام لے آیا کہ اللہ اکبر یہ جو ہے اسلام کے اندر خدائی قانون ہی کے اندر یہ انصاف ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین اپنے قاضی کے پاس آتا ہے مقدمہ لاتا ہے اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔ اور امیر المومنین اس کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ قانون خداوندی ہی کر سکتا ہے۔ اس کے اوپر وہ اسلام لایا ہے۔ اور لا کر کہا کہ حضور یہ آپ ہی کی زرہ ہے۔ آپ اونٹ پر چلے جا رہے تھے جب یہ گری تھی۔ اس کو میں نے اٹھالیا۔ لیکن وہ جو ہے حضرت علیؓ نے پھر خود مرحمت فرمادی جا اب میں تجھے ہی دیتا ہوں۔ تو میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو ایک راستہ یہ ہے اس سے دنیا کی زندگی اس کے اندر بھی عافیت آتی ہے اس کے اندر بھی چین آتی ہے۔ دنیا کی زندگی بنتی ہے اور ہر شعبے کے اندر شجاعت اور ہر شعبے کے اندر بناؤ اور سنوار آتا ہے۔ یہ چاہے حاکم ہو چاہے محکوم کے اندر بھی یہ بات ہوتی ہے۔ وہ بھی خدا کی بندگی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ بھی ہر چیز کے اندر خدا ہی کے حکم پورا کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے جی چاہی کے پورا کرنے پر قدم نہیں اٹھاتا ہے۔ جتنا چاہے وہ اپنے اس کا جی چاہ رہا ہو چنانچہ ایک بڑھیا کا قصہ، جذام کی مریضہ تھی، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ عمرؓ کے زمانے میں انھوں نے یہ فرمایا بڑی بی اگر تم گھر بیٹھ جاؤ اللہ کے بندوں کو تمہارے سے اذیت نہ ہو یہ تمہاری نیت ہے۔ وہ اپنی دعا چھوڑ کر اور اپنے جو ہے بیت اللہ کے ذات کی جو اس کی لگن تھی تو قربان کر کے گھر جا کر بیٹھ گئی کہ امیر المومنین کا یہ حکم۔ تھوڑے دنوں میں حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا۔ کسی آدمی نے جا کر اس بڑی بی سے یوں کہا۔ کہ اے اللہ کی بندی، جس آدمی نے تجھے منع کیا تھا وہ اب دنیا سے چلا گیا اب اگر چاہے تو بیت اللہ جا کر طواف کر لے۔ اس اللہ کی بندی نے یہ جواب دیا۔ کہ عمرؓ ایسا آدمی نہیں کہ زندگی میں جو ہے اس کی مانی جاوے اور موت کے بعد اس کے حکم کو توڑ دیا جائے۔ مرتے مر گئی۔ ایک دن حضرت امیر المومنین نے جو حکم دے دیا تھا اس کے خلاف ایک زرہ نہیں کیا۔ حالانکہ جتنا اس کا جی چاہتا ہوگا۔ جتنی اس کو تڑپ ہوگی۔ بیت اللہ کی طواف کرنیکی بیت اللہ کے پاس جاتے۔ لیکن امیر المومنین کا معاملہ ہے وہ اس واسطے تھا کہ خدا نے امیر کی ماننے کا حکم دیا ہے۔ جب اس نے حکم دے دیا ہے۔ خدا کی رضا مندی اسی کے اندر ہے کہ اس کے حکموں کو نہ توڑا جاوے۔ اس کے حکموں پر چلا جاوے اس کو بجا لائے۔ بجا لایا جاوے۔ چنانچہ اس اللہ کی بندی نے اپنے گھر میں بیٹھ کر گذار دی پھر اللہ کے راضی کرنے کیلئے اپنے جذبات پر قدم نہیں اٹھایا۔ ایسے ہی وہ دودھ کے اندر پانی ملانے کا قصہ عمرؓ نے حکم دیا کہ دودھ کے اندر پانی نہ ملایا جائے۔

جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ وہ راتوں کو گشت کیا کرتے تھے۔ گھروں میں اپنی رعایا کی خبر گیری کیا کرتے تھے گشت کر رہے تھے۔ ایک مکان کے نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ کہ اس نے ایک عورت نے اپنی لڑکی سے یوں کہا کہ دودھ کے اندر پانی ملا دے۔ اس لڑکی نے یہ کہا کہ اماں جان آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین کا حکم یہ ہے کہ دودھ کے اندر پانی نہ ملایا جائے۔ تو اماں یوں کہنے لگی کہ امیر المومنین کیا یہاں کھڑے سن رہے ہیں انھیں کیا پتہ کہ تو پانی ملا رہی ہے۔ لڑکی نے یہ کہا کہ یہ بات تو صحیح ہے کہ امیر المومنین یہاں کونسے کھڑے سن رہے ہیں لیکن امیر المومنین کی ہم نے اس واسطے مانی ہے کہ خدائے پاک نے کہا ہے کہ امیر المومنین کی مانو۔ تو امیر المومنین اگر نہیں سن رہے ہیں تو خدا جس کے حکم کی وجہ سے ہم امیر المومنین کی مانتے ہیں وہ تو سن رہا ہے۔ حضرت عمرؓ دیوار کے تلے کھڑے ہوئے یہ ساری ماں بیٹی کی گفتگو سن رہے تھے۔ اس مقام پر نشان لگایا اور نشان لگا کر واپس گئے۔ صبح کو تحقیق کیا کس کا مکان تھا وہ کونسی لڑکی تھی۔ اور پھر اپنے بچے کو بلا کر بتلایا کہ وہ لڑکی جس کے اندر خدا کا اتنا خوف ہے جس کا خدا کے ساتھ اتنا تعلق ہے کون اس سے شادی کرتا ہے۔

ایک لڑکے نے عاصم نے شادی کی ان کے نواسے ہوئے امیر المومنین حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ۔ میرے عزیز دوستو اور بزرگو۔ یہ سب ہی نہیں سب سب طبقوں کے اندر چاہے وہ تاجر ہو چاہے ہو کاشتکار ہو چاہے وہ حاکم ہو اور چاہے وہ مزدور ہو وہ سارے کے سارے اپنے اپنے شعبے میں اپنے اپنے طبقے میں خدا کے بندے تھے۔ خدا کی حکموں کو مان کر چلتے تھے اپنے جذبات کو دباتے تھے۔ ان کو قربان کرتے تھے۔ وہ کہیں پر اپنے جذبے پر اپنی خواہش پر اپنی جی چاہی پر قدم نہیں اٹھاتے تھے ابوبکرؓ کا خود قصہ ابوبکرؓ نے ایک دن اعلان فرمایا کہ صبح کو صدقے کے اونٹ تقسیم کیئے جاویں گے۔ ایک عورت نے اپنے خاوند سے یوں کہا کہ لے یہ رسی لے چلا جا اور جا کر اپنے ممکن ہے کہ تیرے میں بھی کوئی اونٹ آجائے۔ ایک جگہ تھی کہ یہاں پر اونٹ تھے۔ اس کے اندر ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں تھے۔ یہاں یہ آدمی جس کی بیوی نے اسے بتلایا رسی دی تھی اور کہا تھا کہ جا کہ شاید خدائے پاک تجھے بھی کوئی اونٹ دلا دے۔ وہ اس جگہ پر اندر گھسا چلا گیا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا اندر آنے کو کس نے کہا ہے۔ وہ رسی لیکر جو رسی اس آدمی کے پاس تھی اسی سے اس کی پٹائی کی۔ پٹائی تو کر لی۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد فرمایا لے یہ رسی ہے اور یہ رسی لیکر تو اپنا بدلہ میرے سے لے لے۔ جتنی میں نے پٹائی کی ہے تو بھی اس رسی سے میری پٹائی کر لے۔ عمرؓ نے یہ کہا یہ آپ خلیفۃ المسلمین ہیں آپ کی پٹائی یہ کرے۔ فرمایا قیامت کے دن خدا کے ہاں کل کیا ہوگا کون بچائے گا۔ عمرؓ نے یوں فرمایا ہم اسے راضی کر لیں گے۔ اسے جو ہے اونٹ دیا۔ کچھ نقدی دی یہ جو ہے معافی مانگی اسے راضی کیا۔ پھر جو ہے ابوبکرؓ راضی ہوئے اور مطمئن ہوئے ورنہ ان کا اصرار یہ تھا کہ میں نے اس کو مارا اس پر تعدی کی ہے اس پر زیادتی کی ہے اب کا اگر یہاں بدلہ نہ دیا گیا قیامت کے دن خدا کے ہاں میں کیا جواب دوں گا خدائے پاک کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا۔ حالانکہ ابوبکرؓ خلیفۃ المسلمین، جناب رسول ﷺ کے خلیفہ وہ اگر جان سے بھی مار دیتے تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا دنیا کے اندر انسانوں میں۔ لیکن انھیں ڈر تھا خدا کے سامنے حاضر ہونیکا، خدا کے یہاں کی جواب دہی کا اس واسطے دنیا ہی کے اندر اپنا بدلہ چکا کر اس سے معافی (منگا مانگ) کر اسے راضی کر کے اپنی خدا کے یہاں کی جواب دہی سے بچایا جس کو خدا کا ڈر ہوتا ہے خدا کی بندگی کا فکر ہوتا ہے خدا کے حکموں پہ چلنے کا ڈر ہوتا ہے وہ ہر جگہ پر اسے دیکھتا ہے۔ کہ کہیں خدا کا حکم تو نہیں ٹوٹ رہا۔ وہ ایک ہے بھائی احکامات اور جو اللہ کے حکموں پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے۔ خدا کو راضی کرنیوالا راستہ اختیار کرتا ہے پھر ان چیزوں کے اندر بھی اپنے آپ کو آگے لانے کی کوشش کرتا ہے جس سے خدا بہت زیادہ راضی ہوتے ہیں۔

پھر وہ اپنے اندر ایثار کی وہ اپنے اندر حلم کی عزم کی اور ان چیزوں کی ان صفتوں کی لانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے بڑی سے بڑی چیز اسکو برداشت کر لیتا ہے اس واسطے کہ خدا راضی ہوگئے خدا راضی ہو کر دنیا کے اندر بھی کامیاب فرماویں گے اور پھر آخرت کے اندر بھی کامیاب فرما دیں گے۔

میرے عزیزو اور دوستو۔ آج بھی اللہ کا یہ قانون ہے۔ جو آدمی اپنی زندگی گذارنے میں خدا کے حکموں پر چلے گا۔ خدا کو راضی کرے گا۔ دنیا کی زندگی میں بھی خدائے پاک اس کیلئے برکت کے فیصلے فرما دیں گے۔ خدا کی تائید شامل حال ہوگی خدا کی مدد ہوگی۔ اور آخرت کی اندر بھی خدائے پاک اس کو کامیاب فرما دیں گے۔ خدائے پاک اس کو نجات نصیب فرما دیں گے۔ یہ ہر آدمی کا اپنا اپنا معاملہ ہے جو بھی اس راستے کو جونسے راستے کو اختیار کرے گا اسی کے اثرات اسکی خاصیتیں اسی کے اوپر ظاہر ہونگی۔ خدائے پاک نے بتلا دیا ہے۔ یہ راستے ہیں ایک احکامات کا، اعمال کا، اور ایک جو ہے خواہشات کا، جی چاہی کا، خواہشات اور جی چاہی کا راستہ اس کی خدا کے ہاں قیمت نہیں ہے اور احکامات اور اعمال ایمانیہ اس راستے کی اللہ کے ہاں اتنی قیمت ہے کہ ایک ایک عمل دنیا اور دنیا کے اندر جتنی چیزیں ہیں ان سب سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ایک دنیا نہیں دس دنیا ملکر ایک عمل کے ایک حکم خداوندی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ایک ایک عمل ایک ایک عمل وہ جو ہے اتنا قیمتی ہے خدائے پاک کے ہاں کہ دنیا کی ساری چیزیں ملکر وہ جو ہے ایک عمل کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ لیکن آج جو ہماری زندگی کا جو وطیرہ ہے آج ہماری زندگی کی جو راہ ڈگر ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے ذہنوں میں اعمال کی قیمت نہیں رہی ہے۔ چیزوں کی قیمت جم گئی ہے چیزوں ہی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اپنی خواہشات کے بندے بنے ہوئے ہیں خدا کی بندگی کو بھولے ہوئے ہیں خدائے پاک کی بندگی کو بھول کر اپنے نفس کا بندہ بن کر چلو گے تو خدائے پاک کے یہاں بھی ہماری پوچھ نہیں ہوگی۔ خدائے پاک ہم کو بھول جاویں گے دنیا کے اندر بھی بے

چین رہیں گے اور مرنے کے بعد کی زندگی اس کے اندر بھی بے چینی رہے گی۔ خدائے پاک کے یہاں کے عمل ایسے اور عملوں میں سب سے اونچا عمل جو ایمان کا عمل ہے وہ اتنا اونچا عمل ہے کہ کوئی عمل بغیر ایمان کے قبول نہیں کیا جاتا قیامت کے دن اسکی قیمت نہیں ملے گی اللہ کے یہاں اس کا کوئی وزن نہیں ہوگا لیکن آج ہم خواہشات کے بندے ایسے بنے یہ سب سے اونچا عمل ہے اسکو بھی ہم نے بھلا دیا ہے اور اس سے بھی ہم غافل ہوئے ہیں آج جو ہے نہ ہمیں اپنے ایمان کے مضبوط ہونے کی فکر نہ اپنے اندر ایمانی صفات کے آنے کا جذبہ بس اپنے جی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ یہ راہ ہمارے لئے بہت خاردار ہے اور یہ اپنی خواہش پر چلنے میں یہ اپنے پیروں میں کلہاڑی مار رہا ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس لئے بھیجا کہ اپنے بندوں اپنی مخلوق کو یہ سمجھا دیں کہ تم خدا کے بندے بنو چیزوں کے پیچھے مت چلو تم اعمال کو آگے رکھکر اعمال کو اپنا کر چلو تم نیکیوں کو اپناؤ۔ نیکیوں کو اپناؤ گے تو خدا کے یہاں تمہاری قیمت ہوگی۔ دنیا کے اندر بھی سربلند رہو گے اور آخرت کے اندر بھی سربلند رہو گے۔ اور اگر نہیں! اور اگر نہیں تو پھر جو ہے بھائی دنیا کی زندگی یہ گزریگی یہ بھی پریشانی کے ساتھ آخرت کی زندگی اسکے اندر بھی حیرانی ہوگی یہ ساری نقل و حرکت یہ ساری چلت پھرت یہ ساری آمدورفت یہ گھروں کو نکلنا یہ گھروں سے نکلنا جماعتوں میں جانا یہ اس واسطے ہے کہ ہمارے اندر جو جذبات اور خواہشات کی جو رو بہی ہوتی ہے جس کے پیچھے ہم بہے چلے جارہے ہیں ہمارے اندر سے یہ رو نکل کر جو ہے اعمال کی رو اور ایمان کی کشش اور ایمان کی فکر یہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے جونسے طبقہ کے اندر جونسے علاقہ کے اندر یہ صورت ظاہر ہوگی کہ ایمان ہوں اعمال ہوں ایمان کی رو خواہشات نفسانی اس سے نکلے ہوئے ہوں تو جو ہے دنیا کے اندر بھی خدا اس کو بلند فرمائیں گے اور مرنے کے بعد بھی خدائے پاک انکو بلند فرمائیں گے۔ اس کے نکلنے کی آسان سی ترتیب ہے کہ آج جو ہمارے جذبات ہیں خواہشات ہیں ہمارا گھر ایسا ہو ہمارے گھر میں ایسی چیزیں ہوں ہم گھر میں طریقہ سے زندگی گزار رہے ہیں نہیں ہمارے جذبات یہ ہوں کہ ہم جو ہے خدا کے حکموں پر چل رہے ہیں ہم اپنی زندگی میں خدا کے بندے بن رہے ہوں ایمان کی قدر ہو رہی ہو ہمیں نیکیوں کے ذخیرہ کرنے کی فکر ہو رہی ہو ہم چیزوں کے جوڑنے کے بجائے ہم جو ہے اعمال کے جمع کرنے والے ہو رہے ہوں۔ یہ جذبات ہمارے بن جاویں اور ہم اللہ کے سچے بندے بن جاویں بس بھائی اسی لئے یہ جماعتوں میں نکلنا ہے جماعتوں میں نکل کر اپنے جذبات کا رخ بدلنا ہے بجائے چیزوں کے بجائے خواہشات کے پورا کرنے کے ہم خدا کے احکامات کو پورا کرنے والے بن جاویں خدا کے احکامات جہاں بھی پورے ہوں گے خدا نے اپنے حکموں کے پورا ہونے میں جو برکتیں رکھی ہیں خدا نے اپنے حکموں کو پورا کرنے میں جن وزنوں کا وعدہ

فرمایا ہے جب بھی وہ پورے کئے جاویں گے خدا کی مدد شامل حال ہوگی اور خدا کی رحمت نازل ہوگی۔ اور جہاں بھی خدا کے احکامات توڑے جاویں گے وہاں پر حکم کے ٹوٹنے کی جو بے برکتی ہے وہ ظاہر ہوگی جونسا چاہے شعبہ ہو جونسا چاہے خطہ ہو جونسی چاہے زبان والے ہوں وہاں پر اگر حکم خداوندی کو توڑا جارہا ہے تو بھائی اسکی بے برکتی ظاہر ہوگی۔

تو بھائی دوستو بزرگو! ہمیں اپنی اپنی فکر کرنی چاہئے کہ ہم جو ہے اپنی بندگی سے نکل کر خدا کے بندے بنیں اور خدا کے بندے بننے کا یہ نہیں کہ خدائے پاک نے ہماری اپنی زندگی کی ضرورتیں انکو توڑا ہو یا انکو پورا کرنے سے خدائے پاک نے منع فرمایا ہو نہیں۔ انکو بھی پورا کرنا ہے لیکن خدا کے حکم کے مطابق خدا کے حکم کے موافق ان چیزوں کا ان ضرورتوں کا پورا کرنا یہ بھی ہمارے لئے خدا کے یہاں سے دلوانے والا خدا کو راضی کرنے والا عمل بن جاتا ہے۔ لیکن آج جو ہے ہم اپنے نفس کے ایسے بندے بنے ہوئے ہیں کہ ہم اگر خدا کا حکم بھی کوئی پورا کرتے ہیں تو اس کے اندر بھی نفس کا شائبہ ہوتا ہے اس کے اندر بھی کسی کی کوئی خواہش ملی ہوئی ہے جتنی ہم کوشش کریں گے اپنے آپ کو احکامات پر لانے کی پھر وہ احکامات پر آکر پھر کوشش کریں کہ خدا کے حکم کو اس واسطے پورا کر رہے ہوں کہ خدا کا حکم ہے انکو اس واسطے نہ پورا کر رہے ہوں کہ میرا جی چاہتا ہے۔ یا جی کی خواہش کی اس کے اندر کوئی آمیزش ہو نہیں۔ خدا کا حکم پورا کیا جارہا ہو اس واسطے کہ خدا نے حکم دیا ہے جب یہ جذبات آوینگے جب یہ ہماری زندگی ہوگی تو خدا کی رحمت، خدا کی تائید شامل حال ہوگی تو پھر یہ

انسان دنیا کے اندر بھی چمکے گا اور موت کے بعد کی زندگی کے اندر بھی خدائے پاک اسکو بلند درجات مرحمت فرماویں گے لیکن اس تھوڑی سی زندگی کے اندر جو اپنے ختم ہونے ہی کیلئے ہے اس میں اگر یہ اپنے آپ کو پابند بنا کر اپنے آپ کو خدا کے حکم کا جامع بنا کر جاویگا تو انشاء اللہ خوش خوش جائیگا اور وہاں پر ایسے مقام پر جاوے گا۔ جس سے خدا راضی ہوتے ہیں، جہاں پہ خدا کی رضاء کی دولت اسے حاصل ہوتی ہے اس کیلئے خدائے پاک نے اس زمانہ کے اندر یہ آسان سی صورت یہ آسان سی ترکیب دی ہے کہ ہر آدمی اپنے اپنے مشغلوں میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو حکم خداوندی پر ڈالنے کیلئے اپنے اس مشغلے سے نکلے اور نکل کر چار چار مہینے لگا کر اسکی عادت ڈالے کہ مجھے خدا کے حکموں پر چلنے کا جذبہ میرے اندر آجائے اور میں اپنے نفس کے کہے پر چلنے کی بجائے خدا کے حکموں پر چلنے والا انسان بن جاؤں۔ یہ جماعتوں میں نکلنا اسی واسطے ہے کہ ہمارے اندر ہمارے اندر اعمال کی رغبت ہمارے اندر اعمال کا شوق ہمارے اندر ایمانی صفات کو اپنانے کی فکر آجائے جس کے اندر یہ صفات آجاویں گی جس کے اندر یہ جتنے بھی اعمال آجاویں گے اللہ کے یہاں اسکی اتنی قیمت بن جائیگی اور نہیں تو بھائی جب موت آویگی تو پتہ چلے گا کہ ہم جو ہے خالی ہاتھ ہیں۔ ڈرنے کا وقت یہ تھوڑا سا وقت ہے موت تک کا وقت ڈرنے کا ہے اسکے اندر جو کرلے گا وہ پاوے گا جو نہیں کریگا وہ کسی کا ساتھ دینے والا نہیں ہے وقت گزر جاوے گا۔ وقت گزریگا تو پھر پچھتاوے گا لیکن اسوقت کا پچھتانا اسکے کوئی کام نہیں آئیگا۔ اس واسطے عرض کرتے ہیں بھائی اپنی زندگی میں چار چار مہینے کا ایسا پھیر ڈالو کہ جس کے اندر ہمارے یہ جذبات بنتے رہیں اور آٹھ مہینے اپنے اعمال کرو جو جسکا عمل حاکم کی حکومت تاجر کی تجارت، زارع کی زراعت، مزدور کی مزدوری، کاریگر کی کاریگری، تو آٹھ مہینے اسے کرو لیکن اس طریقے سے اس کے اندر بھی خدا ہی کا حکم پورا ہو رہا ہو۔ اسکے اندر خدا کا حکم نہ ٹوٹ رہا ہو۔ تو پھر ہمارے ان شعبوں کے اندر بھی خدا کی اطاعت شامل ہوگی۔

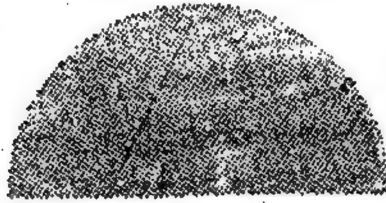


حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"یہ خیال غلط ہے کہ ملک و مال ہاتھ آجانے سے اسلام چمکے گا، ملک و مال تو اسلام کو زندہ درگور کر رہے ہیں۔ آج جن کے ہاتھوں میں حکومت اور اس کے خزانے ہیں وہ ابوبکر صدیقؓ و عمرؓ کے نمائندے نہیں ہیں بلکہ قیصر و کسریٰ اور شداد و قارون کے نمائندے ہیں، ان سے حیات اسلامی کی توقع بالکل غلط ہے، ان کے ہاتھوں اسلام کا جو حال ہے اس کو دیکھ کے تو دل کہتا ہے انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتہا۔ اللہ اس مردے میں اب کیسے جان ڈالے گا؟



محمد اسماعیل عبدالشکور



آفتابِ رُشد و ہدایت



مفتی محمد جمیل



حضرت مولانا انعام الحسن المعروف "حضرت جی" سے متعارف دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تبلیغی جماعت سے متعلق ہر وہ فرد ہے جس نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت کے مطابق دین کی تبلیغ کیلئے گھربار چھوڑا اور اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف تبلیغ دین کیلئے صرف کرنا قبول کیا۔ گلستان تبلیغ کی موجودہ بہار اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے اپنی جانشینی کیلئے حضرت مولانا محمد یوسفؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن کا جو انتخاب فرمایا تھا وہ اپنی رائے یا تجویز کی بناء پر نہیں بلکہ کوئی اشارہ غیبی تھا جس نے آپ کو اس فیصلے پر آمادہ فرمایا یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا انعام الحسن کی زندگی کی تاریخ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو بچپن ہی سے ان دونوں شخصیات کی تعلیم و تربیت میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی خصوصی توجہات کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کاندھلہ کے اس علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس خاندان کا ایک ایک فرد عالم دین کی حیثیت سے دنیا میں متعارف ہے۔ والد محترم مولانا اکرام الحسن اور دادا محترم مولانا رضی الحسن کا علمی دنیا میں علم و عمل کے اعتبار سے ممتاز مقام و مرتبہ تھا تو دادی محترمہ حضرت مولانا یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ کی ہمشیرہ محترمہ اور اپنے وقت کی رابعہ بصری تھیں۔ حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی اپنے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث سے فرماتے تھے گھر میں ایسی ترتیب تھی کہ رات کے پہلے حصے میں مطالعہ کرتا تھا۔ نصف شب کے قریب والد محترم اٹھ جاتے اور مجھے حکم دیتے کہ سو جاؤ اور خود رب کائنات کے دربار میں کھڑے ہو کر پہلے تہجد ادا فرماتے اور پھر رب ذوالجلال سے راز و نیاز اور دعا میں مشغول ہو جاتے۔ آخری شب میں والدہ محترمہ بیدار ہو جاتیں اور تہجد ادا فرماتیں۔ صبح صادق سے کچھ قبل میں اٹھتا اور نوافل کی ادائیگی کے بعد پھر مطالعے میں مشغول ہو جاتا۔ اس مبارک اور روحانی ماحول میں جب حضرت مولانا انعام الحسن کی والدہ محترمہ نے تربیت پائی ہو اور اس علمی ماحول میں والد نے زندگی گذاری ہو تو مولانا انعام الحسن کی شخصیت کی تعمیر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۱۸ بروز بدھ کی ایک مبارک ساعت میں اللہ تعالیٰ نے اس نیک گھرانے کو فرزند عطا فرمایا والد اور دادا کے نام کی مناسبت سے نام "انعام الحسن" تجویز ہوا۔ اس بچے کی خوش بختی اور سعادت پر زمانہ بھی ناز کرتا ہوگا کہ والدین بھی اتنے نیک و صالح، علم و عمل کے پیکر دادا دادی نانا نانی ماموں چچا ہر ایک، ایک سے بڑھ کر ایک، کس کس بزرگ ہستی نے کس کس انداز میں توجہ اور دعا فرمائی ہوگی۔ اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کو یہ نعمت میسر آئی ہو۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا جھوٹا اس بچے نے چکھا ہوگا۔ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دست شفقت اور نگاہ التفات نے اس بچے کی گھٹی میں تواضع و انکساری سموئی ہوگی۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ نور اللہ مرقدہ کی شفقت سے یہ بچہ سیراب ہوا ہوگا۔ اور سب سے زیادہ

اس بچے کی خوش بختی اور سعادت کہ یہ بچہ اس وقت دنیا میں آیا جب رب کائنات کی طرف سے اس کے والد کے ماموں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو مسلمانوں کی اصلاح کا کام سونپا جاتا ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی طرف سے مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کو بشارت عطا ہوئی کہ الیاس تم سے بڑا کام لیا جائے گا۔ مولانا الیاس صاحب اس انقلابی دور میں مستقبل کے جانشینوں کی تلاش میں رب کائنات کے اس تحفہ کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے۔ فوراً انعام الحسن پر نگاہ انتخاب پڑتی ہے اس سے ٹھیک ایک سال قبل ۲۵ جمادی الاول ۱۳۳۵ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء بروز بدھ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانشینی کا تحفہ عطا ہوتا ہے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ ان دونوں جانشینوں کی ولادت کا دن بھی ایک اور ولادت کا مہینہ بھی ایک ہے۔ حضرت مولانا الیاسؒ کی نگاہ انتخاب نے اس بچے کی قسمت بدل دی اس کی تعلیم و تربیت کا رخ ہی پھر گیا۔ بچپن ہی سے مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تربیت میں آ گئے۔ والدین نے جب بزرگوں کی توجہ دیکھی خصوصی طور پر مولانا محمد الیاس کی تو اور زیادہ دیکھ بھال میں احتیاط شروع ہو گئی کیونکہ مولانا الیاسؒ کی شہرت خاندان میں ولی کامل کی تھی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی والدہ محترمہ اکثر بیٹے کو مخاطب کر کے کہتیں الیاس مجھے تیرے ساتھ اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی صورتیں نظر آتی ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ سے ایک مرتبہ مولانا محمد الیاسؒ نے عرض کیا۔ حضرت ذکر کرتے وقت مجھے قلب پر بوجھ سا محسوس ہوتا ہے تو حضرت گنگوہیؒ متفکر ہو گئے اور فرمایا ایک مرتبہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے مرشد کامل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کی شکایت کی تھی تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا اللہ آپ سے کام لے گا۔ صفائی و طہارت کا خصوصی اہتمام ہونے لگا تعلیم کی عمر شروع ہوئی تو اکابر علماء کرام نے بسم اللہ کرائی۔ حافظ منگتو صاحب کے حصے میں بڑے بڑے علماء کرام کو حفظ کرانے کی سعادت آچکی تھی۔ مولانا انعام الحسن نے اس بزرگ خادم قرآن کے سامنے حفظ قرآن کیلئے زانوئے تلمیذ طے کئے اور بہت جلد تکمیل حفظ قرآن کی سعادت سے مالا مال ہو کر والدین کیلئے قیامت کے دن عظیم الشان تاج کے سبب بنے حفظ قرآن کی دولت حاصل کرنے کے بعد نانا محترم سے فارسی اور ابتدائی صرف و نحو کی کتابوں کا آغاز کیا۔ حضرت مولانا الیاسؒ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ ان کے جانشین کا تعلیمی نظم و ضبط دوسرے کے ہاتھ میں ہو اس لئے فوراً ان کو اور مولانا محمد یوسف صاحبؒ کو لیکر دہلی روانہ ہو گئے جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے تبلیغی مشن کا مرکز تھا۔ یہیں سے آپ کا ساتھ مولانا محمد یوسفؒ سے ایسا ہوا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس رفاقت کو نہ ختم کر سکی۔ مولانا انعام الحسنؒ نے مولانا محمد یوسف کے ہمراہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے ابتدائی تعلیم شروع کر دی۔ کہاں مولانا محمد الیاسؒ اور کہاں ابتدائی کتابیں لیکن معاملہ ڈھیلا کا نہیں تھا جانشین کی تیاری کا تھا۔ شیخ الاسلام شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ پر جب جانشینی کیلئے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کی نگاہ انتخاب پڑی تو ابتدا سے لیکر انتہائی تعلیم تک نگرانی فرمائی۔ حضرت شیخ الہند کو جب جانشین کی ضرورت محسوس ہوئی تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کو "مالا بد منہ" اور "میزان الصرف" سے لیکر بخاری شریف تک خود تعلیم دی آج جب مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو جانشین بنانا تھا تو ان دونوں کو دوسرے کے حوالے کیسے کر سکتے ہیں نقش، اول تو اس عمر میں ثبت ہوتے ہیں۔ اثرات قبول کرنے کا تو یہی وقت ہے۔ آئیڈیل تو اسی عمر میں تشکیل پاتے ہیں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس عمر کو کیسے ضائع کر سکتے تھے۔ اس لئے ابتدائی اکثر کتابیں مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے خود پڑھائیں جب دیکھا کہ سنبھل گئے۔ اثرات قبول کر لئے۔ بھٹکنے کی عمر سے نکل گئے تو اعلیٰ کیلئے اپنے، مادر علمی مظاہر العلوم سہارنپور بھیج دیا۔ سہارنپور اس وقت علم و عمل کی تربیت کیلئے ممتاز درجے پر فائز تھا۔ اکابر علماء کرام کی سرپرستی تھی۔ متوسط کتابیں پڑھانے والے بھی بڑے بڑے درجے کے علماء کرام تھے۔ اور حدیث پڑھانے والوں کے منصب و مقام کا کیا ٹھکانہ۔ مسند بخاری پر رونق افروز تھے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ جن کے نام کا حصہ ہی شیخ الحدیث بن گیا تھا۔ جن کو نوجوانی میں ہی مسند حدیث پر بٹھا دیا گیا تھا۔ جن کے درس میں بیٹھنے کیلئے بڑے بڑے علماء کرام تشریف لاتے تھے۔ مسند ترمذی پر رونق افروز تھے فرشتہ صفت بزرگ ہستی مولانا عبدالرحمن، کامل پوری کہ جب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت اقدس میں بیعت کیلئے حاضر ہوئے تو فرمایا تمہیں کیا ضرورت تم تو کامل پورے ہو۔

مظاہر العلوم میں سن ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں حضرت مولانا صدیق کشمیری۔ مولانا عبدالشکور قاری سعید احمد۔ مفتی جمیل احمد سے

متوسط درجہ کی کتابیں پڑھیں جبکہ احادیث شریف کی سند سن ۱۳۴۵ھ میں شیخ الحدیث مولانا زکریا، حضرت مولانا عبداللطیف، حضرت مولانا منظور احمد حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری سے حاصل کی۔ تعلیمی قابلیت اور استعداد کے بارے میں اس زمانہ میں کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ کہ پیدا نہیں ہوگی۔ کیونکہ نہ صرف پڑھانے والے مخلص ترین علماء کرام تھے بلکہ پڑھنے والے بھی جس قسم کی محنت کرتے تھے آج کے طالب اس کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا، محمد زکریا ایک طالب علم کے بارے میں آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

مجھے اس ولایتی طالب علم کے بارے میں ہمیشہ رشک رہا۔ حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے وہ شادی کے بعد پہنچا۔ تہجد کے وقت سے لیکر نصف شب تک وہ مختلف اساتذہ کرام سے درس لیتا اور مطالعہ کرتا۔ کھانا ایک گھر سے آجاتا تھا کھانا لانے والے کو وہ کہہ دیتا کہ سالن لے جاؤ اور خود سوکھی روٹی کھاتا، رہتا تھا لیکن کتاب سے نظریں نہ اٹھتیں مجھے اس کے طریقے اور انہماک پر بہت زیادہ رشک آتا۔

حضرت مولانا عبدالحئی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے والد صاحب نے ایک دفعہ یہ آزمانے کیلئے کہ صاحبزادے کو علمی ذوق حاصل ہو گیا ہے یا ایسے ہی کتابوں کو دیکھنے میں پانی کی جگہ تیل کٹورے میں بھر کر بھیج دیا۔ مولانا عبدالحئی صاحب نے کتابوں پر نظریں جمائے ہوئے پانی کی جگہ تیل پی لیا اور احساس تک نہیں ہوا۔ والد صاحب نے کہا کہ اب مطالعہ کا چسکہ لگ گیا۔

یہ تو طلباء کا حال تھا اس دور میں پڑھانے والے ایسے تھے کہ تعلیم کیلئے دن رات کا سکون ختم کر دیں اور طالب علم کو اپنے لئے نعمت سمجھیں تو ان اساتذہ کرام کی محنتوں کے ثمرات کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ مظاہر العلوم سہارنپور کے استاذ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی خدمت میں ایک شاگرد حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی مجھے فلاں کتاب پڑھا دیں۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے فرمایا کہ صبح نماز سے لیکر تمام اوقات میں تعلیم کا سلسلہ ہے بہت سوچ بچار کے بعد فرمایا۔ اچھا تہجد اور فجر کے درمیان کے وقفہ میں آکر سبق پڑھ لیا کرو۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک مرتبہ ایک طالب علم نے درخواست کی تو کوئی وقت فارغ نہ تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد عصر کے وقت آپ ٹہلنے کیلئے حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار تک تشریف لے جاتے تھے۔ خانقاہ سے حضرت کے مزار تک کے راستہ کے وقت اس طالب علم کو کتاب کا درس دیا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تو عام معمول تھا کہ رات دن کا لحاظ کئے بغیر درس جاری رکھتے عام طور پر سفر سے رات کے وقت واپس تشریف لاتے۔ گیارہ بجے بارہ بجے آتے ہی سیدھے درس گاہ تشریف لے جاتے اور گھنٹی بج جاتی تمام طلباء ذوق و شوق سے جمع ہو جاتے اور چار بجے تک سبق جاری رہتا۔ یہ ایک دن کا معمول نہیں تھا بلکہ سالہا سال تک آپ نے اپنا یہ معمول جاری رکھا ان اساتذہ کرام کی اس محنت کا ثمرہ تھا کہ طلباء میں بھی تعلیمی شوق بڑھتا رہتا۔ پھر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب جیسے طالب جن کا پورا گھرانہ ہی علمی ذوق کی وجہ سے پورے ہندوستان میں مشہور تھا۔ حضرت مولانا یحییٰ صاحب کے بارے میں لکھا ہے دھلی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ابتداء ہی سے خیال تھا کہ فقیہ ملت اپنے دور کے امام ابو حنیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث کا درس لیں دورہ حدیث کا وقت آیا تو حضرت گنگوہیؒ آشوب چشم کی وجہ سے حدیث کا درس دینا چھوڑ چکے تھے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے تہیہ کر لیا کہ حدیث نہیں پڑھنی کیونکہ حضرت گنگوہی کے بعد کس سے حدیث پڑھی جا سکتی ہے۔ امتحان کا وقت قریب تھا، مدرسہ والوں نے زور دیا کہ امتحان دے دو۔ احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کر کے امتحان دیا تو سب کتابوں میں اول۔ امتحان لینے والے حضرت گنگوہی کے خلیفہ ارشد بذل المجہود کے مؤلف حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تھے انہوں نے حضرت مولانا یحییٰ صاحب کے اندر چھپے ہوئے ذی استعداد انسان کو دیکھ لیا اس لئے حضرت گنگوہیؒ سے درخواست کی کہ حضرت ایک سال آپ اور درس حدیث مرحمت فرمائیں۔ تاکہ یحییٰ کاندھلوی نامی طالب علم حدیث کا درس آپ سے حاصل کر سکے اور مستقبل میں حدیث کی خدمت کا فریضہ انجام دے سکے۔ اس خاندان کے چشم و چراغ مولانا انعام الحسن جن کو قابلیت اور تعلیم کا شوق خاندانی ورثہ کے طور پر حاصل ہوا تھا سہارنپور داخل ہو گئے تھے۔ خود اپنی تعلیم کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے،

"تعلیم کے دوران میں نے اور مولانا محمد یوسف نے آپس میں یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ تمام رات تعلیم میں گذارنی چاہئے اس کی ترتیب یوں بنائی کہ معقول کے تکرار کے بعد نصف شب میں مطالعہ کروں اور نصف شب (مولانا) محمد یوسف صاحب تاکہ صبح استاد کے سامنے بغیر

مطالعہ اور سبق دیکھے نہ جانا پڑے۔ ایک دن پہلی نصف شب میں جاگ کر مطالعہ کرتا اور نصف شب میں (مولانا) محمد یوسف کو جگا دیتا۔ دونوں چائے پیتے میں سو جاتا اور (مولانا) مطالعہ کرتے۔ رات کے آخری وقت تہجد میں مجھے وہ اٹھا دیتے اور دونوں پھر تہجد میں مشغول ہو جاتے۔ دوسرے دن ترتیب اس کے برعکس ہوتی۔"

اس ترتیب کی تعلیمی کیفیت کے ساتھ دورہ حدیث شریف میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اور دیگر اکابر علمائے کرام کی نگرانی میں تعلیم جاری تھی۔ اساتذہ کرام کو طلباء پہ ناز تھا اور طلباء اساتذہ کرام سے استفادہ کیلئے ہمہ تن تیار رہتے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ سہ ماہی امتحان میں بہترین نمبرات حاصل کرنے پر میں نے بذل المجہود اور لامع الدراری حدیث شریف کی کتاب دینے کا اعلان کیا۔ مولانا انعام الحسن ان خوش قسمت طلباء میں سرفہرست تھے جنھوں نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے اعلان کے مطابق انعامی کتب حاصل کیں اور ایسا کوئی ایک مرتبہ نہیں ہوا۔ ہر امتحان میں مولانا انعام الحسنؒ انعام حاصل کرتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حدیث شریف کی نسبت بھی مولانا انعام الحسن اور مولانا محمد یوسف صاحب کی قسمت میں اپنے مربی اور مرشد مولانا محمد الیاس صاحب کے حصے میں ہی تھی۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ درمیان سال بیمار ہو گئے اور ان کو دھلی نظام الدین منتقل ہونا پڑا۔ مولانا انعام الحسن ساتھی کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ وہ بھی ساتھ ہی دھلی تشریف لے گئے اور کتب حدیث کا بقیہ حصہ حضرت مولانا الیاسؒ سے پورا فرمایا تو گویا کہ ابتدائی کتابوں سے لیکر احادیث شریعت کی انتہائی کتابوں تک میں تلمذ کی سعادت مولانا محمد الیاس صاحب سے حاصل ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

طالب علمی کے دور سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا حضور ﷺ کی طرف سے تفویض کردہ تبلیغی مشن کامیابی کی طرف رواں دواں تھا۔ نظام الدین کی ایک مسجد سے آغاز شدہ کام میوات کے اطراف سے نکل کر برصغیر کے علاقوں میں آہستہ آہستہ، اپنی جڑیں پکڑ رہا تھا۔ کام کی وسعت کی وجہ سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو ہمہ وقتی معاونین کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تعلیم سے فارغ ہوئے تو مربی و مرشد نے تدریس کی ذمہ داری کے ساتھ تبلیغی ذمہ داریاں بھی سپرد کر دیں۔ حضرت مولانا انعام الحسن نے دونوں ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی نبھایا اور بہت تھوڑی ہی مدت میں ابتدائی کتابوں سے ترقی کرتے کرتے شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز ہوئے۔ کوئی کتاب ایسی نہیں تھی جس کا درس آپ نے نہ دیا ہو۔ بستی نظام الدین کے مدرسہ کو آپ کی تشریف آوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تشریف آوری سے چار چاند لگ گئے۔ تبلیغی مشن سے وابستہ ہزاروں نوجوانوں نے اس مرکز سے، جہاں اپنے تبلیغی جذبہ کو تسکین پہنچائی وہیں اپنی علمی تشنگی کو بھی دور کیا۔ بستی نظام الدین کا مدرسہ اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ تھا۔ جہاں طلباء اور اساتذہ کرام ایک خصوصی مزاج کے حامل تھے۔ ایثار و قربانی تمام اساتذہ کرام اور طلباء میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے تحریر کردہ اس واقعہ سے اس مدرسہ کی خصوصیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ رقم طراز ہیں،

"سہارنپور سے ایک عزیز فارغ ہوئے۔ علمی استعداد بہت رہی تھی اس لئے خیال ہوا کہ اس کا مظاہر العلوم یا اس کی کسی شاخ میں تقرر کرا دوں تا کہ مادرِ علمی اس کی علمی قابلیت سے استفادہ کرے۔ اس دور میں ۲۵ روپے شاخوں کے مدرسین کی تنخواہ تھی۔ اس کو بعض مدرسین نے آمادہ کیا کہ ۲۵ روپے کی بجائے زیادہ تنخواہ طلب کرنا تا کہ ہماری تنخواہوں میں بھی اضافہ ہو جائے۔ اس سے جب میں نے بات کی تو اس نے اساتذہ کے لکھائے ہوئے سبق کے مطابق گفتگو کی اس بنا پر اس کا تقرر نہ ہو سکا۔ پتہ نہیں کس طرح نظام الدین کے بزرگوں نے اس کو اچک لیا اور ترغیب دے کر اپنے مدرسہ کیلئے ۸ روپے مشاہرہ پر لے گئے۔ کچھ عرصہ بعد میرا نظام الدین جانا ہوا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ اس نے یہاں آٹھ روپے پر تدریس قبول کر لی ہے۔ بڑی حیرانگی ہوئی میں نے اس کو تخلیہ میں بلایا اور پوچھا کیا معاملہ ہے۔ سہارنپور میں ۲۵ روپے تنخواہ پر تو راضی نہ تھا یہاں ۸ روپے پر نہ صرف راضی ہوا بلکہ تدریس کے ساتھ دیگر خدمت میں پیش پیش۔ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ نہایت شرمندگی سے عرض کیا۔ میرا کوئی قصور نہیں۔ ماحول کے اثرات ہیں"

تدریس و تبلیغ، مہمانوں کی ہمہ وقت خدمت کے ساتھ دیگر اپنے دینی معمولات کی ادائیگی بستی نظام الدین کے اساتذہ کرام اور طلباء

کرام کا عام معمول تھا۔ سیکڑوں اور ہزاروں مہمان جو وقت اور حالات کے مطابق بستی نظام الدین میں تشریف لائے کہ ان کی مختلف علاقوں میں تشکیل کی جائے ان کی خدمت اور کھانا پکانے کیلئے کوئی ملازمین مقرر نہیں تھے۔ ان آنے والوں میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی بھی ہیں۔ حضرت مفتی کفایت اللہ مولانا عبد القادر رائے پوری۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔ مولانا منظور احمد نعمانی۔ مولانا عبد الرحمن کامل پوریؒ جیسی عظیم المرتبت شخصیات بھی ہیں۔ ان حضرات اور عام مسلمانوں کی خدمت کیلئے مولانا انعام الحسن سمیت تمام اساتذہ کرام اور طلباء عظام ہمہ وقت حاضر۔ تہجد کے وقت سے جو مشغولیت کا سلسلہ شروع ہوتا رات گئے تک جاری رہتا کئی کئی دن گھر جانے کی فرصت نہیں ملتی جو وقت خدمت اور تبلیغی کاموں سے فراغت کا ملتا وہ تدریس میں صرف ہو جاتا۔ بقول حضرت شیخ الحدیث کام تو اس صورت میں ممکن ہے جب انسان اس کیلئے مجنون ہو جائے۔ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا تبلیغ سے وارفتگی کا جذبہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسنؒ میں آہستہ آہستہ سرایت کرتا جا رہا تھا تدریس اور تبلیغ دونوں بزرگوں کا اوڑھنا، بچھونا بنتا جا رہا تھا۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ابھی ان کی مزید ترتیب کی ضرورت ہے ابھی ایک سلسلہ باقی ہے۔ اس میں کمی نہ رہ جائے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ تدریس اور تبلیغی خدمات کیوجہ سے ابھی تک اس طرف متوجہ ہی نہ ہو سکے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے ایک مرتبہ پوچھا۔ انعام و یوسف تم نے مولانا محمد الیاس صاحب سے بیعت کر لی۔ جواب دیا نہیں۔ نہ حضرت والا نے حکم فرمایا اور نہ اس طرف مشغولیت کی وجہ سے ہماری توجہ ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ جن کی تمام زندگی لوگوں کی اصلاح کی فکر میں صرف ہوتی تھی اس جواب سے کیسے متفکر نہ ہوتے۔ بہت ہی تاسف اور حیرت کا اظہار فرمایا کہ ابھی تک تم دونوں نے بیعت نہیں کی۔ کیسی بغیر بیعت کے بھی زندگی گذرتی ہے۔ حدیث میں سند حاصل کر لی اور اپنی نسبت پکی کر لی۔ تصوف و سلوک کے بغیر بھی کہیں دین میں رسوخ پیدا ہو سکتا ہے؟ فوراً حکم دیا کہ جاؤ چچا جان سے بیعت کی درخواست کرو۔ دونوں تو خود اس وقت کے منتظر تھے۔ آج تک خود کوئی درخواست نہیں کی تھی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب خود ہی رہنمائی اور دستگیری فرماتے رہے لیکن تصوف و سلوک کی بات ہی کچھ اور ہے۔ یہاں بلا کر نہیں طلب پر کام ہوتا ہے۔ یہاں مربی و شیخ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ طالب کو خود بار بار طلبگار بننا پڑتا ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب یہاں بھی کیسے تنہا جا سکتے تھے۔ جس رفیق کے ساتھ تدریس کا ایک ایک لمحہ گذرا۔ جس رفیق کے ساتھ علمی تربیت ہوئی تو روحانی منازل اس کے بغیر کہاں طے ہو سکتے تھے دونوں تیار ہوئے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کیلئے بیعت کے خواستگار ہوئے۔ مربی و شیخ نے دیکھا کہ جذبہ تزکیہ نفس عروج پر پہنچ گیا ہے۔ پھل پکنے کے قریب ہے ذرا سی آنچ کی ضرورت ہے۔ معمولات اور تبلیغ کے مجاہدہ نے قلب کو مصفیٰ کر دیا ہے۔ تو ایک روز حکم دیا۔ بعد نماز ظہر تیار ہو کر غسل کر کے آجانا۔ دونوں حیرت زدہ ہوئے بیعت تو عام طور پر حضرت مولانا الیاس صاحب مغرب کے بعد کرتے ہیں۔ بیعت کرنے والوں کی کثرت ہوتی ہے۔ یہ کیا ہمیں تو تخلیہ میں طلب فرمایا۔ لیکن ان کو کیا معلوم یہ کن کی بیعت ہے اور اس بیعت کے مقاصد کیا ہیں۔ اور اس خاندان سے اللہ تعالیٰ نے کام لینا ہے اس لئے اس کا طریقہ ہی مختلف ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں۔ جب میری حدیث شریف کی تعلیم کا آغاز ہوا تو ایک دن والد محترم نے مجھے بلایا۔ خود بھی غسل فرمایا اور مجھے بھی غسل کا حکم دیا۔ پھر دو رکعت نماز ادا خود بھی فرمائی اور مجھے بھی نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ پھر دیر تک دعا میں مشغول ہو کر اور رو رو کر دعا فرماتے رہے۔ مجھے تو معلوم نہیں کہ والد صاحب کیا دعا کرتے رہے البتہ میں باربار یہ دعا دہراتا رہا۔ اے اللہ حدیث شریف کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اب مرتے تک اس کے ساتھ وابستہ رکھیو۔ پھر والد محترم اور حضرت شیخ الحدیث کی دعا کی قبولیت کے اثرات دنیا نے دیکھے۔ شیخ الحدیث کا منصب عطا ہوا۔ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے ساتھ بذل المجہود شرح ابوداؤد میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ تمام مشکل کتابوں کی شرح لکھنے کا شرف عطا ہوا۔ فضائل کی کتابوں کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ کروڑوں انسان ہمہ وقت پوری دنیا میں اس کی تعلیم کرتے ہیں۔ لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ پچاس سال سے زائد مسند حدیث پر لاکھڑا کیا۔ آج ان کے خاندان کے دو فرد ان کے چچا جان کی خدمت میں تزکیہ نفس کے آغاز کیلئے حاضر تھے۔ عام طریقے سے بیعت ہو جاتی تو پھر دونوں "حضرت جی" کے منصب پر کیسے فائز ہوتے۔ دنیا بھر میں تبلیغی کام کی سرپرستی کس طرح کرتے۔ حضرت مولانا الیاس "غسل

کر کے نماز میں مشغول، دونوں جانشیں بھی غسل کر کے پاک وصاف ہو کر نئے عزم اور نئے حوصلے کے ساتھ امتحان کے میدان میں اترنے کیلئے نئے ولولے اور نئے جذبے کے ساتھ خدمت میں پہنچے۔ حضرت مرشد کامل نے حکم دیا۔ دو رکعت نماز ادا کرو۔ دونوں نے نیت باندھی تو آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو گیا۔ قلب کی صفائی کا آغاز ہو گیا۔ عجیب کیفیت اور حالت طاری ہو گئی۔ نیا عہد اور نیا وعدہ اور مستقبل میں ایفائے عہد کے تصور سے روح کانپ اٹھی۔ خوف اور امید کا نیا احساس اجاگر ہوا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو مرشد نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ اٹھا دیئے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا پسندیدہ نذرانہ پیش کیا۔ بڑی دعا تھی۔ بڑی خواہش تھی۔ اونچی تمنا تھی۔ عظیم طلب تھی۔ بغیر کسی سفارش کے کیسے قبول ہوتی اس لئے پہلے پسندیدہ حالت بنائی۔ محبوب رب العالمین ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو دو آنکھیں بہت پسند ہیں۔ ایک وہ آنکھ جو سرحدات اسلام کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کیلئے رات بھر جاگ کر پہرہ دے۔ دوسری وہ آنکھ جو خوف خداوندی کی وجہ سے موتیوں کی صورت میں آنسوؤں کی لڑی یا ایک آنسو کا قطرہ دربار خداوندی میں پیش کرے۔ آج حضرت مولانا محمد الیاسؒ حضرت مولانا محمد یوسفؒ حضرت مولانا انعام الحسن رحمہم اللہ اپنے محبوب رب العالمین کے دربار میں ہاتھ اٹھائے آنسوؤں کا نذرانہ لئے۔ آنکھوں کو محبوب کی پسندیدہ بنائے التجا فرما رہے ہیں اے اللہ تیری رضامندی اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں مسلمانوں کو نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا کرنے کیلئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اعمال پیدا کرنے کیلئے تبلیغ کا کام شروع کیا ہے۔ اے اللہ میں ضعیف اور کمزور ہو گیا ہوں وقت موعودہ کے قریب پہنچ چکا ہوں اللہ اس کام کو جاری و ساری رکھنے کیلئے معاون پیدا فرما۔ یہ دونوں میری اولاد میں سے ہیں۔ ان کو قبول فرما۔ اے اللہ تیرے دربار میں یہ توشہ پیش خدمت ہے۔ اے اللہ پیغمبروں نے دعا فرمائی کہ ہماری اولاد میں سے دین کا کام کرنے والا پیدا فرما تاکہ دین کا سلسلہ جاری رہے اے اللہ ان کی سنت کے مطابق میں بھی آپ سے التجا کرتا ہوں بھیک مانگتا ہوں، اے اللہ ان کو قبول فرمالے۔ میرا جانشین بنا دے۔ میرا علمی اور تبلیغی وارث بنا دے۔ اے اللہ ان سے کام لے لے اے اللہ ان سے کام لے لے، اے اللہ ان دونوں کے ذریعہ اہل تبلیغ کو متحد و متفق رکھنا، اے اللہ ان دونوں کے فیض کو شرق و غرب اور شمال و جنوب میں پھیلا دے، اے اللہ ان دونوں کا فیض عام کر دے، ان دونوں کو مقبولیت عامہ عطا فرما۔ اے اللہ ان دونوں کی اصلاح فرما۔ تزکیہ نفس فرما۔ ظاہر و باطن پاک وصاف کر دے۔

بڑی دیر دعائیں کر کے دونوں بچوں کی طرف رخ کیا۔ اپنے دست مبارک سے مولانا محمد یوسف مولانا انعام الحسن کا داہنا ہاتھ گرفت میں لیا۔ کچھ دیر مراقبہ کئے ہوئے بیٹھے رہے۔ نگاہوں سے قلب اور سینہ کی طرف توجہ فرمائی اور پھر آہستہ آہستہ خطبہ مسنونہ کے ذریعہ اپنے رب کی حمد و ثنا فرمائی نبی آخر الزماں ﷺ کی خدمت عالیہ میں درود شریف کا ہدیہ پیش فرمایا اور پھر فرمایا۔ کہو میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں توبہ کرتا ہوں شرک سے، کفر سے، نفاق سے، ہر چھوٹے بڑے گناہ سے، ہر بری بات سے، ہر عیب سے چاہے ظاہری ہو چاہے باطنی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ شرک کے قریب نہیں جاؤں گا۔ کفر کے قریب نہیں پھٹکوں گا۔ برائی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھوں گا۔ شراب کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ حرامکاری سے اجتناب برتوں گا۔ جھوٹ، فریب، دھوکہ، بدگوئی، بدزبانی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں گا۔ رمضان المبارک کے روزے رکھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے وسعت دی تو زکوٰۃ ادا کروں گا۔ مزید توفیق ہوئی تو حج ادا کروں گا۔ میں بیعت کرتا ہو چاروں سلسلوں میں مولانا محمد الیاس کے ہاتھ پر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرف سے۔ اے اللہ مجھے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکہ رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کی برکتیں اور رحمتیں نصیب فرما۔

بیعت فرمانے کے بعد حضرت مولانا الیاسؒ کے چہرے پر خوشی و انبساط کی ایک خاص کیفیت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت آپ پر خصوصی نعمت نازل ہوئی ہے آپ نے بیعت کے بعد بے ساختہ فرمایا بہت مبارک ہو اور پھر ایک دم خوشی سے فرمایا۔ انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی بیعت کے بعد ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا۔ سابقہ تدریسی، تبلیغی اور مہمانوں کے اکرام، حضرت مولانا الیاس صاحب کی خدمت کے علاوہ تزکیہ نفس کیلئے مجاہدات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شیخ نے جن معمولات کی تلقین

فرمائی ان کو زندگی کا حصہ بنا لیا، فارغ وقت میں ذکر و اذکار، حزب الاعظم، دلائل الخیرات، حصن حصین، مناجات قبول، قرآن مجید کی تلاوت گویا جزو زندگی بن گیا۔ غذا کے بغیر تو گزارہ ہو سکتا تھا لیکن ان معمولات کے بغیر گذارا ہی نہیں ہوتا تھا۔ ادھر حضرت مولانا الیاسؒ پر کام کے پھیلانے کا جذبہ روز افزوں ترقی پر تھا اور یہ جذبہ ان کو ایک پل چین لینے نہیں دیتا تھا۔ کبھی ایک علاقے میں کبھی دوسرے علاقے میں دونوں جانشین ہر اجتماع میں ساتھ ادھر مدرسہ دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، خانقاہ تھانہ بھون، خانقاہ رائے پور اور دیگر مدارس میں محنت کر کے علماء کرام اس کام میں جڑ جائیں تو کام کی رفتار کا کیا ٹھکانہ۔ ایک دن حضرت مولانا عاشق الٰہی سے فرمانے لگے۔ اگر تمام علمائے کرام کے دلوں میں اس کام کا احساس پیدا ہو جائے تو اکیلے کو کام میں کڑھنے کی اور اتنا مدہوش ہونے کی کیا ضرورت پڑے مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا ابو الحسن علی ندوی سے گھنٹوں گفتگو کے کہ کسی طرح اگر یہ تینوں کام میں جڑ جائیں تو بہت ہی افادیت کا امکان، ادھر بار بار حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا زکریا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کی رفاقت کی تمنا کہ ان بزرگ ہستیوں کی وجہ سے عوام متوجہ ہو جائیں۔ آپ کی یہ محنت رنگ لائی اور کام تیزی سے پھیلنے لگا فکر ہوئی کہ ہندوستان سے باہر خصوصاً حجاز میں اگر کام شروع ہو جائے تو متوقع ہے کہ کام کی رفتار تیز ہو گی۔ کیونکہ اصل مرکز تو حجاز ہے۔ تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کی معیت میں حج کیلئے تشریف لے گئے۔ مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن ہمراہ ہیں۔ منیٰ، عرفات، مکہ مکرمہ، مدینہ النبی ﷺ میں لوگوں کو دین کی تبلیغ کی تلقین، ایک ایک کی خوشامد، کہیں خود بیان کر رہے ہیں۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور علوم شرعیہ مدینہ منورہ تبلیغی مرکز میں تبدیل ہو گئے حضرت شیخ الحدیث کی وجہ سے علمی افراد کی کثرت سے آمد رہتی۔ یہ تینوں حضرات ان علمائے کرام کو اس کام کی طرف متوجہ کرتے رہتے۔ اسی محنت و لگن نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو اندر سے کھوکھلا کر دیا۔ اور آخر کار وقت موعود آن پہنچا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا منظور نعمانی، مولانا ابو الحسن علی ندوی اور بڑے بڑے اکابر علمائے کرام تشریف فرما ہیں۔ ذرا سا افاقہ ہوتا تو مجمع میں تشریف لاتے۔ علمائے کرام کو بار بار بلاتے۔ کام کیطرف متوجہ فرماتے۔ مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن صاحبؒ کو بار بار تخلیہ میں یاد فرمایا۔ کیا کیا مقامات طے کرائے۔ سلوک کی کن کن منازل کو عبور کرایا۔ یہ تو اللہ رب العزت ہی کو معلوم ہے لیکن جب وفات کے بعد کے حالات دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں کی طرف اپنی نسبت تامہ مکمل کر دی۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں۔ وفات سے تین دن قبل مجھے تخلیہ میں بلایا اور فرمایا کہ اب میرا آخری وقت ہے محمد یوسف اور انعام الحسن کے علاوہ دیگر دو چار آدمیوں کو جو صاحب نسبت ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے مشورہ سے جسے مناسب سمجھو امیر مقرر کر لینا۔

ایک جگہ حضرت شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں،

حضرت کی وفات کے بعد بحث ہوئی کہ حضرت کی نسبت کس طرف منتقل ہوئی۔ کسی نے کہا تیری طرف کسی نے کہا فلاں کی طرف کسی نے کچھ۔ میں نے کہا تم قیاس آرائیاں کرتے رہو وہ تو لونڈا (مولانا محمد یوسف صاحب) لے اڑا۔

حضرت مولانا الیاسؒ کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسفؒ کو امیر مقرر کیا گیا لیکن یک جان دو قالب کے مصداق سفر و حضر، اور ہر مشورے میں مولانا انعام الحسن رفیق کی حیثیت سے ساتھ رہے۔ حضرت مولانا یوسف صاحب نے حجاز اور دیگر ممالک کی طرف کام کو وسیع کرنے کی کوشش فرمائی حضرت مولانا انعام الحسن آپ کے شانہ بشانہ کام کو تیز فرمانے کیلئے جدوجہد کرتے رہے۔ حضرت مولانا الیاسؒ کے زمانہ میں کام کا آغاز تھا، حضرت مولانا یوسف کے زمانہ میں توسیع کا آغاز ہوا۔ اور حضرت مولانا انعام الحسن کے زمانہ میں کام پوری دنیا میں پھیل گیا پہلے امیر و بانی کے ساتھ جن دو ہستیوں نے کام کا آغاز کیا تھا تیسری ہستی مولانا انعام الحسن کے زمانہ میں ہی کام کی ایک حد تک تکمیل ہو گئی۔ حضرت مولانا الیاسؒ کی طرح مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسنؒ نے بھی معمول کے مطابق ایک سال سفر حجاز اور ایک سال اعتکاف کی سنت کو جاری رکھا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے طریقہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں نوجوانوں کی رفاقت حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے کسی ساتھی نے ترک نہیں کی۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مولانا انعام الحسنؒ کی وفات پر تعزیتی بیان کے سلسلے میں

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"کیسا غلط رواج ہو گیا ہے، دوسرے لوگ ہماری بات مان لیں تو اسکو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور نہ مانیں تو اس کو ہماری ناکامی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس راہ میں یہ خیال کرنا بالکل ہی غلط ہے، دوسروں کا ماننا یا نہ ماننا تو ان کا فعل ہے، اکے کسی فعل سے ہم کامیاب یا ناکام کیوں کیے جائیں، ہماری کامیابی یہی ہے کہ ہم اپنا کام پورا کر دیں، اب اگر دوسروں نے نہ مانا تو یہ انکی ناکامی ہے۔ ہم اکے نہ ماننے سے ناکامیاب کیوں ہو گئے؟ لوگ بھول گئے، وہ منوا دینے کو (جو درحقیقت خدا کا کام ہے) اپنا کام اور اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے، حالانکہ ہماری ذمہ داری صرف بطریق حسن اپنی کوشش لگا دینا ہے منوانے کا کام تو پیغمبروں کے سپرد نہیں کیا گیا۔

ہاں نہ ماننے سے یہ سبق لینا چاہئے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی اور ہم سے حق ادا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ نتیجہ ہمیں دکھلایا اور اس کے بعد اپنی کوشش کی مقدار بڑھا دینے اور دعاء و توفیق طلبی میں بھی کماً و کیفاً اضافہ کرنے کا عزم کر لینا چاہئے۔"

لکھتے ہیں۔

حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے زمانہ میں پوری دنیا میں کام پھیل گیا اور تبلیغی کاموں کو عوام الناس میں مقبولیت حاصل ہوئی (اس کی اصلی وجہ تو تائید الٰہی ہے) اس میں مولانا انعام الحسنؒ کے اس طرز کا زیادہ دخل ہے کہ انہوں نے کام کے نہج کو اپنے مرشد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے طریقے کے مطابق جاری رکھا اور ان اسلوب اور اصولوں کی پاسداری کی جو حضرت مولانا الیاسؒ نے اس کام کے سلسلے میں وضع فرمائے تھے۔

حضرت مولانا یوسفؒ کی وفات کے بعد آپ کے علاوہ اور کون نائب ہو سکتا تھا اس لئے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے آپ کی امارت کا اعلان فرمایا۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے امیر ہونے سے آپ کی ذات پر کیا اثر پڑتا تھا آپ کی ذات میں تو یہ کام پہلے ہی راسخ ہو چکا تھا بس اب فرق صرف اتنا ہوا کہ آپ "حضرت جی" کے نام سے پکارے جانے لگے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ تمام اطراف میں خطوط ارسال فرما دیئے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی تعزیت یہ ہے کہ ان کے کام میں شرکت کی جائے۔ جتنی رقم اور وقت نظام الدین میں تعزیت پر آنے کیلئے صرف ہو وہ وقت اور رقم اپنے علاقوں میں تبلیغی کام میں لگا دیں۔ اس خط کے بہت اچھے نتائج نکلے اور ہزاروں جماعتیں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ایصال ثواب کے عنوان سے روانہ ہوئیں اور کام میں ایک دم تیزی آگئی۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے زمانہ میں حجاز میں الحمدللہ کام کافی حد تک پھیل چکا تھا۔ عرب حضرات کے دل میں کام کی لگن پیدا ہو گئی تھی۔ اب یورپ۔ افریقہ اور امریکہ کے مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں تشویشناک خبریں آ رہی تھیں۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کو اس کی بہت زیادہ فکر تھی۔ تبلیغی کام کرنے والے ساتھی بارہا آپ کی توجہ اس طرف دلا چکے تھے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے اس کو فوقیت دی اور جماعتوں کی جماعتیں یورپ کی طرف روانہ کیں۔ ابتدا میں بہت زیادہ مشکلات پیش آئیں۔ بہت سے ساتھی معاشرہ کی خرابی میں بہہ گئے۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے ان اثرات کو ختم کرنے کیلئے مقامی نوجوان علمائے کرام کی جماعتیں تیار کیں۔ وہاں کے احباب کو خصوصی طور پر متوجہ کیا۔ پرانے لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا الحمدللہ حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے اخلاص کی برکت سے یورپ، افریقہ، امریکہ، اور مشرق بعید کے ممالک، روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں میں کام شروع ہوا۔ یورپ اور افریقہ میں کام کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ان علاقوں میں باقاعدہ سالانہ اجتماعات شروع ہوئے۔ ہر شہر میں تبلیغی مرکز قائم ہو گئے۔ تبلیغی کام کی برکت سے مدارس کا جال بچھ گیا۔ پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ کے اجتماعات میں لاکھوں افراد کی شرکت ہونے لگی۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے اس کام کو منظم کرنے کیلئے جو دور رس فیصلے فرمائے تھے اس کی برکت ہے کہ آج پوری دنیا میں کام کرنے والوں کی تعداد کئی لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ مختلف الخیال افراد شوریٰ میں شریک ہیں لیکن الحمدللہ حضرت مولانا الیاسؒ کے اصولوں کے مطابق کام بغیر کسی اختلاف کے

جاری ہے۔ اس میں مولانا انعام الحسنؒ کی اصابت رائے، دوبینی اور دور اندیشی کا بہت زیادہ دخل ہے۔ حضرتؒ جماعت کے امیر تھے اور تبلیغی اصولوں کے مطابق جماعت کے امیر کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوتا ہے۔ شوریٰ صرف مشورہ دینے کی مجاز ہے۔ کثرت رائے سے فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ پوری شوریٰ کی رائے کے خلاف تبلیغی کام کی افادیت کے پیش نظر فیصلے فرمائے لیکن حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی پوری امارت کی تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے اتفاق رائے کے بغیر کبھی فیصلہ نہیں فرمایا۔ مجلس شوریٰ کے ارکان بھی اس کے گواہ ہیں۔ عجیب منظر ہوتا تھا۔ شوریٰ کا اجلاس ہے۔ حضرت مولانا عمر پالن پوری، حضرت مولانا قاری عبید اللہ، حضرت مولانا مفتی زین العابدین، بھائی عبدالوہاب، حضرت مولانا سعید احمد خان اور دیگر بڑے بڑے حضرات تشریف فرما ہیں۔ ایک رائے آئی ہے۔ بہت شدت سے بحث جاری ہے کچھ لوگ ایک رائے کے حق میں دلائل کا انبار لگا رہے ہیں۔ دوسرے کچھ لوگ دوسری رائے کے حق میں مدلل گفتگو کر رہے ہیں۔ دونوں طرف کے دلائل اس کے متقاضی کہ ان کے حق میں فیصلہ ہو۔ "حضرت جی" اطمینان سے دونوں طرف کی باتیں سن رہے ہیں۔ ہر ایک مطمئن کہ "حضرت جی" ان کے دلائل کے مطابق فیصلہ دیں گے۔ حضرت جی فرماتے ہیں دلائل جاری رکھیں۔ ایک ایک کر کے دونوں طرف کے احباب ایک دوسرے کی رائے سے قریب ہو رہے ہیں۔ دلائل کا سلسلہ جاری ہے تاآنکہ تمام ساتھی ایک رائے پر متفق ہو گئے حضرت جی نے فرمایا۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے قلوب کو ایک رائے پر جمع فرما دیا اور یہی حق ہے اور یہی مشورہ کا فائدہ۔ کوئی ساتھی بھی ناراض نہیں کہ اس کی رائے کے مطابق فیصلہ نہیں ہوا۔ حکم ٹھونسنا امارت نہیں دلوں پر حکومت کرنا امارت ہے۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے اپنے شہروں حضرت مولانا الیاسؒ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی طرح دلوں پر حکومت کی۔ آپ کی زیارت کرنے اور آپ سے مصافحہ کرنے والوں کی بے تابی اس کی شاہد ہے۔ ایک ایک اجتماع میں لاکھوں افراد سے مصافحہ کرنا۔ جماعتوں کو مصافحہ کر کے رخصت کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

حضرت مولانا انعام الحسنؒ عام طور پر تقریر بہت کم فرماتے تھے زیادہ تر اجتماعات میں آپ دعا فرمایا کرتے تھے۔ یہ دعا اتنی مقبول اور اتنی اثر انگیز اور اتنی رقت قلب کے ساتھ ہوتی تھی کہ بڑے بڑے لوگ اس میں شرکت کرنا اپنی نجات کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ عام اجتماع میں اگر لوگوں کی تعداد ایک لاکھ ہوتی تو حضرت جی کی دعا کی وجہ سے دعا کے دن یہ تعداد تین لاکھ سے تجاوز کر جاتی۔ حضرت جیؒ رو رو کر اتنے درد سے دعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ عرش الٰہی بھی آپ کی گریہ و زاری سے متاثر ہو گیا ہے۔ دعا کے وقت ایسا محسوس ہوتا کہ آسمان سے لیکر زمین تک فرشتے صف بنائے ایستادہ کھڑے ہیں اور ہر فرشتہ سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اس دعا کو رب کائنات کے دربار میں پہنچانے کا شرف ہمیں کو حاصل ہو جائے۔ جب آپ درد بھرے لہجے میں اے اللہ فرماتے مجمع تڑپ جاتا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا خود بھی حضرت بہت زیادہ روتے اور مجمع کو بھی رلاتے۔ پون پون گھنٹہ اپنے رب کے حضور آہ و زاری میں مصروف ہوتے۔ صرف اپنے لئے نہیں، مجمع کے لئے نہیں، امت کے ایک ایک فرد کیلئے۔ امت کے ایک ایک گناہ کی معافی کیلئے۔ امت کے ایک ایک مرض کی شفایابی کیلئے امت کے ایک ایک اعمال کی اصلاح کیلئے۔ نبی اکرم ﷺ کی اتباع، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اعمال پیدا ہونے، علماء اور اہل علم کے کاموں کی ترقی، خانقاہیں اور مدارس دینیہ کے تحفظ، اسلامی مملکتیں کی بقا اور حکمرانوں کے دلوں میں دین کی محبت پیدا ہونے کی، تبلیغ کا کام کرنے والوں کی خصوصی نصرت، اپنے عجز و انکساری کے اظہار۔ اپنی کمزوری پر اظہار ندامت۔ اپنے لئے اور تبلیغی کام کرنے والوں کیلئے تائید غیبی۔ غرض ایک ایک دعا کئی کئی مرتبہ اتنے اصرار سے مانگتے کہ دعا کرنے والوں کو یقین آجاتا کہ اللہ رب العزت اس ہاتھ کو رد نہیں فرمائینگے۔ بعض مرتبہ اتنی التجا اور آہ و زاری فرماتے کہ دیکھنے والوں کو ترس آجاتا۔ تین دن کے تھکے ہوئے لوگ جو جانے کی تیاری میں مشغول لیکن آپ کی دعا کے لمبے ہونے کی تمنا کرتے۔ پوری دعا کے دوران اتنا پر سکوت، روحانی ماحول ہوتا کہ بڑے سے بڑا گناہ گار بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جب آپ دعائیں فرماتے اے اللہ، اللہ کے راستے میں چلنے والوں کام کرنے والوں کی نصرت فرما ان کی دستگیری فرما تو مجمع میں موجود لاکھوں افراد کے قلوب سرور و انبساط کی عجیب کیفیت سے سرشار ہو جاتے۔ ان کے دلوں میں تقویت اور حوصلہ پیدا ہوتا۔ اجتماعات کے بعد آپ کی دعا کے اثرات ملک میں کئی روز تک باقی رہتے۔ پورے ملک میں اس دعا کے چرچے ہوتے۔ دور دراز سے لوگ

اس دعا کی کیسٹ لے جاتے اور گاڑیوں اور گھروں میں وہ دعائیں سنی جاتیں۔

اتنے بڑے منصب پر پہنچنے کے باوجود آپ تکلفات اور حکمرانوں سے میل جول سے بہت دور رہتے مختلف ممالک کی اسلامی حکومتوں اور بعض غیر مسلم حکومتوں نے آپ کیلئے تبلیغی جماعتوں کو بار بار پیشکش کی کہ ان کو سرکاری اعزاز و اکرام سے لایا جائے گا لیکن آپنے مشورہ سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ میں مسکین آدمی ہوں۔ آداب شاہی سے واقف نہیں۔ حکمرانوں سے ملنے میں تبلیغ کے کام کا ضرر ہے اس لئے معذرت خواہ ہوں۔ صدر ضیاء الحق مرحوم کی خواہش تھی کہ وہ "حضرت جی" کا ائیرپورٹ پر استقبال کریں لیکن حضرت جی نے اس کو بھی تبلیغی کام کیلئے خلاف مصلحت گردانا اور صاف انکار کر دیا۔ نواز شریف دور میں اور موجودہ دور میں صدر فاروق لغاری نے کوشش کی کہ کسی طرح "حضرت جی" کے ساتھ چند لمحات کی رفاقت نصیب ہو جائے لیکن حضرت جی نے انکار فرما دیا۔

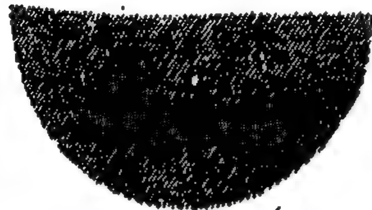
اسی طرح پاکستان حکومت نے بارہا سرکاری پروٹوکول، سرکاری حفاظتی دستے کی پیشکش کی۔ حضرت جیؒ نے اس سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا۔ الحمدللہ محبت کرنے والے مخلصین ہر قسم کے انتظامات کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ چونچلے دنیاوی نام و نمود کیلئے ہیں۔ تبلیغ کرنے والوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بستی نظام الدین۔ رائے ونڈ کے مہمان خانے اور تبلیغی اجتماعات کے خصوصی خیموں میں حضرت جی کی زیارت کیلئے ہر شخص آزادی کے ساتھ جاسکتا تھا۔

پاکستان کے اجتماع میں گذشتہ سال تشریف لائے تو کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ "حضرت جی" کا آخری دیدار ہے۔ صحت پہلے سے زیادہ اچھی۔ رائے ونڈ اجتماع کے بعد کراچی تشریف لائے اور کراچی میں خصوصی اجتماع میں خصوصی دعا فرمائی۔

حضرت مولانا انعام الحسنؒ کے دور میں پوری دنیا میں کام کی وسعت ہوئی بدقسمتی سے حجاز مقدس میں کام میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ گذشتہ دور میں حرم بیت اللہ پر چند مفسدین نے قبضہ کیا تھا اس کی وجہ سے سعودی حکومت نے تمام کاموں کی نگرانی شروع کی۔ مذہبی کاموں کو روک دیا حضرت مولانا انعام الحسنؒ کو اس کی بہت زیادہ فکر تھی کام تو سعودی عرب میں بند نہیں ہوا لیکن خفیہ کام کی وجہ سے بہت زیادہ مشکلات تھیں۔ مولانا سعید خان صاحب نے شہریت کی قربانی دیکر قبول کر لی لیکن تبلیغی کام بند کرنے کی شرط پوری نہیں کی۔ اس صورت حال کے پیش نظر مولانا انعام الحسنؒ نے بھرپور کوشش کی سعودی عرب میں دوبارہ از سر نو کام کا آغاز ہو۔ آخر کار اس سال آپ نے اس کو بھی پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور ۲۰۰ افراد پر مشتمل تبلیغی قافلہ حضرت جی کی معیت میں سعودی عرب پہنچا اور ریاض اور مکہ مکرمہ مدینہ منورہ وغیرہ کے اسفار ہوئے اور الحمدللہ بہت زیادہ کام ہوا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؒ پر ایک خاص کیفیت اور جذبہ طاری ہے۔ اور غالباً اللہ رب العزت نے آپ سے یہ آخری کام لینا تھا۔ اس لئے اس سفر میں آپ کی صحت بھی بہت اچھی رہی اور نجی ملاقاتوں میں آپ نے بہت زیادہ کام کی ترغیب دی اور اس سفر کے بہت امید افزا نتائج نکلنے کی توقع ہے۔ اس کی تکمیل کے بعد آخر کار آپ کی محنت کا وقت پورا ہوا اور رب کائنات نے تھکے ہوئے مسافر کو ابدی آرام کیلئے اپنے پاس بلا لیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن کی رحلت سے حضرت مولانا الیاسؒ کے براہ راست تربیت یافتہ حضرات کے ایک طبقہ سے امت محروم ہوئی اب بعد کے آنے والے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے تربیت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ تبلیغی کام کو ترقیات سے نوازے۔ آمین



محبوب سے ملاقات

انتخاب و ترجمہ: محمود الحسن اعظمی

الشیخ مولانا انعام الحسن الکاندھلوی امیر جماعۃ الدعوۃ و التبلیغ

استاثرت رحمۃ اللہ تعالیٰ بالشیخ التقی الصالح النقی مولانا انعام الحسن الامیر الثالث لجماعۃ الدعوۃ و التبلیغ "بستی حضرۃ نظام الدین" بدھلی الجدیدۃ، حیث یوجد المقر العالمی للجماعۃ، وذلک فی الساعۃ الواحدۃ و النصف من لیلۃ السبت ۱۰/محرم ۱۴۱۶ھ ۱۰/یونیو ۱۹۹۵ اثر نوبۃ قلبیۃ شدیدۃ المت بہ فی نحو الساعۃ التاسعۃ من لیلۃ المذکورۃ، وقد توفر الاطباء الکبار البارعون فی امراض القلب علی معالجۃ نحو ثلاث ساعات متالیۃ، ولکن اجل اللہ کان قد جاء، فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

وانتشر نعی وفاتہ فی ارجاء الھند کلھا و فی العالم کلہ فی ظرف سویعات وقبل طلوع الفجر الصادق، انتشار النار فی الھشیم، ورغم قارۃ الطقس و ارتفاع درجۃ الحرارۃ اکثر من ای فصل من فصول الصیف فی دھلی وما جاورھا من المناطق، توافد الناس من کل انحاء الھند ومن شتی اقطار الدنیا بما فیھا بنغلا دیش و باکستان و المملکۃ العربیۃ السعودیۃ و الامارات العربیۃ المتحدۃ وبریطانیا و افریقیا لیحضروا الصلاۃ علیہ، وکان المسؤلون قد قرروا ان یصلی علیہ فی الساعۃ السادسۃ مساء، ولکن کثرۃ الحضور الذین یقدر عددھم بخمس مائۃ الف و الذین ضاق عنھم ساحۃ "مقبرۃ ھمان" التی کانت قد خصصت للصلاۃ علیہ، وجمیع الشوارع و الطرقات و المنتزھات الملاصقۃ، اخرت الصلاۃ علیہ الی ما بعد المغرب، ووری جثمانہ بجوار الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی رحمہ (المتوفی ۲۹ ذوالحجۃ ۱۳۸۵ھ ۲/۱ ابریل ۱۹۶۵م الامیر الثانی للجماعۃ، وذلک بجانب مقر الجماعۃ فی "بستی نظام الدین"

کانت لہ رحمہ اللہ مشارکۃ جیدۃ فی عدد من العلوم الاسلامیۃ بما فیھا الحدیث و الفقہ وما یتصل بھما من العلوم کما کان لہ تعمق فی قواعد العربیۃ من النحو و الصرف، قام بتدریس شتی الفنون عبر نحو اربعین سنۃ، ولہ کتابات فی الدعوۃ و البحث العلمی غیر مطبوعۃ، ولہ تعلیقات قیمۃ مطبوعۃ علی کتاب "حیاۃ الصحابۃ" المعروف المقبول فی العالم الاسلامی کلہ، لصاحبہ الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی الامیر الثانی لجماعۃ الدعوۃ و التبلیغ۔

وکان قد عینہ الشیخ محمد زکریا بن یحیی الکاندھلوی (المحدث الکبیر و صاحب مؤلفات کثیرۃ شھیرۃ، المتوفی ۱۴۰۲/۱۹۸۲م امیرا للجماعۃ اثر وفاۃ الشیخ محمد یوسف الکاندھلوی (۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵م) وشغل ھذا المنصب الجلیل نحو ثلاثین سنۃ، وتوسعت علی عھدہ رقعۃ النشاطات الدعویۃ، وامتدت الی معظم اقطار العالم، وقامت لھا مراکز فی شتی عواصم الدنیا، وانضم

اليها انواع قطاعات المسلمين، فصلحوا اصلحوا، وخاضوا الله وانابوا، واقلعوا عن المعاصي، وتابوا من الذنوب، وهبت رياح الايمان في القلوب، واتقدت مجامر حب الرسول ﷺ في النفوس، وعملت الجماعة۔ التي تتبت الصمت وعدم الدعاية باعمالها على ايجاد الاتحاد والتضامن والاخوة الاسلامية الصادقة فيما بين المسلمين، ومهدت لغير المسلمين الطريق الى السلام من خلال تقيد المنتمين اليها بجميع آداب الدين التي تجذب النفوس وتؤثر في القلوب، دونما دعاية كثيفة او اقاويل عريضة ودعاوى فارغة، على عكس الجماعات والحركات السلامية المنتشرة في ارجاء العالم التي تعمل قليلا وتتكلم كثيرا، بل تتكلم دون ان تعمل شيئا او تدخل في حسابها اعمال شقيقاتها، والنجاح الذي احرزته الجماعة احرازا لم تحرزه اية حركة او جماعة اسلامية، يعود اصلا وقبل كل شيئ الى الاخلاص والاحتساب الذين تحدث عنهما بعض المخلصين العقلاء المجربين في بعض خطاباتهم وكتاباتهم فقالوا انهما قد لا يوجدان اليوم الا في بعض الافراد شاذا۔ او في جماعة الدعوة والتبليغ اذا كانا يوجدان في جماعة اجل ان روح الاخلاص والاحتساب والتالم الصادق والتحرق الواقعي على حالة المسلمين اليوم هي السلاح الذي فتحت به الجماعة من قلوب العباد واراضي البلاد و مساحات الزمان والمكان مقدارا اوسع لم تستطع ان تفتحه اية حركة دعوية او اصلاحية معاصرة، رغم ترتيباتها الكثيرة وامكانيتها المادية العريضة وابهتها وعنايتها بالشكل والمظهر دون الحقيقة والمخبر۔

ولد الشيخ محمد انعام الحسن في وطنه الام "كاندهله" ۔ قرية جامعة في مديرية مظفر نكر بولاية اترابراديش بالهند۔ وبها نشا وتلقى مبادي القراءة ثم انتقل في التاسعة من عمره الى بستي نظام الدين بدهلي مع مؤسس جماعة الدعوة والتبليغ الداعية العظيم والمصلح الكبير الشيخ محمد الياس الكاندهلوي (المتوفى ۲۱/ رجب ۱۳۶۳ ھ الموافق ۱۹۴۳م، وتلقى التعليم الابتدائي والثانوي والمتوسط عليه وعلى مولانا احتشام الحسن ومن اليهما من العلماء ثم التحق بجامعة مظاهر علوم بسهارنبور لتلقى التعليم العالى ولكن الشيخ الياس استدعاه واكمل تحصيل تعليمه العالى في مدرسة "كاشف العلوم" التابعة لمقر الجماعة في "بستي حضرة نظام الدين" وتلقى التربية من الشيخ محمد الياس وعليه تخريج في التزكية والاحسان، وقد ابدى الشيخ ثقته الغالية به، لدى لحاقه بالرفيق الاعلى فيما يخص القيام بمهام النشاطات الدعوية وادارة الجماعة۔

ينتهي نسب الشيخ محمد انعام الحسن الى الشيخ الاجل والعالم الرباني الامثل المفتي الهي بخش الكاندهلوي ونسبه كمايلي مولانا محمد انعام الحسن بن مولانا اكرام الحسن، بن مولانا حكيم رضي الحسن، بن مولانا حكيم محمد ابراهيم بن مولانا نور الحسن، بن مولانا ابو الحسن، بن المفتي الهي بخش الكندهلوي والمتوفي ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۸م)

ويمكن تقدير اهمية المكانة التي كان يتمتع بها الشيخ الصالح مولانا محمد انعام الحسن بانه بعد وفاته تدارس القائمون على الجماعة في مقرها بدهلي قضية نصب امير جديد يخلفه في اهلية ومقدرة مطلوبة في القيام بالمسئوليات الدعوية الباهظة المتزايدة مع الايام الممتدة شرقا وغربا من ارض الله الواسعة، وقد عرضوا طلبهم على عدد من الصلحاء في الجماعة ينتمون الى اسرته الكاندهلوية مباشرة او غير مباشرة وعن طريق عمومته او خؤولته او لاينتمون اليها، ولكنهم جميعا اعتذروا عن تحمل هذا العب الثقيل، فالتجا المسئولون الى تشكيل مجلس استشاري يقوم بادارة الجماعة ونشاطاتها وحركاتها في داخل الهند وخارجها، واذا كان اعتذارهم عن قبول منصب الامير راجعا الى اخلاصهم الزائد فان ذلك في الوقت نفسه يعكس مدى اهمية المنصب الذي شغله الشيخ محمد انعام الحسن عبر ثلاثين سنة بجدارة، فجزاه الله خير الجزاء عما قام به نحو الاسلام والمسلمين، ووفق من خلفوه لحسن الاستمرار في المهام الدعوية، ولا حرمنا اجره، ولا فتنا بعده، وادخله جنة الفردوس مع الانبياء والصديقين الشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقا۔

یہ مضمون دارالعلوم دیوبند کے ترجمان "الداعی" سے لیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت نے تبلیغی جماعت کے تیسرے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کو بستی نظام الدین نئی دہلی میں جو کہ تبلیغی جماعت کا عالمی مرکز ہے۔ اپنی آغوش میں ڈھانپ لیا یہ واقعہ ڈیڑھ بجے شب ہفتہ بتاریخ ۱۰ محرم سن ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۰ جون ۱۹۹۵ کو پیش آیا ہفتہ کی رات ۹ بجے اچانک آپکو دل کی شدید تکلیف محسوس ہوئی بڑے بڑے ماہرین امراض قلب ڈاکٹروں نے اپنی ہر ممکنہ کوشش کر ڈالی لیکن اللہ کی طرف سے پیغام اجل آچکا تھا اس لئے یہ کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکیں۔

اور اپنے روحانی بیٹوں کو یتیم چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپکی وفات کی خبر تھوڑی ہی دیر میں جنگل کی آگ کی طرح اندرون ملک اور بیرون ملک ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اور اندرون ملک اور بیرون ملک سے لوگوں کی آمد کا تانتا بندھ گیا حالانکہ اس دن نئی دہلی اور اسکے قرب و جوار میں انتہائی گرم اور درجہ حرات نہایت بلند تھا۔

وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سے زیادہ درجہ حرارت کبھی نہیں بڑھا مگر اسکے باوجود لوگ فوج در فوج نئی دہلی بستی نظام الدین کیطرف آتے چلے جارہے تھے ایسا لگتا تھا کہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو جسے کوئی غیبی طاقت۔

تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات نے یہ طے کیا کہ شام چھ بجے مقبرہ ہمایوں میں نماز جنازہ اداکیجائے لیکن چھ بجے سے پہلے ہی مقبرہ ہمایوں اور اس سے متصل پارک اور اسکے اردگرد کی سڑکیں گلیاں لوگوں سے بھر گئیں تقریباً لاکھوں افراد آپکی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے صف بستہ کھڑے ہوئے تھے، اس لئے جنازہ کو مغرب کے بعد تک کیلئے موخر کر دیا اور مغرب کے بعد نماز جنازہ کی ادائیگی کی گئی، اور حضرت جی کو بستی نظام الدین کے مرکز کے پاس حضرت مولانا یوسف صاحب کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللہ جل شانہ اس زمین کو حضرت جی کیلئے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے، آمین۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ ایک دلسوز مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ جید عالم دین بھی تھے۔ اور آپکو علوم عربیہ کے ساتھ ساتھ حدیث وفقہ پر بھی بڑی دسترس حاصل تھی اور تقریباً چالیس سال تک حضرت نے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں دعوۃ اور علمی مباحث پر آپکی بہت سی غیر مطبوعہ تصانیف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی کو توفیق دے کہ وہ ان مخطوطات کو کتابی شکل میں منظر عام پر لے آئے۔

اور بہت سی کتب پر آپکے حواشی و تعلیقات بھی ہیں جنمیں سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی کتاب "حیاۃ الصحابہ" پر آپکی تعلیق قابل دید ہے، حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا یوسف صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی جماعت کا امیر مقرر فرمایا تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی نظر انتخاب کو داد دینے کا جی چاہتا ہے کہ ایسے شخص کو یہ اہم امارت سونپی جو واقعی اسکے لائق تھا اور لگتا تھا کہ شاید اللہ جل شانہ نے اسے اسی کام کیلئے پیدا کیا ہے آپ تیس ۳۰ سال تک تبلیغی جماعت کے امیر رہے اور اس اہم منصب پر متمکن رہے آپکے دور امارت میں تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں کا دائرہ کار دنیا کے کونے کونے تک پھیلا اور بے شمار ممالک میں اس مقدس کام کا آغاز ہوا اور بے شمار ملکوں کے دار الحکومت میں تبلیغی جماعت کے مراکز بنے اور مسلمان مزید تبلیغی جماعت میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور جماعتوں کے ساتھ نکلنے بھی لگے اور انہوں نے اپنی اصلاح بھی کی اور دوسروں کی اصلاح کی فکر ساتھ لیکر اپنے اپنے گھروں کو لوٹے، اور بہت سے لوگوں نے جماعت میں نکلنے کیوجہ سے گناہوں کی زندگی کو ترک کر دیا اور رجوع الی اللہ کیطرف متوجہ ہوئے اور اس جماعت کی برکت کیوجہ سے ایک مرتبہ پھر مسلمانوں کے دلوں میں ایمان و یقین کی ہوائیں چلنے لگیں۔ اور حضور ﷺ کی محبت کی چنگاری جو کہ تقریباً مسلمانوں کے دلوں میں بجھنے لگی تھی وہ پھر بھڑکنے لگی اور مسلمانوں کا شیرازہ جو کہ بکھر کے رہ گیا تھا وہ ایک مرتبہ پھر جڑنے لگا لوگوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی فضاء پیدا ہونے لگی۔

جسطرح اس جماعت کا اثر مسلمانوں کی زندگی اور ان کے باہمی تعلقات پر پڑا اس طرح غیر مسلموں کیلئے بھی تبلیغی جماعت نے اسلام کی حقانیت بڑے دلنشیں انداز میں پیش کی اس سے انکا اسلام میں داخل ہونا بڑی حد تک ممکن ہو گیا اور عملی طور پر بہت سے غیر مسلم اسلام میں داخل ہونے بھی لگے۔

بانی و امیران تبلیغ جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جدوجہد

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا

"آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بیکار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا(گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کیجاسکتی، بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان محض رسمی اور اسمی ہیں۔ اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو ... یا تو وہ سراسر ظلمت ہے، اور علی ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنا لیتا ہے۔ لہذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اسکا ہمیشہ فاضل اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، اور خدانکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے"

اور اس جماعت کی ایک بنیادی خوبی یہ ہے کہ اسنے محض بڑھ چڑھ کر دعوے ہی نہیں کیئے دوسری دینی جماعتوں کیطرح جو کہ پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں بلکہ اس جماعت نے عمل کو فوقیت دی اور اپنے اعمال کو اپنے اقوال کے مطابق اور اپنے طرز زندگی کو اور اپنے کردار کو گفتار کے مطابق کر کے دکھلایا۔

تبلیغی جماعت ان بے شمار فوائد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس جماعت نے اپنے مقاصد میں بڑی حد تک کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ اور اس کامیابی کی بنیادی وجہ دو ہیں۔ (۱) ا... (۲) عقیدہ (آخرت ... اجر ثواب کی امید) اور اس اخلاص و احتساب کی بنیاد مسلمانوں کی حالت پر غم اور دلی قلق ... انکی اصلاح احوال کی سوچ ... امر ہے اللہ تعالی نے اس جماعت کے بانیوں کے دل میں امت کا غم ڈال دیا تھا۔ اور امت کی اصلاح کی سوچ و فکر کو ان کا متاع حیات بنا دیا تھا چنانچہ اسکی بدولت انہیں اخلاص اور احتساب کی دولت عطاء ہوئی اور یہی دولت وہ ہتھیار ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں انکے گھروں کیے ... وں انکے ملکوں اور غرض دنیا کی ساری زمین کو تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کر لیا جنہیں اس جماعت کے معاصر اسلامی تحریکیں اور جماعتیں ... نہ کر سکیں یہی دولت اس جماعت کا قیمتی اثاثہ ہے۔ جو کہ یکے بعد دیگرے اسکے ہر فرد میں منتقل ہوتا چلا جا رہا ہے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ دولت اپنے سے پہلے دو بزرگوں سے حاصل کی تھی اور اسے اپنا حرز جان بنا رکھا تھا چنانچہ اسی دولت کی وجہ سے حضرت جی نے اکیلے ہی اس امارت کو سنبھالا ہوا تھا اور اس جماعت کو صحیح روش پر چلائے رکھا تھا۔

حضرت جی علیہ الرحمۃ ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع مظفرنگر کے ایک شہر کاندھلہ میں پیدا ہوئے اور وہیں آپنے پرورش پائی اور قرآن شریف وغیرہ یہیں پڑھا پھر ۹ سال کی عمر میں تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ یعنی نظام الدین آئے اور آپ سے مولانا احتشام الحسن نے ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں اور آپ ہی کے زیر تربیت رہے پھر درس نظامی کی انتہائی کتابیں پڑھنے کیلئے مظاہر العلوم سہارنپور کا عزم کیا اور وہاں داخلہ لیا لیکن ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے آپکو بستی نظام الدین دہلی بلا لیا اور وہیں آپنے مدرسہ کاشف العلوم میں درس نظامی کی تکمیل کی اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے آپنے اصلاحی تعلق قائم کر لیا اور تعلیم ظاہری کے ساتھ ساتھ تزکیہ باطن سے بھی آراستہ ہوئے اور آپ کا حضرت کے ہاں بڑا اونچا مقام تھا حضرت کو آپ پر بڑا اعتماد تھا حتی کہ وفات کے وقت حضرت نے آپ ہی کو تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں اور اسکی امارت و انتظام کے کے متعلق اپنا راز دار بنایا تھا۔

حضرت جی کا سلسلہ نسب شیخ کامل عالم ربانی مولانا مفتی الہی بخش کاندھلوی تک پہنچتا ہے آپکا سلسلہ نسب یوں ہے۔ مولانا محمد انعام

الحسن ابن مولانا اکرام الحسن ابن مولانا حکیم رضی الحسن ابن مولانا حکیم محمد ابراھیم ابن مولانا نور الحسن ابن مولانا ابو الحسن ابن مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نور اللہ مرقدہ تبلیغی جماعت کے جس اہم اور نازک منصب کو حضرت شیخ نے بیس سال تک بڑے اہتمام اور خیال سے سنبھال کر رکھا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس نصب کا حق ادا کر دیا۔ ہمیں تو یہ بظاہر معمولی سا کام نظر آتا ہے۔

اس منصب کا مرتبہ اور اسکی نزاکت اور اسکی صعوبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد تبلیغی جماعت کے جو بزرگ ذمہ دار حضرات ہیں بیں انکا نظام الدین میں ایک اجتماع ہوا۔

جس میں باہمی مشورہ سے یہ طے کرنا تھا کہ آئیندہ تبلیغی جماعت کا امیر کون ہو گا اور کون اس دشوار گذار گھاٹی کو سر کریگا اور کون اس بڑھتے ہوئے کام کو سنبھالے گا جو کہ دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ زمین کے مشرق و مغرب میں اور دنیا کے ہر خطہ میں یہ کام شروع ہو چکا ہے اور بزرگوں کی کوشش یہ تھی یہ امارت اور نصب کاندھلہ کے خاندان ہی میں رہے جسنے اس کام کی بنیاد رکھی ہے۔

بت سے اللہ کے نیک متقی بندوں سے اسکے قبول کرنے کی درخواست کی گئی لیکن کسی نے قبول نہ کیا اور کسی نے بھاری بھرکم بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں کی یہاں تک کہ ذمہ دار حضرات ایک مجلس شوریٰ بنانے پر مجبور ہو گئے۔

جو تبلیغی جماعت کے فرائض انجام دے گی اور اندرون ملک و بیرون ملک ساری دنیا میں اسکی سرگرمیوں اور کاوشوں کی نگرانی کریگی۔

اس سے جسطرح ان حضرات کے تواضع اور اخلاص کا پتہ چلتا ہے خاص کر آج کل اس کرسی والے دور میں دوسری طرف اس سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ حضرت جی اکیلے کتنے مشکل اور دشوار گذار منصب کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے ہوئے اور آپ نے اس منصب کی ذمہ داریوں کو کس احسن طریقہ سے انجام دیا یہ صرف حضرت ہی کی ہمت اور حوصلہ تھا اللہ تعالیٰ آپ کے بعد آنے والوں کو آپکا خلیفہ رشید بنائے اور آپکو جو اخلاص اور احتساب اپنے بزرگوں سے ملا تھا وہ بعد میں آنے والوں کو بھی عطاء فرمائے اور اس کام کے زیادہ سے زیادہ پھیلانے والے کا ذریعہ بنائے اور حضرت کی روح کو اس کام سے ایسے ہی خوشیاں عطاء فرمائے جو آپکو اس کام سے ہوا کرتی تھی اور جنت الفردوس میں جگہ عطاء فرمائے۔ آمین

پروفیسر مولانا تقی الدین ندوی



حضرت جی کا سانحہ ارتحال

نظام الدین دہلی سے ۱۰ جون کی صبح کو اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت جی نور اللہ مرقدہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے، خبر پر یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ ہمارے علم میں یہ تھا کہ حضرت ابھی حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے ہیں صحت اچھی ہے، اور سفر میں بیان و دعا کا سلسلہ بھی جاری تھا، مگر بالآخر خبر پر یقین کرنا پڑا، اس عالم کی ہر چیز کو فنا ہے، کل من علیہا فان کا قانون اپنی جگہ اٹل ہے۔

اس ناگہانی خبر نے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا، غم و حزن کی فضا ہر طرف چھا گئی، حضرت جی (مولانا انعام الحسن کاندھلوی) کی وفات کا سانحہ صرف ایک خاندان، ایک جماعت، ایک ملک کا خسارہ نہیں، بلکہ عالمی خسارہ ہے۔ ابھی امید کی جاتی تھی کہ آپ کی ذات ایک عرصے تک دعوت و اصلاح کی اس عالمی تحریک و دعوت کی قیادت و رہنمائی کرے گی جسے ہم "تبلیغی تحریک" کے نام سے جانتے ہیں۔ اسی نسبت اور تعلق کی بنیاد پر آپ کی ذات گرامی ہزاروں لاکھوں انسانوں کی محنت کا مرکز تھی۔ آپ کی شخصیت میں غیر معمولی مقناطیسی کشش تھی جو لوگوں کو کشاں کشاں اپنی طرف کھینچ لاتی تھی، افسوس کہ وہ آج ہم سے رخصت ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے — سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اپنی ذاتی خصوصیات و صفات میں آپ اسلاف کا نمونہ تھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے شاگرد و خلیفہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی زندہ یادگار اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کے جانشین تھے، بلاشبہ آپ کا اندرون حب الٰہی و عشق رسول کا گنجینہ اور دعوت و تبلیغ کا شعلہ افشاں پہاڑ تھا اور بیرون میں وقار و سکینت کی فضا رہتی تھی۔

عشق عصیاں است گر مستور نیست

کبھی کبھی پیمانہ چھلک پڑتا تھا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور چہرے کا رنگ بدلنے لگتا۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق — سامان صد ہزار نمکداں لئے ہوئے

حضرت مولانا کی نشونما اپنے زمانے کی اہل اللہ کے زیر سایہ ہوئی تھی آپ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے رفیق درس بھی تھے مظاہر علوم میں اپنے دورہ حدیث کے زمانے کے قصے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ اکثر بیان فرماتے۔

"ہم دونوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصہ میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اسکے ساتھ چائے پی کر سو جائیگا اور اس دوسرے کے ذمے ہوگا کہ فجر کی جماعت کیلئے سونے والے کو اٹھائے گا۔ ایک دن مولانا یوسف صاحبؒ رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا، اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی"

اس واقعہ سے اسکا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان حضرات نے کس محنت و جانفشانی سے اپنی طالب علمی کا زمانہ گزارا تھا

من طلب العلا سہر اللیالی

جو بڑا مرتبہ چاہتا ہے اسکے لئے راتوں کی بیداری ضروری ہے، یہ دونوں حضرات دورہ حدیث سے فراغت کے بعد اپنے درس و تدریس،

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جدوجہد

پرہیزگار لوگ

اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بے شک متقی (اور پرہیزگار) لوگ اس روز باغوں اور چشموں میں ہوں گے ○ جو کچھ (ثواب) ان کا رب انہیں دے گا اسے خوشی خوشی لے رہے ہوں گے۔ بے شک یہ لوگ اس سے قبل (دنیا میں) بھی نیکوکار تھے ○ راتوں کو کم ہی سوتے تھے ○ اور پھر آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے ○ اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم سب کا حق رہتا تھا ○ (یہاں متقی سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر پر یقین لا کر آخرت کو مان لیا اور وہ رویہ اختیار کر لیا جو حیات اخروی کی کامیابی کے لئے انہیں بتایا گیا تھا اور اس روش سے اجتناب کیا جس کے متعلق انہیں بتا دیا گیا تھا کہ یہ اللہ کے عذاب میں مبتلاء کرنے والی ہے)

(سورۃ الذاریات ترجمہ آیات ۱۵ تا ۱۹)

علمی کام میں اس طرح مشغول تھے کہ بیعت کا موقع نہ مل سکا تھا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب فرماتے تھے جب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہو چکے ہو گے بہر حال اب دیر نہ کرو ہم لوگوں نے حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) سے بیعت ہونے کی درخواست کی حضرت جی نے اسے منظور فرمالیا اور ارشاد فرمایا اللہ مبارک فرمائے، اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے"

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ میں تعلق مع اللہ کی غیر معمولی استعداد رکھی تھی، اسکو قرآن و حدیث کے شب و روز اشتغال اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی صحبت نے چمکا دیا تھا چنانچہ جن چند آدمیوں کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کے جانشین مقرر کئے گئے اور دعوت و تبلیغ کے کام کو حضرتؒ نے پوری طاقت سے پھیلانا شروع کیا اندرون ملک و بیرون ملک کثرت سے اسفار کئے اور اجتماعات منعقد ہوئے چند کو چھوڑ کر تقریباً ہر اجتماع میں اور ہر سفر میں حضرت مولانا کے رفیق سفر رہے اور مشورے میں ان کی رائے بہت اہم خیال کی جاتی تھی۔ اور یہ سلسلہ ۲۱ سال یعنی ۲ اپریل سن ۱۹۶۵ء تک قائم رہا اور حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین اور تبلیغی کام کے امیر مقرر کئے گئے، جو ابتک خالص علمی مطالعہ اور درس و تدریس یا تبلیغی مشوروں تک محدود تھے، تقریر کرنے کے عادی نہ تھے مگر ان کی خصوصیات کی بنا پر جب اس کام کی ذمہ داری ڈالی گئی تو پوری توجہ وہمت سے اس کام کو آگے بڑھانے کی انتہائی کوشش فرمائی، صحت خراب ہوگئی مگر کام کی رفتار میں فرق نہ آیا، جس عظیم کام کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے کیا تھا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے بفضلہ تعالیٰ اس کام کو عالمگیر بنا دیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے زمانے میں یہ کام جس تیزی سے آگے بڑھا اور بڑھتا جارہا ہے اسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا عرب و عجم کے ممالک میں لوگوں میں خدا طلبی کا خاص جذبہ بیدار ہو رہا ہے مغربی ممالک میں تیزی سے لوگ اس کام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، لندن کے اجتماع میں جب سو ۱۰۰ آدمی شریک ہوئے تو ایک غیر معمولی بات سمجھی گئی مگر گذشتہ سال حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی آمد پر جو اجتماع ہوا اس میں پچاس ہزار کی تعداد بتلائی گئی یہ غالباً ان کی دعا و آہ و زاری اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و تواضع کی برکت تھی حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ راوی ہیں حضرت جی آٹھ گھنٹے روزانہ ذکرو عبادت اور دعا میں بسر کرتے ہیں تمام بڑے اجتماعات میں حضرت جی خود شریک ہوتے اور اسکا اہتمام فرماتے اور کام کی پوری خبر گیری رکھتے تھے جماعت کے خواص تمام چھوٹے بڑے معاملات میں حضرت جی سے مشورہ و ہدایات کے طالب ہوتے آپ سب سے حالات سنکر جامع و مختصر ہدایات سے سرفراز فرماتے، اس ناچیز کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے سن ۱۹۵۴ء سے تعلق رہا ہے یہ تعلق حضرتؒ

کی آخری زندگی تک برقرار تھا سن ۱۹۵۹ء میں جب ایک سال کے لئے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں قیام تھا اور بخاری شریف کے درس میں بہت اہتمام سے شرکت کرتا تھا، اس زمانے میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کا بھی تقریباً قیام سہارنپور ہی میں تھا اکثر ہمارے کمرے میں تشریف لاتے بخاری شریف کے بعض تراجم کے بارے میں دریافت فرماتے کہ شیخ کی کیا تحقیق ہے؟ اسکے بعد اپنے یا مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی رائے بیان فرماتے، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؒ کا بخاری شریف کا مطالعہ بہت ہی عمیق و گہرا ہے۔

نظام الدین میں دورہ حدیث کا سلسلہ قائم کیا گیا، اس موقع پر بخاری شریف کا درس حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ذمہ کیا گیا۔ اس وقت سے ہی بخاری شریف حضرت ہی کے زیر درس رہی، ادھر علالت و مشغولیت کی وجہ سے آپ اس سے سبکدوش ہو گئے تھے مگر مطالعہ کا سلسلہ قائم تھا، دنیا کے حالات سے باخبر رہتے تھے گذشتہ سال نظام الدین کی حاضری کے موقعہ پر دیکھا کہ حضرت کی الماری میں سیرت کی کتابیں موجود ہیں سیرت النبی ﷺ بھی تھی فرمایا اس میں دو جگہ اشکال ہیں ایک جگہ واقعی صریح تسامح ہے دوسری جگہ کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ حضرت سید صاحبؒ نے اس عبارت سے رجوع کر لیا تھا۔

بہر حال دعوت کے اس عظیم کام کی رہنمائی کیلئے جس طرح روحانی طاقت کی ضرورت ہے اسی طرح علمی کمال و گہرائی کی ضرورت بھی ہے حضرت والا میں دونوں کمالات اللہ تعالیٰ نے جمع کر دئے تھے۔

حضرت جی کے توکل و استغنا کی سیکڑوں مثالیں ہیں جو ان کے حالات میں درج کی جائیں گی۔ دو واقعے اس ناچیز کے ساتھ پیش آئے اسکا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، سن ۱۹۷۷ء میں حضرت جی امارات کے دورہ پر مع اپنے قافلے کے تشریف لائے اس وقت یہاں تبلیغی کام ابتدائی مرحلہ میں تھا۔ اب تو ماشاء اللہ ہزاروں کی تعداد میں عرب و عجم اس کام سے وابستہ ہیں، اس ناچیز نے حضرت کو کھانے پر دعوت دی، اور یہاں کی بعض اہم شخصیات کو بھی مدعو کرنے کا خیال تھا کہ تعارف ہو جائے حضرت جی نے تو منظور فرمالیا مگر مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری مد ظلہم نے بعد میں مجھ سے فرمایا کہ حضرت نے آپ کے تعلق میں قبول فرمالیا ہے لیکن لوجہ سے بڑے لوگوں کے ساتھ اس طرح کا اجتماع حضرت پسند نہیں فرماتے، اس ناچیز نے عرض کیا کہ مجھے تو حضرت کی رضا منظور ہے اس ناچیز نے حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت دعوت کا پروگرام ملتوی کر رہا ہوں اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح دو سال پہلے ابوظبی کی ایک اہم شخصیت کے ہمراہ جو اس ناچیز سے بہت محبت کرتے ہیں ہندوستان جانا ہوا نظام الدین حضرت سے ملاقات کیلئے حاضر ہوا انھوں نے ملاقات کے بعد ایک بڑی رقم ہدیہ کے لئے نکالی حضرت نے معذرت فرمادی، ان صاحب کو مطمئن کرنے کے لئے مجھے لمبی تقریر کرنی پڑی، لیکن اس کا اثر ان پر یہ پڑا کہ انکو حضرت اور تبلیغی تحریک سے غیر معمولی عقیدت اور حسن ظن پیدا ہو گیا۔

جنوری سن ۱۹۸۷ء میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں عالمی تبلیغی اجتماع طے کیا گیا اس مدرسہ کے بانی و سرپرست حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مد ظلہ العالی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ دونوں بزرگوں کے اجل خلفاء میں سے ہیں وہی درحقیقت اس اجتماع کے داعی تھے، اس لئے اس ناچیز نے موقع مناسب سمجھ کر جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ کی بھی دعوت دی حضرت جی نے منظور فرمالیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت جیؒ اپنے قافلے کے ساتھ ۲۰ جنوری بروز جمعہ صبح کو بنارس پہنچ رہے ہیں اور وہاں سے ہمارے یہاں تشریف لائیں گے حاجی رحمت اللہ صاحب جو بنارس کے بڑے تاجر ہیں اور تبلیغی کام اور اسکے اکابر سے گہرا تعلق رکھتے ہیں وہی منتظم تھے بہر حال اسکے انتظام میں حضرت شام اپنے قافلے کے جامعہ اسلامیہ میں تشریف لائے مولانا محمد سعید احمد خان صاحب کی مسجد میں تقریر ہوئی اور حضرت جیؒ نے دعا فرمائی ہمارے گھر پر عورتوں کا اجتماع تھا۔ گھر پر تشریف لائے۔ میرے پوتے نے حفظ قرآن شریف کا آغاز کیا حضرت نے حفظ قرآن کی دعا کرائی۔ اس کے بعد بیعت کے الفاظ ادا فرمائے، اور بڑی موثر دعا فرمائی۔ اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت عرصہ ہوا خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ اس جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ کے تشریف لانے سے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی جبکہ جناب مولانا محمد طلحہ صاحب بھی ساتھ ہیں۔

گورینی کے اجتماع میں مجمع توقع سے بہت زیادہ تھا آخری دن ناشتہ کے بعد حضرت مجلس میں تشریف فرما تھے علماء و مشائخ، خواص سب

مجلس میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز کے سوال پر لمبی تقریر فرمائی اس میں کے بعض کلمات یہ ہیں۔

"اعمال صالحہ میں حق تعالیٰ نے فی نفسہ حسن رکھا ہے۔ یہ اعمال اپنے اندر کشش رکھتے ہیں تقریر و تحریر یہ سب معاون ہیں، اصل نہیں، فرمایا! مولانا عمران خاںؒ فرماتے تھے۔ اس دعوت کے بانی بھی الکن تھے (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زبان میں لکنت تھی) اور آپ بھی یعنی قلیل الکلام ہیں بیچ میں ابوالکلام آگئے تھے، ان کی مراد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ تھے جو گھنٹوں تقریر کرتے اور دعوت کے اصول بیان فرماتے پھر فرمایا ہم تو ایسے ہی ہیں ہمارے نام پر ڈگڈگی بجا کر جمع کر لو اور کچھ کام کر لو۔

پھر تھوڑی دیر آرام فرما کر اجتماع گاہ میں آخری بیان و دعا کیلئے تشریف لے گئے بیان و دعا ایسی موثر ہوئی کہ بیماری کا واہمہ بھی نہیں ہوسکتا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ یہ آخری زیارت ہے۔

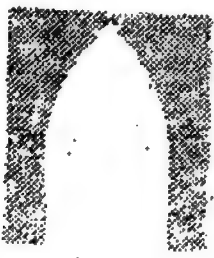
بلاشبہ حضرت کا وصال تمام ہی مسلمانوں بالخصوص تبلیغی جماعت اور اس کے کارکنوں کیلئے ایک دہلا دینے والا حادثہ ہے مگر جماعت کو اس سے پہلے بھی ایسے ہی حادثات سے واسطہ پڑا ہے۔ اور جماعت نے انتہائی نازک حالات میں بھی ہمت جمع رکھی۔ قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھنے لگے، کثرت سے جماعتیں باہر نکلیں، امیروں نے اپنے بیانات میں ان الفاظ کی تشریح کرنی شروع کر دی۔ جن کو سیدنا صدیق اکبرؓ کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے نکلوایا تھا من کان منکم یعبد محمداً فان محمداً قدمات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت۔

کام کرنیوالوں میں جتنی لگن و تعلق اور جذبہ تھا بہت بڑھ گیا اس حادثہ کے بعد بھی امید ہے کہ اللہ کے فضل و تائید سے یہی صورت حال ہوگی۔ اور جماعت کے کارکن مزید ہمتیں جمع کرکے اس بلند مقصد (دعوۃ الی اللہ اور نبوی نظام کی اشاعت) کے لئے ازسرنو کمربستہ ہو جائینگے۔ اس لئے کہ اس دعوت کا رشتہ کسی شخصیت اور قائد سے نہیں حتی کہ نبی کریم محمد عربی ﷺ سے بھی ایسا نہیں کہ انکے ارتحال سے دعوت ہی مرجائے۔

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ اور مرحوم و مغفور مولانا ہارون صاحب نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد تبلیغی مراکز کو جو خط لکھا تھا اس میں کا ایک جملہ یہ بھی ہے۔

"حضور اکرم ﷺ جیسی بابرکت اور باعظمت ہستی جنکے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد و کرب اور بے چینی سے امت کا نشو نما اور جنکی گریہ و زاری سے امت کی دارین کی فلاح و نجات اور جنکے چہرہ انور کی زیارت ہزار ہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی۔ اگر وہ بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لیجاویں اور امت انکی جدائی کے صدمے اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور اکرم ﷺ کے طریقے پر دین کیلئے قربانیوں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور محنت کا دنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کیلئے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لئے ہوئے ہے۔"

دعا ہے کہ یہ تبلیغی کام پورے نشاط و قوت کے ساتھ عالم میں پھیلتا جائے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔



مولانا عبد الحمید

رائے ونڈ کے اجتماع میں

حضرت جی کی آخری شرکت

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی گشت، روزانہ کی تعلیم، دعوت و تبلیغ کیلئے جماعتیں نکالنے کا نظم بنایا، اس کے ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں میوات کے اندر اجتماعات کا سلسلہ شروع کیا۔ جن میں اس وقت کے اہل اللہ اور مشائخ کو ان اجتماعات میں بلایا جاتا تاکہ لوگ ان سے مستفید ہوں۔

مولانا کی مسلسل جدوجہد اور شبانہ روز کی محنت، قلبی توجہ، اور ان اکابر و مشائخ کی توجہات اور دعاؤں سے ان اجتماعات کے موقع پر ایسا دینی ماحول اور روحانی فضا پیدا ہوتی کہ سخت سے سخت دل والا بھی اثر محسوس کرتا فضا ذکر سے اور مساجد اہل ذکر سے معمور ہوتیں اور مساجد میں نماز کیلئے جگہ ملنا مشکل ہو جاتا۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں نوح میں ایک بڑا اجتماع ہوا اسکی کیفیت بیان کرتے ہوئے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

"جلسے کے وسیع شامیانے کے نیچے مولانا حسین احمد مدنی نے جمعہ کی نماز پڑھائی جامع مسجد اور قصبے کی تقریباً سب مسجدوں میں پھر بھی ہجوم اتنا تھا کہ چھتوں اور بالاخانوں پر آدمی ہی آدمی تھے، سڑکوں پر نمازیوں کی صفیں تھیں اور آمدورفت بند ہو گئی تھی۔ نماز کے بعد جلسہ شروع ہوا، صبح سے شام تک اجلاس ہوتے تھے، لیکن نہ کوئی صدر جلسہ تھا نہ مجلس استقبالیہ اور صدر استقبالیہ، نہ رضاکار لیکن تمام انتظامات خوش اسلوبی سے ہو رہے تھے۔"

مفتی کفایت اللہ صاحب نے اسی جلسہ کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں ۳۵ سال سے ہر قسم کے مذہبی اور سیاسی جلسوں میں شریک ہو رہا ہوں لیکن میں نے اس شان کا ایسا بابرکت اجتماع نہیں دیکھا"

یہ اجتماع اور انسانوں کا یہ جنگل ایک جلسہ سے زیادہ ایک زندہ خانقاہ تھی، دن کے سپاہی رات کے راہب بن جاتے تھے اور رات کے عبادت گزار، دن میں خدمت گزار نظر آتے تھے ان دونوں چیزوں کا جمع کرنا اس دعوت کا مقاصد میں سے تھا" (مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت ص ۱۳۶)

لیکن یہ اجتماعات مقصود نہیں ہیں بلکہ ان اجتماعات کو ذریعہ بنا کر دین کی طلب پیدا کرنا اور جماعتیں نکالنا اصل مقصد ہے، اسی مقصد کیلئے دنیا بھر میں محنت ہوتی ہے اور دنیا بھر کے شہروں میں اجتماعات ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لے گئے تو ایک بڑی جماعت کے ساتھ رائیونڈ سے لاہور ہوتے ہوئے حجاز تشریف لے گئے اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں رائیونڈ دعوت کا مرکز بنے گا اور یہاں اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوں گے جن کی نظیر ملنا مشکل ہو گی۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ کے دور میں یہاں بہت بڑے بڑے اجتماعات ہوئے ایک اجتماع کا حال اس طرح بیان کیا گیا۔

"بفضلہ تعالیٰ رائے ونڈ کا اجتماع نہایت خیر و برکت کے ساتھ اختتام کو پہونچا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعتوں کو

رخصت فرماتے ہوئے جو دعا فرمائی وہ حد درجہ رقت انگیز تھی۔ سارا مجمع تقریباً ۲۰ منٹ تک روتا رہا، اجتماع کے دوران مختلف اوقات میں شریک ہونیوالوں کا اوسط پندرہ ہزار تھا۔ دین اور انسانیت و اخلاق کے سیکھنے اور اس کی محنت کرنے کی غرض سے تقریباً چھ سو افراد اجتماع سے نقد نکلے۔ اور مولانا کے آخری سفر پاکستان میں تو رائے ونڈ میں اتنا بڑا اجتماع ہوا تھا جو اپنے ماقبل کے سارے اجتماعات سے کہیں زیادہ بڑھ گیا۔ (سوانح یوسف ص ۷۲۶)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالی نے رائے ونڈ کے جس اجتماع میں آخری شرکت فرمائی اس کا مفصل حال سوانح یوسف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ کو رائے ونڈ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں ملک کے ہزاروں آدمی شریک ہوئے اور مولانا کی بڑی ولولہ انگیز تقریر ہوئی۔ میاں جی عیسی اپنی بیاض میں لکھتے ہیں۔

"رائے ونڈ کے اجتماع میں دس پندرہ ہزار کا مجمع ہو گا۔ کھانے پینے کا۔ نظام بھی اچھا چلا، شہری طبقہ کافی آیا تھا۔ حضرت جی کے بیانات بھی نرالے تھے۔ کلمہ کے نمبر کے ساتھ اب کے عبادت پر بہت زور تھا۔ ایک عرب شیخ محمد سلیمان جو کہ دمام میونسپلٹی میں صدر ہیں اور انشورنس کے محکمہ کے ڈائریکٹر ہیں، وہ بھی بھائی عبدالباسط الخبر والوں کے ساتھ رائیونڈ پہنچ گئے تھے، ان کا بیان بھی ہوا انہوں نے علمائے کرام کی تعلیم کے ساتھ حلقہ میں شرکت بھی فرمائی اور بعد میں بیان بھی عجیب انداز و درد کے ساتھ فرمایا کہ مختلف دوروں میں اللہ تعالی مختلف شیوخ سے اپنے دین کا کام لیتے رہے ہیں اور اس صدی میں شیخ محمد الیاس" نے کام لیا اور امت کی رہبری فرمائی ہے۔ اب مسئلہ آپ (علمائے کرام) کے ہاتھ میں اگر آپ کھڑے ہو گئے تو امت کی ڈوبتی ہوئی کشتی سلامتی کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے گی اور اس کام کے ظاہر ہونے کے بعد اگر اس میں غفلت ہوئی تو خطرہ عظیم ہے۔ علمائے کرام کے مجمع کو خوب رلایا اور خود بھی روئے۔ تین چار سو (مختلف کالجوں کے طالب علم آئے ہوئے تھے ان سے خالد صاحب (علیگڑھ یونیورسٹی) نے خصوصی بات چیت کی، لڑکوں نے بہت اچھا اثر لیا، انہوں نے بتلایا کہ کس طرح یونی ورسٹی علی گڑھ کمیونسٹوں کا اڈہ بنی ہوئی تھی اور پھر کس طرح دین کی فضا اس کام کی برکت سے پیدا ہو رہی ہے اور اب کی علی گڑھ یونیورسٹی کے تمام پروفیسروں کا اجتماع ہوا اور اس میں حضرت جی کی تقریر ہوئی۔ آپ نے فرمایا:

" ولایت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جانا، تزکیہ اختیار کرنا اور اللہ کی طرف چلنا یہ ولایت کا ادنیٰ درجہ ہے اور دوسرا ولایت کا اعلی درجہ ہے کہ جس شعبے میں چل رہے ہیں، اس کو ولایت والوں کی صفات سے چلایا جائے۔ اس کیلئے اپنے اپنے شعبوں سے نکل کر اپنا یقین، عبادت اور اخلاق بنانے کی ضرورت ہے، ان چیزوں کو بنا کر پھر شعبوں میں لگا جائے۔

اب کی کالج کے طالب علموں نے کثرت سے اوقات لکھائے۔ ستر جماعتیں نقد نکلیں، رائے ونڈ سے الوداع کے وقت حضرت جی کی رقت انگیز تقریر نے عرب کے شیخ تک کو رلادیا۔

ایک دل آویز تاثر

اس سہ روزہ اجتماع میں ہزاروں آدمیوں نے شرکت کی انسانوں کا ایک جنگل تھا، ہر طرف سے مختلف طبقوں کے لوگ آکر شریک ہوئے اور اوقات دیئے، سینکڑوں ایسے لوگ شریک ہوئے جو اس سے پہلے مولانا کی تقریر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ایک صاحب جو پہلی بار اس اجتماع میں شریک ہونے آئے تھے اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"کافی دنوں سے شہر کی اکثر مساجد میں یہ دیکھنے میں آتا رہا کہ عصر یا مغرب کی نماز کے بعد ایک صاحب کھڑے ہوتے اور بڑی نرمی سے یوں گویا ہوتے۔

بھائیو! دعا کے بعد تشریف رکھئے دین کی بات ہو گی، کہنے والے کی اتنی سی بات میں جو سادگی اور خلوص ہوتا وہ سب کو مجبور کر دیتا کہ بن کے جائیں۔ اس کے بعد امام صاحب دعا کرتے اور پھر کوئی ایک اللہ کا بندہ کھڑا ہو جاتا اور بغیر کسی تصنع کے نہایت سادہ الفاظ میں دس پندرہ منٹ کچھ بیان کرتا جس کا خلاصہ یہ ہوتا کہ اس دنیا کی زندگی چند روزہ ہے اس طرح کے کام کریں کہ حشر کے میدان میں رسوائی سے

بچ جائیں، بات واقعی دل کو لگتی اور جی چاہتا کہ یہ اسی طرح ہوتا رہے تا کہ سنتے سنتے شاید دنیا کی بے ثباتی کا یقین آجائے۔ آخری میں یہ کہا جاتا کہ اس مہینے کی ۲۱، ۲۲، ۲۳ کو لاہور کے قریب رائے ونڈ میں ایک اجتماع ہو رہا ہے جس میں آخرت کی زندگی کے بارے میں باتیں ہوں گی، آخر ۲۰ تاریخ بھی آن پہنچی، شوق ابھرا کہ چلو دیکھیں آخرت کی زندگی کے کیا نقشے بتائے جاتے ہیں، کچھ دوستوں کو آمادہ کیا، شام کو چلتے وقت کچھ بزرگوں سے تذکرہ کیا، انھوں نے بر وقت ہی اطلاع دینے کا گلہ کیا ندامت ہوئی کہ اس دنیا کے جھمیلوں میں لگے رہے اور پہلے سے کیوں نہ حاضر ہو سکے۔

کراچی ایکسپریس ۱۰ بج کر ۲۵ منٹ پر چلی کوئی ڈبہ ایسا نہ تھا جو اندر باہر بھرا نہ ہو بڑے اطمینان سے سفر گذرا، کوئی تو تکار نہ ہوئی کوئی دھکم پیل نہ ہوئی، دوسرے کے لئے جگہ خالی کرنے کا جذبہ موجود تھا، سوا گیارہ بجے رائے ونڈ اسٹیشن پر اتر گئے کوئی تین فرلانگ پر اجتماع گاہ تھی، سادہ سی مسجد باہر صحن میں شامیانے تنے ہوئے اور تل دھرنے کو جگہ نہیں، ایک طرف بیسیوں لمبی لمبی کاریں کھڑی تھیں دوسری طرف تین چار بسیں، معلوم ہوا کہ اسلامیہ کالج اور چیف کالج کے طالب علم اکٹھے ہو کر بسوں میں آئے ہیں، مسجد کے فرش پر جو جس کے پاس تھا بچھایا گیا اور چند گھنٹے آرام کرنیکی کوشش کرنے لگے۔

۲۱ کی صبح کو نماز فجر کے بعد دہلی سے تشریف لائے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب کا (جو اس جماعت کے امیر ہیں اور مولانا محمد الیاسؒ کے صاحبزادے ہیں) خطاب ہوا، تین گھنٹے تک لوگ ہمہ تن سنتے رہے۔ باتوں میں وزن تھا، حقیقت تھی، خلوص تھا، آخر اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی باتوں میں یہ سب کچھ کی باتوں میں یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا۔ مولانا نے فرمایا

"بھائیو! انسان اس دنیا میں دو چیزوں پر محنت کرتا ہے ایک اس دنیا کی چیزوں پر دوسرے اپنی ذات پر، اس دنیا کی چیزوں پر مثلاً مکان، زمین، تجارت، کارخانے، ملازمت غرض کہ جس چیز پر محنت کی جائے گی پورا دھیان اس طرف ہوگا، دل انہی چیزوں میں اٹکا رہے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپنی ذات کی تکمیل رہ جائے گی، مرنے پر ان چیزوں پر کی گئی محنت ساری کی ساری دھری رہ جائے گی اور انسان اس دنیا سے بالکل خالی جائے گا اور جب حشر کے میدان میں اپنی ذات پر محنت کرنے والوں کو دیکھے گا تو اپنے آپ پر روئے گا اتنا روئے گا کہ آنسوؤں کے دریا بہہ نکلیں گے۔ پھر فرمایا۔

"اپنی ذات پر محنت کرنے (یعنی اپنی زبان پر محنت، اپنے کانوں پر محنت اپنی آنکھوں پر محنت، اپنے دل پر محنت، غرض ہر حصہ جسم پر محنت کرنے سے اس درجہ تک پہنچ جائے گا کہ صرف ایک آنکھ جھپکنے سے اس پوری کائنات سے کروڑوں درجہ زیادہ قیمتی جنت عطا کی جائے گی۔ آپ جارہے ہیں سامنے سے غیر محرم عورت پر نگاہ پڑی، دل نے کہا، اب اگر آنکھ اٹھائی تو برباد ہو جاؤ گے، آنکھ دوسری طرف پھر گئی، اس ایک بار کے پھرنے سے اللہ رب العزت وہ کچھ عطا فرمائیں گے کہ تصور نا ممکن، ان عطا کی جانیوالی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر اس کو دنیا میں آجائے تو پوری دنیا اسے حاصل کرنے کے لئے لڑ پڑے۔

باتیں دل میں اترتی چلی گئیں، اپنے آپ پر ندامت ہوئی، زندگی یوں ہی گزر گئی جس طرح اب تک گزری تو کیا ہوگا؟ آٹھ سے دس ہزار کا مجمع، جس طرف نظر اٹھتی انسان ہی نظر آتے وہ انسان جو اللہ کے خاطر اتنی دور دراز سے سفر کر کے صعوبتیں جھیل کے اس ویرانے میں اکٹھا ہو گئے تھے

مولانا نے فرمایا

"محض اللہ کی خاطر یوں جمع ہونے والوں پر اللہ کے فرشتے آسمان سے زمین تک حلقہ بناتے اور سلامتی بھیجتے ہیں، اللہ کرے آج دنیا میں صرف اللہ ہی کی خاطر لوگ جمع ہوا کریں تاکہ اللہ کی رحمتیں اس زمین پر اتریں اور انسان سکون قلب سے ہم کنار ہوں"

اس مجمع میں امیر بھی تھے، غریب بھی چھوٹے بھی تھے بڑے بھی بچے بھی تھے، بوڑھے بھی، پنجابی بھی تھے، سندھی بھی، سرحدی بھی تھے بنگالی بھی، عرب سے آئے ہوئے بھی تھے ہندوستان سے بھی، ملوں والے بھی تھے اور خوانچہ فروش بھی دینی مدارس کے طلباء بھی تھے۔ کالجوں کے یونیورسٹیوں کے طالب علم بھی غرض کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے محض خدا کی خوشنودی کی خاطر جمع ہو گئے

لیے۔ جس کو مسجد میں جگہ نہ مل سکی وہ باہر ہی بیٹھ گیا، خواہ امیر تھا یا غریب، کوئی نمائش گاہ نہ تھی، کوئی تین تین چار چار رنگ کے رنگے ہوئے بڑے بڑے پوسٹر نہ تھے، کوئی پچھلی کارگذاریوں کے بیان نہ ہوئے، بس ایک ہی تڑپ تھی کہ ہم سدھر جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کو اپنی ذات کی کوتاہیوں، ناکامیوں اور نامرادیوں کا احساس تھا۔ دوپہر کو الگ الگ حلقوں میں بٹ کر تعلیم ہوئی، سنایا گیا کہ نماز کیا ہے۔ دعا کیا ہے؟ نمازیوں پڑھنے سے کیا ملے گا۔ اور جن لوگوں نے یوں پڑھی انھوں نے کیا پایا؟ دعاؤں سے کیا ہوتا ہے جس طرح دعا مانگنے کا حق ہے اس طرح مانگی جائے تو کیا ملتا ہے اور اس طرح جنھوں نے مانگی کیا پایا، پچھلوں کے تذکرے تھے دولت والوں کا تذکرہ آیا تو قارون و ہامان کی دولتوں کے نقشے بتائے گئے، غربت کا ذکر ہوا تو صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے واقعات بتائے گئے۔ فاقوں کا ذکر چھیڑا تو نبی ﷺ کی زندگی بتلائی گئی۔ خدا کو خوش کرنے والوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ معلوم ہوا۔ دو گھنٹے کی تعلیم کے بعد کھانے اور نماز کا وقت ہوا، ایک طرف کھانے کا انتظام کیا گیا تھا، دکانداروں نے دکانیں بھی لگائی تھیں جس کا جی چاہا کھا لیا۔ اجتماع والوں کی طرف سے کھانے کا کوئی پیسہ نہ لیا جاتا، عصر کی نماز کے بعد لائلپور کے مفتی زین العابدین صاحب کا بیان ہوا۔ تھوڑے سے وقت میں بہت کچھ سمجھا دیا۔ خدا نے بولنے کا خوب ملکہ دیا ہے، سنکر وجدانی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے بتایا کہ

"انسان جب اپنے آپ پر محنت کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچتا ہے جس پر اللہ راضی ہو کر اسکے صرف ہاتھ اٹھنے پر ہی فیصلہ فرما دیتے ہیں تو دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ دنیا کس طرح اس کے پیچھے آتی ہے، آج ہم لوگ دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں اور وہ ہے کہ ہاتھ نہیں آتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے واقعات سنائے گئے اور کچھ اس انداز سے کہ ایمان تازہ ہوگیا۔

مغرب کے بعد عرب سے آئے ہوئے ایک اللہ کے بندے کا بیان شروع ہوا، زبان عربی تھی لہجہ انتہائی شیریں، جی چاہتا تھا اللہ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی زبان بولتا رہے۔ مترجم صاحب ساتھ بیٹھ گئے۔ پون گھنٹہ دین کے مختلف پہلوؤں سے نہایت وضاحت سے روشنی ڈالتے رہے۔ عدل و انصاف، معاشرت و معیشت اور دنیا کے مختلف علاقوں میں اسلام کی دعوت کے پھیلاؤ پر معلوماتی تقریر کی۔"

مولانا محمد یوسف صاحب کی طبیعت اس دوران ٹھیک نہ تھی لیکن طبیعت کی ناسازی کے باوجود تقریر فرمائی۔ تاثر نگار اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے آگے تحریر کرتے ہیں۔

" رات کے خطاب میں مولانا محمد یوسف صاحب کا بیان ہوا، لاہور اور قریب ہر شہر کے مختلف حلقہ فکر کے علمائے کرام موجود تھے۔ مولانا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی، کھانسی اور نزلہ کا زور رہا لیکن دین کی محبت کچھ اس طرح غالب ہے کہ کسی چیز کی پروانہ کرتے ہوئے مسلسل بولتے ہیں۔ عام اجتماع ہو یا خاص شہری حضرات کے اجتماع میں بولنا ہو یا میواتی حضرات میں، اس بولنے اور پوری قوت سے بولنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعات بتائے جاتے رہے۔ ایک طرف اس دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزوں کی بے بسی، دوسری طرف خدائے بزرگ و برتر کی عظمت؛ دل میں یہ سب کچھ یوں نقش ہوتا رہا جیسے ہونے کا حق ہے، آخر کیوں نہ ہو کہنے والا پورے یقین سے کہہ رہا تھا، زبان کے ساتھ دل کی گہرائیوں کی آواز شامل ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ

"اگر کوئی فاسق تمہارے پاس اس قسم کی خبر لائے کہ کوئی گروہ یا فرد تمہارے مال اور جان کے بارے میں برے ارادے کر رہا ہے تو اس کے باوجود کہ اس کا جھوٹا ہونا تمہارے نزدیک مسلّم ہے تم اپنے مال و جان کی فکر میں لگو گے لیکن جس اللہ کے نبی ﷺ پر ہمارا ایمان ہے کہ سچے نبی ہیں۔ اگر اس ایمان میں کچھ کمی ہے تو ہم مسلمان ہی نہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! اس دنیا کی حقیقت کچھ نہیں، اللہ کے نزدیک اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں، مردہ بکری کے بچے کے برابر بھی نہیں، جو کچھ بھی ہے آخرت کی زندگی ہے، اسکے لئے کچھ کر لو ورنہ اس نہ ختم ہونے والی زندگی میں تڑپو گے، لیکن یہ سنکر ہمیں یقین نہیں آتا کیوں؟ اسلئے کہ اس دنیا کے مال اور اولاد ہمارے مشاہدے میں ہیں اور آخرت کی زندگی غیب میں، بس اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔ جب دیکھ لیا تو غیب کہاں رہا؟

رات گیارہ بجے تک یوں ہی دین و ایمان کی باتیں ہوتی رہیں، نماز پڑھی گئی، ایک ہی صف میں ہر درجہ، ہر زبان، ہر عمر اور مختلف رنگ و

نسل کے دینی بھائی اللہ کے حضور یوں کھڑے ہوئے جیسے ان کا وجود ہی نہیں ہے۔ چاروں طرف ایک سناٹا۔ امام صاحب ان سب کی طرف سے اللہ کے حضور عرض گزار رہے ہیں۔ بارہ بجے کچھ آرام کی فکر میں لگ گئے، کچھ اللہ سے باتیں کرنے میں چار بجے آنکھ کھلی آگے پیچھے، دائیں بائیں بہتوں کو کھڑا پایا۔ اللہ اکبر! کیا سرور ہے اس کھڑے ہونے میں۔

۲۲ کی صبح نماز کے بعد پھر تقریر ہوئی۔ دوپہر کو تعلیمی حلقے بنائے گئے۔ عصر کے بعد ہندوستان سے آئے ہوئے علم دین سے پورے واقف مولوی محمد عمر صاحب کی تقریر ہوئی، خوب سلیقے سے بیان فرماتے ہیں۔ تھوڑے سے وقت میں ہر انداز کا خوب مواد ذہنوں میں بسایا۔ زبان اللہ کی عظمت کے ترانے خود بخود گانے لگی۔

غرض اسی طرح یہ تین دن کا روح پرور اجتماع چلتا رہا۔ احساس دلایا جاتا رہا کہ سب بگاڑ اپنی ذات میں ہے، اگر یہ درست ہو جائے تو سب درست ہو جائے گا۔

آخری روز اللہ کے راستے میں اپنی ذات پر محنت کرنے کیلئے جن لوگوں نے وقت دینے ان کی تشکیل جماعتوں کی شکل میں ہوئی۔ ہر جماعت میں آٹھ سے بارہ تک اللہ کے بندے جمع کر دیئے گئے۔ سو کے قریب جماعتیں بن گئیں جن کو ملک کے کونوں کونوں میں بھیجا گیا تھا کہ ان فانی چیزوں سے کچھ دیر کے لئے کٹ کر آدمی اپنی ذات پر محنت کر سکے۔ ہر جماعت کا ایک امیر مقرر کر دیا گیا۔ اپنے اپنے بستر، اپنے اپنے خرچ اور اپنی اپنی ذات پر محنت کرنے کا جذبہ اور دوسرے بندگان خدا تک اللہ کی بات پہونچانے کی فکر، یہ سب منظر اس قدر روح کو بالیدگی بخشتے رہے کہ سیکڑوں وعظ بھی یہ نہ کر سکے، اختتام پر دعا ہوئی، مولانا محمد یوسف صاحب نے دعا کی، اپنے گناہوں کی توبہ، مغفرت، آخرت کی سرخ روئی، دین کی عظمت، تمام انسانوں کے لیے ہدایت طلبی یہ سب باتیں اللہ سے طلب کی گئیں۔ دعائیں مانگی گئی جس طرح سے مانگنے کا حق ہوتا ہے، کوئی آنکھ نہ تھی جو روئی نہ ہو۔ کوئی زبان نہ تھی جو بلی نہ ہو، کوئی دل نہ تھا جو پھٹ پڑنے پر نہ آیا ہو، بس ایک ہی احساس تھا کہ اتنی زندگی جو گذری ناکامی میں ہی گذری میں ہی سراپا معصیت ہوں، سب برائیاں مجھی میں ہیں۔ اے اللہ ان سب کوتاہیوں کو معاف فرما اور میری زندگی کو اپنے راستے پر لگا دے"

اس طرح ۲۳ کی دوپہر کو یہ مبارک اجتماع ختم ہو گیا۔

تبلیغ و دعوت کا کام چونکہ شخصیت کے تابع نہیں اور نہ ہی کسی شخصیت کے سہارے چل رہی ہے اگرچہ شخصیات سے عقیدت، ان کی ذاتی محنت اور جدوجہد کا کام کے بڑھانے میں بہت دخل ہے مگر کام ان کی شخصیت سے وابستہ نہیں یہی وجہ ہے کہ اتنی بڑی بڑی شخصیات کے اس دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی کام پورے زور و شور سے چل رہا ہے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے انتقال کے بعد جو رائیونڈ میں پہلا اجتماع ہوا اسمیں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے نہیں آسکے تھے مگر جو اجتماع ہوا وہ اپنی مثال آپ تھا اس کا حال سوانح یوسفی میں حضرت شیخ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں۔

" (مولانا یوسف صاحب کے) حادثہ کے بعد ہم سب کو یقین تھا کہ،

آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

اس کام کا چلنا دشوار ہے مگر اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت عامہ اور قدرت کاملہ سے اب تک تو یہ چیز روز روشن کی طرح واضح فرما دی کہ کام شخصیات پر موقوف نہیں، اتنا ہجوم اور اجتماعات کی کثرت اور بھرمار اب تک ہو رہی ہے کہ عزیز مرحوم کے زمانہ میں اس سے آدھی بھی نہ تھی، رائے ونڈ کا سالانہ اجتماع جو اس ماہ میں تھا اس کے متعلق ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا اور اس کے بار بار خطوط آرہے تھے چونکہ حضرت جی کا انتقال ہو چکا ہے اور راستوں کے بند ہونے کی وجہ سے نظام الدین کے حضرات کی آمد بھی نہ ہو سکے گی اس لئے یہاں سے مولانا سعید خان صاحب کو مکہ مکرمہ لکھا گیا کہ وہ اجتماع میں شریک ہوں چنانچہ وہ اجتماع سے دو دن پہلے رائے ونڈ پہنچ گئے اور خطوط میں کثرت سے یہ بات پہونچی کہ عزیز کے زمانہ میں کبھی اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا وہ لکھتے ہیں کہ۔

" حضرت جی کے زمانے میں ملکی اور غیر ملکی جماعتیں کبھی ۸۰ سے متجاوز نہیں ہوئیں اور امسال ۱۴۰ جماعتیں بنیں، پنڈال پہلے ہی دن

اندازہ سے بہت زیادہ بھر گیا پھر بار بار اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ ہندوستان کے اجتماعات بھی جن کی تاریخیں عزیز مرحوم اپنے زمانے میں طے کر چکے تھے۔ اور بعد میں ان کے متعلق یہ خیال ہوا تھا کہ وہ نہ ہو سکیں گے۔ لیکن ہر اجتماع کے متعلق سننے میں آیا کہ وہ اندازہ سے بہت زیادہ بڑھ گیا اور جدید اجتماعات بھی اب تک اتنی کثرت سے ہو رہے ہیں کہ جن کا پورا کرنا مشکل ہے۔ نظام الدین کے حضرات کے بغیر بھی ہر جگہ سے اجتماعات کی کثرت کے خطوط آتے رہتے ہیں"

اور پھر یہ اجتماع ہر سال بڑھتا رہا۔ لاکھوں افراد اس اجتماع میں شرکت کرتے ہیں۔ جبکہ اس اجتماع کے لئے نہ اشتہار چھاپنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ نہ چاکنگ کرنے کی، نہ ریڈیو اور ٹی وی سے اعلان نشر ہوتا ہے۔ نہ اخبارات میں پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے اس کے باوجود حج کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اجتماع اس چھوٹے سے گمنام قصبے میں منعقد ہوتا ہے دنیا کے کونے کونے سے لوگ اپنا مال اپنی جان اور وقت لے کر کھنچے چلے آتے ہیں۔

سیاسی اور مذہبی جلسوں کے لئے ہزاروں پوسٹر اور بینر لگائے جاتے ہیں، چاکنگ سے دیواریں سیاہ کر دی جاتی ہیں، اخبارات میں لاکھوں روپے کے اشتہارات دیئے جاتے ہیں ریڈیو اور ٹی وی سے اعلان نشر کرائے جاتے ہیں لیکن اس کے باوجود تبلیغی اجتماع کے دسویں حصے کے برابر بھی مجمع اکٹھا نہیں ہو پاتا جبکہ رائے ونڈ کے مرکز میں پورے تین دن کے لئے لاکھوں انسان جمع ہو جاتے ہیں۔

تبلیغی حضرات سے پوچھا جائے تو ان کا جواب انتہائی مختصر اور سادہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ سب اللہ تعالی کی نصرت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالی کی غیبی نصرت کے یقین نے تبلیغ والوں کو ظاہری وسائل سے مستغنی کر دیا ہے۔ جونہی اجتماع کے دن قریب آتے ہیں خصوصی دعاؤں کا اہتمام شروع ہو جاتا ہے حرمین میں دعائیں ہوتی ہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تبلیغی مراکز میں خیر و خوبی کے ساتھ اجتماع کی کامیابی کے لئے رو رو کر مالک حقیقی سے التجائیں کی جاتی ہیں بعض افراد کو تو دعا ہی کے لئے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ سن ۱۹۹۳ء میں بھی یہ اجتماع منعقد ہوا احقر بھی اس اجتماع میں شریک تھا اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ حضرت جی کا آخری اجتماع ہے اور آئندہ سال ہم حضرت جی کی مسحور کن آواز اور الحاح وزاری والی دعا سے محروم رہ جائیں گے۔ بہر حال جب میں اجتماع گاہ میں پہنچا تو یہاں جنگل میں منگل کا سماں تھا بانسوں اور کپڑے کا ایک بہت بڑا شہر آباد تھا، قناتیں اور ٹینٹ کرائے پر لینے کی بجائے تبلیغی ساتھی موٹے کپڑے اور بانسوں کی مدد سے آنے والوں کے لئے یہ شہر خود آباد کرتے ہیں، بجلی، لاؤڈ اسپیکر اور ہزاروں بیت الخلاء کی تعمیر جیسے کام بھی مزدوروں سے کروانے کے بجائے اپنی مدد آپ کے تحت خود کئے جاتے ہیں اس بار اجتماع گاہ کو صوبوں، شہروں اور علاقوں کی بنیاد پر اٹھارہ حلقوں پر تقسیم کیا گیا تھا، ان میں سے ہر حلقہ سینکڑوں اور ہزاروں ذیلی حلقوں پر مشتمل تھا مثلاً صرف کراچی والے حلقے میں مختلف مساجد، مدارس اور محلوں پر مشتمل ہزاروں حلقے تھے بسا اوقات ایک شہر کی کسی ایک مسجد کے ساتھیوں اور ان کے حلقے کی تلاش ایک مشکل مسئلہ بن جاتا تھا یوں تو بانسوں پر نمبر لگا دیئے گئے تھے اور ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش رکھنے والے احباب اس بانس کا نمبر نوٹ کروا دیتے تھے جس کے قریب ان کا حلقہ ہوتا تھا مگر ایک ہی نمبر کے بانسوں کی لمبی قطار میں اپنے مطلوبہ حلقے کی تلاش بعض احباب کے لئے ہفت خواں سر کرنے کے مترادف تھا۔

میں نے اجتماع کے لئے کئے گئے انتظامات کی تفصیل جاننے کی اپنی سی کوشش کی مگر یہاں پر ہر عمل ہر انتظام اور ہر کام پر اخلاص کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ نہ اخبارات کے لئے کوریج کا انتظام ہوتا ہے نہ ہی تفصیلات معلوم کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے لاکھوں انسانوں کے لئے یہ شہر آباد کرنے میں کتنے کارکنوں نے حصہ لیا؟ کتنا کپڑا اور کتنے بانس استعمال ہوئے؟ پوری اجتماع گاہ میں روشنی اور آواز پہنچانے کے لئے کتنی ٹیوب لائٹیں، کتنے بلب، کتنے تار اور کتنے لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوئے۔ ہزاروں عارضی لیٹرینوں اور وضو خانوں پر کتنا خرچ ہوا؟ پارکنگ راستوں، ہوٹلوں، ہزاروں دکانوں، اور کتب خانوں کی منصوبہ بندی کس نے کی؟

ان میں سے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جاتا تاکہ اخلاص پر حرف نہ آئے جو کچھ کیا گیا اس پر نمود و نمائش کی پرچھائیں نہ پڑ جائے ورنہ تبلیغی جماعت اور دوسری جماعتوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

ایک ساتھی جو سال کی جماعت میں چل رہے تھے اور ان کے سامنے یہ سارے انتظامات ہوئے تھے انہوں نے بس اتنا بتایا کہ چند روز پہلے

یہاں دھان کے کھیت تھے ان کی فصل کٹنے کے بعد صرف پندرہ دن میں یہ سارے انتظامات مکمل ہوئے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پندرہ دن کا سن کر میری تو عقل دنگ رہ گئی، بغیر کسی حکومت اور ادارے کی سرپرستی کے لاکھوں انسانوں کے لئے صرف پندرہ دن میں ایسی سہولت کی فراہمی یقیناً ایک زندہ کرامت ہے۔

اجتماع جمعرات کا دن گزار کر جمعہ کی رات کے بعد نماز مغرب سے شروع ہوا مگر لوگ دو تین دن قبل آنا شروع ہو گئے مغرب کے بعد، فجر کے بعد، جمعہ اور ظہر کی نماز کے بعد بیانات ہوئے ناشتہ کے بعد ظہر سے قبل ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے اپنے حلقوں میں تعلیم ہوئی۔

جمعہ کے دن عصر کے بعد ذکر کی فضیلت پر مختصر بیان ہوا اور سب حاضرین کو ذکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہفتہ کے روز ظہر سے قبل علماء، طلباء، خواص اور میواتیوں کے لئے خصوصی بیانات ہوئے۔

ہفتہ کے روز بعد نماز عصر اجتماعی نکاح کی تقریب ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب دلکش منظر تھا۔ سینکڑوں نکاح کے امیدوار اور ان کے ولی حضرت جی کے سامنے جمع ہوئے، حضرت جی نے بہت ہی مختصر انداز میں نکاح کی اہمیت پر بیان فرما کر نکاح کا خطبہ مسنونہ پڑھا اور پھر ایک ایک سے ایجاب و قبول کروائے، وقت ختم ہونے پر اپنے اپنے حلقوں کے ذمہ دار حضرات نے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، نکاح کی اس تقریب میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جن کا تبلیغ سے تعلق ہو، انہوں نے نکاح سے قبل تبلیغ میں وقت لگایا ہو یا پھر نکاح کے بعد تبلیغ میں وقت لگانے کا وعدہ کیا ہو۔

اجتماع میں نمازیں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ہوئیں۔ البتہ تکبیرات کے لئے سینکڑوں یا شاید ہزاروں کی تعداد میں مکبرین متعین کر دیئے گئے تھے وہ جب بیک وقت اللہ کی بڑائی بولتے تھے تو عجیب سا سماں پیدا ہو جاتا تھا گرد و پیش کی فضاء اور کئی فرلانگ میں پھیلا ہوا پنڈال ان کی آواز سے گونج اٹھتا تھا اور دل روحانی کیفیت سے لبریز ہو جاتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اسپیکر میں تکبیرات کے کہنے سے وہ کیف ہو ہی نہیں سکتا تھا جو بغیر لاؤڈ اسپیکر کے مکبرین کی آوازوں سے پیدا ہو رہا تھا۔

مجھے اچانک خیال آیا کہ حجۃ الوداع میں جب ایک لاکھ سے زیادہ کا مجمع تھا اور برقی آلات تو کیا خود برق بھی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی مکبرین ہی کا اہتمام کیا ہو گا اور ان کی دلکش اور مقدس آوازوں سے منیٰ اور عرفات کی وادیاں گونج اٹھی ہونگی۔ بس اس خیال کے آنے سے مجھے لاؤڈ اسپیکر کے عدم استعمال کا فلسفہ خود بخود سمجھ میں آگیا۔

تبلیغی اکابرین کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ ہر کام رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کے مطابق کیا جائے ان کے بیانات میں اسی پر زور دیا جاتا ہے ان کے حلقوں اور ان کی مجالس اور اجتماعات میں اسی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کی جماعت کی تنظیمی ہیئت پر اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور اس چیز کا اثر آپ کو ان کے لباس، ان کی گفتگو، ان کی نشست و برخاست اور ہر چیز میں نظر آئے گا اور ان کے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال نہ کرنے کی بہت سی وجوہات بھی ہو سکتی ہیں لیکن اس کی ایک واضح اور کھلی ہوئی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے زمانہ نبوت کی قربت کا احساس ہوتا ہے اور بار بار سوچیئے کہ یہ احساس کتنا قیمتی ہے۔ میرے آقا ﷺ یوں بیٹھتے ہوں گے یوں چلتے ہوں گے یوں معاملات کرتے ہوں گے۔

آقا ﷺ کی زندگی کے یہ نقشے نظر تصور کے سامنے رہیں تو عمل کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے دن بھر کے سفر کی وجہ سے میں نماز عشاء کے فوراً بعد سو گیا۔

تہجد کے وقت آنکھ کھلی تو ادھر سے ادھر ہزاروں لوگ مصروف عبادت نظر آئے انہیں کسی نے اٹھنے پر مجبور نہیں کیا، منتظمین کی طرف سے تہجد میں اٹھانے کا کوئی انتظام نہیں مگر لوگ اپنے اندرونی احساس اور درد کی وجہ سے خود بخود اٹھ جاتے ہیں۔

میرے چاروں طرف جو لوگ سراپا ناز کی بارگاہ میں سراپا نیاز بنے ہوئے تھے کوئی حالت قیام میں تھا اور کوئی حالت قعود و سجود میں، ان میں سے بے شمار وہ بھی تھے جن کے انکسائے ندامت ان پر جہنم کی آگ حرام ہونے کا وسیلہ بن رہے تھے، ان میں بہت بڑی تعداد ان کی بھی تھی جو امت کی ہدایت کے لئے رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے ان کے قریب سے گزرنے والوں کو ان کی گھٹی گھٹی سی سسکیاں صاف سنائی

دیتی ہیں۔ گناہوں پر ندامت، امت مسلم کی زبوں حالی، عالم اسلام کی مظلومیت، حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی کسمپرسی اور آخرت کی فکر یہ وہ احساسات ہیں جو دل میں درد اور آنکھوں میں طراوت پیدا کر دیتے ہیں۔

رازو نیاز، رکوع و سجود، عبادت و مناجات اور گریہ و بکا میں مصروف ان انسانوں کو دیکھ کر مجھے معاً یہ خیال آیا کہ یہی ہیں وہ لوگ جنہیں گستاخ رسول ﷺ مکار، فریبی، سازشی، اور فسادی کہا جاتا ہے راتوں کو چھپ چھپ کر رونے والے لوگ آخر کسے دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟ کیا مکاروں اور ریاکاروں کی آنکھیں خلوت شب میں یوں آنسوؤں کی برسات برسا سکتی ہیں۔

میں تسبیح و تحمید، ذکر و دعا اور عبادت و مناجات کے اس نورانی منظر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر ہی رہا تھا کہ اذان فجر سے کوئی دس منٹ پیشتر اسپیکر پر بڑے دلکش انداز میں "السلام علیکم" کہہ کر تمام شرکاء اجتماع کو متوجہ کیا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ "بھائی جو جاگ رہے ہیں وہ اپنے بھائیوں کو پیار سے اٹھادیں اور نماز کی تیاری فرمائیں"

اس درخواست کے جواب میں پورے پنڈال میں "اٹھ جاؤ بھائی، نماز کی تیاری کرو، بھائی سستی نہ کرو، دیر ہو جائے گی" جیسی آوازیں گونجنے لگیں۔

یہاں ہر شخص دوسرے کو بھائی کہہ کر پکارتا ہے۔ یہ سب اخوت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ ملکی سرحدیں، صوبائی امتیازات، قومی تعصبات اور گروہی شخصیات یہاں خاک میں مل جاتے ہیں، ان سب کو یہی درس دیا جاتا ہے کہ مسلمان امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا، پاکستانی ہو یا ہندوستانی عربی ہو یا عجمی، جو نوجوان گہری نیند سوئے ہوئے تھے انہیں پاؤں دبا دبا کر پیار سے اٹھایا جارہا تھا، سختی، درشت کلامی اور بداخلاقی دور دور تک نہیں تھی۔

فجر کی نماز کے اول وقت میں چاروں طرف سے اذان کی مقدس آوازیں کانوں میں رس گھولنے لگیں۔ اجتماع کی تینوں راتوں میں یہی خوشنما اور پُر تاثیر منظر ہوتا ہے۔

اتوار کے دن ناشتہ سے فارغ ہو کر جماعتوں کو ہدایات دی گئیں۔ ہدایات میں پہلے چھ نمبروں کی تعلیم دی گئی۔ اس کے بعد کام کا طریقہ، گشت کے آداب و کام کیلئے محنت اور فکر، اس کیلئے دعاؤں کا اہتمام، علماء کا احترام اور بہت سی ہدایات دی گئیں۔ ہدایات حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری صاحب نے دیں جن کا سلسلہ ڈیڑھ دو گھنٹہ جاری رہا۔

ہدایات کے بعد حضرت جی کا مختصر بیان ہوا جس میں آپ نے دین پر چلنے اور اس کیلئے محنت و دعوت اور ہجرت و نصرت کی ترغیب دی۔ بیان کے بعد حضرت جی نے رو رو کر انتہائی تضرع و زاری سے دعا کرائی، پورا مجمع اللہ کی طرف متوجہ، اللہ کے سامنے جھولی پھیلائے ہوئے اللہ کے دربار میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دعا میں مصروف تھا، ہر شخص مجسم دعا بنا ہوا تھا، پورے مجمع میں آہوں، سسکیوں اور نالہائے دل کی آوازیں آرہی تھیں۔ رونے، ہچکیوں اور آمین کی آواز اور حضرت جی کی دعا کی آواز کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

جو لوگ چل پھر رہے تھے، بازاروں میں گھوم رہے تھے، متوجہ نہیں تھے وہ بھی دعا کی آواز سن کر دوڑے دوڑے مجمع میں شریک ہو گئے، جس کو جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ کر دعا میں شریک ہو گیا ۲۵، ۳۰ منٹ تک دعا ہوتی رہی اور "اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما" کے جملے پر حضرت جی کی دعا مکمل ہوئی۔ دعا کے بعد مجمع جانا شروع ہوا اور دوسری طرف جماعتیں حضرت جی سے مصافحہ کر کے رخصت ہونا شروع ہوئیں۔ اس اجتماع میں تین ہزار تین سو جماعتیں نکلیں یہ یاد رہے کہ اس میں ایک سال، تین چلے اور ایک چلے والی جماعتیں شمار کی جاتی ہیں۔ تین دن، دس دن، بیس دن والی جماعتیں تو بے شمار نکلتی ہیں جن کو شمار ہی نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اجتماع کی برکات ہمیں بھی نصیب فرمادے۔

(اس اجتماع میں حضرت جی نے جو بیان کیا اور دعا فرمائی یہ رائے ونڈ کے اجتماع میں حضرت جی کی آخری دعا اور آخری بیان تھا جو اسی رسالہ میں الگ سے شائع کیا جا رہا ہے)

زندگی گذارنے کا خدائی طریقہ



بیان حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ۔ اجتماع رائے ونڈ ۱۹۸۱ء بعد نماز مغرب

الحمدللہ۔ الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیّئات اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

امابعد فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من کان یرید العاجلۃ عجّلنا لہ فیھا مانشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلٰھا مذموماً مدحوراً۔ ومن اراد الاٰخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا وھو مؤمن فاولٰئک کان سعیھم مشکورا۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم وحوال الدنیا اعظمہ الی اللہ القتل وجمیع المسلم۔ او کما قال علیہ السلام۔

وقال اللہ تبارک وتعالیٰ قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

میرے عزیزو، دوستو اور بزرگو! اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے اس کائنات کے اندر، اس عالم کے اندر، پیدائش کی ایک ترتیب بنائی ہے اور یہ ترتیب ایسا نہیں کہ خدائے پاک کو دنیا بنانی تھی۔ اس کو آباد کرنے کیلئے انسانوں کو بھیجنا تھا اور یہ انسان کو بھیجنے کے لئے اور ان کیلئے نبیوں کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ایسی ترتیب بنائی۔ خدائے پاک نے یہ عالم بنایا یہ عالم کے اندر کی جتنی چیزیں ہیں تمام چیزیں بنائیں۔ پہاڑ بنائے سمندر بنائے۔ دریا بنائے۔ یہ حیوانات، یہ جانور بنائے یہ انسانوں کے لئے یہ باربرداری کرتے ہیں یہ انسانوں کے کام آتے ہیں، ان سب کو بنایا اور خدائے پاک نے یہ کھیتیاں یہ باغات، بنائے اتنا ہی نہیں خدائے پاک نے یہ زمین اور آسمان بنایا چاند سورج اور ستارے بنائے یہ تمام کے تمام انسان کے کام آنے کیلئے انسان کو نفع پہنچانے کیلئے جتنی چیزیں خدائے پاک نے بنائی ہیں انسان ہی کیلئے بنائی۔ اور یہ انسان جو ہے یہ انسان خدائے پاک کا بندہ ہے۔ اسے خدائے پاک نے بنایا اور اس کے لئے خدائے پاک نے کوئی اسکی زندگی گذارنے کی بھی خدائے پاک نے بنائی۔ اور اس ترتیب کو بچانے کیلئے انبیاء کرام بھی تشریف لائے ہیں ترتیب آدم کی تخلیق کی یہ ہے کہ خدائے پاک کو نبی پاک ﷺ کو بھیجنا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ یہ خدا کے پیارے۔ نبیوں کے سردار خاتم النبیین اللہ کو انہیں دنیا میں بھیجنا تھا ان کو بھیجنا تھا وہ ہے خلقت کی اصل، وہ ہے ان تمام چیزوں کو پیدا کیئے جانیکا۔ دنیا میں بھیجے جانیکا، وسیلہ اور ذریعہ وہ اگر نہ آتے تو نہ یہ آدم پیدا کیا جاتا نہ انسانوں کو بنایا جاتا نہ انسانوں کیلئے اتنی چیزیں کام آنیوالی ہیں۔ نہ ان کو پیدا کیا جاتا۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ کو جناب رسول اللہ ﷺ کو بھیجنا تھا۔ آپ کو یہ طریقہ لیکر بھیجنا تھا۔ اس کے لیے کہ یہ انسانوں کو بنایا گیا تھا۔ انسانوں کو آکر آپ نے وہ طریقہ بتلایا جس طریقے پر چلنے سے انسانیت ہے کامیاب ہوتی ہے۔ چمکتی ہے۔ دنیا اور آخرت کے اندر نجات پاتی ہے سلامتی کی راہ پر چلتی ہے۔

بس یہ تھی عالم کی پیدائش کی ان کے پیدا کیئے جائیگی حضور ﷺ کو بھیجا تھا اور آپ ﷺ یہ طریقہ لیکر تشریف لائے۔ اور انسانوں کے اندر چلنا تھا، انسانوں کو اس طریقے پر چلنے کیلئے پیدا کیا۔ جب انسان کو پیدا کیا جانا تھا تو اس کے لئے یہ عالم کی تمام چیزیں پیدا کی گئیں ہیں، یہ دنیا کی جتنی چیزیں ہیں۔ یہ تمام کی تمام یہ سب سے نیچے درجے کی اس کے آخری درجے کی ہے جبکہ پہلا درجہ جناب رسول ﷺ کا ہے۔ یہ تشریف لائے۔ یہ طریقہ لیکر تشریف لائے۔ خدائے پاک نے قرآن پاک میں کتنی جگہ کتنے مقام پر اس کو بلند فرمایا ہے اور اس کی تائید فرمائی ہے اور جگہ جگہ اس پر متنبہ فرمایا ہے اور متوجہ فرمایا ہے۔ اور وہ کیا ہے یہ ہے ایمانی راستہ۔ ایمان یہ ایمانی راستہ یہ جناب رسول ﷺ لے کر آئے۔ اور اسی راستے کی طرف جتنے انبیائے کرام تشرف لائے ہیں ان سب میں اسی راستے کی طرف خدا کی مخلوق کو، انسانوں کو بلایا ہے۔ یہ تمام انبیاء کرام کی آمد یہ بھی حضور پاک ﷺ کی آمد کیلئے تشریف آوری کیلئے تمہید تھی۔ اصلی غرض اصلی خلقت کی وجہ وہ حبیب، وہ حبیب اللہ جناب رسول اللہ ﷺ تھے۔ یہ ایمانی راستہ وہ راستہ ہے کہ جس کو خدائے پاک نے پسند فرمایا ہے۔ جس کیلئے اپنے حبیب پاک ﷺ کو آپ نے بھیجا ہے اور وہ راستہ ایسا ہے کہ انسانیت کے لئے ہی نہیں پوری مخلوقات کیلئے اس کے اندر راحت ہے اس کے اندر چین ہے۔ اس کے اندر عافیت ہے یہ ایک راستہ ہے کہ جس راستہ پر چلنے کو پورے عالم کے اندر ایک عافیت کے سوا اور عافیت کی ہوا چل سکتی ہے۔ وہ راستہ چھوڑ کر، ایمانی راستہ چھوڑ کر آخرت کو چھوڑیئے۔ دنیا کی زندگی وہ بھی چین سے بسر نہیں ہو سکتی۔ اس کے اندر بھی عافیت نہیں آسکتی دنیا کی انسان ہی کی عالم میں ہی نہیں جتنی دنیا میں عالم میں اس سب کے اندر اک ہیجانی کیفیت ایک انفرادی کیفیت، پریشانی کی سی کیفیت رہے گی چاہے، چاہے وہ انسان ہو چاہے وہ حیوان ہو اور چاہیں نباتات ہو چاہے وہ جمادات ہو کوئی سی ماہیت جس کے اندر کبھی چین نہیں آئے گا کبھی سکون نہیں آئیگا۔ ان کے اندر سے اضطرابی اور ہیجانی کیفیت نہیں جائیگی۔ جب تک ایمانی راستہ اختیار نہ کیا جائے۔ جب تک کہ ایمانی فضائیں قائم نہ کیجائیں۔ وہی راستہ تھا جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ لیکر آئے۔

اور وہ ایمان ہے دنیا کے اندر بھی زندگی کی عافیت اسی کے اندر رکھی ہے اور آخرت کے اندر تو بغیر ایمانی زندگی کے کوئی پوچھ ہی نہیں ہے وہاں پر کوئی قیمت ہی نہیں ہے، قیمت تو کیا ہوتی وہاں پر تو بے ایمانی کی سزا بھگتنی پڑے گی، ایسے ہی خدائے پاک کا ارشاد گرامی ہے۔

ان الذین کفروا لو ان لهم ما فی الارض جمیعا و مثله معه لیفتدوا به من عذاب یوم القیمة ما تقبل منهم و لهم عذاب الیم۔

اگر ایمان کی دولت نہیں ہے تو آخرت کے اندر اپنی جان چھڑانے کیلئے جتنا دنیا میں ہے، اتنا ہی اور اس کے ساتھ ملا لیا جائے وہ مثلہ معہ اتنا ہی اور ملا لیا جائے اور جان چھڑانے کیلئے ایک آدمی کے دیا جاوے ماتقبل جو ایک دنیا نہیں دوسری دنیا بھی اس کے ساتھ ملا لی جاوے تو یہ بے ایمان آدمی کی جان چھڑانے کے اندر اس کو قبول نہیں کیا جاوے گا۔ ولهم عذاب الیم اور دردناک عذاب اور دکھ دینے والا عذاب اس کو ہوگا اور اس کا یریدون ان یخرجوا من النار وما هم بخارجین منها ولهم عذاب مقیم وہ آگ سے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے نکل نہیں سکیں گے۔ بتیرے اپنا زور لگائیں گے وما هم بخرجین منها ولهم عذاب مقیم آخرت کے اندر تو ایمانی سکے کے علاوہ کسی سکے کی کوئی پوچھ ہی نہیں ہے۔ وہ کسی سکے کو وہاں اپنا چھٹکارا نہیں ہو سکتا ہے۔ یہاں پر اپنی جان نہیں بچائی جاسکتی ہے۔ وہاں پر تو یہ سکّہ چلتا ہے۔ اور دنیا کی زندگی کے اندر دنیا کی زندگی کے اندر بھی چین نہیں آسکتا۔ جب تک ایمانی زندگی نہ ہو۔ ایمانی زندگی ہی ظاہر ہے کہ انسانوں کی کامیابی کا دنیا میں اور آخرت میں ایمان ہے کیا چیز یہ خالی زبانی، خالی نظری، خالی رسمی چیز نہیں ہے یہ ایک حقیقت ہے اگر اس کی حقیقت ہو تو یہ دنیا کی جتنی چیزیں ہیں۔ یہ تمام کی تمام اس کے سامنے کوئی حیثیت، کوئی قیمت کوئی درجہ نہیں رکھتا۔

میرے دوستو اور بزرگو! ایمان کیا ہے ایمان میں سب سے پہلی چیز وہ خدائے پاک واجب الوجود جو اپنی ہستی میں اپنے موجود ہونے میں وہ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو جاننا ہے اس کو پہچاننا ہے، اور اس کو ماننا ہے اور پہلی چیز تو یہی ہے، ایمان کے اندر۔ خدائے پاک کا جاننا اس کا پہچاننا اس کو ماننا ایمان کی پہلی چیز یہی ہے اسی واسطے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یہ آیت ہے یہ عابدین کی جمہور مفسرین یہ تصدیق کرتے ہیں الا لیعرفون کہ انسانوں کو، جنات کو ہم نے اس واسطے پیدا کیا ہے تا کہ وہ مجھ کو پہچانیں خدا کی معرفت حاصل ہو۔ یہی وجہ خلقت، خدائے پاک نے بیان فرمائی ہے کہ جنات

ہو چاہے انسان ہو۔ وہ اپنے پہچانتے کیلئے ان کو پیدا کیا ہے۔ ایمان کی سب سے پہلی چیز وہ خدا کو جاننا، خدا کو پہچاننا اور خدا کو ماننا اور اور آگے کی باتیں وہ آگے ایمان کی کوئی بڑ ایسی نہیں ہے جو اپنے اندر اثر اور خاصیت نہیں رکھتی اگر یہی چیز انسانوں کے دلوں کے اندر رچ جائے، جم جائے۔ اسی سے اس کی زندگی کا دھارا بدل جاتا ہے۔ اسی سے اس کی زندگی صحیح راستے پر پڑ جاتی ہے۔ جب خدائے پاک کو جانتا ہوگا، پہچانتا ہوگا، مانتا ہوگا تو کسی چیز کے اندر کسی عمل کے اندر وہ خدا کے حکموں کے خلاف چلنے کی ہمت نہیں کرے گا کیونکہ جانتا ہوگا کہ خدائے پاک مالک الملک ہے، وہ خالق الکل ہے سب کا پیدا فرمانے والا ہے۔ سب کا پالنے والا ہے ہر چیز خدا ہی کے قبضے میں، ہر چیز خدا ہی کے ملک میں ہے۔ دوسرے کی چیز میں آج ہی کسی اس کی منشاء کے بغیر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اگر یہ جو ایمان کی بنیادی چیز ہے یہی اگر ہمارے دلوں میں اتر جائے۔ یہی ہمارے جی میں گھر کر جائے جائے تو انسان کی زندگی صحیح رخ پر پڑ جائیگی۔ پھر یہی زندگی صحیح راستے پر چلنے والی ہو جاوے گی زندگی صحیح راستہ پر گزرنے والی ہو جاوے گی تو ساری مخلوقات کے اندر راحت کی ایک فضاء قائم ہو جائے گی۔

دنیا میں بر میں بحر میں، خشکی میں اور تری میں جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانوں کے عملوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا کے اندر جو کچھ انسان عمل کرتا ہے۔ اسی کا اثر پڑتا ہے۔ اپنے خشکی کے جانوروں تک کے اوپر بھی اور تری کے اندر سمندروں اور دریاؤں کے جانوروں کے اندر بھی جو کچھ اپنے حالات ہوتے ہیں وہ انسان ہی کے عملوں کے اثرات ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمندر کے اندر کے مچھلیں اور جنگل کے اندر کی چیونٹیں، خیر کو سکھانے والے کے لئے دعائیں کرتی ہیں۔ کیونکہ خیر اگر وجود میں آئے گی تو اس کا اثر جنگل اور بیابان میں بھی پہنچے گا اور اس کا اثر سمندر اور دریا کے اندر بھی پہنچے گا۔ بہرحال یہ ایک ایمانی یہ بنیادی چیز ہے۔ یہی اگر مضبوط ہو جائے یہی اگر اصلی، صحیح ہو جائے تو زندگی کا رخ ہی دوسرا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کیا پورے عالم کے اندر، رخ بنا ہوا ہے زندگی کا، اور پورے عالم میں، کسی کونے میں چلے جائیے مشرق میں یا مغرب میں، جنوب میں یا شمال میں کہیں پر یہ انسانیت جس کو اضطراب سے راحت نہیں ہے۔ ہر سمت میں ہر جگہ میں یہ انسانیت آج بے چینی میں اور اضطراب میں مبتلا ہے جس کی اصلی وجہ یہ حضرت انسان ہی ہے کہ انھوں نے اپنی وہ وجہ جن کیلئے ان کو پیدا کیا گیا تھا جس کیلئے ان کو دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

یعنی ایمانی راستہ اختیار کرنیکو حضرت انسان نے اپنے اس راستے کو بھلا دیا، صرف انسان ہی پریشان نہیں۔ خلقت بھی، کائنات کی ساری خلقت وہ پریشانی میں مبتلا ہے۔

یہ بنیادی چیز میں نے عرض کی ہے، ورنہ ایمان کا جو جو عمل ہے ہر ہر عمل اپنے اندر وہ اثرات رکھتا ہے اپنے اندر وہ خاصیت رکھتا ہے۔ الہ جس سے زندگی کی بے ایمانی وہ ختم ہوتی ہے۔ اور زندگی کے اندر پاکیزگی آتی ہے۔ زندگی کے اندر ایک نورانیت اور روحانیت آتی ہے۔ یہی ایمانیات ان کی بات میں نے عرض کی۔ جس کے اندر ایک ہی چیز، اعمال کے اندر ایمان کے سب پہلا عمل وہ نماز کا ہے۔ اور ایمان کے ساتھ اس کا اتنا تعلق ہے کہ خدائے پاک نے نماز کو ایمان سے تعبیر کیا ہے نماز کے ساتھ ایمان کا اتنا تعلق ہے۔ مراد نماز ہے لیکن خدائے پاک نے اس کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے قرآن پاک میں ہے وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ خدائے پاک تمہارے ایمان کو ضائع نہیں فرماویں گے۔ یہاں تک کہ ایمان سے مراد نماز ہے اور یہ مسئلہ اس وقت آیا تھا کہ جبکہ کعبہ کی طرف قبلہ منتقل ہوا تھا۔ پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ ادھر منہ کرکے نماز پڑھی جاتی تھی۔ جب بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو صحابہ کرامؓ نے یہ باتیں کہیں کہ لوگ جنھوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی اور اس قبلہ کی طرف منہ ہونے سے پہلے دنیا سے وہ تشریف لے گئے ہیں ان کی نماز کا کیا ہوگا۔ تو خدائے پاک نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم وہ جس چیز کے ساتھ زیادہ تعلق ہوا کرتا ہے۔ اس چیز کو نام دے دیا جاتا ہے جو نماز جو ایمان کے ساتھ ایسا تعلق رکھتی ہے ہم اپنی زندگی کے اندر اگر غور کریں تو یہ ایمان ہی کے ساتھ اتنا تعلق رکھنے والا عمل اسی کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے، لیکن جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ ایمان کی جو اصلی بنیادی چیز ہے وہ اگر ہمارے اندر، اس کا رخ جم جائے تو زندگی کا رخ وہ ہی صحیح ہو جائے وہ ہی بن جائے۔

ایسے ہی عمل میں یہ عمل نماز ہمارے اندر زندہ ہو جائے تو خدائے پاک نے یہ فرمایا ہے،

" ان الصلاۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر نماز جو ہے بے حیائیوں سے برائیوں سے روکتی ہے۔ ایمان ہے اور پھر یہ اور پھر یہ ایمان ہی یہ سب سے پہلا عمل ہے یہ اگر عمل ہوگا اور صحیح عمل ہوگا۔ حقیقی نماز حاصل ہوگی۔ اور سو فیصد اس کو ادا کیا جارہا ہوگا کہ یہ بے حیائیوں یہ منکرات یہ برائیوں یہ دنیا میں رہ نہیں سکتیں ہر ہر عمل کے اندر اللہ نے یہ خاصیتیں رکھی ہیں کہ جب یہ عمل کیا جاوے گا۔

زکوٰۃ یہ بھی ایمانی عملوں میں سے ایک عمل ہے ذکوٰۃ اگر ادا کی جاتی ہے تو مال پاک ہو جاتا ہے۔ مال پاک ہو جاتا ہے۔ مال پاک ہو جاتا ہے اور پاک مال اگر کھانیوالا اس کا دل بھی پاک ہوگا اس کے خیال بھی پاک ہوگا۔ جس کا دل اور خیال پاک ہوگا۔ اس کے عمل بھی پاک ہونگے۔ تو اگر گندہ مال ہوگا گندہ لقمہ ہوگا۔ تو اس کا کبھی پاک نہیں ہو سکتا۔ کبھی صاف نہیں ہو سکتا۔ دل اگر گندہ ہوگا تو پھر خیالات بھی گندے ہونگے۔ اور خیالات گندے ہونگے تو پھر اعمال وہ بھی گندے ہی ہونگے۔

ایسے ہی روزہ ہے۔ روزہ، روزہ یہ بھی ایک عمل ہے یہ ارکان ہے اس کے۔ اس زندگی کے جو خدائے پاک نے ہمارے لیے یہ تجویز فرمائی ہے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ وہ کیا کہ جب روزہ رکھے گا تو روزے کی صورت کیا ہے تقویٰ اس سے حاصل ہوگا۔ لعلکم تتقون، کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون تقویٰ کیا تقویٰ یہ کہ آدمی جس کی حیوانی صفت جو اس کے قالو میں ہو اور انسانی صفت اس کی چمک رہی ہو وہ جاگ رہی ہو روزہ کی غرض یہی ہے کہ انسان کے اندر جو حیوانی مادہ ہے وہ قالو میں رہے وہ بے لگام نہ ہو جائے۔ تقویٰ جب ہوگا۔ تقویٰ جب ہوگا۔ تو پھر آدمی ہر چیز کے اندر ہر چیز کے اندر اگر قدم پھونک پھونک کر رکھے گا واقعہ سنانے کا میں نے ارادہ تو نہیں کیا تھا لیکن واقعہ سناتا ہوں۔ واقعہ پہلے نمبر ہی کو چھوڑ لیکن سناتا ہوں عجیب بات ہے۔ ایک بزرگ تھے وہ چلے جارہے تھے اللہ نے تقویٰ کی دولت انہیں دے رکھی تھی گھومنے پر تشریف لے جارہے تھے ان کے پاس سے کوئی چیز گری تو آپ نے تھوڑی دور جا کر احساس ہوا کہ یہ چیز گر گئی وہیں گھوڑے کو باندھا، باندھ کر واپس تشریف لائے اور تشریف لا کر اس چیز کو اٹھا کر جہاں تک گھوڑا باندھا تھا۔ وہاں تک پیدل گئے۔ اور وہاں جا کر اس پر سوار ہوئے۔ یہ کیا جب اس کے اندر تقویٰ کی صفت ہوگی وہ ہر چیز کے اندر دیکھے گا کہ خدائے پاک نے مجھے اس کے اندر اس طریقے سے چلنے کو فرمایا ہے۔ اس کا قدم بھی روٹنے اور دھونے پر اس سواری پر جس کا اپنے اپنے کرایہ لینے والے سے معاملہ نہیں ہوا تھا۔ اس پر بھی انہیں جانے، جانا پسند نہیں فرمایا کیونکہ تقوے کے خلاف ہے۔

ایسے ہی حج، نماز روزہ زکوٰۃ حج۔ حج ہے حج کے بارے میں کیا۔ گناہ تو معاف ہوتے ہی ہیں یوں فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے ما امر حاجو کت حاجی جو ہے کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ یہ ایمانی زندگی جو جناب رسول اللہ ﷺ لیکر آئے ہیں۔ وہ دنیا کے اندر کی زندگی کو بھی پاکیزہ بناتی ہے اور یہاں کی زندگی کو بھی صاف ستھرا بناتی ہے اور آخرت کے اندر، آخرت کے اندر تو ایمان کے علاوہ کسی اور خطرہ پوچھ ہی نہیں۔ ان ہی ظاہری اعمال، یہ تو ظاہری اعمال ہیں لیکن ایمان ایک ایسی زندگی ہے جسکے ظاہری عمال ہوں ایسی ہی جس کے اندر کی صفات ہوں۔ باقی چیزیں، یہ صداقت ہیں یہ امانت ہیں۔ وفاداری ہے ایفائے عہد صفائی ہے یہ صفات ہیں توکل ہے اللہ کے حوالے کرنا ہے خدا کی طرف سے جو کچھ پیش آوے اس پر راضی رہنے میں یہ تمام چیزیں ایمانی صفات ہیں۔ خدا نے ہم کو یہ راستہ دیا تھا جس کے اعمال اس کے اندر بھی خدا نے اثرات رکھ کے اور وہ صفات جن صفات کو یہ آدمی فرشتوں سے ملائک سے بھی ترقی کر جاتا ہے۔

حضور پاک ﷺ آپ کی زندگی کو دیکھا جاوے۔ فراست، تحمل ہی تحمل ہے۔ فراست، برداشت ہی برداشت ہے اور جو برداشت کے اثرات یہ ہیں کہ اچھے اچھے ناکے اور اچھے اچھے انکار کرنیوالے وہ جو ہے سیدھی راہ پر آگئے۔ جلدی میں سونا، ایک یہودی تھا وہ آیا حضور پاک ﷺ سے کوئی معاملہ ہوا پیسہ چاہیئے تھا کسی کو دینے آپ کے پاس موجود نہیں تھے کسی نے کہا کہ جی میں پیسے دیتا ہوں تم جو ہے فلاں وقت میں اتنی کھجوریں دے دینا۔ اس کے بدلے میں۔ معاملہ کیا ہے معاملہ میں چھوڑتا۔ اور فلاں وقت میں دے دوں گا۔ آپ نے وہ پیسے لے کر اس آدمی کو دے دیئے۔ جو وعدے کے دن تھے۔ دونوں تین دن وہ پہلے آئے۔ اور آکے کہنے لگے آپ نے آٹھویں دن وعدہ کیا تھا آپ اسے پورا نہیں کرتے یہ بنو عبدالمطلب ہیں ہی ایسے ٹال مٹول کرنیوالے بہت سخت کہا حضور پاک ﷺ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے کیسی گستاخی کی باتیں کرتا ہے کس لہجے میں کرتا ہے جانتا نہیں نبی پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے۔ وہ تو اپنے اسی فکر میں کہ اس کا کام

تمام کروں۔ یہ تھے جناب رسول اللہ ﷺ جن کو اپنے تحمل کے ساتھ۔ جن کو اپنی جو ہے بردباری کے ساتھ۔ اس کو سہتے رہے اور یوں فرمایا عمر عمر اس سے تمہیں یہ بات کہنی چاہئے تھی لیکن یہ کہتے ہیں کہنی چاہئے تھی۔ فرمایا جاؤ جتنی اس کی کھجوریں ہیں وہ اس کو دے دو۔ اور اور اتنی زیادہ دے دیجئے اس نے کہا عمرؓ نے جتنی کھجوریں ان کو چاہیئے تھیں وہ تو دیں اور زیادہ دیں اس نے کہا اس کو زیادہ کیوں دیتے ہو۔ آپ ایک عالم آدمی ہیں آپ نبی پاک ﷺ کے ساتھ اس طریقے سے پیش آئے یہ کیا بات ہے۔ کہنے لگا بات اصل میں یہ تھی۔ کہ میں نے حضور ﷺ کی جتنی صفتیں تھی وہ تو تمام دیکھ لی تھیں لیکن آپ ﷺ کی یہ صفت تحمل اور بردباری میں نے نہیں دیکھی تھیں میں نے چاہا کہ ان صفات میں بھی آپ کا امتحان لے لوں آپ ﷺ نے امتحان دینے کے بعد پھر جو ہے اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ میں عرض کر رہا تھا کہ ایمانی زندگی وہ اصلی زندگی جو ہے دنیا اور آخرت کے اندر کامیابی کی زندگی ہے۔ اس کے اندر جنت کے اندر کا یقین ہے۔ ظاہر کے اعمال ہیں یہ صفات ہیں۔ جب ہمارے اندر ہوں گی۔ دنیا کی زندگی یہ بھی چین کے ساتھ گذرے گی اور آخرت کی زندگی بھی عافیت کی اور راحت کی ہو گی۔ یہ کوئی ایمان زبانی یا لفظی چیز نہیں ہے۔ اس کی حقیقت ہے۔ اس کا دل کے اندر سے یقین ہے۔ ظاہر کے اندر اعمال ہوں اور آدمی کے اندر پوری صفات ہوں یہ تینوں چیزیں جب پائی جاویں گی تو ایمانی زندگی وجود میں آوے گی ایمانی زندگی وجود میں آوے گی۔ تو یہ شیطانی زندگی یہ کافر ہوگی اور پھر ایمانی زندگی کی فضائیں قائم ہونگی اس کے اثرات اس کی برکات یہ ظاہر ہونگے۔ اس دنیا کی زندگی کے اندر۔ اور اسی میں نہیں کہ یہ کوئی زبانی یا کوئی اپنے خیالی چیز ہے۔ پہلے وہ جو ایمان اصلی ایمانی زندگی گذارنے والے تھے، وہ یہ صفات پیدا کیا کرتے تھے اپنے اندر رکھتے تھے۔ جو مومن تھے مومن تھا وہ جان دے دیتا تھا۔ لیکن اپنی صداقت پر اپنی سچائی پر آنچ نہیں آنے دیتا تھا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ اصلی زندگی ایمان کی زندگی سچائی ہی ہے بچانے والی چیز ہے۔ اور جھوٹ جو ہے یہ تباہ کردینے والی چیز ہے یعنی جس کے پاس ایمان ہے وہ اپنے کسی حال میں جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ اور صداقت، شرافت بزرگوں نے یہ لکھا ہے صداقت ہمیشہ معصوم ہوتی ہے یہ کبھی، کبھی جو ہے نقصان نہیں پہنچاتی۔ ایک بات کا قصہ سنا دوں صحابہ کرام تو خیر بہت اونچی چیزیں ہیں ہی لکھا ہے بزرگوں نے کہ صداقت ہمیشہ اس کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے۔ کبھی سچائی کا نتیجہ برا نہیں ہوتا۔ ایک چور تھا۔ اس کی ایک بزرگ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس کو وصیت فرمائی کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ یہ وعدہ کیا کہ بھئی غریب کے ہاں چوری نہ کرنا۔ بس چوری کرنا تو بادشاہ کے ہاں کرنا اور اس نے وعدہ کر لیا ایک دن وہ چوری کرنے کیلئے گیا۔ لیکن وہ سچائی کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ سچائی پر جما ہوا تھا۔ بادشاہ ہی کے ہاں گیا چوری کرنے کیلئے۔ بادشاہ کے محل میں جا کے گھس گیا۔ پہنچ گیا لیکن جب وہ پہنچا تو بادشاہ اور اس کی بیوی دونوں جاگے ہوئے تھے، باتیں ہو رہی تھیں دونوں کی۔ ملکہ بھی اور بادشاہ بھی اور بات جو کر رہے تھے وہ لڑکی کی شادی کے بارے میں تھی۔ بادشاہ اپنی بیوی سے یہ کہہ رہا تھا کہ بھئی دنیا کے بادشاہ تو میں نے دیکھ لیئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دین کے پارسا سے کریں گے لڑکی کی شادی۔ بیوی نے یہ کہا کہ دین کے پارسا کا تمہیں پتہ کیسے چلے گا۔ بادشاہ نے یہ کہا کہ میں جس کا معیار میں نے یہ قائم کیا ہے۔ جس کی سال بھر سے تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی ہوگی۔ اس سے سمجھوں گا۔ کہ یہ دین کا پارسا ہے اسے وہ چور سن رہا تھا۔ بس چور نے چوری کا خیال چھوڑا اور ایک مسجد چنوادی اور وہاں جا کر اس نے اپنا قرآن پڑھ لیا۔ چار برس تک مسجد ہی میں پڑا رہا۔ نہ باہر جاتا تھا نہ اس کے نماز فوت ہوتی تھی۔ نہ تکبیر اولیٰ اس سے جاتی تھی۔ جب سال پورا ہو گیا۔ پورا سال ہو گیا۔ تو اب بادشاہ نے اعلان کرایا کہ بھئی دولت کے اندر کوئی ایسا آدمی ہے کہ جس کی سال میں تکبیر ولی فوت نہ ہوئی تلاش کیا گیا۔ اچھے اچھے بزرگ، یہ بھی اپنے کہیں سوئے ہوئے ہیں کہیں چائے پی رہے ہیں کہیں کسی کی ایک رکعت گئی ہوئی ہے کہیں کسی کی تکبیر اولیٰ گئی ہوئی کوئی دعاؤں کے اندر اپنا لگا ہوا ہے بس تکبیر اولیٰ والا کوئی بھی نہیں، معلوم ہوا کہ فلاں مسجد میں ایک بزرگ ہیں۔ ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی یہ تحقیق ہو گیا اب بادشاہ مع عصر کے مع خدل کے پہنچے زیارت کیلئے اور بہت کم انہوں نے جو ہے آداب تبرکات ساتھ لائے بزرگوں کے لئے لیکن اللہ کا بندہ جس نے سچائی کو اختیار کیا تھا جب بادشاہ نے بات کی تو اس نے پوری بات اپنی سچ سچ بتائی میں جو ہے نہ بزرگ ہوں نہ وہ ہوں۔ میری بات یہ ہے کہ میں نے ایک آدمی سے وعدہ کیا تھا کہ سچ بولوں گا۔ جھوٹ بولوں گا ہی نہیں۔ اس سچائی میں یہ بات تھی کہ بادشاہ کے سوا کسی کے ہاں چوری نہ کروں گا۔ میں تمہارے ہاں چوری کرنے

کیا تھا تم دونوں باتیں کر رہے تھے میں نے وہ بات سنی۔ میں تو صرف اس بات کے لئے وہاں گیا تھا لیکن اب مجھے تمہاری لڑکی کی بھی ضرورت نہیں بس اب مسجد کے ہوگئے سو ہوگئے یعنی بادشاہ خوشامد کرتا ہے۔ لڑکی پیش کرتا ہے لیکن اللہ کا بندہ وہ یوں کہتا ہے۔ کہ جن ایک عمل کی بنا پر بادشاہ جو ہے سلام کرتا ہے۔ جب اس عمل کے اندر پوری زندگی گزرے گی تو پھر خدا کیا کچھ دے گا۔

اور ہر ہر عمل کی یہی بات ہے ہر ہر ایمانی عمل کی یہی بات ہے یہی بات میں دنیا کیلئے کی جاویں تو دنیاوی ہوجاتی ہیں اور یہی باتیں اگر خدا کیلئے کی جاویں تو یہی ایمان باتیں ہو جاتی ہے۔ عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ یہ آخیر میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور کیا کیا ہیں شروع میں ان کی زندگی وہی تھی جو ایک امیرزادہ کی ہوتی ہے کیونکہ یہ مالداروں کے لڑکے تھے آزاد ہوتے ہیں مال داروں کے لڑکے کے آزاد ہوتے ہیں اپنے کوئی کسی لڑکی کے ساتھ انکی محبت یہ کھڑے ہوئے تھے اور بات ہو رہی تھی۔ بات ہوئی تو اذان ہوئی اور آذان ہوئی تو انہیں یہ خیال ہوا کہ یہ عشاء کی اذان ہے دھواں انہوں نے دیکھا تو سفیدہ ظاہر ہوا کہ یہ صبح کی اذان تھی۔ عشاء کی اذان نہیں۔ شروع رات میں آخیر رات تک، صبح صادق تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ پوری رات کا پتہ نہیں چلا۔ صبح کی اذان کو یہ سمجھے کہ عشاء کی اذان ہے۔ لیکن اسی وقت کے اندر ایک آواز آئی کہ یہ فانیہ یہ ختم ہونیوالی اس کے ساتھ اتنا تعلق۔ کہ پوری رات کا احساس نہیں یہ خدائے پاک ہیں ان کی یاد سے تمہاری تھوڑی بہت زندگی بھی خالی بس یہاں سے زندگی پلٹی۔

میرے عزیزو اور دوستو ایمانی زندگی ایسی زندگی ہے اس ایمانی زندگی میں آدمی کو عمل کے اندر جو لذت آتی ہے۔ عمل کے اندر جو اس کو حلاوت آتی ہے اسے خدا کے سامنے رونے میں جو مزہ آتا ہے۔ دنیا کی کوئی چیز میں مزہ نہیں آتا۔ اور یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔ بغیر ایمان والے کے بس کا روگ نہیں، احسان ہے۔ ہمدردی ہے سچائی ہے غمخواری ہے خدمت گذاری ہے عائل سامان کا پورا کرنا ہے جو صفات ایمانی ہے۔ یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔ بغیر ایمان کے یہ کسی کے بس کا روگ ہے نہیں چاہے بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، بادشاہ، حکمران وہ بھی جن کے اندر ایمان تھا۔ انھوں نے اپنی حکومت میں، انھوں نے اپنی بادشاہت میں اس ایمانی صفات پر چل کر دکھلایا ہے۔ کیا کیا قصے ہیں سلمانؓ ابوھریرہؓ اور عمر ابن خطابؓ عمر ابن عبدالعزیزؒ، اور ابوبکر صدیقؓ یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔ ابوھریرہؓ تشریف لا رہے ہیں۔ سر کے اوپر لکڑیوں کا گٹھا ہے، راستے میں فرمانے لگے۔ علیؓ تم اس وقت مدینہ منورہ کے امیر بنے ہو۔ لکڑیوں کا گٹھا سر پر راستہ میں کہنے لگے کہ بھئی راستہ دے دو۔ اس آدمی نے کہا کہ بھئی راستہ تو بہت پڑا ہوا ہے چلے جاؤ۔ کہنے لگے راستہ مجھے بھی دو اور میرے لکڑی کے گٹھے کو بھی دو۔ آدمی یہ دل میں کہتا سر پہ لکڑی کا گٹھا ہے اس کا راستہ۔ بس اب یہ صاحب خفا ہوگئے کہنے لگے اچھا یہ ایسی بات کرتا ہے وہ کرتا ہے آج چلتے پھرتے کالی کلاس جاتی ہے۔ ادھر کا چلنا بھی یہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ ایمان دار حاکم یہ کیا کہ وہ دنیا والا مسافر یہ کہتا ہے کہ راستہ بہت ہے تم امیر وہ کہتا ہے۔ خالی مجھے نہیں میرے لکڑی کے گٹھے کے واسطے بھی راستہ چاہئے ہے۔ سلمانؓ وہ اپنے گورنر ایک علاقے کے وہ آرہے تھے۔ بس سیدھے سادے کپڑے پہنے ہوئے ایک تاجر آرہا تھا اس کے راستے میں اس کے ساتھ گوشت تھا۔ گوشت تھا۔ انھوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ مزدور ہے ان کے سر پر لاد دیا۔ یہ انھوں نے اٹھا لیا۔ جب آبادی کے قریب پہنچے۔ تو وہاں ان سے جو ملا اس نے کہا السلام علیک ایہا الامیر۔ السلام علیک ایہا الامیر۔ کہا واہ ہمارے تو سلام ہونے لگے اب اس ادمی کو بچارے کے پیر تلے سے زمین نکلی کہ یہ امیر صاحب ہیں۔ جن کو میں نے مزدور سمجھ کر ان کے اوپر بوجھ لاد رکھا ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے یوں فرمایا کہ میں نے اس کے اٹھانے میں ایک نیت کر لی ہے کہ اب تو تیرے گھر پہنچاؤں گا۔ اس کے اٹھانے میں یعنی اس کے اٹھانے میں انھوں نے اپنی ذلت انھوں نے اپنی توہین اور اس میں اپنی پوزیشن کے خلاف نہیں سمجھتے۔ آجکل تو پوزیشن کے حق میں آجاتے ہیں پہلے تو یہ کوئی پوزیشن کو سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اٹھایا تو اس وقت اٹھانے میں انھوں نے کوئی نیت کی یعنی وہ کیا یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔ کہ بھئی ثواب ملے گا خدا راضی ہوگا۔ اس کے گھر تک پہنچاؤں یہ خوشامد کر رہا ہے کہ آپ اس سامان کو اتار دیجئے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے اٹھانے میں ایک نیت کر لی ہے تیرے گھر تک پہنچانے کی اب تو تیرے گھر ہی پہنچا کے چھوڑوں گا۔ میرے عزیز دوستو یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے۔ اور بھائی کیا! سارے واقعات اسی سے بھرے ہوئے ہیں کہ بس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے۔ اور خلیفہ کس کے۔

اکہ جس کی وجہ خلق عالم میں ہے جناب رسول اللہ ﷺ۔ خلیفہ ہوئے محلے کی لڑکیاں یہ کہنے لگیں کہ اب تو ہم ماشاء اللہ خلیفہ ہو گئے ہیں۔ اب تو امت کی باگ ڈور ہاتھ میں آگئی ہے۔ اب ہمارے جانوروں کے دودھ نہیں نکالیں گے۔ یہ نکال لیتے کسی کی بکری کا کسی کی اپنے جو ہے اونٹنی کا، کسی نہ کسی کا یہ نکالتے رہتے تھے یہ اس واسطے کہ یہ جانتے تھے کہ یہ اعمال جو ہیں یہی خدائے تک کے پہنچانے والے، یہی ہیں ایمان میں قوت لانے والے، یہی ہیں آخرت کے اندر چکانے والے یہی ہیں دنیا کی زندگی کو سدھارنے والے، وہ خلافت زمانہ یہ نہیں۔ ابوبکرؓ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنے خدا سے یہ امید ہے کہ میرا یہ خلیفہ ہو جانا میرا یہ امیر المومنین ہو جانا۔ یہ میرے اخلاق میں تغیر نہیں لاوے گا۔ اور اتنا ہی نہیں اتنا ہی نہیں مدینہ طیبہ کے کنارے پر ایک برھیا رہتی تھی۔ بعض آتے تھے اس برھیا کے گھر کی صفائی کرتے تھے۔ اس کی ضرورتوں کو اس کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جاکر اس کی کوشش کرتے تھے کہ میں یہ کام کروں اس کی خدمت کروں لیکن ان کے جانے سے پہلے اس برھیا کی ساری ضرورتیں اس کی ساری خدمتیں پوری ہو چکی ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ چھپ کر بیٹھے کہ وہ کون اللہ کا بندہ ہے جو میرے سے پہلے آکر اس معذور برھیا کی ساری خدمت کر کے چلا جاتا ہے دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جناب رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں وہ آتے ہیں اور اس برھیا کی ساری خدمتیں اور ساری ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں۔ یہ ایمان والا ہی کر سکتا ہے ورنہ آج تھوڑی سی کوئی دنیاوی حیثیت مل جائے تو وہ جو ہے جانے میں پھولا نہیں سماتا اس کی ناک کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے پوزیشن کے ہی پیچھے پڑا رہتا ہے ہمارے۔ ہمارا ساتھی تو ایسا ہے کہ جا رہے تھے۔ راستے میں کوئی بات ہوئی گاڑی میں۔ وہ بیچارہ ایسا کہ اس نے سپاہی سے کہا تیرا کام نہیں ہے کہنے لگا میری کوئی پوزیشن ہی نہیں۔ سپاہی چوڑا ہے کاٹنے بس اسے اپنی پوزیشن پر اتنا غرور تھا۔ تھانہ میں کوئی بھی بات نہیں کچھ بھی نہیں لیکن اس کے ذریعہ سے مجھے تو بھائی ایمان والے کے لئے تو بہت سبق ہے تو بھئی یہ ایمان والا ہی سمجھتا ہے کہ چاہے خلافت مل جائے؛ چاہے امانت مل جائے اور چاہے اس کے اندر بادشاہت مل جائے وہ اپنی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ خدا اگر راضی ہے تو سب ٹھیک ہے اور اگر خدائے پاک نے قبول نہیں کیا تو ساری چیزیں میرے لیے وبال ہی ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو۔ میں عرض کر رہا ایمان کی صفات ہیں ایمان کے اعمال ہیں۔ ایمان کی حقیقتیں ہیں یہ اگر ہمارے اندر ہوں تو ان کے اثرات دنیا کی زندگی کے اندر بھی پڑیں گے۔ دنیا کی زندگی وہ بھی عافیت کی۔ وہ بھی چین کی ہو گی اور آخرت کے اندر بھی خدائے پاک کامیاب فرماویں گے۔ وہاں بھی خدائے پاک سرفراز فرمائیں گے۔ لیکن میرے عزیزو اور دوستو یہ خالی تمنا کی۔ آرزو کی بات نہیں ہے یہ راستہ چلنے سے، چلنے سے محنت کرنے سے جو ایمانی صفات جو ایمانی اعمال جو ایمان کی قوت حاصل ہوتی ہے اور یہ جو ہے خالی تمنائیں اور آرزوؤں سے نہیں۔ ہمیں نبی پاک ﷺ نے اس لیے بتلایا لیس الایمان بالترجی ولا بالتحلی ولکن ھو ماوقر فی القلب وصدقہ العمل۔ او کما قال علیہ السلام۔ کہ ایمان جو ہے خالی تمنا کرنے سے خالی آرزو کرنے سے اور خالی اس کی سیرت بنا لینے سے یہ حاصل نہیں ہوتا۔ وہ تو دل کے اندر یقین ہو اور دل کے اندر کا جو یقین ہے عمل اس کی تصدیق کر رہا ہو یہ نہیں کہ کہ میرے دل کا یقین جو ہے اعمال جو ہے اس یقین کے خلاف ہیں دل کا جو یقین ہوتا ہے۔ انسان کی عملی زندگی اسی کے مطابق ہوتی ہے۔ جیسے دیکھتے ہیں آج بھی۔ کیسے بڑے یقین ہیں کہ ساری محنت اس کے کسی کے دل کے اندر کھیتی کا یقین جما ہوا ہے کہ دن رات بس اسی کے چکر میں لگا ہوا ہے دل کے اندر اپنا جو ہے دکان کا یقین جما ہوا کہ ساری سوچ کے لئے اور ساری محنت سارے کوشش اسی کے چکر میں رہے کسی کے کسی کے دل کے اندر دفتر کا یقین جما ہوا ہے۔ بس اس کی ساری سوچ اسی طرف ساری محنت اور کوشش سوچ اسی طرف ہوتی ہے۔ میرے عزیزو اور دوستو اور وہ آوے گی کیسے وہ آوے گی محنت کرنے سے۔ آدمی جس کی محنت کرتا ہے، جس کی کوشش کرتا ہے۔ وہی چیز اس کی زندگی میں آتی ہے۔ زندہ ہوتی ہے یہ ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایمان کی حقیقت، ایمانی اعمال یہ ایمانی صفات ہمارے اندر آئیں کیسے۔ اسے اندر میں آنے کیلئے حضور پاک ﷺ نے یہ دعوت کی محنت دی ہے تو یہ ایمان کی دعوت دو۔ یہ دعوت دینے میں کیا کہ خود اس کی پابندی کرتے رہو اور اس کرنے میں اور دعوت دینے میں جو کچھ پیش آوے اس کو برداشت کرتے رہو۔ اس کو سہتے رہو رہو۔ اس پہ خدا کیلئے برداشت کرتے رہو کہ بس بھائی یہ صفات ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر انکی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کیجائے اور الٹا انکو برا بھلا کہا جائے، الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور ملول نہ ہوں، اور ایسے موقع پر یہ یاد کر لیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاء ﷺ کی خاص سنت اور وراثت ہے، راہ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے، اور جہاں ان کا استقبال، اعزاز و اکرام سے کیا جائے، انکی دعوت و تبلیغ کی قدر کیجائے، اور طلب کے ساتھ انکی باتیں سنی جائیں اور مانی جائیں تو اسکو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز اس کی ناقدری نہ کریں۔ ان طالبوں کی خدمت اور تعظیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں، اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقہ کے لوگ ہوں۔ قرآن پاک کی آیت عبس وتولی ان جاءہ الاعمی (الآیۃ) میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے۔ ہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں۔ نفس اس مقبولیت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے۔ نیز اس صورت میں "پیر پرستی" کے فتنہ کا بھی سخت اندیشہ ہے لہذا اس سے خاص طور سے خبردار رہیں۔

خود عمل کر رہے ہوں اور عمل کرنے میں جو کچھ پیش آوے، وہ اپنے رضاء ہے کفیل ہے صبر ہے، تحمل ہے شکر ہے یہی مقامات صوفیا کے ہاں بھی۔ یہ مقامات جو ہے مقامات، مقام شکر، مقام صبر، مقام کفیل مقام رضا اور مقام توکل یہ سارے مقامات ہیں۔ دعوت دیتے ہیں ان کی محنت کرتے رہے۔ اور محنت کرنے میں جو کچھ پیش آوے اس پیش آنے میں کہیں صبر کرے کہیں شکر کرے کہیں خدا کے حوالے کرے کہیں جو کچھ پیش آوے اسی پر راضی رہے۔ پس یہ مقامات حاصل ہو رہے یہ سارا جو اپنا راستہ ہے احسان کا سالک کا کیا ہے کیا ہے۔ کچھ اعمال ظاہری ہوں کچھ باطنی ہوں۔ ظاہری اور باطنی دونوں عملوں کو کر لے۔ اور کچھ منہیات ہیں ظاہری اور باطنی ان سے بچنا ہے بس یہ ہے۔ ظاہری اعمال کیا ہیں، بھائی روزہ نماز، اور عوامل خداوندیہ اور باطن اعمال کیا وہ صبر، شکر، رضا، توکل تقوی یہ باطنی ہیں۔ اور شریعت کیا کہ ظاہری اعمال کر رہے ہوں اور باطنی صفات کو انکو اپنا رہے ہوں یہ شریعت ہے بالکل نہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں یہ تو مقام توکل حاصل ہے۔ مقام رضا حاصل ہے۔ مقام صبر حاصل ہے مقام شکر یہ صفات ہیں۔ یہ صفات ایمانی صفات ہیں۔ یہ جو ہے آدمی ظاہر اعمال ان کی پابندی کر رہا ہو۔ اور دعوت کی کوشش میں جو کچھ پیش آرہا ہو۔ اس کو سہہ رہا ہو۔ تو یہ جو ہے ظاہر اور باطن دونوں ظاہری کے اعمال اس کے حاصل ہوتے ہیں اور یہ جو ہے یہی راستہ ہے ایمان کا، اور کچھ بعد میں جو منہیات ہیں جن سے خدا نے منع فرمایا ہے یہ بھی کوئی ظاہری اور باطنی ہیں۔ ظاہری کیا، چوری نہ کرے۔ شراب نہ پیئے۔ اپنی زنانہ کرے بدکاری نہ کرے۔ جھوٹ نہ بولے، دغا نہ کرے کسی کا کچھ نہ کھائے یہ ظاہری ہیں اور باطنی چیز کیا کہ تکبر نہ ہو کسی کو حقیر نہ سمجھا جارہا ہو کسی کی یہ جو ہے۔ باطنی منہیات ہیں بالکل یہی خلاصہ ہے۔ ظاہری عوامل ہیں، خدا کے کوئی ظاہری اعمال ہوں ان کو کرنا اور جو باطنی عوامل ہیں اعمال ہیں ان کو کرلے یا ان دونوں کو کرلے۔ یہی ایمان الٰہی ہے۔ اور دونوں قسم کی لغویات سے بچ رہے یہ بھی ایمان کی باتیں ہیں۔ بس اس کے اندر اگر ہم دعوت لیکر چلیں گے۔ دعوت جو ہے اپنے ظاہری، اعمال ان کا اہتمام کریں گے اور باطن کے اعمال کی فکر کریں گے کوشش کریں گے۔ کہ یہ جو ہے اس سے جتنی ترقی ہوگی۔ کسی راستے سے نہیں ہوگی یہ نبی پاک ﷺ کا طریقہ ہے میرے، عزیزو اور دوستو، بس یہی اپنے کہتے ہیں کہ دعوت کیا ہے کہ بھائی جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہے۔ ظاہری جتنے اعمال ہیں ان کو کرنا ہے۔ اور باطنی جتنے اعمال ہیں۔ ان کو اپنانے کی کوشش کرنا ہے۔ صبر بھی کرنا ہے فکر بھی کرنا ہے اپنے خدا کے حوالے کرنے کو سیکھنا ہے۔ توکل اور اس کو سیکھنا ہے اور جو ہے یہ جو چیزیں جن سے خدائے پاک نے منع فرمایا ہے ان سے بچنا ہے چاہئے ظاہر میں ہوں چاہے باطن میں اور یوں تو جامع، جامع راستہ یہ دعوت والا راستہ ہے، جامع راستہ دعوت والا ہے ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے، کہ بزرگ بننا آسان ہے مومن بننا مشکل ہے۔ مومن بننا بہت مشکل ہے۔ میرے عزیزو اور دوستو اس پر عمل کی بات ہے۔ خدا کرے کہ ہماری تمنا آجاوے کہ ہم دعوت کے راستے کے ہم اپنے ظاہری

اعمال ہم اپنے باطنی اعمال میں صحیح چلنے والے بن جاویں۔ اور اپنے آپ کو خدا کے منع کیئے ہوئے راستے سے چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی اس سے بچنے والے بن جائیں۔ نہ کسی سے حسد ہو نہ کسی سے غیبت ہو نہ کسی کی تحقیر ہے اور نہ اس کے اندر کبریائی اور بڑائی ہو۔ یہ جو ہے۔ منہیات باطنیہ۔ اس کیلئے خدا کرے کہ ہماری سمجھ میں آوے اور ہم دعوت کو لیکر اٹھیں۔ اور اٹھنے والے ان دونوں لائنوں کی اپنے اندر فکر کرے۔ اور اس فکر سے خدائے پاک ایمانی زندگی کو زندہ فرما وے۔ ایمانی زندگی کو زندہ فرماوے گا۔ تو یہ پوری مخلوق کے ساتھ ہمدردی ہو گی۔ اور پوری انسانیت کے ساتھ انتہائی خیرخواہی ہو گی اور اگر ایمانی راستہ نہیں، چلے گا تو پوری مخلوق جو ہے برباد ہو کر رہے گی۔ یہ دنیا کی جتنی چیزیں جو ہیں انسان کیلئے خدا نے پیدا فرمائیں تھیں جب انسانیت ختم ہو جاویگی ایمانی بول بھی زبان پر نہیں رہے گا تو خدائے پاک ان ساری کائنات کی بکھری ہوئی چیزوں کو تباہ وبرباد فرماویں گے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ قیامت جو ہے قوام الناس پر قائم ہے قوام الناس بدترین آدمی وہ ہے اور بدترین آدمی کون! جو عمومی زندگی سے خالی ہے۔ میرے عزیزو آج پوری انسانیت کے ساتھ خیرخواہی کرو۔ پوری مخلوقات کے ساتھ بھی خیرخواہی یہ ہے کہ اس دعوت والے کام میں ہر فرد کی لگنے کی دعوت دی جائے اس نیت کے ساتھ کہ ہم جو ہے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے عملوں کے اندر، پختہ اور دونوں، چیزوں سے بچ کر نکل جائیں دیکھو اگر انسان جو ہے۔ ان چیزوں کے اوپر عامل ہو نماز کا پابند۔ روزے کا پابند زکوٰۃ دینوالا خدا کا ذکر کرنیوالا خدا کا دھیان جمانے والا اور جو ہے خدائی احکامات پر چلنے والا اور اپنے جو ہے اس کے اندر صبر کی کیفیت ہو، شکر کی کیفیت ہو۔ اس کے اندر جو کچھ پیش آوے اس کو خدا کے حوالے کرنیکی صفت اس کے اندر ہو اور اس کے اندر بردباری، تحمل ہو دوسروں کی بے ایمانیوں کو برداشت کر رہا ہو۔ یہ جو ہے اگر یہ باتیں کہیں آپس کے اندر آپس کے اندر، عداوت دشمنی، دلوں کا پھٹنا کوئی بھی چیز نہ ہو، حضرت عاصم رحمہ اللہ تعالیٰ امام القراء جو کہلائے جاتے ہیں۔ سبق پڑھا رہے تھے اپنے شاگردوں کو۔ ایک لڑکا تھا کسی نے آکر عرض کیا۔ کہ حضرت آپ کا صاحبزادہ جو ہے اسے مار دیا ہے۔ فرمایا کس نے فرمایا آپ کے چچازاد بھائی نے، فرمایا کہ فلاں جگہ اس کو دفن کر دو اور فلاں آدمی اس کی نماز جنازہ پڑھادے۔ اور فرمایا کہ اپنے شاگردوں سے کہ یہ بات کسی کو نہ پہنچے جو ہیئت تھی بیٹھنے کی اس کے اندر تبدل نہیں آیا۔ اس کے اندر توجہ نہیں آئے اور جو عمل کر رہے تھے جو کام کر رہے تھے۔ اس سے جو ہے ناغہ نہیں کیا۔ یوں فرمایا کہ فلاں آدمی نماز جنازہ پڑھا دے گا۔ اور فلاں جگہ اس کو دفن کر دینا اور یہ کہہ کر اپنا سبق شروع کر دیا۔ اسی طرح ایک اور قصہ ہے آرہے تھے۔ راستے میں کچھ بیوقوف برا بھلا کہتے آئے۔ اور یہ اپنے خاموش نہ پیشانی پر شکن ہے اور نہ کوئی زبان پر خشک کلامی ہے۔ یہ اپنے خیال میں مست چلے آرہے ہیں۔ جب بستی کے قریب آئے تو ٹھہرے۔ اور وہاں ٹھہر کر یوں فرمایا، کہ بھائی جس بستی میں کچھ میں نے سنا تھا اور کچھ میرے شاگرد۔ تجھے اگر یہ کہتا ہوا سنیں گے تجھے یہ ڈر ہے تجھے تکلیف پہنچاویں گے اس لئے یہاں سے واپس چلا جا یوں نہیں کہ اچھا ہے کہ یہاں کی خبر ہو گئی۔ اب تجھے پتہ چلے گا یوں کہ اس وقت بھی اس کی تکلیف کا اس آدمی کو احساس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ کوئی میرے بارے میں اس کا گلہ سن کر میں بھی اس کے ساتھ جو ہے چلا جاوں اس واسطے اس کی ہمدردی میں اور خیرخواہی میں فرمایا کہ یہاں سے واپس چلا جا۔ یہاں میرے کچھ شناسا ہیں کچھ میرے شاگرد۔ یہ کیا دونوں ہی ایمانی زندگی کی صفت ہیں، اگر ایمان ہو تو ہماری زبانوں پر۔ آج اگر ہمارے عملوں میں ہے ظاہر داری حقیقت کا دور سے واسطہ نہیں تو اس واسطے کہ اس کی محنت، اس کی کوشش، اس کا وہ راستہ جو جناب رسول اللہ ﷺ لائے تھے۔ اس راستے پر قدم ہی نہیں اٹھتا اس واسطے کہتے ہیں کہ جماعت میں نکلو۔ چلے میں نکلو۔ اپنے ظاہری اعمال ان کی بھی پابندی کرو۔ اور اپنے باطن کے اعمال کے اندر بھی اپنے آپ کو چلنے کی عادت ڈالو اور جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا ہے ان سے بچو۔ چاہے ظاہر کی ہوں چاہے باطن کی ہوں۔



ایمان و یقین کی حقیقت



میرے عزیز دوستو اور بزرگو! ایمان کیا ہے ایمان ہی سب سے پہلی چیز ہے وہ خدائے پاک واجب الوجود جو اپنی ہستی میں جو اپنے موجود ہونے میں کسی چیز کا محتاج نہیں ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کو جاننا ہے اس کو پہچاننا ہے اور اس کو ماننا ایمان کی پہلی چیز ہے۔ اسی واسطے فرمایا قرآن پاک میں وماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔ یہ آیت ہے الالیعبدون جمہور مفسرین یہ تفسیر کرتے ہیں الالیعرفون انسانوں کو جنات کو میں نے صرف اس واسطے پیدا کیا ہے تا کہ مجھ کو پہچانے خدائے تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو یہی وجہ حقیقت خدا پاک نے بیان فرمائی ہے کہ انسان ہوں یا جنات ہوں وہ اپنے پہچانتے کے لئے ان کو پیدا کیا ہے ایمان کی سب سے پہلی چیز وہ خدا کو جاننا خدا کو پہچاننا اور خدا کو ماننا ہے اور آگے کی باتیں وہ آگے ہیں۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اپنے اندر اثر اور خاصیت نہیں رکھتی۔ اگر یہی چیز انسانوں کے دلوں کے اندر رچ جائے جم جائے اسی سے اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ اس سے اس کی زندگی صحیح راستے پر پڑ جاتی ہے۔ جب خدا کو جانتا ہو گا پہچانتا ہو گا مانتا ہو گا تو کسی چیز کے اندر کسی عمل کے اندر وہ خدا کے حکموں کے خلاف چلنے کی ہمت نہیں کرے گا چونکہ وہ جانتا ہو گا کہ خدائے پاک مالک الملک ہے وہ خالق الکل ہے سب کا پیدا فرمانے والا ہے سب کا بنانے والا ہے ہر چیز خدا ہی کے قبضے میں ہے ہر چیز خدا ہی کے ملک میں ہے دوسرے کی چیز میں آدمی اس کی منشاء کے بغیر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اگر یہ ایمان کی جو بنیادی چیز ہے یہی ہمارے دلوں میں اتر جائے یہی ہمارے دل میں گھر کر جائے تو انسان کی زندگی صحیح رخ پر پڑ جائے گی پوری زندگی صحیح راستہ پر چلنے والی ہو جاوے گی۔ زندگی صحیح راستے پر گذرنے والی ہو جاوے گی۔

تو ساری مخلوقات کے اندر ایک راحت کی فضاء قائم ہو جائے گی۔ دنیا میں بر میں بحر میں خشکی میں تری میں جو اثرات پیدا ہوتے ہیں وہ انسانوں کے عمل ہی کے پیدا ہوتے ہیں دنیا کے اندر انسان جو کچھ عمل کرتا ہے اس کا اثر پڑتا ہے خشکی کے جانوروں پر اور تری کے اندر سمندروں کے اور دریاؤں کے جانوروں کے اندر بھی جو کچھ اپنے حالات ہوتے ہیں وہ انسانوں ہی اعمال کے اثرات ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے اندر کی چیونٹیاں خیر کے سکھانے والے کے لئے دعائیں کرتی ہیں) چونکہ خیر اگر وجود میں آئے گا تو اس کا اثر جنگل اور بیابان میں بھی پہنچے گا اور اس کا اثر سمندر اور دریا کے اندر بھی پہنچے گا۔

بہر حال یہ ایک ایمانی اور ایک بنیادی چیز ہے یہی اگر مضبوط ہو جائے یہی اگر اصلی اور صحیح ہو جائے تو زندگی کا رخ ہی وہ دوسرا ہو گا یہ نہیں ہو گا جو آج پورے عالم کے اندر زندگی کا رخ بنا ہوا ہے۔ آج پورے عالم میں کسی کونے میں چلے جائیں مشرق یا مغرب جنوب میں یا شمال میں کہیں پر یہ انسانیت کو اضطراب سے راحت نہیں ہے ہر سمت میں ہر جگہ میں یہ انسانیت آج بے چینی میں اور اضطراب میں مبتلاء ہے جس کی اصل وجہ یہ حضرت انسان ہی ہے کہ انہوں نے وہ وجہ کہ جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا تھا جس کے لئے ان کو دنیا میں بھیجا گیا تھا یعنی ایمانی راستہ اختیار کرنے کو حضرت انسان نے اپنا ایمانی راستہ بھلا دیا تو انسان ہی پریشان نہیں ہے کائنات کی ساری مخلوق پریشانی میں مبتلاء ہے یہ بنیادی چیز میں نے عرض کی ہے۔

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

ورنہ ایمان کا جو جو عمل ہے ہر ہر عمل اپنے اندر وہ اثرات رکھتا ہے وہ خاصیت رکھتا ہے کہ جس سے زندگی کی بے عنوانیاں ختم ہوئیں ہیں اور زندگی کے اندر پاکیزگی آتی ہے۔ زندگی کے اندر نورانیت اور روحانیت آتی ہے یہ ایمانیات کی بات میں نے عرض کی اس کے اندر ایک ہی چیز نے اعمال کے اندر ایمان کے سب سے پہلا عمل وہ نماز کا ہے اور ایمان کے ساتھ اس کا اتنا تعلق ہے کہ خدائے پاک نے نماز کو ایمان سے تعبیر کیا ہے نماز کے ساتھ ایمان کا اتنا تعلق ہے۔

مراد نماز ہے لیکن خدائے پاک نے اس کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے قرآن پاک میں ہے وما کان اللہ لیضیع ایمانکم خدائے پاک تمہارے ایمان کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ یہاں کہتے ہیں کہ ایمان سے مراد نماز ہے اور یہ مسئلہ اس وقت آیا تھا کہ جب کعبہ کی طرف قبلہ منتقل ہوا تھا۔ پہلے بیت المقدس یہ قبلہ تھا ادھر منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی اور جب بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو صحابہ کرام میں یہ باتیں چلیں کہ وہ لوگ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھیں تھیں اس قبلہ کی طرف رخ ہونے سے پہلے دنیا سے وہ تشریف لے گئے ہیں ان کی نمازوں کا کیا ہوگا۔ تو خدائے پاک نے یہ آیت نازل فرمائی کہ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم جس چیز کے ساتھ زیادہ تعلق ہوا کرتا ہے، وہ عام بول دیا جاتا ہے۔ تو نماز جو ایمان کے ساتھ ایسا تعلق رکھتی ہے ہم اپنی زندگی کے اندر اگر غور کریں تو وہ ایمان ہی کے ساتھ اتنا تعلق رکھنے والا عمل اسی کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہے لیکن جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ ایمان کی جو اصل بنیادی چیز ہے وہ اگر ہمارے اندر جم جائے تو زندگی کا رخ صحیح ہو جائے گا۔ ایسے ہی یہ عمل میں سے یہ نماز اگر ہمارے اندر زندہ ہو جائے تو خدائے پاک نے یوں فرمایا ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کہ نماز بے حیائیوں سے روکتی ہے۔ برائیوں سے روکتی ہے اور یہ سب سے پہلا عمل ہے اگر یہ عمل ہوگا اور صحیح ہوگا حقیقی نماز حاصل ہوگی اور سو فیصد اس کو ادا کیا جا رہا ہوگا تو یہ بے حیائیاں یہ منکرات یہ برائیاں دنیا میں رہ کر نہیں ہو سکتیں ہر ہر عمل کے اندر اللہ نے یہ خاصیتیں رکھی ہیں وہ عمل جو کیا جاوے گا، اس کا اثر دنیا میں ظاہر ہوگا۔



ارشاد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ

جان اور وقت مال سے بہت زیادہ قیمتی ہیں، اللہ نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، جان اور وقت کی اضاعت سے ڈرتے رہنا چاہیے اسے صحیح گزارنے کی فکر کرتے رہنا چاہیے۔

انسان جس چیز کی قدر کرتا ہے، اللہ پاک اس میں برکت فرماتے ہیں اور ناقدری پر اللہ اس کو چھین لیتے ہیں۔

آخری بیان

مولانا عبدالغفار



۱۹۹۴ء میں رائے ونڈ کے اجتماع میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا آخری بیان

میرے عزیزو اور دوستو بزرگو! اللہ جل جلالہ عم نوالہ نے اس آیت مبارکہ میں اپنا قانون بتلایا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے کیلئے دین دیا ہے۔ دین کے علاوہ جو شخص کوئی اور راستہ تلاش کرے گا کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا۔ وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کی جاوے گی۔ اور وہ آخرت جو اصلی زندگی کا وقت ہے۔جہاں پر اصلی زندگی ہے۔ وہاں پر وہ خسارے والوں میں سے، نقصان والوں میں سے ہوگا۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ کے یہاں قبول ہونے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ اس کے دین کو اختیار کیا جاوے، اسکے دین پر چلا جاوے اور دین کیا ہے دین یہ ہے کہ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اپنے بندوں کو، اپنی مخلوق کو دنیا میں زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے اس طریقے کے مطابق زندگی گزارنا ہی دین ہے۔ خدائے پاک نے ایک طریقہ حیات دیا ہے۔ وہ ایسا دیا ہے کہ انسان کے ہر شعبے کو شامل ہے انسان کی زندگی کا کوئی شعبہ اس سے خالی نہیں ہے۔ اس سے فارغ نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے ہر ہر چیز کیلئے طریقہ بتلایا ہے جب اس طریقے پر اپنی زندگی گزاری جاوے گی تو یہ دین داری ہے اور خدائے پاک کے یہاں مقبول راستہ ہے۔ دین چند عملوں کا نام نہیں ہے کہ ان کو کرلیا اور اپنی باقی زندگی کے اندر اپنے آپ کو آزاد سمجھ لیا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم دین دار ہیں ان چند عملوں کے کرنے کی وجہ سے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ زندگی کی جتنی شاخیں ہیں زندگی کے جتنے شعبے ہیں۔ زندگی کے جتنے گوشے ہیں، ہر گوشے میں ہر شعبے میں خدا کے حکموں کے مطابق چلنا ہے، نبی پاک ﷺ کے طریقوں کو اپنانا ہے، یہی دین ہے، یہی خدائے پاک کے یہاں مقبول طریقہ ہے، مقبول راستہ ہے، کامیابی کا راستہ ہے، اور یہ راستہ ایسا نہیں ہے جو انسانوں کی طاقت سے باہر ہو۔ انسانوں کی سکت سے باہر ہو نہیں خدائے پاک نے جو بھی طریقہ بتلایا ہے۔ وہ ایسا طریقہ ہے کہ ہر انسان اسکو کر سکتا ہے۔ اسکے اوپر چل سکتا ہے، اسکے اوپر جم سکتا ہے۔ اور اسکو اپنی زندگی کے اندر لا سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے کوئی ایسی بات نہیں فرمائی ہے۔ جو انسان کے بس سے باہر ہو انسان کے استطاعت و طاقت سے باہر ہو لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ انسان کے بس سے باہر ہو جسکو انسان نہ کر سکتا ہو خدائے پاک جانتے ہیں انسان کے ضعف کو، انسان کی کمزوری کو انسان خلقتاً ضعیف ہے خلق الانسان ضعیفا خود خدائے پاک کا ارشاد گرامی ہے۔ اس نے اسکو ضعیف سمجھ کر اور ضعیف جان کر ہی طریقہ بتلایا ہے ایسا طریقہ کہ جس پر چل کر ہر انسان دین دار بن سکتا ہے ہر انسان خدا کے حکموں پر چل سکتا ہے۔ ہر انسان اس طریقے کو اپنا سکتا ہے۔ لیکن یہ اس شخص کیلئے ہے جو اس راستے پر چلنا چاہے، جو اس طریقے کو اختیار کرنا چاہے۔ جو اس طریقے کو اختیار نہ کرنا چاہے۔ تو اسکے لئے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بھاری معلوم ہوتا ہے۔ یہ آدمی خود دنیا کی زندگی میں بھی دیکھ سکتا ہے۔ اگر کسی طرف کا راستہ صحیح ہو سیدھا ہو آسان ہو سہل ہو لیکن اس کا رخ دوسری طرف ہو اور وہ صحیح اور آسان راستے پر نہیں چل رہا ہو تو دوسری طرف چلے گا۔ جتنا چلے گا اتنا وہ اپنی منزل سے دور ہوگا اتنا دشواریوں میں پھنسے گا، اتنا پریشانیوں میں مبتلا ہوگا اسی لئے میرے عزیزو دوستو اور بزرگو! ہمیں اس کو دیکھنا ہے کہ ہماری زندگی کی راہ کہیں ہٹی ہوئی تو نہیں ہے۔ کہیں اپنی چول سے ہٹی ہوئی تو نہیں ہے۔ ہمیں اپنی زندگی کو اس جگہ پر، اس طریقے پر، اس راہ پر لانا ہے جو اللہ جل شانہ عم نوالہ نے ہمیں دیا ہے اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے اوپر چل کر ہم کو بتلایا ہے۔ نبی پاک ﷺ تشریف لائے۔ وہ ایک بشر تھے۔ ایک انسان تھے۔ کھاتے تھے، پیتے تھے۔ شادی بیاہ کرتے تھے۔ جتنی انسانی چیزیں ہیں وہ کرتے تھے۔ اور اللہ جل شانہ نے اسی واسطے انسان کو رسول بنایا ہے کہ اگر فرشتوں کو بنا دیتے تو ہمارے لئے عذر ہو جاتا۔ کہ وہ فرشتے ہیں۔ نہ انکو کھانے کی ضرورت ہے۔ نہ انکو پینے کی ضرورت ہے۔ لیکن رسول پاک ﷺ کو انسان ہی بنا کر بھیجا، بشر ہی بنا کر بھیجا اور انسانی ضرورتیں اور بشری حاجتیں ساری اسکے اندر رکھیں، ان سب کو پورا کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ پوری زندگی اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر خدائے پاک کے پسند کردہ اور پسندیدہ راہ پر گذاری ہے۔ اور اپنے مابعد آنے

والوں کو راستہ دکھلایا ہے۔ اور بتلایا ہے خود خدائے پاک نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لیکن یہ اس کیلئے لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر یہ اس کیلئے ہے جو اللہ سے امید رکھتا ہو۔ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو۔ ان چیزوں پر یقین رکھتا ہو، ان کا دھیان رکھتا ہو۔ تو ان کیلئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اندر نمونہ ہے ان کی زندگی کے اندر رہنمائی ہے، رہبری ہے لیکن اگر اس راستے کو اختیار ہی نہ کیا جاوے اس طرف رخ ہی نہ کیا جاوے اس پر نہ چلا جاوے تو پھر خدائے پاک جو صمد ہیں، جو بے نیاز ہیں، جنکو ہماری فرمابرداری کی، جنکو ہماری اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں، کوئی حاجت نہیں یہ اللہ جل شانہ عم نوالہ نے جو طریقہ بتلایا ہے یہ مخلوق ہی کے فائدے کیلئے ہے۔ اور انسانوں ہی کے فائدے کیلئے ہے اس سے خدائے پاک کا اپنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ساری دنیا کے بسنے والے انسان اگر سب متقی و پرہیزگار ہو جاویں، اچھے سے اچھے کام پر جمع ہو جاویں تو اس سے خدا کی خدائی کے اندر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے ہی اگر سارے کے سارے بد ترین زندگی اور برے کاموں پر جمع ہو جاویں سب سے زیادہ شقی انسان بن جاویں سارے کے سارے انسان شقی بن جاویں تو خدائے پاک کی خدائی میں اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔ خدائے پاک نے جو طریقہ دیا ہے۔ وہ انسانوں ہی کے پرکھنے کے لئے ہے۔ انسانوں ہی کیلئے دنیا اور آخرت میں چمکنے کیلئے ہے، انسانوں ہی کے دنیا اور آخرت میں کامیاب ہونے کیلئے دیا ہے۔ اس لئے میرے عزیزو دوستو اور بزرگو انسان کیلئے آسان اور صحیح اور سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس خدائی کو مضبوط پکڑے اور وہ طریقہ معلوم ہو گا جناب رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے، یہ کسی کی اپنی خواہش سے، کسی کی اپنی من مانی سے، کسی کے اپنے جی چاہی سے نہیں حاصل ہوتا۔ جو بغیر خدا کی ہدایت کے اپنی خواہشات پر چلتا ہے۔ اپنے جی چاہی پر چلتا ہے وہ بہت گمراہ ہے۔ ومن اضل ممن اتبع ہواہ بغیر ھدًا من اللہ۔ اللہ ہی کی طرف سے جو کچھ ہدایت ہے اسی سے اپنی سیدھی راہ پر چل سکتا ہے اسکو چھوڑ کر آدمی کو چاہے جتنے منافع، چاہے جتنے فوائد نظر آتے ہوں دوسرے راستے میں۔ لیکن اس راستے پر چلنے والا ناکام ہی ہوتا ہے اور وہ خسارے ہی میں رہتا ہے اس لئے میرے عزیزو دوستو اور بزرگو نبی پاک ﷺ تشریف لائے اور تشریف لا کر وہ طریقہ بتلایا اور اس طریقے کے زندگی میں آنے کیلئے ایک محنت بھی بتلائی وہ اپنی امت کو سکھلائی اور وہ محنت کیا ہے وہ محنت ہے۔ دعوت کسے کہتے ہیں دعوت۔ تبلیغ، وعظ، نصیحت، تذکیر، انذار یہ سارے کے سارے ہم معنی ہیں ہر ایک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف لانے کی کوشش کی جاوے، محنت کی جاوے۔ اسکے اوپر کوشش کی جاوے تو اللہ جل شانہ کا قانون ہے کہ جس چیز کی کوشش کی جاتی ہے اسکو وہ ضرور مرحمت فرما دیتے ہیں اسکو اپنی دنیا میں زندہ فرما دیتے ہیں تو نبی پاک ﷺ وہ طریقہ زندگی بھی بتلا کر گئے ہیں اور اسکے زندگی میں آنے کا طریقہ بھی بتلا کر گئے ہیں۔ جسکو دعوت کہا جاتا ہے جسکو تبلیغ کہا جاتا ہے۔ اس لئے میرے عزیز دوستو اور بزرگو! جب تک ہمارے اندر یہ محنت رہی، جب تک ہمارے اندر دعوت باقی رہی، جبتک ہمارے اندر تبلیغ رہی اسوقت تک یہ انسان اپنے اس طریقہ زندگی پر رہا۔ اور جب یہ محنت نکلی تو انسان کی زندگی میں سے وہ طریقہ بھی نکلتا چلا گیا وہ بھی مٹتا چلا گیا اور خدائے پاک کا جو وعدہ اپنی اس زندگی پر تھا اس سے بھی انسان بعید ہوتا چلا گیا اور اس سے محروم ہوتا چلا گیا خدائے پاک کی رحمتیں، خدائے پاک کی برکتیں، خدائے پاک کی نصرتیں وہ اس طریقے کے ساتھ ہیں، وہ کسی شخص کے ساتھ، کسی فرد کے ساتھ نہیں۔ اس لئے میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو ہمارے ذمے ہے کہ ہم محنت کریں اور اس طریقے کو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کریں۔ جو اللہ جل شانہ عم نوالہ نے اپنے بندوں کیلئے تجویز فرمایا ہے، اسکے لیے پسند فرمایا ہے کہ اسکے سوا کوئی اور راستہ خدائے پاک کو پسند نہیں ہے۔ ورضیت لکم الاسلام دینا کہ زندگی گزارنے کیلئے تمہارے لیے میں نے اسلام کو پسند فرمایا ہے اور اسلام کیا ہے اسلام کے معنے ہیں خدا کے حکموں کے سامنے بے چون وچرا گردن جھکا دینا یہ اسلام کے معنی ہے ہم اپنی پوری زندگی کے اندر بجائے اپنی خواہش پر چلنے کے، بجائے اپنی جی چاہی پر چلنے کے خدا کے حکموں پر چلنے والے بن جائیں تو خدا کے احکام زندہ ہوگئے تو خدا کے حکم کے ساتھ جو برکتیں ہیں جو رحمتیں ہیں وہ بھی ہمیں ملیں گی۔ وہ بھی ہمیں حاصل ہونگی جو خدا کے حکموں کو چھوڑ کر کبھی حاصل نہیں ہوسکتیں اللہ جل شانہ عم نوالہ کی رحمت خدا پاک کی نصرت اور مدد وہ اپنے حیلے حوالوں سے، بہانوں سے اور اپنی ترکیب سے نہیں حاصل ہو سکتی۔

وہ تو اللہ ہی کے بتائے ہوئے طریقے سے حاصل ہو سکتی ہے اس لئے میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو ہمیں کوشش کرنی چاہئے، ہمیں

محنت کرنی ہے اس کی کہ ہماری زندگیوں میں اور اللہ کے بندوں میں اللہ والا طریقہ آجاوے، اللہ کا پسندیدہ طریقہ آجاوے اس کیلئے محنت کرنی ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ہر چیز سیکھنے سے آتی ہے بغیر سیکھے نہیں آتی یہ معمولی معمولی چیزیں تو روزمرہ کی ہیں جیسے تجارت ہے، زراعت ہے یہ چیزیں بھی اپنے سیکھنے سے آتی ہیں۔ یہ بھی خالی اپنے سوچنے سے نہیں آتیں۔ ایسے ہی میرے عزیزو اور دوستو اور بزرگو اسکو بھی سیکھنا پڑے گا اور سیکھنے کیلئے ہمیں اصل بات جو سیکھنی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کسی کے اوپر احسان نہیں کر رہے ہیں کسی کیلئے ہم یہ کوئی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی محنت کو پورا کرنے کیلئے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے کیلئے یہ کوشش کر رہے ہیں اور اس کوشش کرنے میں ہمیں دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے پیش آنا ہے کہ اسکی حقارت نہ ہو اسکی اھانت نہ ہو۔ نبی پاک ﷺ جو اولین آخرین میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک کریم ہیں انکی عادت مبارکہ بھی یہ تھی کہ جسکو پیغام پہنچاتے تھے اسکو حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ کان لا یحقر احدا یبلغہ رسالات اللہ جسکو اللہ کا پیام پہنچاتے تھے اسکو حقیر نہیں سمجھتے تھے، شیطان اول عمل نہیں کرنے دیتا اور آدمی جب عمل پر آجاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ عمل سے رکنے والا نہیں تو پھر اسکے اندر ایسی شاخیں نکال دیتا ہے جس سے اس عمل کی جان نکل جاتی ہے اور وہ عمل کھوکھلا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے عمل کرنے میں اسکو صحیح طریقے پر نہیں کیا تو ظاہر کے اندر بڑا عمل دکھے گا لیکن حقیقت کے اندر بے جان ہوگا اسکے اندر کوئی قوت، کوئی طاقت نہیں ہوگی۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں محنت کرنے کی توفیق نصیب فرما دے اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقے پر جتنا ہمارے لیے مقدر فرما دے اور ہمیں اپنی من مانی سے اور اپنی خواہشات پر چلنے سے اللہ ہماری حفاظت فرما دے اس محنت کرنے کے اندر پھر دو جزو ہیں ایک جزو اپنے گھروں کو چھوڑنا اور اپنے گھروں کے قیام کو، اپنی جی چاہیوں کو چھوڑنا اور خدائے پاک عزاسمہ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ انکو چھوڑنا اسکو اصلی مہاجر فرمایا گیا ہے والمھاجر من ھجر مانھا اللہ عنہ اصلی مہاجر اصلی ھجرت والا وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے، جن سے خدائے پاک نے منع فرمایا ہے تو ہم اول اپنی خواہشات کو اپنی جی چاہی کو چھوڑ رہے ہوں اللہ کے حکم کے سامنے، اور ایسے ہی ہمیں اپنے گھر سے محبت ہے اپنے وطن سے محبت ہے اسکو چھوڑ رہے ہوں اللہ کے دین کی محنت کیلئے، اللہ کے دین کی دعوت کیلئے، یہ ھجرت ہے۔ اور دوسرا حصہ اسکا نصرت کا ہے جو اپنے گھروں کو اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر نکلے ہیں ان نکلنے والوں کے ساتھ جڑ کر اسکے ساتھ ملکر اسکے کام میں ہاتھ بٹانا ہے۔ معمولی معمولی چیزیں گھریلو آنکی خبر گیری کرنا یہ بھی ایک نصرت کا درجہ ہے لیکن اصلی نصرت یہ ہے کہ اس کام کے اندر ہاتھ بٹایا جارہا ہو جس کام کیلئے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے گھربار کو چھوڑا ہے یہ دو چیزیں ہونگی جتنی ھجرت ہوگی نصرت ہوگی تو یہ دعوت یہ محنت پروان چڑھے گی آگے بڑھے گی آگے چلے گی، جتنی دعوت بڑھے گی اور جتنی دعوت چلے گی اتنی زندگی کے ہمارے شعبے صحیح ہوتے چلے جاویں گے۔ اپنی چول پر آتے چلے جاویں گے آج زندگی کا ہر شعبہ اپنی چول سے ہٹا ہوا ہے اپنی راہ سے بہت دور جا پڑا ہے۔ ہماری پوری زندگی ہماری زندگی کے تمام شعبے اپنے طریقے پر آجاویں، اپنی راہ پر آجاویں اسکیلئے یہ محنت ہے یہ نبی پاک ﷺ دے کر گئے ہیں ہر آدمی جو نبی ﷺ کا نام لیوا ہے اور آنکے اوپر جان دینے والا ہے اسکے ذمہ ہے اس محنت کا کرنا، اسکے اندر کوشش کرنا، اسکے اندر اپنے آپ کو لگانا، ہر امتی کی ذمہ داری ہے کہ یہ محنت کرے، اللہ کے بندوں پر اس کے اوپر ذمہ داری رکھی ہوئی ہے ہر شخص کو کرنا ہے ہر شخص کو اسکی محنت کرنی ہے لیکن یہ دعوت ہے دعوت کے اندر کسی کی تحقیر نہیں کسی کی توہین نہیں کسی کے اوپر زبردستی نہیں بلکہ سمجھانا ہے۔ بجھانا ہے شوق دلانا ہے۔ رغبت دلانا ہے اس کے اوپر زبردستی نہیں کرنا۔ یہ امر نہیں ہے امر وہ ہوتا ہے جو بڑے کا چھوٹے کے اوپر چلتا ہے اور وہ ہماری اس تبلیغ میں، اس دعوت میں نہیں، یہ عرض ہے یہ خدا کے بندوں کے سامنے اس زندگی کو پیش کرنا ہے یہ حکم کرنا نہیں جسکو کہا جاتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ ان لوگوں کیلئے ہے جنکے پاس طاقت ہو، جن کے ہاتھ میں کوئی زور ہو جس کے پاس سلطنت ہو کوئی قوت ہو لیکن ہم جو ہیں یہ ہمارے پاس یہ نہیں ہے ہم اسکے مکلف نہیں ہیں۔ ہمارے لئے تو دعوت ہے۔ دعوت کے اندر عرض ہوتا ہے۔ عرض الدعوۃ دعوت کا پیش کرنا اور عرض ہوتا ہے کیا۔ چھوٹا بن کر کسی بات کو پیش کرنا جیسے ہمارے محاورے میں بھی مشہور ہے عرضی پیش کی میں نے۔ پھر یہ دعوت ہے دعوت کے اندر عرض ہے اسکے اندر امر نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ عم نوالہ ہمیں اپنی زندگی میں صحیح طریقے پر چلنے کی توفیق نصیب فرماوے اور اسکی محنت کرنے کیلئے خدا پاک ہم کو قبول فرما دے۔

محبوب الحسن ★

آخری دعا



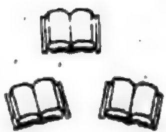
۱۹۹۳ء میں رائے ونڈ کے اجتماع میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کی آخری دعا

اللهم صلی علی سیدنا و مولانا محمد وعلی آل سیدنا و مولانا محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم فانک انت الاعز الاکرم اللهم اغفرلنا وللمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منهم والاموات، ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف الرحیم، اللهم اغفر لامت سیدنا محمد ما تقدم من ذنبها وما تاخر وما اسرت وما اعلنت، اللهم حبب الینا الایمان وزینه فی قلوبنا وکره الینا الکفر والفسوق والعصیان، اللهم اجعلنا من الراشدین اللهم الهمنا مراشد امورنا من شرور نفوسنا یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک یا مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک، اللهم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منها شیا فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولینا واهدنا الی سواء السبیل، اللهم اهدنا الی سواء السبیل، اللهم اهدنا الی سواء السبیل، اللهم اشرح صدورنا الاسلام، اللهم اشرح صدورنا للاسلام اللهم اشرح صدورنا للاسلام، اللهم انا نسئلک ایمانا کاملا ویقینا صادقا وهدا قیما وخلقا مستقیما، اللهم اغننا بالعلم وزینا بالحلم وجنبنا بالعافیه واکرمنا بالتقوی اللهم انا ضعفاء فقوی رضاک ضعفنا واجعل الاسلام منتها رضانا اللهم ارزقناه فی تسیر کل عسیر وان تیسیر کل عسیر علیک یسیر ونسئلک الیسر والمعافاة فی الدنا والاخرة اللهم انا نسئلک العفو العافیه والعافاة الدائمة فی الدین والدنیا والاخرة اللهم احی الدین کله فی العالم کله اللهم احی الدین کله فی العالم کله، اللهم احی الدین کله فی العالم کله، اللهم اهد الناس جمیعا، اللهم اهد الناس جمیعا، اللهم اهد الناس جمیعا، اللهم لا سهل الا ما جعلته سهلا وانت تجعل الحزن سهلا اذا شئت، لا اله الا الله الحلیم الکریم سبحان الله رب العرش العظیم الحمد لله رب العالمین نسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم لا تدع لنا ذنبا الا غفرته ولا هما الا فرجته ولا کربا الا فرجته ولا ضرا الا کشفته ولا حاجتا من حوائج الدنیا والاخرة الا قضیتها یا ارحم الراحمین الیک رب فحبنا وفی انفسنا لک رب فذللنا وفی اعین الناس فعظمنا ومن سیئی الاخلاق فجنبنا وعلی صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا اللهم انصرنا ولا تنصر علینا وزدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تهنا وآثرنا ولا تؤثر علینا واعطنا ولا تحرمنا، اللهم امکرلنا ولا تمکر علینا اللهم نسئلک من خیر ما سئلک منه نبیک سیدنا محمد ﷺ ونعوذبک من شر ما استعاذک من نبیک سیدنا محمد ﷺ، اللهم انا نسئلک رضاک والجنة ونعوذبک من غضبک والنار، اللهم انا نسئلک رضاک والجنة ونعوذبک من غضبک والنار، اللهم ارحمنا بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنا وارحمنا ان نتکلف ما لا یعنینا وارزقنا حسن النظر فیما یرضیک عنا اللهم انا نسئلک من الخیر کله عاجله وآجله ما علمنا منه وما لم نعلم ونعوذبک من شر کله ما علمنا منه وما لم نعلم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار،

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، اے اللہ ہماری سیئات کو حسنات سے مبدل فرما، اے اللہ

دینی دین کے بارے میں اور اے اللہ تیرے احکامات کے بارے میں اے اللہ تیرے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کے بارے میں، یا اللہ جتنی ہم سے کوتاہیاں ہوئی ہیں اے اللہ جتنی تقصیرات ہوئی ہیں اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ اپنے کرم سے معاف فرما، اے اللہ ہمیں اپنی تقصیر کا اعتراف ہے، اے اللہ اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے، اے اللہ تیرے سامنے تیرا جو بندہ اعتراف قصور کرتا ہے، اے اللہ تو معاف فرما، دیتا ہے، اے اللہ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ اس جرم عظیم کو معاف فرما، اے اللہ سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرما، اے اللہ سنتوں والی زندگی کو اپنانے کی رغبت ہمارے اندر پیدا فرما، اے اللہ سنت کا شوق ہم کو نصیب فرما، اے اللہ سنت کا شوق ہم کو نصیب فرما، اے اللہ سنت کی برکات سے ہم کو مالا مال فرما، اے اللہ سنت والی زندگی پر یا اللہ تیری جو مددیں ہوتی ہیں اے اللہ ان مددوں سے مالا مال فرما، اے اللہ ہمیں ہمارے نفسوں کے حوالے نہ فرما، اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما، اے اللہ بھرپور نصرت اور مدد فرما، اے اللہ غیبی تائید شامل حال فرما، اے اللہ پورے عالم میں اے اللہ مشارق میں، مغارب میں، یا اللہ اپنے دین کو زندہ فرما، اے اللہ دین کی ہوائیں چلا دے، اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما دے، اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما دے، اے اللہ ایمانی زندگی کو زندہ فرما دے، اے اللہ اعداء دین، اعداء مسلمین کو، یا اللہ ناکام ونامراد فرما دے، اے اللہ ان کو اپنے حیلوں میں خائب وخاسر ناکام فرما دے، اللہ دینی ہوائیں چلا دے، اے اللہ دینی فضائیں قائم فرما دے، اے اللہ امت کی پریشانیوں کو دور فرما دے، یا اللہ دشواریوں کو ختم فرما، اے اللہ بیماروں کو شفاء نصیب فرما، اے اللہ جو جس پریشانی میں مبتلا ہے اے اللہ اسکی پریشانی کو دور فرما، اے اللہ جتنے مدارس دینیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مساجد قرآنیہ ہیں اور اے اللہ جتنے مراکز دینیہ ہیں اے اللہ دنیا کے یا اللہ ہر ہر خطے میں انکی حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، اے اللہ پوری پوری حفاظت فرما، یا اللہ دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب فرما، اے اللہ دین کے زندہ ہونے کا ذریعہ فرما، اے اللہ دینی فضاؤں کے قائم ہونے کا ذریعہ فرما، اے اللہ اس دعوت والے کام کی یااللہ ہر شر سے حفاظت فرما، اے اللہ ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرما، اے اللہ ہر قسم کی آفات سے حفاظت فرما، اے اللہ تو ہی حفیظ تو ہی وکیل ہے، اے اللہ تو ہی نصیر ہے، اے اللہ تیری مدد سے یا اللہ گاڑی چلے، اے اللہ اپنی بھرپور امداد فرما، اے اللہ بھرپور مدد فرما، اے اللہ ہر قسم کے رزائل سے عافیت کے ساتھ پاک فرما، اے اللہ ہر قسم کے خصائل سے شمائل سے آراستہ فرما، اے اللہ اخلاص نیت اور اتباع سنت کی دولت نصیب فرما، اے اللہ تمام امور میں ہمارے انجام کو خیر فرما، اے اللہ تمام احوال کو درست فرما، اے اللہ عفو کا عافیت کا یا اللہ یسر کا، سہولت کا، اے اللہ کرم کا رحم کا معاملہ فرما، اے اللہ تمام بلاد اسلامیہ کی اور اے اللہ اسلام اور مسلمین کی بھرپور حفاظت فرما، اے اللہ اغیار کے زرغے میں پڑنے سے انکی حفاظت فرما، اے اللہ انکی چالوں سے انکی حفاظت فرما، اے اللہ صحیح دین والے معاشرے کے زندہ ہونے کی صورت پیدا فرما، اے اللہ سادہ اور پاک اور پاکیزہ معاشرہ زندہ فرما، اے اللہ زندگی کی سادگی نصیب فرما، اے اللہ زندگی کی سادگی نصیب فرما، اے اللہ زندگی کی سادگی نصیب فرما، اے اللہ پوری پوری دستگیری فرما، اے اللہ جن بھائیوں نے دعاؤں کیلئے کہا ہے یا لکھا ہے، اے اللہ انکے مقاصد کو تو خوب جانتا ہے، اے اللہ انکو عافیت کے ساتھ پورا فرما، اے اللہ پریشانیوں کو دور فرما، اے اللہ پریشانیوں کو دور فرما، انے اللہ امت میں یا اللہ اتفاق، اتحاد پیدا فرما، اے اللہ اتحاد، اتفاق پیدا فرما، اے اللہ باہمی ہمدردی اور ایثار کو زندہ فرما، یا اللہ کرم کا معاملہ فرما، اے اللہ رحم کا معاملہ فرما، اے اللہ ہمارے اس اجتماع کو قبول فرما، اے اللہ اسکی محنت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس میں شرکت کرنے والوں کو قبول فرما، اے اللہ اس کہنے سننے والوں کو قبول فرما، اے اللہ جو جس نیت سے آیا اے اللہ اسکی آمد کو قبول فرما اور اے اللہ اسکی آمد کو بہانہ فرما کر اے اللہ دین کی دعوت کیلئے قبول فرما، اے اللہ دین پر استقامت کی دولت نصیب فرما، اے اللہ دین پر استقامت کی دولت نصیب فرما۔

یا اللہ اپنے کرم سے ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ آمین، ثم آمین



بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف، مولانا انعام الحسن اور جماعت کی دینی جد و جہد

بیس بڑے مسلمان

عبدالرشید ارشد

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ العالی

بیس بڑے مسلمان گذشتہ سال پہنچی تھی جب کہ میں حجاز سے واپس ہوا تھا۔ اس وقت سے برابر سننے کا اشتیاق رہا۔ مگر مشاغل کے ہجوم نے باوجود انتہائی خواہش کے مہلت نہ دی۔ لیکن طبیعت کا تقاضہ بہت رہا۔ اس سال سفر حجاز سے واپسی کے بعد سے میں نے عصر سے مغرب تک کی عمومی مجلس جس میں بہت کثیر مہمان اور اہل شہر کی بڑی تعداد اور مدرسین مدرسہ اور طلبہ بکثرت ہوتے تھے سننی شروع کی تھی۔ میرے لیے تو اکابر کے حالات باعث لذت ہوتے ہی کہ آپ کی کتاب سے سارے اکابر کے حالات نظر سے گذرے اور ان کی یاد نے مجروح دل پر نمک پاشی کا کام کیا، لیکن اجنبی سننے والوں کو بھی بہت ہی لطف آیا۔ بہت سے مہمان حضرات کتاب کا پتہ نوٹ کر کے لے گئے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ پاکستان سے کتاب تو درکنار خط و کتابت بھی دشوار ہے۔ اگر آپ کی اس مبارک کتاب کے ہندوستان میں ملنے کی کوئی جگہ ہو تو اس کا پتہ ضرور لکھئے۔ اللہ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے اور اس مبارک کتاب کو آپ کے لیے دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مکرر آپ کے لیے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ دارین کی ترقیات سے نوازے اور اپنی رضا و محبت عطا فرمائے

۹ رجب ۱۳۹۱ھ
محمد زکریا

بیس بڑے مسلمان (۲۰)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
مولانا اشرف علی تھانویؒ	علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ
مولانا عبید اللہ سندھیؒ	مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
مولانا محمد الیاس دہلویؒ	مولانا شیخ عبدالقادر رائپوریؒ
مولانا احمد علی لاہوریؒ	مفتی محمد حسن امرتسریؒ
مولانا ابو الکلام آزادؒ	مولانا محمد علی جوہرؒ
مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ	مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	سردار احمد خان پتافیؒ

صفحات: ۱۰۵۶ (آٹھواں ایڈیشن) قیمت/ ۳۶۰

مولانا محمد یوسف لدھیانوی
***

حضرت شیخ الحدیث

اوصاف و کمالات

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات اور اوصاف حسنہ سے متصف فرمایا تھا۔ آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اتنے محاسن و کمالات کا کسی ایک ذات میں مجتمع ہونا نہ صرف یہ کہ مشکل بلکہ آج کے دور میں تو محال ہے۔ ذیل میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب کا مضمون پیش کیا جارہا ہے جس میں آپ نے حضرت شیخ کے بعض اوصاف کا تذکرہ کیا ہے۔

تواضع اور کسر نفسی

جن حضرات کو حقیقت کبریٰ تک رسائی اور حق تعالیٰ شانہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے انہیں (اپنے تمام کمالات کے باوصف) اپنا وجود ہیچ در ہیچ نظر آتا ہے۔ یہی عبدیت وفنائیت کا وہ مقام ہے، جہاں پہنچ کر وہ اکابر یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں"

اکابر اولیاء اللہ قدس اللہ اسرار ہم کے اس نوع کے واقعات وارشادات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ قطب العالم حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے کچھ حالات لکھے، تو مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بھائی ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے، کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا (پھر فرمایا کہ) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہوگیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے (پھر حضرت حکیم الامت نے مولانا کی قول کی تفسیر میں فرمایا کہ) بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجودہ کمالات پر نظر نہیں ہوتی، بس مولانا اپنے کمالات موجودہ کو کمالات آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے۔" (حسن العزیز صفحہ ۱۱)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات شریفہ میں متعدد جگہ یہ شعر لکھا ہے۔

"لوگ میرے بارے میں بہت اچھا گمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ میں لوگوں میں سب سے برا ہوں اللہ اگر میرے ساتھ معافی کا معاملہ فرمائے۔"

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے۔

"صاحب کمال جتنی زیادہ ترقی کرتے ہیں اتنی ہی ان میں تواضع زیادہ ہوتی ہے۔ اخیر میں یہ ہوجاتا ہے کہ وہ یوں سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کون برا ہوگا" (بیاض مولانا عبدالرحیم متالا)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اسی معراج کمال پر فائز اور انتہائی تواضع کے حامل تھے۔ ارشاد فرماتے تھے۔

"میں بلا تواضع و تصنع بہت سی مرتبہ ختمات میں اس واسطے نہیں جاتا کہ میری وجہ سے اوروں کی دعائیں رد نہ ہو جائیں۔ لیکن اوروں کو

چونکہ اہمیت اس ناکارہ کی زیادہ ہوتی ہے اس لیئے مجبوری کو جاتا ہوں۔"

اپنے عیوب و نقائص کا استحضار ہی تواضع کی اصل روح ہے اور بعض اہل حال کی زبان فرط حیا کی وجہ سے دعا سے گنگ ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پنبہ و آتش اور شیشہ و آہن کی جامعیت رکھتے تھے، اس لئے اپنی اپنی جگہ دونوں کا حق ادا فرماتے تھے۔

ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں۔

"پیارے میں اور میری توجہ جیسی ہے وہ مجھے ہی معلوم ہے، میں تو سمجھتا ہوں کہ جتنی برائیاں آرہی ہیں وہ میری وجہ سے آرہی ہیں، لیکن مالک سے مانگے بغیر چارہ نہیں۔ فقیروں کا کام تو مانگنا ہی ہے۔ اس کے کرم سے بعید نہیں کہ جو امیدیں دوست لگائے بیٹھے ہیں وہ پوری ہو جائیں۔ اللہ کے احسانات امت کے حال پر لاتعدو لاتحصی ہیں، مگر امت خود معاصی میں اتنی گرفتار ہے، جتنا کرم بڑھتا جارہا ہے، نافرمانیاں بڑھتی جارہی ہیں"

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے متعلقین کی اصلاح کے لئے ان کی کوتاہیوں پر نکیر بھی فرماتے تھے، لیکن عین اس حالت میں بھی یہ استحضار رہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں۔ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ میرا حال تو تمہیں معلوم ہے کہ اپنے کو سب سے زیادہ گنہگار سمجھتا ہوں، اس لئے دوسروں کی لغزش اور گناہوں پر غصہ بہت کم آتا ہے۔ البتہ جہاں کہیں انتظام میرے متعلق ہوتا ہے۔ وہاں انتظاماً غصہ ظاہر کرنے پر مجبور ہوتا ہوں اور بمصالح مدرسہ تغیر و تبدل بھی ضروری سمجھتا ہوں۔" (مکتوب بنام محمد یوسف متالا، ۱۰ جولائی سن ۱۹۷۸ء)

غلبہ تواضع کی وجہ سے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو اپنے عقیدت مندوں کی جانب سے تعریف و ستائش کا کوئی لفظ سننا گوارا نہیں تھا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محب صادق مولانا محمد یوسف متالا زید مجدہم کی فرمائش پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مدظلہ نے ایک قصیدہ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اوصاف نظم کئے "وصف شیخ" کے نام سے یہ قصیدہ مع شرح کے شائع ہوا تو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مولانا متالا صاحب زید مجدہم کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا۔

"مفتی صاحب نے کلکتہ میں جو نظمیں کہیں وہ تو برحق لیکن تم نے اس سیاہ کار کے متعلق جو فرمائش کی وہ بالکل بے محل ہے میرے پیارے مجھے ایمان پر مرنے دو، پھر جو چاہے دیکھتے رہو ان الحی لاتومن علیہ الفتنہ، اگر ایمان پر خاتمہ ہو جائے تو تمہارے سب کے حسن ظن صحیح ہیں اور اگر خدا نہ کرے خدا نہ کرے کوئی دوسری صورت ہوئی تو تم ہی بتاؤ کہ میرے علاوہ تمہاری بھی کتنی رسوائی ہوگی میں تو دوستوں کو بہت منع کرتا ہوں میری زندگی میں کچھ میرے متعلق نہ لکھو۔" (مکتوب بنام مولانا محمد یوسف متالا، ۱۰ جنوری سن ۱۹۷۸ء)

ایک مرتبہ اپنے مخلص خادم جناب صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی کے نام تحریر فرمایا۔

"میرا فیض ساری دنیا میں پہنچ رہا ہے اس کو تم جانو یا تمہارے مجددی صاحب جانیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا میں جہاں گندگی پھیل رہی ہے وہ میری وجہ سے ہے۔ عبدالحفیظ کے مکاشفے سر آنکھوں پر اللہ جل شانہ محض اپنے فضل و کرم سے مجھ روسیاہ کو کسی قابل بنا دے۔" (مکتوب بنام صوفی محمد اقبال صاحب ۱۹ نومبر ۱۹۸۰ء)

جناب مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم سے "سوانح یوسفی" مرتب فرمائی تھی۔ اس کا ایک باب جو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے متعلق تھا حضرت مولانا سید ابو الحسن ندوی مدت فیوضہم سے لکھوایا اور کتاب کے اہم ابواب طباعت سے قبل حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو سنائے۔ لیکن حضرت شیخ سے متعلقہ حصہ اس خیال سے نہیں سنایا کہ اگر سنایا گیا تو حضرت نور اللہ مرقدہ اس کو کتاب میں شامل کرنے سے منع کر دیں گے۔ طباعت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سن کر مولف مرحوم کے نام وہ طویل گرامی نامہ لکھوایا جو آپ بیتی نمبر ۱ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

صلاح کار کجا و من خراب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا

عزیز گرامی قدرو منزلت، عافاکم اللہ وسلم۔ بعد مسنون تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دونوں

جہاں میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے منافع دینی و دنیوی سے بھرپور متمتع فرمائے۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی۔
ایک باب کے سوا جو تم نے علی میاں سے لکھوایا، ساری کتاب میں بہت لطف آیا۔ البتہ یہ باب تم نے گلاب کے حوض میں ایک بوتل پیشاب کی ڈالنا، یا مہذب الفاظ میں نہایت نفیس مخمل میں پرانے ٹاٹ کا پیوند لگا کر کتاب کو بدنما کر دیا" (آپ بیتی نمبر ۱، ص ۴)

حضرت اقدس مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق کتاب "اوجز المسالک" پر ایک مختصر سا مقدمہ تحریر فرمایا تھا جس میں چند کلمات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے بارے میں بھی آ گئے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مقدمہ تو شوق میں آتے ہی سنا مگر حضرت! بلا تصنع و بلا توریہ عرض کرتا ہوں کہ آپ حضرات کی تحریرات میں کتاب کے متعلق جو ہو، وہ سر آنکھوں پر کہ لوگوں کے واسطے ترغیب کا سبب ہو، لیکن اپنے متعلق اس میں جو سنتا ہوں اس کو واقعی برعکس نہند نام زنگی کافور سے بڑی ندامت ہوتی ہے۔ کاش میں اس قابل ہوتا علی میاں سے میرا مستقل اصرار اسی پر رہتا ہے۔ عزیزی محمد ثانی نے عزیزی یوسف مرحوم کی سوانح لکھی، اور اس میں ایک باب اس سیاہ کار کے متعلق بھی تبعاً آگیا۔ تو علی میاں نے ثانی سے کہا تھا کہ یہ باب میں لکھوں گا اور یہ باب طباعت سے پہلے تجھے نہیں دکھایا جائے گا۔ ہر چند میں نے انہیں کہا، آؤ پہلے مجھے سنا دو، تاریخی چیزوں میں غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مگر علی میاں نے کہا کہ تو نہ معلوم کس کس چیز پر قلم پھیردے۔ چنانچہ میرا خیال صحیح ہوا اور کچھ غلطیاں ہو گئیں اور اسی کے رد میں میں نے علی میاں کو ایک خط لکھا اس سے آپ بیتی بن گئی۔"

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی تواضع، فنائیت اور خود شکنی و خود فراموشی کا تجربہ ہر شخص کو کھلی آنکھوں شب و روز ہوتا تھا۔ بطور نمونہ اس کے چند واقعات جناب صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم کے رسالہ "اکابر کا تقویٰ" میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

بلند ہمتی اور علوئے استعداد

ہمت بلند دار کہ دہش خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو "حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی سب سے نمایاں صفت اور اقران و معاصرین میں ان کا امتیاز وہ عالی جوہر، بلند استعداد اور بلند ہمت ہے جو ان کے حصہ میں آئی ان کے علوئے استعداد کی شہادت بڑے بڑے اہل نظر نے دی ہے اور اس کے بغیر ترقیات اور کمالات، جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بہرہ مند کیا ہے ممکن نہیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نے کئی بار حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف صاحب کیطرف اشارہ کر کے فرمایا کہ

"ہماری جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے تم لوگوں کی ابتدا ہوتی ہے" کبھی کبھی فرماتے تھے کہ ان چچا بھتیجا (مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت شیخ رحمہما اللہ تعالیٰ) کی بات ہی الگ ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت گنگوہی کی نسبت شیخ الحدیث کی طرف منتقل ہوئی" مولانا محمد الیاس صاحب حضرت شیخ کے ساتھ اپنے ایک خورد اور فرزند کا سا معاملہ جتنا فرماتے اس سے زیادہ ایک بزرگ اور بلند مرتبت شیخ کا معاملہ فرماتے۔

بلند ہمتی و عالی حوصلگی وہ مرکزی نقطہ ہے جس کے گرد شیخ کی زندگی کا سارا محور گھومتا ہے، ان کے خمیر میں علوئے ہمت اور فراخی حوصلہ کا جوہر تھا۔ علم و تصنیف کا میدان ہو یا عبادت و قرب الٰہی کا، خدمت و مہمان داری کا ہو یا زہد و توکل کا ہر جگہ ان کی بلند ہمتی کے جوہر عیاں تھے"

(سوانح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی زید مجدھم ص ۱۹۳۔ ۱۹۵)

توکل اور اعتماد علی اللہ

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں،

"صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اور ہم لوگوں میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاک ارشاد پر یقین و اعتماد ایسا کلی اور قلبی تھا کہ اس میں ان کو کوئی تردد نہیں رہتا تھا، اور ہم لوگوں کا اعتقاد زبانی ہے۔ قلبی نہیں۔ لیکن میں نے اپنے

اکابر میں اس اعتقاد کو علی وجہ الاتم پایا۔ ان حضرات کے نزدیک حضور پاک ﷺ نے جس چیز سے ڈرایا یا منع کیا، اس سے خوف اور بچنا ایسا طبعی بن گیا تھا، جیسا ہم لوگوں کو سانپ بچھو سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث کے ارشادات ایسے قطعی تھے کہ ان میں کوئی عقلی نہیں، طبعی بھی تردد نہ رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی شمہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب فرما دے۔ " (آپ بیتی نمبر۲، ص ۹۲)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے اکابر کے اعتقاد علی اللہ کا جو نقشہ کھینچا ہے۔ یہ واقعتاً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا خود اپنا حال ہے لیکن

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

مشکل سے مشکل اوقات میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا جوہر اعتقاد و توکل علی اللہ نکھر کر سامنے آجاتا تھا۔

رمضان سن ۶۶ھ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ مرکز تبلیغ نظام الدین کی مسجد میں معتکف تھے، ۲۷ رمضان المبارک کی شب کو تقسیم ہند کا اعلان ہوا۔ ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ تو پہلے سے شروع تھا۔ اعلان تقسیم کے بعد تو وہ قیامت برپا ہوئی کہ الامان والحفیظ۔ چار مہینے تک حضرت شیخؒ کو بھی نظام الدین میں قیام کرنا پڑا۔ کہ تمام راستے مسدود تھے۔ اس پورے عرصہ میں حضرت شیخؒ کے اعتقاد علی اللہ کے عجیب و غریب مناظر سامنے آئے۔ آپ بیتی نمبر۵ میں اس دور کے واقعات کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ یہاں بقدر ضرورت اس کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

اس ناکارہ کا معمول چچاجان نور اللہ مرقدہ کے بعد سے اکثر پورا رمضان نظام الدین گذارنے کا تھا۔ جیسا کہ ابھی لکھوا چکا ہوں۔ تقسیم والے سال حسب معمول ۲۹ شعبان سن ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹ جولائی سن ۱۹۴۷ء بروز شنبہ دہلی روانہ ہوا اور بعد ظہر دہلی پہنچا اور عصر کے وقت نظام الدین پہنچا۔ چونکہ ۲۹ تاریخ تھی اس لئے حسب معمول عصر کی نماز پڑھ کر ایک ماہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے چچا جان کے معتکف میں بیٹھ گیا۔ اسی رمضان کی ۲۷ویں تاریخ شب قدر میں ۱۲ بجے ۱۵ اگست کو مجوزہ تقسیم کا اعلان ہوا۔ اور اس شب میں مولانا منظور نعمانی صاحب نے خوب زور دار دعائیں رو رو کر کرائیں کہ ان کا قیام بھی اس زمانے میں نظام الدین میں تھا۔ اور بھی بہت سے اہل خیر حضرات کا قیام اس زمانے میں وہاں رہا۔

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے بھی یہ رمضان وہیں گذارا۔ کشت و خون، قتل و غارت گری اور لوٹ مار کا سلسلہ بنگال، بہار میں تو کئی ماہ پہلے ہی سے شروع ہو چکا تھا اور روز افزوں تھا تقسیم کے بعد ہندو پاک میں وہ خون کی ندیاں بہیں کہ الامان والحفیظ ان کی تفصیل نہ تو میرا موضوع ہے اور نہ اس کی ہمت ہے قرآن شریف اور احادیث پاک میں قیامت اور حشر کا جو منظر پڑھا تھا۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ!

ترجمہ: "یاد کرو اس دن کو جس دن کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، اور ماں باپ اور بیوی اور اولاد سے اور ہر شخص کے لئے ایک خاص حالت ہوگی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر شخص سے بے تعلق ہو گا" یہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ نظام الدین سے اسپیشل تبادلہ آبادی کے سلسلہ میں مغرب کے بعد روانہ ہوا کرتا تھا اور ظہر کے بعد سے نظام الدین کی مسجد اس قدر بھر جایا کرتی تھی کہ مسجد کے باہر بھی دور دور تک آدمی ہی آدمی ہوتے تھے اور عصر کے بعد بالکل خالی ہو جاتی اور ایک ہو کا عالم ہوتا تھا۔ اسپیشل کی روانگی کے بعد اسّی (۸۰) اسّی (۸۰) شیر خوار بچے اسٹیشن پر پائے گئے۔ جن کو ان کے ماں باپ اسٹیشن پر چھوڑ کر ریل میں سوار ہو گئے تھے جب ان سے کہا جاتا کہ ان بچوں کو کہاں چھوڑ رہے ہو تو وہ نہایت بے دردی سے جواب دیتے کہ اگر صحیح و سلامت پاکستان پہنچ گئے تو وہاں اور پیدا ہو جائیں گے، اس بوجھ کو کہاں اٹھائیں گے" (آپ بیتی نمبر۵ ص ۷)

"اس موقعہ پر تو واقعی قرآن پاک اور احادیث کی دعاؤں کا اس قدر تجربہ ہوا کہ کوئی حد نہیں۔ اللہ جل شانہ اس زمانے کا سا اعتقاد اور دعاؤں پر یقین بغیر فساد و ہنگامہ کے اگر اب بھی نصیب فرما دے تو اس کا کرم ہے میرا اپنا بھی بہت سی چیزوں کا تجربہ ہے تلاشی مکان کی اور مسجد بنگلہ کی اس زمانے میں خوب ہوتی تھی ایک مرتبہ بہت بڑی گورکھا فوج ہتھیاروں سے مسلح نہ معلوم ان بے چاروں کو کیا غلط روایات

پہنچی تھیں کہ وہ سب آ گئے یہ سیاہ کار مسجد میں تھا۔ وجعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون۔
یہ آیت اتنی کثرت سے زبان پر بے اختیار جاری ہوئی کہ تعجب ہوا۔ دس پندرہ آدمی اوپر نیچے چھتوں پر تلاشی لیتے رہے، مگر کسی چیز کو چھیڑا تک نہیں۔ معلوم نہیں کہ نظر نہیں آئی یا کوئی اور بات پیش آئی۔ کئی مرتبہ نظام الدین کی مسجد بنگلہ پر حملہ کی موثق روایت بھی سننے میں آئیں مگر ہر مرتبہ میں اللہ جل شانہ نے اس قدر مدد فرمائی کہ مغرب کے وقت سے جو بارش اور اولوں کا زور ہوتا تھا تو سارے راستے مسدود ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں ایک فسادیوں کا ہجوم بھوگل کی طرف سے حملہ کے لئے آیا لیکن ایک دم ہی بھاگ گیا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات پیش آئی انہوں نے کہا کہ یہاں کے زندہ تو زندہ مردے بھی لڑتے رہتے ہیں اور مقابلہ کے لئے تیار ہیں ان لوگوں نے بیان کیا کہ جب ہم مسجد بنگلہ کے قریب پہنچے تو قبروں سے مردے اٹھتے ہوئے نظر آئے اس لئے ہم واپس ہو گئے۔ یہ میں نے ایک ہی قصہ لکھوایا۔ اس قسم کے بہت سے قصے ہیں، معلوم نہیں کہ یہ قصے لکھوانے کے بھی ہیں یا نہیں" (آپ بیتی نمبر ۵، ص ۱۱)

ان دنوں چونکہ ہمیشہ مسجد بنگلہ پر حملہ کا خطرہ رہتا تھا، اس لئے لوگ حجروں میں چھپ کر سوتے تھے لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ باہر کھلے صحن میں اس طرح سوتے تھے کہ گویا کسی خطرہ کا اندیشہ نہیں نیز ان دنوں لوگوں کے پاس جو رقمیں ہوتی تھیں لوگ انہیں اپنے پاس رکھتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو رکھنے کے لئے دے دیتے حضرت شیخ اپنے کرتے کی جیب میں رکھ لیا کرتے اور رات کو سوتے وقت وہ کرتہ ایک کیل پر ٹانگ کر کھلے صحن میں آرام فرماتے۔ (روایت ڈاکٹر اسماعیل صاحب میمنی)

اسی نوعیت کے دو واقعے مولانا عبدالرحیم متالا زید مجدھم نے بیان فرمائے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"سن ۶۵ء میں ہندو پاک کی جنگ کے دوران حالات ہر جگہ تشویشناک تھے۔ بالخصوص ان شہروں میں، جو بارڈر کے قریب تھے۔ سہارنپور اپنے محل وقوع کے اعتبار سے چونکہ پنجاب کا دہانہ ہے اس لئے یہاں کے مسلمانوں کو بڑی تشویش تھی۔ حضرتؒ نے مدرسہ قدیم کی مسجد میں جس میں حضرتؒ نماز پنجگانہ ادا فرماتے تھے، بعد عشاء ختم یسین شروع کروادیا اور دار الطلبہ کی مسجد میں ختم آیۃ کریمہ ہونے لگا بلیک آؤٹ کا یہ عالم تھا کہ مغرب کے بعد دیا سلائی جلانا بھی مشکل تھا۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکان کے متصل ہی پیچھے ہندوؤں کی بڑی آبادی تھی اور عام طور سے وہی جن سنگھیوں کا اڈہ تھا۔ مغرب کے بعد ان کے جتھے گشت کرتے اور رات بھر سلسلہ جاری رہتا۔ ختم یسین شریف کے بعد حضرتؒ کی دعا سرگی ہوتی اور لوگ سو جاتے۔ خوف و تشویش کے ان حالات میں بھی حضرتؒ پر ذرہ برابر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ حضرتؒ کو تو خیر کیا پریشانی ہوتی، حضرتؒ کی برکت سے ہم خدام کو بھی نہایت سکون و اطمینان کی کیفیت حاصل رہی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ہم کسی زبردست پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہیں۔

دوسرے لوگ ان دنوں بازاروں میں بے فکری سے گھومنے سے بھی ڈرتے تھے، لیکن ہم لوگ بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے"

اسی طرح کا ایک واقعہ علی گڑھ میں پیش آیا۔ حضرتؒ بسلسلہ علاج چشم ہسپتال میں مقیم تھے آنکھوں کا آپریشن ہو رہا تھا ہفتہ میں ایک مرتبہ بھائی ابو الحسن ہفتہ بھر کی ڈاک لے کر آتے تھے۔ جو سینکڑوں تک ہوتی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوتی تھی، اسی حالت میں لیٹے لیٹے خطوط کے جواب لکھواتے ساتھ ہی آپ بیتی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جو صبح کی نماز سے دوپہر تک مغرب کے بعد اور عشاء کے بعد دیر تک چلتا رہتا۔ کئی سو صفحات آپ بیتی کے وہیں ہو گئے تھے اور احقر ہی کاتب تھا۔

علیگڑھ میں ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے حالات ایک عرصہ سے گڑبڑ چل رہے تھے۔ ان دنوں میں تو حالات بہت ہی خراب تھے۔ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ایک جمعہ کو ہندوؤں کی طرف سے جلوس نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس کے لئے قرب و جوار سے ہزاروں لاکھوں افراد کو مدعو کیا گیا۔ مسلمان خصوصاً سربر آوردہ حضرات بہت ہی پریشان تھے۔ وہ شہر کو فسادات کی آگ سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے وزیر اعظم اور صدر جمہوریہ کو بذریعہ تار اطلاع کی گئی اور نظم و نسق بحال رکھنے کی درخواست کی گئی۔

حضرت شیخؒ بھی برابر حالات دریافت فرماتے رہتے، اور فکر مند رہتے۔ بالآخر جمعہ کا دن آگیا۔ جمعہ کی صبح کو نماز کے بعد حضرتؒ نے حاجی نصیر الدین صاحب مرحوم اور حاجی عظیم اللہ صاحب (جو حضرتؒ کے علیگڑھ کے میزبان اور حضرتؒ سے بہت محبت و تعلق رکھنے والے تھے) کو

آواز دی۔ اجی! حاجی جی کیا خیر خبر ہے"

ان دونوں حضرات نے حالات عرض کئے۔ اور قیام امن کے لئے جو کوششیں ہو رہی تھیں ان سے آگاہ کیا ساتھ ہی یاس آمیز لہجے میں عرض کیا کہ "حضرت! حالات خطرناک ہیں"

حضرت نور اللہ مرقدہ نے ذرا سی دیر مراقبہ کے بعد فرمایا۔ "انشاء اللہ! کچھ نہیں ہوگا ان حضرات کو جمعہ کے بارے میں تشویش تھی کہ جمعہ کہاں ہوگا؟ حضرتؒ نے ساتھ ہی فرما دیا کہ "انشاء اللہ! جمعہ جامع مسجد ہی میں پڑھیں گے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں دعا و درود کرتے رہو۔" حضرت نور اللہ مرقدہ نے بڑے ہی جوش کے ساتھ یہ جملے فرمائے۔

الحمدللہ یہی ہوا۔ جو لوگ حسب منصوبہ اسکولوں کالجوں کے سامنے دھرنا دیئے بیٹھے تھے، فوج اور پولیس آئی اور ان لوگوں کو وارننگ دی کہ یا کلاسوں میں بیٹھو، یا دھرنا چھوڑ دو۔ وارننگ کے بعد بھی جو لوگ بضد رہے انہیں ٹرکوں میں بٹھا کر جیل لے گئی۔ اور وہاں دھرنا دلا دیا۔

جب فوج اور پولیس کی سختی کی شہرت ہوئی تو تمام منصوبے اور پروگرام جو کئی دن سے بن رہے تھے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ امن و امان قائم ہوگیا اور الحمدللہ ہم لوگوں نے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی۔ اس سے پہلے اس قسم کے موقعوں پر پولیس ہندوؤں کا ساتھ دیتی تھی۔ اور نہتے مسلمان ہی ان کی گولیوں کا نشانہ بنتے تھے۔ اس دفعہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے اعتماد علی اللہ کی برکت سے بالکل دوسرا نقشہ سامنے آیا۔ سچ ہے، من کان للہ کان اللہ لہ" (تحریر مولانا عبدالرحیم متالا)

معاش کے معاملہ میں بھی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا تمام تر سرمایہ اعتماد و توکل علی اللہ تھا۔ ظاہری اسباب کے درجہ میں ایک مختصر سا تجارتی کتب خانہ تھا۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اخراجات میں کتب خانہ کا دخل بہت کم تھا۔ حضرت نور اللہ مرقدہ کے بیشتر مصارف خزانہ غیب سے پورے ہوتے تھے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ آپ بیتی میں ایک جگہ مولانا نصیر الدین صاحب مرحوم کا (جو سن ۳۳ھ سے حضرت نوراللہ مرقدہ کے کتب خانہ کے منتظم اور سیاہ و سفید کے مالک تھے) تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

"اور ان کو (مولانا نصیر الدین صاحب کو) ہمیشہ سمجھایا اور اب تک باوجود اس کے کہ ہمیشہ ہی اللہ جل شانہ کے احسانات اپنی آنکھوں سے دیکھتا رہتا ہے مگر اس کی سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ مالک کا معاملہ ہر شخص کے ساتھ علیحدہ ہے۔ تجارتی اصول والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ تجارتی ہی اصول کا ہے اور بے اصولوں کے ساتھ معاملہ کرم و احسان کا ہے" (آپ بیتی نمبر۵، ص ۸۱)

اس ضمن میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔

"اس کے تھوڑے دن بعد مولوی نصیر الدین صاحب نے ہم کو لال جھنڈی دکھلائی کہ تمہارے مہمانوں کا خرچ میرے بس کا نہیں۔ میں نے کہہ دیا کہ میری اور میرے مہمانوں کی روزی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے، تیرے ذمہ نہیں" اس کے بعد سے اگر میں یہ کہوں کہ مالی احسان تو ان کا (مولانا نصیر صاحب مرحوم کا) مجھ پر نہیں رہا، بلکہ اس کا عکس ہی ہے تو بے محل نہیں" (آپ بیتی نمبر۵، ص ۸۶)

مولانا نصیر الدین صاحب مرحومؒ کے ایک جملہ سے یہ ظاہری مادی سہارا بھی جاتا رہا۔ اس کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اور آپ کے مہمانوں کی روزی کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ غیب سے کس طرح فرمایا؟ حضرت نور اللہ مرقدہ کے خادم خاص جناب مولانا عبدالرحیم صاحب متالا رمضان مبارک میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی مہمان نوازی و فیاضی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ماہ مبارک میں جبکہ آخر میں مہمانوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی، روزانہ کا کئی کئی ہزار کا خرچ تھا۔ رجسٹر میں آمد خرچ کا اندراج بھی اکثر احقر ہی سے کراتے تھے۔ بڑا خرچ ہوتا تھا تہجد سے فراغ پر اذان فجر سے کچھ پہلے جبکہ مرحوم مولانا نصیر الدین صاحبؒ مہمانوں سے فارغ ہو کر حضرتؒ کے معتکف میں آتے، اس وقت حضرتؒ دریافت فرماتے نصیر نمٹ لیا؟ مولانا جواب دیتے جی الحمدللہ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کبھی دریافت فرماتے، کھانا کم تو نہیں ہوا؟ کبھی دریافت فرماتے، کھانے میں کیا کیا تھا؟ اس کے بعد ارشاد فرماتے۔ نصیر خوب کھلا، میرے مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ پیسوں کا فکر نہ کر۔ جتنے چاہے مجھ سے لے لے۔ لیکن خوب کھلا۔ اور فرماتے۔

انفق یا بلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا

آخر رمضان المبارک میں تو خرچ ایک لاکھ سے کئی ہزار اوپر ہو گیا تھا، جو بظاہر اس فقیر بوریا نشین لیکن حقیقت میں بادشاہ عالی مکان کے لئے باعث مسرت و خوشی تھا، اور چاہے جتنا ہو جائے اور بڑھ جاوے اس کے لئے اپنے رب کریم اور رزاق دو جہاں پر پورا بھروسہ اور یقین کامل تھا کہ خزائن السموات والارض ہے ضرور آئے گا۔ اور کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے صحیح ارشاد فرمایا تھا کہ حقیقت توکل تو حضرت شیخؒ کو حاصل ہے" (تحریر مولانا عبدالرحیم متالا)

حضرت شیخ قدس سرہ کی تمنا عرصہ دراز سے بذل المجہود کو ٹائپ پر طبع کرانے کی تھی۔ کہ عرب حضرات لیتھو کی طباعت سے استفادہ نہیں کر سکتے تھے اس کے لیئے مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے مصر میں طباعت کا انتظام فرمایا تو حضرتؒ بے حد خوش ہوئے مگر اس پر سات لاکھ روپے کا خرچ ہونا تھا اس لئے حضرتؒ کو وقتی طور پر تھوڑا سا فکر ہوا کہ اتنی بڑی رقم درکار ہے تو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رائے پوریؒ نے بہت سے لفافے حضرت شیخؒ کو دیئے، جن میں مختلف رقمیں تھیں اس خواب کے بعد حضرتؒ کو اطمینان ہو گیا کہ غیب سے انتظام ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بذل بھی ٹائپ پر طبع ہو گئی اور اس کے بعد اوجز اور لامع بھی ٹائپ پر طبع ہو گئیں" (تحریر ڈاکٹر اسماعیل صاحب)

حضرت شیخؒ کے اعتماد و توکل علی اللہ کا مشاہدہ تو ہر دیکھنے والے کو ہوتا رہتا تھا۔ مولانا نصیر الدین صاحبؒ مرحوم، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدار المہام اور مہمان خانہ کے منتظم تھے اور رمضان مبارک میں معتکفین اور دیگر مہمانوں کے خورد و نوش کا انتظام انہی کے سپرد ہوتا تھا، آخر شب میں اذان فجر سے پہلے حاضر خدمت ہوتے اور یومیہ مصارف حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وصول فرما لیتے۔ وہ جتنی رقم کا مطالبہ کرتے، حضرت نور اللہ مرقدہ فوراً پیش فرما دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انہیں یہ جواب ملا ہو کہ ابھی نہیں، پھر لے لینا۔

ذوق عبادت

ذکر و تلاوت، اوراد و درود، اشغال اور نفلی عبادات کی دو حیثیتیں ہیں، ایک دوا کی اور دوسری غذا کی۔ جب تک ذکر الٰہی قلب میں راسخ اور روح میں پیوست نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک ان کی حیثیت دوا کی ہے۔ طبیعت کو دوا کی رغبت قطعاً نہیں ہوتی، مگر چونکہ علاج کے لئے دوا کا استعمال ناگزیر ہے، اس لئے طبیعت پر جبر کر کے طبعی ناگواری کے باوجود دوا کا استعمال ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ معلوم ہے کہ اس کے بغیر شفا نہیں ہوگی۔ اسی طرح ابتداء میں اذکار و اوراد وغیرہ میں نفس پر جبر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اور خواہ طبیعت پر کیسی ہی گرانی ہو ان کی پابندی روح و قلب کی اصلاح کے لئے ضروری ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ذکر و عبادت سے قلب کو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور روح اس کے آثار سے منور ہونے لگتی ہے۔ تو ان میں وہ کلفت باقی نہیں رہتی جو ابتداء میں ہوتی ہے بالآخر جب ذکر و عبادت سے روح و قلب کی کثافتیں دور ہو جاتی ہیں اور یہ قلب کا ملکہ راسخہ اور روح کی غذا بن جاتی ہے تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ کہ ذکر و تلاوت اور عبادات سے نشاط و سکون حاصل ہوتا ہے، اور ان کے بغیر قلب و روح بے چین ہو جاتے ہیں۔ ذوق عبادت کی یہی وہ دولت ہے کہ سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ ہے اور جو حضرات اس کو پالیتے ہیں، وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں

جو چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم

آنگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

اور وہ بڑی مادی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔

آبروئے فقر و قناعت نمی بریم ۔۔۔ با پادشاہ بگو کہ روزی مقرر است

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شیخؒ کے قلب اطہر کو اسی دولت سے لذت آشنا کیا تھا۔ یوں تو آپ کے اوقات عزیز کا ایک ایک لمحہ دینی کاموں کے لئے وقف تھا (اور وقت کی قدر بھی آپ کا ایک خصوصی امتیاز تھا) لیکن خالص عبادات ذکر و تلاوت، نماز کے طویل قیام اور شب کی تنہائیوں اور مناجاتوں میں جو لذت آپ کو نصیب ہوتی تھی وہ دیدنی تھی نہ کہ شنیدنی۔ حضرت شیخؒ کے خادم خاص جناب صوفی محمد اقبال صاحب لکھتے ہیں۔

"حضور پاک ﷺ کا پوری رات نماز پڑھنے کا معمول دائمی نہ تھا۔ اسی طرح حضرت نور اللہ مرقدہ کا معمول طویل قرات کے ساتھ اوابین کا تو دائمی رہا اور حجاز کے قیام میں جب تک کچھ قوت رہی، تو چاشت کی نماز میں بھی کثرت تلاوت کا معمول رہا، لیکن تدریسی و تصنیفی مشاغل کی بناء پر رات کو دیر سے سونا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ علمی انہماک کی وجہ سے رات کا کھانا بھی دائمی طور پر حذف فرما رکھا ہے تاکہ کھانے کے بعد نیند کا غلبہ نہ ہو، اس لئے گیارہ ماہ تو مختصر تہجد کا معمول ہوتا ہے اور ماہ مبارک رمضان شریف میں چونکہ تدریسی اور تصنیفی مشاغل سے فارغ ہوتے ہیں، اس لئے پوری رات نماز کے اندر، تلاوت میں گذرتی ہے، تراویح کے بعد سے سحری تک نوافل میں جو تلاوت فرماتے ہیں اور دن کے نوافل کی تلاوت ملا کر روزانہ ایک قرآن پاک اور پانچ یا سات پارے مزید کا دائمی معمول رہا اس میں دن کے اوقات میں کچھ حصہ مصحف شریف سے دیکھ کر بھی ہوتا ہے اور عصر سے مغرب تک تو نوافل کا وقت نہیں ہوتا تقریباً پانچ پارے زبانی سنانے کا معمول رہا۔ اس تلاوت میں تیزی کے ساتھ تدبر اور گریہ کی حالت بھی رہتی ہے۔ اور آواز کی بلندی بھی، جو زنانہ مکان کے اندر سے باہر کمرے میں ساری رات سنائی دیتی رہتی تھی، جس کو احقر حضرتؒ کے کچے گھر کے مردانہ حصہ میں پوری رات سنتا رہتا۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مسجد حرام میں قرآن پڑھتے تھے اور میں حضور ﷺ کے پڑھنے کی آواز رات کو اپنے گھر کی چھت پر سے سنا کرتی تھی۔

لیکن بعض اوقات حضرت شیخؒ آہستہ بھی پڑھتے تھے اور حدیث پاک میں آہستہ اور پکار کر پڑھنا دونوں طرح معمول کا ذکر ہے۔ (اتباع سنت، ص ۴۹)

مناصب سے گریز

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو عہدہ و منصب سے طبعاً وحشت تھی۔ مظاہر علوم سے باہر جانے کا تو آپ کو کبھی وسوسہ بھی نہ آیا ہوگا۔ خود مظاہر علوم میں آپ کے لئے عہدوں کی تجویز کے متعدد واقعات پیش آئے۔ لیکن آپ نے حسن تدبیر سے انہیں ٹال دیا۔

سن ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ بہاولپور تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ (جو اس وقت نائب تھے) بھی ہمرکاب تھے اور مظاہر علوم کے ایک مدرس بھی ساتھ تھے، جو مظاہر میں حضرت شیخؒ کے شریک دسترخوان بھی تھے انہوں نے راستہ میں بڑے مخلصانہ انداز میں حافظ صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ مولوی زکریا جو حضرت (سہارنپوریؒ) کی اتنی چاپلوسی و خوشامد کرتے ہیں، ان کا مقصد آپ کو پیچھے ہٹا کر حضرتؒ کی جگہ سنبھالنے کا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ نے انہیں تو یہ فرمایا کہ اگر مولوی زکریا کا ایسا ارادہ ہے تو ماشاء اللہ وہ اس کے یقیناً اہل ہیں اور میں خود کوشش کروں گا کہ یہ منصب ان کو تفویض کر دیا جائے۔

وہ صاحب تو اپنی اس "خیر خواہانہ شکایت" پر شرمندہ ہوئے۔ ادھر حافظ صاحبؒ نے اس کا تذکرہ حضرت سہارن پوریؒ سے کر دیا۔ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا۔

وہ صاحب تو بے وقوف ہیں۔ اس سے (یعنی حضرت شیخؒ سے) تو میں خوب واقف ہوں اسے تو کوئی بنا دے گا، جب بھی نہیں بنے گا" (آپ بیتی نمبر۲، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

حضرت شیخؒ اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں۔

"حضرت قدس سرہ نے بالکل صحیح فرمایا مجھے اس سے ہمیشہ بہت ہی وحشت رہی"

اس سلسلے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دو واقعے ذکر فرمائے ہیں۔

اول جب سن ۴۴ھ میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ کا سفر حجاز طے ہوا۔ چونکہ حضرت والا کا وہاں طویل قیام کا ارادہ تھا۔ انہوں نے اپنی غیر حاضری میں مدرسہ کے عارضی انتظامات لکھوائے۔ جن میں حضرت شیخؒ کو مدرسہ کا صدر مدرس تجویز کیا تھا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تکمیل بذل کے لئے سفر حجاز میں اپنی رفاقت کی تجویز حضرتؒ کی خدمت میں پیش کر دی جسے حضرت (سہارنپوریؒ) نے بخوشی قبول فرما لیا۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۰۲، ۱۰۳)

حضرت شیخ کے اس اخلاص و تواضع اور ذہانت اور فطانت کی بدولت انھیں نہ صرف ایک سال سے زیادہ عرصہ تک جوارِ نبی ﷺ میں اپنے شیخ و مرشدؒ کی سعادت میسر آئی۔ بلکہ یہ واقعہ آپ کی آئندہ روحانی و علمی ترقیات کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جب بذل المجہود کی تکمیل کے بعد ذیقعدہ سن ۴۵ھ میں حضرت شیخؒ کی واپسی کا وقت آیا تو حضرت سہارنپوریؒ چونکہ مدینہ منورہ میں مستقل قیام کا ارادہ فرما چکے تھے۔ اس لئے مدرسہ کے انتظامات کا مستقل نظام لکھوایا جس میں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ کو مدرسہ کا ناظم اور حضرت شیخؒ کو مدرسہ کا شیخ الحدیث اور نائب ناظم تجویز فرمایا اور نائب ناظم کا منصب حضرت شیخؒ کے لئے محل اشکال تھا اس لئے پہلے حضرت مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنیؒ سے اس میں ترمیم کی سفارش کرائی، مگر وہ کارگر نہ ہوئی تو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے (جو اس وقت بسلسلہ حج حجاز تشریف لے گئے تھے۔ اور مدینہ طیبہ ہی میں قیام پذیر تھے۔ اور حضرت سہارنپوریؒ نے ان کا اسم گرامی سرپرستان مدرسہ میں شامل فرمایا تھا) نے نائب ناظم کا لفظ قلمزد کر کے اس کی جگہ مشیر ناظم کا لفظ تحریر فرمایا۔

مظاہر علوم میں "شیخ الحدیث" کا منصب سب سے پہلے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ ہی کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ حضرت سہارنپوریؒ کی اس تجویز پر حضرت تھانوی قدس سرہ نے (جو سرپرستان مدرسہ میں ممتاز تھے) یہ اشکال کیا کہ

"ان سے پہلے اکابر مدرسین مولانا ثابت علی صاحبؒ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب وغیرہ موجود ہیں، ان کے لئے یہ تفوق موجب تکدر نہ ہو، اس پر غور کر لیا جائے۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے حضرت تھانویؒ کا یہ اشکال مدینہ طیبہ حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا۔

"اگر اہل مدرسہ کو من حیث المدرسہ، مدرسہ کی طرف سے اس میں کوئی تردد ہے تو میں اپنی طرف سے یہ خطاب اس کو دیتا ہوں"

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں

"حضرت قدس سرہ کی برکت سے اس (خطاب) نے ایسی شہرت پائی کہ نام سے زیادہ مشہور ہو گیا۔ (آپ بیتی نمبر ۲، ص ۱۰۷)

مہمان نوازی

مہمانوں کی خاطر و مدارت اور ان کی راحت و آسائش کا اہتمام حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے یہاں داخل عبادت تھا، فرماتے تھے کہ کسی مہمان کی خاطر مجھے اوابین کے نوافل بھی چھوڑ دینا گوارہ ہیں۔ ہر مہمان کی مرغوبات و ضروریات مہیا کرنے کا بطور خاص اہتمام رہتا۔

ایک بزرگ جن کے بارے میں حضرتؒ کو معلوم تھا، کہ کھانے کے بعد انھیں میٹھی چیز کی رغبت ہوتی ہے، جب وہ تشریف لاتے تو باوجود اس کے کہ دستر خوان پر عام مہمانوں کے لئے میٹھی چیزیں بھی ہوتی تھیں، مگر ان کے لئے حضرتؒ مٹھائی کا مستقل ڈبہ ضرور منگواتے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا،

اسی طرح جب کوئی میواتی جماعت حضرتؒ کے دستر خوان پر ہوتی۔ تو ان کے لئے بازار سے گڑ بھی ضرور منگوایا جاتا، کیونکہ یہ حضرات گڑ پسند فرماتے ہیں۔

اسی طرح حضرتؒ نے ایک دفعہ اپنے گجراتی خدام سے پوچھا کہ تم گجراتیوں کے ہاں کھانے میں کونسی چیز زیادہ تر پسند ہے، تو کسی خادم نے کہہ دیا کہ کڑھی کھچڑی، حضرت نور اللہ مرقدہ نے اسی دن گجراتی کڑھی کھچڑی پکوائی اور اس کے بعد سے معمول بن گیا کہ جب کوئی خصوصی گجراتی مہمان آتا یا گجراتی مہمانوں کی کثرت ہوتی، یہاں تک کہ رمضان المبارک میں جب گجراتیوں کی کثرت ہو گئی تو حضرتؒ کے ہاں معمول بن گیا۔ کہ افطار کے بعد کھانے میں سارے ہی مہمانوں کے لئے کئی دیگ کھچڑی کی، اور سحر میں دوسرے مہمانوں کی رعایت سے پلاؤ کی دیگیں پکتی تھیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحبؒ پالن پوری شیخ الحدیث و مہتمم مدرسہ چھاپی چند روز قیام کے لئے حضرت کے ہاں حاضر ہوئے، وہ فلش پاخانہ کے

حضرت جی فرماتے ہیں

"اسلام جب بھی چمکا ہے قربانیوں سے چمکا ہے، آج بھی قربانیوں سے ہی چمکے گا۔ اسلام کے لئے قربانیاں ہوں تو یہ دشمنوں کے گھیرے میں بھی چمکتا ہے اور جب قربانیاں نہ ہوں تو اپنی بادشاہت میں بھی مٹ جاتا ہے۔"

"انبیاء علیہم السلام کا پیغام اور تجربہ یہ ہے کہ مسئلوں کا حل اور کامیابی نہ مال میں ہے، نہ حکومت میں نہ اکثریت میں، بلکہ اللہ کے امر سے وابستہ ہو جانے میں اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرنے میں ہے، قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں ان سب کا حاصل اور خلاصہ یہی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ، حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم اور نمرود کا واقعہ اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور فرعون و قارون کا واقعہ قرآن مجید میں پڑھئے اور غور کیجئے ان سب واقعات کی روح یہی ہے کہ اکثریت اور دولت اور حکومت کچھ نہیں۔ اصل چیز اللہ کا فیصلہ اور اس کی مدد ہے اور وہ ان بندوں کے ساتھ ہے جو اس کے ہوجائیں، اور اسکی راہ میں قربانیاں دیں۔ (حضرت مولانا یوسف صاحب)

عادی تھے، سہارنپور کے دیسی بیت الخلاء ان کے لئے بالکل نئے تھے، ان کے لئے ضرورت سے فراغ اور استنجاء ایک مسئلہ بن گیا، جب حضرت کو ان کی تکلیف کا علم ہوا تو حضرتؒ نے ان کے لئے مولانا نصیر الدین کی ٹال میں ایک مستقل بیت الخلاء بنوایا،

گجرات کے مشہور مبلغ مولانا محمد عیسیٰ پالن پوریؒ نے اپنی اصلاح باطن کی خاطر حضرتؒ کی مسجد میں چند روز کا غالباً چالیس روز کا اعتکاف کیا، سحر و افطار میں بلکہ عشاء کے بعد بھی بہت اہتمام سے حضرتؒ کے گھر سے کھانا آتا تھا، حضرتؒ بڑے اہتمام سے ان اوقات میں خبر گیری رکھتے کہ کھانا پہنچایا گیا یا نہیں اس کے باوجود بارہا ان کے معتکف کے قریب جا کر ان سے بھی دریافت فرماتے کہ کھانا چائے وغیرہ آپ کے مزاج کے مطابق آرہا ہے یا نہیں؟

حضرتؒ کے یہاں مہمانوں کا ایک بڑا مجمع شب و روز رہتا تھا، خصوصاً ماہ مبارک میں ان کی تعداد بلا مبالغہ ہزاروں تک پہنچ جاتی تھی، اتنے بڑے ہجوم میں کسی نووارد کا خدام کی نظر سے چوک جانا کچھ بھی بعید نہیں تھا، لیکن حضرتؒ کو اگر معلوم ہوجاتا کہ کوئی نووارد آپ کے دستر خوان سے محروم رہا ہے تو آپ پر شدید تاثر ہوتا۔

چنانچہ اسی طرح کی کسی شکایت کا حضرتؒ کو علم ہوا تو سنتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی، سارا دن روتے رہے اور بار بار فرماتے کہ کل قیامت کے دن اگر یہ پوچھ لیا جائے کہ تمہارے یہاں مہمان رات کو بھوکا سویا تو خدا کو اس کا کیا جواب دونگا۔" (روایت ڈاکٹر اسماعیل صاحب)

حضرتؒ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، ایک صاحب جو ہندوستانی ہونے کے باوجود متعرب بنے ہوئے عربی چوغہ اور عقال پہنے پھرا کرتے تھے کھانے کے بعد حضرتؒ سے ملے، تو حضرتؒ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ نے کھانا کھالیا؟ بولے کسی نے مجھے دیا ہی نہیں۔"

حضرتؒ نے فوراً خدام کو، جو صاحب کھانا کھلانے پر معمور تھے، طلب فرمایا، اور سخت لہجہ میں اس پر باز پرس فرمائی، جو صاحب کھانا کھلا رہے تھے، انھوں نے معذرت کی کہ میں تو ان کی وضع قطع سے یہ سمجھا تھا کہ یہ یہاں کے مقامی ہیں، مہمان نہیں اور میں ان کو ذاتی طور پر جانتا نہیں تھا، اور جب مہمانوں کو دستر خوان پر بٹھایا جارہا تھا، یہ خود بیٹھے نہیں"

یہ معذرت سن کر حضرت نور اللہ مرقدہ کا غصہ فرو ہوا، اور ان صاحب کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا۔ (روایت مولوی محمد یحییٰ صاحب مدنی)

حضرت شیخ کے دستر خوان کی وسعت اور مہمانوں کے بے پناہ ہجوم سے زمانہ قریب میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت نظام الدین اولیاء اور شیخ غلام علی مجددی دہلویؒ کے دستر خوان کی یاد تازہ ہوتی تھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے وصال پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا۔

"وہ اپنے زمانے کے "نظام الدین اولیاء تھے۔ اور پھر انہوں نے کہا کہ کس طرح سے کہوں کہ وہ کس پائے کے تھے، عالم اسلام میں اس جامعیت، قوت باطنی، اس استقامت، اس شفقت، اس محبت اور اس پائے کا آدمی میری نگاہوں نے تو کم سے کم نہیں دیکھا (خدام الدین کا خاص نمبر بیاد حضرت شیخ ۱۴ نومبر سن ۱۹۸۲ء ص ۱۴۷)

سخاوت و فیاضی

ایک فقیر بوریا نشین کے تذکرہ میں سخاوت و فیاضی، کا عنوان بظاہر عجیب سا معلوم ہوگا، لیکن حضرت شیخ نے اس کی جو مثالیں قائم کی ہیں ان کی نظیر بڑے بڑے امراء کے یہاں بھی کمیاب ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی زید مجدھم کہتے ہیں،

"اس عالی ہمتی کا کرشمہ ہے کہ اپنے خاص عزیزوں کی ضروریات کی تکمیل کے لئے بے تکلف قرض لے لیتے تھے، مولانا محمد یوسف صاحب" کے اس حج کے موقع پر جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات کے بعد مع اہل و عیال و اعزہ ہونے والا تھا، چالیس ہزار کی رقم قرض لے کر مہیا فرما دی، اس کا نتیجہ ہے کہ کبھی کبھی ساٹھ ہزار تک قرض کی تعداد پہنچ گئی لیکن اللہ تعالیٰ برابر اس بار کو ہلکا کرتا رہا ہے۔ اور غیب سے سامان پیدا فرماتا رہتا ہے۔ حضرت شیخ کا یہ معاملہ صرف مولانا محمد یوسف صاحب جیسے قریب ترین عزیز و محبوب بھائی کے ساتھ ہی نہ تھا، ان کی عالی حوصلگی اور بلند نظری دوسرے نیاز مندوں کے ساتھ بھی تھی، میرے بیرونی اسفار، خاص طور پر حجاز کے سفر کے بارے میں بعض اوقات رکاوٹیں پیش آئیں، ایک مرتبہ ایک ایسا ہی قصہ پیش آیا، حضرت شیخ نے حجاز سے لکھا کہ،

"میں پیش کش تو کر ہی دوں کہ آپ کے ارادہ کے لئے کسی امیر الامراء یا ملک الملوک کی دعوت شرط نہ ہو، تو ایک دو مہینے کے لئے ایک فقیر دعوت پیش کرتا ہے، اگر قبول ہو جائے تو زہے نصیب، اور یہ آپ کو خوب معلوم ہوگا، انشاء اللہ رسوم اور ظاہر داری سے کم از کم میں اپنے آپ کو بالاتر سمجھتا ہوں۔" (سوانح حضرت شیخ ص ۱۹۵)

حضرت شیخ کی سخاوت و فیاضی کا مختصر سا خاکہ جناب صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم نے اپنے رسالہ حضرت شیخ کا اتباع سنت و عشق رسول ﷺ میں پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

احقر نے اپنے آقا و مرشد حضرت اقدس دام مجدہم کا وہ زمانہ پایا کہ جس میں فتوحات کا زور بھی رہا اور تجارتی کتب خانہ بھی چل رہا تھا اور مدینہ منورہ کے قیام میں اب سے تقریباً تین سال قبل تک جب کہ احقر دائمی مریض نہیں ہو گیا اور حساب رکھنے اور تقسیم کی خدمت کے قابل تھا، تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ والی خدمت اکثر احقر کے سپرد تھی، اور حدیث پاک اوپر والا ارشاد حضرت اقدس" نے بندہ کے سامنے کئی بار دہرایا بلال خوب خرچ کرو، اور عرش والے کی طرف سے کمی کا اندیشہ مت کرو۔

اسی وجہ سے بندہ کو اس کا علم تھا، کہ حضرت" پر آج تک باوجود فتوحات کے زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی ہوگی۔ چنانچہ چند ہی روز ہوئے بندہ نے تصریحاً حضرت نور اللہ مرقدہ سے پوچھ لیا کہ حضرت" پر کیا پہلے بھی کبھی زکوٰۃ فرض ہوئی۔

تو حضرت نے نہایت ہی مسرت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

الحمدللہ کہ پہلے بھی کبھی نہیں ہوئی۔

حضرت" کی ذاتی تنگی معیشت کا حال تو پہلے ابواب میں گزر چکا، اس کے ساتھ سستے زمانے میں ایک دفعہ بیالیس ہزار کا حضرت نور اللہ مرقدہ کا مقروض ہونا تو میرے علم میں آچکا تھا۔ اور خدا جانے اور کتنا قرض ہوتا رہا ہوگا، جو کہ بندہ کے علم میں نہیں آیا، اور گذشتہ سال تو حضرت والا دو لاکھ سے زیادہ کے مقروض ہو گئے تھے، کیونکہ افریقہ، لندن، ری یونین وغیرہ کے سفر میں اپنے اور اپنے ذاتی خدام کے اخراجات خود برداشت کئے اور مدعوین کے ٹکٹوں کی پیش کش کو قبول نہیں فرمایا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ اب بھی یہ علم میں آیا کہ اس وقت (۲۰ جمادی الاولیٰ سن ۱۴۰۲ھ) حضرت اقدس پر کسی قسم کا قرض نہیں رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ حضرت" کے جود و سخا کی برکت سے ہے، جس کی تفصیل تو بہت طویل ہے، مگر یہاں اختصاراً، چند واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں، اس کا بندہ کے علاوہ حضرت" کے بعض متعلقہ خدام کو بھی علم ہے۔

۱۔ بہت کچھ واقعات کے ذیل میں حضرتؒ کے ذاتی روزنامچے میں درج ہے، مثلاً آپ کی زندگی کے ابتدائی دور میں اپنی جدی جائیداد جو اس وقت سستے زمانے میں تقریباً چھتر ہزار مالیت کی تھی (جو آج کل اتنے ہی لاکھوں کی ہوگی) اس کی دیکھ بھال سے یکسو رہنے کی خاطر اس کو بھی چھوڑ ہی دیا، تاکہ اس کی دیکھ بھال کی وجہ سے حدیث پاک کے مشغلے کا ایک دن کا بھی حرج نہ ہو،

۲۔ ایک دفعہ حضرتؒ نے ایک محبوب خادم دین کو حج کی ترغیب دی، تو انہوں نے جب مالی وسعت نہ ہونے کا عذر کیا، تو حضرتؒ نے بلا تکلف فرما دیا، یہ کون سی بات ہے اور فرمایا۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پہ

چنانچہ وہ حضرتؒ ہی کے عطایا سے بمعہ اہل و عیال حج کر کے آئے اور اس کے بعد تو ان پہ وہاں کی حاضری کا ایسا دروازہ کھلا کہ سال میں کئی کئی دفعہ تشریف لے جاتے ہیں۔

رمضان میں جود و سخا کی جو کیفیت احادیث بالا میں آئی ہے، حضرتؒ کے رمضان میں اس کا منظر دیکھنے والے کثرت سے موجود ہیں، خصوصاً بعد ظہر جب کہ سینکڑوں ذاکرین ذکر جہری میں مشغول ہوتے تھے، اور دوسرے حضرات قرآن پاک کی تلاوت اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہوتے، جو کہ آپ ﷺ کے ارشادات کے اعتبار سے عین انوارات اور رحمتوں کا وقت ہوتا ہے، حضرت والا بھی اس وقت اپنے معتکف میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہوتے، اسی اثناء میں حضرت والا ایک ایک کو یاد فرما کر، لیکن بالکل تنہائی میں، حدیث پاک ﷺ کے ارشاد کے مطابق کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ داہنے نے کیا خرچ کیا، چپکے سے مرحمت کرتے رہتے۔ پورے ماہ مبارک میں اسی طرح سے بہت ہی انبساط اور مسرت و خوشی کے ساتھ حضرت والا کا یہ فیض (مادی و روحانی) جاری و ساری رہتا۔

تیرا فیض کہاں عام نہیں ساقی

رمضان المبارک سن ۱۳۹۹ھ سہارنپور، کے پہلے ہفتے میں حضرت نور اللہ مرقدہ کے پاس ایک روز ایک لاکھ روپے کی رقم آئی، حضرتؒ نے تین دن میں ساری رقم مساجد و مدارس وغیرہ میں عطیہ فرما دی، غالباً مولانا نصیر الدین صاحب مرحوم کو حضرتؒ کی ایک کتاب کی طباعت کے لئے کچھ رقم درکار تھی، انہوں نے تیسرے دن آکر رقم کا مطالبہ کیا حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا، کہ ابھی تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، کہیں سے کچھ آئے گا تب دیں گے۔ (بہ روایت مولانا یوسف متالا صاب جو حضرت کی معذوری کی وجہ سے رقم کی آمد اور خرچ میں واسطہ تھے)

سستے زمانے میں ایک دفعہ جب کہ مہمانوں کے اخراجات کے منتظم نے حضرت کو بتایا کہ چالیس ہزار خرچ ہو گئے جس میں مہمانوں کا خرچ اور عطایا سب شامل ہیں، اس قدر خرچ پر حضرت سے کسی نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"اگر ذاکرین کے اس مجمع میں سے کسی کے منہ سے ایک دفعہ بھی اخلاص سے اللہ کا پاک نام نکل گیا ہوگا تو میرا سارا خرچ وصول ہو گیا"

اس کے بعد گرانی کے دور میں صرف ایک رمضان شریف میں پونے دو لاکھ سے کچھ اوپر خرچ ہوا، حدیث بالا میں بیس ہزار روپے تقسیم فرمانے کا ذکر آیا ہے۔ الحمدللہ یہاں بھی حضرت نور اللہ مرقدہ کے ایک شاگرد رشید جو کہ پاکستان کے ایک مدرسہ میں ملازم ہیں، مدینہ منورہ کے ایک رمضان میں ان کو حضرتؒ نے بیس ہزار کا یکمشت خفیہ طور پر عطیہ دیا۔ وہ چونکہ احقر کے دوست ہیں وہ رعب کی وجہ سے حضرتؒ کے سامنے تو عذر کر نہیں سکے۔ لیکن میرے پاس گھبرائے ہوئے آئے کہ آج حضرتؒ نے مجھے بہت سے روپے دیئے ہیں کیا کروں؟ کہ وہاں بات کرتے بھی ڈر لگتا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا عطیہ ہے، اس میں ڈر کی کونسی بات ہے۔

انہوں نے کہا صوفی جی بہت ہی زیادہ ہے

میں نے پوچھا، کتنے ہیں؟

انہوں نے کہا بیس ہزار۔

میں نے جواب دیا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے اور مجھے بھی پتہ ہے کہ اس شخص نے دیئے ہیں جو ایک پیسہ بھی بلا ضرورت خرچ کرنے والا نہیں ان کے دل میں جو آتا ہے، انشاء اللہ، اللہ ہی کی طرف سے آتا ہے، لہذا اطمینان رکھو، یہاں ایک لطیفہ بھی ہے کہ حضرت اقدس خرچ کرنے میں اپنی احتیاط کو بخل سے تعبیر فرمایا کرتے تھے فرمایا کرتے کہ بخیل کے تین درجے ہیں، ادنیٰ یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے پر کوئی پیسہ خرچ نہ کرے، دوسرا درجہ اس سے اوپر ہے کہ اپنے پر بھی خرچ نہ کرے، تیسرا درجہ اور سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا اس پر خرچ کرے تو وہ بھی اس کو پسند نہ ہو، اور میں تیسرے درجے میں بخیل ہوں،

پھر انہوں نے بتایا کہ مجھ سے مدرسہ کی ایک بڑی امانت ضائع ہو گئی ہے، جس کا میرے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا، میں نے کہا بس خود ہی سمجھ لو بھائی، ایک مرتبہ حضرت اقدس کے پاس رقم آئی تو حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے جب کہ بندہ بھی قریب بیٹھا ہوا تھا، پانچ ہزار ریال بندہ کو عنایت فرما دیئے، اس وقت بندہ بعض اسفار میں اخراجات کی وجہ سے کچھ مقروض تھا، مگر اللہ کے فضل سے اس قرض کا کسی کو بھی علم نہیں تھا، کیونکہ اس زمانے میں میرے پاس بہت سے حضرات کی امانتیں رہتی تھیں جن میں سے خرچ کرنے کی مجھے اجازت امانت رکھنے والوں کی طرف سے ہوتی تھی، اس کے علاوہ کئی دفعہ بندے کو بڑی بڑی رقمیں مرحمت فرمائیں۔

اسی طرح اپنے دوسرے خدام کو بھی مرحمت فرمائیں اور دوسرے لوگوں کو اپنا نام ظاہر کئے بغیر دلوائیں جس کا کچھ حال اپنے رسالہ "عبرت آموز واقعات" میں لکھ چکا ہوں۔

گذشتہ چند سالوں میں کتب دینیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں لاکھوں روپے خرچ فرمائے، اکابر کی بعض کتب خود طبع کرائیں، اور کچھ حضرت کے بعض خدام و اعزاء جو خدمات دینیہ میں بلا تنخواہ یا قلیل تنخواہوں پر کام کرتے ہیں، انہوں نے جب چھپوانے کا ارادہ کیا، یا حضرت اقدس نے ان کو چھپوانے کا مشورہ دیا، تو حضرت اقدس نے اس میں ان کی مالی امداد فرمائی اسی طرح بعض عزیزوں کے ضرورت کے درجہ کے رہائشی مکانات کے لئے بھی حضرت اقدس نے اعانت فرما کر صلہ رحمی کی فضیلت حاصل کی، جس کی قرآن و حدیث میں بہت تاکید آئی ہے۔ تقریباً ایک سال سے زائد ہوا کہ اپنے ایک خادم کو چھیاسی ہزار ریال (یعنی ڈھائی لاکھ پاکستانی روپے) قرض لے کر مدینہ منورہ میں زمین کا ٹکڑا خرید فرما کر عطا فرما دیا،

اس میں سخاوت کے علاوہ ایک دوسری سنت پر بھی عمل ہو گیا، کہ حضور پاک ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے موقعہ پر مسجد شریف اور اپنے حجرات مبارکہ کے لئے زمین خرید فرمائی تھی۔

اس وقت اپنی ذات کے لئے ایک انچ زمین کا ٹکڑا اس عالم ربانی کی ملکیت نہیں ہے۔

پانگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا لا کے دکھا دے مجھے دہن ایسا کمر ایسی

اصابت رائے

فیاض ازلی نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کو عقل و فہم، ذہانت و ذکاوت، اصابت رائے، اور معاملہ فہمی کا خاص جوہر عطا فرمایا تھا اور یہ ایسا امتیازی وصف تھا، کہ بڑے چھوٹے بھی ان کے معترف تھے، اور آپ کی رائے اور مشورے کی اکابر کے یہاں بڑی وقعت تھی، مظاہر علوم سہارنپور کے انتظامی معاملات میں ان کے واقعات روز مرہ پیش آتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت اقدس، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے زمانہ میں حضرت سہارنپوری قدس سرہ نے ایک طالب علم کا اخراج تجویز فرمایا، حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"میں نے مخالفت کی اور عرض کیا کہ ان کے اندر یہ اندیشہ ہے، حضرت ناظم صاحبؒ نے ان کی تردید فرما دی کہ نہیں حضرت کوئی اندیشہ نہیں، حضرت نے اخراج فرما دیا، معاً وہی اندیشہ سامنے آگیا، حضرت قدس سرہ کو بڑا فکر ہوا، حضرت ناظم صاحب کو بھی ندامت ہوئی میرے حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ "ہمارے قلندر نے تو پہلے ہی مخالفت کی تھی ہم نے ہی نہ مانا" میں نے عرض کیا، حضرت فکر نہ فرمائیں، دعا و توجہ فرمائیں، انشاء اللہ یہ اندیشہ جاتا رہے گا وہ اسی طرح فوراً دور ہو گیا۔" (آپ بیتی نمبر ۳، ص ۱۷)

بانی و امیران تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاسؒ، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا انعام الحسنؒ اور جماعت کی دینی جد و جہد

سن ۱۹۵۲ء میں مدرسہ کے کچھ طلبہ نے اخبار مدینہ بجنور کے ایڈیٹر برنی صاحب کو حضرت شیخ کے بارے میں غلط سلط شکایات پر مشتمل خطوط لکھے، جن کی بناء پر برنی صاحب نے اس پر مضمون لکھ دیا، اس کی پوری تفصیل حضرتؒ نے آپ بیتی میں بیان فرمائی ہے جب شکایات تحقیقات سے غلط ثابت ہوئیں تو حضرت مولانا عبداللطیفؒ (جو اس وقت مظاہر علوم کے ناظم تھے) اور حضرت مولانا کامل پوری (جو اس وقت صدر مدرس تھے) اور دیگر اکابر مدرسین کی رائے ہوئی کہ ان طلبہ کو مدرسہ سے خارج کر دیا جائے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"تین دن تک ان حضرات کا ان کے اخراج پر اصرار تھا اور یہ ناکارہ شدت سے مخالفت کر رہا تھا حضرت ناظم صاحب اور مولانا عبدالرحمنؒ نے یہ کہکر میری مخالفت ونظر انداز کر دیا کہ چونکہ اس میں ان کی ذات کا معاملہ ہے، اس لئے ان کی رائے اس میں معتبر نہیں، ان میں ایک صاحب ایسے تھے، جن کے بڑوں سے حضرت ناظم صاحب کے بڑے تعلقات تھے، اور ایک صاحب وہ تھے جن کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالرحمن صاحبؒ کو دقت اٹھانا پڑتی، اس لئے بار بار عرض کرتا رہا کہ حضرت میں اپنی وجہ سے عرض نہیں کر رہا، آپ حضرات کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں کہ آپ حضرات کو بڑی دقت اٹھانا پڑے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اخراج کے دوسرے ہی دن ناظم صاحب کی خدمت میں وہ صاحب آئے جن کے متعلق میں نے کہا تھا اور ناظم صاحب نور اللہ مرقدہ نے بہت صفائی سے بلا جھجک ان سے کہہ دیا کہ شیخ الحدیث صاحب سے اس سلسلہ میں بات کر لیجئے وہ صاحب میرے پاس آئے، میں ان کی صورت دیکھ کر ہی سمجھ گیا، اور سچ یہ ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے کہ اس وقت ناظم صاحب پر بڑا غصہ آیا، مگر چونکہ یہ روز مرہ کا قصہ ہو گیا تھا کہ حضرت ناظم صاحبؒ جھگڑوں میں اس سیاہ کار کو آگے کر دیا کرتے تھے یہی وہ چیز تھی جس کی وجہ سے حضرت ناظم صاحبؒ نے حضرت مدنی قدس سرہ کے سامنے یہ الفاظ کہے تھے کہ اگر یہ نہ ہوں تو مجھے بڑی دقت ہو، یہ بالکل صحیح کہا تھا، بہت سے مواقع پر اس کی نوبت آچکی تھی، کہ میری رائے کے خلاف کوئی بات اکابر مدرسہ نے تجویز کر دی اور میں سختی کرتا رہا کہ فلاں مشکل پیش آئے گی اور جب مشکل پیش آتی تو یہ سب حضرات اس سیاہ کار کے سر تھوپ دیتے اسی وجہ سے مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہ ناظم مدرسہ کا اس سیاہ کار کے متعلق مشہور تھا، اور پچاسیوں دفعہ کہا ہوگا کہ "اس کی بات بے سمجھے مان لیا کرو چھ مہینے پہلے کی کہتا ہے" (آپ بیتی نمبر ۲ ص ۱۳۲)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ بھی (جو فہم و تدبر اصابت رائے اور معاملہ فہمی میں خاص امتیازی شان رکھتے تھے) حضرت شیخ کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے، حضرت شیخ فرماتے ہیں،

"حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں اس سیاہ کار کی بات کی بہت وقعت تھی، اس لئے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مرتبہ دار العلوم دیوبند کی شوریٰ کی ممبری میں جمعیۃ کے مشوروں میں وقف بل کے مسئلے میں اس کی نوبت آئی، کہ جب میری رائے مفتی صاحبؒ کے خلاف ہوئی یا تو انہوں نے میری رائے خوشی سے قبول فرمائی یا بڑی فراخدلی سے یہ لکھ دیتے، کہ بعض مخلص اہل علم کی رائے یہ ہے، وقف بل کے مسودے میں بھی یہ لفظ میری رائے کے ساتھ بغیر نام کے چھپا ہوا ہے" (آپ بیتی نمبر ص ۱۷۰)

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے یہاں بھی حضرت شیخ کی رائے نہایت وقیع اور فیصلہ کن ہوتی تھی، اس سلسلہ کا ایک دلچسپ قصہ حضرتؒ نے آپ بیتی میں بیان فرمایا ہے، مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی تشریف آوری بڑے اہتمام سے ہوا کرتی، لیکن ایک بار خلاف معمول تشریف نہ لائے، دیوبند ہی میں مقیم رہے، جلسہ کی شام کو بعض خصوصی مہمانوں سے ملاقات کے لئے تشریف لائے، حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"میں نے عرض کیا کہ حضرت! آج تو بڑا انتظار کرایا خیر تو ہے، حضرت نے فرمایا کہ تم نے بلایا ہی نہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت! مدرسہ سے تو مطبوعہ اشتہار اور خط دونوں گئے تھے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو گئے تھے، مگر اب تک کا معمول ہمیشہ یہ رہا، کہ مدرسہ کے خط کے ساتھ یا علیحدہ مستقل حکمنامہ تمہارا بھی جاتا تھا، اب کے نہیں گیا میں نے سمجھا کہ میری آمد تمہارے نزدیک مناسب نہیں" (آپ بیتی نمبر ۳ ص ۹۲)

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ (سابق ناظم اعلی جمعیۃ علمائے ہند) کے بارے میں حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

"جب یہ ناکارہ دار العلوم دیوبند کا ممبر شوریٰ تھا ایک صاحب نے ضروریات زمانہ سے متاثر ہو کر بہت زور و شور سے دار العلوم کے نصاب میں ہندی داخل کرانے کی تحریک کی میں نے نہایت شدت سے مخالفت کی، میں نے کہا، کہ انگریزی اور ہندی کے تئے گاؤں در گاؤں اسکول کھلے ہوئے ہیں، یہ لاکھوں میں دو چار بچے عربی پڑھنے کے لئے آہی گئے ہیں تم ان کو بھی اسی میں دھکیل رہے ہو، مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی اس وقت حیات تھے، اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے، اور بلند درجات عطا فرمائے، میری تائید میں بہت زور دار تقریر انھوں نے فرمائی، اور کہا کہ سب کو معلوم ہے کہ میں ہندی کا کتنا حامی ہوں، مگر میں دار العلوم کی چار دیواری میں شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ ہوں، یقیناً اس کو اسلاف کے طرز پر جتنا بھی زیادہ سے زیادہ ممکن ہو رکھنا چاہئے اصل محرک صاحب نے ضرورت زمانہ پر زور دیا مولانا مرحوم نے میری وکالت کرتے ہوئے کہا کہ ان مدارس کی ابتداء میں انگریزی کی ضرورت اس سے زیادہ سخت تھی، جتنی آج کل ہندی کی بتلائی جاتی ہے۔ اور میں خود بھی اس کا ہم خیال ہوں مگر دار العلوم کی حدود میں شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ ساتھ ہوں مجھ غریب کی آواز میں اتنا زور نہ ہوتا، مگر مولانا حفظ الرحمن صاحب کے جوش و خروش کو دیکھنے والے اب تک بھی خوب ہیں میں نے پہلے کسی جگہ پر لکھوایا ہے کہ مفتی کفایت اللہ صاحب باوجود اپنے سیاسی زوروں کے اس ناکارہ کی رائے کو اپنی رائے کے خلاف قبول فرماتے تھے، اور جہاں کہیں ان کی رائے خلاف ہوتی، وہاں بھی وہ اس سیاہ کار کی رائے کو بغیر نام کے ذکر ضرور کر دیتے تھے، دار العلوم کے مسائل میں مولانا حفظ الرحمن صاحب کا بھی یہی معمول رہا، کہ وہ بسا اوقات اپنے سیاسی رجحان کی مخالفت کے باوجود دار العلوم کے مسائل میں اس سیاہ کار کو بہت اہمیت دیتے تھے، (آپ بیتی نمبر ۳ ص ۴۷)

احترام اکابر

اللہ تعالیٰ اور ان کے محبوب ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کے ساتھ ساتھ اہل اللہ کی قدر و عظمت ان سے عقیدت و محبت اور ان کا اکرام و احترام حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے تھا، کیونکہ محبوب کی نسبت بھی محبوب ہوتی ہے، اہل اللہ کو حق تعالیٰ شانہ سے تعلق ولایت کی نسبت حاصل ہے۔ (آیت کریمہ الاان اولیاء اللہ اور حدیث نبوی ﷺ من عادی لی ولیا اس نسبت کی دلیل ہے) اس لئے ان سے محبت و عقیدت درحقیقت محبت الٰہی کا ثمرہ ہے، اسی طرح دین کے تمام خدام آنحضرت ﷺ کے خدام میں شامل ہیں اور ان کو آنحضرت ﷺ سے تعلق و نسبت ہے، ان سے الفت و تعلق، حب نبوی ﷺ کا ثمرہ ہے، حضرات صحابہ و تابعین ہوں یا ائمہ فقہاء یا حضرات صوفیاء و مشائخ حضرت شیخ ان تمام حضرات کا علی حسب المراتب غایت درجہ اکرام و احترام فرماتے، اور نہایت محبت و عظمت سے ان کا ذکر خیر فرماتے، ان کے اسماء گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ، رحمہ اللہ تعالیٰ، نور اللہ مرقدہ، اعلی اللہ درجتہ، اور دیگر دعائیہ کلمات فرماتے۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے کمالات و احسانات کا ذکر کرتے اور مسلمانوں کے دل میں ان کی محبت و عظمت کا نقش جمانے کے لئے آپ نے "حکایات صحابہ" تالیف فرمائی، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض خطاؤں کا جو صدور ہوا، حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے نزدیک وہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی تکوینی حکمت تھی، اور ان کے سیئات بھی مبدل بہ حسنات ہیں "رسالہ شریعت و طریقت کا تلازم" میں فرماتے ہیں،

"بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض بڑی خطائیں سرزد ہو جانے پر کبھی بھی کوئی خلجان طبیعت میں نہیں آیا۔ جبکہ مشائخ عظام سے ایسی خطاؤں کا صدور بعید تر ہے۔ اور کوئی بڑے سے بڑا شیخ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا، تو ان کی معاصی کی روایات پر اللہ کے فضل سے مجھے کبھی کوئی اشکال نہیں ہوا، اکابر کی جوتیوں اور احادیث کی برکت سے ان کے متعلق ہمیشہ یہی ذہن میں رہا کہ یہ افعال ان حضرات سے تکمیل کے لئے تکوینی طور سے کرائے گئے،

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ان انفاس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آپ اپنی شریعت مطہرہ کی تکمیل کیجئے ہم اس کے لئے سنگسار ہونے کو تیار ہیں، ہاتھ کٹانے کو تیار ہیں کوڑے کھانے کو تیار ہیں، یہی میرے نزدیک مصداق ہیں، آیت کریمہ کا۔

"بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا"

حضرت جی حضرت مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

"اگر ایک شخص ایسے مکان میں ہو، جس میں سو شیشے لگے ہوئے ہوں اور اس میں ایک چڑیا اڑ رہی ہو تو وہ بلاشبہ ہر جگہ اڑتی ہوئی نظر آئے گی۔ لیکن ان ایک اصل چڑیا کے سوا سب کے سب اس کے ظل و عکس اور شیشوں میں اتری ہوئی اس کی تصویریں ہیں، جو شخص ایک اصل چڑیا کو پکڑ لے گا، سب کی سب اس کے ہاتھ میں آجاویں گی اور جو اسے چھوڑ کر دوسروں کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، عمر بھر محنت کرے گا کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا، فرمایا اسی طرح اگر کوئی اسی ایک ذات حقیقی کو حاصل کرے گا، تو تمام ضروریات خود بخود اس کے قبضہ میں آجائیں گی۔ اور اسے چھوڑ کر جتنی بھی محنت کرو گے سب رائیگاں اور فضول ہے"

اور یہی مصداق ہیں احادیث مغفرت کے کہ جس میں ہے کہ "بعض خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی دے دو" (شریعت و طریقت کا تلازم)

حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے جو یہ افعال تکوینی طور پر کرائے گئے، اس کی حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ رسالہ "اعتدال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معاصی بھی صادر ہوئے، اور امور سلطنت و حکومت میں اختلافات اور لڑائیاں بھی ہوئیں، ان میں سے بہت سے امور گو ان حضرات کی شایان شان نہ ہوں، ان کے علو مراتب کے بعض امور خلاف ہوں، لیکن ہمارے لئے وہ امور مشعل ہدایت ہیں، اور جو واقعات بھی پیش آئے وہ امت کے لئے راہ عمل اور عمل کے لئے نمونہ ہیں اور حقیقی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ عملی تعلیم کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور یہی ضروریات نبی کی ہوتی ہیں کہ امت کے لئے جو احکام نازل ہوں، وہ ان کو عملی جامہ پہنا کر جاری کر جائے تاکہ بعد میں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے۔ کہ ان پر عمل کیسے ہو سکتا ہے۔

ایسی حالت میں قوانین دو طرح کے ہوتے ہیں۔

ایک وہ جن سے شان نبوت انکار نہ کرتی ہو، ان کا صدور نبی اکرم ﷺ کی ذات اطہر سے ہوا۔

دوسرے وہ احکام جو ایسے امور کے متعلق ہوں جو شان نبوت کے منافی ہیں، جیسے زنا چوری وغیرہ اور اس نوع کے احکام کا بتانا بھی ضروری تھا اور ان کی حدود کا جاری کرنا بھی ایسے ہی سلطنت کے مقابلے اور حکومت کرنے اور حکومت لینے کے ضوابط کی ضرورت بھی تھی، نبی اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں یہ چیز اگر پیش آتی تو جس جانب حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ ہو جاتا، وہ قطعی تھا، خلاف کی گنجائش ہی نہ تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد یہ چیزیں پیش آئیں اور دونوں جانب کے اصول و ضوابط معرض ظہور میں آئیں اس لئے جو چیزیں ایسی تھیں کہ شان نبوت ان کے منافی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ان چیزوں کے اجراء کیلئے پیش کیا ان میں جو امور ایسے تھے جو حضور ﷺ کے زمانہ میں وجود میں آسکتے تھے، جیسے معاصی وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں صادر ہوئے جو ایسے تھے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ان کا پیش آنا مشکل تھا، جیسے کہ سلطنت کے نزاعات وہ بعد میں پیش آئے، ایسی حالت میں ہم لوگوں کو ان سب نزاعات اور اختلافات پر بھی ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ممنون ہونا ضروری ہے کہ ہمارے لئے یہ حضرات راستہ کھول گئے، اور حکومت کرنے اور حکومت کی جائز مخالفت کرنے کے طریقے بتا گئے۔ (آپ بیتی نمبر ۲ ص ۴۴)

اسی طرح درس حدیث میں حضرات فقہائے امت کے اختلافات ان کے دلائل اور فقہ حنفی کے وجوہ بڑی تفصیل سے بیان فرماتے، لیکن ہر امام کا نام نہایت اجلال و تعظیم کے ساتھ لیتے، رحمہ اللہ یا رضی اللہ عنہ کہتے طلبہ کو بھی ہمیشہ اس کی تلقین و تاکید فرماتے کہ اکابر ائمہ فقہاء کا ادب ملحوظ رکھیں چنانچہ درس حدیث کی ابتداء میں طلبہ کے سامنے اپنے دس اصول (اصول عشرہ) بیان فرماتے جن کی پابندی طلبہ کو سارے سال کرنی ہوتی تھی، ان دس میں سے نواں اصول یہ تھا۔

ائمہ حدیث اور ائمہ فقہ کے ساتھ نہایت ادب اور نہایت احترام ہو اور ان پر اعتراض چاہے قلبی ہی کیوں نہ ہو ہرگز نہ کیا جائے بعض لوگ حنفیت کے زور میں دوسرے ائمہ پر اور بعض بے وقوف ائمہ حدیث پر تنقیدی فقرے کہتے ہیں یہ مجھے بہت ناگوار ہوتا ہے، میں نے قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ کا ایک مقولہ بچپن میں سنا تھا۔ غالباً تذکرۃ الرشید میں یہ قصہ لکھا بھی گیا ہے کہ حضرت قدس سرہ نے حنفیت کی تائید میں کوئی تقریر فرمائی جسے سن کر سب جھوم گئے کسی نے جوش میں کہہ دیا کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی اس تقریر کو سنتے تو رجوع فرما لیتے، تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا، توبہ توبہ استغفراللہ حضرت امام ربانی اگر موجود ہوتے تو یہ تقریر ایک شبہ ہوتی، اور حضرت مجتہد صاحب اس کا جواب فرما دیتے اب تو چونکہ ائمہ مجتہدین موجود نہیں ہیں، ان کے اقوال ہمارے سامنے ہیں، ان اقوال میں ہم امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اقرب الی القرآن والحدیث پاتے ہیں۔ اس لئے اس کی تائید کرتے ہیں۔ ورنہ مجتہدین میں کوئی موجود ہوتا تو ان کی اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا او کما قال (آپ بیتی نمبر ۶، ص ۴۳)

اہل اللہ پر اعتراض و نکیر کو حضرتؒ بہت خطرناک سمجھتے تھے۔ "شریعت و طریقت کا تلازم" میں فرماتے ہیں۔

"آخر میں مضمون جو سب سے زیادہ اہم ہے اور خطرناک ہے وہ اکابر علماء ہوں یا محدثین، فقہاء کرام ہوں، یا صوفیائے عظام ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی ہے۔

اس مضمون کو حضرت شیخؒ نے تو نو صفحوں میں بیان فرمایا ہے، جو دیکھنے کے لائق ہے اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔

"یہ مضمون اعتدال میں بہت تفصیل سے آیا ہے اور بہت اہم ہے اللہ والوں سے محبت رکھنا اکسیر عظیم ہے۔ اور ان سے دشمنی سم قاتل ہے۔ اس مضمون کو میرے رسالہ اعتدال میں بہت اہتمام سے دیکھا جائے، دس بارہ صفحہ میں یہ مضمون ہے اور بہت ضروری ہے، میری ایک نصیحت اپنے دوستوں کو ہمیشہ سے رہتی ہے اور خود بھی اس پر عمل کی ہمیشہ کوشش کرتا ہوں، کہ دین کے شعبے تو بہت ہیں اور سب پر ہر ایک کو عمل کرنا بہت مشکل ہے۔

محدث ہونا، فقیہ ہونا، مجاہد ہونا، صاحب تقوی ہونا، صاحب ورع ہونا، نوافل کی کثرت کرنا، وغیرہ وغیرہ لیکن ان میں سے کاملین کے ساتھ اگر کوئی شخص محبت پیدا کر لے تو المرء مع احب کے قاعدے سے انشاء اللہ سارے ہی دین کے اجزاء سے حصہ وافر ملے گا" (شریعت و طریقت کا تلازم صفحہ ۱۶۳)

ہندوستان کے علمی سلسلہ کے مورث اعلی حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ ہیں حضرت شیخؒ ان کو "مسند الہند" فرمایا کرتے تھے، آپ بیتی میں فرماتے ہیں۔

"اس ناکارہ زکریا کا معمول ایک عرصہ سے یہ ہے کہ حضرت قطب الارشاد حکیم الاسلام حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ کو مسند ہند کہا کرتا ہوں اور لکھا کرتا ہوں" (آپ بیتی نمبر ۵ ص ۱۴۵)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"اس سیاہ کار کا دستور یہ بھی رہا کہ حضرت حکیم الامت کی مجلس میں بہت کم جانا ہوتا، اور حضرت کے یہاں کی حاضری کا وقت بھی متعین طور پر ظہر سے عصر تک تھا، اس لئے یہ ناکارہ اس کا اہتمام رکھتا تھا کہ حضرت کی مجلس میں بے وضو کبھی نہ بیٹھے، اللہ نے اس کی توفیق عطا فرمائی" (آپ بیتی نمبر ۴ ص ۸۱)

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت قطب العالم مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے اور ان حضرات کے واقعات بڑی عظمت و محبت کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے، آپ بیتی میں حضرت مدنی قدس سرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

"اتنے واقعات اس وقت ذہن میں آئے کہ اوجز کی چھ جلدیں حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری کے حالات کی آسکتی ہیں" (آپ بیتی نمبر ۴ ص ۹۷)

محبوبیت و مقبولیت

مقبولان الٰہی کے قلوب صافیہ میں کسی شخص کی محبت کا پیدا ہو جانا حب الٰہی کا ثمرہ ہے۔ حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں، تم بھی اس سے محبت رکھو۔ پس جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔ پس آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس کی مقبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مقبولیت و محبوبیت عند اللہ کی ترتیب یہ ہے کہ وہ اوپر سے نیچے کو آتی ہے۔ پہلے وہ شخص عند اللہ مقبول و محبوب ہوتا ہے، پھر ملائکہ مقربین اور کارکنان قضا و قدر کو اس کی محبوبیت کا حکم ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ و ثمرہ میں زمین کے مقربین الٰہی کو اس کی محبوبیت و مقبولیت کا القا و الہام ہوتا ہے، اہل ارض کے مقبولین میں سب سے بڑھ کر آنحضرت سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کے قلب اطہر میں جن خوش نصیبوں کی محبوبیت القاء کی گئی اور آپ ﷺ نے زبان وحی ترجمان سے ان کی محبوبیت و مقبولیت کا اظہار و اعلان فرمایا، ان کا مقبول عند اللہ ہونا تو قطعی ہے۔ لیکن زمانہ وحی کے انقطاع کے بعد کسی شخص کی محبوبیت عند اللہ علامت اہل قلوب مقبولان الٰہی کا اس کی محبت پر اجتماع ہے ان اکابر کے دل میں جس شخص کی محبت ہو وہ انشاء اللہ عند اللہ مقبول و محبوب ہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر حق تعالیٰ کے بے شمار انعامات میں سے ایک انعام و احسان یہ تھا کہ آپ بچپن سے جوانی اور جوانی سے پیرانہ سالی تک ساری عمر اکابر اولیاء اللہ کے منظور نظر اور محبوب و مقرب رہے، جو یقیناً حب الٰہی کا ثمرہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی نمبر ۴ میں "تحدیث بالنعمۃ" کے زیر عنوان اپنے اکابر کی شفقتوں اور محبتوں کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اس کی تمہید میں فرماتے ہیں۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جیسا کہ آپ بیتی نمبر ۳ کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ اس کے ہر حصہ میں دو باب تجویز ہیں۔ اس (آپ بیتی نمبر ۴) کے پہلے باب میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اکابر کی شفقتوں کا مختصر حال، حضرت گنگوہی، حضرت سہارن پوری، حضرت اقدس رائے پوری شاہ عبدالرحیم صاحب، حکیم الامت حضرت تھانوی، حضرت شیخ الاسلام مدنی، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری، والد صاحب اور چچا جان نور اللہ مراقدھم کے چند واقعات آگئے ہیں اس لئے کہ ان دونوں کے حالات کے لیئے تو بڑا دفتر چاہئے۔ اس باب میں حضرتؒ نے اکابر کی شفقتوں کے جو واقعات لکھوائے ہیں، انہیں پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور حضرتؒ کے اس ارشاد کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ میری قدر جتنی میرے بڑوں نے کی، اتنی چھوٹوں نے نہیں کی۔"

یہ اکابر اس صدی کے اقطاب تھے، جن کے قلوب حضرت شیخ کی محبت و مقبولیت پر مجتمع تھے۔ اور یہ حضرت شیخ کا ایک ایسا امتیاز ہے۔ جو ان کے معاصرین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اور یہ اسی حب الٰہی اور اکابر اہل اللہ کے یہاں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ثمرہ تھا کہ کسی جگہ حضرت شیخ کی تشریف آوری کی خبر سن کر مور و ملخ کی طرح انسانوں کا طوفان امڈ آتا، اور حضرت شیخ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لوگ بے تاب ہوتے۔ اس طرح ارشاد نبوی ﷺ ثم یوضع لہ القبول کا نقشہ سب کی آنکھوں کے سامنے آجاتا۔

اتباع سنت

حق تعالیٰ شانہ کے یہاں محبوبیت و مقبولیت پیمانہ اتباع سنت ہے۔ جو شخص جس قدر متبع سنت ہوگا اسی قدر حق تعالیٰ شانہ کے یہاں محبوب ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (الآیۃ)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ پر اتباع سنت کا ایسا غلبہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ہر ہر ادا میں اتباع کا اہتمام فرماتے تھے۔ اعمال میں، اخلاق

میں، عادات میں، معاشرت میں، عفو و درگذر میں، غرضیکہ ایک ایک چیز میں آپ کے یہاں اتباع سنت کا اہتمام تھا۔ اور کوئی عمل و خلق ایسا نہ تھا۔ جو سنت کے سانچے میں ڈھلا ہوا نہ ہو۔ جس طرح ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا۔

کان خلقہ القرآن "آپ کا خلق قرآن تھا"

اسی طرح بغیر تردد کے کہا جاسکتا ہے کان خلقہ، خلق رسول اللہ ﷺ یعنی حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی سنت میں ڈھلی ہوئی تھی، اسی کو حضرات صوفیاء کرام "فنافی الرسول" سے تعبیر فرماتے ہیں اور اسی دولت کبریٰ کو "استقامۃ فوق الکرامۃ" کا نام دیا جاتا ہے۔ حضرات صوفیاء کے یہاں تمام مجاہدات و ریاضات کی غایت اخلاص و احسان کے ساتھ اتباع سنت ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اتباع سنت کے واقعات و جزئیات ذکر کئے جائیں تو اس کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہوگی، جناب صوفی محمد اقبال صاحب زید مجدہ نے اپنے رسالہ "حضرت شیخ کا اتباع سنت اور عشق رسول ﷺ" میں احادیث شمائل کے تحت حضرت کے اتباع سنت کے کچھ نمونے ذکر کر دیئے اور حضرت کی آپ بیتی میں متفرق طور پر اس کے واقعات آتے گئے ہیں ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اتباع سنت میں کیسے کیسے دقیق پہلوؤں کی بھی رعایت فرماتے تھے۔

عشق و محبت اور سوز و گداز

مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار و سکینت اور ضبط و تحمل کے فانوس میں عشق و محبت کا ایک ایسا شعلہ تھا، جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں، ان کا خمیر عشق و محبت کے اس جوہر کے ساتھ گوندھا گیا تھا، اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاء و عناصر سے زیادہ مقدار میں تھا، ان کا حال وہ تھا جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے،

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا — کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

عشق و محبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا، اور اس کے شرارے اس وقت نظر آتے، جب عشق الٰہی، ذات رسالت پناہی اور واصلان بارگاہ الٰہی کا تذکرہ ہو۔

راقم سطور نے اپنے پہلے سفر حجاز کے موقعہ پر مدینہ طیبہ سے ایک خط لکھا جس میں مدینہ کے راستہ کی کیفیات، اور بعض نعتیہ اشعار تھے، جب یہ خط پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت تھی، جو لوگ پاس موجود تھے ان کا بیان ہے کہ ایک عزیزی خادم (مولوی عبدالستان صاحب دہلوی مرحوم مراد ہیں) سے جو خوش الحان بھی تھے، ان اشعار کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کی فرمائش کی، گرمی کا زمانہ تھا، رمضان کے ایام تھے، اعتکاف کا موقعہ تھا، اس وقت کچھ لوگ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بدن دبا رہے تھے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس وقت ان صاحب نے یہ اشعار پڑھے، اس وقت شیخ فرط شوق اور شدت جوش میں بالشت بالشت بھر اچھل جاتے، جو لوگ بدن دبا رہے تھے ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ شیخ کے جسم میں ایک بجلی سی پیدا ہو گئی ہے اور وہ اپنی کیفیت کو کسی طرح چھپا نہیں سکتے۔

راقم سطور نے خود بارہا دیکھا کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اپنے ایک مسودہ سے حضرت رائے پوری کو سنا رہا تھا۔ شیخ پاس کی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، ان پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ چارپائی ہلنے لگی، مولانا محمد یوسف صاحب کی معیت میں جو حج ہوا، اس سے واپسی کے موقعہ پر اس طرح بلک بلک کر رونے لگے جیسے بچہ اپنی ماں کی گود سے علیحدہ کیا جائے تو وہ بے قرار ہو کر روتا اور بلکتا ہے (روایت صوفی محمد اقبال، ہوشیار پوری) اس سرزمین مقدس اور دیار حبیب ﷺ سے ان کی روح اور قلب کو جو تعلق اور وابستگی ہے اور اس کے چھوٹنے پر، ان کے دل پر جو کچھ گذر رہی تھی، اس کا کچھ اندازہ ان سطور سے ہوگا۔ جو ان کے ایک مخلص خادم نے ان سطور کے راقم کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھی تھیں۔

" طائف سے واپسی پر عمرہ کر کے (جعرانہ سے احرام باندھا تھا) دوسرے روز جدہ روانگی ہو گئی، حدود حرم کے ختم پر جو کنواں ہے، وہاں

مغرب کا وقت ہوا۔ نماز کے بعد سوار ہونے کے وقت حضرت پر گریہ طاری ہوا۔ پھر جدہ پہنچ کر محمد علی خان صاحب کے مکان پر رات قیام تھا۔ ساری رات عجب بے چینی میں گذری۔ حضرت کی خدمت میں صرف محترمی ابوالحسن صاحب اور بندہ موجود تھے۔ اور باقی خدام و حضرات حضرت جیؒ کے ساتھ دوسرے کمروں میں تھے۔ حضرتؒ بار بار اٹھ کر بیٹھتے اور ہم لوگ جو آہٹ پا کر اٹھ جاتے۔ اور کبھی وقت سوئے بنے رہتے اور دیکھتے رہتے۔ بندہ کو ۲۲ سال سے کئی دفعہ کافی عرصہ کے لئے حضرت کی خدمت میں رہنا ہوا سفر، حضر، عزیزوں بزرگوں کی اموات، رمضان المبارک کی راتیں، حج کا سفر، عرفات وغیرہ، مختلف اوقات و حالات میں حاضری نصیب ہوئی۔ مگر ایسی حالت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ کبھی کھڑکی سے منہ نکال کر گلی میں راستوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں، ابو الحسن آج اور عرب کی زمین دیکھ لے، کل کو جانا ہی ہے۔

دوسرے روز ہوائی اڈہ پر انتظار میں ویٹنگ روم میں بیٹھنا ہوا۔ موسم حج اور اپنے ساتھ پاکستان جانے والوں کا کثیر مجمع، اور جدہ میں رخصت کرنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے کافی وقت بیٹھنا ہوا۔ بندہ نے حضرت کو روتے ہوئے پہلے بھی بہت کثرت سے دیکھا تھا، اکثر اوقات تو ایسا کہ اجنبی کو تو ظاہر نہ ہوتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت رو رہے ہیں اور بعض وقت دیکھنے والوں کو محسوس ہو جاتا تھا کہ نماز، تلاوت وغیرہ میں حضرت رو رہے ہیں، لیکن آنسوؤں کی کثرت کا دستور نہ تھا۔ اور یہ قانون تھا کہ ایسی حالت میں جب کوئی ملنے والا آگیا، یا کوئی دوسرا موضوع سامنے آیا، جس میں کسی سے ہنسی مذاق اور خندہ پیشانی کی ضرورت ہوتی، یا کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوئی تو ظاہری طور پر حضرت کی وہ حالت ختم ہو جاتی۔

اس رخصتی والے دن کی حالت بالکل نرالی تھی، حضرتؒ تشریف فرما تھے۔ اردگرد کافی مجمع تھا، لیکن حضرت نور اللہ مرقدہ ایسے بیٹھے ہوئے تھے، جیسا کہ بالکل اکیلے ہوں۔ کوئی بات، کلام، توجہ نہ تھی، بے تحاشہ رو رہے تھے، آنسو آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے، کرتہ تر بتر ہو رہا تھا، چہرہ مبارک سرخ اور آنکھوں کے پانی سے ایسا دھل رہا تھا جیسا کہ کوئی نل کے نیچے بیٹھا ہو، بس آواز تو نہیں تھی۔ حضرتؒ ہاتھ ڈھیلے کیے بیٹھے تھے، لوگ چپ چاپ مصافحہ کرتے جاتے تھے۔ ایک دہشت سی تھی۔ اسی حالت میں رخصتی ہوئی۔ چونکہ اس قسم کی حالت ہمیشہ مخفی رکھنے کی عادت تھی اس لیئے اگر خود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے بھی یقین نہ آتا۔ بیان کو مبالغہ سمجھتا اور اب اس بیان کو ناکافی سمجھ رہا ہوں۔ (مکتوب صوفی اقبال بنام ابوالحسن علی ندوی)

اسی محبت اور اخلاص نے ان کے درس، ان کی تصنیفات اور ان کے ساتھ بیعت و ارادت کے تعلق میں وہ تاثیر اور کیفیت پیدا کر دی تھی، جو اہل عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔

ان کمالات کے ساتھ، جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، اور اس محبوبیت و اختصاص کے باوجود، جو ان کو اکابر و شیوخ کے حلقہ میں ہمیشہ سے حاصل رہا تھا، وہ اپنے کو کس نظر سے دیکھتے تھے اور دعاء نبوی ﷺ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا کا ان کی زندگی میں کس قدر ظہور ہوا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ہوگا، جو ان گرامی ناموں سے ماخوذ ہیں، جو اس عاجز کے نام حجاز بھیجے گئے تھے۔

”بعد سلام مسنون، رائے بریلی والا پرچہ پہنچا، روانگی سے قبلی ملاقات کو تو بندہ کا بھی دل چاہتا ہے مگر وقت تنگ رہ گیا۔ یہاں تشریف لانا ایسے تنگ وقت میں دشوار ہوگا اور مجھے بھی مولوی یوسف صاحب آج کل میں بلا رہے ہیں، اس وقت جا کر فوراً دوبارہ جانا مشکل ہے، میں نے ان کو کل لکھا تو ہے کہ بجائے اس وقت کے اگر اس وقت بلائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ دہلی سے روانگی کس وقت ہے، یا روانگی براہ سہارن پور ہے۔ دہلی سے دریافت بھی کیا ہے مگر وہاں سے جواب کا آنا بھی کارے دارد بہر حال اگر ملاقات نہ ہو سکے تو اولاً اپنی تمام تقصیرات اور بے عنوانیوں کی معافی چاہتا ہوں ثانیاً

جاتے ہو تو جاؤ، پر اتنا تو سن جاؤ
یاد جو آجائیں، تو مرنے کی دعا کرنا

بارگاہ رسالت ﷺ پر پہنچ کر اگر یاد آجائے تو یہ الفاظ بھی عرض کر دینا، ایک روسیاہ ہندی نے بھی سلام عرض کیا تھا۔ اگر ایک دو

طواف بھی اس ناکارہ کی طرف سے کر دیں، تو آپ جیسے کریم جفاکش حضرات سے امید ہے کہ بار نہ ہو گا۔ یہی چیزیں اس ناکارہ اور نااہل کے لیے اعلیٰ تبرکات ہیں۔ کسی تبرک کے لانے کا ہر گز ہرگز ارادہ نہ کریں، اس کا نعم البدل میں نے تعلقات کی قوت کے زور میں خود ہی تجویز کر دیا کہ مجھے کھجور، زمزم وغیرہ تبرکات کی بہ نسبت دعا اور طواف کی مسرت بھی زیادہ ہو گی اور احتیاج بھی زیادہ ہے۔

فقط والسلام زکریا، مظاہر العلوم

۲۳ رجب ۲۹ھ

روضہ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ و سلام

بعد سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ ۱۲ رمضان ۲۰ ماہ مبارک کو پہنچا۔ ہر چند کہ ماہ مبارک میں خط لکھنے کا وقت ارادہ سے بھی نہیں ملتا، لیکن آپ کے انتظار نے مجبور کیا کہ چند سطور تو لکھ ہی دوں۔

گرامی نامہ نے گرمی کے رمضان میں ایک شعلہ سا بدن میں پیدا کر دیا۔ اس کے سوا کیا عرض کروں۔ هنيئا لارباب النعيم نعيمهم آپ نے راستہ کی کیفیت اور مناظر تحریر فرما کر سابقہ حالات اور پرانے واقعات یاد دلا دیئے۔ آپ نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ مدینہ طیبہ کا قیام کب تک ہے؟ تاکہ عید کے بعد کے فرائض کے متعلق رائے قائم کر سکوں۔

ماہ مبارک اب قریب الختم ہے، اس میں دوسرا عریضہ بظاہر نہ جا سکے گا۔ اس کے بعد تقریباً ایک عشرہ مسلسل مختلف اسفار، رائے پور وغیرہ میں صرف ہو گا۔ روضہ اطہر پر دست بستہ صلوٰۃ و سلام کی درخواست جملہ حضرات کی خدمت میں مکرر عرض ہے۔

زکریا (نظام الدین)

۲۳ رمضان سن ۲۹ھ

"بعد سلام مسنون! خیال بلکہ یقین تھا کہ دہلی میں الوداعی زیارت ضرور ہو گی، اور اپنی بدحالی کو پیش کر کے کچھ مانگنے کی درخواست کروں گا۔ اپنے دہلی کے سفر میں اہم مقصد آپ کی زیارت ہی تھی مگر نظام سفر ایسا گڑبڑ ہوا کہ مجھے خود ہی مولانا مولوی محمد منظور صاحب نعمانی کی معرفت یہ کہلانا پڑا کہ آپ سیدھے ہی تشریف لے جائیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ نہ ملنے کا قلق ضرور رہا، اور رہے گا، اب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ان حروف کے ذریعہ اپنی بدحالی کو پیش کروں آپ خود ہی اندازہ کر لیں گے کہ اس سے زیادہ محروم القسمت کون ہو گا۔ جس کو حضرت اقدس اور آپ جیسا بہترین رفیق سفر ملے اور کرایہ کا اس کو اشکال نہ ہو، بظاہر کوئی مانع نہ ہو، پھر بھی وہ محروم رہے، تو اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی روسیاہی اس قابل نہیں کہ اس پاک دیار میں حاضری کی اجازت دی جاسکے۔ اب آپ سے انتہائی لجاجت سے درخواست ہے کہ ملتزم پر اور مواجہہ پر آپ، اس ناپاک کے لئے جو کچھ کر سکتے ہوں کر دیجئے۔ اللہ جل شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور یہاں کے مسلمانوں کے لئے کیا کہنا ہے، یہ تو آپ کا دل مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہو گا۔

فقط والسلام زکریا مظاہر العلوم

۱۴ ذی قعدہ ۶۹ھ

اس تعلق، باطنی کیفیت اور عشق روحانی کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے یہاں ان کے چند مکتوبات کے اقتباسات پیش کیئے جاتے ہیں، جو انہوں نے ازراہ شفقت و کرم راقم سطور کو حجاز کے دوران قیام میں ۱۹۴۷ء، ۱۹۵۰ء) دو حج کے موقعہ پر تحریر فرمائے ہیں۔

ہمارا نام لے کر ایک آہ بھی کھینچیو قاصد   جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا یہ پیغام زبانی ہے

بعد سلام مسنون! کراچی سے دو گرامی نامے پہنچے۔ اول مفصل لفافہ اور پھر مختصر کارڈ، مگر وہاں جواب کا وقت نہ تھا۔ آپ نے اس ناپاک کی معیت و رفاقت کی آرزو لکھی، مگر یہ نجس العین اس پاک خطہ کے قابل کہاں۔ دو مرتبہ حاضری ہوئی مگر ایک طاہر و مطہر ہستی تھی جس کے پیچھے یہ قطمیر بھی لگ لیا (اصحاب کہف کے ساتھ جو کتا لگ لیا تھا اس کا نام بعض کتابوں میں قطمیر لکھا گیا ہے) بلکہ ھکاکا لیا گیا۔

اب کوئی پاک ہستی ایسا سمندر نظر نہیں آتا، جس میں ہر قسم کی غلاظت مغلوب ہو جائے۔ فیا حسرتا، آپ نہ جانے کس مغالطہ میں ہیں، اپنی حالت یہ ہے۔

کان ظنی بان الشیب یرشدنی اذا اتی فاذا غنی بہ کثرا

بلکہ اب حقیقت یہ ہے

وکنت امرامن جند ابلیس فارتقی لی الدھر حتی صار ابلیس من جندی

فلومات قبلی کنت احسن بعدہ طرائق فسق لیس یحسنھا بعدی

اس تعلق اور محبت کے واسطہ سے جو آپ کو اللہ رب العزت کی ستاری کی وجہ سے اس ناپاک سے محض مغالطہ کی وجہ سے رہا ہے، درخواست ہے کہ مبارک مہینہ میں، مبارک راتوں میں، مبارک جگہ میں اگر دعا سے دستگیری فرما دیں تو وہ پاک ذات، وہ مقلب القلوب قادر مطلق جو بریح (شاید یہ حضرت عمرؓ کا جاہلیت میں نام یا عرف تھا) کو عمر بنادے اس کے لیئے کیا مشکل ہے کہ ایک ناپاک کو پاک بنادے اور بدکار کو نیک کار بنادے۔

چشمہ فیض سے گر ایک اشارہ ہوجائے لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہوجائے

عمر ختم ہوتی جارہی ہے۔ ظاہر طور پر وقت قریب ہی آتا جارہا ہے اور حالت یہ ہے،

آئی تھی کچھ لین کو اور بھول چلی کچھ اور کیا دکھاؤں گی اپنے پیا کو میرے خالی دونوں ہاتھ

دیتے ہیں موئے سفید افسوس پیغام اجل نفس سنتا ہی نہیں ہر چند کہتا ہوں سنبھل

اپنی حالت کو کہاں تک روؤں، اور اس منافقانہ تحریر سے آپ کے مبارک اوقات کو کہاں تک ضائع کروں، یہ سطریں اس امید پر لکھی ہیں کہ آپ کے دل پر کچھ چوٹ لگے تو آپ اس پاک دربار میں کچھ عرض کر سکیں، جس کی پاک جوتیوں کے ذرّے لواقسم علی اللہ لابرہ کے مصادیق ہیں، بہت ادب سے صلوۃ وسلام کے بعد عرض کر دیں کہ اس ناپاک کا سلام اس پاک دربار کے ہرگز لائق نہیں، لیکن تم رحمۃ اللعالمین ہو، اس ناپاک کے لیئے تمہاری نظر رافت کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔

نہ آخر رحمۃ للعالمینی زمحر و ماں چرا فارغ نشینی

یہ بھی عرض کر دیں کہ کچھ عرض کرنے کا منہ نہیں، اس لیے کیا عرض کروں۔

فقط والسلام

زکریا۔ مظاہر العلوم

۲۲ شعبان ۶۶ھ

ایک خصوصی درخواست آپ سے یہ بھی ہے کہ ملتزم پر ایک مرتبہ یہ بھی اس ناپاک کے لئے مانگ دیجیے

من نگویم کہ طاعتم بپذیر قلم عفو برگنا ھم کش

کیا بعید ہے کہ گناہوں سے پاک صاف لوگوں کی زبان کسی ناپاک کی معافی کا ذریعہ بن جائے۔ اس میں کوئی تصنع نہیں ہے کہ اپنی ساری گندگی کے باوجود جس چیز پر بڑا فخر اور اس کی بڑی ڈھارس ہے، وہ صرف یہ ہے کہ بچپن سے اس وقت پیری تک اللہ کا بہت بڑا کرم یہ رہا کہ ہر دور کے اکابر اہل اللہ کی خصوصی شفقتیں انتہا سے زیادہ رہیں، اس پر جتنا بھی ناز ہو کم ہے، لیکن ساری خوشی ایکدم سناٹے سے بدل جاتی ہے، جب قیامت کے حکم وامتازوا الیوم ایھا المجرمون کا اعلان دل میں گذر جاتا ہے، کاش آپ سب مخلصوں، حسن ظن رکھنے والوں کے زور اس سال اس ناپاک کے اعمالنامہ سیاہ کو بھی دھو ڈالیں، تو آپ سب کا کس قدر احسان اس ناپاک پر ہو، ورنہ جب کل کو میری ناپاک حالت آپ کے سامنے ہوگی تو آپ کو اپنے اس تعلق پر بھی افسوس ہوگا، جو آپ نے اپنے اس مفصل گرامی نامہ میں تحریر فرمایا، جو بمبئی سے لکھا۔

فقط والسلام زکریا۔ مظاہر علوم ۲۶ ذی قعدہ ۶۵ھ

مدارس کی سرپرستی

حضرت نور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی مدرسہ کے ماحول میں گذری۔ ہمارے دینی مدارس کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی گئی تھی؟ اور ہمارے اکابر کا طرز عمل تعلیم و تدریس، طلبہ کی اصلاح و تربیت، مدرسہ کے انتظامی و مالی معاملات میں کیا تھا؟ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ان تمام امور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے قلب و روح میں ان کو پیوست کیا تھا۔ مدارس عربیہ کے بارے میں اکابر کے وضع کردہ اصول اور ان کا طرز عمل حضرت شیخ کا ذوق و مزاج بن گیا تھا۔ اور ان سے ذرا بھی انحراف حضرت اقدس کے قلب صافی کو بے چین کر دیتا تھا، دار العلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور مدرسہ شاہی مراد آباد کو حضرت شیخ اپنے اکابر کے لگائے ہوئے باغ فرمایا کرتے تھے، ہندو پاک کے باقی مدارس، جو اہل حق نے قائم کیئے وہ سب انہی کی شاخیں تھیں۔ اس لئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی عظمت و وجاہت اور قطبیت کبریٰ کی وجہ سے آپ کو اپنا مربی و سرپرست تصور کرتے تھے۔ اس لئے معروف مدارس میں کوئی مدرسہ مشکل سے ایسا ہوگا جس کے ارباب حل وعقد ضروری امور میں شفاعاً یا کتابۃً آپ سے مشورہ نہ کرتے ہوں اور بعض دفعہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ از خود اہل مدارس کو ضروری امور میں تنبیہ فرماتے تھے یہاں بطور نمونہ اس کی ایک مثال پیش کر دینا مناسب ہوگا۔

مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر حضرت حافظ محمد صالح خلیفہ مجاز قطب العالم گنگوہی قدس سرہ کا جاری کردہ مدرسہ تھا جس کے صدر مدرس مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب، تلمیذ حضرت شیخ الہند تھے۔ قیام پاکستان کے تین چار سال ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ کے نام سے اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ فاضل رشیدی اس کے ناظم اعلیٰ تھے، جامعہ کا ابتدائی دور تھا، ناظم صاحب نے کسی موقعہ پر مدرسہ میں مودودی صاحب اور امین احسن اصلاحی کو بھی بلالیا۔ اور مدرسہ کی روئیداد میں ان کی آمد کا ذکر بھی کر دیا حضرت مفتی صاحب اور ان کے فرزند اکبر کو اس کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی، حضرت شیخ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فاضل رشیدی صاحب کے نام ایک شکایتی گرامی نامہ تحریر فرمایا، کہ آپ لوگ تو ہمارے اکابر سے منسلک تھے، اب آپ نے اس قسم کے لوگوں سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، حضرت اقدس مفتی فقیر اللہ صاحب کو حضرت شیخ کے گرامی نامہ کی خبر ہوئی تو فوراً اپنے بڑے صاحبزادہ اور حضرت الاستاذ مولانا عبداللہ رائے پوری کو آواز دی، عبداللہ جلدی آ دیکھو حضرت شیخ نے کیا لکھا ہے، انہوں نے معذرت کی کہ اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ارے اب ہمارے بڑے تو حضرت شیخ ہی رہ گئے ہیں اگر یہ ناراض ہو گئے تو ہم کہاں کے رہیں گے فوراً حضرت کو خط لکھو اور معافی مانگ چنانچہ حضرت مولانا نے اسی وقت حضرت شیخ کے نام مندرجہ ذیل عریضہ لکھا۔

بخدمت سیدی و مولائی۔ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ بنام برادر عزیز مولوی حبیب اللہ ناظم مدرسہ پڑھا اور حضرت والد صاحب کو بھی سنایا۔ حضرت والد صاحب نے سنتے ہی فرمایا۔ کہ حضرت شیخ کو جلدی جواب لکھو امتثالا للامر یہ عریضہ لکھ رہا ہوں مدرسہ کی روئیداد مرتب کرتے وقت برادر عزیز نے ہم دونوں سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ صفحہ چھیالیس میں مودودی اور امین احسن کا نام شائع کرنے میں ہم نے سخت غلطی کی آپ حضرت کو یقیناً صدمہ ہوا ہو گا ہم معافی کے طلبگار ہیں۔

ہمارا رشتہ تو آپ حضرات سے ہی ہے۔ ہمارا اسلام ہمارا مسلک ہمارا اعتقاد تو واللہ العظیم تقلیدی ہے آپ حضرات کے مسلک سے الگ ہو کر ہمارا کہاں ٹھکانا ہوگا ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ہماری کوتاہیوں پر ہم کو متنبہ فرماتے رہیں گے۔

اس کے علاوہ بہت سے مدارس حضرت شیخ کے خلیفہ و متوسلین کے قائم کردہ تھے، حضرت شیخ باضابطہ طور پر بھی ان مدارس کے سرپرست اعلیٰ تھے آپ اس بارے میں بار بار ان کو ہدایت دیتے اور قیمتی مشوروں سے نوازتے تھے اگر وہ تمام مکاتیب فراہم کر لیئے جائیں جن میں آپ نے اہل مدارس کی رہنمائی فرمائی ہے تو ایک ضخیم اور نادر دستاویز مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں اس امر کا اظہار بطور خاص ضروری ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ دینی مدارس میں ذکر کے حلقے قائم کرنے کی بہت ہی تاکید فرماتے تھے۔ حضرت کے نزدیک فتنوں کا جو سیلاب مدارس کی دیواروں سے ٹکرا رہا ہے اور بعض اوقات اس کا ریلا مدارس کے اندر بھی گھس آتا ہے۔ اس کا تدارک و تریاق، دینی مدارس

میں ذکر کے حلقے قائم کرتا ہے اس سلسلہ میں آپ بیتی نمبر۲ میں ان گرامی ناموں کا مطالعہ بصیرت افروز ہوگا جو اس سلسلہ میں تحریر فرمائے گئے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی سرپرستی:

دعوت تبلیغ کا مبارک کام جو مجدد تبلیغ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس قدس سرہ نے خاص اصولوں پر شروع کیا اور جس نے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ روز اول سے اس کے سرپرست مشیر خاص اور مرشد عام رہے، حضرت آپ بیتی میں فرماتے ہیں۔

ان کے یہاں تبلیغی سلسلہ میں بھی جب کوئی بات پیش آتی ہے تو بے تکلف فرما دیتے کہ شیخ صاحب کے یہاں جب تک پیش نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں کر سکتا، میرے دہلی کے ہر سفر میں کئی کئی مسئلے ایسے ہوا کرتے تھے جن کے متعلق سنتا تھا کہ وہ میرے مشورے اور منظوری پر رکے ہوئے ہیں۔ (آپ بیتی نمبر ۲ صفحہ ۱۶۸)

حضرت دہلوی اس حقیقت سے آشنا تھے کہ دعوت و تبلیغ کا یہ کام کار محنت ہے اور اس بارگراں کو اٹھانے کے لئے ظاہری و مادی وسائل سے بڑھ کر اکابر اولیاء اللہ کی دعا اور ہمت و توجہ کی دولت درکار ہے اور جب تک ان سے قلبی رابطہ پیدا کر کے ان سے روحانیت کا انجذاب نہ کیا جائے اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے حضرت شیخ کے نام ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

میرے عزیز! اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر خط لکھتا ہوں۔
میرے عزیز! اس پر شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے۔ نیز تمہاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندہ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشیں۔

اللہ کو منظور ہوا اور جب کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو انشاء اللہ تمہاری یہ تصانیف اور فیوض ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ میری ان میں دعا سے مدد کیجیو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ (حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت)

ایک اور گرامی نامے میں شیخ کو لکھتے ہیں۔

مجھے آپ اور حافظ (عبداللطیف) صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا ہے۔ کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی اہمیت آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے باقی سب آپ کے قلوب کی کٹھ پتلی ہیں (محبوب العارفین صفحہ ۹۸)

بہر حال خورد ہونے کے باوجود حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ حضرت دہلوی قدس سرہ کے مشیر اور تبلیغ کے سرپرست تھے واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی جو عظمت و بزرگی اور جو قدر و قیمت حضرت دہلوی کے قلب مبارک میں تھی وہ بہت سے مریدان با اخلاص کے دلوں میں بھی نہیں ہو گی کیونکہ عظمت بقدر معرفت ہوا کرتی ہے۔

حضرت دہلوی کے وصال کے بعد حضرت اقدس مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے دور میں حضرت شیخ پر تبلیغ کی سرپرستی کا بار دوچند ہو گیا تھا۔ خود حضرت جی (مولانا محمد یوسف صاحب کو حضرت شیخ سے والہانہ محبت تھی اور وہ چاہتے تھے کہ حضرت شیخ ان کی ہمہ وقت نگرانی و سرپرستی فرمائیں حضرت شیخ نے اس دور ثانی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ساتھ ایسی شفقت و محبت کا معاملہ فرمایا کہ باید و شاید، ان کی دلداری و ہمت افزائی کی خاطر اپنی علمی مصروفیات کو قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں فرمایا۔ الغرض حضرت دہلوی کے زمانہ میں اپنی خوردی کے باوجود حضرت شیخ تبلیغ کے سرپرست تھے اور دور ثانی میں بزرگ کی حیثیت سے تبلیغ اور اہل تبلیغ کے مرشد و مربی اور سرپرست اعلیٰ رہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہم العالی کا دور شروع ہوا اس دور میں بھی حضرت شیخ نے

تبلیغ کی سرپرستی کا حق ادا فرمایا۔ جس کا ایک نمونہ وہ واقعہ ہے جسے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے تحریر فرمایا۔ مولانا لکھتے ہیں۔

وہ اس صابت رائے کا نمونہ تھے کہ مولانا محمد یوسف کے انتقال پر باوجود ایک حلقہ کی خواہش و تقاضا اور جذباتی تعلق کے اپنے لخت جگر عزیز مولوی ہارون کو اپنے والد (جن سے اہل میوات کو جذباتی تعلق تھا) زمانہ کی نزاکتوں اور وقت کے فتنوں کے پیش نظر مولانا انعام الحسن صاحب کو جانشین بنایا جو مولانا محمد یوسف صاحب کے شروع کے شریک کار، دست راست اور مشیر و معاون تھے اور جو اپنے فہم، تجربہ، علم و ہنر کی وجہ سے جماعت اور کام کی صحیح رہنمائی کر سکتے تھے۔ شیخ کے اس انتخاب اور فیصلہ پر ایک حلقہ نے احتجاج بھی کیا اور بعض عمائد دہلی نے شیخؒ کی اس رائے کو تبدیل کرنے کی کوشش کی لیکن شیخؒ اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور بعد کے تجربوں نے اور دعوت کی موجودہ ترقی، قبولیت اور عالمگیر وسعت نے ثابت کر دیا کہ یہ فیصلہ و انتخاب صحیح و حق بجانب تھا۔ (سوانح حضرت شیخ ص ۱۲۲)

الغرض حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اس تبلیغی کام کی ابتداء سے لے کر ہمیشہ اس کے پشت پناہ اور سرپرست اور مدبر رہے۔ تبلیغ کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا تو حضرت شیخؒ اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے کسی نے کوئی علمی اشکال پیش کیا تو حضرت شیخؒ نے اس کے جواب میں قلم اٹھایا۔ اکابر تبلیغ کی تربیت فرمائی اور ان کو ترغیب دیکر اس مبارک کام میں لگایا۔ چنانچہ آج تبلیغ کے اکابر اور ذمہ دار حضرات سب حضرت ہی کے ساختہ پر داختہ ہیں۔ تبلیغ کی علمی و اصلاحی غذا حضرت شیخ کے رسائل و فضائل سے مہیا ہو رہی ہے اس لئے یہ تبلیغ کا مبارک کام۔ حضرت دہلویؒ۔ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ اور دیگر اکابر تبلیغ کے ساتھ حضرت شیخؒ کے لئے بھی صدقہ جاریہ ہے۔ انشاء اللہ تبلیغ کی تمام تر نقل و حرکت۔ ذکر و تسبیح، تلاوت و نوافل کا اجر و ثواب حضرت شیخؒ کے نامہ عمل میں بھی لکھا جارہا ہے۔

تصنیف و تالیف:

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے تالیفی کام کا کچھ تذکرہ ہو جائے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی تمام تالیفات کا تعارف تو ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے یہاں بیان کرنے کی گنجائش بھی نہیں تاہم مناسب ہوگا کہ حضرت شیخؒ کے تالیفی کام کے سلسلہ میں چند نکات ذکر کر دیئے جائیں۔

تالیفی سفر کی ابتداء و انتہا

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا تالیفی سفر جو زمانہ طالب علمی سن ۲۹ھ سے شروع ہوا تھا۔ بغیر کسی وقفہ کے قبیل وفات تک مسلسل جاری رہا۔ آخری سالوں میں ڈاک کی غیر معمولی کثرت، واردین و صادرین کے شبانہ روز ہجوم، گوناگوں امراض کی شدت اور ضعف و نقاہت کے غلبہ کے باوجود آپ کا تالیفی کام جاری رہتا۔ اور کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ زیر تالیف رہتا۔ یہاں تک کہ آپ یکم شعبان سن ۱۴۰۲ھ بمطابق ۲۴ مئی سن ۱۹۸۲ء کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے اور قلم کے ۸۷ سالہ مسافر نے دم لیا۔

تحریر و املاء

جب تک صحت و قوت تھی آپ کسی کی اعانت و مدد کے بغیر، ماخذ و مصادر سے مضامین کی تفتیش خود فرماتے اور ترتیب و تسوید بھی خود اپنے دست مبارک سے فرماتے تھے لیکن جب سے آنکھ میں نزول آب کی وجہ سے خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تو آپ نے تصنیف و تالیف کے لئے املائی طریقہ کو اپنایا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں۔

آنکھ میں نزول آب کا سلسلہ دسمبر سن ۱۹۳۰ء سے شروع ہوا تھا مشغولیت اور آنکھ کے پختہ نہ ہونے کی وجہ سے آپریشن کا معاملہ ٹلتا رہا۔ ۸ مارچ سن ۱۹۷۰ء، ذی الحجہ سن ۱۳۸۹ھ کو علی گڑھ کے مخلصین جن میں حاجی عظیم اللہ صاحب و حاجی نصیر الدین صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور احباب و خدام کے اصرار پر پہلی مرتبہ علی گڑھ کے مشہور آنکھ کے اسپتال گاندھی آئی ہسپتال میں داخل ہوئے ۱۲ مارچ سن ۱۹۷۰ء کو دائیں آنکھ کا آپریشن ہسپتال کے مشہور سرجن اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر امراض چشم ڈاکٹر شکلا نے کامیاب طریقہ پر کیا۔

شیخ بغیر علمی مشغولیت اور افادہ و ارشاد کے رہ نہیں سکتے۔ پڑھنے لکھنے کا کوئی سوال نہ تھا جب بولنے کی اجازت ہوئی تو اپنی زندگی کے سبق آموز حالات، اپنے اساتذہ و مشائخ کے کمالات اور طرز زندگی، اخلاص و ایثار کے واقعات خدام کو سنانے جس کو قلم بند کرنے کا سلسلہ انہوں نے شروع کر دیا۔ اس سے آپ بیتی کا وہ مفید سلسلہ شروع ہوا جو بالآخر سات حصوں میں مکمل ہوا اور جو دور ماضی کی ایک بولتی ہوئی تصویر اور جیتا جاگتا مرقع بن گیا، جو علماء و اساتذہ مدارس اور تازہ واردان بساط علم کے لئے خاص طور پر چشم کشا اور بصیرت افروز ہے۔

(سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ علیہ صفحہ ۱۰۵، ۱۰۶)

آخری دور میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مخصوص تلامذہ آپ کی نگرانی میں علمی مضامین کی تفتیش و تدوین کرتے اور حضرت شیخ یومیہ ان کے مسودہ کی سماعت فرما کر ضروری اصلاحات فرماتے، الابواب والتراجم للبخاری " (چھ جلد)

اور جزء حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ کی تکمیل اسی طرح ہوئی۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی الحل المفہم لصحیح مسلم " ہے۔

سفر و حضر میں تالیف

حضرت شیخ کے ہاں تالیف کا سلسلہ سفر و حضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ ابتدائی دور میں خصائل نبوی ﷺ شرح شمائل ترمذی خاص تالیف ہے بذل المجہود کی طباعت کے سلسلہ میں آپ کو بار بار دہلی جانا ہوتا تھا۔ دو تین دن دہلی میں قیام رہتا۔ اور بذل کی تصحیح سے جو فرصت کے لمحات میسر آتے۔ شیخ ان کو شمائل ترمذی کی شرح پر صرف کرتے۔ دو تین دن کے بعد واپسی ہوتی تو اوراق حاجی محمد عثمان صاحب کے پاس دریبہ کلاں میں چھوڑ آتے۔ اسی طرح یہ پوری کتاب سفر میں لکھی گئی۔ سن ۴۴ھ میں اس کی تالیف شروع ہوئی اور جمادی الاخریٰ سن ۴۴ھ شب جمعہ میں پوری ہوئی (آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۱۲۱)

تالیفی انہماک

حضرت شیخ کے تالیفی انہماک کا نقشہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے بہت ہی خوبصورتی سے کھینچا ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔

" شیخ کی زندگی اپنے علمی انہماک، خدمت خلق، یکسوئی اور شدید مصروفیت کے اعتبار سے اس بیسویں صدی میں ان علمائے سلف کی زندہ یادگار تھی جن کا ایک ایک لمحہ عبادت و خدمت اور علم کی نشر و اشاعت کے لئے وقف تھا اور جن کے کارنامے سامنے آتے ہی آدمی تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے اور ان کی روحانیت اور تائید الٰہی کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

فجر کی نماز کے کچھ دیر بعد کچے گھر میں تشریف لے آتے اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ چائے نوش فرماتے۔ جن کی تعداد پچاس، ساٹھ سے شاید کبھی کم ہوتی ہو۔ بعض دنوں میں اس سے بہت بڑھ جاتی، کچھ لوگوں کے لئے ناشتہ کا بھی انتظام ہوتا۔ لیکن اس وقت شیخ کا معمول صرف چائے پینے کا تھا اگر کوئی ایسا عزیز اور اہم مہمان ہوتا یا تھوڑے وقت کے لئے سہارنپور آیا ہوتا یا اس سے کوئی ضروری باتیں کرنی ہوتیں تو تخلیہ کر لیا جاتا، اور کچھ دیر وہیں تشریف رکھتے، پھر بالاخانہ پر اپنے علمی و تصنیفی معمولات پورا کرنے کے لئے تشریف لے جاتے، جاڑے، گرمی، برسات حوادث، تحریکات اور کسی بڑے سے بڑے معزز مہمان کی آمد کے موقعہ پر بھی اس میں فرق واقع نہ ہوتا۔ بعض مرتبہ فرمایا کہ حضرت رائے پوری، یا ایسے اکابر و مشائخ کی تشریف آوری کے موقع پر میں نے احتراماً اپنا معمول ترک کر دینا چاہا تو سر میں درد ہو گیا۔ اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لئے گیا اور تھوڑا سا کام کر کے واپس آ گیا، اکثر یہ حضرات خود ہی باصرار شیخ کو رخصت فرما دیتے، اور حرج گوارہ نہ فرماتے، اوپر کی نشست گاہ دیدنی تھی نہ کہ شنیدنی، ایک چھوٹا سا کمرہ جس میں کتابوں کا اس طرح ذخیرہ تھا گویا در و دیوار اسی کے ہیں، ان کتابوں کے درمیان " پناہ " لیتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی پرندہ جو دن بھر غیر جنس میں رہا ہے۔ ابھی اپنے آشیانہ میں واپس آ گیا ہے اس وقت اس کا وہی حال ہوتا جس کی تصویر خواجہ میر درد نے اس شعر میں کھینچی ہے۔

جانیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

اگر کسی کو اس وقت کوئی ضروری بات کہنے کے لئے یا کسی عزیز مہمان کو ملنے کے لئے جانا پڑتا تو اس کو بمشکل بیٹھنے کی جگہ ملتی، چاروں

طرف کتابوں کا ڈھیر، ایک آدھ چٹائی یا چٹائی کا فرش، کچھ پرانی شیشیاں اور دواؤں کی بوتلیں، گرد جس میں معلوم نہیں کتنے علم کے جواہر اور اخلاص کی تب و تاب ہوتی ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے تک شیخ پوری یکسوئی کے ساتھ وہاں کام کرتے رہتے۔ اور ان کا جی چاہتا کہ سوائے نہایت ضروری اور فوری کاموں کے خلل واقع نہ ہو، ان اوقات میں اپنے خاص مہمانوں اور ذکر و شغل کرنے والے عزیزوں کو اجازت ہوتی کہ صحن میں بیٹھ کر ذکر جہر کرتے رہیں وہ کام میں مشغول رہیں۔ اس سے شیخ کی یکسوئی میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا۔ (سوانح حضرت شیخ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

خوارق تالیف

حضرت شیخ کی بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی تالیف کو کرامت اور خرق عادت ہی پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس کی ایک مثال رسالہ حجۃ الوداع ہے۔ جس کی تالیف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں ہوئی شوال سن ۱۳۴۱ھ حضرت شیخ کو مشکوٰۃ شریف کا پہلی بار سبق ملا۔ کتاب الحج پر پہنچے تو آنحضرت ﷺ کے واقعہ حجۃ الوداع میں معرکۃ الاراء حدیثی و فقہی مباحث کے پیش نظر اس رسالہ کی تالیف کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ ۲۲ ربیع الاول شب جمعہ کو ۱۲ بجے اس کی تالیف شروع کی اور شنبہ کی صبح کو اس کی تکمیل ہو گئی۔

حواشی کا اضافہ اگرچہ بعد میں ہوتا رہا۔ لیکن رسالے کا اصل متن اسی وقت تیار کر لیا گیا تھا۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

اب تو مشائخ اکابر دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ ایک دن ڈیڑھ رات میں تو اس کی نقل بھی مشکل ہے۔ یہ رسالہ مسودہ کی شکل میں تھا اور بہت سے اکابر نے اس کی نقلیں بھی حاصل کیں لیکن طباعت کی نوبت نہ آئی، شعبان ۸۹ھ میں حضرت شیخ کو یکایک اس کی طباعت کا خیال ہوا، آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے حضرت شیخ لکھنے پڑھنے سے معذور تھے۔ اس لئے مولانا محمد عاقل اور مولانا محمد سلمان سے اس کی تبییض کروائی۔ اور بین السطور اور حواشی میں جن احادیث و عبارات کی طرف اشارات تھے۔ ان کو نقل کر دیا۔ ۲۶ ربیع الثانی ۹۰ھ پنج شنبہ کو اس کی تبییض مکمل ہوئی۔ بعد میں ایک خواب کی بنا پر اس کے ساتھ رسالہ عمرات النبی ﷺ املا کروایا۔ جس کی ابتداء ۱۷ جمادی الاولیٰ سن ۹۰ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔ اور ۱۵ رجب ۹۰ھ یوم جمعہ کو اسکی تکمیل ہوئی۔ شعبان ۹۰ھ میں ان کی لیتھو طباعت ہوئی، اسی کے ساتھ ٹائپ پر اس کی طباعت ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مولانا سید ابوالحسن ندوی کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ ہوئی۔ (آپ بیتی نمبر ۱۲ ص ۲۷)

راقم الحروف کو اس کے اردو ترجمہ کی سعادت نصیب ہوئی جو ربیع الآخر سن ۱۳۹۹ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے مقدمہ کے ساتھ کراچی میں شائع ہوا۔

خارق عادت تالیف کی دوسری مثال، حکایات صحابہ ہے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی طرف سے حضرت شیخ پر کئی سال سے اصرار ہو رہا تھا کہ ایک رسالہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے حالات پر تحریر فرما دیا جائے مگر ہجوم مشاغل کی بنا پر حضرت شیخ کو اس کی فرصت نہیں تھی۔ صفر سن ۵۷ھ میں اجراڑے جاتے ہوئے میرٹھ میں حضرت شیخؒ پر نکسیر کا شدید حملہ ہوا، کٹوروں خون نکل گیا اور بے ہوشی کے عالم میں آپ کو سہارنپور لایا گیا۔ کافی عرصہ صاحب فراش رہے اور اطباء نے دماغی کام یکسر بند کر دیا لیکن حضرت شیخ اور بے کاری؟ مذاں لا یجتمعان۔ چنانچہ بیماری کے اس زمانے کو غنیمت سمجھ کر پڑے پڑے حکایات صحابہ لکھنا شروع کر دی، جو ۱۲ شوال سن ۵۷ھ کو پوری ہوئی۔

محرکات تالیف

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی تالیفات میں فضائل کے رسائل تو اکابر اہل اللہ کے اصرار پر لکھے گئے چنانچہ فضائل قرآن مجید اور فضائل درود شریف حضرت مولانا شاہ محمد لیسین صاحب نگینوی کے تعمیل ارشاد میں لکھی گئیں، فضائل تبلیغ، فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل ذکر، حکایات صحابہ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے اصرار پر لکھی۔ اور فضائل حج حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی کے اصرار پر تحریر فرمائی۔ شروح حدیث کے سلسلہ کی کتابوں میں شیخ کا ذوق اشتغال بحدیث سب سے قوی محرک تھا۔ اور کتابوں کے انتخاب میں اکابر مشائخ کا

اصرار وجہ ترجیح بنتا رہا۔ چنانچہ اوجز المسالک کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے اصرار پر لکھی گئی۔ کوکب دری اور لامع الدراری کے حواشی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے اصرار پر تحریر فرمائے۔

بعض کتابیں ہنگامی ضرورتوں کی بنا پر تحریر فرمائیں مثلاً الاعتدال فی مراتب الرجال، قرآن عظیم اور جبری تعلیم رسالہ اسٹرائک وغیرہ۔ اور بعض منامی بشرات کی بناء پر تحریر فرمائے۔ مثلاً رسالہ فضائل زبان عربی۔ رسالہ عمرات النبی ﷺ

جامعیت تالیف

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں۔

عام طور پر جو لوگ علمی اور تحقیقی طرز کے عادی ہوتے ہیں وہ خالص دعوتی و اصلاحی اور عام فہم طرز پر تصنیف و تالیف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اور جو دوسرے طرز کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ پہلے طرز میں اس کے آداب و معیار کو قائم نہیں رکھ سکتے لیکن شیخ کی دونوں طرز کی تصنیف موثر اور کامیاب ہیں پہلے طرز کا نمونہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اوجز المسالک "مقدمہ لامع الدراری، حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ اور علمی و تحقیقی رسائل جزء اختلافات الصلوٰۃ جزء اختلاف الائمہ اور جزء المبہمات فی الاسانید والروایات ہیں۔ دوسرے طرز کا نمونہ حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فضائل کے رسائل اور کتابیں ہیں اور ان دونوں طرزوں کی جامع شمائل ترمذی کا ترجمہ شرح خصائل نبوی ﷺ اس طرح شیخ بیک وقت مصنف و محقق بھی نظر آتے، شارح حدیث و مؤرخ بھی معلوم ہوتے ہیں اور خالص داعی، مذکر اور مختلف طبقات امت کے ان کی زبان میں مخاطب کرنے والے مصلح بھی نظر آتے ہیں۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (سوانح شیخ الحدیث صفحہ ۲۵۳)

حضرت شیخ کی جامعیت تالیف کا ایک پہلو یہ ہے کہ علو حدیث کے علاوہ (جن میں آپ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ اور جو آپ کے ذوق و مزاج بلکہ روح کی گویا غذا بن گئے تھے) آپ نے دیگر متعدد علوم پر بھی کتابیں تالیف فرمائی ہیں مثلاً تجوید و قرات، تفسیر، کلام و عقائد، اصول فقہ، سلوک و طریقت، سیرت، سوانح تاریخ وغیرہ۔

اور جامعیت تالیف ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ حضرت شیخ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حتی الوسع اس کے سارے پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں اور بحث کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہتا جس پر وہ مختصر یا مطول بحث نہ فرمائیں اوجز المسالک اور لامع الدراری میں حضرت کی یہ جامعیت بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے۔ یہاں ایک لطیفہ کا ذکر کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ ہمارے استاد حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری (جامع رشیدیہ ساہیوال) فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار حضرت شیخ سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے "اوجز" میں اتنے تو مباحث بھر دیئے اور نام اس کا اوجز رکھا، اس کا نام تو اطول المسالک ہونا چاہئے تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا جتنا کثیر مواد میرے سامنے تھا اس کے پیش نظر اس کا نام اوجز رکھا واقعہ یہ ہے کہ اوجز میں کمال اختصار کے ساتھ مباحث کا جس قدر استیعاب کیا گیا ہے اس کی مثالیں بہت کم یاب ہیں۔

مقبولیت تالیف

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی روحانیت و اخلاص اور اکابر و مشائخ کی توجہات کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی تالیفات کو جو قبولیت عطا فرمائی وہ کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں۔ آپ کے فضائل کے رسائل جو تبلیغی نصاب کے نام سے معروف ہیں دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان سے استفادہ نہ کیا جاتا ہو، بعض حضرات کے اندازے کے مطابق دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گذرتا جس میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں کتب فضائل کا مذاکرہ نہ ہو رہا ہو۔ بلا مبالغہ لاکھوں بندگان خدا اس سے مستفید ہوئے اور ان کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور یہ سلسلہ ماشاء اللہ روز افزوں ہے۔ کثرت اشاعت کے لحاظ سے بھی اردو کتابوں میں کوئی کتاب کتب فضائل کی ہمسر نہیں مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ہمیں سرسری جائزہ اور چند روز میں حاصل کی ہوئی مختصر سی معلومات کے بعد اب تک ہندوپاک کے تیس اوارے ایسے معلوم ہوئے ہیں جنہوں نے فضائل کی یہ کتابیں کئی کئی بار طبع کرائیں اور کتنی ہی ہزار طبع کرائیں۔ صرف ادارہ اشاعت دینیات۔ دہلی نے سن ۱۹۶۰ء سے سن ۱۹۸۳ء

تک چودہ سالہ عرصہ میں اس کے چوبیس ایڈیشن نکالے جن کی مجموعی تعداد بیاسی ہزار پانچ سو (۸۲۵۰۰) ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ اعداد ان کے یہاں صرف عکسی ایڈیشن کے ہیں۔ سن ۱۹۶۰ء سے قبل ایک عرصہ تک جو لیتھو پر طبع ہوتا رہا۔ وہ اس شمار سے باہر ہے۔ (مقدمہ کتب فضائل اشکالات اور ان کے جوابات ص ۴۶)

واضح رہے کہ یہ تحریر آج سے دس سال قبل (فروری سن ۷۵ء کی ہے جب صرف ایک اشاعتی ادارے کی چودہ سالہ تعداد اشاعت ساڑھے بیاسی ہزار ہے تو آج تک کے تمام اشاعتی اداروں کی مجموعی تعداد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اور پھر اسی کے ساتھ چودہ پندرہ زبانوں میں ان کے تراجم کی اشاعت اس پر مستزاد ہے۔

مولانا موصوف نے اس مقدمہ میں کتب فضائل کے تراجم کا بھی جائزہ لیا ہے۔ اور ہر زبان کے مترجم اور ترجمہ کے محل اشاعت کا بھی تذکرہ کیا ہے اور علماء مظاہر علوم سہارنپور میں موصوف نے تراجم کا حسب ذیل اجمالی تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ **فضائل قرآن**: گیارہ زبانوں میں، برمی، انگریزی، عربی، بنگلہ ملیالم، ٹامل، فارسی، گجراتی، تلگو، پشتو، ہندی۔

۲۔ **فضائل رمضان**: بارہ زبانوں میں، برمی، انگریزی، مدراسی، بنگلہ، تلگو، ملیالم، ٹامل، گجراتی، ہندی، فارسی، فرانسیسی، پشتو۔

۳۔ **فضائل تبلیغ**: پندرہ زبانوں میں۔ عربی، برمی، انگریزی، ہندی، مدراسی، ملیالم، پشتو، گجراتی، ملیشیائی، بنگلہ، فارسی، تلگو، سہالی (افریقی) فرانسیسی۔

۴۔ **حکایات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم**: پندرہ زبانوں میں برمی، انگریزی، مدراسی، ملیالم، ٹامل، گجراتی، بنگلہ، فارسی، جاپانی، مرہٹی، تلگو، پشتو، فرانسیسی، ملیشیائی۔

۵۔ **فضائل نماز**: پندرہ زبانوں میں۔ عربی، برمی، انگریزی، مدراسی بنگالی، تلگو، ملیالم، ٹامل، فرانسیسی، گجراتی، فارسی۔ ملیشیائی، سہالی، (افریقی) پشتو۔

۶۔ **فضائل ذکر**: دس زبانوں میں۔ برمی، مدراسی، بنگلہ، ملیالم ٹامل، فارسی، پشتو، ملیشیائی، ہندی، انگریزی

۷۔ **فضائل حج**: چھ زبانوں میں۔ برمی، گجراتی، ٹامل، ہندی، انگریزی فرانسیسی۔

۸۔ **فضائل صدقات**: سات زبانوں میں۔ برمی، مدراسی، ملیالم، گجراتی، انگریزی، ٹامل، ہندی۔

۹۔ **فضائل درود شریف**: سات زبانوں میں۔ گجراتی، تلگو، فارسی، انگریزی، ملیشیائی، پشتو، ہندی۔

طرز تالیف

شیخ نور اللہ مرقدہ کا طرز نگارش نہایت سادہ اور سلیس ہے جس میں کسی جگہ بھی عبارت کا تکلف نظر نہیں آتا۔ اردو رسائل میں مشکل سے مشکل مضمون کو بھی بڑی صاف اور بے تکلف زبان میں ادا فرماتے ہیں جس کو ایک متوسط درجے کا پڑھا لکھا بھی بلا تکلف سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح عربی کتابوں میں بھی آپ کا انداز بیان ہر قسم کی بناوٹ اور تصنع سے پاک ہے جس سے متوسط استعداد کے طالب علم کو بھی مضامین کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

اپنی کتابوں پر نظر ثانی کرانے کا معمول

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ بڑے اہتمام سے اکابر اہل علم سے اپنی تالیفات پر نظر ثانی کرواتے تھے اور ان کے مشوروں کو قبول فرماتے تھے۔

حضرت شیخ نے اپنے اس معمول کا ذکر بہت سی جگہ فرمایا ہے۔ آپ بیتی میں فرماتے ہیں۔

"اس ناکارہ کا معمول اپنی جملہ تصانیف عربی اور اردو میں بھی ہمیشہ یہی رہا کہ ان دونوں اکابر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری اور مولانا قاری مفتی سعید احمد صاحب سابق مفتی مظاہر علوم سہارنپوری کی زندگی میں تو بڑے اہتمام سے دونوں کو ہر چیز دکھلاتا تھا اور وہ دونوں حضرات بڑی فراخدلی سے میرے مسودوں کے ملطے کے ملطے قلم زد کر دیتے تھے۔ میں قرآن و حدیث سے دلائل بھی پیش کرتا مگر ان کا آخری

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

حدیث میں ہے من لا یرحم لا یرحم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے: اس لئے ان کو اس شخص پر تو رحم آتا ہے جو بھوکا، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا، گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے۔ لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں" فرمایا "ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے، اس لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر مبلغ اس لئے تبلیغ کر رہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دے گا۔ لیکن اگر یہ منشاء نہیں کچھ اور منشاء ہے تو پھر تکبر و عجب میں مبتلا ہوگا جس سے نفع کی امید نہیں، نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا اس میں خلوص بھی ہوگا؛ اس کی نظر اپنے عیوب پر بھی ہوگی اور دوسروں کے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی اور دوسروں کی عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی۔ تو یہ شخص اپنے نفس کا حامی نہ ہوگا بلکہ شاکی ہوگا، اور اس تبلیغ کا گر یہی ہے کہ حمایت نفس سے الگ ہو کر شکایت نفس کا سبق ہمیشہ پیش نظر رہے۔

جواب یہ ہوتا تھا کہ مضمون تو صحیح ہے مگر عوام کے قابل نہیں، فقہاء کے قول ھذا مما یعلم ولا یفتی کی آڑ لے کر قلم زد کر دیتے تھے۔ اب تو نہ وہ جوش و خروش رہے اور نہ لکھنے پڑھنے کا سلسلہ رہا۔ پھر بھی جو تھوڑا بہت ہوتا ہے وہ احباب کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔

حقوق اشاعت

دور جدید میں حقوق طبع محفوظ کرنے کا مستقل قانون ہے جس کی رو سے کوئی شخص مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب شائع نہیں کر سکتا۔ بڑے بڑے ثقہ لوگ اس قانون سے متاثر ہیں اور ناشرین سے کتابوں کی رائلٹی وصول کرتے ہیں لیکن ہمارے اکابر کے یہاں حقوق طبع محفوظ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ اخباروں میں ایک اعلان شائع کر دیا جس کا مضمون یہ تھا۔

"بندہ ناکارہ نے جو رسائل تالیف کیئے ہیں حکایات صحابہ، فضائل نماز وغیرہ نیز جو بھی اس ناکارہ کی تالیف ہے۔ اردو کی ہو یا عربی کی، نہ تو اس کا حق تالیف، کسی کے لئے محفوظ ہے۔ نہ کسی کو ان کی رجسٹری کرنے کا حق ہے۔

بندہ کی طرف سے ہر شخص کو اجازت ہے۔ جس کا دل چاہے طبع کرا لے، بشرطیکہ مضامین میں تصرف نہ کرے۔ البتہ یہ درخواست ضرور ہے کہ تصحیح کا حتی الوسع اہتمام کرے"

محمد زکریا کاندھلوی

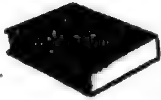
مظاہر علوم سہارنپور ۲۸ رجب سن ۱۳۹۰ھ

جس زمانے میں مصر میں بذل المجہود کی طباعت ہو رہی تھی اور اس کی تصحیح وغیرہ کے سلسلے میں ہزاروں روپے خرچ کرنے کے انتظامات کیئے جا رہے تھے تو حضرت مولانا شیخ سلیم صاحب سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اتنا پیسہ خرچ کر کے اتنے اہتمام سے کتاب طبع کرا رہے ہیں اور اس کی رجسٹری کروائی نہیں۔ اگر اس کا کوئی فوٹو لے کر چھاپ لے گا تو کتاب کی چوتھائی قیمت پر بک سکے گا اور آپ کی کتاب رہ جائے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو فوٹو کروانے کی اجرت تو میں خود پیش کر دوں گا اور بعد میں یہ کتاب میری بھی بک جائے گی۔

فہرست تصانیف حضرت شیخ

ذیل میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی جو تالیفات ہمارے علم میں آئی ہیں ان کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے درج کی جاتی ہے۔

۱۔ اللاواب والتراجم للبخاری ۲۔ الاعتدال فی مراتب الرجال ۳۔ آپ بیتی (۷ حصوں میں) ۴۔ اختلاف الائمہ ۵۔ اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ ۶۔ اضافہ بر اشکال اقلیدس ۷۔ اکابر علمائے دیو بند ۸۔ اکابر کا رمضان ۹۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک ۱۰۔ تاریخ مشائخ چشت ۱۱۔ تاریخ مظاہر علوم ۱۲۔ تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۱۳۔ تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن ۱۴۔ تقریر بخاری شریف ۱۵۔ تقریر نسائی شریف ۱۶۔ تقریر مشکوٰۃ شریف ۱۷۔ تلخیص البذل ۱۸۔ تلخیص المؤلفات والمؤلفین ۱۹۔ تین مکتوبات مع اضافات ۲۰۔ جامع اختلافات الصلوٰۃ ۲۱۔ جزء اختلافات الصلوٰۃ ۲۲۔ جزء الاعمال بالنیات ۲۳۔ جزء افضل الاعمال ۲۴۔ جزء امرء المدینہ ۲۵۔ جزء انکحۃ النبی ﷺ ۲۶۔ جزء الجہاد ۲۷۔ جزء حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ ۲۸۔ جزء رفع الیدین ۲۹۔ جزء روایات الاستحاضہ ۳۰۔ جزء صلوٰۃ الاستسقاء ۳۱۔ جزء صلوٰۃ الخوف ۳۲۔ جزء صلوٰۃ الکسوف ۳۳۔ جزء طرق المدینہ ۳۴۔ جزء المساط ۳۵۔ جزء المبہمات فی الاسانید والروایات ۳۶۔ جزء المعراج ۳۷۔ جزء مکفرات الذنوب ۳۸۔ جزء ملتقط المرقات ۳۹۔ جزء وفات النبی ﷺ ۴۰۔ جزء اولیات القیامہ ۴۱۔ جزء تخریج حدیث عائشہ فی بریرہ ۴۲۔ حکایات صحابہ ۴۳۔ حواشی الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ ۴۴۔ حواشی اصول الشاشی ۴۵۔ حواشی بذل المجہود ۴۶۔ حواشی کلام پاک ۴۷۔ حواشی مسلسلات ۴۸۔ حواشی ہدایہ ۴۹۔ خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۵۰۔ داڑھی کا وجوب ۵۱۔ رسالہ التقدیر ۵۲۔ رسالہ اسٹرائک ۵۳۔ رسالہ دراحوال قراسبعہ (البدور السبعہ مع نجومہم الاربعۃ العشر) ۵۴۔ رسالہ فرائد حسینی ۵۵۔ رسالہ مجددین ملت ۵۶۔ رسالہ معمولات برائے طالبین ۵۷۔ رسالہ نسبت و اجازت ۵۸۔ رسالہ نصائح حج و مکتوب گرامی ۵۹۔ سیرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۶۰۔ شذرات الحدیث ۶۱۔ شرح الفیہ ۶۲۔ شرح جزری ۶۳۔ شرح سلم العلوم ۶۴۔ ضمیمہ خوان خلیل ۶۵۔ فتنہ مودودیت ۶۶۔ فضائل تبلیغ ۶۷۔ فضائل تجارت ۶۸۔ فضائل حج ۶۹۔ فضائل درود شریف ۷۰۔ فضائل ذکر ۷۱۔ فضائل صحابہؓ ۷۲۔ فضائل صدقات ۷۳۔ فضائل عربی زبان ۷۴۔ فضائل قرآن ۷۵۔ فضائل نماز ۷۶۔ قرآن عظیم اور جدید تعلیم ۷۷۔ کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ۷۸۔ الکوکب الدری علی جامع الترمذی ۷۹۔ لامع الدراری علی صحیح البخاری ۸۰۔ المؤلفون والمؤلفات ۸۱۔ مختصات المشکوٰۃ ۸۲۔ مشائخ تصوف ۸۳۔ مشرقی کا اسلام ۸۴۔ معارف الشیخ (مکتوبات مشتمل بر مضامین اربعہ) ۸۵۔ معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی ۸۶۔ معجم الصحابہ التی اخرج عنہم ابو داؤد الطیالسی فی مسندہ ۸۷۔ معجم المسند للامام احمدؒ ۸۸۔ مقدمہ ابن ماجہ شریف ۸۹۔ مقدمہ ارشاد السلوک ۹۰۔ مقدمہ اکمال الشیم ۹۱۔ مقدمہ بخاری شریف ۹۲۔ مقدمہ بذل المجہود ۹۳۔ مقدمہ شمائل ترمذی ۹۵۔ مقدمہ طحاوی شریف ۹۶۔ مقدمہ علم حدیث ۹۷۔ مکتوبات بنام اکابر ۹۸۔ مکتوبات تصوف ۹۹۔ مکتوبات علمیہ ۱۰۰۔ موت کی یاد ۱۰۱۔ میری محسن کتابیں ۱۰۲۔ نظام مظاہر علوم ۱۰۳۔ الوقائع والدہور



اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ

جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے

سَر ز مادر مکش کہ تاجِ شرف گردے از راہِ مادراں باشد
خاک شو زیرِ پای او کہ بہشت در قدم گاہِ مادراں باشد

زمیں پھیلی ہوئی ہے جس طرح افلاک کے نیچے
یونہی جنّت بھی ہے ماں کے قدم کی خاک کے نیچے

Hadith

Al-jannatu taḥta aqdāmi'l-'ummahāti.

The Paradise is beneath the feet of the mothers.1

بنیاد: الحاج حضرت مولانا **غلام رسول** صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ ہذا

زیر سرپرستی: پیر طریقت الحاج حضرت مولانا سید **نفیس الحسینی** شاہ صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری رحمہ اللہ

علوم نبویہ کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ مدنیہ تعلیم الفرقان رجسٹرڈ شور کوٹ کینٹ ضلع جھنگ کا مختصر تعارف

① جامعہ مدنیہ ملک بھر کی عظیم دینی درسگاہ ہے جو کہ عرصہ 40 سال سے تعلیمی تبلیغی اصلاحی خدمات نہایت احسن طریقے پر سرانجام دے رہا ہے۔

② جامعہ میں شعبہ حفظ تجوید و ناظرہ کے ساتھ ساتھ طلباء و طالبات کے لئے بالا ستیعاب موقوف علیہ (مشکوٰۃ شریف) تک تعلیم و تعلّم کا کام جاری ہے اور انشاء اللہ آئندہ سال دورہ حدیث شریف کا اجراء ہو گا۔

③ جامعہ وفاق المدارس کے ساتھ ملحق ہے۔ اور وفاق المدارس کے مجوزہ کورس اور درس نظامی کی تعلیم اعلیٰ پیمانے پر اسلاف کے طرز پر دی جاتی ہے۔

④ جامعہ میں اس وقت مقامی و بیرونی طلباء وطالبات کی تعداد 1000 سے زائد ہے جو کہ مختلف تعلیمی درجات میں زیر تعلیم ہیں۔ جن میں تقریباً 500 طلباء و طالبات کے قیام و طعام اور علاج وغیرہ کے اخراجات بذمہ جامعہ ہیں۔

⑤ اس سال جامعہ کے مختلف تعلیمی درجات سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء و طالبات کی تعداد 146 ہے۔

⑥ اس وقت جامعہ میں معلمین و معلمات و دیگر ملازمین کی تعداد 32 ہے۔

⑦ جامعہ کے سالانہ تعلیمی اخراجات تقریباً 30 لاکھ روپے نقد اور ساڑھے پندرہ صد من گندم ہے۔

⑧ تعمیرات کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں یہ تمام اخراجات مخیر حضرات کی زکوٰۃ صدقات عطیات و چرم ہائے قربانی و عشر سے پورے کئے جاتے ہیں۔

⑨ جامعہ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے یہ تمام اخراجات توکل علی اللہ پورے کئے جاتے ہیں۔

اپیل

آپ حضرات سے درخواست ہے کہ جامعہ کو اہم ترین صدقہ جاریہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ، صدقات، عطیات، چرمہائے قربانی و عشر دیتے وقت جامعہ کے مسافر طلباء و طالبات کی اعانت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(جامعہ مدنیہ کا کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 185 مسلم کمرشل بینک شور کوٹ کینٹ ہے)

الداعی الی الخیر: **محمد طاہر** عفی عنہ، مہتمم جامعہ مدنیہ تعلیم الفرقان رجسٹرڈ شور کوٹ کینٹ ضلع جھنگ پاکستان

فون نمبر ۲۷۴۳ — ۰۴۶۴

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ

کسی کو پچھاڑ دینے سے کوئی قوی نہیں ہو سکتا۔ قوی وہی ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے

پہلواں نیست آں کہ در کشتی　　پہلوانِ دِگر بیندازد
پہلواں آں بُود کہ گاہِ غضب　　نفسِ اَمّارہ را زَبُوں سازد

صفوں کو تم نے اُلٹا، پہلوانوں کو پچھاڑا بھی
مگر غُصّہ میں دیوِ نفس کا لنگر اُکھاڑا بھی

Ḥadith

Laysa'sh-shadīdu biṣ-ṣur'ati innama'sh-shadīdu'l-ladhī yamliku nafsahū 'inda'l-ghaḍabi.

He is not strong (or powerful) who throws people down, but he is the strong who masters himself when angry.[1]

اسلامی تعلیمات کا منفرد معیاری ادارہ

جامعہ حنفیہ بورے والا

طلباء کو اسلام کی اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے لئے ایسے نظام تعلیم کی ضرورت تھی جس سے مبلغین اسلام تیار ہوں جو عربی اور انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہوں اور پوری دنیا میں اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا فریضہ بھی ادا کر سکتے ہوں۔

اس مقصد کے لئے جامعہ حنفیہ بورے والا میں ایسا نظام تعلیم رائج ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ صرف نحو اور عربی ادب کے ساتھ ساتھ نہم سے بی-اے تک تعلیم کا معیاری انتظام ہے۔

الحمدللہ!

جامعہ کے فضلاء، مختلف دینی اور ملکی شعبوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

جامعہ حنفیہ بورے والا (وہاڑی) پنجاب-پاکستان فون: 53792 - 0447

اَلْبَلَاءُ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ

بلا آدمی کے کلام کے ساتھ وابستہ ہے

ہر کہ شد مُبتلا بہ پُر گوئی   بہ بلائے عجب گرفتار است
ہر بلائے کہ میرسد بکساں   بیشتر از مَمَرِّ گفتار است

زباں، اس کو نہ سمجھو، ہے یہ اِک آفت کا پرکالا
نہ رکھو گے جو قابو میں تو کر دے گی تہ و بالا

Hadith

Al-balāʼu mu'akkalun bi'l-mantiqi.

Speech is responsible for all afflictions.1

ڈاکٹر حبیب اللہ بھٹہ ایم۔ڈی امریکہ
DR. HABIBULLAH BHUTTA M.D. U.S.A

اشتہار واجب الاظہار

مدرسہ عربیہ رحیمیہ رجسٹرڈ توحید و سنت کا علمبردار اور اکابرین رائے پور کی زندہ یادگار ہے جس کا سنگ بنیاد 1950ء میں قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور اپنے ممتاز خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد سعید احمدؒ کو ادارہ کا متولی اور مہتمم اول مقرر کیا حضرت اقدس رائے پوریؒ کی رحلت کے بعد ان کے تمام خلفاء مجازین بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ (چک 11 والے) مدرسہ کی خصوصی سرپرستی فرماتے رہے اب بھی یادگار رائے پور حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحب اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب کندیاں شریف والے مدرسہ کے سرپرست ہیں مدرسہ ہذا نے نامساعد حالات کے باوجود جہالت کے اندھیروں میں دین کی شمع کو روشن کیا اور اب تک ہزاروں طلباء قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بہرہ ور ہو چکے ہیں چونکہ علاقہ سیم و تھور کی لپیٹ میں ہے اس لئے مدرسہ کی قدیم عمارات مخدوش ہو چکی ہیں اب دارالقرآن، دارالحدیث، دارالاقامہ، دارالکتب 12 کمروں پر مشتمل ڈبل سٹوری بنانے کا منصوبہ ہے ابتدائی کام شروع ہے اس تمام منصوبہ پر پچیس لاکھ روپیہ کا تخمینہ ہے جو مدرسہ کی دسترس سے باہر ہے پسماندہ علاقہ ہے توکل علی اللہ اور تبلیغی اصولوں کے مطابق عامیانہ دست سوال دراز نہیں کرتے مخلص مخلص ساتھیوں اور تبلیغی دوستوں سے اپیل ہے کہ از خود اس علمی تبلیغی مرکز کی تعمیر کریں اس سے بہتر زندگی میں آخرت بنانے کا شاید موقع میسر نہ آئے موقع غنیمت ہے آیئے اجر کمایئے آخرت بنایئے ڈرافٹ وغیرہ کی صورت میں ترسیل زر کے لئے مدرسہ کا کھاتہ نیشنل بینک آف پاکستان ڈونگہ بونگہ کی برانچ میں 2710 ہے ترسیل زر اور معلومات کے حصول کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔ مخلصین کے خلوص کا انتظار رہے گا۔

جانشین بانی ادارہ پیر جی عبدالقادر راجم کان اللہ لہ صدر مہتمم مدرسہ عربیہ رحیمیہ

(رجسٹرڈ) ڈونگہ بونگہ ضلع بہاولنگر فون 0691-560102

مدرسہ مجددیہ دیوبندیہ (قائم شدہ 1400ھ/1980ء)

تذانی روڈ گرجاکھ گوجرانوالہ

عرصہ سترہ اٹھارہ سال سے شہر کے انتہائی پسماندہ علاقہ میں مختلف شعبہ جات میں خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ مدرسہ میں زیر تعلیم طلباء و طالبات کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔

مدرسہ میں چند شعبے

طلباء کے لئے

(1) حفظ قرآن پاک
(2) ناظرہ قرآن پاک
(3) درس نظامی
(4) تجوید
(5) سکول (نرسری تا مڈل)

طالبات کے لئے

(1) حفظ قرآن پاک
(2) ناظرہ قران پاک
(3) درس نظامی
(4) تجوید
(5) سکول (نرسری تا مڈل)

○ فری ڈسپنسری ہومیوپیتھک ○ فری ڈسپنسری ایلوپیتھک

جن میں ماہر اور مستند ڈاکٹرز باقاعدگی سے اپنی خدمات انجام دیتے ہیں

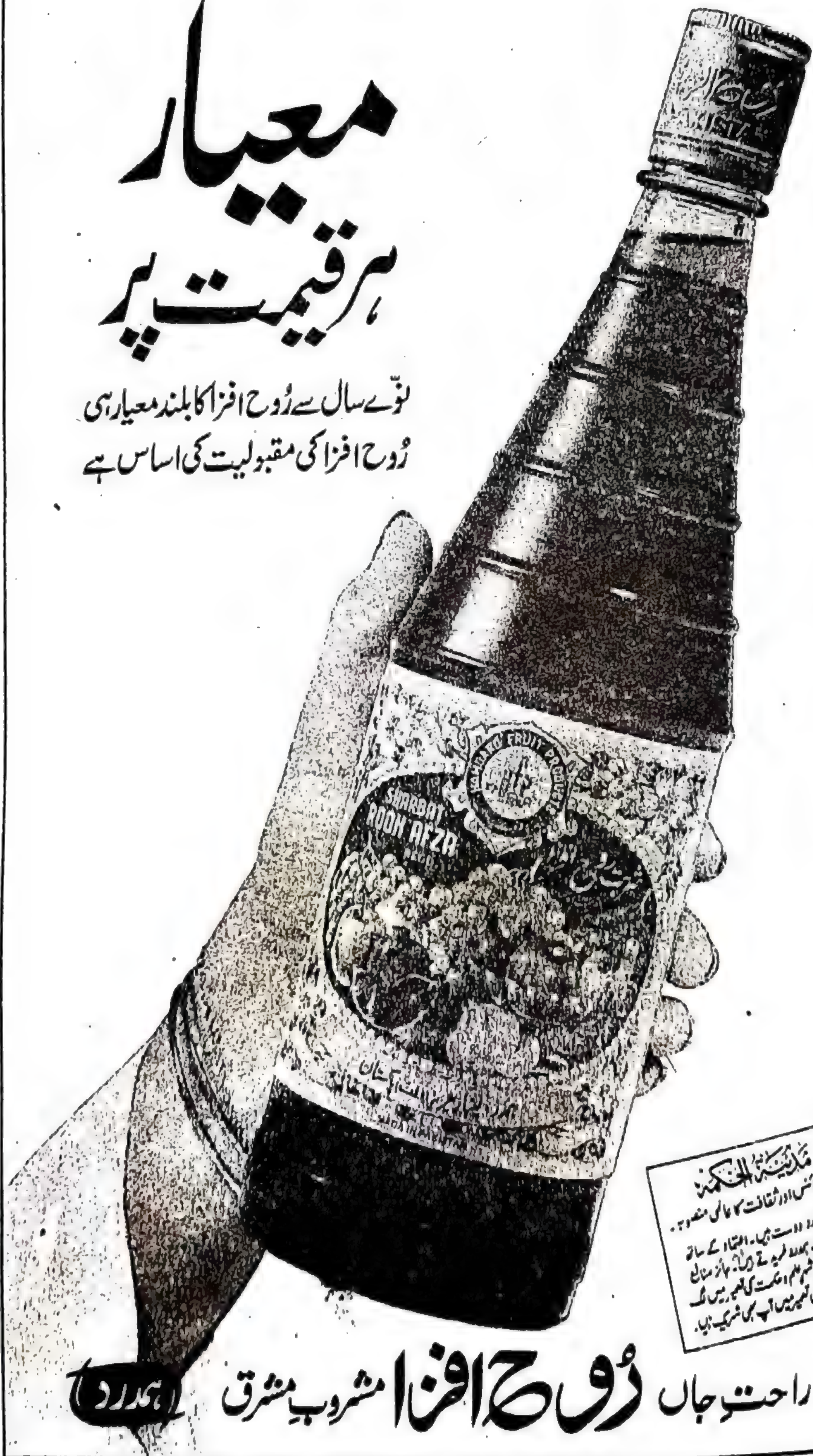
آپ کے عطیات کا بہترین مصرف

مدرسہ مجددیہ دیوبندیہ تذانی روڈ گرجاکھ گوجرانوالہ فون: 237470-
0431

"اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد کچھ عورتیں ہیں کچھ بچے ہیں جو دعا کر رہے ہیں 'اے پیارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے'"

(آیت نمبر 75 سورۂ نساء)

خان محمد ربانی مہتمم مدرسہ تجوید القرآن کوچہ الفاروق محمود آباد نمبر 3 کراچی


معیار
ہر قیمت پر
نوّے سال سے رُوح افزا کا بلند معیار ہی
رُوح افزا کی مقبولیت کی اساس ہے
SHARBAT
ROOH AFZA
مدینۃ الحکمۃ
تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ
راحتِ جاں رُوح افزا مشروبِ مشرق
ہمدرد

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند — ظفر علی خاں

ماہنامہ الرشید لاہور کا

دارالعلوم دیوبند نمبر

مضامین کی اجمالی جھلک

● الہامی مدرسہ ● دارالعلوم کے بانی ● دارالعلوم کے سرپرست ● دارالعلوم کے مہتمم ● دارالعلوم کے صدر مدرس ● دارالعلوم کے شیوخ حدیث ● دارالعلوم کے اساتذہ ● دارالعلوم کی تفسیری خدمات ● دارالعلوم کی حدیثی خدمات ● دارالعلوم کی فقہی خدمات ● دارالعلوم کی تبلیغی خدمات ● دارالعلوم کی تصنیفی خدمات ● دارالعلوم کی ادبی خدمات ● دارالعلوم کی سماجی خدمات ● دارالعلوم کی تہذیبی خدمات ● دارالعلوم اور سیاسی تحریکیں ● دارالعلوم اور دینی تحریکات ● دارالعلوم کی فنی خدمات ● دارالعلوم کا مزاج و مذاق ● دارالعلوم کا مسلک اعتدال ● دارالعلوم اور افتاء ● دارالعلوم اور مشاہیر عالم ● دارالعلوم اپنوں کی نظر میں ● دارالعلوم غیروں کی نظر میں ● دارالعلوم کا ماضی اور حال ● دارالعلوم کے طلبہ کا کردار ● دارالعلوم اور سلوک و تصوف ● دارالعلوم کے مشائخ ● دارالعلوم کے اکابر مشائخ ● دارالعلوم کی خصوصیات ● دارالعلوم اور تحفظ ختم نبوت ● دارالعلوم اور عشق رسالت ● دارالعلوم اور میدان خطابت ● دارالعلوم کے مناظر ● دارالعلوم کے مفکر ● دارالعلوم اور فرق باطلہ ● دارالعلوم کی عمارات ● دارالعلوم اور عیسائیت ● دارالعلوم مرکز رشد و ہدایت ● دارالعلوم اور حسن نیت ● دارالعلوم اور حفظ قرآن ● دارالعلوم اور تجوید و قراءت ● دارالعلوم اور مسئلہ تکفیر ● دارالعلوم سے مستفیض اکابر ● دارالعلوم اور تقسیم ہند ● دارالعلوم کے اشاعتی ادارے ● دارالعلوم کا پاکستان میں فیضان ● دارالعلوم کا فیضان عالم میں۔

اور اس کے علاوہ دیگر کئی عنوانات، قصائد، منظومات، خطوط

یہ ایک عظیم تاریخی دستاویز ہے جس سے ارباب علم و فضل ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے بس یوں سمجھ لیجیے کہ یہ ایک ایسا مواد یکجا ہے کہ جو بیسیوں کتب میں بھی شاید میسر نہ آسکے دارالعلوم دیوبند اس برصغیر کا وہ مذہبی ایسا مینارۂ نور ہے کہ جس کی روشنی کی کرنیں شرق و غرب میں پھیلی ہوئی ہیں اور جس کا اعتراف اپنے پرائے سبھی کرتے ہیں۔ ابھی سے دارالعلوم دیوبند نمبر کا آرڈر بک کرائیے؛ سائز ۲۰×۳۰ صفحات [illegible]

قیمت: /150 روپے

جس کے بانیوں اور سرپرستوں میں

شاہ ولی اللہؒ کا تفکر، شاہ عبدالعزیزؒ کا تقویٰ، شاہ عبدالقادرؒ کی قرآن فہمی، سید احمد شہیدؒ کا جذبۂ جہاد، شاہ محمد اسماعیلؒ کی جانبازی، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مولانا رومؒ کا سوز و گداز تھا اور جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی فقاہت، محدثین کرامؒ کے ذوق حدیث، صوفیائے عظام کے احوال و کیفیات اور صحابہ کرامؓ و اہل بیت کرامؓ کے جذبۂ اتباع سنت کے امین و وارث تھے۔

دارالعلوم دیوبند جس نے

برصغیر میں کتاب و سنت کی شمع کو روشن رکھا، سنن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کر کے بدعات و رسوم کو ختم کیا، خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کر کے منزل کی طرف صحیح رہنمائی کی، مسلمانوں کو تبلیغ مستقر سے نفرت دلا کر صراط مستقیم پر چلانے کی سعی مشکور کی، احساس کمتری کے شکار مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کر کے جابر انگریز کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ شاملی کی سرزمین سے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا، مالٹا اور ملک کی جیلوں کو آباد کر کے امام اعظمؒ، امام احمد بن حنبلؒ، مجدد الف ثانیؒ کی سنت اور اسلاف کی حکایات کو از سر نو زندہ کر کے خود بھی تاریخ کا ایک روشن عنوان بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند جو اس برصغیر میں

اسلامی غیرت و حمیت کا نشان اور مسیح دین، خالص توحید، عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، عظمت صحابہؓ، احترام اسلاف اور علم و عمل کا ایک صد سالہ سے علمبردار ہے۔ انہی صداقتوں، واقعات و حقائق اور دارالعلوم کے علمی و عملی کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر محفوظ رکھنے کے لیے ماہنامہ الرشید نے

ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مارچ ۱۹۷۶ء کو یکجا کر کے پیش کیا

چند لکھنے والے

كَثْرَةُ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ

بہت ہنسنا قلب کو مُردہ کر دیتا ہے

خُرّم آں کس کہ بہرِ زندہ دلی زیرِ لب خندہ را بمیرأند
خَندہ کم کُن کہ خَندہٗ بسیار صد دلِ زندہ را بمیراند

ہنسو لیکن نہ اتنا جس سے دِل پژمُردہ ہو جائے
طبیعت ہو مُنَغّص اور مَذاق اَفسُردہ ہو جائے

Ḥadith

Kathratu'd-ḍiḥki tumītu'l-qalba.

Excessive laughing deadens the heart.[1]

حاجی محمد سلیم قریشی، حاجی شبیر احمد قریشی گلشن اقبال کراچی